







مطابق عربی  
۱۰۲

A0187





هَذَا بَيِّنَاتٌ لِلنَّاسِ هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ

۱۳۹ : ۱۱۱

# تَفْهِيمُ الْفَرَائِدِ

جلد اول

الفحکما — الانعام

ابوالاعلیٰ مودودی

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی



۲۹۷، ۱۲

م ۲۰  
جلد اول

۲۱۵۸ ✓  
نشان دفعہ  
پر کتاب ۱۰۶

# تفہیم القرآن

جلد اول

الفاتحہ ————— الانعام

ابوالاعلیٰ مودودی

مرکزی  
مکتبہ جماعیہ اسلامیہ ہند

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

۲۰۰۰	۱۹۵۸ء	جنوری	طبع اول
۱۰۰۰	۱۹۵۹ء	مئی	طبع دوم
۱۰۰۰	۱۹۶۰ء	نومبر	طبع سوم
۱۱۰۰	۱۹۶۲ء	مارچ	طبع چہارم

ہدیہ بلا جلد دس روپے  
اجرت جلد

کلرپرنٹنگ پریس دہلی

# فہرست مضامین

۵	دیباچہ	۱
۱۳	مقدمہ	۲
۴۳	الفا تحہ	۳
۴۶	المبقع	۴
۲۶۸	الاعمال	۵
۳۱۶	النساء	۶
۴۳۲	المائلا	۷
۵۲۰	الاشعار	۸
۶۰۹	فہرست موضوعات	۹

# فہرست نقشبہ حث

۱	حضرت ابرہہ علیہ السلام کی ہاجرت اور انکے تبلیغی مشن کے مرکز	۱۰۸
۲	نقشہ مقامات درج	۱۵۶
۳	نقشہ حجاب اُحد	۲۸۴
۴	بنی اسرائیل کی مہر افروزی	۴۶۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر پر ہماری زبان میں اب تک اتنا کام ہو چکا ہے کہ اب کسی شخص کا محض برکت و سعادت کی خاطر ایک نیا ترجمہ یا ایک نئی تفسیر شائع کر دینا وقت اور محنت کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ اس راہ میں مزید کوشش اگر معقول ہو سکتی ہے تو صرف اُس صورت میں جبکہ آدمی کسی ایسی کسر کو پورا کر رہا ہو جو سابق مترجمین و مفسرین کے کام میں رہ گئی ہو یا طالبین قرآن کی کسی ایسی ضرورت کو پورا کرے جو پچھلے تراجم و تفاسیر سے پوری نہ ہوتی ہو۔

ان صفات میں ترجمانی و تفسیر قرآن کی جو سی کی گئی ہے وہ دراصل اسی بُنیاد پر ہے۔ میں ایک مدت سے محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے عام تعلیم یافتہ لوگوں میں رُوح قرآن تک پہنچنے اور اس کتاب پاک کے حقیقی مدعا سے رُوشناس ہونے کی جو طلب پیدا ہو گئی ہے اور روز بروز بڑھ رہی ہے وہ مترجمین و مفسرین کی قابلِ قدر سعی کے باوجود ہموار نشہ ہے۔ اس کے ساتھ میں یہ احساس بھی اپنے اندر پارہا تھا کہ اس تشنگی کو بجھانے کے لیے کچھ نہ کچھ خدمت میں بھی کر سکتا ہوں۔ انی دو قول احساسات نے مجھے اُس کوشش پر مجبور کیا جس کے ثمرات ہدیہ ناظرین کیے جا رہے ہیں۔ اگر فی الواقع میری یہ حقیر پیش کش لوگوں کے لیے فہم قرآن میں کچھ بھی مددگار ثابت ہوئی تو یہ میری بہت بڑی خوش نصیبی ہوگی۔

اس کام میں میرے پیشِ نظر علماء و محققین کی ضروریات نہیں ہیں اور نہ ان لوگوں کی ضروریات ہیں



جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرت کی پیاس بجھانے کے لیے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لیے ممکن نہیں ہے۔ انہی کی ضروریات کو میں نے پیش نظر رکھا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے اُن تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو علم تفسیر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں مگر اس طبقے کے لیے غیر ضروری ہیں۔ پھر جو مقصد میں نے اس کام میں اپنے سامنے رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عام ناظر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے قرآن کا مفہوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے اور اس سے وہی اثر قبول کرے جو قرآن اس پڑھنے والا چاہتا ہے۔ نیز دوران مطالعہ میں جہاں جہاں اسے الجھنیں پیش آسکتی ہوں وہ صاف کر دی جائیں اور جہاں کچھ حوالات اس کے ذہن میں پیدا ہوں ان کا جواب اُسے بروقت بل جائے۔ یہ میری کوشش ہے۔ اب اس امر کا فیصلہ عام ناظرین ہی کر سکتے ہیں کہ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ بہر حال یہ حرف آخر نہیں ہے۔ ہر ناظر سے میری درخواست ہے کہ جہاں کوئی تشنگی محسوس ہو یا کسی سوال کا جواب نہ ملے یا مدعا اچھی طرح واضح نہ ہو یا جو اس سے مجھے مطلع کیا جائے تاکہ میں اس خدمت کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکوں۔

ملک اکرام سے بھی میں گزارش کرتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں سے آگاہ فرمائیں +

چند الفاظ ترجمانی و تفسیم کے متعلق بھی

میں نے اس کتاب میں ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں باندی لفظ کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کو غلط سمجھتا ہوں۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ترجمہ قرآن کا تعلق ہے یہ خدمت اس سے پہلے متعدد بزرگ بہترین طریقہ پر انجام دے چکے ہیں اور اس لہ میں اب کسی مزید کوشش کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ فارسی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ اور اردو میں شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب، مولانا اشرف علی صاحب اور حافظ فتح محمد صاحب جالندھری کے تراجم اُن اعراض کو بخوبی پورا کر دیتے ہیں جن کے لیے

ایک لفظی ترجمہ دیا کرتا ہے۔ لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو لفظی ترجمے سے پوری نہیں ہوتیں اور نہیں ہو سکتیں۔ انہی کو ہم نے ترجمانی کے ذریعے سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

لفظی ترجمے کا اصل فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو قرآن کے ہر لفظ کا مطلب معلوم ہو جاتا ہے اور وہ ہر کلمہ کے نیچے اس کا ترجمہ پڑھ کر جان لیتا ہے کہ اس آیت میں یہ کچھ فرمایا گیا ہے۔ لیکن اس فائدے کے ساتھ اس طریقے میں کئی بے نقصان کے بھی ہیں جن کی وجہ سے ایک غیر عربی دال ناظر قرآن مجید سے اچھی طرح مستفید نہیں ہو سکتا۔

پہلی چیز جو ایک لفظی ترجمے کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے وہ روانی عبارت، انور بیان، بلاغت زبان اور تاثیر کلام کا فقدان ہے۔ قرآن کی سطروں کے نیچے آدمی کو ایک ایسی بے جا عبارت ملتی ہے جسے پڑھ کر نہ اس کی روح وجد میں آتی ہے، نہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، نہ اس کے جذبات میں کوئی طوفان برپا ہوتا ہے، نہ اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب جگرتا ہے، ترقی ملی جا رہی ہے۔ اس طرح کا کوئی تاثر رونما ہونا تو درکنار ترجمے کو پڑھتے وقت تو بے ادوات آدمی یہ سوچتا رہتا ہے کہ کیا واقعی یہی وہ کتاب ہے جس کی نظیر لانے کے لیے دنیا بھر کو چیلنج دیا گیا تھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظی ترجمے کی چھٹی صرف دوا کے خشک اجزاء ہی کو اپنے اندر سے گزرنے دیتی ہے۔ یہی ادب کی وہ تیز و تند اسپرٹ جو قرآن کی اصل عبارت میں بھری ہوئی ہے، اس کا کوئی حصہ ترجمے میں شامل نہیں ہونے پاتا۔ وہ اس چھٹی کے اوپر ہی سے اڑ جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن کی تاثیریں اس کی پاکیزہ تعلیم اور اس کے عالی قدر مضامین کا جتنا حصہ ہے، اس کے ادب کا حصہ بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہی تو وہ چیز ہے جو سنگ دل سے سنگ دل آدمی کا دل بھی گھلادیتی تھی جس نے بجلی کے کڑکے کی طرح حرب کی ساری زمین ہلا دی تھی جس کی قوت تاثیر کا لوہا اس کے شدید ترین مخالفین تک مانتے تھے اور ڈرتے تھے کہ یہ جادو اثر کلام جو مٹنے گا وہ بالآخر تقدیر دار بیٹھے گا۔ یہ چیز اگر قرآن میں نہ ہوتی اور وہ اسی طرح کی زبان میں نازل ہوتا ہوتا اسی اس کے ترجموں میں ہم کو ملتی ہے تو اہل عرب کے دلوں کو گروانے اور زمانے میں اسے ہرگز وہ کامیابی نہ حاصل ہو سکتی جو فی الواقع اسے حاصل ہوئی۔

لفظی ترجموں سے جاننے کے پوری طرح متاثر نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ترجمے بالعموم بین الاقوامی درج کیے جاتے ہیں، یا نئے طرز کے مطابق صفحے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک طرف کلام اللہ اور دوسری طرف ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اس غرض کے لیے تو عین مناسب ہے جس کی خاطر آدمی لفظی ترجمہ پڑھتا ہے، کیونکہ اس طرح ہر لفظ اور ہر آیت کے مقابلے میں اس کا ترجمہ ملتا جاتا ہے، لیکن اس کا نقصان یہ ہے کہ ایک آدمی جس طرح دوسری کتابوں کو پڑھتا اور ان سے اثر قبول کرتا ہے، اُس طرح وہ ترجمہ قارئین کو نہ تو مسلسل پڑھ سکتا ہے اور نہ اس سے اثر قبول کر سکتا ہے، کیونکہ بار بار ایک ایسی زبان کی عبارت اس کے مطالعہ کی راہ میں حائل ہوتی رہتی ہے۔ انگریزی ترجموں میں اس سے بھی زیادہ بے اثری پیدا کرنے کا ایک سبب یہ ہے کہ ماہیل کے ترجمے کی پیروی میں قرآن کی ہر آیت کا ترجمہ الگ الگ نمبر وار درج کیا جاتا ہے۔ آپ کسی بستر سے بہتر مضمون کو لے کر خدا اس کے فقرے فقرے کو الگ کر دیجیے اور اوپر نیچے نمبر وار لکھ کر اُسے پڑھیے۔ آپ کو خود محسوس ہو جائے گا کہ مربوط اور مسلسل عبارت سے جو اثر آپ کے ذہن پر پڑتا تھا اس سے آدھا اثر بھی ان جدا جدا فقروں کے پڑھنے سے نہیں پڑتا۔

ایک اور وجہ، اور بڑی اہم وجہ لفظی ترجمے کے غیر مؤثر ہونے کی یہ ہے کہ قرآن کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے اگر اس کو منتقل کرتے وقت تقریر کی زبان کو تحریر کی زبان میں تبدیل نہ کیا جائے اور جوں کا توں اس کا ترجمہ کر دیا جائے تو ساری عبارت غیر مربوط ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید ابتداءً لکھے ہوئے رسالوں کی شکل میں شائع نہیں کیا گیا تھا، بلکہ دعوت اسلامی کے سلسلے میں حسب موقع و ضرورت ایک تقریری مصلیٰ اشد علیہ سلم پر نازل کی جاتی تھی اور آپ اسے ایک خطبے کی شکل میں لوگوں کو سنتے تھے۔ تقریر کی زبان اور تحریر کی زبان میں فطرتاً بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً تحریر میں ایک شبہ کو بیان کر کے اسے رفع کیا جاتا ہے، مگر تقریر میں شبہ کرنے والے خود ماننے لگتا ہے جو دہوتے ہیں، اس لیے بسا اوقات یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش آتی کہ "لوگ ایسا کہتے ہیں"، بلکہ مقرر خود سخن ہی میں ایک فقرہ ایسا کہتا ہے جو ان کے شبہ کا جواب ہوتا ہے۔ تحریر میں سلسلہ کلام سے الگ مگر اس سے قریبی تعلق رکھنے والی کوئی بات کہنی ہو تو اس کو جملہ معترضہ کے طور پر کسی نہ کسی طرح عبارت سے جدا کر کے لکھا جاتا ہے تاکہ ربط کلام ٹوٹنے نہ پائے۔

لیکن تقریر میں صرف لہجہ اور طرزِ خطاب بدل کر ایک مقرر بڑے بڑے جلسائے معترضہ بولتا چلا جاتا ہے اور کوئی بے ربطی محسوس نہیں ہوتی۔ تحریر میں بیان کا تعلق ماحول سے جوڑنے کے لیے الفاظ سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن تقریر میں ماحول خود ہی بیان سے اپنا تعلق جوڑیتا ہے اور ماحول کی طرف اشارہ کیے بغیر جو باتیں کہی جاتی ہیں ان کے درمیان کوئی خلا محسوس نہیں ہوتا۔ تقریر میں شکلم اور مخاطب بار بار بدلتے ہیں۔ مقرر اپنے نزدیک کلام میں موقعِ دمل کے لحاظ سے کہی ایک ہی گروہ کا ذکر، میضہ غائب کرتا ہے اور کہی اسے حاضر سمجھ کر براہِ راست خطاب کرتا ہے۔ کہی واحد کا میضہ بولتا ہے اور کہی جمع کے میضے استعمال کرنے لگتا ہے۔ کہی شکلم وہ خود ہوتا ہے کہی کسی گروہ کی طرف سے بولتا ہے۔ کہی کسی بالائی طاقت کی نمائندگی کرنے لگتا ہے۔ اور کہی وہ بالائی طاقت خود اس کی زبان سے بولنے لگتی ہے۔ تقریر میں یہ چیز یکشن پیدا کرتی ہے مگر تحریر میں اگر یہی چیز بے جھجھجھ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی تقریر کو تحریر کی شکل میں لایا جاتا ہے تو اس کو پڑھتے وقت آدمی لازماً ایک طرح کی بے ربطی محسوس کرتا ہے اور یہ احساس اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے جتنا اصل تقریر کے حالات اور ماحول سے آدمی دور ہوتا جاتا ہے۔ خود قرآنِ عربی میں بھی ناواقف لوگ جس بے ربطی کی شکایت کرتے ہیں اس کی اصلیت یہی ہے۔ وہاں تو اس کو دور کرنے کے لیے اس کے سماچار نہیں ہے کہ تفسیری حواشی کے ذریعہ سے ربط کلام کو واضح کیا جائے، کیونکہ قرآن کی اصل جہالت میں کوئی کمی بیشی کرنا حرام ہے۔ لیکن کسی دوسری زبان میں قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے اگر تقریر کی زبان کو امتیاز کے ساتھ تحریر کی زبان میں تبدیل کر لیا جائے تو بڑی آسانی کے ساتھ یہ بے ربطی دور ہو سکتی ہے۔

علاوہ بریں جیسا کہ ابھی میں اشارۃً عرض کر چکا ہوں قرآن مجید کی ہر سورت دراصل ایک تقریر تھی جو دعوتِ اسلامی کے کسی مرحلے میں ایک خاص موقع پر نازل ہوتی تھی۔ اس کا ایک خاص پس منظر ہوتا تھا۔ کچھ مخصوص حالات اس کا تقاضا کرتے تھے۔ اور کچھ ضرورتیں ہوتی تھیں جنہیں پورا کرنے کے لیے وہ آتی تھی۔ اپنے اس پس منظر اور اپنی اس شانِ نزول کے ساتھ قرآن کی ان سورتوں کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ اگر اس سے الگ کر کے مجرد الفاظ کا ترجمہ آدمی کے سامنے رکھ دیا جائے تو بہت سی باتوں کو وہ قطعاً نہیں سمجھے گا اور بعض باتوں کو ان سمجھ جائیگا اور قرآن کا پورا مادہ تاثر پذیر نہیں ہو سکیگا اس کی گرفت میں آئیگا یہی نہیں قرآنِ عربی کے

سوائے میں اس مشکل کو دور کرنے کے لیے تفسیر سے مدد لینا پڑتی ہے، کیونکہ اصل قرآن میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن دوسری زبان میں ہم اتنی آزادی بہت سکتے ہیں کہ قرآن کی ترجمانی کرتے وقت کلام کو کسی نہ کسی مددگار کے ہم نظر اور اس کے حالات نزول کے ساتھ جوڑتے چلے جائیں، تاکہ ناظر کے لیے وہ پوری طرح بامعنی ہو سکے۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ قرآن اگرچہ عربی نہیں ہے مگر عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس کے ساتھ وہ اپنی ایک مخصوص اصطلاحی زبان بھی رکھتا ہے۔ اس نے بکثرت الفاظ کو ان کے اصل لغوی معنی سے ہٹا کر ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے اور بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کو وہ مختلف مواقع پر مختلف معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ پابند ہی لفظ کے ساتھ جوڑے کیے جاتے ہیں ان میں اس اصطلاحی زبان کی رعایت ملحوظ رکھنا بہت مشکل ہے اور اس کے ملحوظ نہ رہنے سے بے اوقات ناظرین طرح طرح کی الجھنوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ مثلاً ایک لفظ کفر کے لیے جو قرآن کی اصطلاح میں اصل عربی لغت اور ہائے فہما و تکلم کی اصطلاح دونوں سے مختلف معنی رکھتا ہے، اور پھر خود قرآن میں بھی ہر جگہ ایک ہی معنی میں استعمال نہیں ہوتا ہے۔ کہیں اس سے مراد مکمل غیر ایمانی حالت ہے کہیں یہ مجزوا انکار کے معنی میں آیا ہے۔ کہیں اس سے معنی ناشکری اور سامان فرائضی مراد لی گئی ہے کہیں مقتضیات ایمان میں سے کسی کو پورا نہ کرنے پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے کہیں اعتقادی اقرار و عملی انکار یا نافرمانی کے لیے یہ لفظ بولا گیا ہے کہیں ظاہری اطاعت مگر باطنی بے اعتقادی کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان مختلف مواقع پر اگر ہم ہر جگہ کفر کا ترجمہ کفر ہی کرتے چلے جائیں یا اُدھر کسی لفظ کا التزام کریں تو بلاشبہ ترجمہ اپنی جگہ صحیح ہو گا لیکن ناظرین کہیں مطلب کے محروم رہ جائیں گے کہیں کسی غلط فہمی کے شکار ہوں گے اور کہیں غلطان میں پڑ جائیں گے۔

فصلی ترجمے کے طریقے میں کس قدر غامضی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کرنے کے لیے میں نے ترجمانی کا ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اُدھر کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے معنی الاکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔ اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو عربی نہیں کی ترجمانی اُدو نہ ہو نہیں

میں ہو، تقریباً کاربط فطری طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو، اور کلام الہی کا مطلب بعد ماصات صاف واضح ہونے کے ساتھ اس کا شامانہ وقار اور زہریان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہو جائے۔ اس طرح کے آزاد ترجمے کے لیے یہ تو بہر حال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر ادائے مطالب کی جہالت کی جائے، لیکن معاملہ کلام الہی کا تھا، اس لیے میں نے بہت ڈرتے ڈرتے ہی یہ آزادی برتی ہے جس حد تک احتیاط میرے امکان میں تھی اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے اس امر کا ہر اہتمام کیا ہے کہ قرآن کی اپنی جہالت جتنی آزادی بیان کی گنجائش دیتی ہے اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

پھر چونکہ قرآن کو پوری طرح سمجھنے کے لیے مفہومی ہے کہ اس کے مشادات کا پر زخم بھی آدمی کے سامنے ہو، اور یہ چیز ترجمانی میں پوری طرح نمایاں نہیں کی جاسکتی تھی، اس لیے میں نے ہر سطرہ کے آغاز میں ایک دیباچہ لکھ دیا ہے جس میں اپنی حد تک پوری تحقیق کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ سوں کس زمانے میں نازل ہوا، اس وقت کیا حالات تھے، اسلام کی تحریک کس مرحلے میں تھی، کیا اس کی ضروریات تھیں اور کیا مسائل اس وقت درپیش تھے۔ نیز جہاں کہیں کسی خاص آیت یا مجموعہ آیات کی کوئی الگ شان نزول ہے، میں نے اسے حاشیہ میں بیان کر دیا ہے۔

حاشیہ میں میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی ایسی بحث نہ چھیڑی جلتے جو ناظر کی توجہ قرآن سے ہٹا کر کسی دوسری چیز کی طرف پھیر دے۔ جتنے حاشیے بھی میں نے لکھے ہیں، وہ ہی قسم کے مقامات پر لکھے ہیں۔ ایک وہ جہاں مجھے محسوس ہوا کہ ایک عام ناظر اس جگہ تشریح چاہے گا، یا اس کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہو گا، یا وہ کسی شعبہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ دوسرے وہ جہاں مجھے اندیشہ ہوا کہ ناظر اس جگہ سے سرسری طور پر گزر جائے گا اور قرآن کے ارشاد کی اصل روح اس پر واضح نہ ہوگی۔

جو لوگ اس کتاب کے پورا فائدہ اٹھانا چاہیں، ان کو میں مشورہ دوں گا کہ پہلے ہر سطرہ کے دیباچے کو بخوبی پڑھ لیں اور جب تک وہ سطرہ ان کے زیر مطالعہ رہے وقتاً فوقتاً اس کے دیباچے پر نظر ڈالتے رہیں۔ پھر وہ نہ تو قرآن مجید کا جتنا حصہ وہ عموماً پڑھتے ہوں اس کی ایک ایک آیت کا لفظی ترجمہ پڑھ لیں۔ اس غرض کے لیے فارسی، اردو، انگریزی تراجم میں سے جس کو وہ چاہیں منتخب کر سکتے ہیں۔ اسکے بعد تفہیم القرآن کی

ترجمانی کو حاشی کی طرف توجہ کیے بغیر مسلسل ایک جہارت کے طور پر پڑھیں تاکہ قرآن کے اس حصے کا پورا مضمون بیک وقت ان کے سامنے آجائے۔ پھر ایک ایک آیت کو تفصیل کے ساتھ سمجھنے کے لیے حاشی کا مطالعہ کریں۔ اس طرح پڑھنے سے مجھے توقع ہے کہ ایک عام ناظر کو قرآن مجید کی عالمانہ و واقفیت نہ ہسی، عالمانہ واقفیت ان شاء اللہ بخوبی حاصل ہو جائے گی۔

اس کتاب کو میں نے محرم ۱۳۳۷ھ (فروری ۱۹۱۷ء) میں شروع کیا تھا۔ پانچ سال سے زیادہ مدت تک اس کا سلسلہ ہماری رہا یہاں تک کہ سورۃ یوسف کے آخر تک ترجمانی اور تفہیم تیار ہو گئی۔ اس کے بعد پچھلے دو پچھلے اسباب پیش آتے چلے گئے کہ مجھے نہ تو آگے کچھ لکھنے کا موقع مل سکا اور نہ اتنی فرصت ہی میسر ہو سکی کہ جتنا کام ہو چکا تھا اسی کو نظر ثانی کر کے اس قابل بناسکتا کہ کتابی صورت میں شائع ہو سکے۔ اب اسے حسن اتفاق کیسے یا سورۃ اتفاق کہ اکثر جز ۱۳۷۷ھ میں یکایک مجھے ہبلک سیٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور یہاں مجھ کو وہ فرصت بہم پہنچ گئی جو اس کتاب کو پریس میں جانے کے قابل بنانے کے لیے درکار تھی۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جس غرض کے لیے میں نے یہ محنت کی ہے وہ پوری ہو اور یہ کتاب قرآن مجید کے فہم میں ہنگامہ خلا کے لیے واقعی کچھ مددگار ثابت ہو سکے، وَمَا تَوْفِیْقِي إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

ابوالاعلیٰ

نیو سنٹرل جیل — ملتان

۷، ۱۰ ذی القعدہ ۱۳۷۷ھ (۱۱ ستمبر ۱۹۵۷ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

ان گزشتوں کے عنوان میں لفظ "مقدمہ" دیکھ کر کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ میں قرآن کا مقدمہ لکھ رہا ہوں۔ یہ قرآن کا نہیں تفہیم القرآن کا مقدمہ ہے اور اس کے لکھنے سے میرے پیش نظر دو مقصد ہیں۔  
 اول یہ کہ قرآن کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے ایک عام ناظر ان باتوں سے اچھی طرح واقف ہو جائے جن کو ابتدا ہی میں سمجھ لینے سے فہم قرآن کی راہ آسان ہو جاتی ہے ورنہ یہ باتیں دو زبان مطالعہ میں بار بار کھینکتی ہیں اور بے اوقات محض ان کو نہ سمجھنے کی وجہ سے آدمی برسوں تک معافی قرآن کی سطح ہی پر گھومتا رہتا ہے، گمراہی میں اترنے کا راستہ اُسے نہیں ملتا۔

دوم یہ کہ ان سوالات کا جواب پہلے ہی دیدیا جائے جو قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے وقت بالعموم لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا کہتے ہیں۔ ان میں اس مقدمہ میں صرف ان سوالات کا جواب دوں گا جو خود میرے ذہن میں اول اول پیدا ہوئے تھے یا جن سے مجھ میں محجوب کو سابقہ پیش آیا۔ ان کے علاوہ اگر کچھ اور سوالات بھی جواب طلب باقی رہ گئے ہوں تو ان سے مجھے آگاہ کیا جائے۔ ان کا جواب ان شاء اللہ آئندہ اشاعت کے موقع پر اس مقدمہ میں بڑھا دیا جائے گا۔

عام طور پر ہم جن کتابوں کے پڑھنے کے مادی ہیں ان میں ایک تین موضوع پر معلومات و خیالات اور دلائل کے ایک خاص تصنیفی ترتیب کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر جب ایک ایسا شخص جو قرآن سے ہمیں تک



اجنبی رہا ہے، پہلی مرتبہ اس کتاب کے مطالعے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ یہ توقع لیے ہوئے آئے گا کہ یہ کتاب ہونے کی حیثیت سے اس میں بھی عام کتابوں کی طرح اپنے موضوع کا تعین ہوگا، پھر اصل مضمون کا ابواب و فصول میں تقسیم کر کے ترتیباً ایک ایک مسئلے پر بحث کی جائے گی، اور اسی طرح زندگی کے ایک ایک شعبے کو بھی الگ الگ کر کے اس کے متعلق احکام و ہدایات سلسلہ اور درج ہوں گی۔ لیکن جب کتاب کھول کر مطالعہ شروع کرتا ہے تو یہاں اسے اپنی توقع کے بالکل خلاف ایک دوسرے ہی انداز بیان سے سابقہ پیش آتا ہے جس سے وہ اب تک بالکل نا آشنا تھا۔ یہاں وہ دیکھتا ہے کہ اعتقادی مسائل، اخلاقی ہدایات، شرعی احکام، دعوت، نصیحت، عبرت، تنقید، مامت، تحریف، بشارت، قسّی، دلائل، شہادت، تاریخی قصے، آثار، کائنات کی طرف اشارے، بار بار ایک دوسرے کے بعد آ رہے ہیں۔ ایک ہی مضمون مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ میں دہرایا جا رہا ہے۔ ایک مضمون کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا چنانک شروع ہو جاتا ہے بلکہ ایک مضمون کے بیچ میں دوسرا مضمون کا ایک آجاتا ہے۔ مخاطب اور مخاطبہ بار بار بدلتے ہیں اور خطاب کا رخ رہ رہ کر مختلف سمتوں میں بھرتا ہے۔ بابوں اور فصولوں کی تقسیم کا کہیں نشان نہیں۔ تاریخ ہے تو تاریخ نگاری کے انداز میں نہیں۔ فلسفہ و ابعاد طبیعیات ہیں تو منطق و غرض کی زبان میں نہیں۔ انسان اور موجودات عالم کا ذکر ہے تو علوم طبیعی کے طریقے پر نہیں۔ تمدن و ریاست اور معیشت و معاشرت کی گفتگو ہے تو علوم عمران کے طرز پر نہیں۔ قانونی احکام اور اصول قانون کا بیان ہے تو مقتضوں کے ڈھنگ سے بالکل مختلف۔ اخلاق کی تعلیم ہے تو فلسفہ اخلاق کے سائے تلے چھ رہے اس کا انداز جلا۔ یہ سب کچھ اپنے سابقہ کتابی تصور کے خلاف پا کر آدمی پریشان ہو جاتا ہے اور اسیوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ ایک غیر مرتب، غیر منظم و منضبط کلام ہے جو اول سے لے کر آخر تک اشارے چھوٹے بڑے مختلف شذرات پر مشتمل ہے مگر مسلسل جہارت کی شکل میں لکھ دیا گیا ہے۔ مخالفانہ نقطہ نظر سے دیکھنے والا اسی پر طرح طرح کے اعتراضات کی بنا رکھ دیتا ہے۔ اور موافقانہ نقطہ نظر رکھنے والا کبھی معنی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے خلکو کے سچے سچے کی کوشش کرتا ہے، کبھی اس ظاہری بے ترتیبی کی تائید میں کر کے اپنے دل کو بھائی دیتا ہے، کبھی معنوی طریقے سے ربط تلاش کر کے عجیب عجیب نتائج نکالتا ہے، اور کبھی نظریہ شذرات کو قبول کر لیتا ہے جس کی وجہ سے ہرگز اپنے سابق و سابق سے الگ ہو کر ایسی معنی آفرینوں کی آماج گاہ

بن جاتی ہے جو قائل کے منشاء کے خلاف ہوتی ہیں۔

پھر ایک کتاب کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کو اس کا موضوع معلوم ہو۔ اس کے مقصد، مدعا اور اس کے مرکزی مضمون کا علم ہو، اس کے انداز بیان سے واقفیت ہو، اس کی اصطلاحی زبان اور اس کے مخصوص طرز تعبیر سے شناسائی ہو، اور اس کے بیانات اپنی ظاہری عبارات کے پیچھے جن احوال و مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، وہ بھی نظر کے سامنے رہیں۔ عام طور پر جو کتابیں ہم پڑھتے ہیں ان میں یہ چیزیں بآسانی مل جاتی ہیں اس لیے ان کے مضامین کی تہ تک پہنچنے میں ہمیں کوئی بڑی زحمت نہیں ہوتی۔ مگر قرآن میں یہ اس طرح نہیں ملتی جس طرح ہم دوسری کتابوں میں انہیں پانے کے عادی رہے ہیں۔ اس لیے ایک عام کتاب خواں کی سی ذہنیت لے کر جب ہم اس کا کوئی شخص قرآن کا مطالعہ شروع کرتے ہیں تو اسے کتاب کے موضوع، مدعا اور مرکزی مضمون کا شعراغ نہیں ملتا اس کا انداز بیان اور طرز تعبیر بھی اسے کچھ اجنبی سا محسوس ہوتا ہے۔ اور اکثر مقامات پر اس کی عبارات کا پس منظر بھی اس کی نگاہوں سے اجمل رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متفرق آیات میں حکمت کے جو موتی بکھرے ہوئے ہیں ان سے کم و بیش مستفید ہونے کے باوجود آدمی کلام اللہ کی اصلی روح تک پہنچنے سے محروم رہ جاتا ہے اور اہم کتاب حاصل کرنے کے بجائے اس کو کتاب کے بعض چند منتشر نکات و فوائد پر قناعت کر لینی پڑتی ہے بلکہ اکثر لوگ جو قرآن کا مطالعہ کر کے شہادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کے بچکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فہم کتاب کے ان ضروری مبادی سے ناواقف رہتے ہوئے جب وہ قرآن کو پڑھتے ہیں تو اس کے صفات پر مختلف معنایں انہیں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، اکثر آیات کا مطلب ان پر نہیں ملتا، بہت سی آیات کو دیکھتے ہیں کہ بجائے خود نورِ حکمت سے جگمگا رہی ہیں مگر سابق عبارات میں بالکل بے جڑ محسوس ہوتی ہیں، متعدد مقامات پر تعبیرات اور اسلوب بیان کی ناواقفیت انہیں اصل مطلب سے ہٹا کر کسی اور ہی طرف لے جاتی ہے، اور اکثر مواقع پر پس منظر کا صحیح علم نہ ہونے سے شدید غلط فہمیاں پیش آتی ہیں۔

قرآن کس قسم کی کتاب ہے؟ اس کے نزول کی کیفیت اور اس کی ترتیب کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا موضوع و منہج

کیا ہے؟ اس کی ساری بحث کس مذہب کے لیے ہے؟ کس مرکزی مضمون کے ساتھ اس کے یہ بے شمار مختلف الشیخ مضامین وابستہ ہیں، کیا طرز امتثال اور کیا طرز بیان اس نے اپنے مذہب کے لیے اختیار کیا ہے؟ یہ اور ایسے ہی دوسرے چند ضروری سوالات ہیں جن کا جواب صاف اور سیدھے طریقے سے اگر آدمی کو ابتداء ہی میں مل جائے تو وہ بہت سے خطرات سے بچ سکتا ہے اور اس کے لیے فہم و تدبیر کی راہیں کشادہ ہو سکتی ہیں۔ جو شخص قرآن میں تصنیفی ترتیب تلاش کرتا ہے اور وہاں اسے نہ پا کر کتاب کے صفحات میں بھٹکنے لگتا ہے اُس کی پریشانی کی اصل وجہ یہی ہے کہ وہ مطالعہ قرآن کے ان مبادی سے ناواقف ہو رہا ہے۔ وہ اس گمان کے ساتھ مطالعہ شروع کرتا ہے کہ وہ مذہب کے موضوع پر ایک کتاب پڑھنے چلا ہے۔ ”مذہب کا موضوع اور کتاب“ ان دونوں کا تعلق اس کے ذہن میں وہی ہوتا ہے جو بالعموم مذہب اور کتاب کے متعلق ذہنوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر جب اُن اسے اپنے ذہنی تصور سے بالکل ہی مختلف ایک چیز سے سابقہ پیش آتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس سے مانوس نہیں کر سکتا اور سرکشانہ مضمون اتھوڑنے کے باعث بنی اسطوروں بھٹکنا شروع کر دیتا ہے جیسے وہ ایک اجنبی مسافر ہے جو کسی نئے شہر کی گلیوں میں گھوم گیا ہے۔ اس گم گشتگی سے وہ بچ جائے اگر اسے پہلے ہی یہ بتا دیا جائے کہ تم جس کتاب کو پڑھ رہے ہو وہ تمام دنیا کے لشکر و پیادوں میں اپنے طرز کی ایک ہی کتاب ہے، اس کی تصنیف دنیا کی ساری کتابوں سے بالکل مختلف طور پر ہوئی ہے، اپنے موضوع اور مضمون اور ترتیب کے لحاظ سے بھی وہ ایک نئی چیز ہے، لہذا تمہارے ذہن کا وہ کتابی سانچہ جواب تک کی کتب بینی سے بند ہے، اس کتاب کے سمجھنے میں تمہاری مدد نہ کرے گا بلکہ اُن مزاحم ہو گا۔ اسے سمجھنا چاہتے ہو تو اپنے پہلے سے قائم کیے ہوئے قیاسات کو ذہن سے نکال کر اس کی عجیب خصوصیات سے شناسائی حاصل کرو۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ناظر کو قرآن کی اصل سے واقف ہو جانا چاہیے۔ وہ خواہ اس پر ایمان لائے یا نہ لائے، مگر اس کتاب کو سمجھنے کے لیے اسے نقطہ آغاز کے طور پر اس کی دہی اصل قبول کرنی ہوگی جو خود اس نے اور اس کے پیش کرنے والے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

۱۔ خداوند عالم نے، جو ساری کائنات کا خالق اور مالک اور فرماندار ہے، اپنی بے پایاں مملکت کے

اس حق میں جسے زمین کہتے ہیں، انسان کو پیدا کیا۔ اُسے جاننے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں۔ بھلائی اور بُرائی کی تمیز دی۔ انتخاب اور اعلیٰ کی آزادی عطا کی۔ تصرف کے اختیارات بخشے۔ اور فی الجملہ ایک طرح کی خود اختیاری (Autonomy) دے کر اسے زمین میں اپنا غلیفہ بنایا۔

۲۔ اس منصب پر انسان کو مقرر کرتے وقت خداوند عالم نے اچھی طرح اس کے کان کھول کر یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی تھی کہ تمہارا اور تمام جہان کا مالک محمود اور حاکم میں ہوں۔ میری اس سلطنت میں نہ تم خود مختار ہو، نہ کسی دوسرے کے بندے ہو، اور نہ میرے سرا کوئی تمہاری اطاعت و بندگی اور سپرستش کا مستحق ہے۔ دنیا کی یہ زندگی جس میں تمہیں اختیارات دے کر بھیجا جا رہا ہے دراصل تمہارے لیے ایک امتحان کی مدت ہے جس کے بعد تمہیں میرے پاس واپس آنا ہوگا اور میں تمہارے کام کی جانچ کر کے فیصلہ کروں گا کہ تم میں سے کون امتحان میں کامیاب رہا ہے اور کون ناکام۔ تمہارے لیے صحیح رویت یہ ہے کہ محکمہ واحد محمود اور حاکم تسلیم کرو، جو ہدایت میں بھیجوں اُس کے مطابق دنیا میں کام کرو، اور دنیا کو دارالامتحان سمجھتے رہو اس شعور کے ساتھ زندگی بسر کرو کہ تمہارا اصل مقصد میرے آخری فیصلے میں کامیاب ہونا ہے۔ اس کے برعکس تمہارے لیے ہر وہ رویت غلط ہے جو اس سے مختلف ہو۔ اگر پہلا رویت اختیار کر دو گے (جسے اختیار کرنے کے لیے تم آزاد ہو) تو تمہیں دنیا میں امن و اطمینان حاصل ہوگا اور جب میرے پاس پٹ کر آؤ گے تو میں تمہیں ہدیٰ رحمت و مسرت کا وہ گھر دوں گا جس کا نام جنت ہے۔ اور اگر دوسرے کسی رویت پر چلو گے (جس پر چلنے کے لیے بھی تم کو آزادی ہے) تو دنیا میں تم کو فساد اور بے چینی کا مزہ اچکھنا ہوگا اور دنیا سے گذر کر عالم آخرت میں جب آؤ گے تو ابندی، ریخ و مصیبت کے اُس گڑھے میں پھینک دیے جاؤ گے جس کا نام دوزخ ہے۔

۳۔ یہ فہمائش کر کے مالک کائنات نے لہرے انسانی کو زمین میں جگہ دی اور اس نوع کے اولین افراد (آدم اور حوا) کو وہ ہدایت بھی دے دی جس کے مطابق انہیں اور ان کی اولاد کو زمین میں کام کرنا تھا۔ یہ اولین انسان جہالت اور تاریکی کی حالت میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ خدائے زمین پر ان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں کیا تھا۔ وہ حقیقت سے واقف تھے۔ انہیں ان کا قانون حیات بتا دیا گیا تھا، ان کا طریق زندگی خدا کی اطاعت (یعنی اسلام) تھا، اور وہ اپنی اولاد کو یہی بات سکھا کر گئے کہ وہ طبع خدا (سلم) ان کو

رہیں لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ انسان اس صحیح طرحی زندگی (دین) سے محروم ہو کر مختلف قسم کے غلط رویوں کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے مخالفت سے اس کو گم بھی کیا اور شرارت سے اس کو نسخ بھی کر ڈالا۔ انہوں نے خدا کے ساتھ دین و آسمان کی مختلف انسانی اور غیر انسانی بھالی اصدادی ہستیوں کو خدائی میں شریک ٹھہرایا۔ انہوں نے خدا کے وسیع ہونے، علم حقیقت (العلم) میں طرح طرح کے دھام اور نظریوں اور فلسفوں کی آمیزش کر کے بے شمار مذہب پیدا کر دیے۔ انہوں نے خدا کے مقرر کیے ہوئے عادات اور اصول اخلاق و تمدن (شریعت) کو چھوڑ کر اپنا اپنی خواہشات نفس اور اپنے تعصبات کے مطابق ایسے قوانین زندگی گھڑ دیے جن سے خدا کی زمین ظلم سے بھر گئی۔

۴۔ خدا نے جو محدود و اختیار ہی انسان کو دی تھی اس کے ساتھ یہ بات مہابقت نہ رکھتی تھی کہ وہ اپنی تخلیق و خلقت سے کام لے کر ان بگڑے ہوئے انسان کو زبردستی صحیح رویہ کی طرف موڑ دیتا۔ اول اس نے دنیا میں کام کرنے کے لیے جو ملت اس نوع کے لیے اودھ کی مختلف قوموں کے لیے مقرر کی تھی اس کے ساتھ یہ بات بھی مہابقت نہ رکھتی تھی کہ اس بغاوت کے رونما ہوتے ہی وہ انسانوں کو ہلاک کر دیتا۔ پھر جو کام ابتدائے آفرینش سے اُس نے اپنے ذمہ لیا تھا وہ یہ تھا کہ انسان کی خود اختیاری کو برقرار رکھتے ہوئے، اُس کی مہلت مل کے دولہن میں اُس کی رہنمائی کا انتظام کرتا رہے گا۔ چنانچہ اپنی اس خود ماند کردہ ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے اس نے انسان ہی میں سے ایسے آدمیوں کو استعمال کرنا شروع کیا جو اس پامیلن رکھنے والے اول اس کی رضا کی پیروی کرنے والے تھے۔ اس نسلان کو اپنا نامزدہ بنایا۔ اپنے پیغامات ان کے پاس بھیجے۔ ان کو علم حقیقت بخشا۔ انہیں صحیح قانون حیات عطا کیا۔ اور انہیں اس کام پر آمادہ کیا کہ اپنی آدم کو اسی راہ راست کی طرف پلٹنے کی دعوت دیں جس سے وہ ہٹ گئے تھے۔

۵۔ یہ پیغمبر مختلف قوموں اور ملکوں میں اُٹھتے رہے۔ ہزار ہا برس تک ان کی آمد کا سلسلہ چلتا رہا۔ ہزار ہا کی تعداد میں مبعوث ہوئے۔ اُن سب کا ایک ہی دین تھا، یعنی وہ صحیح رویہ جو اہل روز ہی انسان کو بتایا گیا تھا۔ وہ سب ایک ہی ہدایت کے پیرو تھے، یعنی اخلاق و تمدن کے وہ انجیل و آب و ہوی اصول جو آغا ہی میں انسان کے لیے تجویز کر دیے گئے تھے۔ اعلان سب کا ایک ہی مشن تھا، یعنی یہ کہ اس دین اور اس ہدایت کی طرف اپنے اپنا نئے نوع کو دعوت دیں، پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں ان کو نعمت کے ایک ایسی اہمیت بنائیں جو خود اللہ کے قانون کی پابند ہو اور دنیا میں قانون الہی کی اطاعت قائم کرنے اور اس قانون کی خلاف ورزی

روکنے کے لیے جدوجہد کرے۔ ان پیغمبروں نے اپنے اپنے دُور میں اپنے اس مٹن کو پوری خوبی کے ساتھ ادا کیا، مگر عیسٰی بھی ہوتا رہا کہ انسانوں کی ایک کثیر تعدادِ حقان کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ ہی نہ ہوئی اور جنہوں نے اسے قبول کر کے امتِ نبویہ کی حیثیت اختیار کی وہ رفتہ رفتہ خود گمراہ چلے گئے حتیٰ کہ ان میں سے بعض امتیں ہدایت الٰہی کو بالکل ہی گم کر گئیں اور بعض نے خدا کے ارشادات کو اپنی تہریفات اور تفسیروں سے سُرخ کر دیا۔

۶۔ آخر کار خداوندِ عالم نے سرزمینِ عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کام کے لیے مبعوث کیا جس کے لیے پہلے نبیاء آتے رہے تھے۔ اُن کے مخاطب عام انسان ہی تھے اور پچھلے نبیاء کے گمراہ ہوئے پیرو بھی۔ سب کو صحیح رویت کی طرف دعوت دینا سب کو از سر نو خدا کی ہدایت پہنچا دینا اور جس دعوت و ہدایت کو قبول کریں انہیں ایک الٰہی اُمت بنادینا اُن کا کام تھا جو ایک طرف خود اپنی زندگی کا نظام خدا کی ہدایت پر قائم کئے اور دوسری طرف دنیا کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرے۔ اسی دعوت اور ہدایت کی کتاب یہ قرآن ہے جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

قرآن کی یہ اصل معلوم ہو جانے کے بعد ناظرین کے لیے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس کتاب کا موضوع کیا ہے، اس کا مرکزی مضمون کیا ہے اور اس کا مذہب کیا ہے۔

اُس کا موضوع انسان ہے اس اعتبار سے کہ بلحاظ حقیقت نفسِ الامری اُس کی صلاح اور اُس کا خسران کس چیز میں ہے۔

اُس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہری دنیا یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے سبب انسان نے خدا اور نظام کائنات اور اپنی ہستی اور اپنی دُنیوی زندگی کے تعلق جو نظریات قائم کیے ہیں اور اُن نظریات کی بنا پر جو رویے اختیار کر لیے ہیں وہ سب حقیقتِ نفسِ الامری کے لحاظ سے غلط اور حق کے اعتبار سے خود انسان ہی کے لیے تباہ کن ہیں۔ حقیقت وہ ہے جو انسان کو عظیم بنا دے وقت خدا نے خود بتا دی تھی۔ اور اس حقیقت کے لحاظ سے انسان کے لیے وہی رویہ درست اور خوش انجام ہے جسے پچھلے صفحات میں ہم صحیح رویہ کے نام سے بیان کر چکے ہیں۔

اُس کا مُدّعا انسان کو اس صحیح رویت کی طرف دعوت دینا اور اللہ کی اُس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور اپنی شرارت سے محج کرتا رہا ہے۔

ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو اسے صاف نظر آئے گا کہ یہ کتنی بکریں اپنے موضوع اور اپنے مدّعا اور مرکزی مضمون سے بال برابر بھی نہیں ملتی ہے۔ اول سے لے کر آخر تک اس کے مختلف التّرج مضامین اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ اس طرح جُڑے ہوئے ہیں جیسے ایک ہال کے چھوٹے بڑے رنگ برنگ جواہر ہار کے رشتے میں مربوط و منسلک ہوتے ہیں۔ وہ زمین و آسمان کی ساخت پر انسان کی خلقت پر، اہلکار کا نیک مشاہدات اور گزری ہوئی قوموں کے واقعات پر گفتگو کرتا ہے، مختلف قوموں کے عقائد و اخلاق اور اعمال پر تنقید کرتا ہے، مابعد الطبیعی امور و مسائل کی تشریح کرتا ہے، اور بہت سی دوسری چیزوں کا ذکر بھی کرتا ہے۔ مگر اس لیے نہیں کہ اسے غنیمت یا تاسع یا غلبے یا کسی اور فن کی تعلیم دینی ہے، بلکہ اس لیے کہ اسے حقیقت نفسِ لہری کے متعلق انسان کی غلط فہمیاں دور کرنی ہیں، اصل حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرنی ہے، غلاب حقیقت رویت کی غلطی و بدانتظامی ماضع کرنی ہے، اور اُس رویت کی طرف دعوت دینی ہے جو مطابق حقیقت اور خوش انتظام ہے یہی جو ہے کہ وہ ہر چیز کا ذکر صرف اُس حد تک اور اُس انداز میں کرتا ہے جو اس کے مدّعا کے لیے ضروری ہے، ہمیشہ اُن چیزوں کا ذکر بقدر ضرورت کرنے کے بعد غیر متعلق تفصیلات کو چھوڑ کر اپنے مقصد اور مرکزی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کا سارا بیان انتہائی یکسانی کے ساتھ دعوت کے محور پر گھومتا رہتا ہے۔

مگر قرآن کے طرز بیان اور اس کی ترتیب اور اس کے بہت سے مضامین کی سہمی اُس وقت تک ابھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ اس کی کیفیت و نزول کو بھی ابھی طرح نہ سمجھ لے۔

یہ قرآن اس ذمیت کی کتاب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت اسے کلمہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہو اور کہ یہ جو کہ اسے شائع کر کے لوگوں کی ایک خاص رویت زندگی کی طرف بلاتیں۔ نیز یہ اس ذمیت کی کتاب بھی نہیں ہے کہ اس میں مصنفانہ انداز پر کتاب کے موضوع اور مرکزی مضمون کے متعلق بحث کی گئی ہو یہی وجہ ہے کہ اس میں نہ تصنیفی نزہت پائی جاتی ہے اور نہ کتابی انسکوب۔ دراصل اس کی ذمیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے ظہیر کرم میں اپنے ایک بندے کو

پیغمبری کی خدمت کے لیے منتخب کیا اور اسے حکم دیا کہ اپنے شہر اور اپنے قبیلہ (قریش) سے دعوت کی ابتدا کرے۔ یہ کام شروع کرنے کے لیے انہمازیں جن ہدایات کی ضرورت تھی صرف وہی دی گئیں اور وہ زیادہ ترین مضمرات پر مشتمل تھیں۔

ایک پیغمبر کو اس امر کی تعلیم کہ وہ خود اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کے لیے کس طرح تیار کریں اور کس طرح پر کام کریں۔

دوسرے حقیقت نفس لامرئی کے متعلق ابتدائی معلومات اور حقیقت کے بارے میں من غلط فہمیوں کی مہل ترویج جو گوشت و پیش کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں، جن کی وجہ سے ان کا رویہ غلط ہو رہا تھا۔

تیسرے مجمع روپیہ کی طرف دعوت اور ہدایت الہی کے ان بنیادی اصولی اخلاق کا بیان جن کی پیروی میں انسان کے لیے فلاح و سعادت ہے۔

شروع شروع کے یہ پیغامات ابتدائے دعوت کی مناسبت سے چند چھوٹے چھوٹے مختصر دلائل پر مشتمل ہوتے تھے جن کی زبان نہایت شصتہ نہایت شیریں، نہایت پڑاؤ اور مخاطب قوم کے مذاق کے مطابق بہترین ادبی رنگ لیے ہوئے ہوتی تھی تاکہ دلوں میں یہ بول تیر و فشر کی طرح پیرست ہو جائیں، کان خود خود ان کے تلم کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوں، اور زبانیں ان کے سخن تناسب کی وجہ سے بے اختیار ہو کر انہیں نہہر لگےں پھر ان میں مقامی رنگ بہت زیادہ تھا۔ اگرچہ بیان تو کی جارہی تھیں عالمگیر صداقتیں مگر ان کے لیے دلائل و شواہد و ثبائیں اس قریب تک حاصل سے لی گئی تھیں جس سے مخاطب لوگ اچھی طرح مانوس تھے۔ انہی کی تاریخ، انہی کی رعایات، انہی کے معزز و مشاہدوں کے لئے آئینہ اور انہی کی اعتقادی و اخلاقی اور اجتماعی خدایوں کی ساری گنگو تھی تاکہ وہ اس سے اثر لے سکیں۔

دعوت کا یہ ابتدائی مرحلہ تقریباً چار یا پنج سال تک جاری رہا، اور اس مرحلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا وہ عمل تین صورتوں میں ظاہر ہوا:-

(۱) چند صلح آدمی اس دعوت کو قبول کر کے محبت مسلط بننے کے لیے تیار ہو گئے۔

(۲) ایک کثیر تعداد وجہات یا خود غرضی یا آبائی طریقے کی محبت کے سبب سے مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔



(۳) تاکہ اور قریش کی حدود سے نکل کر اس نئی دعوت کی آواز لے سکیں، زیادہ وسیع علاقے میں پہنچنے لگی۔

یہاں سے اس دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں اسلام کی اس تحریک اور پُرانی جاہلیت کے درمیان ایک سخت جہاں کش مکش برپا ہوئی جس کا سلسلہ آٹھ نو سال تک چلتا رہا۔ نہ صرف یہ کہ میں، نہ صرف قبیلہ قریش میں، بلکہ عرب کے بیشتر حصوں میں بھی جو لوگ پرانی جاہلیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے وہ اس تحریک کو بددعا ماننے پر نکل گئے، انہوں نے اسے دہانے کے لیے سارے حربے استعمال کر ڈالے۔ جھوٹا پروپیگنڈا کیا، الزامات اور شبہات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کی، عوام الناس کے دلوں میں طرح طرح کی دوسرے اندازیاں کیں، ناواقف لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے سے روکنے کی کوششیں کیں، اسلام قبول کرنے والوں پر نہایت وحشیانہ علم و قہر ڈھائے، ان کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کیا، اور ان کو آہستہ آہستہ ان میں سے بہت سے لوگ دودھ اپنے گھر چھوڑ کر وحش کی طرف ہجرت کر جانے پر مجبور ہوئے، اور بالآخر تیسری مرتبہ ان سب کو دیکھنے کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن اس شدید اور رذائل مزاحمت کے باوجود یہ تحریک پھلتی چلی گئی۔

کچھ عرصے کوئی خاندان اور کوئی گھرانہ نہ رہا جس کے کسی نہ کسی فرد نے اسلام قبول نہ کر لیا، ہر بیشتر خاندان اسلام کی روشنی میں شدتِ اندیشی کی وجہ یہی تھی کہ ان کے اپنے بھائی، بھتیجے، بیٹے، بیٹیاں، بہنیں اور بیٹنوی دعوتِ اسلام کے نہ صرف پیرو بلکہ ہاں نثار حامی ہو گئے تھے اور ان کے اپنے دل و جگر کے ٹکڑے ہی ان سے برسرِ بیکار ہونے کو تیار تھے۔ پھر نطفہ یہ ہے کہ جو لوگ پرانی جاہلیت سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس نوجیز تحریک کی طرف آ رہے تھے وہ پہلے بھی اپنی سوسائٹی کے بہترین لوگ سمجھے جاتے تھے، اور اس تحریک میں شامل ہونے کے بعد وہ بدلتے نیک لائق و مستباز اور اتنے پاکیزہ اخلاق کے انسان بن جاتے تھے کہ دنیا اس دعوت کی برتری محسوس کیے بغیر نہیں سکتی تھی جو ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور انہیں یہ کچھ باہمی تھی۔

اس طویل اور شدید کشمکش کے دوران میں اللہ تعالیٰ حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت اپنے نبی پر ایسے پرورش غلبے نازل کرتا رہا جن میں دنیا کی سی دماغی سیلاب کی سی قوت اور تیز و تند آگ کی سی تاثیر تھی۔ ان خطبوں میں ایک طرف اہل ایمان کو ان کے ابتدائی فرائض بتا کر دے گئے، ان کے اندر جماعتی شعور پیدا کیا گیا، انہیں تقویٰ اور

فصیلت انفق پاکیزگی سیرت کی تعلیم دیتی تھی، ان کو دین حق کی تبلیغ کے طریقے بتائے گئے، کامیابی کے وعدوں اور جنت کی بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی گئی، انہیں صبر و ثبات اور جہد و جنگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہد و جہد کرنے پر ابھارا گیا اور فداکاری کا ایسا زبردست جوش اور ولولہ ان میں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر مصیبت جھیل جانے اور غم اٹھانے کے بڑے سے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ دوسری طرف مخالفین اور راہ راست سے منحرف و منحرف والوں اور غفلت کی نیند سونے والوں کو ان قوموں کے انہام سے ڈرایا گیا جن کی تاریخ سے وہ خود واقف تھے، ان تمام شہدائے عسکریوں کے آثار سے عبرت دلانی گئی جن کے کھنڈروں پر سے شب و روز اپنے سفروں میں ان کا گزر ہوتا تھا توحید اور آخرت کی دلیل ان کھلی کھلی نشانوں سے دی گئیں جو رات دن زمین اور آسمان میں ان کی آنکھوں کے سامنے نمایاں تھیں اور جن کو وہ خود اپنی زندگی میں بھی ہر وقت دیکھتے اور محسوس کرتے تھے، شرک اور دعوائے خود مختاری اور کفار آخرت اور تقلیدِ باپائی کی غلطیاں ایسے تین لٹائل سے واضح کی گئیں جو دل کو گنگے اور دماغ میں اتر جانے والے تھے۔ پھر ان کے ایک ایک شبہ کو رفع کیا گیا، ایک ایک اعتراض کا معقول جواب دیا گیا، ایک ایک الجھن جس میں وہ خود پڑے ہوئے تھے یا دوسروں کو الجھانے کی کوشش کرتے تھے، صاف کی گئی، اور ہر طرف گھیر کر جاہلیت کو ایسا تنگ پکڑا گیا کہ عقل و فہم کی دنیا میں اس کے لیے ٹھہرنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہی۔ اس کے ساتھ پھر ان کو خدا کے غضب و قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کا خوف دلایا گیا، ان کے بڑے اخلاق اور غلط طرز زندگی اور جاہلانہ رسوم اور حق دشمنی اور معن آزادی پر انہیں ملامت کی گئی، اور اخلاق و تمدن کے وہ بڑے بڑے بنیادی اصول ان کے سامنے پیش کیے گئے جن پر ہمیشہ سے خدا کی پسندیدہ اصلاح و تہذیب کی تعمیر ہو رہی تھی۔

یہ مرحلہ سب سے خود مختلف منزلوں پر مشتمل تھا جن میں سے ہر منزل میں دعوت زیادہ وسیع ہوتی گئی، چاروں جہاد و مزاحمت زیادہ سخت ہوتی گئی، مختلف عقائد اور مختلف طرز عمل رکھنے والے گروہوں سے سابقہ پیش آتا گیا، اور اسی کے مطابق اللہ کی طرف سے آنے والے مہینات میں مضامین کا شروع ہوتا گیا۔ یہ ہے قرآن مجید کی کئی سورتوں کا پس منظر۔

کلیں اس تحریک کو اپنا کام کرتے ہوئے تیرہ سال گزر چکے تھے کہ یکا یک بیٹے میں اس کو ایک ایسا مرکز ہم پہنچ گیا جہاں اس کے لیے یہ ممکن ہو گیا کہ عرب کے تمام حصوں سے اپنے پیروں کو کثرت کر ایک جگہ اپنی طاقت جمع کرے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بشیر عتیمین اسلام ہجرت کر کے مہینے پہنچ گئے۔ اس طرح یہ دعوت دوسرے مرحلے میں داخل ہوئی۔

اس مرحلے میں حالات کا نقشہ بالکل بدل گیا۔ امت مسلمہ ایک باقاعدہ ریاست کی بنا ڈالنے میں کامیاب ہو گئی۔ پرائی جاہلیت کے ملبر اصول سے نئے مقابلہ شرع ہوا۔ پہلے انبیاء کی امتوں (دیمو ونصاری) سے بھی بعتریش آیا۔ خود امت مسلمہ کے اندر فی نظام میں مختلف قسم کے منافق گھس گھسے اور ان سے بھی منٹا پڑا۔ اور دس سال کی شدید کشمکش سے گزر کر آج کا یہ تحریک کامیابی کی اس منزل پہنچی کہ اسلام عرب اس کے زیر نگین ہو گیا اور عالمگیر دعوت اصلاح کے دروازے اس کے سامنے کھل گئے۔ اس مرحلے کی بھی مختلف منزلیں تھیں اور ہر منزل میں اس تحریک کی مخصوص ضرورتیں تھیں۔ ان ضرورتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تقریریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر رہتی ہیں جن کا انداز کبھی آتشیں خطابت کا، کبھی شادانہ فرامین و احکام کا، کبھی مؤلفانہ درس و تعلیم کا، اور کبھی مضامینہ افہام و تفہیم کا ہوتا تھا۔ ان میں بتایا گیا کہ جماعت اور ریاست اور ملتیت صالحہ کی تعمیر کس طرح کی جائے زندگی کے مختلف شعبوں کو کن اصول و مضابط پر قائم کیا جائے، منافقین سے کیا سلوک کرنا، فتنی کا فروں سے کیا برتاؤ ہونا، اہل کتاب سے تعلقات کی کیا نوعیت رہے، برسر جنگ دشمنوں اور معاہدہ قوموں کے ساتھ کیا طریقہ عمل اختیار کیا جائے، اور منظم اہل ایمان کا یہ گروہ دنیا میں غلامانہ عالم کی خلافت کے فرائض انجام دینے کے لیے اپنے آپ کو کس طرح تیار کرے۔ ان تقریروں میں ایک طرف مسلمانوں کی تعلیم تربیت کی جاتی تھی، ان کی کمزوریوں پر تنبیہ کی جاتی تھی، ان کو راہ ضلالتوں سے ہٹا دیا جاتا تھا، ان کو شکست اور فتنہ مصیبت اور راحت بدعالی اور غرض حالی امن اور خوف غرض ہر حال میں اس کے مناسب اخلاقیات کا درس دیا جاتا تھا، اور انہیں اس طرح تیار کیا جاتا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے جانشین کو اس دعوت اصلاح کے کام کو انجام دے سکیں۔ دوسری طرف ان لوگوں کو جہادۃ ایمان سے باہر تھے، اہل کتاب منافقین، کفار و مشرکین، سب کو ان کی مختلف حالتوں کے لحاظ سے سمجھانے انہی سے دعوت دینے سختی سے ملامت اور نصیحت

کرنے خدا کے عذاب سے ڈرانے اور سبق آموز واقعات و اعمال سے عبرت دلانے کی کوشش کی جاتی تھی تاکہ ان پر نجات تمام کر دی جائے۔

یہ ہے قرآن مجید کی مذنی محدثوں کا پس منظر۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن ایک دعوت کے ساتھ ارتقا شروع ہوا، اور وہ دعوت اپنے آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تکمیل تک تیس سال کی مدت میں جن مرحلوں اور جن منزلوں سے گذرتی رہی ان کی مختلف الشعہ ضرورتوں کے مطابق قرآن کے مختلف حصے نازل ہوتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی کتاب میں وہ تفصیلی ترتیب نہیں ہو سکتی جو ڈاکٹر بیٹ کی ڈگری لینے کے لیے کسی مقالے میں اختیار کی جاتی ہے۔ پھر اس دعوت کے ارتقا کے ساتھ ساتھ قرآن کے جو چھوٹے اور بڑے حصے نازل ہوئے وہ بھی رسالوں کی شکل میں شائع نہیں کیے جاتے تھے بلکہ تقریروں کی شکل میں بیان کیے جاتے اور اسی شکل میں پھیلانے جاتے تھے، اس لیے ان کا منسوب بھی تحریری نہ تھا بلکہ خطابت کا منسوب تھا۔ پھر یہ خطابت بھی ایک پروفیسر کے کچھروں کی سی نہیں بلکہ ایک داعی کے خطبوں کی سی تھی جسے دل اور دماغ، عقل اور جذبات ہر ایک کے اہل کرنا ہوتا ہے، جس کو ہر قسم کی ذہنیات سے ماہر پیش آتا ہے، جسے اپنی دعوت و تبلیغ ادنیٰ ترہیک کے سلسلے میں بے شمار مختلف حالتوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ ہر مہین پہلے سے اپنی بات دلوں میں بٹھانا، خیالات کی دنیا بدلنا، جذبات کا سیلاب بٹھانا، مخالفین کا نعرہ توڑنا، ساتھیوں کی اصلاح و تربیت کرنا اور ان میں جوش اور عزم ابھارنا، دشمنوں کو دوست اور منکروں کو مستتر بنانا، مخالفین کی فحمت منقطع کرنا اور ان کی اخلاقی طاقت کا انہیصال کر دینا، غرض اُسے وہ سب کچھ کرنا ہوتا ہے جو ایک دعوت کے طلبہ اور ایک تحریک کے لیڈر کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے اللہ نے اس کام کے سلسلے میں اپنے پیغمبر پر جو تقریریں نازل فرمائیں ان کا طرز خطابت وہی تھا جو ایک دعوت کے مناسب حال ہوتا ہے، ان میں کالج کے کچھروں کا سامان تلاش کرنا صحیح نہیں ہے۔

میں سے یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ قرآن میں مضامین کی اس قدر تنوع و کثرت ہے۔ ایک

دعوت اور عملی تحریک فطری اقتضایہ ہے کہ وہ جس وقت جس مرحلے میں ہو اس میں ہی باتیں کہی جائیں جو اس مرحلے سے مناسبت رکھتی ہوں، اور جب تک دعوت ایک مرحلے میں ہے بعد کے مراحل کی بات نہ پھینچی جائے بلکہ کسی طرح کی باتوں کا اعادہ کیا جاتا ہے خواہ اس میں چند مہینے لگیں یا کئی سال صرف ہو جائیں۔ پھر اگر ایک ہی قسم کی بات کا اعادہ ایک ہی عبارت اور ایک ہی ڈھنگ پر کیا جاتا رہے تو کان انہیں سنتے سنتے تنگ جاتے ہیں اور طبیعت ان کے لئے لگتی ہیں۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر مرحلے میں جو باتیں بار بار کہنی ہوں انہیں ہر بار نئے الفاظ نئے اسلوب، اور نئے آراء سے کہا جائے تاکہ نہایت خوشگوار طریقے سے وہ دلوں میں پیٹھ جائیں اور دعوت کی ایک ایک منزل اچھی طرح مستحکم ہوتی چلی جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دعوت کی بنیاد جن عقائد اور اصول پر برہانیں پہلے قدم سے آخری منزل تک کئی وقت اور کئی حال میں نظروں سے دو جس نہ ہونے دیا جائے بلکہ ان کا اعادہ بہر حال دعوت کے ہر مرحلے میں ہوتا رہے یہی وجہ ہے کہ دعوت اسلامی کے ایک مرحلے میں قرآن کی جتنی سورتیں نازل ہوئی ہیں ان سب میں بالعموم ایک ہی قسم کے مضامین الفاظ اور انداز بیان بدل بدل کر آئے ہیں۔ مگر توحید اور صفات الہی، آخرت اور اس کی باز پرس اور جزا و سزا و رسالت اور ایمان بالکتاب، تعویٰ اور غیر ذلک ایسی قسم کے دوسرے بنیادی مضامین کی تکرار پورے قرآن میں نظر آتی ہے کیونکہ اس تحریک کے کسی مرحلے میں ایمان سے غفلت گوارا نہیں کہ جاکتی تھی۔ یہ بنیادی تعزیرات اگر ذرا بھی کمزور ہو جاتے تو اسلام کی یہ تحریک اپنی مجموعہ روح کے ساتھ نہ چل سکتی۔

اگر عرض کیا جائے قرآنی بیان سے یہ حال بھی مل رہا ہوتا ہے کہ نئی مسلمانی انٹرنیٹ علیہ وسلم نے قرآن کو ایسی ترتیب کے ساتھ تحریر کیا کہ ترتیب کے ساتھ وہ نازل ہوا تھا۔

اوپر آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ تیس سال تک قرآن کا نزول اس ترتیب سے ہوتا رہا جس ترتیب کے ساتھ دعوت کا آغاز ہوا اس کا ارتقاء ہوا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ دعوت کی تکمیل کے بعد ان نازل شدہ اجزاء کے لیے ترتیب کی طرح درست ترتیب کی تھی جو صرف از غفلت دعوت کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی۔ اب قرآن کے یہ ایک دوسری ترتیب کا تھی جو تکمیل دعوت کے بعد کی صورت حال کے لیے زیادہ مناسب ہو۔ کیونکہ ابتدا میں اس کے مخاطب اول وہ لوگ تھے جو اسلام سے نا آشنا نہ تھے، اس لیے اس وقت بالکل نقطہ آغاز سے تعلیم و تہذیب شروع کی گئی۔ مگر تکمیل دعوت کے بعد اس کے مخاطب اول وہ

لوگ ہو گئے جو اس پر بیان لاکر ایک اُمت بن چکے تھے اور اُس کام کو جاری رکھنے کے ذمہ دار قرار پائے تھے جیسے پیغمبر نے نظریے اور عمل، دونوں حقیقتوں سے مکمل کر کے ان کے حملے کیا تھا۔ اب لامحالہ مقدمہ پیغمبر ہو گئی کہ پہلے یہ لوگ خود اپنے فرائض سے، اپنے قوانین حیات سے، اور ان قانونوں سے جو پہلے پیغمبروں کی اُمتوں میں رونما ہوتے رہے ہیں، اچھی طرح واقف ہوئیں، پھر اسلام سے بیگانہ دنیا کے رہنے والے خدا کی ہدایت پیش کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ علاوہ ہیں قرآن مجید جس طرز کی کتاب ہے اسے اگر آدمی اچھی طرح سمجھ لے تو اس پر خود ہی یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ ایک ایک طرح کے مضامین کو ایک ایک جگہ جمع کرنا اس کتاب کے مزاج ہی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کے مزاج کا تو تقاضا یہی ہے کہ اس کے پڑھنے والے کے سامنے مدنی مرحلے کی باتیں لگیں جو دروالی تعلیم کے درمیان، اور لکھی مرحلے کی باتیں مدنی دور والی تقریروں کے درمیان، اور ابتدا کی گفتگوئیں آخر کی تعلیمات کے بیچ میں، اور آخری دور کی ہدایات آغاز کار کی تعلیمات کے پہلو میں بار بار آتی چلی جائیں، تاکہ اسلام کا ہر منظر و واقعہ نقشہ اس کی نگاہ میں رہے اور کسی وقت بھی وہ ایک مَرحلہ نہ ہوئے۔

پھر اگر قرآن کو اس کی زوئی ترتیب پر مرتب کیا بھی جاتا تو وہ ترتیب بعد کے لوگوں کے لیے صرف اسی صورت میں مافیہ ہو سکتی تھی جبکہ قرآن کے ساتھ اس کی پوری تاریخ نزول اور اس کے ایک ایک جزء کی کیفیتِ نزولِ شانِ اہل کلمہ کو گواہی دیتی اور وہ لازمی طور پر قرآن کا ایک مفسر بن کر رہتی۔ یہ بات اُس مقصد کے خلاف تھی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا یہ مجموعہ مرتب اور محفوظ کر لیا تھا۔ وہاں تو پیش نظر چیز ہی یہ تھی کہ خاص کلام الہی، بغیر کسی دوسرے کلام کی آمیزش یا شمول کے، اپنی مختصر صورت میں مرتب ہو جائے، جیسے، جو ان، بوٹھے، عورت، مرد، شہری، دیہاتی، عامی، عالم، سب پڑھیں، ہر زمانے میں اور ہر جگہ ہر حالت میں پڑھیں، اور ہر مرتبہ نقل و دانش کا انسان کم از کم یہ بات ضرور جان لے کہ اُس کا خدا اُس سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد فوت ہو جائے اگر اس مجموعہ کلام الہی کے ساتھ ایک ایسی جوڑی تاریخ بھی لگی ہوئی ہو تو اس کی تلاوت بھی لازم کر دی جاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی موجودہ ترتیب، جو لوگ اعتراض کرتے ہیں وہ اس کتاب کے مقصد و مآثر سے صرف نااہلی نہیں ہیں، بلکہ کچھ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا معلوم ہوتے ہیں کہ یہ کتاب محض علمِ تہذیبی اور فلسفہِ معراج کے

طلبہ ہی کے لیے نازل ہوئی ہے !

ترتیب قرآن کے سلسلے میں یہ بات بھی ناظرین کو معلوم ہو جانی چاہیے کہ یہ ترتیب بعد کے لوگوں کی دی ہوئی نہیں ہے، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے قرآن کو اس طرح مرتب فرمایا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی تو آپ اسی وقت اپنے کاتبوں میں سے کسی کو بلا تے اور اس کو ٹیک ٹیک قطبند کرانے کے بعد ہدایت فرما دیتے کہ یہ سورۃ فلاں سورۃ کے بعد اور فلاں سورۃ سے پہلے رکھی جائے۔ اسی طرح اگر قرآن کا کوئی ایسا حصہ نازل ہوتا جس کو مستقل سورۃ بنانا پیش نظر نہ ہوتا، تو آپ ہدایت فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر درج کیا جائے۔ پھر اسی ترتیب کے آپ خود بھی نمازیں اور دوسرے مواقع پر قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور اسی ترتیب کے مطابق صحابہ کرام بھی اس کو یاد کرتے تھے۔ لہذا یہ ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن مجید کا نزول جس روز مکمل ہوا اسی روز اس کی ترتیب بھی مکمل ہو گئی۔ جو اس کا نازل کرنے والا تھا وہی اس کا مرتب کرنے والا بھی تھا جس کے قلب پر وہ نازل کیا گیا اسی کے ہاتھوں سے مرتب بھی کر دیا گیا۔ کسی دوسرے کی مجال نہ تھی کہ اس میں مداخلت کرتا۔

چونکہ نماز بتلہابی سے مسلمانوں پر فرض تھی، اور تلاوت قرآن کو نماز کا ایک ضروری اور قرار دیا گیا تھا اس لیے نزول قرآن کے ساتھ ہی مسلمانوں میں سورۃ قرآن کا سلسلہ جاری ہو گیا اور جیسے جیسے قرآن اتارنا گیا مسلمان اس کو یاد بھی کرتے چلے گئے۔ اس طرح قرآن کی حفاظت کا انحصار صرف کعبہ کے اُن بچوں اور بڑی اور بھٹی کے ان بکڑوں ہی پر نہ تھا جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاتبوں سے اس کو قطبند کر دیا کرتے تھے، بلکہ وہ اترتے ہی بیسیوں پھر سینکڑوں پھر ہزاروں پھر لاکھوں دلوں پر نقش ہو جاتا تھا اور کسی شیطان کے لیے اس کا امکان ہی نہ تھا کہ اس میں ایک لفظ کا بھی رد و بدل کر سکے۔

۱۔ واضح رہے کہ پنج وقتہ نماز تو نہایت کئی سال بعد فرض ہوئی، لیکن نماز بجا تے خود اقلی مذہبی سے فرض تھی۔ اسلام کی کوئی ساعت کبھی ایسی نہیں گزری ہے جس میں نماز فرض نہ ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب میں ارتداد کا طوفان اٹھا اور اس کو فرو کرنے کے لیے صحابہ کرام کو سخت خونریزیائیں لڑنی پڑیں، تو ان محروکوں میں ایسے صحابہ کی ایک کثیر تعداد شہید ہو گئی جن کو پورا قرآن حفظ تھا۔ اس سے حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ قرآن کی حفاظت کے معاملے میں صرف ایک ہی ذریعہ پر اعتماد کر لینا مناسب ہے، بلکہ اربعہ قلب کے ساتھ ساتھ صفحات قرآن پر بھی اس کو محفوظ کرنے کا انتظام کر لینا چاہیے۔ چنانچہ اس کام کی ضرورت انہوں نے حضرت ابوبکرؓ پر واضح کی اور انہوں نے کچھ تامل کے بعد اس سے اتفاق کر کے حضرت زید بن ثابتؓ انصاری کو بھرتی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب (سکرٹری) رہ چکے تھے، اس خدمت پر مامور فرمایا۔ قاعدہ یہ مقرر کیا گیا کہ ایک طرف تو وہ تمام لکھے ہوئے اجزاء فراہم کر لیے جائیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑے ہیں، دوسری طرف صحابہ کرام میں سے بھی جس جس کے پاس قرآن یا اس کا کوئی حصہ لکھا ہوا ملے، وہ ان سے لے لیا جائے، اور پھر حجاز قرآن سے بھی مدولی جائے، اور ان تینوں ذرائع کی متفقہ شہادت پر کمال صحت کا اطمینان کرنے کے بعد قرآن کا ایک ایک نسخہ صفحہ میں ثبت کیا جائے۔ اس تجویز کے مطابق قرآن مجید کا ایک نسخہ تیار کر کے اُم المومنین حضرت حفصہؓ رضی اللہ عنہا کے ہاں رکھوا دیا گیا اور لوگوں کو عام اجازت دے دی گئی کہ جو چاہے اس کی نقل کرے اور جو چاہے اس سے مقابلہ کر کے اپنے نسخے کی تصحیح کر لے۔

عرب میں مختلف علاقوں اور قبیلوں کی بولیوں میں ویسے ہی فرق پائے جاتے تھے جیسے ہمارے ملک میں شہر شہر کی بولی اور ضلع ضلع کی بولی میں فرق ہے، حالانکہ زبان سب کی وی ایک اور دیا پنجابی یا بنگالی وغیرہ ہے۔ قرآن مجید اگرچہ نازل اُس زبان میں ہوا تھا جو مکہ میں قریش کے لوگ بولتے تھے، لیکن ابتداءً اس امر کی اجازت دے دی گئی تھی کہ دوسرے علاقوں اور قبیلوں کے لوگ اپنے اپنے لہجے اور محاورے کے مطابق اسے پڑھ لیا کریں، کیونکہ اس طرح معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، صرف عبارت اُن کے لیے لازم ہر جاتی تھی، لیکن رفتہ رفتہ جب اسلام پھیلا، اور عرب کے لوگوں نے اپنے رنگیتان سے نکل کر دنیا کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا، اور دوسری قوموں

۱۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی زندگی میں متعدد صحابہ نے قرآن کو یا اس کے مختلف اجزاء کو اپنے پاس قلب کر کے رکھ رکھا تھا، چنانچہ اس سلسلے میں حضرات عثمانؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرو بن ماسمؓ، ثعلبہؓ، زید بن ثابتؓ، سنان بن خالدؓ، ابی بن کعبؓ، اسامہؓ، زید بن الخطابؓ، رضی اللہ عنہم کے ناموں کی تصریح ملتی ہے۔



کے لوگ بھی دائرۃ اسلام میں آئے لگے، اور بڑے پیمانے پر عرب و عجم کے اختلاف سے عربی زبان متاثر ہونے لگی، تو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر اب بھی دوسرے لہجوں اور محاوروں کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت باقی رہی تو اس کے طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو جائیں گے۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو غیر فاضل طریقے پر کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنے گا اور یہ سمجھ کر اس سے لڑ پڑے گا کہ وہ دانستہ کلام الہی میں تحریف کر رہا ہے۔ یا یہ کہ یقینی اختلافات رفتہ رفتہ واقعی تحریفات کا دروازہ کھول دیں گے۔ یا یہ کہ عرب عجم کے اختلاف سے جن لوگوں کی زبان بگڑے گی وہ اپنی بگڑی ہوئی زبان کے مطابق قرآن میں تعریف کر کے اس کے حسن کلام کو بگاڑ دیں گے۔ ان وجوہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے یہ طے کیا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں صرف اُس میساری نسخہ قرآن کی نقیض شائع کی جائیں جو حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے ضبط تحریر میں لایا گیا تھا، اور باقی تمام دوسرے لہجوں اور محاوروں پر لکھے ہوئے مصاحف کی اشاعت ممنوع قرار دے دی جائے۔

تو جہ قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ ٹھیک ٹھیک ایسی شخصیت صدیقی کے مطابق ہے جس کی نقیض حضرت عثمانؓ نے سرکاری اہتمام سے تمام یارو امصار میں بھجوائی تھیں۔ اس وقت بھی دنیا میں متعدد مقامات پر قرآن کے وہ مستند نسخے موجود ہیں کسی کو اگر قرآن کی محفوظیت میں ذرہ برابر بھی شک ہو تو وہ اپنا اطمینان اس طرح کر سکتا ہے کہ مغربی افریقہ میں کسی کتاب فروش سے قرآن کا ایک نسخہ خریدے، اور جاواید کی حافتہ سے زبانی قرآن پڑھ کر اس کا مقابلہ کرے، اور پھر دنیا کی بڑی بڑی لائبریریوں میں حضرت عثمانؓ کے وقت سے لے کر آج تک مختلف صدیوں کے لکھے ہوئے جو مصاحف رکھے ہیں ان سے اس کا مقابلہ کر لے۔ اگر کسی حرفت یا اثر شے کا فرق وہ پائے تو اس کا فرض ہے کہ دنیا کو اس سے بڑے تاریخی انکشاف سے ضرور مطلع کرے۔ کوئی شک واز قرآن کے منزل میں ناظر ہونے میں شک کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، لیکن یہ بات کہ جو قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے یہ بلا کسی کمی بیشی کے ٹھیک وہی قرآن ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا یہ تو ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ انسانی تاریخ میں کوئی دوسری چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو اس قدر قطعی ثبوت ہو اگر کوئی شخص اس کی صحت میں شک کرتا ہے تو وہ پھر اس میں بھی شک کر سکتا ہے کہ رو میں اپنا زنا می کوئی مسلمان دنیا میں رہ چکی ہے، اور کسی مثل ہندوستان پر حکومت کر چکے ہیں، اور غیر ملین نام کا کوئی شخص بھی

دنیا میں پایا گیا ہے۔ ایسے ایسے تاریخی حقائق پر شکوک کا اظہار کرنا علم کا نہیں، بھہرات کا ثبوت ہے۔

طریق مطالعہ

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی طرف دنیا میں بے شمار انسان بے شمار مقاصد لے کر رجوع کرتے ہیں۔ ان سب کی ضروریات اور اغراض کو پیش نظر رکھ کر کوئی مشورہ دینا آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ طالبوں کے اس بھوم میں مجھ کو صرف ان لوگوں سے دلچسپی ہے جو اس کو سمجھنا چاہتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کے خواہش مند ہیں کہ یہ کتاب انسان کے مسائل زندگی میں اس کی کیا رہنمائی کرتی ہے۔ ایسے لوگوں کو میں یہاں طریق مطالعہ قرآن کے بارے میں کچھ مشورے دوں گا اور کچھ ان مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کروں گا جو بالعموم انسان کو اس معاملہ میں پیش آتی ہیں۔

کوئی شخص چاہے قرآن پر ایمان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، بہر حال اگر وہ اس کتاب کو فی الواقع سمجھنا چاہتا ہے تو اولین کام اسے یہ کرنا چاہیے کہ اپنے ذہن کو پہلے سے قائم کیے ہوئے تصورات اور نظریات سے اور موافقانہ یا مخالفانہ اغراض سے جس حد تک ممکن ہو خالی کر لے اور سمجھنے کا خالص مقصد لے کر کھلے دل سے اس کو پڑھنا شروع کرے۔ جو لوگ چند مخصوص قسم کے خیالات ذہن میں لے کر اس کتاب کو پڑھتے ہیں وہ اس کی سطروں کے درمیان اپنے ہی خیالات پڑھتے چلے جاتے ہیں قرآن کی ان کو ہر ابھی نہیں گننے باقی۔ یہ طریق مطالعہ کسی کتاب کو پڑھنے کے لیے بھی صحیح نہیں ہے، مگر خصوصیت کے ساتھ قرآن تو اس طرز کے پڑھنے والوں کے لیے اپنے معانی کے دروازے کھولتا ہی نہیں۔

پھر جو شخص محض سرسری ہی واقفیت بہم پہنچانا چاہتا ہو اس کے لیے تو شاید ایک دفعہ پڑھ لینا کافی ہو جائے لیکن جس کی گہرائیوں میں اترنا چاہے اس کے لیے دو چار دفعہ کا پڑھنا بھی کافی نہیں ہو سکتا۔ اس کو بار بار پڑھنا چاہیے، ہر مرتبہ ایک خاص ڈھنگ سے پڑھنا چاہیے اور ایک طالب علم کی طرح ذہل اور کاپی ساتھ لیکر بیٹھنا چاہیے تاکہ ضروری نکات نوٹ کرتا جائے۔ اس طرح جو لوگ پڑھنے پر آمادہ ہیں ان کو کم از کم دو مرتبہ چارے قرآن کو صرف اس غرض کے لیے پڑھنا چاہیے کہ ان کے سامنے بحیثیت مجموعی وہ پورا نظام فکر و عمل آجائے جسے یہ کتاب پیش کرنا چاہتی ہے۔ اس ابتدائی مطالعہ کے دوران میں وہ قرآن کے پورے منظر پر ایک جامع نظر حاصل کرنے کی

کوشش کریں اور یہ دیکھتے جائیں کہ یہ کتاب کیا بناوی تصورات پیش کرتی ہے اور پھر ان تصورات پر کسی قسم کا نظام زندگی نہیں کرتی ہے۔ اس اثنا میں اگر کسی مقام پر کوئی سوال ذہن میں کھٹکے تو اس پر وہیں اُسی وقت کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھیں بلکہ اسے نوٹ کر لیں اور صبر کے ساتھ آگے مطالعہ جاری رکھیں۔ اغلب یہ ہے کہ آگے کبیر تک نہیں نہیں اس کا جواب مل جائیگا۔ اگر جواب مل جائے تو اپنے سوال کے ساتھ اسے نوٹ کر لیں لیکن اگر پہلے مطالعہ کے دوران میں نہیں اپنے کسی سوال کا جواب ملے تو صبر کے ساتھ دوسری بار پڑھیں۔ میں اپنے تجربے کی بنا پر یہ کمت ہوں کہ دوسری بار کے فائر مطالعہ میں شاید وہی کوئی سوال جواب طلب باقی رہ جاتا ہے۔

اس طرح قرآن پر ایک جامع نظر حاصل کرنے کے بعد تفصیلی مطالعہ کی ابتدا کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں ناظر کو تعلیمات قرآن کا ایک ایک پہلو ذہن نشین کر کے نوٹ کرتے جاتا چاہیئے۔ مثلاً وہ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ انسانیت کا کونسا نمونہ ہے جسے قرآن پسندیدہ قرار دیتا ہے اور کس نمونے کے انسان اس کے نزدیک مبرور و مردود ہیں۔ اس مضمون کو اچھی طرح اپنی گرفت میں لانے کے لیے اس کو چاہیئے کہ اپنی کاپی پر ایک طرف پسندیدہ انسان اور دوسری طرف ناپسندیدہ انسان کی خصوصیات آئینے سامنے نوٹ کرتا چلا جائے۔ یا مثلاً وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ قرآن کے نزدیک انسان کی صلاح و نجات کا مدار کن امور پر ہے، اور کیا چیزیں ہیں جن کو وہ انسان کے لیے نقصان اور ہلاکت اور بربادی کا موجب قرار دیتا ہے۔ اس مضمون کو بھی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ جاننے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی کاپی پر خوب جرات فلاح اور خوب جرات خسروان کے دو عنوانات ایک سرے کے مقابل قائم کر لے اور مطالعہ قرآن کے دوران میں دعوائے دونوں قسم کی چیزوں کو نوٹ کرتا جائے۔ علیٰ حد القیاس عقائد اخلاقی، حقوق، فرائض، معاشرت، تمدن، معیشت، سیاست، قانون، نظم و جماعت، صلح، جنگ، اور دوسرے سائنہ زندگی میں ایک ایک کے متعلق قرآن کی ہدایات کو آدمی نوٹ کرتا چلا جائے، اور یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ ان میں سے ہر ہر شے کی مجموعی شکل کیا بنتی ہے اور پھر ان سب کو ملا کر جوڑ دینے سے پورا نقشہ زندگی کس قسم کا بنتا ہے۔

پھر جب آدمی کسی خاص مسئلہ زندگی کے بارے میں تحقیق کرنا چاہے کہ قرآن کا نقطہ نظر اس کے متعلق کیا ہے۔ تو اس کے لیے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ اس مسئلے کے متعلق قہریم و جدید لٹریچر کا گہرا مطالعہ کرے و واضح طور پر معلوم

کہ لے کر اس مسئلے کے مینا دی نکالت کیا ہیں انسان نے اب تک اس پر کیا کچھ سوچا اور سمجھا ہے کیا امور اس میں تعصیب طلب ہیں، اور کہاں جا کر انسانی فکر کی گاڑی الٹک جاتی ہے۔ اس کے بعد اپنی تعصیب طلب سائل کو نگاہ میں رکھ کر آدمی کو قرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ میرا تجربہ ہے کہ اس طرح جب آدمی کسی مسئلے کی تحقیق کے لیے قرآن پڑھنے بیٹھتا ہے تو اسے ایسی ایسی باتیں ملتی ہیں اپنے سوالات کا جواب ملتا ہے جنہیں وہ اس سے پہلے میں ملتا ترہ پڑھ چکا ہوتا ہے اور کسی اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ یہاں یہ محض بھی چھپا ہوا ہے۔

لیکن فہم قرآن کی ان ساری تفسیروں کے باوجود آدمی قرآن کی نصوح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا جب تک کہ عبادہ کام نہ کرے جس کے لیے قرآن آیا ہے۔ یہ معنی لفظیات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ آرام کر کسی پڑیچ کر اسے پڑھیں اور اس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔ یہ دنیا کے تمام تعصب مذہب کے مطابق ایک نری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اس کے سائے کو موز مل کر لیے جائیں۔ جیسا کہ اس مقدمہ کے آغاز میں بتایا جا چکا ہے یہ ایک محنت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نما انسان کو گوشہ غفلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ ہامل کے خلاف اس سے آدمی اٹھ اٹھا اور وقت کے طہر داران کو فروغ و ضلالت سے اُس کو لٹوا دیا۔ مگر گھر سے ایک ایک سید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور دائمی حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پروردگار کو اٹھایا اور حامیان حق سے ان کی جنگ کرانی۔ ایک فرد واحد کی پکار ہے اپنا کام شروع کئے خلافتِ الہیہ کے قیام تک پڑنے نہیں مال ہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی اور حق و باطل کی اس طویل و جان کش کش کے دوران میں ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ پر اسی نے تحریک کے ڈھنگ اور تفسیر کے نقشے بتائے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاع کفر و دین اور مکرر اسلامیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کش کش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ رہتا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بنے نقاب ہو جائیں۔ اسے تو پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوتِ الہی کا کام شروع کریں اور جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی

جائے اس طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزولِ قرآن کے وقت پیش آئے تھے۔ نکتے اور فہم اور طائف کی منزلیں بھی آپ دیکھیں گے اور ہندوؤں مد سے لے کر یونین اور ترک تک کے مراحل بھی آپ کے سامنے آئیں گے۔ ابو جہل اور ابوسب سے بھی آپ کو واسطہ پڑے گا منافقین اور یہودی بھی آپ کو ملیں گے اور اربعین اولین سے لے کر زلزلۃ القلوب تک سبھی طرح کے انسانی نمونے آپ دیکھ بھی لیں گے اور بت بھی دیں گے۔ یہ ایک اور ہی قسم کا شوک ہے جس کو میں شوکِ قرآنی کہتا ہوں۔ اس شوک کی شان یہ ہے کہ اس کی جس جس منزل سے آپ گزرتے جائیں گے، قرآن کی کچھ باتیں اور سدیوں خود سامنے آکر آپ کو بتاتی چلی جائیں گی کہ وہ اسی منزل میں تری تھیں اور یہ ہدایت لے کر آئی تھیں۔ اس وقت یہ تو ممکن ہے کہ لغت اور خواہ مخواہ معانی اور بیان کے کچھ نکات سالک کی نگاہ سے چھپے رہ جائیں، لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن اپنی روح کو اس کے سامنے بے نقاب کرنے سے منہ پھری جائے۔ پھر اسی نگاہ کے مطابق قرآن کے احکام اس کی اخلاقی تعلیمات اس کی معاشی اور تمدنی ہدایات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں اس کے بتائے ہوئے اصول و قوانین آدمی کی سمجھ میں اس وقت تک آ ہی نہیں سکتے جب تک کہ وہ علما ان کو بت نہ دیکھے۔ نہ وہ فرد اس کتاب کو سمجھ سکتا ہے جس نے اپنی انفرادی زندگی کو اس کی پیروی سے آزاد کر رکھا ہو اور نہ وہ قوم اس سے آشنا ہو سکتی ہے جس کے سامنے ہی اجتماعی ادارے اس کی بتائی ہوئی روش کے خلاف چل رہے ہوں۔

قرآن کے اس دعوے سے ہر کہہ دو متانس ہے کہ وہ تمام ذہن انسانی کی ہدایت کے لیے آیا ہے لیکن جب کوئی شخص اس کو پڑھنے بیٹھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کا دعویٰ سخن زیادہ تر اپنے زمانہ نزول کے اہل عرب کی طرف ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی وہ بنی آدم اور عاتلہ الناس کو بھی بکارتا ہے لیکن اکثر باتیں وہ ایسی کہتا ہے جو عرب کے مذاق عرب ہی کے ماحول عرب ہی کی تاریخ اور عرب ہی کے رسوم و رواج سے ربط و تعلق رکھتی ہیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر آدمی سوچنے لگا ہے کہ جو چیز عام انسانوں کی ہدایت کے لیے تاری گئی تھی۔ اس میں قحطی اور مقامی اور قومی عنصر زیادہ کیوں ہے؟ اس معاملے کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ اس خاک میں پڑ جاتے

ہیں کہ شاید یہ چیز اس میں تو اپنے ہم عصر اہل عرب ہی کی اصلاح کے لیے تھی، لیکن بعد میں زبردستی کھینچ کر اسے تمام انسانوں کے لیے ابدی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کتاب ہدایت قرار دے دیا گیا۔

جو شخص یہ اعتراض محض اعتراض کی خاطر نہیں اٹھاتا بلکہ فی الواقع اسے سمجھنا چاہتا ہے اسے میں شوروں دوں گا کہ وہ پہلے خود قرآن کو پڑھ کر ذرا ان مقامات پر نشان لگائے جہاں اس نے کوئی ایسا عقیدہ یا خیال یا تصویر پیش کیا ہو، یا کوئی ایسا خلقی اصول، یا عملی قاعدہ و ضابطہ بیان کیا ہو جو صرف عرب ہی کے لیے مخصوص ہو، اور جس کو وقت اور زمانہ اور مقام نے فی الواقع محدود کر رکھا ہو۔ محض یہ بات کہ وہ ایک خاص مقام اور زمانے کے لوگوں کو خطاب کر کے ان کے مشترک نہ عقائد اور رسوم کی تردید کرتا ہے اور انہی کے گرد و پیش کی چیزوں کو مواد استدلال کے طور پر لے کر توحید کے دلائل قائم کرتا ہے، یہ فیصلہ کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے کہ اس کی دعوت اور اس کا اپیل بھی وقتی اور مقامی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ شرک کی تردید میں جو کچھ وہ کہتا ہے کیا وہ دنیا کے ہر شرک پڑوسی طرح چسپاں نہیں ہوتا جس طرح مشرکین عرب کے شرک چسپاں ہوتا تھا؟ کیا اسی دلائل کو ہم ہر زمانے اور ہر ملک کے مشرکین کی اصلاح خیال کے لیے استعمال نہیں کر سکتے، اور کیا اثبات توحید کے لیے قرآن کے طرز استدلال کو تھوڑے سے رد و بدل کے ساتھ ہر وقت ہر جگہ کام میں نہیں لایا جاسکتا، اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایک عالمگیر تعلیم کو صرف اس بنا پر وقتی و مقامی قرار دیا جائے کہ ایک خاص وقت میں ایک خاص قوم کو خطاب کر کے وہ پیش کی گئی تھی۔ دنیا کا کوئی غصہ اور کوئی نظام زندگی اور کوئی مذہب کبھی ایسا نہیں ہے جس کی ساری باتیں از اول تا آخر تہریدی (Abstract) طرز بیان میں پیش کی گئی ہوں اور کسی متین حالت یا صورت پر اس کو چسپاں کر کے ان کی توضیح نہ کی گئی ہو۔ ایسی مکمل تہرید اول تو ممکن نہیں ہے اور ممکن ہو بھی تو جو چیز اس طریقے پر پیش کی جائے گی وہ صرف صفحہ کاغذ پر ہی پرہے جائے گی، انسانوں کی زندگی میں اس کا جذبہ ہو کہ ایک عملی نظام میں تبدیل ہونا محال ہے۔

پھر کسی حکمی و اخلاقی اور تمدنی تحریک کو اگرچہ بین الاقوامی ہیجانے پر پھیلاتا مقصود ہو تو اس کے لیے بھی یہ قطعاً ضروری نہیں ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ مفید بھی نہیں ہے کہ شروع سے اس کو بالکل ہی بین الاقوامی بنانے کی کوشش کی جائے۔ و حقیقت اس کا صحیح عملی طریقہ صرف ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ حین افکار اور نظریات

اور اصولوں پر وہ تحریک انسانی زندگی کے نظام کو قائم کرنا چاہتی ہے، نہیں پوری قوت کے ساتھ خود اس ملک میں پیش کیا جائے جہاں سے اس کی دعوت اٹھی، جو ان لوگوں کے ذہن نشین کیا جائے جن کی زبان اور مزاج اور عادات و خصائص سے اس تحریک کے عالمی بھرتی واقع ہوں، اور پھر اپنے ہی ملک میں ان اصولوں کو عملدہر کر اور ان پر ایک کا یہ اب نظام زندگی چلا کر دنیا کے سامنے نمونہ پیش کیا جائے۔ تبھی دوسری قومیں اس کی طرف توجہ کریں گی اور ان کے ذہین وادی خود آگے بڑھ کر اسے سمجھنے اور اپنے ملک میں رواج دینے کی کوشش کریں گے۔ لہذا محض یہ بات کہ کسی نظام فکر و عمل کا بتلاؤ ایک ہی قوم کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور استدلال کا سارا زور اسی کو سمجھانے اور مطمئن کرنے پر صرف کر دیا گیا تھا، اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ نظام فکر و عمل محض قومی ہے۔ فی الواقع جو خصوصیات ایک قومی نظام کو ایک بین الاقوامی نظام سے الگ ایک وقتی نظام کو ایک الہی نظام سے ممتاز کرتی ہیں وہ یہ ہیں کہ قومی نظام یا تو ایک قوم کی برتری اور اس کے خصوصی حقوق کا مدعی ہوتا ہے، یا اپنے اندر کچھ ایسے اصول اور نظریات رکھتا ہے جو دوسری اقوام میں نہیں چل سکتے۔ اس کے برعکس جو نظام بین الاقوامی ہوتا ہے وہ تمام انسانوں کو برابر کا درجہ اور برابر کے حقوق دینے کے لیے تیار ہوتا ہے اور اس کے اصولوں میں بھی عالمگیریت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک وقتی نظام لازمی طور پر اپنی بنیاد کچھ ایسے اصولوں پر رکھتا ہے جو زمانے کی چندیشیوں کے بعد ضرورتاً ناقابل عمل ہو جاتے ہیں، اور اس کے برعکس ایک الہی نظام کے اصول تمام ہستے ہوئے حالات پر نطبق ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان خصوصیات کو نگاہ میں رکھ کر کوئی شخص خود قرآن کو پڑھے اور ان چیزوں کو دو امتحان کرنے کی کوشش کرے جن کی بنا پر واقعی یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ قرآن کا پیش کردہ نظام وقتی اور قومی ہے۔

قرآن کے متعلق یہ بات بھی ایک عام ناظر کے کان میں پڑی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ ایک مفصل ہدایت نامہ اور ایک کتاب آئین ہے۔ مگر جب وہ اسے پڑھتا ہے تو اس میں معاشرت اور تمدن اور سیاست اور معیشت وغیرہ کے تفصیلی احکام و مضامین کو نہیں ملتے۔ بلکہ وہ دیکھتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ جیسے فرائض کے متعلق بھی، جن پر قرآن ہمارا اس قدر زور دیتا ہے، اس نے کوئی ایسا مضابطہ تجویز نہیں کیا ہے جس میں تمام ضروری احکام کی تفصیل

درج ہو۔ یہ چیز بھی آدمی کے ذہن میں خلجان پیدا کرتی ہے کہ آخر یہ کس معنی میں ہدایت نامہ ہے۔

اس معاملے میں ساری الجھن صرف اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی کی نگاہ سے حقیقت کا ایک پہلو بائیں اور صمل رہ جاتا ہے، یعنی یہ کہ خدا نے صرف کتاب ہی نازل نہیں کی تھی بلکہ ایک پیغمبر بھی مبعوث فرمایا تھا۔ اگر اصل اسکیم یہ ہو کہ میں ایک نقشہ تعمیر لوگوں کو دے دیا جائے اور لوگ اس کے مطابق خود عمارت بنالیں، تو اس صورت میں بلاشبہ تعمیر کے ایک ایک جز کی تفصیل ہم کو ملنی چاہیے لیکن جب تعمیری ہدایات کے ساتھ ایک انجینئر بھی سرکاری طور پر مقرر کر دیا جائے اور وہ ان ہدایات کے مطابق ایک عمارت بنا کر کھڑی کرے تو پھر انجینئر اور اس کی بنائی ہوئی عمارت کو نظر انداز کر کے صرف نقشے ہی میں تمام جزئیات کی تفصیل تلاش کرنا، اور پھر اسے نہ پا کر نقشے کی ناتمامی کا شکوہ کرنا غلط ہے۔ قرآن جزئیات کی کتاب نہیں ہے بلکہ اصول اور تعلیمات کی کتاب ہے۔ اس کا اصل کام یہ ہے کہ نظام اسلامی کی فکری اور اخلاقی بنیادوں کو پوری وضاحت کے ساتھ نہ صرف پیش کرے بلکہ عقلی استدلال اور جذباتی اپیل دونوں کے ذریعے سے خوب حکم بھی کر دے۔ اب رہی اسلامی زندگی کی عملی صورت، تو اس معاملے میں وہ انسان کی رہنمائی اس طریقے سے نہیں کرتا کہ زندگی کے ایک ایک پہلو کے متعلق تفصیلی ضابطے اور قوانین بتائے، بلکہ وہ ہر شعبہ زندگی کے حدود و اربعہ بتا دیتا ہے اور نمایاں طور پر چند گوشوں میں سنگ نشان کھڑے کر دیتا ہے جو اس بات کا تعین کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ان شعبوں کی تشکیل و تعمیر کن خطوط پر ہونی چاہیے۔ ان ہدایات کے مطابق عملاً اسلامی زندگی کی صورت گری کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا۔ انہیں اس لیے کیا گیا تھا کہ دنیا کی اس انفرادی سیرت و کردار اور اس معاشرے اور ریاست کا نمونہ دکھا دیں جو قرآن کے وسیع نئے اصولوں کی عملی تعبیر و تفسیر ہو۔

ایک اور سال جو باعموم لوگوں کے ذہن میں گھٹکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو قرآن ان لوگوں کی انتہائی مذمت کرتا ہے جو کتاب اللہ کے آسمانے کے بعد تفرقہ اور اختلاف میں پڑ جاتے ہیں اور اپنے دین کے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں، اور دوسری طرف قرآن کے احکام کی تعبیر و تفسیر میں صرف متاخرین ہی نہیں



ائمہ اربعین اور خود صحابہ تک کے درمیان اتنے اختلافات پاتے جاتے ہیں کہ شاید کوئی ایک بھی احکامی آیت ایسی نہ ملے گی جس کی ایک تفسیر بالکل متفق علیہ ہو۔ کیا یہ سب لوگ اُس مذمت کے مصداق ہیں جو قرآن میں وارد ہوئی ہے، اگر نہیں تو پھر وہ کرنا تفرقہ و اختلاف ہے جس سے قرآن منہ کرتا ہے؟

یہ ایک نہایت وسیع الاطراف مسئلہ ہے جس پر مفصل بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں قرآن کے ایک مامی طالب علم کی اُجھن دہر کرنے کے لیے صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ قرآن اُس صحت بخش اختلاف رائے کا مخالف نہیں ہے جو دین میں شیئ اور اسلامی نظام جماعت میں مٹھدہتے ہوئے حسن احکام و قوانین کی تعبیر میں مصلحانہ تحقیق کی بنا پر کیا جائے، بلکہ وہ مذمت اُس اختلاف کی کرتا ہے جو نفسانیت اور کج نگاہی سے شروع ہو اور فرقہ بندی و نزاع باہمی تک لوبت پہنچا دے۔ یہ دونوں قسم کے اختلاف نہ اپنی حقیقت میں یکساں ہیں اور نہ اپنے نتائج میں ایک دوسرے سے کوئی مشابہت رکھتے ہیں کہ دونوں کے ایک ہی کلمہ کی تائید دیا جائے۔ پہلی قسم کا اختلاف ترقی کی جان اور زندگی کی نمود ہے۔ وہ ہر اُس سوسائٹی میں پایا جائے گا جو عقل و فکر رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ہو۔ اس کا پایا جانا زندگی کی علامت ہے اور اس کے خالی صرف وہی سوسائٹی ہو سکتی ہے جو ذہین انسانوں سے نہیں بلکہ کڑی کے گندسوں سے مرکب ہو۔ ہر دور کی قسم کا اختلاف تو ایک دنیا جانتی ہے کہ اس نے جس گروہ میں بھی سر اُٹھایا اُس کو برا گندو کے چھوڑا دیں گا ورنہ ہرنا صحت کی نہیں بلکہ مرض کی علامت ہے، اور اس کے نتائج کبھی کسی اُمت کے حق میں بھی مفید نہیں ہو سکتے۔ ان دونوں قسم کے اختلافات کا فرق واضح طور پر یوں سمجھیے کہ:

ایک صحت زدہ ہے جس میں خدا اور عقل کی اطاعت پر جماعت کے سب لوگ متفق ہوں، احکام کا ماتر بھی بالاتفاق قرآن اور سنت کو مانا جائے، اور پھر وہ عالم کسی جزوی مسئلہ کی تحقیق میں یا دو واقعی کسی مقدمے کے فیصلے میں ایک دوسرے سے اختلاف کریں، مگر ان میں سے کوئی بھی نہ تو اس مسئلے کو اور اس میں اپنی رائے کے مطابق دین بنائے اور نہ اس سے اختلاف کرنے والے کو دین سے خارج قرار دے، بلکہ دونوں اپنے اپنے دلائل دے کر اپنی صحت تحقیق کا حق ادا کریں، اور یہ بات رائے عام پر یا اگر علاقائی مسئلہ ہو تو ملک کی آخری عدالت پر یا اگر اجتماعی معاملہ ہو تو نظام جماعت پر چھوڑ دیں کہ وہ دونوں دایلوں میں سے جس کے

چاہیں قبول کریں، یا دو قول کو جائز رکھیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اختلاف سرے سے دین کی بنیادوں ہی میں کھلا جائے، یا یہ کہ کوئی عالم یا صوفی یا مفتی یا محکم یا لیڈر کسی ایسے مسئلے میں جس کو خدا اور رسول نے دین کا بنیادی مسئلہ قرار نہیں دیا تھا، ایک رائے اختیار کرے اور خواہ مخواہ کھینچ تان کر اس کو دین کا بنیادی مسئلہ بنا ڈالے اور پھر جو اس سے اختلاف کرے اس کو خارج از دین و ملت قرار دے، اور اپنے حامیوں کا ایک جتنا بنا کر کہے کہ اہل اُمت مشرک ہیں یہ ہے اور باقی سب جہنمی ہیں، اور ہانک پکار کر کہے کہ مسلم ہے تو بس اس جتنے میں آ جا ورنہ تو مسلم ہی نہیں ہے۔

قرآن نے جہاں کہیں بھی اختلاف اور فرقہ بندی کی مخالفت کی ہے اس سے اس کی مراد یہ دوسری قسم کا اختلاف ہی ہے۔ رہا پہلی قسم کا اختلاف، تو اس کی متعدد مثالیں غوثی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آ چکی تھیں، اور آپ نے صرف یہی نہیں کہ اس کو جائز رکھا، بلکہ اس کی تحسین بھی فرمائی۔ اس لیے کہ وہ اختلاف تو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ جماعت میں غرور و فکر اور تحقیق و تجسس اور فہم و تفقہ کی صلاحیتیں موجود ہیں، اور جماعت کے ذہین لوگوں کو اپنے دین سے اور اس کے احکام سے دلچسپی ہے، اور ان کی ذہنیتیں اپنے مسائل زندگی کا حل دین کے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر ہی تلاش کرتی ہیں، اور جماعت بحیثیت مجموعی اس زہلی قادمے پر مال ہے کہ اصل میں متفق رہ کر اپنی وحدت بھی برقرار رکھے اور پھر اپنے اہل علم و فکر کو صحیح حدود کے اندر تحقیق و اجتہاد کی آزادی دے کر ترقی کے مواقع بھی باقی رکھے۔

هَذَا مَا عِنْدِي وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالِيَهُ اَدِيبُ۔

اس مقدمے میں تمام اُن مسائل کا استقصاء کرنا میرے پیش نظر نہیں ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران میں ایک ناظر کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ان سوالات کا بیشتر حصہ ایسا ہے جو کسی کی آیت یا سورت کے سامنے آنے پر ذہن کو کھٹکتا ہے، اور اس کا جواب تفہیم القرآن میں برسرِ موقع دے دیا گیا ہے۔ لہذا ایسے مسائل کو چھوڑ کر میں نے یہاں صرف ان جامع مسائل سے بحث کی ہے جو بحیثیت مجموعی پورے قرآن سے تعلق

رکھتے ہیں۔ ناظرین کرام سے میری درخواست ہے کہ صرف اس مقدمے کو دیکھ کر ہی اس کے تشنہ ہونے کا فیصلہ نہ کر دیں، بلکہ پوری کتاب کو دیکھنے کے بعد اگر ان کے ذہن میں کچھ سوالات جواب طلب باقی رہ جائیں یا کسی سوال کے جواب کو وہ ناکافی پائیں تو مجھے اس سے مطلع فرمائیں ♦



# تَفْهِيمُ الْقُرْآنِ

الْفَاتِحَةُ (١)

الْبَقَرَةُ (٢)

## الفاتحہ

نام اس کا نام ”الفاتحہ“ اس کے معنیوں کی مناسبت سے ہے۔ ”فاتحہ“ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی معنیوں یا کتاب یا کسی شے کا افتتاح ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ فاتحہ ”فاتحہ“ اور ”فاتحہ“ کا ہی ہے۔

زمانہ نزول یہ نزول توحیدی کے بالکل ابتدائی زمانہ کی شہادت ہے۔ بلکہ مستبرہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی مکمل سورت جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، وہ یہی ہے۔ اس سے پہلے صرف متفرق آیات نازل ہوئی تھیں جو سورۃ غلق، سورۃ تہزل اور سورۃ قدر وغیرہ میں شامل ہیں۔

مضمون دلائل یہ سورہ ایک عالم ہے جو خدا نے ہر کس انسان کو سکھائی ہے جو اس کی کتاب مطالعہ شروع کرے اور کتاب کی ابتدا میں اس کو رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم واقعی اس کتاب سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو پہلے خداوند عالم سے یہ دعا کرو۔

انسان فطرۃً دعائی چیز کی کیا کرتا ہے جس کی طلب خواہش اس کے دل میں ہوتی ہے اور اسی صحت میں کرتا ہے جبکہ یہ اسے احساس ہو کہ اس کی مطلوب چیز اس جتنی کما حقہ تیار ہے جس سے وہ دعا کر رہا ہے۔ پس قرآن کی ابتدا میں اس دعا کی تعلیم دے کر گریا انسان کو یقین کی گئی ہے کہ وہ اس کتاب کو راہ راست کی جستجو کے لیے پڑھے، طالب جن کی ہی ذہنیت سے کھر پڑھے، اور یہ جان لے کہ علم کا سرچشمہ خداوند عالم ہے اس لیے اسی سے رہنمائی کی درخواست کر کے پڑھنے کا آغاز کرے۔

اس مضمون کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن اور سورۃ فاتحہ کے درمیان حقیقی تعلق کتاب اور اس کے مقدمہ کا سامنا نہیں بلکہ دعا اور جواب دعا کا سا ہے۔ سورۃ فاتحہ ایک عالم ہے بندے کی جانب سے، اور قرآن اس کا جواب ہے خدائی جانب سے۔ بندہ دعا کرتا ہے کہ اے پروردگار! میری رہنمائی کر۔ جواب میں پروردگار پھر قرآن اس کے سامنے لکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ صلیت و رہنمائی جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی ہے۔

المنزل

آيَاتُهَا سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۝ كُوفُهَا ۝  
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مَلِکِ

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے  
 تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے، رحمان اور رحیم ہے، روز جزا

۱۔ اسلام جو تہذیب انسان کو سکھاتا ہے اس کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہر کام کی ابتدا خدا کے نام سے کرے۔ اس قاعدے کی پابندی اگر شعراء و مصلو ص کے ساتھ کی جائے تو اس سے لازماً تین فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک یہ کہ آدمی بہت سے بڑے کاموں سے بچ جائے گا کیونکہ خدا کا نام لینے کی عادت اسے ہر کام شروع کرنے کی توفیق دے گی اور نہ چھوڑنے کی اور نہ کسی واقعہ میں اس کام پر خدا کا نام لینے میں حق بجانب ہوں، دوسرے یہ کہ جائز اور صحیح اور نیک کاموں کی ابتدا کرتے ہوئے خدا کا نام لینے سے آدمی کی ذہنیت باطل شیک سخت اختیار کر لے گی اور وہ ہمیشہ صحیح ترین نقطہ سے اپنی حرکت کا آغاز کرے گا۔ تیسرا اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب وہ خدا کے نام سے اپنا کام شروع کرے گا تو خدا کی تائید اور توفیق اس کے شامل حال ہوگی، اس کی ہر برکت ثانی جائے گی اور شیطان کی خدا دانگیوں سے اس کو بچایا جائیگا۔ خدا کا طریقہ یہ ہے کہ جب بندہ اس کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ بھی بندے کی طرف توجہ فرماتا ہے۔

۲۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سورۃ فاتحہ اہل میں تو ایک ماہ ہے، لیکن حق کی ابتدا اس ہی کی تعریف سے کی جا رہی ہے جس سے ہم دعا مانگنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا اس امر کی تعلیم ہے کہ وہ واجب الگو تو مذہب طریقہ سے انگو۔ یہ کوئی تہذیب نہیں ہے کہ مومنہ کھڑے ہی جھٹ اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔ تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے دعا کرے ہو پہلے اس کی خوبی کا اس کے احسانات اور اس کے مرتبے کا اعتراف کرو۔

تعریف ہم جس کی بھی کرتے ہیں دو وجہ سے کیا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بجائے خود حق بخوبی اور کامل دکھائو، قطع نظر اس سے کہ ہم پر اس کے ان فضائل کا کیا اثر ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ہمارا محسن ہوا اور ہم اعترافِ نعمت کے جذبے سے سرشار ہو کر اس کی خوبیاں بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ان دونوں چیزوں سے ہے۔ یہ ہماری قدس تاسی کا تقاضا بھی ہے اور احسان شناسی کا بھی کہ ہم اس کی تعریف میں مطلب لسان ہوں۔

ادب بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ تعریف اللہ کے لیے ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ یہ بات کہہ کر ایک بڑی حقیقت پر پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اور وہ حقیقت ایسی ہے جس کی پہلی ہی ضرب مغز پرستی کی جو حرکت

## يَوْمَ الَّذِينَ اِيَّاكَ لَعِبُوا وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

کا مالک ہے۔

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

جاتی ہے۔ دنیا میں جہاں جس چیز اور جس شکل میں بھی کوئی حسن، کوئی خوبی، کوئی کمال ہے، اس کا سرچشمہ اللہ ہی کی ذات ہے۔ کسی انسان کی فرشتے، کسی فرشتہ کی ستارے، غرض کسی مخلوق کا کمال بھی ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ کا عطیہ ہے۔ پس اگر کوئی اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے گرویدہ اور پرستار احسان مند اور شکر گزار بنائیں اور خدمت گزار بنیں تو وہ غالب کمال ہے نہ کہ صاحب کمال۔

۳ رب کا لفظ عربی زبان میں تین معنوں میں بولا جاتا ہے۔ (۱) مالک، مولا۔ (۲) سرپرست، پرورش کرنے والا، سرپرست اور نگہبانی کرنے والا۔ (۳) فرمانروا، حاکم، مدبر اور محکم۔ اللہ تعالیٰ ان سب معنوں میں کائنات کا رب ہے۔

۴ انسان کا غاصر ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ جاننے کے میخوں میں اس کو باندھتا ہے اور اگر ایک برائے کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوتا تو پھر وہ اسی کو ایک لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کسی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک برائے میں مدہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں حاکم کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر حاکم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پر مشید ہے۔ رحمان عربی زبان میں بڑے برائے کا میخ ہے لیکن خدا کی رحمت اور قربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حدود حساب کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا برائے کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لیے پھر حاکم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی یا غرض کسی بیان میں سخی کا لفظ بول کر توبہ لگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر "خا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب "رنگ" کو کافی نہیں پاتے تو اس پر "چٹے" کا لفظ اور "بڑا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ درازی قلم کے ذکر میں جب "تبا" لکھنے سے قلم نہیں ہوتی تو اس کے بعد "تڑخا" بھی لکھتے ہیں۔

۵ یعنی اس دن کا مالک جبکہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے ان کے کارنامہ زندگی کا حساب کیا جائے گا تو ہر انسان کو اس کے عمل کا پورا صلہ یا بدلہ مل جائے گا۔ اللہ کی تعریف میں رحمان اور رحیم کہنے کے بعد مالک لفظ کے لیے یہ بات چلتی ہے کہ وہ رحمان ہی نہیں ہے بلکہ رحمت بھی ہے اور رحمت بھی ایسا یا فضیلت و ضعف کہ آخری فیصلے کے روز وہی پورے اقتدار کا مالک ہے لہذا وہ اس کی منزل میں کوئی مزاحم ہو سکے گا اور نہ جڑا میں مانے۔ لہذا ہم اس کی رحمت اور رحمت کی بنا پر اس سے رحمت ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے انصاف کی بنا پر اس سے ڈرتے بھی ہیں اور یہ احساس بھی رکھتے ہیں کہ ہمارے انجام کی بھلائی اور بُرائی بالکل اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

۶ عبادت کا لفظ بھی عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) پوجا اور پرستش۔ (۲) طاعت اور فرمانبرداری۔ (۳) بندگی اور غلامی۔ اس مقام پر تینوں معنی یک وقت مل رہے ہیں۔ یعنی ہم تیرے پرستار بھی ہیں، مطیع فرمان بھی

# اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۚ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

ہمیں سیدھا راستہ دکھا، اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا، جو مغضوب نہیں ہوئے، جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

اور بندہ و غلام بھی۔ ادب صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ ہم تیرے ساتھ یہ لفظ لکھتے ہیں، بلکہ واقعی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ حق صرف تیرے ہی ساتھ ہے۔ ان تینوں معنیوں میں سے کسی معنی میں بھی کوئی دوسرا ہمارا معبود نہیں ہے۔

۱۷ یعنی تیرے ساتھ ہمارا اقل بعض عبادت ہی کا نہیں ہے، بلکہ امتعات کا اقل بھی ہم تیرے ہی ساتھ رکھتے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ ساری کائنات کا رب تیری ہے، اور ساری طاقتیں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اور ساری نعمتوں کا ذریعہ اکیلا اکبر، اس لیے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں، تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھینکا ہے، تیری مدد ہی پر ہمارا اعتماد ہے۔ اسی بنا پر ہم اپنی یہ درخواست کی تیری خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔

۱۸ یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں خیال اور عمل اور برتاؤ کا وہ طریقہ ہمیں بتا جو بالکل صحیح ہو جس میں غلط بینی اور غلط کاری اور بد راہی کا خطر نہ ہو جس پر عمل کر کے ہم صحیح فلاح و سعادت حاصل کر سکیں۔ یہ ہے وہ درخواست جو قرآن کا ماحول شروع کرتے ہوئے بندہ اپنے خدا کے حضور پیش کرتا ہے۔ اس کی گزارش ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور ہمیں بتائیں کہ قیاسی فلسفوں کی اس بھول بھلیاں میں حقیقت نفس الامری کیا ہے، اخلاق کے ان مختلف نظریات میں صحیح نظام اخلاق کونسا ہے، زندگی کی ان بے شمار پگڑندوں کے درمیان فکر و عمل کی کید میں اور سعادت و شہادہ کوئی ہے۔

۱۹ یہ اس سید سے راستہ کی تعریف ہے جس کا علم ہم اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں یعنی وہ راستہ جس پر ہمیشہ تیرے منظور نظر لوگ چلتے رہے ہیں۔ وہ بے خطا راستہ کہ قدیم ترین زمانہ سے آج تک کے شخص اور جو کہ وہ بھی اس پر چلا وہ تیرے انعامات کا مستحق بننا اور تیری نعمتوں سے ملنا مال ہو کر رہا۔

۲۰ یعنی انعام پانے والوں سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو بظاہر عارضی طور پر تیری دینی نعمتوں سے سرفراز قرار دیتے ہیں مگر دراصل وہ تیرے غضب کے مستحق ہوا کرتے ہیں اور اپنی فلاح و سعادت کی تلاش میں ہمیں کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس پہلی تشریح سے یہ بات خود کھل جاتی ہے کہ انعام سے ہماری مراد حقیقی اور باہزار انعامات ہیں جو راستہ مدی اور خدا کی خوشنودی کے نتیجہ میں جا کرتے ہیں، نہ کہ وہ عارضی اور فانی انعامات جو پہلے ہی فرعونوں اور نمرودوں اور قارونوں کو ملتے رہے ہیں اور آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے ظالموں اور بدکاروں اور گراہوں کو ملے ہوئے ہیں +



## البقرہ

**نام اور وجہ تسمیہ** | اس سورۃ کا نام بقرہ اس لیے ہے کہ اس میں ایک جگہ گائے کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید کی ہر سورۃ میں اس حد و وسیع مضامین بیان ہوئے ہیں کہ ان کے لیے مضمون کے لحاظ سے جامع عزرائات تجویز نہیں کیے جاسکتے۔ عربی زبان اگرچہ اپنی لغت کے اعتبار سے نہایت مالدار ہے مگر بہر حال ہے قرآنی زبان ہی۔ انسان جزو بنائیں بھی بڑتا ہے اس قدر رنگ اور محدود ہیں کہ وہ ایسے الفاظ یا فقرے فراہم نہیں کر سکتیں جو ان وسیع مضامین کے لیے جامع عنوان بن سکتے ہوں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے قرآن کی مختصر سورتوں کے لیے عزرائات کے بجائے ہم تجویز فرمائے جو محض علامت کا کام دیتے ہیں۔ اس سورۃ کو بقرہ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں گائے کے سنے پر بحث کی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ سورۃ جس میں گائے کا ذکر ہے۔

**زمانہ نزول** | اس سورۃ کا بیشتر حصہ ہجرت مدینہ کے بعد مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوا ہے، اور کتر حصہ ایسا ہے جو بعد میں نازل ہوا اور مناسب مضمون کے لحاظ سے اس میں شامل کر دیا گیا، حتیٰ کہ سورۃ کی ماند کے سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں اتاری تھیں۔ سورۃ کا خاتمہ جن آیات پر ہوا ہے وہ ہجرت سے پہلے کہیں نازل ہو چکی تھیں مگر مضمون کی مناسبت سے ان کو بھی اسی سورۃ میں ضم کر دیا گیا ہے۔

**شان نزول** | اس سورۃ کو کہنے کے لیے پہلے اس کا تاریخی پس منظر بھی طرح سمجھ لینا چاہیے :-  
 (۱) ہجرت سے قبل جب تک کہ بر اسلام کی دعوت دی جاتی رہی، خطاب بیشتر مشرکین عرب کے تھا جن کے لیے اسلام کی آواز ایک نئی اور غیر مانوس دانتھی۔ اب ہجرت کے بعد سابقہ ہیروئن سے پیش آیا جن کی بتیں مدینہ سے بالکل متصل ہی واقع تھیں۔ یہ لوگ تہذیب و رسالت، وحی و اخوت اور ملائکہ کے حامل تھے، اس مضابطہ شرعی کو تسلیم کرتے تھے جو خدا کی طرف سے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اور مولانا کا دین وہی اسلام تھا جس کی تعلیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ لیکن صدیق کے مسلسل اعتقاد نے ان کو اس دین سے بہت دور بٹا دیا تھا۔ ان کے عقائد میں بہت سے غیر اسلامی عناصر کی آمیزش ہو گئی

۱۔ اس وقت حضرت مولانا کو گذرے ہوئے تقریباً ۱۹ صدیاں گزر چکی تھیں۔ اسرائیلی تاریخ کے صاحب حضرت مرسل نے سلسلہ تکلیف میں جو دفاتر پائی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتب و صحیفہ میں نصیب نبوت پر سرفراز ہوئے۔

تھی جن کے لیے قرآن میں کوئی سند موجود تھی۔ ان کی عملی زندگی میں بکثرت ایسے رسوم اور طریقے رواج پائے گئے تھے جو اہل دین میں نہ تھے اور جن کے لیے قرآن میں کوئی بھوت نہ تھا۔ خود قرآن کو انہوں نے انسانی کلام کے اندر خدا کا لفظ کر دیا تھا، اور خدا کا کلام جس حد تک لفظاً یا معنیٰ معنویاً تمام اس کو بھی انہوں نے اپنی من مانی بنا دیا اور تفسیر میں سے مرعہ کر رکھا تھا۔ دین کی حقیقی روح ان میں سے نکل چکی تھی اور ظاہری مذہبیت کا مصلح لیکر ہے جان و صاحب باقی تھا جس کو وہ میدان سے لگائے ہوئے تھے۔ ان کے ملکہ اور شائخ، ان کے سرداران قوم اور ان کے عوام سب کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی حالت بگڑ گئی تھی۔ انہیں اپنے اس بگاڑ سے ان کو ایسی بھت تھی کہ وہ کسی اصلاح کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ حدیثوں سے مسلسل ایسا ہر دماغ تھا کہ جب کے فی اللہ کا بندہ انہیں دین کا میدان صاف کرتے آتا تو وہ اسے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے اور ہر ممکن طریقہ سے اسے کوشش کرتے تھے کہ وہ کسی طرح اصلاح میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ لوگ حقیقت میں گمراہ تھے اور ان کے تھے جن کے ہاں بدعتوں اور تحریفوں، رشکائیوں اور فرقہ بندیوں، مانتوں گیری و منہ و گئی، خلاف راسخ و دنیا پرستی کی بذات انہیں خلاصہ جو کوئی بھی تھا تھا کہ وہ اپنا اہل نام مسلم تک بھول گئے تھے۔ جس سے یہودی بن کر رہ گئے تھے۔ وہ ان کے دین کو انہوں نے جس نسل اسرائیل کی آباؤی وراثت بنا کر رکھا تھا جس میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین پیچھے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حلاوت فرمائی کہ ان کو اصل دین کی طرف دعوت دیں، پچھلے سدا بقرہ کے بتلانی پندہ مملہ کہ وہ اسی دعوت پر مشتمل ہیں۔ ان میں یہودیوں کی تاریخ اور ان کی اخلاقی و مذہبی حالت چرس طرح تنقید کی گئی ہے، اور جس طرح ان کے گمراہی سے ہونے مذہب اخلاق کی نمایاں خصوصیات کے مقابلہ میں حقیقی دین کا اصول پہلہ پہلے پیش کیے گئے ہیں، اس سے یہ بات بالکل آئینے کی طرح واضح ہر حقیقی ہے کہ ایک کیمیکسٹر کی ہمت کے بغیر کسی نوعیت کی کھڑکی ہے، کسی دینداری کے مقابلہ میں حقیقی دینداری کس چیز کا نام ہے، دین حق کے بنیادی اصول کیا ہیں اور خدا کی نگاہ میں اہل ہجرت کس چیزوں کی ہے۔

(۲) مذہبی پیچ کر اسلامی دعوت ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ مکہ میں تو معاملہ صرف اہل دین کی تبلیغ اور دین قبول کرنے والوں کی اخلاقی تربیت تک محدود تھا، اگرچہ ہجرت کے بعد عرب کے مختلف قبائل کے وہ سب لوگ جو اسلام قبول کر چکے تھے ہر طرف سے مسکن ایک جگہ جمع ہونے لگے اور ان کی مدد سے ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ نے تمدن معاشرت و معیشت متعارف اور ریاست کے متعلق بھی اہل ہدایات دینی شروع کیں اور یہ بتایا کہ اسلام کی اس پر پر تیا نظام زندگی کس طرح تعمیر کیا جائے۔ اس سورۃ کے آخری ۲۲ رکوع زیادہ تر اسی ہدایات پر مشتمل ہیں، جن میں سے اکثر ابتدائی دین پیچ دی گئی تھیں اور بعض متفرق طور پر حسب ضرورت بعد میں بھیج جاتی رہیں۔

(۳) ہجرت کے بعد اسلام اور کفر کی کشمکش بھی ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی ہجرت سے پہلے اسلام کی دعوت خود کفر کے گھر میں ہی جا رہی تھی اور متفرق قبائل میں سے جو لوگ اسلام قبول کرتے

تھے وہ اپنی اپنی جگہ رہ کر ہی دین کی تبلیغ کرتے اور جواب میں مصائب اور عذاب کے خوف سے متحش ہوتے تھے مگر ہجرت کے بعد جب یہ منتشر مسلمان دین میں جمع ہو کر ایک جہت بن گئے تو انہوں نے ایک چھوٹی سی آبادی سے قائم کر لی تو مصائب حال یہ ہو گئی کہ ایک طرف ایک جہت بنی مگر دوسری طرف تمام عرب اس کی امتیعال کر رہے تھے نہ ہوا تھا۔ اب اس بھی ہجرت کی کامیابی کا یہی نہیں بلکہ اس کے وجود بقا کا انحصار بھی اس بات پر تھا کہ وہ لوگ ہر دورے جو شہر و خوش کے ساتھ اپنے مسلک کی تبلیغ کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کرے۔ تاہم یہ وہ مخالفین کا برسرِ باطل ہونا اس طرح ثابت دوسرے کہنے کی ذی عقل انسان کو اس میں شبہ نہ ہے۔ تاہم یہ بات ہر دورے اور تمام مسلک کی عداوت و مزاحمت سے دوچار رہنے کی بنا پر فرقہ و فساد ہر وقت جاری رہی ہے تاہم یہ بات اس کی جو حالتیں پہلے ہی تھی اور یہی حالتیں ہیں وہ چاروں طرف سے گھیر گئے تھے، ان میں وہ ہوساں دہریاں، بلکہ پورے مصر و شام کے مسلمان ممالک کا مقابلہ کریں اور اپنے عزم میں فدا و نذرانہ آئے ہیں۔ تاہم یہ پوری دہریہ کے ساتھ ہر اس طرح مزاحمت کا مسلح مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں جو ان کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے کسی طاقت کی طرف سے کی جائے، اس بات کی خدا پر ہوا نہ کریں کہ مخالفین کی تعداد و اسلحہ کی مادی طاقت کتنی زیادہ ہے۔ تاہم ان میں اتنی ہمت پیدا کی جائے کہ اگر عرب کے لوگ اس نئے نظام کو جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے ہمیشہ سے قبول نہ کریں تو انہیں جاہلیت کے ہر مذہب و مذہب کی کو بزدل و دینے میں بھی تامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس نئے نظام میں ان پانچوں امور کے متعلق ہدایت دی ہیں۔

(۴) دعوتِ اسلامی کے اس مرحلہ میں ایک نیا عنصر بھی ظاہر ہوا شروع ہو گیا تھا، وہ یہ منافقین کا عنصر تھا۔ اگرچہ منافق کے ابتدائی آثار کو کہے آخری زمانہ میں بھی نمایاں ہونے لگے تھے مگر وہاں صرف اس قسم کے منافق پائے جاتے تھے جو اسلام کے دھوکے ہونے کے تو معروف تھے اور ایمان کا اقرار بھی کرتے تھے لیکن ان کے لیے تیار نہ تھے کہ اس حق کی خاطر اپنے خدا کی قربانی اور اپنے ذمہ کی فتنات کا انقطاع اور ان مصائب و مشکلات کو بھی برداشت کریں جو اس مسلک حق کو قبول کرنے کے ساتھ ہی نازل ہونے شروع ہو جاتے تھے۔ دین پہنچ کر اس قسم کے منافقین کے علاوہ چند اقد قمریوں کے منافق بھی اسلامی جماعت میں پائے جانے لگے۔ ایک قسم کے منافق وہ تھے جو عقائد اسلام کے منکر تھے اور حسن فتنہ پرانے کے لیے جماعتِ مسلمین میں داخل ہو جاتے تھے۔ دوسری قسم کے منافق وہ تھے جو اسلامی جماعت کے دائرہ اقتدار میں گھر جانے کی وجہ سے اپنا مفاد میں دیکھتے تھے کہ ایک طرف مسلمانوں میں بھی پانچاں لگائیں اور دوسری طرف مخالفین اسلام سے بھی رہبر دیکھیں تاکہ دونوں طرف کے فوائد سے مستفید ہوں اور دونوں طرف کے خطرات سے محفوظ رہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو اسلام اور جاہلیت کے درمیان تردد تھے۔ انہیں اسلام کے دھوکے ہونے پر کمالِ طینان نہ تھا مگر چونکہ ان کے قبیلہ یا فائدہ ان کے دشمن لوگ مسلمان ہو چکے تھے اس لیے یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے جو تیسری قسم میں وہ

لوگ نال تھے جو برحق ہونے کی حیثیت سے تو اسلام کے قائل ہو چکے تھے مگر جاہلیت کے طریقہ اولیٰ نام اور  
دیس چھوڑنے اور مطلق پابندیاں قبول کرنے اور فرض اور ذمہ داریوں کا بار اٹھانے سے ان کا نفس امارت کا تھا۔  
مردہ قبر کے نزل کے وقت ان شخص اقام کے منافقین کے ٹھوکے کی صورت میں اسے اپنے اڑھائی نے  
ان کی طرف صرف اجمالی اشارات فرماتے ہیں۔ بعد میں بتی بتی ان کی صفات اور عکاسات بنائیں گئی ہیں اسی قدر  
تفصیل کے ساتھ بعد کی سورتوں میں قہر کے منافقین کے متعلق ان کی ذمت کے لئے سے اٹھائے گئے ہیں۔

اَيَا تُهَمُّ ۱۸۸ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَسَدٌ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲۱

الحجۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مفسر

السم ۱ ذلک الکتاب لا ریب فیہ ۱ ہدی

الف ، لام ، میم۔ یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے

۱۔ یہ عربیہ مقلعات قرآن مجید کی بعض سورتوں کے آغاز میں پائے جاتے ہیں جس زمانے میں قرآن مجید نازل  
ہوا ہے اس دور کے اسلوب بیان میں اس طرح کے عربیہ مقلعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا غلبہ اور شعرا و مدثرین  
اس اسلوب کا کام لیتے تھے۔ چنانچہ ابھی کلام جاہلیت کے جوڑنے محفوظ ہیں ان میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اس  
استعمال عام کی وجہ سے یہ مقلعات کوئی حیرت نہ تھے جن کو برتنے والے کے سوا کوئی نہ جانتا ہو، بلکہ عامین بالعموم جانتے  
تھے کہ ان سے مراد کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر منافقین میں سے کسی نے بھی یہ  
اعتراض نہیں کیا کہ یہ بے معنی عربیہ کیسے ہیں جو تم بعض سورتوں کی ابتدا میں لیتے ہو۔ ابھی وجہ ہے کہ صحابہ کرام  
سے بھی ایسی کوئی رعایت منقول نہیں ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے معنی پوچھے ہوں۔ بعد میں یہ اسلوب  
عربی زبان میں متروک ہوتا چلا گیا اور اس پر پھر عربیہ کے لیے ان کے معانی منتقل کرنے میں مشکل ہو گیا لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ تو  
ان عربوں کا مفہوم سمجھے پھر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا احساس ہوا وہ یہی بات ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے معنی نہ جانتا  
تو اس کے راہ راست پانے میں کوئی نقص نہ جانتا۔ لہذا ایک عام ناظر کے لیے کچھ ضروری نہیں ہے کہ وہ ان کی تفسیر میں مگر گہرائی  
۲۔ اس کا ایک سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ یہ بیگناہی اللہ کی کتاب کے نزدیک طلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایسی  
کتاب ہے جس میں شک کی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی کتابیں اور باوجود الطبیعت اور حقائق اور لوازم اور اس کے بحث کرتی ہیں  
وہ سب قیاس و گمان پر مبنی ہیں، اس لیے خدا مان کے مصنف بھی اپنے بیانات کے بارے میں شک کا خیال نہیں ہو سکتے خواہ وہ  
کلمہ ہی تھیں یا ائمہ کریں لیکن ایسی کتاب جو سراسر علم حقیقت پر مبنی ہے اس کا مصنف وہ ہے جو مقام جنتوں کا علم رکھتا ہے

لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ  
وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ

اُن پر سیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو صدق ہے  
ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن)

اس لیے فی الواقع اس میں شک کے لیے کوئی جگہ نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ انسان اپنی نادانی کی بنا پر کچھ بیانات میں شک کر لیا  
۱۷ یعنی یہ کتاب جو تو سرسراہٹ دہناتی، مگر اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی میں چند صفات  
پائی جاتی ہوں۔ ان میں سے اولین صفت یہ ہے کہ آدمی پر پیر گاہ ہو۔ یعنی اور نبی کی میں تیز کرنا ہو۔ برائی سے بچنا چاہتا ہو۔ بھائی  
کا طالب ہو اور اس پر عمل کرنے کا خواہش مند ہو۔ دوسرے وہ لوگ جو دنیا میں جاؤں اور اس طرح جیتے ہیں جن میں کبھی بگاڑن نہ ہوتا ہو  
کہ جو کچھ وہ کہے ہیں وہ سچ ہی ہے یا نہیں، بس ہر حد دنیا پر عمل ہی ہو یا جو حد ضرورت پر عمل ہو یا ہر حد ہاں میں اسی  
طرف چل پڑتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے لیے قرآن میں کوئی رہنمائی نہیں ہے۔

۱۸ یہ قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لیے دوسری شرط ہے۔ موجب سے اور حقیقت میں جو انسان کے حواس سے  
پر مشہد ہو اور کسی براہ راست عالم انسانوں کے تجربہ و مشاہدہ میں نہیں آتیں، مثلاً خدا کی ذات و صفات، ملائکہ، وحی، جنت، دہشت  
و غیرہ۔ ان حقیقتوں کو غیر دیکھنا، ماننا اور اس اعتبار پر اپنا کردار کی غرض سے رکھنا ایمان بالنبی کے آیت کا مطلب ہے کہ  
جو شخص ان غیر محسوس حقیقتوں کو ماننے کے لیے تیار ہو صرف وہی قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ رہا وہ شخص جو ماننے  
کے لیے دیکھنے، سناؤ، پکھنے اور سونگھنے کی شرط لگائے اور جو کہہ کہیں کسی ایسی چیز کو جن میں ان میں کوئی اور توفیق نہ رہا سکتی ہو  
تو وہ اس کتاب سے ہدایت نہیں پاسکتا۔

۱۹ یہ تیسری شرط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صرف ان کو دیکھ جانے والے ہوں وہ قرآن سے فائدہ  
نہیں اٹھا سکتے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ایمان لانے کے بعد قرآن ہی اعلیٰ اطاعت کے لیے  
آباد ہو جائے۔ اور اعلیٰ اطاعت کی اولین علامت اور دینی علامت خدا ہے۔ ایمان لانے پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرتے کہ  
مخبر توفیق نواز کے لیے پکارتا ہے اور اس وقت فیصلہ ہو جاتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والا اطاعت کے لیے بھی تیار ہے یا نہیں  
پھر یہ مخبر توفیق روز پانچ وقت پکارتا رہتا ہے، اور جب بھی انسان اس کی پکار پر یکے کے اسی وقت ظاہر ہوتا ہے کہ دعویٰ ایمان  
اطاعت سے خارج ہو گیا ہے پس ہر ترکہ فائدہ اٹھانے کی ایک علامت ہے، اور ظاہر بات ہے کہ جو شخص کسی کی ہدایت پر  
کا بند بھرنے کے لیے یہی تیار نہ رہا اس کے لیے ہدایت دینا اور نہ دینا کیاں ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ کاتب ملاحظہ ایک ملاحظہ ہے۔ اس کے معنی صرف یہی ہیں کہ آدمی اپنی ہندی کے ساتھ خدا

إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ  
أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔  
ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

کے بکواس کا مطلب ہے کہ اجتماعی طور پر نہ ان کا نظام باقاعدہ قائم کیا جائے۔ اگر کسی ایسی ہی ایک ایک شخص انفرادی طور پر نہ ان کا پابند ہو، لیکن جماعت کے ساتھ اس غرض کے ساتھ کہ ان کے لئے جو قرینہ میں کہا گیا کہ وہ ان نماز قائم کی جا رہی ہے۔  
۱۵ یہ قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کے لیے جو شرط ہے کہ آدمی تنگ دل نہ ہو، نہ ہر پست نہ ہو، اس کے مال میں خدا اور بندوں کے جو حقوق مقرر کیے جائیں ان میں اضافہ کرنے کے لیے تیار ہو جس چیز پر ایمان لایا ہے اس کی خاطر مالی قربانی کرنے میں بھی دریغ نہ کرے۔

۱۶ یہ پانچویں شرط ہے کہ آدمی ان تمام کاموں کو برقی تسلیم کرے جو وہی کے مذہب سے خدا نے معمولی اضرعہ کو تسلیم اور ان سے پہلے کے انبیاء پر مختلف نمازوں اور حکموں میں نازل کیں۔ اس شرط کی بنا پر قرآن کی ہدایت کا دروازہ ان صلب گروں پر بند ہو کر رہے اس خصوصیت کے قائل نہ ہوں کہ انسان کو خدا کی طرف سے ہدایت ملنی چاہیے یا اس ضرورت کے قائل کہ ہوں مگر اس کے لیے وہی اور سات کی طرف رجوع کرنا غیر ضروری سمجھتے ہوں اور خود کچھ نظریات قائم کر کے اپنی کو خدا کی ہدایت قرار دے بیٹھیں یا آسمانی کتابوں کے بھی قائل ہوں مگر صرف اس کتاب یا ان کتابوں پر ایمان لائیں جن میں ان کے باپ اور اباؤں نے چلے آئے ہیں، نیز کسی سرچشمے سے ملنے والی دوسری ہدایات تو وہ ان کو قبول کرنے سے انکار کریں۔ ایسے سب لوگوں کو انگ کہ کہ قرآن اپنا چتر فیض صوفیوں کو ان لوگوں کے لیے کھولتا ہے جو اپنے آپ کو خدا کی ہدایت کا محتاج بھی مانتے ہوں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہوں کہ خدا کی یہ ہدایت ہر انسان کے پاس الگ الگ نہیں ہوتی بلکہ انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعے ہی خلق کو ملتی ہے اور ہر وہ کسی ایسی دوسری تعصب میں بھی مبتلا نہ ہوں بلکہ خاص حق کے پرست ہوں اس لیے حق جہاں جہاں جس جگہ میں بھی آیا ہے اس کے گمراہی سے بچ جائیں۔  
۱۷ یہ چھٹی اور آخری شرط ہے۔ آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے غرض سے ہو جاتا ہے۔ اس میں حسبِ قبل بحث شامل ہیں:-

(۱) یہ کہ انسان اس دنیا میں خیر و شر کا مشاہدہ کرے اور اپنے تمام اعمال کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

(۲) یہ کہ دنیا کا جو مردہ نظام آدمی نہیں ہے بلکہ ایک نئی چیز ہے صرف خدا ہی جانتا ہے، اس کا خاتمہ ہو جائیگا۔

(۳) یہ کہ اس عالم کے ماتھے کے بعد ایک دوسرا عالم بنائیگا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتداء آفرینش سے قیامت تک نہیں رہا، رہتی تھی، ایک نئی صورت دوبارہ پیدا کریگا اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ٦ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٧ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ

ع

جن لوگوں نے (ان باتوں کو تسلیم کرنے سے) انکار کر دیا، ان کے لیے کیاں بے خواہ تم انہیں خبردار کر دیا نہ کہ دوسرے حال میں ماننے والے نہیں ہیں۔ انہوں نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر پتھر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں؛ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خبردار آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، حالانکہ وہ حقیقت وہ اس کے کیے کا پورا پورا جملہ دے گا۔

۴۱) یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی نوسہ جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بدشعیر بن گئے وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

۵۱) یہ کہ کیا بانی دنیا کامی یا اہل معیار ہو وہ زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے بلکہ حقیقت کا ایسا انسان وہ جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ہو، اور نہ کام وہ ہے جو دنیا ناکام ہو۔

عقائد کے اس مجموعے پر جن لوگوں کو یقین نہ ہو وہ قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ ان باتوں کا انکار تو دین اور اگر کسی کے دل میں ان کی طرف شک و تردید کی کیفیت بھی ہو تو وہ اس مسئلہ پر نہیں چل سکتا، جو انسانی زندگی کے لیے قرآن نے تجویز کیا ہے۔

۶۵) میں نے یہ کہہ کر خوش چین کا ذکر کیا ہے، پہلی نہ کیں، اور ان کے بیاں میں سے کسی ایک کے بھی قبول کرنے سے انکار کیا ہے اس کا مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے ٹھکرادی تھی اس لیے انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب

انہوں نے ان زیادتی اور کمزوریوں کا ذکر کیا تو انہوں نے اپنے لیے قرآن کے بعض کلمات کے خلاف دوسرا راستہ پسند کر لیا تو انہوں نے ان کے دلوں اور کانوں پر پتھر لگا دی۔ اس پتھر گرنے کی کیفیت کا تجربہ ہر شخص کو کر چکا ہے جسے تبلیغ کا انتہائی پتھر ہو۔ جب کوئی شخص آپ کے پیش کردہ طریقے کو ماننے کے بعد ایک خود کو دیتا ہے تو اس کا ذہن کچھ اس طرح مخالفت سمجھ میں چل پڑتا ہے کہ پھر آپ کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی، آپ کی دعوت کے لیے اس کے کان بہرے، اور

﴿۸﴾

يُؤْمِنِينَ ۝ يُخْدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخْدِعُونَ  
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ  
مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ  
لَهُمْ لَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝  
إِنَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَإِذَا

مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں مگر دراصل وہ  
خود اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ ان کے دلوں  
میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا، اور جو جھوٹ دیتے ہیں اس کی پاداش  
میں ان کے لیے دردناک سزا ہے جب کہیں ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو انہوں نے یہی  
کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ غیور اور حقیقت میں ہی لوگ مفید ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔ اور جب

آپ کے طریق کی خبریں کے لیے اس کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں، اور مزید دھوکہ دے رہا ہے کہ فی الواقع اس کے  
دل پر شرنگی ہوئی ہے۔

۱۱ یعنی وہ اپنے آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر رہے ہیں کہ ان کی یہ منافقانہ روش ان کے لیے مفید ہوگی  
حالانکہ دراصل یہ ان کو دنیا میں بھی نقصان پہنچائے گی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ایک منافق چند منافع کے لیے تو لوگوں  
کو دھوکہ دے سکتا ہے مگر ہمیشہ اس کا دھوکہ انہیں مل سکتا۔ آخر کلاس کی منافقت کا لازماً ناش ہو کر رہتا ہے۔ اور پھر  
سوسائٹی میں اس کی کوئی ساکھ باقی نہیں رہتی۔ دینی اخوت، قرداں ایمان کا زہا بی دھوکے کوئی قیمت نہیں لکھتا  
اگر اصل اس کے خلاف ہو۔

۱۲ بیماری سے مراد منافقت کی بیماری ہے۔ اور اثر کے اس بیماری میں اضافہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ  
وہ منافقین کو ان کے فساد کی سزا دے رہا نہیں دیتا بلکہ انہیں دھکیل دیتا ہے اور اس دھکیل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منافق  
لوگ اپنی جانوں کو بظاہر کامیاب ہوتے دیکھ کر اور زیادہ مکمل منافق بننے پلے جاتے ہیں۔



قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ  
 الشُّفَهَاءُ اِلَّا اَنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰﴾  
 وَاِذْ اَقْبَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى  
 شَيْطٰنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَمْعِنُوْنَ ﴿۱۱﴾  
 اَللّٰهُ يَسْتَمِعُ هٰنِئِثْۤىۤ بِهٖمْ وَيَمُدُّهُمْ فِى طُغْيٰنِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

ان سے کہا گیا کہ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں اسی طرح تم بھی ایمان لاناؤ تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم یہ یقینوں کی طرح ایمان لائیں۔ خبردار حقیقت میں تو یہ خود بے قوت ہیں مگر یہ جانتے نہیں ہیں۔ جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اہل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے محض مذاق کر رہے ہیں۔ انسان مخلوق کر رہا ہے، دھوکا کی بنی دماز کیے جاتا ہے، اور یہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔

۱۰ یعنی جس طرح تمہاری قوم کے دوسرے لوگ سچائی اور غلوں کے ساتھ مسلمان ہوئے ہیں اسی طرح تم بھی اگر اسلام قبول کرتے ہو تو ایمان داری کے ساتھ سچے دل سے قبول کرو۔

۱۱ اپنے نزدیک ان لوگوں کو بے قوت سمجھتے تھے جو سچائی کے ساتھ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو بھگنوں اور مشقوں اور خطرات میں مبتلا کر رہے تھے۔ ان کی رائے میں یہ سراسر عقائدِ باطل تھے کہ محض حق اور راستی کی خاطر تمام ملک کی وطنی مول لے لی جائے۔ ان کے خیال میں عقیدہ دینی ہی کہ کسی حق اور باطل کی بحث میں نہ بڑھے بلکہ بوجھلے میں صرف اپنے عقائد کو دیکھے۔

۱۲ شیطان عربی زبان میں سرکش و مترواد و شہیدہ سر کہتے ہیں۔ انسان اور جن دونوں کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ اگرچہ قرآن میں یہ لفظ زیادہ تر شیاطین جن کے لیے آتا ہے، لیکن بعض مقامات پر شیطان صفت انسانوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ریاقت و سابق سے ہمارا فی معلوم ہوا رہا ہے کہ کہاں شیطان سے انسان ملتا ہے اور کہاں جن۔ اس مقام پر شیاطین کا انفعان ہٹے ہٹے سراہوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو اس وقت اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبَحَتِ  
 تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُتَعِدِينَ ۝ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي  
 اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ  
 وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ ۖ لَّا يَبْصُرُونَ ۝ صُمُّوا لَكُمْ عُنَىٰ فَهُمْ  
 لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ وَّ  
 رَعْدٌ وَبُرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، مگر یہ سودا ان کے لیے نفع بخش  
 نہیں ہے اس لیے ہرگز صحیح راستے پر نہیں ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی  
 اور جب سارا محل چمک اٹھا تو اللہ نے ان کا نور بصارت مٹب کر لیا اور انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ  
 تاریکیوں میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ ابٹ ملیں گے۔  
 یا پھر ان کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان سے نعل کی بارش ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ اندھیری گھا  
 ادا کوک اور چمک بھی ہے، یہ بجلی کے کڑکے، کڑکے، کڑکے کی جانیوں کے خوف کا نور ہیں، انہیں اٹھنے لیتے

۱۲ مطلب یہ ہے کہ جب ایک اثر کے بندے نے مذہبی پیلائی اور حق کو باطل سے، صحیح کو غلط سے، ملو  
 مات کو گمراہیوں سے چھٹا کر باطل نمایاں کر دیا، تو جو لوگ دیدہ بیکار کھتے تھے ان پر تو ماری خقیق ہوش ہو گئیں  
 مگر منافق، جو نفس پرستی میں اندھے ہو رہے تھے، ان کو اس مذہبی میں کچھ نظر نہ آیا۔ اللہ نے نور بصارت مٹب کر لیا  
 کے لٹکانے کی کہ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ان کے تاریکی میں بھٹکنے کی ذمہ داری خود ان پر نہیں ہے۔ اللہ نور بصارت اسی کا  
 سلب کرتا ہے جو خود حق کا طالب نہیں ہوتا، خود ہدایت کے بجائے گمراہی کو اپنے لیے پسند کرتا ہے، خود صداقت  
 کا دشمن چہر نہیں دیکھنا چاہتا۔ جب انہوں نے خود حق سے موڑ کر پھر کھلت باطل میں بیٹھنا چاہا تو اللہ نے انہیں  
 اسی کی توفی طافرواہی۔

حَذَرَ النَّوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَافٍ فِيهِ؛ وَلَا ذَا  
أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ  
وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

ہیں اور اللہ ان منکبین حق کو ہر طرف گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ چمکے ان کی حالت یہ ہو رہی ہے کہ گویا غریب بعلی ان کی بصارت اچکے جائے گی جب فلا کچھ روشنی انہیں مسوں جتنی ہے تو اس میں کچھ دودھل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اٹھ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت بالکل ہی سلب کر لیتا، یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کلمہ حق بات سننے کے لیے ہرے، حق گوئی کے لیے گنگھے، حق بینی کے لیے اندھے۔  
۱۱۔ یعنی کافروں میں ایسا غم و غمناک ہے کہ وہ اپنے آپ کو کچھ دیر کے لیے اس غلامی میں تو ڈال سکتے ہیں کہ طاقت سے بچ جائیں گے مگر فی الواقع اس طرح وہ بچ نہیں سکتے کیونکہ اللہ اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ ان پر محیط ہے۔  
۱۲۔ پہلی مثال ان منافقین کی تھی جو دل میں تعلق نہ کرتے اور کسی مومن و مصلحت سے سلیمان بن گئے تھے۔ اور یہ دوسری مثال ان کی ہے جو شک و تردید اور ضعف ایمان میں مبتلا تھے، کچھ حق کے قابل بھی تھے مگر ایسی ہی ہستی کے قائل نہ تھے کہ اس کی خاطر کلیغوں اور مصیبتوں کو بھی برداشت کر جائیں۔ اس مثال میں بارش سے مراد اسلام ہے جو انسانیت کے لیے رحمت بن کر آیا۔ اندھیری گناہوں کو کھٹک اور چمکے مراد مشکلات و مصائب کا وہ بحر و ماحول ہے جو آخر تک یہ اسلامی کے مقابلہ میں الہی جاہلیت کی شدید مزاحمت کے سبب پیش آ رہا تھا۔ مثال کے آخری حصہ میں ان منافقین کی اس کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب معاملہ ذرا سہل ہوتا ہے تو یہ چل پڑتے ہیں اور جب مشکل کے آئیں بادل چھانے لگتے ہیں یا ایسے احکام دیے جاتے ہیں جن سے ان کی خواہشات نفس اور ان کے تعصبات جاہلیت پر ضرب پڑتی ہے تو ششک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۱۳۔ یعنی جس طرح پہلی قسم کے منافقین کا ذہن بصارت اس نے بالکل سلب کر لیا، اسی طرح اللہ ان کو کسی حق کے لیے اندھا بنا سکتا تھا۔ مگر اللہ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ جو کسی حد تک دیکھنا اور سنا چاہتا ہو اسے اُنٹا ہی نہ دیکھنے سے دے جس قدر حق دیکھنے اور حق سننے کے لیے یہ تیار تھے اسی قدر سماعت و بصارت اللہ نے ان کو پاس پہنچے دی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا إِلَهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ  
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً  
وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ  
فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي  
رَيْبٍ مِمَّا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا السُّورَةَ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا

لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس لبک جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں اُن  
سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی ترقیع اُسی صورت سے ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے  
زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار  
نکال کر تمہارے لیے مدق ہم پہنچایا۔ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مد مقابل نہ ٹھیراؤ۔

اور اگر تمہیں اِس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ  
ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں

۱۲۵ اگرچہ قرآن کی دعوت تمام انسانوں کے لیے عام ہے، مگر اِس دعوت سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا تو لوگوں کی  
اپنی آمادگی پر اور اِس آمادگی کے مطابق اللہ کی توفیق پر منحصر ہے۔ لہذا پہلے انسانوں کے درمیان فرق کے واضح کر دیے گئے  
کس قسم کے لوگ اس کتاب کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کس قسم کے نہیں اٹھا سکتے۔ اس کے بعد اب تمام قسم انسانوں  
کے سامنے وہ اہل بات پیش کی جاتی ہے جس کی طرف ہالے کے لیے قرآن آیا ہے۔

۱۲۶ میں دنیا میں غلبہ بینی و نفاق کا رے سے اور سخت میں خدا کے خطاب سے بچنے کی۔

۱۲۷ میں جب تم خود بھی اس بات کے قائل ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں تو پھر تمہارا  
بندگی اسی کے لیے خاص ہو رہی ہے، دوسرا کون اس کا حق دار ہو سکتا ہے کہ تم اس کی بندگی نہ جلاؤ؟ دوسروں کو اللہ کا  
خود مقابل ٹھہرانے سے مراد یہ ہے کہ بندگی و عبادت کی غلغلا تمام ہی کے کسی قسم کا رویت خدا کے سوا دوسروں کے ساتھ نہیں  
جائے۔ آگے چل کر خود قرآن ہی سے تفصیل کے ساتھ معلوم ہو جائے گا کہ عبادت کی وہ اقسام کون کون سی ہیں جنہیں صرف اللہ کے  
لیے مخصوص ہونا چاہیے اور جن میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا وہ شرک ہے جسے روکنے کے لیے قرآن آیا ہے۔

شَهِدَ آتَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۳﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْجَارَةُ ۖ أَعَدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۳۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَنُوتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا

کو بلاو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن نہیں گے انسان اور پتھر جو دیتا کی گئی ہے منکرین حق کے لیے۔

اور اے پیغمبر، جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئیں اور (اس کے مطابق) اپنے عمل درست کر لیں، انہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان باغوں کے پھل صورت میں دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے۔ جب کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائیگا تو وہ کہیں گے کہ ایسے ہی پھل اس سے پہلے دنیا میں ہم کو دیے جاتے تھے۔ ان کے لیے ہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور وہ وہاں

۳۳ اس سے پہلے کہ میں کئی بار پہنچ دیا جا چکا تھا کہ اگر تم اس قرآن کو انسان کی تصنیف سمجھتے ہو تو اس کے مانند کوئی کلام تصنیف کسے نہ کرے۔ اب مدینہ پہنچ کر پھر اس کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمادے ہنس رکھو، سورۃ ہود رکوع ۱۰۔  
۳۴ اس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ وہاں صرف تھیں دو درجہ کا ایندھن نہ ہونگے بلکہ تھائے وہ بت بھی ہاں تھیں ساتھ ہی موجود وہوں گے جنہیں تم نے اپنا سمجھو موجود بنا رکھا ہے۔ اس وقت تمہیں خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ خدا کی یہ یہ کنائی رکھتے تھے۔

۳۵ یعنی زائے اور ابھی پھل نہ ہوں گے جن سے مٹاؤں ہیں۔ شکل میں انہیں پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے جن سے

خَالِدُونَ ﴿۱۶﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً  
فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ  
وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا  
يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ

ہمیشہ رہیں گے۔

ہاں، اللہ اس سے ہرگز نہیں شرما تا کہ پھر یا اس سے بھی حقیر تر کسی چیز کی تمثیل دے۔  
جو لوگ حق بات کو قبول کرنے والے ہیں وہ انہی تمثیلوں کو دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہ حق ہے جو ان  
دب ہی کی طرف سے آیا ہے، اور جو ماننے والے نہیں ہیں وہ انہیں سن کر کہنے لگتے ہیں کہ ایسی  
تمثیلوں سے اللہ کو کیا سروکار؟ اس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا  
کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے۔ اور گمراہی میں وہ انہی کو مبتلا کرتا ہے جو

وہ دنیا میں ہمشا تھے۔ البتہ قدرت میں وہ ان سے بڑھایا ہوا ہے۔ دیکھیں میں مثلاً ام اور انار اور سترے ہی ہو گئے۔  
ایک جنت ہر محل کو دیکھ کر چپان میں گئے کہ یہ تم ہے اور یہ انار ہے اور یہ سترے۔ مگر سترے ہیں دنیا کے اعمال اور اناروں اور  
ستروں کو ان سے کوئی نسبت نہ ہوگی۔

۱۷ ﴿۱۷﴾ عَرَفِي قَدْ مِمَّ امْتَحَالُ جَزَاءِ هِمَّ كَيْ مَعْنَى هِمَّ جَزَاءِ هِمَّ۔ اور یہ لفظ شوہر اور بیوی دونوں کے  
لیے استعمال ہوتا ہے۔ شوہر کے لیے ہر بیوی زوج ہے اور بیوی کے لیے شوہر زوج۔ مگر وہاں یہ ازدواج پاکیزگی کی صفات کے  
ساتھ ہوں گے۔ اگر دنیا میں کوئی مرد نیک ہے اور اس کی بیوی نیک نہیں ہے تو آخرت میں ان کا شریک نہ بنے گا اور اس  
نیک مرد کو کوئی دوسری نیک بیوی عطا نہ دی جائے گی۔ اگر یہاں کوئی عورت نیک ہے اور اس کا شوہر بد تو وہاں اس نیک  
شوہر کی محبت سے عطا ہی پا جائے گی اور کوئی نیک مرد اس کا شریک نہ بنے گا۔ اور اگر یہاں کوئی شوہر بد ہے  
دونوں ایک ہیں تو وہاں ان کا یہی رشتہ تابدی و سرمدی ہو جائے گا۔

۱۸ ﴿۱۸﴾ مِمَّ امْتَحَالُ جَزَاءِ هِمَّ كَيْ مَعْنَى هِمَّ جَزَاءِ هِمَّ۔ قرآن میں متعدد مقامات پر توضیح دعا کے لیے  
عزای بھی، پھر دینے کی جو تمثیل دی گئی ہیں ان پر غور فرمائیے کہ اس میں عاکر کیسے کلام الہی ہے جس میں ایسی خبریں ہیں جن کی تمثیلیں

إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۚ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ  
مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَفْسِدُونَ  
فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ  
وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ مِيتَكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ

فاستحق ہیں، اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں، اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا  
ہے اسے کاٹتے ہیں، اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں حقیقت میں ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تم کو زندگی  
عطا کی، پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا، پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر

دہکتے تھے کہ اگر یہ خدا کا کام ہوتا تو اس میں یہ فضولیات نہ ہوتیں۔

۲۹ یعنی بزرگ بات کو سمجھنا نہیں چاہتے حقیقت کی جو برہمی نہیں رکھتے، ان کی نگاہیں تو بس ظہری الفاظ  
میں ٹپک کر رہ جاتی ہیں اور وہ ان چیزوں سے لے لئے نتائج نکال کر حق سے اُردو زیادہ دوسرے جاتے ہیں۔ برعکس اس کے جوڑ  
حقیقت کے طالب ہیں اور صحیح بصیرت رکھتے ہیں ان کا پس باتوں میں حکمت کے جوہر نظر آتے ہیں اور ان کا دل گواہی دیتا ہے  
کہ ایسی جیسا دنیا میں ناشدنی کی طرف سے ہو سکتی ہیں۔

۳۰ فاستحق و نافرمان، اطاعت کی حد سے نکل جانے والا۔

۳۱ بادشاہ اپنے ملازمین اور رعایا کے نام جو فرمان یا ہدایات جاری کرتا ہے ان کو عربی محاورے میں عہد  
سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی تعمیل رعایا پر واجب ہوتی ہے۔ یہاں عہد کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ کے  
عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے جس کی رو سے تمام ذریعہ انسانی صرفت اس کی بندگی، اطاعت اور پرستش کرنے  
پر مامور ہے۔ مضبوط باندھ لینے کے بعد سے اشارہ اس طرف ہے کہ آدم کی تخلیق کے وقت تمام ذریعہ انسانی اس  
فرمان کی پابندی کا اقرار لے لیا گیا تھا۔ سورۃ اعراف رکوع ۲۲ میں اس عہد کا قرار پر نسبت زیادہ تفصیل کے ساتھ روشنی  
ڈالی گئی ہے۔

۳۲ یعنی جن معاہدے کے قیام اور استحکام پر انسان کی اجتماعی و انفرادی صلاح کا انحصار ہے، اور جن میں درج  
رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان پر یہ لوگ تشریف لے رہے ہیں۔ اس مختصر جملہ میں اس تدریج و وسعت ہے کہ انسانی تمدن و

إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٠﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ  
جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوٍ  
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي

اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استواء کیے۔ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ پھر قرآن اس وقت کا تصور کر جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں

اخلاق کی ہدیہ دنیا پر دو آدمیوں کے تعلق سے لے کر مالکیہ میں لاقوامی تعلقات تک پہنچ رہی ہے، صرف ہی ایک جہل وادی ہو جاتا ہے۔ روایہ کا کٹنے سے مراد محض تعلقات انسانی کا انقطاع ہی نہیں ہے بلکہ تعلقات کی صحیح اور ناجوہر و زور کے سرا جو مرتبہ ہی اختیار کی جائیں گی ان سب سے ذیل میں آجائیں گی، کیونکہ ناجائز اور غلط روایہ کا انجام وہی ہے جو قطعاً سادہ کا ہے، یعنی بین الانسانی معاملات کی خرابی اور نظام اخلاق و تمدن کی بربادی۔

۵۰ ان تین جہلوں میں اسحق اور ناسخ کی مکمل تعریف بیان کر دی گئی ہے۔ خدا اور بندے کے تعلق اور انسان اور انسان کے تعلق کو کٹانے یا بچاؤنے کا لازمی نتیجہ فساد ہے، اور جو اس فساد کو ہر جا کتا ہے وہی ناسخ ہے۔

۵۱ سات آسمان کی حقیقت کیا ہے اس کا تعین مشکل ہے۔ انسان ہر زمانے میں آسمان، یا بالفاظ دیگر دوزخ کے متعلق اپنے مشاہدات یا قیاسات کے مطابق مختلف تصورات قائم کرتا رہا ہے جو برابر بدلتے رہے ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی تصور کو بنیاد قرار دے کر قرآن کے ان الفاظ کا مفہوم متین کرنا صحیح نہ ہوگا۔ میں جملہ آیتوں کو سمجھتا ہوں کہ یہاں سے مراد یہ ہے کہ زمین سے ماوراء جس قدر کائنات ہے اسے اٹھارے سات حکم بقول میں تقسیم کر رکھا ہے، یا یہ کہ زمین اس کائنات کا حصہ جس حصہ میں واقع ہے وہ سات بقول پر مشتمل ہے۔

۵۲ اس فقرہ میں وہاں حقیقت پر توجہ فرمایا گیا ہے۔ ایک کدو اس خاک کے مقابل میں کفر و فساد کا دویہ اختیار کرنے کی جرأت کیسے کرتے ہو جو تھوڑی سا حرکت سے باخبر ہے، جس سے تمہاری کوئی حرکت چھپی نہیں ہو سکتی۔ دیکھ کر یہ کہ جو خدا تمام خالق کا علم رکھتا ہے، جو حقیقت علم کا سرچشمہ ہے، اس سے موخر ہو کر کچھ اس کے کہ تم جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنا اور کمال تجرید کی گت ہے جب اس کے سوا علم کا اور کوئی منبع ہی نہیں ہے، جب اس کے سوا اور کہیں سے وہ مدد ہی نہیں مل سکتی جس میں تم اپنی زندگی کا لالچہ سات دیکھ کر، تو آؤ اس سے سو گروہائی کرنے میں کیا فائدہ تمہارے دیکھا ہے؟



جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن  
يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ

زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: کیا آپ میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور غوریزیاں کرتے گا؟ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح

۳۶ اور ہر کے رکوع میں بندگی و عبادت اس بنیاد پر دی گئی تھی کہ وہ تمہارا خالق ہے، پروردگار ہے، اسی کے قبضہ قدرت میں تمہاری زندگی و موت ہے، اور جس کائنات میں تم رہتے ہو اس کا مالک و تدبیرچی ہے، لہذا اس کی بندگی کے سوا تمہارے لیے اور کوئی دوسرا طریقہ صیح نہیں ہو سکتا۔ اب اس رکوع میں بھی دعوت اس بنیاد پر دی جا رہی ہے کہ اس دنیا میں تم کو نہانے اپنا خلیفہ بنایا ہے، خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تمہارا فرض صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اس کی بندگی کرو بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کی سبھی ہوائیات کے مطابق کام کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اپنے اذلی دشمن شیطان کے اشاروں پر چلے تو بدترین بغاوت کے مجرم ہو گے اور بدترین انجام دیکھو گے۔

اس سلسلے میں انسان کی حقیقت اور کائنات میں اس کی حیثیت ٹھیک ٹھیک نظر کر دی گئی ہے اور ذرا انسانی کی تاریخ کا وہ باب پیش کیا گیا ہے جس کے معلوم ہونے کا کوئی دوسرا ذریعہ انسان کو میسر نہیں ہے۔ اس باب سے جو اہم نتائج حاصل ہوتے ہیں ان نتائج سے بہت زیادہ قیمتی ہیں جو زمین کی تمہوں سے متفرق ہڈیاں نکال کر اور انہیں تپاس وغینہ سے رابطہ نہ کر آدمی افکار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۳۷ ملک کے اہل معنی عربی میں پڑا ہر ملک کے ہیں۔ اسی کا عقلی ترجمہ فرستادہ یا فرشتہ ہے۔ یہ معنی مجر و قوی نہیں ہیں جو شخص نہ رکھتی ہوں، بلکہ یہ شخصیت رکھنے والی سبیاں ہیں جن سے اللہ اپنی اس عظیم الشان سلطنت کی تدبیر و انتظام میں کام لیتا ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ سلطنت الہی کے اہل کار ہیں جو اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں۔ جاہل لوگ انہیں عقلی سے خدا فی میں حصہ دار سمجھ بیٹھے اور بعض نے انہیں خدا کا شریک سمجھا اور ان کو دیتا بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی۔

۳۸ غلطی: وہ جو کسی کی ملک میں اس کے قوانین کو وہ اختیارات اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے۔ غلطی: وہ کہ جس میں ایک اہل مالک کا نائب ہوتا ہے۔ اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ مالک کے احکام کو وہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے منشا کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اس کا کام مالک کے منشا کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو مالک سمجھ بیٹھے اور قوانین کو وہ اختیارات کو منہ مانے طریقے سے استعمال کرنے لگے۔ یا اہل مالک کے سوا کسی اور کو مالک تسلیم کر کے اس کے منشا کی پیروی اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے تو یہ سب غلطی اور بغاوت کے افعال ہیں گے۔

وَتَقْدِسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ  
 آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلِكَةِ فَقَالَ  
 أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا

اور آپ کے لیے تقدیس تو ہم کہہ رہے ہیں۔ فرمایا: میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر تم سارا خیال صحیح ہے کہ کسی غیبیہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائیگا تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ انہوں نے عرض کیا

۳۰ یہ فرشتوں کا احترام نہ تھا بلکہ استغناء تھا۔ فرشتوں کی کیا مجال کہ خدا کی کسی تجویز پر اعتراض کریں۔ مظلوم کے لفظ سے یہ تو سمجھ گئے تھے کہ اس زیر تجویز مخلوق کو زمین میں کچھ اختیارات سپرد کیے جانے والے ہیں، مگر یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ سلطنت کائنات کے اس نظام میں کسی با اختیار مخلوق کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے، اور اگر کسی کی طرف کچھ خدا سے بھی اختیارات منتقل کر دیے جائیں تو سلطنت کے جس جتھے میں بھی ایسا کیا جائے گا وہ ان کا انتظام خرابی سے کیسے بچ جائے گا۔ اسی بات کو وہ سمجھنا چاہتے تھے۔

۳۱ اس فقرے سے فرشتوں کا یہ مایہ نہ تھا کہ خلافت میں ہی جائے، ہم اس کے مستحق ہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ ضرور کے زمین کی قیام پر ہر ہی ہے، آپ کے احکام کا لالہ میں ہم ہر دلی طرح سرگرم ہیں، مگر فی جوار کے مطابق سارا جہان پاک صاف رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ آپ کی حمد و ثناء اور آپ کی تسبیح و تقدیس بھی ہم خدام ادب کر رہے ہیں، اب کسی کس چیز کی ہے کہ اس کے لیے ایک غیبی کی ضرورت ہو، ہم اس کی مصلحت نہیں سمجھ سکتے۔ (تسبیح کا لفظ قدوسین ہے اس کے معنی پاکی بیان کرنے کے بھی ہیں اور سرگرمی کے ساتھ کام اور انہماک کے ساتھ سعی کرنے کے بھی۔ اسی طرح تقدیس کے بھی دو معنی ہیں، ایک تقدیس کا اظہار و بیان، دوسرے پاک کرنا۔)

۳۲ یہ فرشتوں کے دوسرے شبہ کا جواب ہے۔ یعنی فرمایا کہ غیبیہ مقرر کرنے کی ضرورت مصلحت میں جانتا ہوں تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ اپنی جن خدمات کا تم ذکر رہے ہو وہ کافی نہیں ہیں، بلکہ ان سے بڑھ کر کچھ مطلوب ہے۔ اسی لیے زمین میں ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا گیا جس کی طرف کچھ اختیارات منتقل کیے جائیں۔

۳۳ انسان کے علم کی صورت دراصل یہی ہے کہ وہ ناموں کے ذریعے سے اشیاء کے علم کو اپنے ذہن کی گرفت میں لاتا ہے۔ لہذا انسان کی تمام معلومات وہ اشیاء پر مشتمل ہیں۔ آدم کو سارے نام سکھاتا گیا ان کو تمام اشیاء کا علم دینا تھا۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ  
 الْحَكِيمُ ﴿۲۱﴾ قَالَ يَا أَدَمُ ائْتِثُّهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَاهُمْ  
 بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۲۲﴾ وَإِذْ  
 قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا الْإِبْلِيسَ أَبَى

”نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو  
 دیا ہے حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔“ پھر اللہ نے آدم سے کہا:  
 ”تم انھیں ان چیزوں کے نام بتاؤ، جب اس نے ان کو اسے نام بتائیے تو اللہ نے فرمایا: میں نے  
 تم سے کہنا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ  
 تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اُسے بھی میں جانتا ہوں۔“

پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے بھجک جاؤ تو سب بھجک گئے، مگر ابلیس نے انکار کیا

۲۳۔ ایا معلوم ہوتا ہے کہ ہر فرشتے اور فرشتوں کی ہر صفت کا علم صرف اسی شے تک محدود ہے جس سے  
 اس کا تعلق ہے۔ مثلاً ہوا کے اقسام سے جو فرشتے تعلق ہیں وہ ہوا کے تعلق سب کچھ جانتے ہیں مگر پانی کے تعلق کچھ  
 نہیں جانتے یہی حال دوسرے شعبوں کے فرشتوں کا ہے۔ انسان کو ان کے برعکس جامع علم دیا گیا ہے۔ ایک ایک  
 شعبے کے تعلق چاہے وہ اس شعبے کے فرشتوں سے کم جانتا ہو مگر مجموعی حیثیت سے جو جامعیت انسان کے علم کو بخشی  
 گئی ہے وہ فرشتوں کو میسر نہیں ہے۔

۲۴۔ یہ ظاہر فرشتوں کے پیشہ بندہ کا جواب تھا گویا اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا کہ میں آدم کو  
 صرف اختیارات ہی نہیں دے رہا ہوں بلکہ علم بھی دے رہا ہوں۔ اس کے تقویٰ سے فساد کا جو اندیشہ تمہیں ہوا وہ اس  
 معاملے کا صرف ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو صلاح کا بھی ہے اللہ وہ فساد کے پہلو سے زیادہ دوزی اور زیادہ بیش قیمت ہے حکیم  
 کا یہ کام نہیں ہے کہ چھوٹی خرابی کی وجہ سے بڑی بہتری کو نظر انداز کر دے۔

۲۵۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین آدم سے تعلق رکھنے والے طبقہ کائنات میں جس قدر فرشتے امر ہیں،

وَأَسْتَغْفِرُكَ وَأَكْفُرُكَ ۖ وَفُلْنَا يَا أَدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ  
وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا

وہ اپنی بڑائی کے گمخند میں پڑ گیا اور ان فرماؤں میں شامل ہو گیا۔

پھر ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفرغت جھجھکاؤ،

ان سب کو انسان کے لیے طبع و مغز ہو جانے کا مکمل دیا گیا۔ چونکہ اس علاقے میں طبع کے حکم سے انسان فیض نہایت بابرہ تھا اس لیے فرمان جاری ہوا کہ صبح یا عشاء کا کام بھی انسان اپنے ان اختیارات کو جو ہم سے عطا کرے ہے اس استعمال کرنا چاہیے اور ہم اپنی مشیت کے تحت اسے ایسا کرنے کا موقع دے دیں تو تمہارا فرض ہے کہ تم میں سے جس جس کے دائرہ عمل سے وہ کام متعلق ہو وہ اپنے دائرے کی مدت تک اس کا ساتھ دے۔ وہ چوری کرنا چاہے یا نازا پڑھنے کا ارادہ کرے یا نیک کرنا چاہے یا بدی سکھانا چاہے یا دوسروں میں جھگڑا کرے یا دوستوں کی پسند کے مطابق عمل کرنے کا ارادہ دے یا نہ دے، تمہیں اس کے لیے سازگاری کرنی ہوگی مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھیے کہ ایک فرمانروا جو کبھی شخص کو اپنے محل کے کسی صوبے یا ضلع کا حاکم مقرر کرتا ہے تو اس علاقے میں حکومت کے جس قدر کارندے ہوتے ہیں ان سب کا فرض ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کریں، اور جب تک فرمانروا کا اہتمام ہے کہ اسے اپنے اختیارات کے استعمال کا موقع دے اس وقت تک اس کا ساتھ دیتے ہیں قطع نظر اس سے کہ وہ صبح کا کام ہیں یا ان اختیارات کو استعمال کر رہا ہے یا غلط کام میں مبتلا ہے جب تک کام کے بدلے میں بھی فرائض ادا کا اشارہ ہو جائے کہ اسے ذکر کرنے دیا جائے تو وہیں ان حاکم صاحب کا اقتدار ختم ہو جاتا ہے بلکہ انہیں ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ اس علاقے کے اہل کاروں نے گویا ہڑتال کر دی ہے۔ حتیٰ کہ جس وقت فرمانروا کی طرف سے ان حاکم صاحب کی معزولی اور گرفتاری کا حکم پہنچے تو وہی باحتمل منکلام ہو کر کل بسکٹن کے اشاروں پر حرکت کر رہے تھے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر انہیں کٹاں کٹاں اراغی کی طرف لے جاتے ہیں۔ فرشتوں کو آدم کے لیے سرسبز جنت کا جو حکم دیا گیا تھا اس کی رعیت کھائی تم کی حتیٰ ممکن ہے کہ صرف سبز ہو جائے ہی کو مسجد سے تعمیر کیا گیا ہو۔ مگر یہی ممکن ہے کہ اس امتداد کی علامت کے طور پر کسی ظاہری شکل کا بھی حکم دیا گیا ہو، اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

۱۱۱۔ اے ایس، عقلی ترجمہ انتہائی باریک۔ اصطلاحاً یہ اس جہن کا نام ہے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے

آدم اور بنی آدم کے لیے طبع و مغز ہونے سے اٹھار کر دیا اور اللہ سے قیامت تک کے لیے مملکت مانگی کہ اسے نسل انسانی کو نہ کالے اور گہرے بیروں کی طرف ترغیب دینے کا موقع دیا جائے۔ اسی کو دہشت گردانہ بھی کہا جاتا ہے۔ خودی شیطان اور ابلیس بھی جس کسی مجتہد قوت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ بھی انسان کی طرف ایک صاحب تشخص ہستی ہے۔ نیز کسی کو یہ غلط فہمی بھی نہ ہونی چاہیے کہ یہ فرشتوں میں سے تھا۔ آگے مل کر قرآن نے خود تصریح کر دی ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا جو

## هَذِهِ الشَّجَرَةُ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۰﴾ فَازْلَمْهُمَا الشَّيْطَانُ

گراس درخت کاٹنے نہ کرے اور نہ ظالموں میں شمار ہو گئے۔ آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس سخت

فرشتوں سے الگ مخلوقات کی ایک مستقل صنف میں۔

۵۰؎ ان الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ابلیس مہرے سے انکار کرنے میں ایک بار نہ تھکا بلکہ جہنم کی ایک جماعت نافرمانی پر آمادہ ہو گئی تھی اور ابلیس کا نام صرف اس لیے لیا گیا ہے کہ وہ ان کا سرور اور اس بناوٹ میں جبر پرست تھا۔ لیکن اس نیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا۔ اس صحت میں مطلب یہ ہوگا کہ جہنم کی ایک جماعت پہلے سے ایسی موجود تھی جو سرکش و نافرمان تھی، اور ابلیس کا تعلق اسی جماعت سے تھا۔ قرآن میں عمومِ شیطانیہ کا لفظ ابلیس نہیں لکھا ان کی ذہنیت (نسل) کے لیے استعمال ہوا ہے، اور جہاں شیاطین سے مراد انسان مراد نہیں کے لیے کوئی قرینہ نہ ہوتا ان ہی شیاطین میں محدود ہوتے ہیں۔

۵۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین، یعنی اپنی جگہ سے تقرر پر غیبت کی حیثیت سے، جیسے جانے سے سلطانِ دونوں کو امتحان کی طرف سے جنت میں رکھا گیا تھا تا کہ ان کے رجحانات کی آزمائش ہو جائے۔ اس آزمائش کے لیے ایک سخت کوچن بنایا گیا اور حکم دیا گیا کہ اس کے قریب نہ چکنا، اور اس کا احاطہ بھی نہ کیا گیا کہ اس کے گرد گئے تو ہماری نگاہ میں ظالم قرار پاؤ گے۔ یہ بحث غیر ضروری ہے کہ وہ درخت کو نہ تھا اور اس میں کیا خاص بات تھی کہ اس سے منع کیا گیا۔ منع کرنے کی نبرہ نہ تھی کہ اس درخت کی خاصیت میں کوئی خرابی تھی اور اس سے آدم و حوا کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ اصل غرض اس بات کی آزمائش تھی کہ شیطان کی ترغیبات کے مقابلے میں کس حد تک حکم کی پیروی قائم رہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے کسی ایک چیز کا منتخب کر لینا کافی تھا۔ اسی لیے اس نے درخت کے نام اور اس کی خاصیت کا ذکر کی ذکر نہیں فرمایا۔

اس امتحان کے لیے جنت ہی کا مقام سب سے زیادہ مومنوں کے لیے اہل اسے امتحان گاہ بنانے کا مشغور و حقیقت انسان کے ذہن نشین کرنا تھا کہ تمہارے لیے جنت میں مرتبہ انسانیت کے علاوہ جنت ہی لائق و مناسب مقام ہے لیکن شیطانی ترغیبات کے مقابلے میں اگر تم اللہ کی فرماں برداری کے واسطے سے مغرور ہو جاؤ گے تو جس طرح ابتداء میں اس سے محروم کیے گئے تھے اسی طرح آفریں بھی محروم ہی رہو گے۔ اپنے اس مقام لائق کی۔ اپنی اس فردہ میں گمراہی کی بازیافت تم اس اسی طرح کر سکتے ہو کہ اپنے اس وطن کا کامیابی سے مقابلہ کر دو جو تمہیں فرمانبرداری کے واسطے سے بھانے کی کوشش کرتا ہے۔

۵۲؎ ظالم کا لفظ نہایت معنی فیز ہے۔ ظلم وہ عمل حق تعالیٰ کو کہتے ہیں۔ ظالم وہ ہے جو کسی کو حق تلف کرے۔ جو شخص خدا کی نافرمانی کرتا ہے وہ حقیقت میں بڑے بنیادی حقوق تلف کرتا ہے۔ آؤ خدا کا حق، کیونکہ وہ اس کا حق ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ تاہم ان تمام چیزوں کے حقوق جن کو اس نے اس نافرمانی کے ارتکاب میں استعمال کیے اس کے اصل معانی اس کے قوا سے نفس، اس کے ہم معاشرت انسان، وہ فرشتے جو اس کے ارادے کی تعمیل کا انتظام کرتے ہیں، اور وہ دنیا،

عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ  
عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ٥  
فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ

کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس  
میں وہ تھے ہم نے حکم دیا کہ اب تم سب اس سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں  
ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے۔ اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند  
کلمات سیکھ کر توبہ کی، جس کو اس کے رب نے قبول کر لیا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم

جو اس کام میں متعال ہوتی ہیں، ان سب کا اس پر یہ حق تھا کہ وہ صرف ان کے مالک بھی کی مرضی کے مطابق ان پر اپنے  
اختیارات استعمال کرے۔ مگر جب اس کی مرضی کے خلاف اس نے ان پر امتیارات استعمال کیے تو وہ حقیقت ان پر حکم کیا تھا  
خود اپنا حق، کیونکہ اس پر اس کی ذات کا یہ حق ہے کہ وہ اسے تباہی سے بچائے مگر نافرمانی کر کے جب وہ اپنے آپ کو اللہ  
کی مرضا کا مستحق بناتا ہے تو دراصل اپنی ذات پر حکم کرتا ہے انہیں وجہ سے قرآن میں بلکہ جگہ گناہ کے لیے ظلم اللہ کا گناہ کے  
یہ ظالم کی مصلحت استعمال کی گئی ہے۔

**صفحہ** یعنی انسان کا دشمن شیطان، اور شیطان کا دشمن انسان شیطان کا دشمن انسان ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ اسے  
اللہ کی فرماں برداری کے واسطے سے جہانے اور تباہی میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ رہا انسان کا دشمن شیطان ہونا  
قرنی الواقع انسانیت قراس سے دشمنی ہی کی مقتضی ہے مگر خواہشات نفس کے لیے جو ترغیبات وہ پیش کرتا ہے ان کے  
دھوکا کھا کر آدمی اسے اپنا دوست بنالیتا ہے۔ اس طرح کی دوستی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حقیقتہً دشمنی دوستی میں تبدیل  
ہو گئی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک دشمن دوسرے دشمن سے شکست کھا گیا اور اس کے جال میں پھنس گیا۔

**صفحہ** یعنی آدم کو جب اپنے قصور کا احساس ہوا اور انسانوں نے نافرمانی سے پھر فرماں برداری کی طرف رجوع  
کرنے کا چاہا، اور ان کے دل میں یہ غراہش پیدا ہوئی کہ اپنے رب سے اپنی خطا معاف کرانیں، تو انہیں وہ الفاظ ملتے تھے  
جن کے ساتھ وہ خلا بخشی کے لیے دعا کر سکتے۔ اللہ نے ان کے حال پر رحم فرما کر وہ الفاظ بتا دیے۔

توبہ کے اصل معنی رجوع کرنے اور پٹھنے کے ہیں۔ بندہ کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ سرکشی سے باز آگیا  
طریق بندگی کی طرف پلٹ آیا۔ اور خدا کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے سرسار غلام کی طرف رحمت کے ساتھ  
متوجہ ہو گیا، پھر سے نظیر عنایت اس کی طرف مائل ہو گئی۔

الزَّحِيمِ ﴿۱۶﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ تَّبَعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷﴾

فرمانے والا ہے۔

ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا،

۵۲۔ قرآن اس غریبی کی تردید کرتا ہے کہ لوگ کے نتائج لازمی ہیں اور وہ بہر حال انسان کو ٹھیکے ہی ہوں گے۔ یا انسان اپنے خود ساختہ گمراہ کن نظریات میں سے ایک جزا گمراہ کن نظریہ ہے، کیونکہ جو شخص ایک مرتد گمراہانہ زندگی میں مبتلا ہو گیا، اس کو یہ نظریہ ہمیشہ کے لیے بائس کر دیتا ہے اور اگر اپنی غلطی پر پشیمان ہونے کے بعد وہ سابق کی تلافی دے گا، تو نہ اس کے لیے اصلاح کرنا چاہتا ہو، یہ اس سے کہتا ہے کہ تیرے بچنے کی اب کوئی امید نہیں، جو کچھ ذکر چاہے پاس کے نتائج بہر حال تیری جان کے لگ رہے ہیں۔ قرآن اس کے برعکس یہ بتاتا ہے کہ بھلائی کی جزا اور بُرائی کی سزا دینا باطل اللہ کے اختیار میں ہے۔ تمہیں جس بھلائی پر انعام دیتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا طبیعی نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اللہ کا فضل ہے، چاہے عبادت فرماتے چاہے نہ فرماتے۔ اسی طرح جس بُرائی پر عیس مسزاطی ہے وہ بھی بُرائی کا طبیعی نتیجہ نہیں ہے کہ لازماً مرتب ہو کر ہی رہے، بلکہ اللہ پر لا اختیار رکھتا ہے کہ چاہے عبادت کرے یا نہ کرے، البتہ اللہ کا فضل ادا اس کی رحمت، اس کی مصلحت کے ساتھ ہر مرتبہ ہے۔

وہ جو لوگ حکیم بننے کے لیے اپنے اختیارات کو نہ محدود نہ استعمال نہیں کرتا جب کسی بھلائی پر انعام دیتا ہے تو یہ دیکھ کر ایسا کہتا ہے کہ ہندے سے کچھ نیت کے ساتھ اس کی رضا کے لیے بھلائی کی قسمی، اور جس بھلائی کو روک دیتا ہے اسے اس بنا پر روک دیتا ہے کہ اس کی ظاہری شکل بھلے کام کی سی تھی مگر اندر اپنے رب کی رضا جوئی کا خالص جذبہ نہ تھا۔ اسی طرح وہ مسز اس تصور پر دیتا ہے جو باخیزانہ جہاد کے ساتھ کیا جائے اور جس کے پیچھے ہزاروں کے بجائے مریضوں کا کھاپ جہم کی خواہش موجود ہو، اور اپنی رحمت سے صفائی اس تصور پر دیتا ہے جس کے بعد ہندے اپنے کچے پر شرمندہ اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائے۔ بڑے سے مجرم، کتنے سے کٹے کا فر کے لیے بھی خدا کے دامن باری دنا آمیدی کا کوئی موقع نہیں بشرطیکہ وہ اپنی غلطی کا مستحق، اپنی نافرمانی پر نادم، اور عبادت کی روش چھوڑ کر طاعت کی روش اختیار کرنے کے لیے تیار ہو۔

۵۳۔ اس فقرہ کا دوبارہ ارادہ معنی غیر ہے۔ اوپر کے فقرے میں یہ بتایا گیا ہے کہ آدم نے توبہ کی اور اللہ نے قبول کر لی۔ اس کے معنی یہ ہے کہ آدم اپنی نافرمانی پر عذاب کے مستحق نہ رہے۔ گناہ گاری کا جو داغ ان کے دامن پر لگ گیا تھا وہ دھو ڈالا گیا۔ نہ یہ داغ ان کے دامن پر رہا نہ ان کی نسل کے دامن پر، لہذا اس کی ضرورت پیش آئی کہ معاف و اظہار خدا کو اپنا اکلوتا بیٹے کو ذبح انسانی کا کٹھنہ ادا کرنے کے لیے موتی پر چڑھا کر اپنا دتا۔ ہر مکمل انسان کے اللہ نے آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبول کرنے پر کٹھنہ فرمایا، بلکہ اس کے بعد انہیں نبوت سے بھی سرفراز کیا تاکہ وہ اپنی نسل کو سیدھا راستہ بتا کر

# وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥٠﴾

ع

اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

جائیں۔ اب جو جنت سے نکلنے کا حکم پھر دہرایا گیا تو اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قبولِ توبہ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ آدم کو جنت ہی میں رہنے دیا جاتا اور زمین پر نہ اتارا جاتا۔ زمین ان کے لیے دارالغائب تھی، وہ یہاں سزا کے طور پر نہیں آئے تھے بلکہ انہیں زمین کی خلافِ ہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا جنت ان کی مہل جائے قیام نہ تھی۔ وہاں سے نکلنے کا حکم ان کے لیے سزا کی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اصل تجویزِ قرآن کو زمین ہی پر اتارنے کی تھی۔ البتہ اس سے پہلے ان کو اس امتحان کی غرض سے جنت میں لکھا گیا تھا جس کا ذکر اوپر عاشرہ نمبر ۴۴ میں کیا جا چکا ہے۔

۵۰ آیات جمع ہے آیت کی، آیت کے اہل معنی اس شانِ نبی یا علامت کے ہیں جو کسی چیز کی طرف رہنمائی کرے۔ قرآن میں یہ لفظ چار مختلف محمولوں میں آیا ہے۔ کہیں اس سے مراد معنی علامت یا نشانی ہی ہے کہیں آثار و کائنات کو ان کی آیات کہا گیا ہے کیونکہ ظاہر و باطن میں سے ہر چیز اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو اس ظاہر پر ہے کے پیچھے مستور ہے۔ کہیں اُن معجزات کو آیات کہا گیا ہے جو انبیاءِ طہیمہ السلام نے کرتے تھے۔ کیونکہ یہ معجزے دراصل اس بات کی نشانی ہوتے تھے کہ یہ لوگ فرماںِ رسول کے کائنات کے نمائندے ہیں۔ کہیں کتابِ اللہ کے حروف کو آیات کہا گیا ہے، کیونکہ وہ نہ صرف حق اور صداقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں بلکہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے جو کتاب بھی آتی ہے اس کے معنی میں ہی میں نہیں، اس کے الفاظ اور انداز بیان اور طرزِ عبارت تک میں اس کے صلیقہ و محقق کی شخصیت کے آثار نمایاں طور پر عکس ہوتے ہیں۔ ہر جگہ جہارت کے سیاق و سباق سے آسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں آیت کا لفظ کس معنی میں آیا ہے۔

۵۱ پہل انسان کی حق میں یا بدلے، آفرینش سے قیامت تک کے لیے اللہ کا مستقل فرمان ہے اور اسی کو میرے رکوع میں اللہ کے صمد کے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان کا کام خود راستہ تجویز کرنا نہیں ہے بلکہ بندہ اور خلیفہ ہونے کی دو گونہ حیثیتوں کے لحاظ سے وہ اس پہا صمد کے پاس راستے کی پیروی کرے گا جو اس کا رب اس کے لیے تجویز کرے اور اس راستے کے معلوم ہونے کی وہی صمد میں ہیں: یا تو کسی انسان کے پاس براہِ راست اللہ کی طرف سے وحی آئے، یا پھر وہ اس انسان کا اتباع کرے جس کے پاس وحی آئی ہو۔ کوئی تیسری صورت یہ معلوم ہونے کی نہیں ہے کہ رب کی رضا کس راہ میں ہے۔ ان دو صورتوں کے سوا ہر صورت غلط ہے، بلکہ غلطی نہیں اسلئے صرافات بھی ہے جس کی سزا جہنم کے سوا اور کچھ نہیں۔



## يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْل اذْكُرُوْا نِعْمَتِی الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ

اے بنی اسرائیل! ذرا خیال کرو میری اس نعمت کا جو میں نے تم کو عطا کی تھی۔

قرآن مجید میں دم کی پیدائش اور نوح انسانی کی ابتدا کا یہ قصہ سات مقامات پر آیا ہے جن میں سے پہلا مقام پہلا اور باقی مقامات حسب ذیل ہیں: الاعراف، رکوع ۲۔ الحجر، رکوع ۳۔ بنی اسرائیل، رکوع ۷۔ الکہف، رکوع ۷۔ طہ، رکوع ۷۔ حق، رکوع ۵۔ یاہیل کی کتاب پیدائش، باب اول، دوم و سوم میں بھی یہ قصہ بیان ہوا ہے لیکن دونوں متعادل کرنے سے ہر صاحب نظر انسان محسوس کر سکتا ہے کہ دونوں کتابوں میں کیا فرق ہے۔

۵۶ اسرائیل کے معنی ہیں بعد اللہ یا بندہ خدا۔ یہ حضرت یعقوب کا لقب تھا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ وہ حضرت اسحاق کے بیٹے اور حضرت ابراہیم کے پوتے تھے۔ انیس کی نسل کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ پچھلے چار رکوعوں میں تیسری تقریر بتی جس کا خطاب تمام انسانوں کی طرف عام تھا۔ اب یہاں سے چودھویں رکوع تک مسلسل ایک تقریر اس قوم کو خطاب کرتے ہوئے ملتی ہے جس میں کہیں کہیں میسرانوں اور مشرکین عرب کی طرف بھی کلام کا لٹا ہوا ہے اور مرقع مرقع سے ان لوگوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لائے تھے مگر تفریق پڑتے جڑے حسب ذیل باتوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے :-

اولاً، اس کا منشا یہ ہے کہ پچھلے پیغمبروں کی امت میں جو تھوڑے بہت لوگ ابھی ایسے باقی ہیں جن میں خیر و صلاح کا عنصر موجود ہے انہیں اس ہدایت پر ایمان لانے اور اس کام میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے جس کو لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے۔ اس لیے ان کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ قرآن اور نبی وہی پیغام اور وہی کام لے کر آیا ہے جو اس سے پہلے تمہارے انبیا اور تمہارے پاس آنے والے بھیضے لائے تھے۔ پہلے یہ چیز تم کو دی گئی تھی تاکہ تم آپ بھی اس پر چلو اور دنیا کو بھی اس کی طرف بلانے اور اس پر چلانے کی کوشش کرو۔ مگر تم دنیا کی رہنمائی تو کیا کرتے، خود بھی اس ہدایت پر قائم نہ کیے اور بگڑتے چلے گئے۔ تمہاری تاریخ اور تمہاری قوم کی موجودہ اخلاقی و دینی حالت خود تمہارے بگاڑ پر گواہ ہے۔ اب اللہ نے وہی چیز لے کر اپنے ایک بندے کو بھیجا ہے اور وہی خدمت اس کے سپرد کی ہے جو کئی بیگانہ اور اجنبی چیزیں ہے تمہاری ہی چیز ہے۔ لہذا جانتے ہو جتنے حق کی مخالفت نہ کرو ورنہ اسے قبول کر لو۔ جو کام تمہارے کرنے کا تھا، مگر تم نے نہ کیا، اسے کرنے کے لیے جو دوسرے لوگ اُٹھے ہیں ان کا ساتھ دو۔

ثانیاً، اس کا منشا عام یہودیوں پر ہجرت تمام کرنا اور صاف صاف ان کی دینی و اخلاقی حالت کو کھل کر دکھانا ہے۔ ان پر ثابت کیا جا رہا ہے کہ یہودی دین چلو تمہارے بنایا لے گئے تھے۔ اصولی دین میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے مگر میں قرآن کی تعلیم لکت کی تعلیم سے مختلف ہوں۔ ان پر ثابت کیا جا رہا ہے کہ جو ہدایت تمہیں دی گئی تھی اس کی پیروی کرنے میں ان جو رہنمائی کا منصب تمہیں لایا گیا تھا اس کا حق ادا کرنے میں تم ہی طرح ناکام ہوئے ہو۔ اس کے ثمرت میں ایسے

## وَأَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۷۱﴾

میرے ساتھ تمہارا جو عہد تمہارے تم پر راکھنا تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تمہارے میں پل راکھوں اور مجھ ہی سے تم ڈرو۔

واقعات سے ہستہنما دیکھا گیا ہے جن کی تردید نہ کہہ سکتے تھے۔ پھر جس طرح حق کو حق جاننے کے باوجود وہ اس کی مخالفت میں سازشوں، دوسروں، غارتوں، بیخوں اور عسکریوں سے کام لے رہے تھے، اور جن ترکیبوں نے وہ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن کامیاب نہ ہونے پائے، ان سب کی پردہ دہی کی جارہی ہے جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی کہ ان کی ظاہری مذہبیت محض ایک ڈھنگ ہے جس کے نیچے دیانت اور حق پرستی کے بجائے ہٹ دھرمی، جاہلانہ نفیست اور نفس پرستی کام کر رہی ہے اور حقیقت میں یہ یہ چاہتے ہی نہیں ہیں کہ نیکی کا کوئی کام پل پھول سکے، اس طرح اتنا جم جت کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود اس قوم میں جو صلح خضر تھا اس کی آنکھیں کھل گئیں، دوسری طرف مدینے کے عوام پر اور بالعموم مشرکین عرب پر ان لوگوں کا جو مذہبی و اخلاقی اثر تھا وہ ختم ہو گیا، اور تیسری طرف خود اپنے آپ کو بے نقاب دیکھ کر ان کی ہتھیں اپنی پست ہو گئیں کہ وہ اس جہالت کے ساتھ کبھی عقائد میں کھڑے نہ ہو سکے جس کے ساتھ ایک شخص کھڑا ہوتا ہے، جسے اپنے حق پر ہونے کا یقین ہو۔

ثالثاً، پچھلے چار رکوعوں میں ذبح انسانی کو مذہب عام دیتے ہوئے جو کہہ لیا گیا تھا اسی کے سلسلے میں ایک قوم کی متعین مثال لے کر بتایا جا رہا ہے کہ جو قوم خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت سے مومنہ موثقی ہے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس توضیح کے لیے تمام قریبوں میں سے بنی اسرائیل کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں صرف یہی ایک قوم ہے، جو سبیل چار ہزار برس سے تمام اقوام عالم کے سامنے ایک زندہ نمونہ عبرت بنی ہوئی ہے۔ ہدایت الہی پر چلنے اور نہ چلنے سے جتنے نشیب و فراز کسی قوم کی زندگی میں رونما ہو سکتے ہیں وہ سب اس قوم کی عبرت ناک سرگزشت میں نظر آ جاتے ہیں۔

رابعاً، اس سے پہلے وہان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سبق دینا مقصود ہے کہ وہ اس انحطاط کے گڑھے میں گرنے سے بچیں جس میں پچھلے انبیاء کے پیروں نے گھر دیوں کی اخلاقی کمزوریوں، مذہبی غلط فہمیوں اور اعتقادی و عملی گمراہیوں میں سے ایک ایک کی نشان دہی کر کے اس کے بالمقابل دین حق کے معقنات بیان کیے گئے ہیں تاکہ مسلمان اپنا راستہ صاف دیکھ سکیں اور غلط راہوں سے بچ کر چلیں۔ اس سلسلے میں یہود و نصاریٰ پر تنقید کرتے ہوئے قرآن جو کہہ چکا، اس کو پڑھتے وقت مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد رکھنی چاہیے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ تم بھی آخر کار پھل پھول کی روش پر چل کر رہو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گروہ کے لیے ہو گئے ہیں تو تم بھی اسی میں گھس گئے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور کہا، نبی اکرام کا یہ ارشاد محض ایک توضیح نہ تھا، بلکہ اللہ کی دی ہوئی بعیرت سے آپ یہ جانتے تھے کہ انبیاء کی امتوں میں بگاڑ کن کن راستوں سے آیا اور کن کن شکلوں میں نمود کرتا رہا ہے۔

وَأَمِنُوا بِمَا أُنزِلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ  
بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿٦١﴾ وَ  
لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْفُمُوا الْحَقَّ ۚ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

اور میں نے جو کتاب بھی ہے اس پر ایمان لاؤ۔ یہ اس کتاب کی تائید میں ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی، لہذا سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ تمہاری قیمت پر میری آیات کو نہ بیع ڈالو اور میرے غضب سے بچو۔ باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور نہ جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی کوشش کرو۔

۶۱۔ تمہاری قیمت سے مراد وہ دنیوی فائدے ہیں جن کی خاطر یہ لوگ اللہ کے احکام اور اس کی ہدایات کو رد کر لے رہے تھے۔ حق فروشی کے معاملے میں خواہ انسان دنیا بھر کی دولت لے لے، بہر حال وہ تمہاری قیمت ہی ہے، کیونکہ حق یقیناً اس سے گراں تر چیز ہے۔

۶۲۔ اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اہل عرب بالعموم ناخواندہ لوگ تھے اور ان کے مطالعے میں یسودوں کے اندر لیے بھی تعلیم کا چرچا زیادہ تھا، اور انفرادی طور پر ان میں ایسے ایسے ملیل القدر عالم پائے جاتے تھے جن کی شہرت عرب کے باہر تک پہنچی ہوئی تھی۔ ان سے عربوں پر یسودوں کا ملی رعب بہت زیادہ تھا۔ پھر ان کے علماء اور مشائخ نے اپنے مذہبی دباؤوں کی ظاہری شان جاکر اور اپنی بھڑا پھونک دوتعویذ گندلوں کا کاروبار چلا کر اس رعب کو اور بھی زیادہ گہرا اور وسیع کر دیا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ اہل مدینہ ان سے بے عدم رعب تھے، کیونکہ ان کے آس پاس بڑے بڑے یسودی قبائل آباد تھے، رات دن کان سے میل جول تھا، اور اس میل جول میں وہ ان سے اُسی طرح شدت کے ساتھ متاثر تھے جس طرح ایک اُن پڑھ آباوی زیادہ تعلیم یافتہ، زیادہ متمدد اور زیادہ نمایاں مذہبی شخص رکھنے والے ہمارے ملک متاثر ہو کر کرتی ہے۔ ان حالات میں جب بنی مصلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے پیش کیا اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینی شروع کی، تو قدرتی بات تھی کہ ان پڑھ عرب اہل کتاب یسودوں سے جا کر پوچھتے کہ آپ کی کیا بات ایک نبی کے پیرو ہیں اور ایک کتاب کو مانستے ہیں، آپ ہمیں بتائیں کہ یہ صاحب جو ہمارے سائبر نبوت کا دعویٰ ہے کہ اُنھیں ہیں اُن کے متعلق اعلان کی تعلیم کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ چنانچہ یہ سوال کئے کے لوگوں نے بنی یسودوں سے بار بار کیا اور جب بنی مصلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لائے تو یہاں بھی بکثرت لوگ یسودی علماء کے پاس جا کر یہی بات پوچھتے تھے۔ مگر ان علماء نے کسی لوگوں کو صحیح بات نہ بتائی۔ ان کے لیے یہ کہنا تو مشکل تھا کہ وہ یسود جو مصلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں غلط ہے، یا انبیاء اور کتب آسمانی اور ملائکہ اور فرشتہ کے بارے میں جو کہہ آپ کہہ رہے ہیں اس میں کوئی غلطی ہے یا وہ اخلاق

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۲۳﴾  
 اتَّامِرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ  
 الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔ تم دوسروں کو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل سے بالکل بی کام نہیں لیتے، صبر و نماز سے مدد لو،

امثالِ جن کی آپ تعلیم لے رہے ہیں ان میں سے کوئی چیز غلط ہے، لیکن وہ صاف صاف اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے کہ جو کچھ آپ پیش کر رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ وہ نہ چاہی کہ کمل کمل تردید کر سکتے تھے نہ یہ صریح طور پر اس کو سچائی مان لینے پر آمادہ تھے۔ ان دونوں راستوں کے درمیان انھوں نے طریقہ اختیار کیا تھا کہ ہر سائل کے دل میں یہی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپ کی جماعت کے خلاف اور آپ کے دشمن کے خلاف کوئی نہ کوئی دوسرا اثر دیتے تھے کوئی الزام آپ پر چسپاں کر دیتے تھے، کوئی ایسا اثر چھڑ دیتے تھے جس سے لوگ غلوک و شہادت میں پڑ جائیں اور طرح طرح کے الجھن میں ڈالنے والے مہمات چھڑ دیتے تھے تاکہ لوگ ان میں خود بھی الجھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروں کو بھی الجھالنے کی کوشش کریں۔ ان کا یہی رویہ تھا جس کی بنا پر ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ حق پر اہل کے پہرے نہ لڑاؤ، اپنے جھوٹے پروپیگنڈے اور شر پرانہ شہادت و اعتراضات سے حق کو دبائے اور چھپانے کی کوشش نہ کرو اور حق و باطل کو غلط طور کے ذیبا کو دھمکا نہ دو۔

۵۹ نماز اور زکوٰۃ پڑھنے میں دین اسلام کے اہم ترین ارکان رہے ہیں۔ تمام انبیاء کی طرح انبیاء بھی اسرائیل نے بھی اس کی سخت تاکید کی تھی۔ مگر یہودی ان سے غافل ہو چکے تھے۔ نماز باجماعت کا نظام ان کے ان تقریبات یا کل دھرم پریم ہو چکا تھا۔ قوم کی اکثریت انفرادی نماز کی بھی تادیکہ ہو چکی تھی، اور زکوٰۃ دینے کے بجائے یہ لوگ سود کھانے لگے تھے۔  
 ۶۰ یعنی اگر تمہیں نیکی کے راستے پر پلنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے تو اس دشواری کا علاج صبر و نماز ہے۔ ان دو چیزوں سے تمہیں وہ طاقت ملے گی جس سے یہ راہ آسان ہو جائے گی۔

مذہب کے نفوذی معنی دہ گئے اور بائبل کے ہیں اور اس سے مولد اور اس کے وہ مضبوطی محترم کی وہ پکلی اور غرضائیں  
 کا وہ انضباط ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلبِ خیر کے پسند کیے ہوئے راستے پر لگا تار بڑھتا چلا جائے۔ اور شواہدِ اشیاء کا معایہ ہے کہ اس اخلاقی جنت کو اپنے اندر پرورش کرو اور اس کو باہر سے



اِذْ جَعَلْنٰكُمْ مِنْ اِلٰ فِرْعَوْنَ يَسُومُوْنَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَذْبَحُوْنَ  
اَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ  
عَظِيْمٌ ۝۱۰ وَاِذْ فَرَقْنَا بَيْنَكُمْ الْبَحْرَ فَاَجْعَلْنٰكُمْ وَاغْرَقْنَا اِلٰ  
فِرْعَوْنَ ۝۱۱ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۱۲ وَاِذْ وَاْعَدْنَا مُوسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً  
ثُمَّ اخَذْنَا الْجَلَ مِنْ بَعْدِهَا ۝۱۳ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۴ ثُمَّ عَفَوْنَا

یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تم کو فرعون کی غلامی سے نہات بخشی۔ انہوں نے تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا، تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس حالت میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

یاد کرو وہ وقت جب ہم نے سمندر بھاڑ کر تمہارے لیے راستہ بنایا، پھر اس میں سے تمہیں بھیرت گنوا دیا، پھر وہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے فرعون کو غرقاب کیا۔

یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو چالیس شبانہ معذ کی قرار دے رکھا تھا، اس کے پیچھے تم بھڑکے کو اپنا معبود بنا بیٹھے۔ اُس وقت تم نے بڑی زیادتی کی تھی، مگر اس پر بھی ہم نے تمہیں معاف کر دیا، ان غلامیوں کو دور کیا گیا ہے۔

۱۳ یہاں سے بعد کے کئی مذکورہ عمل مسلسل زمانہ واقعات کی طرف اشارے کیے گئے ہیں، جب بنی اسرائیل کو تلخ کے مشورہ دینا واقعات ہیں جنہیں اس قوم کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ اسی لیے تفصیل بیان کرنے کے بجائے ایک ایک قسم کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے۔ اس تاریخی بیان میں مدال دیکھنا مستحسن ہے کہ ایک طرف یہ ایسے احسانات ہیں جو خدا نے تم پر کیے اور دوسری طرف یاد رکھو کہ یہی حیران احسانات کے جواب میں تم کرتے رہے۔

۱۴ اہل فرعون کا ترجمہ ہم نے اس فقرے سے کیا ہے۔ اس میں خاندانِ فرعون اور حکمران طبقہ دونوں شامل ہیں۔

۱۵ آواز بنی اسرائیل کی کہ اس بقی سے تم خاص ہونا کہ نکلتے ہو یا زری کوٹ بن کر رہ جاتے ہو اور ان آواز میں ہر کی کہانی بڑی مصیبت سے اس مجرور طریقہ پر نہات پالنے کے بعد بھی تم ان کے فکر گزار بندے بن جتے ہو یا نہیں۔

۱۶ مصر سے نہات پالنے کے بعد جب بنی اسرائیل جو یہاں سے بنیائیں پہنچ گئے تو حضرت موسیٰ کو انہوں نے

عَمَّكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۷۶﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى  
الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۷۷﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ  
يَقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا  
إِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ  
بَارِيكُمْ فَمَتَّابٌ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۷۸﴾

کر دیا کہ شاید اب تم فکر گزار رہو۔

یاد کرو کہ (نیک اس وقت جب تم یہ ظلم کر رہے تھے) ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان عطا کی  
تاکہ تم اس کے ذریعے سے سیدھا راستہ پاس کرو۔

یاد کرو جب موسیٰ (یہ نعمت لیے ہوئے ہلنا تو اس) نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو! تم نے بھڑے  
کو معبود بنا کر اپنے اوپر سخت ظلم کیا ہے، لہذا تم لوگ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو  
ہلاک نہ کرو اسی میں تمہارے خالق کے نزدیک تمہاری بہتری ہے، اُس وقت تمہارے خالق نے تمہاری  
توبہ قبول کر لی کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

چالیس شب روز کے لیے کو طوطا طلب فرمایا تاکہ وہ اس قوم کے لیے جواب آنا دے جو کبھی تھی قوانین شریعت اور عملی  
زندگی کی ہدایات عطا کی جائیں۔ (ملاحظہ ہو بائبل، کتاب خروج، باب ۲۴ تا ۳۱)

۷۸؎ کانٹے اور لکڑی کی پرستش کا مرنے والی اسرائیل کی جسیہ اقوام میں ہر طرف پھیلا ہوا تھا، مصر اور کھان پیناس کا  
عام رواج تھا۔ حضرت یوسفؑ کے بعد بنی اسرائیل جب یہ خطاط میں مبتلا ہوئے اور رفتہ رفتہ قبیلوں کے غلام بن گئے تو انہیں  
من جلالہ اور امن کے ایک مرنے والی اپنے مکرانوں سے لے لیا تھا۔ (بھڑے کی پرستش کا یہ واقعہ بائبل کتاب خروج باب ۳۱  
میں تفصیل کے ساتھ ص ۷۶ ہے)

۷۹؎ فرقان : وہ چیز جس کے ذریعہ سے حق اور باطل کا فرق نمایاں ہو۔ اور وہیں اس کے مفہوم سے قریب تر  
لفظ نکوئی ہے۔ یہاں فرقان سے مراد وہین کا وہ علم اور فہم ہے جس سے آدمی حق اور باطل میں حقیر کرتا ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ تُوَفِّيَنَّاكَ حَتّٰى نَرٰى اللّٰهَ جَهَنَّمَ ۖ فَلَخَذْنَاكَ  
الصَّعِيقَةَ ۖ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۸۰ ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكَ لَعَلَّكَ  
تَشْكُرُونَ ۝۸۱ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْمَنَّ  
وَالسَّلٰوٰى كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا

یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے جب تک کہ  
اپنی آنکھوں سے علانیہ خدا کو (تم سے کلام کرتے) نہ دیکھ لیں۔ اس وقت تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک  
زبردست صاعقے نے تم کو تباہ کر دیا۔ تم بے جان ہو کر گر چکے تھے، مگر پھر ہم نے تم کو جلا اٹھایا، شاید کہ  
اس احسان کے بعد تم شکر گزار بن جاؤ۔

ہم نے تم پر بار کا سایہ کیا، من و سلویٰ کی غذا تمہارے لیے فراہم کی اور تم سے کہا کہ چپاک  
چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں کھاؤ، مگر تمہارے اسلاف نے جو کچھ کیا وہ ہم پر ظلم نہ تھا،

یعنی اپنے ان آدمیوں کو قتل کر دینے والے کو معذرت دینا یا اور اس کی ہتھکڑی۔

۱۷۷ یہ اشارہ جس قدر کہ طرف سے اس کی تفصیل ہے کہ چالیس شبانہ روز کی قرار داد پر جب حضرت موسیٰ  
طور پر تشریف لے گئے تھے تو آپ کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے تشریفانندے بھی لے کر آئیں۔ پھر جب اللہ  
تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور فرقان عطا کیا تو اپنے اسے ان ناساندوں کے سامنے پیش کیا۔ اس موقع پر قرآن کریم  
کہ ان میں سے بعض شریعتیں گئے کہ ہم بعض تمہارے بیان پر کیسے مان لیں کہ خلافت سے ہم کلام کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا  
غضب نازل ہوا اور انہیں سزا دی گئی۔ لیکن یا نبیل کتنی ہے کہ

”انہوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا۔ اس کے پاؤں کے نیچے نیلم کے پتھر کا چوبڑا سا تھا جو آسمان کی بلندی  
شعاع تھا۔ اور اس نے بنی اسرائیل کے شراف پر اپنا ہاتھ نہ بڑھایا۔ سرانہوں نے خدا کو دیکھا اور کہا یا اور

پایہ (خروج)۔ باب ۲۴۔ آیت ۱۰۔ ۱۱)

تلف یہ ہے کہ اس کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے خدا سے عرض کیا کہ مجھے اپنا جلال دکھاؤ،

تو اس نے فرمایا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ (دیکھو خروج)۔ باب ۲۴۔ آیت ۱۸۔ ۲۴)



وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۷۸﴾ وَاذْكُنَّا أَذْخُلُوا هَذِهِ  
الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا  
وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۷۹﴾

بلکہ انہوں نے آپ اپنے ہی اوپر ظلم کیا۔

پھر یاد کرو جب ہم نے کہا تھا کہ یہ بستی جو تمہارے سامنے ہے اس میں داخل ہو جاؤ، اس کی پیداوار جس طرح چاہو مزے سے کھاؤ، مگر بستی کے دروازے میں سجدہ ریز ہوتے داخل ہونا اور کہتے جانا حِطَّةٌ حِطَّةٌ تمہیں تمہاری خطاؤں سے درگزر کریں گے اور نیکو کاروں کو مزید فضل و کرم سے نوازیں گے۔

۷۸ یعنی جزیرہ غلہ سینا میں جہاں وہ صوبے سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں میسر نہ تھی، ہم نے اسے تنہا بھاڑ کا انتظام کیا۔ اس موقع پر خیال رہے کہ بنی اسرائیل لاکھوں کی تعداد میں مصر سے نکل کر آئے تھے اور سینا کے علاقے میں مکانات کا ڈکھانا کر رہے تھے لیکن ان کے پاس خیمے نہیں تھے۔ اس زمانے میں اگر خدا کی طرف سے ایک نکتہ نکالیں کہ اگر وہ لوگ کھانا پکھانے کی قوم نہ ہوتے تو وہ کھانا کھا کر ہلاک ہو جاتی۔

۷۹ یعنی اور صوبے وہ قدرتی غذائیں تھیں جو اس ماحولیت کے ذریعے میں ان لوگوں کو چالیس برس تک مسلسل ملتی رہیں تھیں دھننے کے بیج جیسی ایک چیز تھی جو اس کی طرح گرتی اور زمین پر جم جاتی تھی۔ اور صوبے شیر کی قسم کے پرندے تھے۔ غلہ کے فصل سے ان کی اتنی کثرت تھی کہ ایک ہمدی کی ہمدی قوم صحت مندی غذاؤں پر زندگی بسر کرتی رہی اور اسے فاقہ کشی کی مصیبت نہ اٹھانی پڑی، حالانکہ آج کسی نہایت تمدن ملک میں بھی اگر چند لاکھ مہاجر یکساں کھانے کی توان کی غوراک کا انتظام مکمل ہو جائے تو ان کی تفصیل کیفیت کے لیے ملاحظہ ہو بائبل کتاب خروج، باب ۱۷۔ گنتی، باب ۱۱، آیت ۶۔ ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى  
 الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۖ وَإِذَا اسْتَسْقَى  
 مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ  
 اثْنَا عَشَرَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرِبَهُمْ كَلُؤًا وَاشْرِبُوا  
 مِنْ مَرَاقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۖ وَإِذْ  
 قُلْنَا لِمُوسَى لَنْ نَصْدِرَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ  
 يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْتَبِئُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُؤْمِهَا وَ

مگر جو بات کسی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل کر کچھ اور کر دیا۔ آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان  
 عذاب نازل کیا۔ یہ سزا تھی اُن نافرمانیوں کی جو وہ کر رہے تھے یا

یاد کرو، جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ فلاں چٹان پر اپنا عصا  
 مارو چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر قبیلے نے جان لیا کہ کوئی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے  
 اس وقت یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ اشد کا دیا ہوا رزق کھاؤ پو، اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

یاد کرو، جب تم نے کہا تھا کہ "اے موسیٰ، ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں  
 کر سکتے۔ اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار ساگ، ترکاری، گیہوں، لہسن،

ماطل، بونا، جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکر کے موقع پر کریں اعلیٰ ہوئے۔ اور حطّہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک کہ  
 خدا سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے جانا، دوسرے یہ کہ لوٹ مار اور قبل عام کے بجائے سستی کے باشندوں میں منکر  
 اور عام معافی کا اعلان کرتے جانا۔

۱۷ وہ چٹان اب تک جو یہ نملے میں اب موجود ہے۔ براج اسے ہمارے دیکھتے ہیں اور چشموں کے شگاف میں  
 اب بھی پائے جاتے ہیں۔ ۱۸ چشموں میں یہ صعلت تھی کہ بنی اسرائیل کے قبیلے میں ۱۸ ہی تھے۔ خدا نے ہر ایک قبیلے کے لیے

عَدَسَهَا وَبَصَلَهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ  
بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مِمَّا سَأَلْتُمُوهُ  
خُبْرَتٌ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۖ وَبَاءَ وَبَغَضِبَ مِنَ اللَّهِ  
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ  
النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۰﴾

۴

پیاز، دال وغیرہ پیدا کرے۔ تو تم سنی نے کہا: کیا ایک بہتر چیز کے بجائے تم ادنیٰ دے گے کی چیزیں لینا چاہتے ہو؟ اچھا! کسی شہری آبادی میں جا رہو۔ جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں مل جائے گا۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ذات و خواری اور سستی و بدعالی ان پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ نتیجہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ یہ نتیجہ تھا انکی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدود شرع سے بھل بھل جاتے تھے۔

ملک چپڑہ نکال دیا تاکہ ان کے درمیان پانی پر جھگڑا نہ ہو۔

۱۰ یہ مطلب یہی ہے کہ من و دل سے چھوڑ کر جو بے شکست مل رہا ہے وہ چیزیں مانگ رہے ہیں جن کے لینے کی ہر ایسی کوشش کو اس نے سختی سے منع کر دیا ہے۔ یہی ہے جو ان کی جڑوں کے مقابلے میں کیا تم کو کام و دہن کی لذت اتنی زیادہ مرغوب ہے کہ اس مقصد کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو اور ان چیزوں سے محرومی کو بدلت کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے؟ (تقابل کے لیے یہ ملاحظہ ہو گنتی باب ۱۱: آیت ۴-۹)

۱۱ آیات سے کفر کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ خدا کی جیسی ہر حق تعلیمات میں سے جو بات اپنے خیال یا خواہشات کے خلاف پائی اس کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ دوسرے یہ کہ ایک بات کو یہ جانتے ہوئے کہ غلط ہے فرمائی ہے۔ تیسری یہ کہ خدا کی آیات سے کفر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی ہے جو ان کی جڑوں کے مقابلے میں کیا تم کو کام و دہن کی لذت اتنی زیادہ مرغوب ہے کہ اس مقصد کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو اور ان چیزوں سے محرومی کو بدلت کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے؟ (تقابل کے لیے یہ ملاحظہ ہو گنتی باب ۱۱: آیت ۴-۹)

۱۲ یہی مسئلہ ہے کہ اس جو ہم کو اپنی تاریخ میں خود تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم انیسویں

چند قعات میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت سلیمانؑ کے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت تقسیم ہو کر دو ریاستوں (۱) یروشلم کی دولت یہودیا اور سامریہ کی دولت اسرائیل) میں بٹ گئی تو ان میں داہم طاقتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور نوبت یہاں تک آئی کہ یہودیہ کی ریاست نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف دمشق کی آرامی سلطنت سے رونا لگا کر اس پر خدا کے حکم سے قتانی بنی نے یہودیہ کے فرزند ازاہل کو تخت نشین کیا۔ مگر آسمان نے اس تنبیہ کو قبول کرنے کے بجائے خدا کے پیغمبر کو جیل بھیج دیا (۷) تو تاریخ باب ۱۶ آیت ۶-۱۰

(۲) حضرت ایلیا: (Elijah) علیہ السلام نے جب جبل کی پرستش پر سیدہیں کو ملامت کی اور اسے توڑ دیکر دعوت کا دور پھر نکلنا شروع کیا تو سامریہ کا اسرائیل بادشاہ اخیاب اپنی مشرک بیوی کی خاطر ہاتھ دھو کر ان کی جان کے پیچھے بڑگا، حتیٰ کہ انہیں جویرہ منائے سینا کے پہاڑوں میں پناہ مینی دی۔ اسی موقع پر خود حضرت ایلیا نے ان کی جان کے لئے اللہ کی پیرائی یعنی اسرائیل نے ترے مدد کو کر کیا۔۔۔۔۔ تیرے میوں کو تارے تے کیا اور ایک میں ہی کھلا پیاہوں اسودہ میری جان لینے کے رہے ہیں۔ (۱۔ ملاطین۔ باب ۱۹۔ آیت ۱-۱۰)

(۳) ایک اور سی حضرت یحیٰیہؑ کو کسی اُنسی اب نے حق گوئی کے جرم میں جیل بھیجا اور حکم دیا کہ اس شخص کو معیت کی روٹی کھانا اور معیت کا ہائی چائنا (۱- ملاطین۔ باب ۲۳۔ آیت ۲۶-۲۷)

(۴) پھر جب یہ دیکھ لیا کہ یہاں پرستی اور بدکاری ہونے لگی اور کڑکڑاہٹیں اُٹھنے لگیں تو اس نے اس کے خلاف ہمدردی کے ساتھ ان کے لیے ایک نیا راستہ چاہا۔ اس نے ان کے لیے ایک نیا طریقہ کار چاہا۔ اس نے ان کے لیے ایک نیا طریقہ کار چاہا۔ اس نے ان کے لیے ایک نیا طریقہ کار چاہا۔

(۵) اس کے بعد سامریوں کی اسرائیلی ریاست اشور یوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی اور یہ ظلم کی یہودی ریاست کے سر پر تباہی کا طوفان ٹکھڑا تھا، تو یہ یابوسی اپنی قوم کے زوال پر ماتم کرنے اُٹھے اور کوچے کوچے انہوں نے پھر ناشر و یاکہ نسیل جازور و نہ تبارا انہم سامریہ سے بھی بدتر ہو گا۔ مگر قوم کی طرف سے جو جواب ملا یہ تھا کہ ہر طرف سے ان پر لعنت اور پھلکا کی بارش ہوئی، پیٹنے لگے، قید کیے گئے، زخمی سے باندھ کر کچھسٹر عربے حوض میں لٹا دیے گئے تاکہ جھوک اور پیاس سے مرنے لگیں۔ سو کہہ کر مر جائیں اور ان پر اتمام لگایا گیا کہ وہ قوم کے قتلا میں عیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ (بریاہ، باب ۱۵)

کیت ۱۰۔ باب ۱۸، آیت ۲۰۔ ۲۲۔ باب ۲۰، آیت ۱۔ ۱۸۔ باب ۳۶ تا باب ۴۰

(۶) ایک اور نبی حضرت عاتوس کے متعلق لکھا ہے کہ جب انہوں نے سامریہ کی اسرائیلی دیاست کو اس کی گزریاں اور ہکاریوں پر ڈکا اور ان حرکات کے ذمے اہتمام سے خیر و اکیا تو انہیں زوش ویا گیا کہ مکے سے نکل جاؤ اور باہر جا کر عزت کرو (عاموس ۱: باب ۶۔ آیت ۱۰-۱۳)

(۷) حضرت یحییٰ (رحمۃ اللہ علیہ السلام نے جب ان بڑا ظالم قبول کے خلاف آواز اٹھائی جو میرید کے فرائض و تبرعات کے بار میں کھلم کھلا دبی نہیں تو پہلے وہ قید کیے گئے، پھر بادشاہ نے اپنی مشورۃ کی فرمائش پر قوم کا اس صالح ترین آئینہ کو قتل کر کے ایک قتال میں رکھ کر اس کی تذکرہ دیا۔ (مترقن ابواب ۷، آیت ۷۶-۷۹)

(۴) آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کے علماء اور سرداران قوم کا غصہ بھڑکا کیونکہ وہ انہیں کہتے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيَّانَ  
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ  
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷﴾

یقین جانو کہ نبی عربی کو ماننے والے ہیں یا یہودی، عیسائی ہیں یا صابی، جو بھی اللہ اور  
روزِ آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اُس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لیے کسی  
خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔

گناہوں اور ان کی اصلاحیوں پر ڈکے سے بھر پور ایمان و اُمت کی تعین کرتے تھے اس تصورِ ایمان کے خلاف جو مآخذ مندرجہ  
گیا، یہودی و مسلمانوں کے ان کے نقل کا فیصلہ عمل کی گئی اور جب یہودی حاکم پیکلکس نے یہودیوں کے کما کچھ جہد کے روز میں بتایا  
خاطرِ یقین اور برائیوں کا ذکر وہوں میں سے کسی کو دیا کہ وہ ان کے دوسرے جس نے بالاتفاق پکار کر کہا کہ برائی کا چھوڑ دے اور  
یقیناً کہ چھائی پر نکالے (نئی باب ۲۴ - آیت ۲۰ تا ۲۶)

یہ ہے اس قوم کی داستانِ جہاد کا ایک شایع شرمناک باب جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں مختصر اشارہ کیا گیا ہے۔  
اسیہ ظاہر ہے کہ جس قوم نے اپنے فتنان و فساد کو سرداری و سربراہی کے لیے اور اپنے شکار و بار کو جیل اور مار کے لیے پسند  
کیا ہو، انھوں نے اس کا اپنی امت اور پیکار کے لیے پسند نہ کرتا تو آخر کار کیا کرتا۔

سلسلہ جہاد کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں ایمان اور اعمالِ صالحہ  
کی تفصیلات بیان کرنا مختصر و مفید ہے کہ کون کون باتوں کو وہی ماننے لگے کیا کیا اعمال کرے تو خدا کے ہاں اجر کا حق  
ہو۔ یہ چیزیں اپنے اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ آئیں گی۔ یہاں تو یہودیوں کے اس زہیم باطل کی تردید مقصود ہے کہ  
وہ صرف یہودی گروہ کو نجات کا اعلان دے رہے تھے۔ وہ اس خیالی غلام میں مبتلا تھے کہ ان کے گروہ سے اللہ کا کوئی  
خاص رشتہ ہے جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہے، لہذا جہان کے گروہ سے خلق رکھتا ہے وہ خواہ اعمالِ صالحہ  
کے لحاظ سے کیسا ہی ہو بہر حال نجات اس کے لیے مقدر ہے، اور باقی تمام انسان جو ان کے گروہ سے باہر ہیں وہ  
صرف جہنم کا بندن بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کے  
ہاں اہل چیز تمہاری دیگر بندیاں نہیں بلکہ وہاں جو کچھ اعتبار ہے وہ ایمان اور عملِ صالح کا ہے جو انسان بھی  
چیز کے کاغذ ہو گا وہ اپنے رب کے اپنا آخر پائے گا۔ خدا کے ہاں فیصلہ آدمی کی صفات پر ہو گا نہ کہ تمہاری مروت و شہادت  
کے رجسٹروں پر۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٣٠ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ٣١ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِرِينَ ٣٢ فَجَعَلْنَاهَا

یاد کرو وہ وقت جب ہم نے طور کو تم پر اٹھا کر تم سے پختہ عہد لیا تھا اور کہا تھا کہ جو کتب ہم تمہیں دے رہے ہیں اے مضبوطی کے ساتھ پڑھنا اور جو احکام و ہدایات اس میں درج ہیں انہیں یاد رکھنا۔ اسی فیصے سے توبہ کی ہاسکتی ہے کہ تم تقویٰ کی روش پر چل سکو گے۔ مگر اس کے بعد تم اپنے عہد سے پھر گئے۔ اس پر بھی اللہ کے فضل اور اس کی رحمت نے تمہارا ساتھ نہ چھوڑا اور نہ تم کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے۔

پھر تمہیں اپنی قوم کے اُن لوگوں کا قصہ معلوم ہی ہے جنہوں نے نبی کا قانون توڑا تھا۔ ہم نے انہیں کئی کئی بار بند رہن ہا اور اس حال میں ہو کہ ہر طرف سے تم پر دھتکار بھٹکار پڑے۔ اس طرح ہم نے

۱۱۵۔ اس واقعے کو قرآن میں مختلف مقامات پر جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اہم وقت بنی اسرائیل میں یہ ایک مشہور معروف واقعہ تھا لیکن اس کی تفصیل کیفیت معلوم کرنا مشکل ہے جس پر مجاہدین جتنا پہنچے کہہ دے کہ ۱۲ میں یثاق بیتہ وقت ایسے عرفان کے رب عالم پیدا کر دی گئی تھی کہ ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں ان پر آپ کا الہامی کچھ نقشہ سورۃ اعراف رکوع ۲۱ میں کھینچا گیا ہے۔ (لاحظہ ہو سورۃ اعراف، احادیث ۱۲۳۷)

۱۱۶۔ نبیؐ یعنی نبیؐ کا وہی بنی اسرائیل کے لیے یہ قانون مقرر کیا گیا تھا کہ وہ بھٹنے کو آرام اور عبادت کے لیے مخصوص نکلیں۔ اس دیکھیں کہ کافر بنی کام، صحیح کہ کھانا پکانے کا کام بھی نہ خود کریں، نہ اپنے غلاموں سے۔ اس باب میں یہاں تک تاکید کی کہ جو شخص اس مقدس دن کی حرمت کو توڑے وہ واجب قتل ہے (لاحظہ ہو خروج، باب ۳۱، آیت ۱۷-۱۸)۔ لیکن جب بنی اسرائیل پر اخلاط و دینی انحطاط کا دور آیا تو وہ علی الاعلان نبیؐ کی بے حرمتی کرنے لگے حتیٰ کہ ان کے

تَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٧٧﴾ وَإِذْ  
 قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْجَبُوا بَقَرَةً قَالُوا  
 أَتَتَّخِذُنَا هَهُؤَا قَالِ اعْوِذْ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٧٨﴾  
 قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالِ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ  
 لَّا فَارِصٌ وَلَا يَكْمُرُ عُوانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فافعلوا مَا تُمَرُّونَ ﴿٧٩﴾  
 قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْهَاءُ قَالِ إِنَّهُ يَقُولُ

اُن کے انجام کو اُس زمانے کے لوگوں اور بعد کی آنے والی نسلوں کے لیے عبرت اور ڈرنے والوں  
 کے لیے نصیحت بنا کر چھوڑا۔

پھر وہ واقعہ یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا  
 ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ موسیٰ نے کہا میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کچھ ایسا  
 کیسی باتیں کروں۔ بولے اچھا اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہمیں اس گائے کی کچھ تفصیل بتائے موسیٰ نے  
 کہا اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ ایسی لگائے ہوئی چاہیے جو نہ بڑھی نہ چھوٹے بلکہ اوسط عمر کی ہو۔ لہذا جو حکم دیا جاتا  
 ہے اس کی تعمیل کرو۔ پھر کہنے لگے اپنے رب سے یہ اور پوچھ دو کہ اس کا رنگ کیسا ہو موسیٰ نے کہا وہ فرماتا ہے

شہر میں مکھلے بندوں بنیت کے روز تجاوت ہونے لگی۔

۷۷ اس آیت کی تفصیل آگے سورۃ اعراف کو ص ۸۱ میں آتی ہے۔ ان کے بند رہنا نہ جانے کی رغبت میں  
 اقلات ہے بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی جسمانی بنیت بگاڑ کر بندوں کی سی کر دی گئی تھی اور بعض اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ  
 ان میں بندوں کی کسی صفت پیدا ہو گئی تھی لیکن قرآن کے الفاظ اور انداز بیان سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخ اخلاقی  
 نہیں بلکہ جسمانی تھا۔ میرے نزدیک قرآن قاسم یہ ہے کہ ان کے دماغ لینڈ ای حال پر رہے وہ بے گئے ہوں گے جس میں  
 وہ پہلے تھے اور جم جم ہو کر بندوں کے سے ہو گئے ہوں گے۔





فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فِی الْجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِن مِّنَ الْجَارَةِ لِمَا يُتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِن مِنْهَا لِمَا يَشَقُّ فِیْخَرُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِن مِنْهَا لِمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۵۱﴾

اس وقت ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ۔ دیکھو اس طرح اللہ مردوں کو زندگی بخشتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح سخت، بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے، کیونکہ پتھروں میں سے تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹتے ہیں، کوئی پھٹتا ہے اور اس میں سے پانی نکل آتا ہے، اور کوئی خدا کے خوف سے لرز کر رہی پڑتا ہے۔ اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔

ڈالنے میں پرستش کے لیے مختص کیا جاتا تھا، گایا، گلی، لکڑی، کربا دیا گیا کہ لے ذبح کرو۔ بائبل میں بھی اس واقعے کی طرف اشارہ ہے مگر وہاں یہ ذکر نہیں ہے کہ بنی اسرائیل نے اس حکم کو کس کس طرح ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ (ملاحظہ ہو گنتی، باب ۳۵۔ آیت ۱-۱۰)۔

۵۵۔ اس مقام پر یہ بات ذرا اہل مزح معلوم ہوتی ہے کہ مقتول کے اندر دوبارہ اتنی حیر کے بیٹھے تھے ڈال گئی کہ وہ قاتل کا پتہ بتا دے لیکن اس غرض کیلئے جو تدبیر بتائی گئی تھی یعنی لاش کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ، اس کا خلاف میں کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ تاہم اس کا قریب ترین مفہوم وہی ہے جو قدیم تفسیرین نے بیان کیا ہے یعنی یہ کہ اوپر چسپاں گانے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسی کے گوشت سے مقتول کی لاش پر ضرب لگانے کا حکم تھا۔ اس طرح کو ایک کرشمہ دوکار ہونے۔ ایک یہ کہ آخر کی قدرت کا ایک نشان انہیں دکھایا گیا۔ دوسرے یہ کہ گانے کی عظمت و تقدس اور اس کی عبودیت پر بھی ایک کادری حرب لگی کہ اس نام نہاد معبود کے پاس اگر کچھ بھی طاقت ہوتی تو اسے ذبح کرنے سے ایک سبقت برپا ہوجاتی چاہیے تھی، نہ کہ اس کا ذبح ہر زمانہ اس طرح مفید ثابت ہو۔

اَقْتَضَعُوْنَ اَنْ يُؤْمِنُوْا بِكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ  
كَلِمَ اللّٰهِ ثُمَّ يَرْجِفُوْنَ ۚ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

اے مسلمانو! اب کیا ان لوگوں سے تمہیں توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا شکیہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔

۵۶۔ یہ خطاب عینے کے اُن نو مسلموں سے ہے جو قریب کے زمانہ ہی میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ ان لوگوں کے کان میں پہلے سے عزت کتاب، مانگہ، آخرت، شریعت وغیرہ کی جو باتیں پڑی ہوئی تھیں وہ سب انہوں نے اپنے ہمسایہ یہودیوں ہی سے سنی تھیں۔ اور یہ بھی انہوں نے یہودیوں ہی سے سنا تھا کہ دنیا میں ایک تیسرا اور آسمانی دے دیے ہیں، اور یہ کہ جو لوگ ان کا ساتھ دیں گے وہ ساری دنیا پر چھا جائیں گے۔ یہی صلوات تیس جن کی بنا پر اہل مدینہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا مٹن کر آپ کی طرف خود متوجہ ہوئے اور جو حق ایمان ملائے۔ اب وہ مترق تھے کہ جو لوگ پہلے ہی سے انبیا اور کتب آسمانی کے پیرو ہیں اور جن کی دی ہوئی خبروں کی بدولت ہی ہم کو نسبت ایمان میر ہوئی ہے، وہ ضرور ہمارا ساتھ دیں گے، بلکہ اس راہ میں پیش پیش ہوں گے۔ چنانچہ یہی توقعات لے کر یہ پرچش تو مسلم اپنے یہودی دوستوں اور ہمسایوں کے پاس جاتے تھے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ پھر جب وہ اس دعوت کا جواب انکار سے دیتے تو منافقین اور مخالفین اسلام اس سے یہ استدلال کرتے تھے کہ معاملہ کچھ مشتبہ ہی معلوم ہوتا ہے، ورنہ اگر یہ واقعی نبی ہوتے تو آخر کیسے ممکن تھا کہ اہل کتاب کے علما اور مشائخ اور مقدس بزرگ جاننے بوجھتے ایمان لانے سے محروم ہو جاتے اور خرافہ اپنی طاقت خراب کر لیتے۔ اس بنا پر یہی اسرائیل کی تاریخی سرگزشت بیان کرنے کے بعد اب ان سادہ دل مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی سابق روایات یہ کچھ دی ہیں ان سے تم کچھ بہت زیادہ لمبی چوڑی توقعات نہ رکھو ورنہ جب ان کے پتھروں سے تمہاری دعوت حق نکلا کر واپس آئے گی تو دل شکستہ ہو جاؤ گے۔ یہ لوگ تو صدیوں کے بگڑے ہوئے ہیں۔ اللہ کی جن آیات کو سن کر تم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، انہی سے کیلتے اور متحیر کرتے ان کی انہیں بیت گئی ہیں۔ دین حق کو سمجھ کر کے یہ اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال چکے ہیں اور اسی صف شدہ دین سے یہ نہات کی امیدیں باندھے بیٹھے ہیں۔ ان سے یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ حق کی آواز بلند ہوتے ہی یہ ہر طرف سے دوڑے پھرتے ہیں گے۔

۵۷۔ ایک گروہ سے مراد ان کے علما اور عاملین شریعت ہیں۔ کلام اللہ سے مراد اقوال و افعال اور وہ دوسری کتابیں ہیں جو ان لوگوں کو ان کے انبیا کے ذریعے سے پہنچیں۔ تحریف، کلام طے ہے کہ بات کو اس کے اصل معنی و مفہوم سے پھیر کر اپنی خواہش کے مطابق کچھ دوسرے معنی پہنا دینا جو قائل کے خدا کے خلاف ہوں۔ نیز الفاظ میں تغیر و تبدل کرنے کو بھی تحریف کہتے ہیں۔ علما یہی اسرائیل نے یہ دونوں طرح کی تحریفیں کلام الہی میں کی ہیں۔

وَاذْكُرُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ  
 قَالُوا اتَّخَذُوا آلَهُم بِمَنَافِعِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ لِيُخَاجُوكُم بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ  
 أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۲۱﴾ أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا  
 يُعْلِنُونَ ﴿۲۲﴾ وَمَنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنَّهُمْ  
 إِلَّا يُظُنُّونَ ﴿۲۳﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ

محمد رسول اللہ کے ماننے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی انہیں مانتے ہیں، اور جب آپس  
 میں ایک دوسرے سے تجھے کی بات چیت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ بے وقوف ہو گئے ہو، ان لوگوں  
 کو وہ باتیں بتاتے ہیں جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ تم اسے سب کے پاس تمہارے مقابلے میں انہیں  
 محبت میں پیش کریں؟۔ اور کیا یہ جانتے نہیں ہیں کہ جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں  
 اللہ کو سب باتوں کی خبر ہے؟۔ ان میں ایک دوسرا گروہ اُمیوں کا ہے جو کتاب کا تو علم رکھتے  
 نہیں، بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چلے جا رہے  
 ہیں۔ آپس میں طاقت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں

یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ قرأت اور دیگر کتب مسلمانین جو مشرکین کو نبی الہی کے متعلق  
 موجد ہیں، یا جو آیات اور کلمات ہماری مقدس کتابوں میں ایسی ملتی ہیں جن سے ہماری موجودہ روش پر گرفت ہو سکتی ہے،  
 انہیں مسلمانوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ یہ تمہارے رب کے سامنے ان کو تمہارے خلاف محبت کے طور پر پیش کریں گے۔ پتا  
 اللہ کے متعلق ان ظالموں کے فساد و خبیثہ کا حال۔ گویا وہ اپنے نزدیک سمجھتے تھے کہ اگر نبی اس وہ اپنی غریبوں اور اپنی حق پرستی  
 کو چھپالے گئے تو آخرت میں ان پر قدر نہ مل سکے گا۔ اسی لیے بعد کے جملہ مفسرین میں ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کیا تم اللہ کو  
 بے خبر سمجھتے ہو۔

یعنی یہ ان کے حرام کا مال تھا۔ علم کتاب کے کوئے تھے۔ کچھ نہ جانتے تھے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں قرآن کے کیا  
 اصول بتائے ہیں، مطلق اور شرع کے کیا قواعد رکھائے ہیں اور انسان کی فطرت و فطرت کا دارا کن چیزوں پر رکھا ہے۔ اس علم

ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا  
 قَوْلٌ لَهُمْ قَتَلْتُمْ أَبَدِيَّهُمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۸۹﴾  
 وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ أَتُخَذُكُمْ عِنْدَ  
 اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ تُخْلَفَ اللَّهُ عَهْدَكَ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا  
 تَعْلَمُونَ ﴿۹۰﴾ بَلْ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ

پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے عوض میں تمہارا ساتھ  
 مال کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی  
 ان کے لیے موجب ہلاکت۔ وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں، الایہ کہ چند  
 روز کی سزا مل جائے تو لڑ جائے۔ ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے،  
 جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کر سکتا؟ یا یہ بات ہے کہ تم اللہ کے ذمے ڈال کر ایسی باتیں کہہ  
 دیتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ اس نے ان کا ذمہ لیا ہے؟ آخر تمہیں دوزخ کی  
 آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ جو بھی بدی کمائے گا اور اپنی خطا کا رسی کے پکڑ میں پڑا رہے گا،

بیشود اپنے مفروضات اور اپنی خواہشات کے مطابق گھڑی ہوئی باتیں کر دیں مجھے بیٹھے تھے اور جہولی اوقات پرچی رہے تھے۔  
 ﴿۸۹﴾ یہ ان کے مل کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے۔ ان لوگوں نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ کلام الہی کے معانی کو  
 اپنی خواہشات کے مطابق بدلا، بلکہ یہ بھی کیا کہ بائبل میں اپنی تفسیروں کو اپنی قوی تاریخ کو، اپنے احکام اور قیاسات کو اپنے  
 خیالی تفسیروں کو، اور اپنے جہاد سے وضع کیے تھے۔ یہی قوانین کو کلام الہی کے ساتھ غلط ملکہ کر دیا اور یہ ساری چیزیں ان کے  
 کے سامنے اس حیثیت سے پیش کی کہ گویا یہ سب اللہ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔ ہر تاریخی افسانہ، ہر تفسیر کی تادیل،  
 ہر کلام کا انبیائی عقیدہ، اور ہر عقیدہ کا قانونی اجتہاد جس نے مجتہد کتب مقدسہ (بائبل) میں بلکہ بالی، اللہ کا قول  
 (Word of God) میں کر دیا۔ اس پر ایمان لانا فرض ہو گیا اور اس سے پھرنے کے سنی دین سے پھر جانے کے ہو گئے۔

﴿۹۰﴾ یہ یہودیوں کی عام غلط فہمی کا بیان ہے جس میں ان کے عامی اور عام سب مبتلا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ  
 ہم خود کچھ کریں، ہر سال جو تکہ ہم یہودی ہیں، لہذا جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اور با فرض اگر ہم کو سزا دی گئی بھی تو نہ چھوئے

۱

فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵۸﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۵۹﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تَخْرُجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿۶۰﴾ ثُمَّ أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ

وہ دوزخی ہے اور دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے وہی جنتی ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔  
یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ رشتے داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا سب اس عہد سے پھر گئے اعداب تک پھرے ہوئے۔ پھر فرمایا دیکھو، ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہاتا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا۔ تم نے اس کا اقرار کیا تھا، تم خود اس پر گواہ ہو۔ مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو روز کے لیے دہاں بیچے جاؤ گے اور پھر سیدھے جنت کی طرف پٹا دیے جائیں گے۔

أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فِرَاقًا مِنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ  
بِالْإِيمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن يَأْتِوكُمُ اسْرَآءُ تُفْدُوهُمْ وَهُمْ وَهْوَ مُحْتَمٌ  
عَلَيْكُمْ أَخْرَجَهُمْ أَفْتَوْمُنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ  
بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ  
عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۱﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ

قتل کرتے ہو، اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانناں کر دیتے ہو، ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے  
خلافات جتنے ہندیاں کرتے ہو، اور جب وہ لڑائی میں پہنچے ہوئے تھائے پاس آتے ہیں تو ان کی  
رہائی کے لیے فدیہ کا لین دین کرتے ہو، حالانکہ انہیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے  
تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے  
ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں فیل و  
خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے غم  
نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی آخرت بیچ کر دنیا کی زندگی خرید لی ہے،

۹۱ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے عرب کے اطراف کے یہودی قبائل نے اپنے ہمسایہ عرب قبیلوں (انوں کو

توزیع) سے عیفاء، تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ جب ایک عرب قبیلہ دوسرے قبیلے سے برسرِ جنگ ہوتا تو دونوں کے  
عیفاء یہودی قبیلے بھی اپنے اپنے عیفاء کا ساتھ دیتے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں نہ درازا ہو جاتے تھے۔ یہ فعل  
مروجہ طور پر کتاب اللہ کے خلاف تھا اور وہ جانتے بوجھے کتاب کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ گرائی کے بعد جب ایک نئی قبیلہ کے  
اہلِ لڑجنگ دوسرے یہودی قبیلے کے ساتھ آتے تھے تو غالب قبیلہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑتا اور غلبہ قبیلہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑتا تھا، اور اس  
فدیہ کے لین دین کو جائز ٹھہرانے کے لیے کتاب اللہ سے استدلال کیا جاتا تھا۔ گریا یہ کتاب اللہ کی اس اجازت کو تو

فَلَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابَ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَفَقَيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَأَتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِّقُوا بَيْنَ كَذِبِمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۹﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۹۰﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

لہذا نہ ان کی سزائیں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ انہیں کوئی مدد پہنچ سکے گی؛

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس کے بعد پہلے درپے رسول بھیجے، آخر کار عیسیٰ ابن مریم کو نشانیاں دے کر بھیجا اور روح پاک سے اس کی تائید کی۔ پھر یہ تمہارا کیا وعدہ تھا کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی، کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔ وہ کہتے ہیں، ہمارے دل محفوظ ہیں، نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پٹکار پڑی ہے اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے اس کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟

سزا نگاہوں پر رکھتے تھے کہ اسرائیل جنگ کو خیر سمجھ کر چھوڑا جائے مگر اس حکم کو ٹھکراتے تھے کہ اس میں جنگ ہی نہ کی جائے۔  
۸۹۔ دوح پاک سے مراد علم وحی ہی ہے، اللہ جبریل بھی وحی کا علم لاتے تھے اور خود حضرت مسیح کی اپنی پاکیزہ روح بھی ان کو اللہ نے توحید سے نصرت بتایا تھا۔ روش نشانیوں سے مراد وہ کلی کلی دعوتیں جن میں دیکھ کر ہر وقت پسند ملتا ہے، انسان یہ جان سکتا تھا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔

۹۰۔ یسوعیسم اپنے عقیدہ و خیال میں اتنے پختہ ہیں کہ تم خود کو کچھ کہہ سکتے ہو لیکن بات کا اثر نہ ہو گا۔ یہی بات ہے جو تمام ایسے بہت و حرم دگ کہہ کر تے ہیں جن کے دل دماغ پر جاوڑہ تصدیق تسلیم کرتا ہے۔ وہ اسے خود کی عقل و

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ  
كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى  
الْكَاذِبِينَ ﴿٢٠﴾ بِسْمَا أَشْرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

ہا جو دیکر وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی، ہا جو دیکر اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان بھی گئے، تو انہوں نے اسے ان سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ان منکرین پر کیسا بڑا ذریعہ ہے جس سے یہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں کہ جو ہدایت اللہ نے کاہم سے ایک غریبی شمار کرتے ہیں حالانکہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی عیب نہیں ہے کہ وہ اپنے مود فی خاندان و عمار پر جم جانے کا فیصلہ کر لے، خواہ ان کا غلط ہونا کیسے ہی قوی دلیل سے ثابت کر دیا جائے۔

**۹۵۔** نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودی بے یقینی کے ساتھ اس نبی کے منظر تھے جس کی بعثت کی پیش گوئی ان کے انبیاء نے کی تھیں۔ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے اور کفار کا ظہور ملے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو۔ خود اہل مدینہ اس بات کے شائبہ تھے کہ بعثت محمدی سے پہلے ہی ان کے ہمایہ یہودی آئے والے نبی کی آمد پر جاکر تھے اور ان کا آئے دن نگاہیں کام رہی تھیں کہ ”اچھا، اب جس میں کا جی چاہے ہم پر ظلم کر لے جب وہ نبی آئے گا تو ہم ان سب ظالموں کو دیکھیں گے“ اہل مدینہ یہ باتیں سنے پڑے تھے اسی لیے جب انیسویں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ دیکھنا، کہیں یہ یہودی تم سے بانسی نہ لے جائیں۔ چنانچہ پہلے ہم ہی اس نبی پر ایمان لائیں۔ مگر ان کے لیے عجیب ماجرا تھا کہ وہی یہودی جو ان سے بانسی نہ لے کر انکار میں گھڑیاں لگ رہے تھے، اس کے آنے پر سبکے بڑھ کر اس کے مخالف بن گئے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ اس کو پہچان بھی گئے، تو اس کے متعدد ثبوت اسی زمانے میں ہی مل گئے تھے۔ سب سے زیادہ متبرک شواہد ائمہ اربعین حضرت جعفریہ کی سنے جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بیٹی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا دونوں آپ کے ملنے گئے۔ جری دیر تک آپ کے گفتگو کی پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والدہ: خدا کی قسم ہاں۔

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟



بَعِيًّا أَنْ يُنَزَّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ قَبْلًا  
 بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۱۰ وَإِذَا قِيلَ  
 لَهُمْ امْنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ  
 نَكْفُرُ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ  
 تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝۱۱ وَلَقَدْ

نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل  
 (وحی و رسالت) سے اپنے حبس بندے کو خود چاہا اور فراموش کیا! لہذا اب یہ غضب بالائے غضب کے سستی  
 ہو گئے ہیں اور ایسے کافروں کے لیے سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔

جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں، ہم تو  
 صرف اُس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے ہاں یعنی ہل اسرائیل میں اُترتی ہے۔ اس اُسے کے باہر  
 جو کچھ آیا ہے اُسے ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے اور اُس تعلیم کی تصدیق و تائید کر رہا  
 ہے جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی۔ اچھا ان سے کہو: اگر تم اُس تعلیم ہی پر ایمان رکھنے والے ہو جو تمہارے  
 ہاں فی حقیقت اس سے پہلے اللہ کے اُن پیغمبروں کو (جو خود نبی اسرائیل میں پیدا ہوئے تھے) کہیں قتل کرتے رہے

والد: ہاں

چچا: پھر کیا الاء ہے؟

والد: جب تک اُن میں جان بچاؤ کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔

(ابن ہشام - جلد دوم - صفحہ ۱۶۵ طبع جدید)

۹۶ اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہی ہو سکتا ہے: کیسی بری چیز ہے جس کی خاطر انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا:

یعنی اپنی فلاح و سعادت اور اپنی حیات کو قربان کر دیا۔

۹۷ یہ لوگ چاہتے تھے کہ آئے والائی ان کی قوم میں پیدا ہو مگر جب وہ ایک سری قوم میں پیدا ہوا جسے وہ

جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اخَذَ ثَمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۶﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمِعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِسْمِ اللَّهِ يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيْمَا نَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸﴾ وَلَكِنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ

تمہارے پاس ہوئی کسی کسی روشن نشانیوں کے ساتھ آیا پھر بھی تم ایسے ظالم تھے کہ اس کے پیچھے مڑنے ہی بچھڑے کو معذور بنا بیٹھے۔ پھر ذرا اس میثاق کو یاد کرو جو طوہ کو تمہارے اوپر اٹھا کر ہم نے تم سے لیا تھا۔ ہم نے تاکید کی تھی کہ جو ہدایات ہم نے سب سے ہیں ان کی سختی کے ساتھ پابندی کرو اور کان لگا کر سنو تمہارے اسلاف نے کہا کہ ہم نے سن لیا، مگر انہیں گئے نہیں۔ اور ان کی باطل سچائی کا یہ حال تھا کہ لوگوں نے ان کے پھڑپھڑاہی بسانا ہوا تھا کہ تم تمہیں ہر تو یہ عجیب بیان ہے جو ایسی ہی حرکت کا تمہیں حکم دیتا ہے۔

ان سے کہو کہ اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے مخصوص ہے تب تو تمہیں چاہیے کہ موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو۔ یقین جانو کہ یہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے اس لیے کہ اپنے ہاتھوں جو کچھ کہا کر انہوں نے وہاں بھیجا ہے اس کا اقتضا ہی ہے (کہ یہ اپنے منہ پر میں بیچ سکتے تھے، تورو اس کے اٹھارہ بار یاد ہو گئے۔ گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ اللہ ان سے پوچھ کر نبی بھیجتا ہے جس نے ان سے نہ پوچھا اور اپنے فضل سے خود جسے چاہا اور یاد دیا تو نہ بڑھینے۔

۹۸۔ یہ ایک تقریب اور نہایت لطیف تعویض ہے ان کی دنیا پرستی پر جن لوگوں کو واقعی دنیا آخرت سے کوئی لگاؤ نہ رہتا ہے وہ دنیا پر مہر نہیں جاسکتے اور نہ موت سے ڈرتے ہیں۔ مگر یہ دونوں کا حال اس کے برعکس تھا اور ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ تَٰهَمٰٓهُمْ اٰخَرُصَ النَّاسِ عَلٰى  
حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرٰكُوْهُ يُوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يَٰعْتَرُ الْاَلْفَ سَنَةً  
وَمَا هُوَ بِمَرْجُوْهِ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُعْتَرِ ۚ وَاللّٰهُ بِصِيْرٍۭ بِمَا  
يَعْمَلُوْنَ ۝ قَوْلٌ مِّنْ كَانَ عَدُوٌّ لِّلْجَبْرِئِلِ فَاِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ  
بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرًا لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

نہیں

۱۱

وہاں جانے کی تمنا نہ کریں، اللہ ان ظالموں کے حال سے خوب واقف ہے تم انہیں سب بڑھ کر مینے  
کا حریف بننا چاہتے تھے کہ یہ اس معاملے میں مشرکوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص  
چاہتا ہے کہ کسی طرح ہزار برس پیچھے، حالانکہ لمبی عمر بہر حال انہیں عذاب سے تو دور نہیں بچھڑا سکتی۔  
جیسے کچھ اعمال یہ کر رہے ہیں اللہ تو انہیں دیکھ ہی رہا ہے۔

ان سے کہو کہ جو کوئی جبریل سے عداوت رکھتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریل نے  
اللہ ہی کے اذن سے یہ قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے جو پہلے آتی ہوئی کتابوں کی تصدیق  
و تائید کرتا ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کی بشارت بن کر آیا ہے۔

۹۹ اہل میں علیٰ حیۃ کا لفظ مرثیہ تھا جس کے معنی ہیں کسی زندگی کسی طرح کی زندگی یعنی انہیں معنی زندگی  
کی حوصلہ دے گا وہ کسی طرح کی زندگی ہو، عزت اور شرافت کی ہو یا ذلت اور کمینہ پن کی۔

۱۰۰ یہودی صرف بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ آپ پر ایمان لانے والوں ہی کو مراد کہتے تھے بلکہ خدا کے برگزیدہ  
فرشتے جبریل کو بھی گایاں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ہمارا دشمن ہے اور ہمت کا نہیں طلب کا فرشتہ ہے۔

۱۰۱ یعنی اس بنا پر تمہاری گایاں جبریل پر نہیں بلکہ خداوند برتر کی فائزہ پڑتی ہیں۔

۱۰۲ مطلب یہ ہے کہ یہ گایاں تم ہی لیے تو دیتے ہو کہ جبریل یہ قرآن لے کر آیا ہے اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ

قرآن سراسر قدرت کی تائید میں ہے۔ لہذا تمہاری گایوں میں تردید بھی متھے جاری نہ ہو۔

۱۰۳ اس میں لطیف اشارہ ہے اس مضمون کی طرف کہ نوافل اہل میں تمہاری صادی ناراضی ہدایت اور راہ راست

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ  
 اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ  
 بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۹۹﴾ أَوَكَلَّمَا عَاهَدُوا عَاهِدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ  
 مِنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ  
 عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا  
 الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَ  
 اتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكٍ سَلِيمٍ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ

(اگر جبریل سے ان کی عداوت کا سبب یہی ہے تو کہہ دو کہ جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں  
 اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں اللہ ان کا دشمن ہے۔

ہم نے تمہاری طرف ایسی آیات نازل کی ہیں جو صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی ہیں اور ان  
 کی پیروی سے صرف وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو فاسق ہیں کیا ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا ہے کہ جب انہوں  
 نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک یا ایک گروہ نے اسے ضرور ہی بالاسے طاق رکھ دیا بلکہ ان میں سے  
 اکثر ایسے ہی ہیں جو سچے دل سے ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی  
 رسول اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتا ہوا آیا جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی تو ان اہل کتاب میں  
 ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈالا کہ گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں اور لگے ان چیزوں کی پیروی  
 کرنے جو شیاطین، سلیمان کی سلطنت کا نام لے کر پیش کیا کرتے تھے حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا

کے خلاف ہے تم لوگ ہے ہر مسموع مہمانی کے خلاف جیسے اگر یہی طرح ان کو تو تمہارے ہی لیے کامیابی کی بشارت ہو۔

۱۰۱۔ شیاطین سے مروی شیاطین جن اور شیاطین انہوں نے ہر دوزخ ہر کتے ہیں اور دوزخوں ہی میں مراد ہیں جب ہی انہوں نے

وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ  
عَلَى الْمَلَائِكَةِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمِينَ مِنْ أَحَدٍ  
حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ

کفر کے مرتکب تھے وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ سچے پڑے چیز کے جو باہل  
میں دو فرشتوں، ہاروت و ماروت پر نازل کی گئی تھی، حالانکہ وہ (فرشتے) جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے  
تھے تو پہلے صاف طور پر شکوکہ کر دیا کرتے تھے کہ دیکھ ہم محض ایک آزمائش ہیں، تو کفر میں مبتلا نہ ہو، پھر بھی

اخلاقی و مادی انحطاط کا دور آیا اور غلامی، بجات، تکلیف، رافلاس اور ذلت وستی نے ان کے اندر کرنی دند و مکی داد و داد العری  
باقی نہ چھوڑی تو ان کی ترجمات جادو کرنے و طلسمات و عملیات اور تہذیب گندوں کی طرف مہذول ہوئے گئیں۔ وہ ایسی تدبیریں  
وہمہ نے لگے جن سے کسی مشقت اور جدوجہد کے بغیر معنی پونگوں اور منتروں کے زور پر سارے کام بن جایا کریں۔ اس وقت  
شیاطین نے ان کو بہکانا شروع کیا کہ سلیمان علیہ السلام کی تعلیم انسان مسلمان اودان کی حیرت انگیز طاقتیں تو سب کچھ چند نقوش  
اور منتروں کا قیہ تھیں، اور وہ ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں چنانچہ یہ لوگ نصرت غیر مترقبہ سمجھ کر ان چیزوں پر ٹوٹ پڑے اور پھر نہ  
کتاب اللہ سے ان کو کوئی دلچسپی رہی اور نہ کسی داعی حق کی آواز انہوں نے سن کر دی۔

۵۔ اس آیت کی تائید میں مختلف اقوال ہیں مگر جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جس ٹیٹے میں بنی اسرائیل کی  
پوری قوم باہل میں تھیں وہی اعلام بنی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسانی شکل میں ان کی آزمائش کے لیے بھیجا ہوگا۔  
جس طرح قوم لوط کے پاس فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں گئے تھے، اسی طرح ان سرانیدیوں کے پاس وہ پیروں اور  
غیروں کی شکل میں گئے ہوں گے۔ وہاں ایک طرف انہوں نے بازار ساعری میں اپنی دوکان لگائی ہوگی، اور دوسری طرف وہ  
باقی محبت کے لیے ہر ایک کو خبر دہائی کر دیتے ہوں گے کہ دیکھ ہم تمہارے لیے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں، تم اپنی طاقت  
خواب نہ کرو۔ مگر اس کے باوجود لوگ ان کے پیش کردہ عملیات اور نقوش اور تعویذات پر ٹوٹے پڑتے ہوں گے۔

فرشتوں کے انسانی شکل میں آکا کام کرنے پر کسی کو حیرت نہ ہو۔ وہ مسلمان اللہ کے کار و ہدایت ہیں۔ اپنے فرائض منصبی  
کے سلسلے میں جس وقت جو صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے اختیار کر سکتے ہیں۔ ہمیں کیا خبر کہ اس وقت بھی ہمارے  
مگر وہ پیش کرتے فرشتے انسانی شکل میں آکا کام کر جاتے ہوں گے۔ رہا فرشتوں کا ایک ایسی چیز سمجھنا جو ہمارے خود ہی تھی  
تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے پولیس کے بے دردی سپاہی کسی خواتین خوار حاکم کو نشان زدہ دیکھ کر اڑھٹ لے جا کر رشوت کے  
طور پر دیتے ہیں تاکہ اسے میں حالت ازکھاپ مجرم میں لکھیں اور اس کے لیے بے گناہی کے قدر کی گھنائنی باقی نہ رہے دیں۔

مِنْهُمَا مَا يَفْرِقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ  
بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا يَأْذِنُ اللَّهُ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ  
وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ  
وَلِكُلِّسَ مَا شَرَا بِيَهُ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکتے تھے جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیتے۔ ظاہر تھا کہ ذہن انہی کے بغیر وہ اس ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے، مگر اس کے باوجود وہ ایسی چیز سیکتے تھے جو خود ان کے لیے نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ تھی اور انھیں خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار بنا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں کتنی بڑی متاع تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کی بیچ ڈالا، کاش انہیں معلوم ہوتا

۱۶ مطلب یہ ہے کہ اس مندی میں سب سے زیادہ جس چیز کی مانگ تھی وہ یہ تھی کہ کوئی ایسا عمل یا تعویذ مل جائے جس سے ایک آدمی دوسرے کی بیوی کو اس سے تڑکھنے اور عاشق کرے۔ یہ اخلاقی زوال کا وہ انتہائی درجہ تھا جس میں وہ لوگ مبتلا ہو چکے تھے۔ بہت اخلاقی کام اس سے زیادہ نیچا مرتبہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ایک قوم کے افراد کا سب سے زیادہ دلچسپ مشغلہ اپنی عورتوں سے آنکھ لانا ہو جائے اور کسی نیکو عورت کو اس کے شوہر سے تڑکھنا کر لینے کو وہ اپنی سب سے بڑی فتح سمجھ لیں۔

ازدواجی تعلق و رشتہ انسانیت کی تمدن کی وجہ ہے۔ عورت اور مرد کے تعلق کی درستی پر پورے انسانی تمدن کی درستی کا اثر اس کی خرابی پر پورے انسانی تمدن کی خرابی کا دار ہے۔ لہذا وہ شخص بدترین شخص ہے جو اس درخت کی جڑ پر تیشہ پلاتا ہو جس کے قیام پر خود اس کا اور پوری سوسائٹی کا قیام منحصر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اہلس اپنے مکر کو سے ذہن کے ہر گٹھے میں اپنے ایجنٹ روانہ کرتا ہے۔ پھر وہ ایجنٹ واپس آ کر اپنی اپنی کارروائیاں سناتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ میں نے ظن فتنہ پہنچا دیا کوئی کہتا ہے۔ میں نے ظن شر کھڑا کیا۔ مگر اہلس ہر ایک کہتا جاتا ہے کہ تو نے کچھ نہ کیا۔ پھر ایک کہتا ہے اور اطلاع دیتا ہے کہ میں ایک عورت اور اس کے شوہر میں جدائی ڈال آیا ہوں۔ یہ سن کر اہلس اس کو گلے سے لگایا ہے اور کہتا ہے کہ تو کام کر کے آتا ہے۔ اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بات بھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے کہ نبی، سربراہ کی آزمائش کو جو فرشتے بھیجے گئے تھے، انہیں کہیں حکم دیا گیا کہ عورت اور مرد کے درمیان جدائی ڈالنے کا عمل ان کے سامنے پیش کریں۔ دراصل یہی ایک ایسا عہد تھا جس سے ان کے اخلاقی زوال کو ٹھیک ٹھیک دیکھ کر ناپا جاسکتا تھا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكُنْثَىٰ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْكَانُوا يَعْلَمُونَ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا

اگر وہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو ان کے ہاں اس کا جو بدلہ ملتا وہ ان کے لیے زیادہ بہتر تھا۔ کاش انہیں خبر ہوتی!

اے ایمان لانے والو! سہرا عیناً نہ کہا کرو بلکہ اُنظُرْنَا کو اور توجہ سے بات کو سُنو،

۱۲۱۔ اس رکوع اور اس کے بعد والے رکوع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرنے والوں کو کون شراوتوں خبردار کیا ہے جو اسلام اور اسلامی جماعت کے خلاف بیرونیوں کی طرف سے کی جا رہی تھیں، ان شبہات کے جوابات دینے میں جو یہ لوگ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور ان خاص خاص نکات پر کلام کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کی گفتگو میں زیر بحث آیا کرتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے اور ان اطراف میں اسلام کی دعوت پھیلنے شروع ہوئی تو یہودی جگہ جگہ مسلمانوں کو مذہبی جھڑپوں میں الجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اپنی روشنائیوں اور تعلیمات اور سوال میں سے سوال نکالنے کی بیماری ان میں سے اور سچے لوگوں کو بھولنا چاہتے تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہرگز قریب نکال دیا تھا کہ ان کی ذہنیت کا ثبوت دیا کرتے تھے۔

۱۲۲۔ یہودی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو اپنے سلام اور کلام میں بہرین طریقے سے اپنے دل کا بھاد نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ذہنی افتادہ بناتے، دوسرے کچھ کہتے اور زیر لب کچھ اور کہتے، اور ظاہری ادب و آداب برقرار رکھتے ہوئے درپردہ آپ کی قرین کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھانہ رکھتے تھے۔ قرآن میں آگے چل کر اس کی شدت مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں جس خاص فنک کے استعمال سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے، یہ ایک ذہنی فنک تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کے دوران میں یہودیوں کو کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی کہ تم میرے، خدا میں یہ بات مجھ لینے دیجئے تو وہ سنا دینا کہتے تھے۔ اس فنک کا ایک ظاہری مغرم تو یہ تھا کہ ذرا ہماری رعایت کیجیے یا ہماری بات سن لیجیے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے۔ مثلاً جہاں میں اس سے بڑھ جاتا ایک فنک تھا جس کے معنی تھے سن، تو سہرا ہو جائے۔ اور جو دھڑکی میں اس کے ایک معنی صاحبِ عزت اور بااہلی و احمق کے بھی تھے۔ اور گنگ میں یہ ایسے موقع پر بھی دلا جاتا تھا جب یہ کہنا ہو کہ تم ہماری سنو تو تم ہماری سنیں۔ اور فدا زبان کو نکال دے کہ سنا دینا بھی بنا لیا جاتا تھا جس کے معنی میں ہمارے چہرے ہنسے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم اس فنک کے استعمال سے پرہیز کرو اور اس کے بجائے اُنظُرْنَا لکھا کہ وہ یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیے یا فدا ہمیں سمجھ لینے دیجیے۔ پھر فرمایا کہ توجہ سے بات کو سُنو یعنی یہودیوں کو تو ہمارا

وَاللَّكَفْرَيْنِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۰﴾ مَا يُوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ  
وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ  
يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۱۰۱﴾  
وَأَنْتُمْ مِنْ آيَةِ أَوْنُسِهِمْ نَارَاتٌ يُخَادِمُهَا أَوْ مِثْلُهَا أَلَمْ تَعْلَمْ  
أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۲﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ

یہ کافر قرعذاب الیم کے ستمی ہیں۔ یہ لوگ جنہوں نے دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے  
خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرک ہوں، ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے  
تم پر کوئی بھلائی نازل ہو، مگر اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے جنہیں لیتا ہے اور وہ بڑا  
فضل فرمانے والا ہے۔

ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا کم از کم ایسی  
جی۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی

یہ کس کی مشورت اس لیے پیش آتی ہے کہ وہ نبی کی بات پر توجہ نہیں کرتے اور ان کی تقریر کے دوران میں وہ اپنے ہی خیالات  
میں الجھے رہتے ہیں، مگر تمہیں فوراً سے نبی کی باتیں سننی چاہئیں تاکہ یہ کس کی مشورت ہی نہ پیش آئے۔

۱۰۹ یہ ایک خاص شبہ کا جواب ہے جو یہودی مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا  
اعتراض یہ تھا کہ اگر پہلی کتابیں بھی خدا کی طرف سے آئی تھیں اور یہ قرآن بھی خدا کی طرف سے ہے تو ان کے بعض احکام کی  
جگہ اس میں دوسرے احکام کیوں دیے گئے ہیں، ایک ہی خدا کی طرف سے مختلف وقتوں میں مختلف احکام کیسے ہو سکتے  
ہیں، پھر تمہارا قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہودی اور عیسائی اس تعلیم کے ایک ٹکڑے کو قبول گئے جو انہیں ہی گئی تھی۔ آج  
یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی تعلیم اور وہ مانتوں سے جو یہو وہا سے یہ ساری باتیں وہ تحقیق کی خاطر نہیں بلکہ  
اس لیے کرتے تھے کہ مسلمانوں کو قرآن کے بن کے جانب اللہ جوتے میں شک ہو جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ  
فرماتا ہے کہ میں ہلاک ہوں، میرے امتیازات غیر محدود ہیں اپنے جس حکم کو چاہوں منسوخ کر دوں اور جس چیز کو چاہوں  
مانتوں سے محو کر دوں، مگر جس چیز کو میں منسوخ یا محو کرتا ہوں اس سے بہتر چیز اس کی جگہ پر لاتا ہوں یا کم از کم وہ اپنے



السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّعِيٍّ وَ  
لَا نَصِيرٍ ۝١٧٩ أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَى  
مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ يَأْتِ الْيَمَانَ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ  
السَّبِيلِ ۝١٨٠ وَكَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ  
بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ ۖ مِّنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّ  
لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا ۚ حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ

فرمانِ ربّانی اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے سوا کوئی تمہاری خبر گیری کرنے اور تمہاری مدد کرنے والا نہیں ہے ؟

پھر کیا تم اپنے رسول سے اُس قسم کے سوالات اور مطالبے کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے  
موسیٰ سے کیے جا چکے ہیں؟ حالانکہ جس شخص نے ایمان کی روش کو کفر کی روش سے بدل لیا وہ  
راہِ راست سے بھٹک گیا۔ اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان  
سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں۔ اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے  
حد کی بنا پر تمہارے لیے ان کی یہ خواہش ہے۔ اس کے جواب میں تم غفور و درگزر سے  
کاٹم لو یہاں تک کہ اللہ خود ہی اپنا فیصلہ نافذ کر دے۔ مطمئن رہو کہ اللہ

مقدمہ اتنی ہی مفید اور مناسب ہوتی ہے جتنی پہلی چیز اپنے عمل میں تھی۔

اللہ بیرونی رنکھیاں کر کے طرح طرح کے سوالات مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور انہیں اس کے  
تھے کہ اپنے نبی سے یہ بوجھ اور یہ بوجھ اور یہ بوجھ اس پر اٹھ کر مسلمانوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ اس معاملے میں یہودیوں  
کی روش اختیار کرنے سے بچو۔ اسی چیز پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی مسلمانوں کو بار بار متنبہ فرمایا کرتے تھے کہ قیل قال سے  
اور بال کی کھال نہ اٹھانے سے بچیں! تین تباہ ہو چکی ہیں، تم اس سے پرہیز کرو۔ جن سوالات کو اکثر اور اس کے رد میں نے نہیں چھڑا،

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا  
تُقَدِّمُوا وَلَا تُؤَخِّرُوا ۚ خَيْرٌ لَّكُمْ دُونَ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ  
هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ  
صَادِقِينَ ﴿۱۱۱﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ  
عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾

ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ تم اپنی عاقبت کے لیے جو بھلائی کما کر گئے  
بھیجو گئے اللہ کے ہاں اسے موجود پاؤ گے جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ کی نظر میں ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا عیسائیوں کے  
خیال کے مطابق، عیسائی نہ ہو۔ یہ اُن کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوے  
میں سچے ہو۔ دراصل نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے نہ کسی اور کی۔ حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی  
اطاعت میں سوچ دے اور عملانیک دوش پر چلے اس کے لیے اس کے رب کے پاس اُس کا اجر ہے  
اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا سچ کا کوئی موقع نہیں ہے۔

ان کو کھوج میں نہ لگو۔ پس جو حکم تمہیں دیا جاتا ہے اس کی پیروی کرو اور جن امور سے منع کیا جاتا ہے ان سے ترک جاؤ اور درگاہ  
ہائیں چھوڑ کر کام کی باتوں پر توجہ صرف کرو۔

اللہ یعنی ان کے خدا اور وحدہ کو دیکھ کر مشتعل نہ ہو اپنا توازن نہ کھو بشعرواں سے ہمیشہ اور منظر سے کہنے اور مجاہد  
میں اپنے قیمتی وقت اور اپنے فدا کر دینے والے کو مہر کے ساتھ دیکھتے رہو کہ اللہ کیا کرتا ہے، فضولیات میں اپنی قوتیں صرف کرنے  
کے بجائے خدا کے ذکر اور جہاد کے کاموں میں، انہیں صرف کر دو کہ یہ خدا کے ہاں کام آنے والی چیز ہے نہ کہ وہ۔

اللہ یعنی دراصل یہ ہیں تو محض ان کے دل کی خواہشیں اور آرزوئیں مگر وہ انہیں بیان اس طرح کر رہے ہیں کہ گواہی اور

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ  
لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ  
لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا  
كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ  
أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ  
أَنْ يَدْخُلُوهَا وَلَا يَخْرُجُوا مِنْهَا لَمْ يَأْمُرْ بِالْعُرْيَانِ وَالْجُنَّاتِ وَلَا  
أَنْ يَدْخُلُوهَا وَلَا يَخْرُجُوا مِنْهَا لَمْ يَأْمُرْ بِالْعُرْيَانِ وَالْجُنَّاتِ وَلَا

یہودی کہتے ہیں عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں۔ عیسائی کہتے ہیں یہودیوں کے پاس کچھ نہیں۔  
حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں۔ اور اسی قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب  
کا علم نہیں ہے۔ یہ اختلافات جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں، ان کا فیصلہ اللہ قیامت کے روز کرے گا۔  
اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کے مسجد میں اس کے نام کی یاد سے روکے  
اور ان کی دیرانی کے درپے ہو؟ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور  
اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں۔ ان کے لیے تو دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں  
بہی کچھ ہونے والا ہے۔

۱۱۳ یعنی مشرکین عرب۔

۱۱۴ یعنی سبائے اس کے کہ عبادت گاہیں اس قسم کے ظالم لوگوں کے قبضہ و اقتدار میں ہوں اور یہ ان کے  
مشرقی ہوں، ہونا یہ چاہیے کہ خدا پرست اور خدا ترس لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار ہو اور وہی عبادت گاہوں کے متولی ہیں  
ناکہ یہ مشرک لوگ اگر وہاں جائیں بھی تو انہیں خوف ہو کہ مشرک کریں گے تو سزا پائیں گے۔ یہاں ایک لطیف اشارہ  
کناہ کہ اس ظلم کی طرف سے بھی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو جو اسلام لائے تھے بیت اللہ میں عبادت کرنے  
سے روک دیا تھا۔

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُوا  
فَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا  
سُبْحَنَهُ بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَهٌ قَنُوتٌ ﴿۱۱۵﴾  
بِيَدَيْهِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضُ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ  
فَيَكُونُ ﴿۱۱۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِيلُنَا

عذاب عظیم۔

مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں جس طرف بھی تم رخ کر دو گئے اسی طرف اللہ کا رخ ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

ان کا قول ہے کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ اللہ پاک ہے ان باتوں سے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کی تمام موجودات اس کی ملک ہیں، سب کے سب اس کے مطیع فرمان ہیں، وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے اس کے لیے بس یہ مکم دیتا ہے کہ ہو جا، اور وہ ہو جاتی ہے۔

ناوان کہتے ہیں کہ اللہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی کیوں نہیں

۱۱۵ یعنی اللہ مشرقی ہے نہ غربی۔ وہ تمام سمتوں اور مقاموں کا مالک ہے، مگر خود کسی سمت یا کسی مقام میں مقید نہیں ہے۔ لہذا اس کی عبادت کے لیے کسی سمت یا کسی مقام کو مقرر کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ وہاں یا اس طرف رہتا ہے اور یہ کوئی جگہ لے اور بحث کرنے کے قابل بات ہے کہ پہلے تم وہاں یا اس طرف عبادت کرتے تھے، اب تم نے اس جگہ یا سمت کو کیوں بدل دیا۔

۱۱۶ یعنی اللہ تعالیٰ محدود ہلکتا دل ہلکا نظر اور تنگ دست نہیں ہے جیسا کہ تم لوگوں نے اپنے اور پیاس کے لیے سمجھ رکھا ہے، بلکہ اس کی خدائی بھی وسیع ہے اور اس کا زاویہ نظر اور دائرہ فعل بھی وسیع اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا کونسا بندہ کہاں کس وقت کس نیت سے اس کو یاد کر رہا ہے۔

آيَةُ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ  
قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ  
بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَبَرِثِيمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ  
تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنْ

دکھانا، ایسی ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ ان سب (اگلے پچھلے گمراہوں) کی  
ذہنیتیں ایک جیسی تھیں۔ یقین لانے والوں کے لیے تو ہم نشانیاں صاف صاف نمایاں کر چکے  
ہیں۔ (اس سے بڑھ کر نشانی کیا ہوگی کہ) ہم نے تم کو ملہم حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے  
والا بنا کر بھیجا۔ اب لوگ جہنم سے رشتہ جوڑ چکے ہیں ان کی طرف سے تم ذمہ دار و جوابدہ نہیں ہو۔  
یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقہ پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہو

﴿۱۱۸﴾ اِن كَاٰمَلِبِہٖ فَتَاكُ خَدَايَا تُوَدِّعُہٗ سَاۡمَیْے اَكْرَكُے كہ یہ میری کتاب ہے اور یہ میرے احکام ہیں، تم لوگ  
ان کی پیروی کرو یا پھر میں کوئی ایسی نشانی دکھائی جائے جس سے میں یقین آجائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ  
خدا کی طرف سے ہے۔

﴿۱۱۹﴾ میں آج کے گمراہوں نے کوئی اعتراض اور کوئی مطالبہ یا نہیں گھڑا ہے جو ان سے پہلے کے گمراہ پیش  
نہ کر چکے ہوں۔ قدیم زمانے سے آج تک گمراہی کا ایک ہی مزاج ہے اور وہ بار بار ایک ہی قسم کے شبہات اور اعتراضات  
اور سوالات دہرائی رہتی ہے۔

﴿۱۲۰﴾ یہ بات کہ خدا خود اکرم ہے بات کہیں نہیں کرتا، اس قدر سلیقہ کہ اس کا جواب دینے کی حاجت نہ تھی۔  
جواب صرف اس بات کا دیا گیا ہے کہ میں نشانی کیوں نہیں دکھائی جاتی۔ اور جواب یہ ہے کہ نشانیاں تو بے شمار موجود ہیں، مگر جو  
ماننا چاہتا ہی نہیں اسے آخر کو کسی نشانی دکھائی جا سکتی ہے۔

﴿۱۲۱﴾ یعنی دوسری نظموں کا کیا ذکر نمایاں ترین نشانی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شخصیت ہے۔ آپ کے نعمت  
سے پہلے کے حالات اور اس قرم اور حکاکے حالات جس میں آپ پہلے ہوئے، مودودہ حالات میں جس میں آپ نے ہر درشن پائی اور ہم  
ہم روزمگی بسر کی، اور ہر وہ عظیم الشان کارنامہ جو نبی ہونے کے بعد آپ نے انجام دیا۔ یہ سب کچھ ایک ایسی روشن نشانی ہے،

هُدًى اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي  
جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وِثْقٍ وَلَا تَصِيرُ<sup>(۱۰۰)</sup>  
الَّذِينَ اتَّبَعَتْهُمْ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ  
بِهِمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ<sup>(۱۰۱)</sup>

کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔ ورنہ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے  
پاس آچکا ہے تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی  
دوست اور مددگار تمہارے لیے نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُسے  
اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ وہ اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں  
اور جو اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کریں، وہی اصل میں نقصان اٹھانے والے  
ہیں۔ ۱۰۱

جس کے بعد کسی اور نشانی کی حاجت نہیں رہتی۔

۱۰۰ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی ناراضی کا سبب یہ تو ہے نہیں کہ وہ سچے طالب حق ہیں اور تم نے  
ان کے سامنے حق کو واضح کرنے میں کچھ کمی کی ہے۔ وہ تو اس لیے تم سے ناراض ہیں کہ تم نے اللہ کی آیات اور اس کے  
دین کے ساتھ وہ منافقانہ اور بازاری گروانہ طرز عمل کیوں نہ اختیار کیا، خدا پرستی کے پردے میں وہ خود پرستی کیوں نہ کی،  
دین کے اصول و احکام کو اپنے تخیلات یا اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے میں اس وجہ و دلیل سے کیوں نہ کام لیا،  
دیا کاری اور گندم نہائی و جو فروشی کیوں نہ کی جو خدا کا اپنا شیعوہ ہے۔ لہذا انہیں راضی کرنے کی فکر چھوڑ دو کیونکہ  
جب تک تم ان کے سے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کرو، دین کے ساتھ وہی معاملہ نہ کرنے لگو جو خود یہ کرتے ہیں، اور  
حقائق و اعمال کی انہیں گراہیوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ جن میں یہ مبتلا ہیں اس وقت تک ان کا تم سے راضی ہونا محال ہے۔  
۱۰۱ اہل کتاب کے مصالح و مفاد کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ دیانت اور راستی کے ساتھ خدا کی کتاب  
کو پڑھتے ہیں۔ اس لیے جو کچھ کتاب اللہ کی طرف سے حق ہے اُسے حق مان لیتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِيْل اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ  
عَلَى الْعَالَمِيْنَ ۝۱۲۳ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْعَلِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا  
يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ۝ وَلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ ۝۱۲۴

اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری وہ نعمت جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا، اور یہ کہ میں نے  
تمہیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔ اور فداؤں میں سے جب کوئی کسی کے ذرا کام  
نہ آئے گا، نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ کوئی سفارش ہی آدمی کو فائدہ دے گی، اور نہ مجرموں  
کو کہیں سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔

۱۲۳ یہاں سے ایک دوسرا سلسلہ تقریباً شروع ہوتا ہے جسے مجھے کے لیے حسبِ ذیل امر کو اچھی طرح  
ذہن نشین کر لینا چاہیے :

(۱) حضرت نوح کے بعد حضرت ابراہیم پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے  
لیے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے دیکستان عرب کے مختلف گوشوں تک سفر  
گشت لگا کر اللہ کی اطاعت و فرماں برداری (یعنی اسلام) کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ پھر اپنے مسکن کی اشاعت کے  
لیے مختلف ممالک میں مفید مقرر کیے۔ مشرق اُردن میں اپنے بھتیجے حضرت داؤد کو، شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحاق  
کو، اور اندرونِ عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو مامور کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئی عرصے تک وہ گھر تعمیر کیا جس کا نام  
کہہ دیا اور اللہ ہی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

(۲) حضرت ابراہیم کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں: ایک حضرت اسماعیل کی اولاد جو عرب میں رہی۔ قریش اور  
عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔ اور جو عرب قبیلہ تھا حضرت اسماعیل کی اولاد نہ تھے وہ بھی جو کہ  
اُن کے پھیلائے ہوئے مذہب کے کم دیش متاثر تھے اس لیے وہ اپنا سلسلہ ان سے جڑتے تھے۔ دوسرے حضرت اسحاق  
کی اولاد جن میں حضرات یعقوب، یوسف، موسیٰ، داؤد، سلیمان، یحییٰ عیسیٰ اور بہت سے نبیا عظیم السلام پیدا ہوئے اور  
جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، حضرت یعقوب کا نام چو کہ اسرائیل تھا اس لیے نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔  
اُن کی تالیف سے جن دوسری قوموں نے اُن کا دین قبول کیا انہوں نے یا تو اپنی انفرادیت ہی اُن کے اندر گم کر دی، یا تو  
نہ لانا اُن سے الگ رہے، مگر دین اُن کے متبع رہے۔ اسی شاخ میں جب یسوعی و متزل کا دوسرا باور پہلے میر دیت پیدا  
ہوئی اور پھر مسیحیت نے جنم لیا۔







(۳) حضرت ابراہیم کا اہل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا۔ وہ خود اللہ کے مطیع تھے، اس کے دیے ہوئے علم کی پیروی کرتے تھے، دنیا میں اس علم کو بھیتاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ مسلمانانِ مالک کائنات کے مطیع ہو کر رہیں۔ یہی خدمت تھی جس کے لیے وہ دنیا کے امام دہشتا بنائے گئے تھے۔ ان کے بعد یہ امامت کا منصب ان کی نسل کی پہلی شاخ کے بارہوی حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب سے چلی اور بنی اسرائیل کو ملانی۔ اسی میں انبیا پیدا ہوتے رہے، اسی کو راہِ امامت کا علم دیا گیا، اسی کے پیرو یہ خدمت کی گئی کہ اس راہِ امامت کی طرف اقوامِ عالم کی ہدایت فرمائیں، اور یہی وہ نعمت تھی جسے اللہ تعالیٰ بار بار اس نسل کے لوگوں کو یاد دلایا ہے۔ اس شاخ نے حضرت سلیمان کے زمانے میں بیت المقدس کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اس لیے جب تک یہ شاخ امامت کے منصب پر قائم رہی بیت المقدس ہی دعوتِ الی اللہ کا مرکز اور افلا پیڑوں کا قبلہ رہا۔

(۴) پچھلے دس رکوعوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے ان کی تاریخی فرو قرار اور مجرم اور ان کی وہ موجودہ حالت جو نزولِ قرآن کے وقت تھی بے کلمہ کا ست پرش کر دی ہے اور ان کو بتا دیا ہے کہ تم ہماری مٹاؤٹ کی انتہائی ناقدی کر چکے ہو جو ہم نے تمہیں دی تھی۔ تم نے صرف یہی نہیں کیا کہ منصبِ امامت کا حق ادا کرنا چھوڑ دیا بلکہ خود بھی حق ادا سنی سے پھر گئے، اور اب ایک نہایت قلیل غصہ صلح کے سوا تمہاری پوری امت میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔

(۵) اس کے بعد بلا نہیں بتایا جا رہا ہے کہ امامت ابراہیم کے نطفے کی میوٹ نہیں ہے بلکہ یہ اس کی ہی اطاعت و فرماں برداری کا پہل ہے جس میں ہمارے اس بندے نے اپنی ہستی کو گم کر دیا تھا، اور اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو ابراہیم کے طریقے پر خود مجلس اور دنیا کو اس طریقے پر چلانے کی خدمت انجام دیں۔ چونکہ تم اس طریقے سے ہٹ گئے ہو اور اس خدمت کی اہلیت پوری طرح گم ہو چکے ہو لہذا تمہیں امامت کے منصب سے معزول کیا جاتا ہے۔

(۶) ساتھ ہی اشاروں اشاروں میں یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ جو طبرہ اسرائیلی قبیلہ موسیٰ اللہ علیہ السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم کے ساتھ اپنا تعلق جوڑتی ہیں وہ بھی ابراہیمی طریقے سے بنی ہوئی ہیں۔ نیز مشرکین عرب بھی جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے اپنے تعلق پر فخر کرتے ہیں محض نسل و نسب کے فخر کو لیے بیٹھے ہیں۔ ورنہ ابراہیم و اسماعیل کے طریقے سے اہلِ کلمہ کا واسطہ بھی نہیں رہا ہے۔ لہذا ان میں سے بھی کوئی امامت کا مستحق نہیں ہے۔

(۷) پھر یہ بات ارشاد ہوتی ہے کہ اب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ بنی اسماعیل میں وہ رسول پیدا کیا ہے جس کے لئے ابراہیم و اسماعیل نے دعا کی تھی۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق و یعقوب اور دوسرے تمام انبیا کا تھا۔ وہ اور اس کے پیرو تمام ان پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں جو دنیا میں خدائی طرف سے آئے ہیں اسلامی طاقت کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں جس کی طرف سامعہ انبیا و حمت دیتے چلے آئے ہیں۔ لہذا اب امامت کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی پیروی کریں۔

(۸) تبدیلِ امامت کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی ہدیٰ طہرہ پر تعزیر قبلہ کا اعلان ہونا بھی ضروری تھا۔ جب تک

وَإِذْ ابْتَلَا إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُمُنَّ قَالَ لِنِىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ  
إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِيْنَ ۝۱۲  
جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِرِ

یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا آگیا تو  
اس نے کہا میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے عرض کیا: اور کیا میری اولاد  
سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اس نے جواب دیا: میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔  
اور یہ کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا

بنی اسرائیل کی امامت کا دور تھا بیت المقدس مرکزِ دعوت رہا اور وہی قبلہٴ اہل حق بھی رہا۔ خود نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم  
اور آپ کے پیرو بھی اس وقت تک بیت المقدس ہی کو قبلہ بناتے رہے۔ مگر جب بنی اسرائیل اس منصب کے باضابطہ معزول  
کر دیے گئے تو بیت المقدس کی مرکزیت آپ کے آپ ختم ہو گئی۔ لہذا اعلان کیا گیا کہ اب وہ مقام دین الہی کا مرکز بنے جس  
اس رسول کی دعوت کا ظہور ہوا ہے۔ اور جو مکہ ابتدا میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا مرکز بھی ہی مقام تھا اس لیے اہل کتاب  
اور مشرکین کسی کے لیے بھی تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ قبلہ ہونے کا زیادہ حق کبھی کو نہ پتا ہے۔ ہٹ دھرمی  
کی بات دوسری ہے کہ وہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی احترام کیے چلے جائیں۔

(۹) امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت اور کعبے کی مرکزیت کا اعلان کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو کعبہ  
سے آخر سورہ بقرہ تک سلسل اس امت کو وہ ہدایات دی ہیں جن پر اسے عمل پیرا ہونا چاہیے۔

۱۲۴ فرقان میں مختلف مقامات پر ان تمام سخت آزمائشوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے جن سے گزر کر حضرت ابراہیم نے  
اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کیا تھا کہ انہیں ہی نوع انسان کا امام و رہنما بنایا جائے۔ جس وقت سے حق ان پر شکست ہوا،  
سن وقت سے لے کر مرتے دم تک ان کی پوری زندگی سراسر قربانی ہی قربانی تھی۔ دنیا میں جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان  
بست کرتا ہے ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم نے حق کی خاطر قربان نہ کیا ہو اور دنیا میں جتنے ظلمات  
ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے ان میں سے کوئی خطرہ ایسا نہ تھا جسے انھوں نے حق کی راہ میں نہ جھیلنا ہو۔

۱۲۵ یعنی یہ وعدہ تمہاری اولاد کے صرف اُس حصے سے متعلق رکھتا۔ پھر صراحت ہو۔ ان میں سے جو ظالم ہیں،  
ان کے لیے یہ وعدہ نہیں ہے۔ اس سے یہ بات خود ظاہر ہو جاتی ہے کہ گمراہ ہود اور مشرک بنی اسماعیل اس وعدہ  
کے مصداق نہیں ہیں۔

لَذُرُّهُمْ مُصَلًّىٰ وَوَعَدْنَا إِلَىٰ آيَاتِهِمْ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهَّرَ أَبَيْتِي  
لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۳۱﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ  
رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ  
آمَنَ مِنْهُمْ يَأْتِيهِمُ اللَّهُ وَالْيَوْمُ الْأَخِيرُ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمِّيئُهُ  
قَلِيلًا ثُمَّ اضْطَرَّةً إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَيَسَّ الْمَصِيرُ ﴿۱۳۲﴾

کہ ابراہیم جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو، اور ابراہیم اور اسماعیل کو  
ناکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور احکامات اور کعبہ اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔  
اور یہ کہ ابراہیم نے دعا کی: اے میرے رب، اس شہر کو امن کا شہر بنا دے، اور اس کے  
باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا لذت دے۔ جواب میں اس کے  
رہنے فرمایا: اور جو مانے گا، دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اُسے بھی دوں گا، مگر آخر کار  
اُسے عذاب جہنم کی طرف گھسیٹوں گا، اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

۱۳۱؎ پاک رکھنے سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ کوئی رکن سے اُسے پاک کھا جائے۔ خدا کے گھر کی ہل  
پاکی یہ ہے کہ اس میں خدا کے ہر اسم کا نام بلند نہ ہو جس نے خاندانِ محمدیؐ خدا کے سرگئی سرگئی ایک مہجور، حاجت روا اور زیارت  
کی حیثیت سے پکارا اس نے حقیقت میں اُسے گنہگار کر دیا۔ یہ آیت ایک نہایت لطیف طریقے سے مشرکین قریش کے جہم کی طرف  
اشارہ کر رہی ہے کہ یہ ظالم لوگ ابراہیم اور اسماعیل کے عمارت ہونے پر فخر کرتے ہیں مگر دراصل کافروں اور کفر کے بجائے  
اُن اس حق کو پا مال کر رہے ہیں۔ لہٰذا جو وعدہ ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا اُس سے جس طرح بنی اسرائیل مستثنیٰ ہو گئے ہیں،  
اسی طرح یہ مشرک کفار بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۱۳۲؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب مغیبات کے متعلق پوچھا تھا تو ارشاد ہوا تھا کہ اس منصب کا وعدہ  
تمہاری اولاد کے صرف مومن و صالح لوگوں کے لیے ہے ظالم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے  
عاکر نے گئے تو سابق قرآن کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے صرف اپنی مومن اولاد ہی کے لیے دعا کی، مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس  
مذہبی کو فوراً رفع فرما دیا اور انہیں بتایا کہ امامت ماحمد اور خیر ہے اور مذہبی دنیا دوسری چیز۔ امامت ماحمد صرف مومنین

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا  
 إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۵﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ  
 ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ  
 أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۶﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ  
 آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ  
 الْحَكِيمُ ﴿۱۲۷﴾ وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مِنْ سَفَاهَةٍ لِّنَفْسِهِ

۱۱۳

اور یہ کہ ابراہیم اور اسماعیل جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے:  
 "اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے، تو سب کی سُننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔  
 اے رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم و مطیع فرمانا، اپنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو،  
 ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا  
 اور رحم فرماتے والا ہے۔ اور اے رب، ان لوگوں میں خود تھیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھاؤ،  
 جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوائے۔  
 تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔" ۷

اب کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو  
 حماقت و جہالت میں مبتلا کر لیا جو اس کے سوا اور کون یہ حکمت کر سکتا ہے؟

صالحین کو ملے گی، مگر زبیری دنیاویوں کا غریب کو دیا جائے گا۔ اس سے یہ بات خود بخود نکل آئی کہ اگر کسی کو زبیری دنیا فراموشی کے ساتھ  
 لے رہا ہو تو وہ اس غلط فہمی میں نہ پڑے کہ اللہ اس سے راضی بھی ہے اور یہی خدا کی طرف سے جیشی کا مستحق بھی ہے۔

۲۸ھ زندگ سنوائے میں خیالات، اخلاق، معاشرت، تمدن، سیاست، مفرض ہرچیز کو سنانا شامل ہے۔

۲۹ھ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہ اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا جواب ہے۔

وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۲۹﴾  
 إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلَمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۰﴾ وَوَضَىٰ  
 بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يُبْنِي ۖ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ  
 فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۱﴾ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ  
 يَعْقُوبَ الْمَوْتَ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا  
 نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالِلّٰهِ أَبَائُكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا

ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لیے چن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار  
 صالحین میں ہوگا۔ اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا: "مسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا:  
 "میں مالک کائنات کا مسلم ہو گیا۔" اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اس نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی  
 وصیت یعقوبؑ اپنی اولاد کو کر گیا۔ اس نے کہا تھا کہ میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند  
 کیا ہے لہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔ پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ اس دنیا سے رخصت  
 ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: "بچو! میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟" ان  
 سب نے جواب دیا: "ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے

ﷺ: وہ جو خدا کے آگے ہر طاقت ختم کر دے، خدا ہی کو اپنا مالک آقا، حاکم اور مہر دہان لے، جو اپنے  
 آپ کو بالکل خدا کے سپرد کر دے اور اُس ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرے جو خدا کی طرف سے آئی ہو، جس جہد سے  
 اور اس طرز عمل کا نام اسلام ہے اور یہی تمام نبیا کا دین تھا جو ابتدائے آفرینش سے دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں  
 میں آئے۔

۱۳۱۔ حضرت یعقوب کا ذکر خاص طور پر اس لیے فرمایا کہ بنی اسرائیل براہِ راست نہیں کی اولاد تھے۔

۱۳۲۔ دین، یعنی طریق زندگی، نظام حیات، وہ آئین جس پر انسان دنیا میں اپنے لیے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کی بنیاد رکھے۔

وَاحِدًا يَتَوَخَّنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٠﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا  
كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَنْهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١﴾ وَقَالُوا  
كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا

فدا مانا ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں:

دو کچھ لوگ تھے جو گزر گئے جو کچھ انہوں نے کیا یا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم  
کاؤ گے وہ تمہارے لیے ہے۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

یہودی کہتے ہیں یہودی ہر توراء راست پاؤ گئے۔ عیسائی کہتے ہیں عیسائی ہو تو ہدایت  
ملے گی۔ ان سے کہو: "نہیں، بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم کا طریقہ۔ اور ابراہیم مشرکوں

۱۱۳:۱۱۳ بائبل میں حضرت یسوع کی وفات کا حال بڑی تفصیل سے لکھا گیا ہے، مگر حیرت ہے کہ اس میت کا کوئی  
ذکر نہیں ہے۔ البتہ تلمود میں جو مستقل وصیت درج ہے اس کا مضمون قرآن کے بیان سے بہت مشابہ ہے۔ اس میں حضرت  
یسوع کے یہ الفاظ ہیں ملتے ہیں:

"خداوند اپنے خدا کی بندگی کرتے رہنا، وہ تین سو طرح تمام آفات سے بچائے گا جس طرح تمہارے  
آباء اہلاد کو بچاتا رہا ہے۔ ..... اپنے بھل کو خدا سے محبت کرنے اور اس کے احکام بجالانے کی تعلیم  
دینا تاکہ ان کی ملت زندگی عدا ہو، کیونکہ خدا ان لوگوں کی حفاظت کرتا ہے جو حق کے ساتھ کام کرتے  
ہیں اور اس کی راہوں پر ٹھیک ٹھیک چلتے ہیں۔" جواب میں ان کے لاکھوں نے کہا: "جو کچھ آپ نے  
ہدایت فرمائی ہے ہم اس کے مطابق عمل کریں گے خدا ہمارے ساتھ ہے! تب میرے بچے کہا: "مگر تم خدا کی  
مدد سے راہ سے فائیں یا بائیں نہ ملو گے! تو خدا ضرور تمہارے ساتھ رہے گا۔"

۱۱۳:۱۱۳ یعنی اگر تم ان کی اولاد ہو تو حقیقت میں تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا نام لینے کا تمہیں کیا حق  
ہے جبکہ تم ان کے طریقے سے پھر گئے۔ اللہ کے ان تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادا کیا کرتے تھے بلکہ یہ پوچھا  
جائے گا کہ تم خود کیا کرتے رہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے کیا یا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم کاؤ گے وہ تمہارے لیے ہے، یہ قرآن کا ماننا  
انہذا۔ بیان ہے۔ ہم جس چیز کو فعل یا عمل کہتے ہیں، قرآن اپنی زبان میں اسے کسب یا کمائی کہتا ہے۔ ہمارا عمل اپنا ایک ایسا

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ  
 إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعٖلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى  
 وَعِيسٰى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ

میں سے نہ تھا۔ مسلمانوں کو کہہ: ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے  
 اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوتی تھی اور جو موسیٰ اور  
 عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق  
 یا بڑبڑدہ رکھتا ہوں جو خدا کی خوشنودی یا ناخوشی کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ وہی نتیجہ ہماری کسی فی ہے۔ چونکہ قرآن کی نگاہ میں  
 اہل ایمان ہی پیغمبر ہیں اس لیے اکثر ہمارے کاموں کو عمل و فعل کے الفاظ سے تعبیر کرنے کے بجائے کتب کے  
 فقرے تعبیر کرتا ہے۔

۱۳۵۔ اس جواب کی لطافت سمجھنے کے لیے دو باتیں نگاہ میں رکھیے :

ایک یہ کہ یہودیت اور عیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں۔ یہودیت "پنپنے" نام اور اپنی مذہبی خصوصیات اور  
 رسوم و عادات کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئی۔ اور عیسائیت جن عقائد اور مخصوص مذہبی عقائد کے مجموعے  
 کا نام ہے وہ حضرت مسیح کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئے ہیں۔ اب یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدمی کے بغیر  
 جہنم کا دارمیریت یا عیسائیت اختیار کرنے ہی پر ہے تو حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء اور نیک و گواران مذہبوں  
 کی پیدائش سے صدیوں پہلے پیدا ہوتے تھے اور جن کو خود یہودی اور عیسائی بھی ہدایت یافتہ مانتے ہیں وہ آخر کس چیز سے  
 ہدایت پاتے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ میریت اور عیسائیت نہ تھی۔ لہذا یہ بات آپ سے آپ واضح ہو گئی کہ انسان کے  
 ہدایت یافتہ ہونے کا داران مذہبی خصوصیات پر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ یہودی اور عیسائی وغیرہ مختلف فرقے بنے  
 ہیں، بلکہ وہ اہل ماس کا دارائیں عالمگیر صراطِ مستقیم کے اختیار کرنے پر ہے جس سے ہر زمانے میں انسان ہدایت پاتے  
 رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ خود یہود و نصاریٰ کی اپنی مقدس کتابیں ماس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت ابراہیم ایک اللہ کے سوا کسی کو  
 کی پرستش، تقدیس، بندگی اور اطاعت کے قائل نہ تھے اور ان کا شریعتی یہ تھا کہ خدائی کی صفات و خصوصیات میں اللہ  
 کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔ لہذا یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہودیت اور نصرانیت دونوں ماس راہِ راست سے منحرف  
 ہو گئی ہیں جس پر حضرت ابراہیم چلتے تھے، کیونکہ ان دونوں میں شرک کی ہمیشہ موجود رہی ہے۔



مِنْهُمْ وَيُخَوِّنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۷﴾ كَوْنِ اٰمِنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهِ  
فَقَدْ اِهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكُمْهُمُ اللّٰهُ  
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۸﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغًا

نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔

پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو ہدایت پر ہیں، اور اگر اس سے موخہ  
پھیریں تو مکمل بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں۔ لہذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلے میں  
اللہ تمہاری حمایت کے لیے کافی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

کو: اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا؟

۱۳۷ پیغمبروں کے درمیان تفریق نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے درمیان اس معاملے سے فرق نہیں کرتے  
کہ فلاں حق پر تھا اور فلاں حق پر نہ تھا یا یہ کہ ہم فلاں کو مانتے ہیں اور فلاں کو نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ فلاں کی طرف سے جتنے  
پیغمبر بھی آئے ہیں سب کے سب ایک ہی صداقت اور ایک ہی راہ و راست کی طرف ہلانے آئے ہیں۔ لہذا جو شخص صحیح معنی میں حق  
پرست ہے اُس کے لیے تمام پیغمبروں کو برقی تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ جو لوگ کسی پیغمبر کو مانتے اور کسی کا انکار کرتے ہیں جو حقیقت  
میں اُس پیغمبر کے بھی پیرو نہیں ہیں جیسے وہ مانتے ہیں، کیر نکرا انہوں نے دراصل اُس عالمگیر مبراہ مستقیم کو نہیں پایا ہے جسے حضرت  
موسیٰ یا عیسیٰ یا کسی دوسرے پیغمبر نے پیش کیا تھا، بلکہ وہ محض باپ دادا کی تقلید میں ایک پیغمبر کو مان رہے ہیں۔ اُن کا اصل  
مذہب نسل پرستی کا تقبیل و تاذا جہاد کی اندھی تقلید ہے نہ کہ کسی پیغمبر کی پیروی۔

۱۳۸ اس آیت کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے دوسرے یہ کہ اللہ کا رنگ  
اختیار کرو۔ مسیحیت کے طور پر پہلے یہودیوں کے ہاں یہ رسم تھی کہ جو شخص اُن کے مذہب میں داخل ہوتا تھا اسے غسل دیتے تھے  
اور اس غسل کے معنی ان کے ہاں یہ تھے کہ اگر اس کے گناہ و مل گئے ہوں تو اس نے زندگی کا ایک نیا رنگ اختیار کر لیا ہے جو چیز بد  
میں سے جو ان کے مذہب میں داخل ہوتے ہیں انکو ہٹا دیا جاتا ہے۔ اس کا اصطلاحی نام ان کے ہاں اصطلاح و پستہ ہے اور اصطلاح نہ صرف اُن لوگوں کو دیا جاتا  
ہے جو ان کے مذہب میں داخل ہوتے ہیں بلکہ بچوں کو بھی دیا جاتا ہے۔ اسی کے متعلق قرآن کہتا ہے: اِس مَعْنٰی صِبْغًا  
میں کیا رکھا ہے؟ اور اللہ کا رنگ اختیار کرو جو کسی پانی سے نہیں چڑھتا بلکہ اس کی بندگی کا طریقہ اختیار کرنے سے  
چڑھتا ہے۔

وَنَحْنُ لَهُ عِيدُونَ ﴿۱۶۸﴾ قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَ  
لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۱۶۹﴾ أَمْ يَقُولُونَ  
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ  
نَصَارَىٰ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً

اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں۔

۱۶۸۔ نبیؐ ان سے کہو: کیا تم اللہ کے باسے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی ہے ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں، تمہارے اعمال تمہارے لیے، اور ہم اللہ ہی کے لیے اپنی بندگی کو خالص کر چکے ہیں۔ کیا پھر کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ سب کے سب یودی تھے یا نصرانی تھے؟ کہو: تم زیادہ جانتے ہو یا اللہؑ؟ اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور

۱۶۹۔ یعنی ہم یہی تو کہتے ہیں کہ اللہ ہی ہم سب کا رب ہے، اللہ ہی کی فرمانبرداری ہونی چاہیے۔ کیلئے بھی کوئی ایسی بات ہے کہ اس پر تم ہم سے جھگڑا کرو؟ جھگڑنے کا اگر کوئی موقع ہے بھی تو وہاں ہے جسے نہ کہ تمہارے لیے کیونکہ اللہ کے سوا دوسروں کو بندگی کا حق تم پر نہیں ہے جو کہ ہم۔

۱۷۰۔ اُتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِؑ کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا تمہارا جھگڑا ہمارے ساتھ فی سبیل اللہ ہے؟ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اگر واقعی تمہارا یہ جھگڑا انسانی نہیں ہے بلکہ خدا واسطے کلے پڑے بڑی ہمتانی سے طے ہو سکتا ہے۔

۱۷۱۔ یعنی تم اپنے اعمال کے ختمے دار ہو اور ہم اپنے اعمال کے۔ تم نے اگر اپنی بندگی کو تقسیم کر دیا ہے اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی خدائی میں شریک ٹھہرا کر ان کی پرستش اللہ طاقت جیالائے جزوقسمیں اس کرنے کا امتیاز نہیں اس کا انجام خود کو دے گا۔ ہم تمہیں بردستی اس سے روکنا نہیں چاہتے لیکن ہم نے اپنی بندگی، اطاعت اور پرستش کو بالکل اللہ ہی کے لیے خالص کر لیا ہے۔ اگر تم تسلیم کرو کہ ہمیں بھی اس بارے میں اختیار ہے تو خواہ مخواہ جھگڑنا آپ ہی ختم ہو جائے۔

۱۷۲۔ یہ خطاب یہود نصرانی کے اُن جاہل غلام سے ہے جو واقعی اپنے نزدیک یہ سمجھتے تھے کہ یہیں اللہ دنیا کے سب یودی یا عیسائی تھے۔

عِنْدَكَ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۶﴾ تِلْكَ أَمَّةٌ قَدْ خَلَتْ  
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۷﴾  
سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ هَذَا عَنْ قِبَلِهِمُ الْمَوْتُ  
كَانُوا عَلَيْهَا قُلُوبٌ لَّيْثٌ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ  
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۳۸﴾ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا

وہ اُسے چھپاتے، تمہاری حرکات سے اللہ غافل تو نہیں ہے۔ وہ کچھ لوگ تھے جو گزر چکے ان کی  
کمانی ان کے لیے تھی اور تمہاری کمانی تمہارے لیے تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔  
نادان لوگ ضرور کہیں گے: انہیں کیا ہوا کہ پہلے جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے  
تھے اس سے یکایک پھر گئے؟ اے نبی! ان سے کہو: مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں، اللہ جسے  
چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمت وسط بنا دیا ہے

۱۳۶ یہ خطاب ان کے عدا سے ہے جو خود بھی اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے کہ یہودیت اور مسیحیت اپنی  
مروجہ خصوصیات کے ساتھ بہت بعد میں پیدا ہوئی ہیں، مگر اس کے باوجود وہ حق کو اپنے ہی فرقوں میں محدود سمجھتے تھے  
اور ہم کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرتے تھے کہ دنیا کے دونوں ہند جو عہد سے جو طریقے اور جو اجتماعی مناجات اور قاضی  
ان کے فقہاء، صوفیاء اور متکلمین نے وضع کیے انہیں کی پیروی پر انسان کی فلاح اور نجات کا دار ہے۔ ان علما سے جب  
پوچھا جاتا تھا کہ اگر یہی بات ہے تو حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب خیرہ انبیا علیہم السلام آخر تمہارے ان فرقوں میں سے  
کس سے تعلق رکھتے تھے، تو وہ اس کا جواب دینے سے گریز کرتے تھے کیونکہ ان کا علم انہیں یہ کہنے کی قیادت نہ دیتا  
تھا کہ ان بزرگوں کا تعلق پہلے ہی فرقے سے تھا، لیکن اگر وہ صاف الفاظ میں یہ انہیں کہہ دیتا تو یہودی تھے نہ عیسائی  
تو پھر ان کی جنت ہی ختم ہو جاتی تھی۔

۱۳۷ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مولد یا سترو مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے  
نماز پڑھتے رہے پھر کبھی کی طرف مومنہ کے نماز پڑھنے کا حکم آیا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

۱۳۸ یہ ان نادانوں کے اعتراض کا پہلا جواب ہے۔ ان کے دماغ تنگ تھے، نظر محدود تھی، نعمت اور

## لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

مقام کے بندے بنے ہوئے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ خدا کسی خاص نعمت میں مُعْتَد ہے۔ اس لیے سب پہلے ان کے جاہلانہ اعتراض کی تردیدیں ہی فرمایا گیا کہ مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ کسی سمت کو قبلہ بنانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ کسی طرف ہے۔ جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے وہ اس قسم کی تنگ نظریوں سے بالاتر ہوتے ہیں اور ان کے لیے عالمگیر حقیقتوں کے ادراک کی راہ کھل جاتی ہے۔ (ماخذ ہر ماثیہ ۱۱۵ و ۱۱۶)

۱۱۳؎ یہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کا اعلان ہے۔ اسی طرح کا اشارہ دونوں طرف ہے: اللہ کی اس رہنمائی کی طرف بھی جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی قبول کرنے والی کو سیدھی راہ معلوم ہوئی اور وہ ترقی کرتے کرتے ہم متبع پر پہنچے کہ اُمت وسط قرار دیے گئے، اور قبولِ قبلہ کی طرف بھی کہ نادان اسے معنی ایک نعمت سے دوسری نعمت کی نظر پھرنا سمجھ رہے ہیں حالانکہ دراصل بیت المقدس سے کبھی کی طرف تہمت قبلہ کا پھرنا یا سنی رکھتا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو نبی کی پیشوائی کے منصب کے باضابطہ معزول کیا اور اُمت محمدیہ کو اس پر فائز کر دیا۔

۱۱۴؎ اُمت وسط کا لفظ اس قدر صحیح معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشراف گروہ ہے جو عدل و انصاف اور عدل کی روش پر قائم ہو، جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق تار و اتقاق کسی سے نہ ہو۔

پھر یہ جو فرمایا کہ تین اُمت وسط اس لیے بنایا گیا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوجوانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا اس وقت رسول جماعے فہمہ دار حاضر سے کی حیثیت سے تم پر گواہی دے گا کہ فکرِ صحیح اور عملِ صالح اور نظامِ عدل کی جو تعلیم ہم نے اُسے دی تھی وہ اس نے تم کو بے کم و کاست پوری کی پوری پہنچا دی اور مثلاً اس کے مطابق کام کر کے دکھا دیا۔ اس کے بعد رسول کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم کو نام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اُٹھنا ہو گا اور یہ شہادت دینی ہو گی کہ رسول نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا وہ تم نے انہیں پہنچانے میں، اور جو کچھ رسول نے تمہیں دکھایا تھا وہ تم نے انہیں دکھانے میں اپنی جانک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اس طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت اس کا امامت اور پیشوائی کے مقام پر مقرر کیا جانا ہے۔ اس میں جانِ فیضیت اور سرِ فرازی ہے وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا ہار بھی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت کے لیے خلافتی، راست دہی، علامت اور حق پستی کی زندہ شہادت بنے اسی طرح اس امت کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بننا چاہیے، حتیٰ کہ اس کے قول اور عمل اور

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعِ  
الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ۚ وَلَئِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا  
عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ طُومًا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ أَيْمَانَكُمْ ۚ

پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون  
رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔ یہ معاملہ تھا تو بڑا سخت گراں لوگوں کے لیے کچھ سخت  
نہ ثابت ہوا جو اللہ کی ہدایت سے فیض یاب تھے۔ اللہ تمہارے اس ایمان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا،

برتاؤ ہر چیز کو دیکھ کر دنیا کو معلوم ہو کہ خدا کی اس کا نام ہے، راست روی یہ ہے، عداوت اس کو کہتے ہیں اور حق پرستی ایسی  
ہوتی ہے۔ پھر اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ جس طرح خدا کی ہدایت ہم تک پہنچانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنے دہری  
بڑی سخت تھی، حتیٰ کہ اگر وہ اس میں فدا کی گئی بھی کرتے تو خدا کے دامن ماخوذ ہوتے، اسی طرح دنیا کے مالم نساں تک اس  
ہدایت کو پہنچانے کی نہایت سخت فتنے دہری ہم پر ماند مرتی ہے۔ اگر ہم خدا کی عداوت میں واقعی اس بات کی شہادت نہ دے سکے  
کہ ہم نے تیری ہدایت جو تیرے رسول کے ذریعے سے ہمیں پہنچی تھی تیرے بندوں تک پہنچانے میں کوئی گڑباد بھی نہیں کی ہے تو ہم  
بت بڑی طرح چکے نہ ہائیں گے اور یہی امامت کا فخر ہمیں دامن دے گا۔ یہاں امامت کے دور میں ہماری واقعی کوتاہیوں  
کے سبب خیال اور عمل کی جتنی گڑبادیں ہوئیں اور جتنے فساد اور فتنے خدا کی زمین میں روپا ہوئے ہیں ان سب کے لیے اللہ شہر  
اور شہا پٹن اس جہنم کے ساتھ ساتھ ہم بھی ماخوذ ہوں گے۔ ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب انیاں صحیت فہم اور گمراہی کا یہ طعن  
برپا تھا تو تم کہاں سر گئے تھے۔

۱۲۵ یعنی اس سے متعویذ کیسے تھا کہ کون لوگ ہیں جو جاہلیت کے تعقیبات اور خاک خون کی غلامی میں مبتلا

ہیں اور کون ہیں جہان بند دشمن سے آزاد ہو کر حقان کا صحیح ادواک کرتے ہیں۔ ایک طرف اہل عرب اپنے وطنی وطنی دشمنوں  
جنتائے اور عرب کے لیے کچھ بڑا کراہے کے بیت المقدس کو قبلہ بنانا ان کی اس قوم پرستی کے بُت پہنا قابل برداشت ضرب  
تھا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل اپنی پس پرستی کے خرد میں پھنسے ہوئے تھے اور اپنے آبائی قبلہ کے سوا کسی دوسرے قبلہ کو  
برداشت کرنا ان کے لیے محال تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بُت جن لوگوں کے دلوں میں بے ہونے ہوں اس واسطے پر کیے چل  
سکتے تھے جس کی طرف اللہ کا رسول انہیں بلاتا تھا۔ اس لیے اللہ نے ان بُت پرستوں کو سچے حق پرستوں سے الگ  
چھانٹ دینے کے لیے پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تاکہ جو لوگ عورت کے بُت کی پرستش کرتے ہیں وہ الگ جائیں  
پھر اس قبلہ کو چھوڑ کر کچھ کو قبلہ بنایا تاکہ جو اسوئیلیت کے پرستار ہیں وہ بھی الگ ہو جائیں۔ اس طرح صرف وہ لوگ

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَءَوْفٌ رَّحِيمٌ ۝ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ  
فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ  
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

یقین جانو کہ وہ تم لوگوں کے حق میں نہایت شفیق و رحیم ہے۔

یہ تمہارے مومنہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو، ہم اُسی قبلہ کی طرف  
تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں  
تم ہو اُسی کی طرف مومنہ کر کے نماز پڑھا کر دو۔

رسول کے ساتھ رہ گئے جو کسی بُت کے پرست نہ تھے، معنی خدا کے پرستار تھے۔

۱۳۷؎ یہ ہے وہ اہل مکہ جو تخیل قبلہ کے ہائے میں دیا گیا تھا یہ حکم جب یا شہاب بن مسہرہ جری میں نازل ہوا۔  
ابن سعد کی روایت ہے کہ بنی مصلیٰ اشد علیہ وسلم بشریٰ بن ہارث بن عمرو کے ہاں دعوت پڑ گئے ہوئے تھے۔ جہاں عمر کا وقت بھی  
اور آپ لوگوں کو نماز پڑھانے کو نہ ہوئے۔ دور کتبیں پڑھا چکے تھے کہ تیسری رکعت میں چاکب وحی کے ذریعے سے یہایت  
نازل ہوئی اور اسی وقت آپ اور آپ کی اقتداء میں جماعت کے تمام لوگ بیت المقدس سے کعبہ کے رخ پھر گئے۔ اس کے بعد  
میں اور اطراف مدینہ میں اس کی عام منادی کی گئی۔ ہزاروں عازب کتبہیں کہ ایک جگہ منادی کی آواز اس حالت میں بھی کہ لوگ  
دکور میں تھے حکم سنتے ہی کعبہ سب اسی حالت میں کعبہ کی طرف مڑ گئے۔ انہی میں مانک کتبہ ہیں کہ بنی مصلیٰ سے اطلاع دے گئے  
میں کی فائدہ کے وقت پہنچی۔ لوگ ایک رکعت پڑھ چکے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز پڑی خبردار رہو، قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف کرنا  
ہے۔ سنتے ہی پوری جماعت نے اپنا رخ بدل دیا۔

خیال رہے کہ بیت المقدس دینے سے میں شمال میں ہے لہذا مکہ اہل جنوب میں۔ نماز باجماعت پڑھتے ہوئے قبلہ تبدیل  
کرنے میں لامحالہ امام کو چل کر مقتدیوں کے پیچھے اپنا رخ اٹھا اور مقتدیوں کو صرف رخ ہی بدلا دینا پڑا جو گاؤں گاؤں کہیں کہیں انہیں بھی چل کر  
اپنی صفیں درست کرنی پڑی ہوں گی چنانچہ بعض روایات میں یہی تفصیل مذکور بھی ہے۔

ادیدہ جو فرمایا کہ ہم تمہارے مومنہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اور یہ کہ ہم اُسی قبلہ کی طرف تیس پیرے  
دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تخیل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے بنی مصلیٰ اشد علیہ وسلم اس کے  
فکر کرتے۔ آپ خود یہ محسوس فرمایا ہے کہ بنی مصلیٰ کی عادت کا فوٹم ہر جگہ ہوا اس کے ساتھ بیت المقدس کی حرکیت  
بھی رخصت ہوئی۔ اب اہل مرکز ابراہیم کی طرف رخ کرنے کا وقت آگیا ہے۔

وَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لِيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ  
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۶﴾ وَلَئِنْ آتَيْتَ الَّذِينَ  
أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَتَّبِعُوا قِبَلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ  
قِبَلَتِهِمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبَلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ  
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لِلظَّالِمِينَ ﴿۱۳۷﴾

تَفْسِيرُ

یہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی تھی، خوب جانتے ہیں کہ (تحويل قبلہ کا) یہ حکم ان کے رب ہی کی طرف سے ہوا اور حق ہے، مگر اس کے باوجود جو کچھ یہ کہتے ہیں، اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ تم ان اہل کتاب کے پاس خواہ کوئی نشانی لے آؤ، ممکن نہیں کہ یہ تمہارے قبلے کی پیروی کرنے لگیں، اور نہ تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ ان کے قبلے کی پیروی کرو، اور ان میں سے کوئی گروہ بھی دوسرے کے قبلے کی پیروی کے لیے تیار نہیں ہے، اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

مسجد حرام کے معنی میں محرمات اور عزت والی مسجد۔ اس سے مراد وہ عبادت گاہ ہے جس کے وسط میں مذکور کعبہ واقع ہے۔ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی خواہ دنیا کے کسی کونے میں ہو، اسے بالکل ناک کی سیدھ میں کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا ہر وقت ہر شخص کے لیے ہر جگہ مشکل ہے۔ اسی لیے کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ کعبہ کی سیدھ میں قرآن کی رو سے ہم اس بات کے لیے ضرور مختلف ہیں کہ حتی الامکان صحیح سمت کعبہ کی تحقیق کریں مگر اس بات پر مختلف نہیں ہیں کہ ضرور بالکل صحیح سمت معلوم کر لیں جس سمت کے متعلق ہمیں اس کی تحقیق سے عین غائب مائل ہو جائے کہ یہ سمت کعبہ ہے، اور ہر نماز پڑھنا یقیناً صحیح ہے۔ اور اگر کسی آدمی کے لیے سمت قبلہ کی تحقیق مشکل ہو یا وہ کسی ایسی حالت میں ہو کہ قبلہ کی طرف اپنی سمت قائم نہ کر سکتا ہو (مثلاً ریل یا کشتی میں)، تو جس طرف اسے قبلہ کا گمان ہو یا جس طرف رخ کرنا اس کے لیے ممکن ہو اسی طرف وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اگر دوران نماز میں صحیح سمت قبلہ معلوم ہو جائے یا صحیح سمت کی طرف نماز پڑھنا ممکن ہو جائے تو نماز کی حالت ہی میں اس طرف پھر جانا چاہیے۔

۱۳۷ مطلب یہ ہے کہ قبضہ کے متعلق جو محنت و بحث یہ لوگ کرتے ہیں اس کا فیصلہ نہ تو اس طرح ہو سکتا ہے کہ دلیل

الَّذِينَ اتَّيَهُمُ الْكِتَابُ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ  
وَلَئِنْ فَرَّقَا مِنْهُمْ لِيُكْتَبُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۹﴾ الْحَقُّ  
مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ  
هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ  
بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۱﴾

وَقَالَ النَّبِيُّ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَقَالَ النَّبِيُّ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس مقام کو (جسے قبلہ بنایا گیا ہے) ایسا پہچانتے ہیں جیسا  
اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، مگر ان میں سے ایک گروہ جانتے ہو جتھے حق کو چھپا رہا ہے۔ یہ قطعی ایک  
امر حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، لہذا اس کے متعلق تم ہرگز کسی شک میں نہ پڑو۔  
ہر ایک کے لیے ایک رخ ہے جس کی طرف وہ مڑتا ہے پس تم بھلائیوں کی طرف ہفت  
کرو۔ جہاں بھی تم ہو گئے اللہ تمہیں پالے گا۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

سے انصاف ملے گا کیونکہ یہ منصب اور ہٹ مہر میں ہوتا ہے اور کسی دلیل سے بھی اس قتل کو چھوڑ نہیں سکتے جسے یہ اپنی  
گروہ بندی کے تعصبات کی بنا پر کچلے ہوئے ہیں۔ اور وہ اس کا فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم ان کے قتل کی اختیار کرو، کیونکہ ان کا  
کوئی ایک قبلہ نہیں ہے جس پر یہ مائے گروہ متفق ہوں اور اسے اختیار کر لینے سے قبلہ کا جھگڑا چک جائے۔ مختلف گروہوں کے  
مختلف قبلے ہیں۔ ایک کا قبلہ اختیار کر کے اس ایک ہی گروہ کو داعی کر سکو گے۔ دوسروں کا جھگڑا بدستور باقی ہے گا۔ اور جسے  
بڑی بات یہ ہے کہ پیغمبر کی حیثیت سے تمہارا یہ کام ہے ہی نہیں کہ تم لوگوں کو داعی کرتے پھر وہ ان سے ملین کے اصول  
پر مصالحت کیا کرو۔ تمہارا کام تو یہ ہے کہ جو علم ہم نے تمہیں دیا ہے، اس کے بے پرواہی کر دینا پس پرستی کے ساتھ ساتھ تمہارا بد  
اس سے ہٹ کر کسی کو داعی کرنے کی نکر کر دے تو اپنے پیغمبری کے منصب پر ظلم کرو گے اور اس نعمت کی ناشکری کرو گے جو  
دنیا کا امام بنا کر ہم نے تمہیں بخشی ہے۔

۱۴۱ عرب کا معاملہ ہے جس چیز کو آدمی یقینی طور پر جانتا ہو اور اس کے متعلق کسی قسم کا شک و اشتباہ نہ رکھتا ہو اسے  
یوں کہتے ہیں کہ وہ اس چیز کو ایسا پہچانتا ہے جیسا اپنی اولاد کو پہچانتا ہے جیسے جس طرح تمہیں اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں کوئی اشتباہ  
نہیں ہوتا، یہی طرح وہ کسی شک کے یقینی طور پر اس چیز کو بھی جانتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء حقیقت میں یہ بات



وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾  
 حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ  
 مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ  
 حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَ

تمہارا گزر جس مقام سے بھی ہو وہیں سے اپنا رخ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف پھیرو، کیونکہ یہ تمہارے رب کا بالکل برحق فیصلہ ہے اور اللہ تم لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ اور جہاں سے بھی تمہارا گزر ہو اپنا رخ مسجد حرام ہی کی طرف پھیرا کرو، اور جہاں بھی تم ہو اسی کی طرف مومنہ کر کے نماز پڑھو تاکہ لوگوں کو تمہارے خلاف کوئی حجت نہ پڑے۔ ہاں جو ظالم ہیں ان کی زبان کسی حال میں بند نہ ہوگی۔ تو ان سے تم نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور

ابھی طرح ہاتھ تھے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا اور اس کے برعکس بیت المقدس اُس کے ۱۴ برس بعد حضرت سلیمانؑ کے ہاتھوں تعمیر ہوا اور انیس کے زمانے میں قبلہ قرار پایا۔ اس تاریخی واقعے میں ان کے لیے ذرہ برابر کسی شبہ کی گنجائش نہ تھی۔

۱۴۹ پہلے فقرے اور دوسرے فقرے کے درمیان ایک لطیف خلا ہے جسے مائع خود تھوڑے سے غور و فکر سے بھر سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نماز جسے پڑھنی ہوگی اسے ہر حال کسی نہ کسی نیت کی طرف توجہ کرنا ہی ہوگا۔ مگر اصل چیز وہ نیت نہیں جس کی طرف تم مڑتے ہو، بلکہ اصل چیز وہ ہدایتاں ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے تم نماز پڑھتے ہو۔ لہذا نیت اور مقام کی بحث بس پڑنے کے بجائے تمہیں فکر بجلائیلوں کے حوصلہ ہی کی ہونی چاہیے۔

۱۵۰ یعنی جہاں سے اس ملک کی پوری پابندی کرو۔ کسی ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی شخص مقررہ نیت کے ساتھ کسی دوسری نیت کی طرف نماز پڑھنے کو کہتا جائے، وہ نہ تمہارے دشمنوں کو تم پر یہ اعتراض کرنے کا موقع مل جائے گا کہ کیا خوب اُمت و ملت ہے، کیسے اچھے حق پرستی کے گواہ بنے ہیں جو یہ بھی کہتے جانتے ہیں کہ یہ حکم جہاں سے دین کی طرف سے آیا ہے اور پھر اس کی خلاف ورزی بھی کیے جاتے ہیں۔

لَا تَمْنَعِي عَنِّي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا  
فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ  
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾  
فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾ يٰٓأَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ

اس لیے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور اس توقع پر کہ میرے اس حکم کی پیروی سے تم  
اسی طرح فلاح کا راستہ پاؤ گے جس طرح تمہیں اس چیز سے نفع نصیب ہوگا کہ میں نے تمہارے  
درمیان خود تمہیں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں میری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے،  
تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔ لہذا تم  
مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر ادا کرو، کفرانِ نعمت نہ کرو۔

۱۵۳ اے ایمان لانے والو! صبر اور نماز سے مدد لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے

۱۵۱ نعمت سے مراد وہ نعمت اور چیزائی کی نعمت ہے جو بنی اسرائیل سے غضب کے اس امت کو دی گئی تھی۔ دنیا  
میں ایک امت کی ملامت اور یہ انتہائی قرعہ ہے کہ وہ اللہ کے برگزینوں کے اقوامِ عالم کی رہنما و پیشرو بنائی جائے اور نوعِ انسانی کو زندہ کرنا  
اور ان کی کشتی پر چلنے کی خدمت اس کے پروردگار کے یہ منصب جس امت کو دیا گیا ہے حقیقت میں اس پر اللہ کے فضل و انعام کی نگین  
ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرما رہا ہے کہ تمہاری زندگی کا یہ حکم و دلیل اس منصب پر تمہاری سرفروزی کا نشان ہے، لہذا تمہیں اس لیے  
بھی ہر اسے اس حکم کی پیروی کرنی چاہیے کہ ناشکری و نافرمانی کرنے سے کہیں یہ منصب تم سے چھین نہ لیا جائے۔ اس کی پیروی کرنا  
ترتیباً تم پر مکمل کر دی جائے گی۔

۱۵۲ یعنی اس حکم کی پیروی کرتے ہوئے یہ امید رکھو۔ یہ شاہانِ انداز و بیاد کا اپنی شان بے نیازی کے ساتھ  
کسی ذکر سے یہ کہہ دینا کہ ہماری طرف سے ظانِ غایت و مہربانی کے امیدوار اور ہم اس بات کے لیے بالکل کافی ہوتا ہے کہ وہ  
خادمِ اپنے مہر شاد یا نہ بخوادے اور اسے مبارک بادیاں دی جائے گی۔

۱۵۳ غضبِ امت پر ہمارے کرنے کے بعد اب اس امت کو ضروری ہدایات دی جا رہی ہیں۔ مگر تمام دوسری باتوں

الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ  
مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرِ  
وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا

ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت  
میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔ اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی  
جان و مال کے نقصانات اور آزمائشوں کے گھائے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش  
کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ

سے پہلے انہیں جس بات پر متنبہ کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کوئی بھولوں کا بستر نہیں ہے جس پر آپ حضرات ٹٹاے جائیں  
ہوں۔ یہ تو ایک عظیم الشان اور پرخطر خدمت ہے جس کا بار اٹھانے کے ساتھ ہی ہم ہر قسم کے مصائب کی بارش ہوگی، سخت  
آزمائشیں میں ڈالے جاؤ گے، طرح طرح کے نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔ اور جب مصیبتات اور عظمیٰ استقلال کے ساتھ  
ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے خدا کی راہ میں بڑے سے چلے جاؤ گے تب تم پر عنایات کی بارش ہوگی۔

۱۵۴ یعنی اس بھاری خدمت کا جو اٹھانے کے لیے جس فاقہ کی ضرورت ہے وہ تمہیں دو چیزوں سے  
مائل ہوگی۔ ایک یہ کہ ممبر کی مصفت اپنے اندر پرورش کرو۔ دوسرے یہ کہ نماز کے عمل سے اپنے آپ کو مضبوط کرو۔ آج کل  
مختلف مقامات پر اس امر کی تشریحات ملیں گی کہ مصیبت سے اہم ترین اخلاقی اوصاف کے لیے ایک جامع عنوان ہے اور  
حقیقت میں وہ کلید کا بیانی ہے جس کے بغیر کوئی شخص کسی مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح آگے چل کر نماز کے  
متعلق بھی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ وہ کس طرح افراد عزمین اور جماعت عزمین کو اس کا عظیم کے لیے تیار کرتی ہے۔

۱۵۵ موت کا لفظ اور اس کا تصور انسان کے ذہن پر ایک بہت عظیم اثر ڈالتا ہے۔ اس لیے اس بات کے  
منع کیا گیا کہ شہداء فی سبیل اللہ کو مردہ کہا جائے، کیونکہ اس سے جماعت کے لوگوں میں جذبہ جہاد و قتال اور روح  
جان فروشی کے سرچڑھانے کا اندیشہ ہے۔ اس کے بجائے ہدایت کی گئی کہ اہل ایمان اپنے ذہن میں تصور جہانے  
رکھیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں جان دیتا ہے وہ حقیقت میں حیات جاودا پا تا ہے۔ یہ تصور مطابقت و انتم بھی ہے اور اس  
دور شبانہ متعلیٰ تازہ ہر قیامت تازہ رہتی ہے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۱۵۶﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ  
مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۷﴾ إِنَّ  
الصَّافِيَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ  
اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ

ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، انہیں خوشخبری دیدو۔ ان پر ان کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راستہ دیں۔  
یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں لہذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتے اور جو برفضا اور رغبت کوئی بھلائی کا

۱۵۶ کئے سے مراد صرف زبان سے یہ الفاظ کہنا نہیں ہے بلکہ دل سے اس بات کا قائل ہونا ہے کہ ہم اللہ ہی کے ہیں؟ اس لیے اللہ کی راہ میں ہماری جو چیز بھی قربان ہوئی وہ گویا ٹھیک اپنے مقصد میں صرف ہوئی، جس کی پیروی اسی کے کام آگئی۔ اور یہ کہ اللہ ہی کی طرف ہمیں پٹنا ہے، یعنی ہر حال میں اللہ اس دنیا میں رہنا نہیں ہے۔ آخر کار دیر یا سیر ہمارا خدا ہی کے پاس ہے۔ لہذا کہیں نہ اس کی راہ میں جان و مال کا اس کے حضور حاضر ہوں۔ یہ اس سے لاکھ وجہ بہتر ہے کہ ہم اپنے نفس کی پردوشی میں گئے رہیں اور اسی حالت میں اپنی موت ہی کے وقت پر کسی بیماری یا حادثے کے شکار ہو جائیں۔

۱۵۷ ذوالحجہ کی مقررہ تاریخوں میں کبھی کی جو زیارت کی جاتی ہے اس کا نام حج ہے اور ان تاریخوں کے مابین کسی زمانے میں جو زیارت کی جائے وہ عمرہ ہے۔

۱۵۸ صفا اور مروہ مسجد حرام کے قریب دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان دوڑنا بمثل ان تبارک کے تھا جو اللہ تعالیٰ نے حج کے لیے حضرت ابراہیمؑ کو سکھائے تھے۔ بعد میں جب کچھ آدمی اس پاس کے تمام علاقوں میں مشرکانہ جاہلیت پھیل گئی تو صفا پر مہمان اور مروہ پر نازل کے استسحان بنالیے گئے اور ان کے گرد طواف ہونے لگا۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اسلام کی روشنی اہل عرب تک پہنچی تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ سوال کھٹکنے لگا کہ آیا صفا اور مروہ کی شریعت کے پہلی تبارک میں سے ہے یا محض زمانہ شرک کی ایجاد ہے اور یہ کہ اس شریعت سے کہیں ہم ایک بشر کا دخل کے مرتکب نہیں ہو جائیں گے۔ نیز حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کے دلوں میں پہلے ہی سے شریعت میں انصاف اور مروہ کے بارے میں کراہت موجود تھی،

خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُمُونَ مَا  
 أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ  
 فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿۱۵۹﴾  
 إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّوْا فَاُولَٰئِكَ أَتُوبُ  
 عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾

کام کرتے گا اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، اور اس حالیکہ ہم انہیں  
 سب نساؤں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقیناً باز کرنا دشمنی ان پر لعنت کرتا  
 ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور  
 اپنے طریقہ عمل کی اصلاح کر لیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اُسے بیان کرنے لگیں ان کو میں معاف کر دوں گا  
 اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

یہ ذکر وہ ثناء کے مستحق تھے اور اسات و نامہ کو نہیں جانتے تھے۔ انہیں وجہ سے جزوی ہذا کہ سب عوام کو تکرار مقرر کرنے کے مرتب  
 پر ان غلامیوں کو روک دیا جائے تا کہ صاف اور مردہ کے ہالے میں پائی جاتی تھیں اور درگزر کرنا دیا جائے کہ ان دونوں مقامات کے  
 درمیان کئی کناج کے پہلی تبارک میں سے ہے اور یہ کہ ان مقامات کا تقدس خدا کی جانب سے ہے نہ کہ اہل جاہلیت کی من گھڑت۔  
 ۱۵۹ یعنی بہتر قرآن ہے کہ یکایک دلی رحمت کے ساتھ کہ وہ حکم بجالانے کے لیے ذکر نہای ہوگا۔

۱۶۰ صلاہ یہود کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انھوں نے کتاب اللہ کے علم کی اشاعت کرنے کے بجائے اس کو رنجوں اور مذہبی  
 پیشوروں کے ایک محدود طبقہ میں ہی بند کر رکھا تھا اور عامۃً خلق تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی پھر نہ گئے دیتے  
 تھے۔ پھر جب عام جہالت کی وجہ سے ان کے اندر گرہ لایاں چلیں تو علمائے نہ صرف یہ کہ اصلاح کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ وہ  
 عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لیے ہر اس خطرات اور بدعت کو جس کا علاج عام ہوتا، اپنے قتل و قتل سے اپنے  
 سکوت سے انہی منہ جواز حاصل کرنے لگے۔ اسی سے بچنے کی تاکید مسلمانوں کی جاری ہے۔ دنیا کی ہدایت کا کام جس امت کے  
 سپرد کیا جائے اس کا فرض یہ ہے کہ اس ہدایت کو زیادہ سے زیادہ پھیلائے نہ کہ بیکار کی حالت کی طرح اسے چھپا کر۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ  
وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خُلِيدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ

جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا اور کفر کی حالت ہی میں جان دی ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اسی لعنت زدگی کی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کی سزا

۱۶۱ کفر کے اہل معنی چھاننے کے ہیں۔ اسی سے انکار کا منہم پیدا ہوا اور یہ لفظ ایمان کے مقابلے میں برا جانے والا ایمان کے معنی میں ہونا، قبول کرنا، تسلیم کر لینا۔ اس کے برعکس کفر کے معنی ہیں نہ ماننا، رد کر دینا، انکار کرنا۔ قرآن کی دوسرے کفر کے دو دیگر مختلف معنی ہیں:

ایک یہ کہ انسان سرے سے خدا ہی کو نہ مانے، یا اس کے اقتدار پر شک کر تسلیم نہ کرے اور اس کو اپنا اعدادی کائنات کا ایک اور مہرودا بننے سے انکار کرے، یا اسے واحد مالک اور مہرودا مانے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کو فرمانے لگاؤں کے احکام اور اس کی ہدایات کو دامن طبع علم و توفیق تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ تیسرے یہ کہ اصولاً اس بات کو بھی تسلیم کر لے کہ اسے اللہ ہی کی ہدایت پر چلنا پڑا ہے، مگر اللہ اپنی ہدایات اور اپنا حکم پہنچانے کے لیے جن پیغمبروں کو واسطہ بناتا ہے، انہیں تسلیم نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ پیغمبروں کے در بیان تفریق کر لے اور اپنی پسند یا اپنے تعصبات کی بنا پر ان میں سے کسی کو ملے گا کہی کر نہ ملے۔ پانچویں یہ کہ پیغمبروں نے خدا کی طرف سے حقائق اخلاق اور قوانین حیات کے متعلق جو تعلیمات بیان کی ہیں ان کو نہ مانا ہی کسی چیز کو قبول نہ کرے۔

چھٹے یہ کہ لکھنے کے طور پر تو ان سب چیزوں کو مان لے مگر عملاً احکام الہی کی دانستہ نافرمانی کرے اور اس نافرمانی پر اصرار کرنا ہے، اور دوسری زندگی میں اپنے رویے کی اطاعت پر نہیں بلکہ نافرمانی ہی پر رکے۔

یہ سب مختلف طرز فکر جو اہل اللہ کے مقابلے میں یا ایمانہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو قرآن کفر سے تعبیر کرتا ہے اس کے علاوہ بعض مقامات پر قرآن میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور شکر کے مقابلے میں لیا گیا ہے شکر کے معنی یہ ہیں کہ نعمت جس نے دی ہے انسان اس کا احسان مند ہو، اس کے احسان کی قدر کرے، اس کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرے، اور اس کا دل اپنے نعمت کے لیے وفاداری کے جذبہ سے لہرے ہو۔ اس کے مقابلے میں کفر یا کفرانِ نعمت یہ ہے کہ دی یا تو اپنے نعمت کا احسان ہی نہ مانے اور اسے اپنی قابلیت یا کسی غیر کی عنایت یا ستارش کا نتیجہ سمجھے یا اس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدی کرے اور اسے ضائع کر دے، یا اس کی نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرے، یا اس کے احسانات کے باوجود اس کے ساتھ خدا کو دے دے وفا نہ کرے۔ اس نوع کے کفر کو جاری زبان میں با مہم احسان سہر مشی

عَنهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَاللَّهُمُّ إِلَهُ وَاحِدٌ  
لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿۱۳۸﴾ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْغُلُوكِ الَّتِي تَجْرِي فِي  
الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ  
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ  
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۳۹﴾

میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں پھر کوئی دوسری ہمت دی جائے گی۔

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اُس رحمن اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ (اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ہے تو جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے سیمپایک دوسرے کے بعد آنے میں ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں بارش کے اس بانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر کھٹے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں۔

نیک حاجی، غلامی یا دنیا شکرہ پن کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۱۳۷ یعنی اگر انسان کائنات کے اس کارخانے کو جو شب و روز اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، محض ہا زردی کی طرح نہ دیکھے بلکہ عقل سے کام لے کر اس نظام پر غور کرے، اور خدا یا تعبیرے آزاد ہو کر سوچے، تو یہ آثار جو اس کے حواس سے آتے ہیں، اس نتیجے پر پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ عظیم الشان نظام ایک ہی قادر مطلق حکیم کے زیر فرمان ہے۔ تمام مشترک و افتداری بالکل اسی ایک کے ہاتھ میں ہے، کسی دوسرے کی خود مختار لاد مذہمت یا شرکت کے لیے اس نظام میں قدم ہر

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ  
كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ

مگر (وعدت خداوندی پر دلالت کرنے والے ان کھلے کھلے آئنا کے جوتے ہوئے ہی) کچھ  
لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسرا و مد مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ  
ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب بڑھ کر  
اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ کاش جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر انہیں ٹو جھنے والا ہے وہ

کوئی گناہ نہیں لہذا فی الحقیقت وہی ایک خدا تمام موجودات عالم کا خدا ہے، اس کے سوا کوئی دوسری ہستی کسی قسم کے امتیازات  
رکھتی ہی نہیں کہ خدائی اور الٰہیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔

۱۶۳ یعنی خدائی کی جو صفات اللہ کے لیے خاص ہیں ان میں سے بعض کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور خدا

ہر نہ کی حیثیت سے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں وہ سب یا ان میں سے بعض حقوق یہ لوگ ان دوسرے بنادوں میں سے  
کو ادا کرتے ہیں۔ مثلاً سلسلہ اسباب پر مکرانی، حاجت روائی، شکل کشائی، فریادیں، دعا میں سفار اور وسیع شہادت ہر چیز سے  
واقف ہونا، یہ سب اللہ کی مخصوص صفات ہیں۔ اور یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ بندے اسی کو مقتدر اعلیٰ مانیں، اسی کے ہاتھ  
احترام بندگی میں سر جھکائیں، اسی کی طرف اپنی حاجتوں میں رجوع کریں، اسی کو مدد کے لیے پکاریں، اسی پر بھروسہ کریں، اسی سے  
امیدیں وابستہ کریں اور اسی سے ظاہر و باطن میں شریں۔ اسی طرح مالک ملک ہونے کی حیثیت سے یہ منصب بھی اللہ ہی کا ہے کہ اپنی  
رحمت کے لیے حلال و حرام کے حدود مقرر کرے، ان کے فرائض و حقوق میں کرے، ان کو امر و نہی کے احکام دے، اور انہیں یہ  
بتائے کہ اس کی دی ہوئی قوتوں اور اس کے پہنچے ہوئے وسائل کو وہ کس طرح کن کاموں میں کن مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ اور  
یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ بندے اس کی مالکیت تسلیم کریں، اس کے حکم کو نفع قانون مانیں، اسی کو امر و نہی کا خدا سمجھیں، اپنی  
زندگی کے معاملات میں اس کے فرمان کو فیصلہ کن قرار دیں، اور ہدایت و رہنمائی کے لیے اسی کی طرف رجوع کریں۔ جو شخص خدا  
کی ان صفات میں سے کسی کو محبت کر بھی کسی دوسرے کی طرف شرب کرتا ہے، اور اس کے ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی  
کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اُسے خدا کا مد مقابل اور ہمسرا بنا رہا ہے۔ اسی طرح جو شخص یا جماعہ وہ ان صفات میں سے  
کسی صفت کا تدبیر اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انصاف سے مطالبہ کرتا ہو وہ بھی دراصل خدا کا مد مقابل اور ہمسرا بنا رہا ہے  
غما وہ ان سے خدائی کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔

۱۶۴ یعنی ایمان کا اقتضائے ہے کہ آدمی کے لیے اللہ کی رضا پر دوسرے کی رضا پر مقدم ہو اور کسی چیز کی محبت میں

انسان کے دل میں یہ ترسہ اور مقام حاصل نہ کرے کہ وہ اللہ کی محبت پر اسے قربان نہ کر سکتا ہو۔



ظَلَمُوا أَذْيِرُونَ الْعَذَابَ أَنْ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۖ وَإِنَّ  
 اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝۳۱ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ  
 الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْمَسَابِغُ ۝۳۲  
 وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّا كُنَّا كَزَّةً ۖ فَنَتَبَرَّأَ  
 مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۖ كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ  
 حَسْرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۝۳۳

آج ہی ان ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔ جب وہ سزا دے گا اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ وہی پیشوا اور رہنما، جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی، اپنے پیروں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے، مگر سزا پا کر رہیں گے اور ان کے سارے اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے، کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں، ہم ان سے بیزار ہو کر دکھا دیتے۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال، جو یہ دنیا میں کر رہے ہیں، ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ساتھ ملتے رہیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

۱۶۵۔ یہاں خاص طور پر گواہ کرنے والے پیشواؤں اور بیعتوں اور ان کے نادان پیروں کے انجام کا اس بے ذکر کیا گیا ہے کہ جس غلطی میں مبتلا ہو کر پچھلی باتیں بھٹک گئیں، اس سے مسلمان پریشان رہیں اور بہرہ میں مبتلا نہ رہیں اور خود رہبری کرنے والوں کے پیچھے چلنے سے بچیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ  
وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٥٠﴾  
إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالشُّرِّ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ  
مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ  
اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ  
آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٥٢﴾ وَمَثَلُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا

دُكُوْا زَمِيْنِ مِیْنِ جَوْ حَلَالِ اُوْر پَاک چیریز ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے  
لاستوں پر نہ چلو۔ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، تمہیں بدی اور فحش کا حکم دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ  
تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ نے فرمائی ہیں۔

ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے  
ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا  
نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہِ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟  
یہ لوگ جنہوں نے خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے سے انکار کر دیا ہے ان کی حالت بالکل ایسی ہے  
جیسے چرواہا جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں

۱۵۰ یعنی کھانے پینے کے سلسلے میں تمہارا بندہ ہو کر ڈالو تو تمہارا خدا جانداروں کی بنا ہوئی ہیں۔

۱۵۱ یعنی ان وہی رسول اللہ یا بندوں کے متعلق یہ خیال کہ یہ سب مذہبی امور ہیں جو خدا کی طرف سے تعلیم کیے گئے ہیں

۱۵۲ یعنی شیطان کا دشمن ہے۔ اس لیے کہ فی الواقع ان کے من جانب اللہ ہونے کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔

۱۵۳ یعنی ان پابندوں کے لیے ان کے پاس کوئی سند اور کوئی حجت اس کے سامنے نہیں ہے کہ باپ دادا سے اپنی

دُعَاءُ وَبَدَأَ صُمْ بِكُمْ عُنَىٰ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۵۱﴾ يٰۤاَيُّهَا  
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا  
لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ

نہتے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، اس لیے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اے ایمان لانے والو! اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں بہتے ہیں  
مغشی میں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ

ہوتا چلا آیا ہے۔ نا مان کہتے ہیں کہ کسی طرح کی پیروی کے لیے یہ حجت باطل کافی ہے۔

۱۵۱ اس تیل کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ ان لوگوں کی حالت اُن بے عقل ہانوروں کی سی ہے جن کے حق اپنے  
اپنے چوراہوں کے نیچے چلے جاتے ہیں اور غیر سمجھے ہوئے ان کی صداؤں پر حرکت کرتے ہیں۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کو  
دعوت و تبلیغ کرنے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہانوروں کو پکارا جا رہا ہے جو فقہ آواز سننے میں مگر کچھ نہیں سمجھتے کہ  
کہنے والا اُن سے کیا کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الفاذا ایسے خارج استعمال فرمائے ہیں کہ یہ دونوں پہلو ان کے تحت  
آجاتے ہیں۔

۱۵۲ یعنی اگر تم ایمان لا کر صرف غلامی کا لہجہ پیروی نہ کیجے، ہر جیسا کہ تمہارا دھرم ہے تو ہمہ ساری چھوٹ  
چھوٹ، اللہ زائد جاہلیت کی وہ ساری بندشیں اور پابندیاں توڑ ڈالو جو پندتوں اور بدھتوں نے، تہوں اور پادریوں نے  
جو گیروں اور راہبوں نے اور تمہارے باپ دادا نے قائم کی تھیں۔ جو کچھ خدا نے حرام کیا ہے اس سے تو فروز ہو، مگر جس  
چیزوں کو خدا نے حلال کیا ہے انہیں بغیر کسی کہرت اور رکاوٹ کے کھا پیو۔ اسی مضمون کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کی وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ من مصلیٰ صلوٰۃنا واستقبل قبلتنا واحمل  
ذبیحتنا فذلک المسلم الخ۔ یعنی جس نے وہی نماز پڑھی جو ہم پڑھتے ہیں وہی اسی جگہ کی طرف رخ کیا جس کی طرف  
ہم رخ کرتے ہیں اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا وہ مسلمان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنا صرف اللہ کی طرف رخ کرنے کے واسطے  
ایک شخص اس وقت تک اسلام میں پوری طرح مذہب نہیں ہوتا جب تک کہ وہ کھانے پینے کے معاملے میں بھی جاہلیت  
کی پابندیوں کو توڑ نہ دے اور اُن توہمات کی بندشوں سے آزاد نہ ہو جائے جو اہل جاہلیت نے قائم کر رکھی تھیں۔  
کیوں کہ اُس کا اُن پابندیوں پر قائم رہنا اس بات کی علامت ہے کہ ابھی تک اس کی رگ و پے میں جاہلیت کا ہیر  
موجود ہے۔

الْمَيْتَةِ وَالذَّمَّ وَالْحَمَّ الْخِنْزِيرُ وَمَا أَهَلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ  
فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ  
رَحِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ  
بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ

یہ ہے کہ مردار نہ کھاؤ، خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو، اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھائے بغیر اس کے کہ وہ قاتل، ظالم، کفار اور کھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حق یہ ہے کہ جو لوگ ان احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تم کو اس سے دنیوی فائدوں پر انہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹ اگے بھر رہے ہیں۔

**۱۱۱** اس کا اطلاق اس ہازر کے گوشت پر بھی ہوتا ہے جسے خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس کھانے پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور زندہ بچا یا جانے حقیقت یہ ہے کہ جانور ہوا یا غلہ اور کوئی کھانے کی چیز جو مال اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ ہی نے وہ چیز ہم کو حلال کی ہے۔ لہذا احترامِ نعمت یا صدقہ یا نذر یا نذر کے طور پر اگر کسی کا نام ان چیزوں پر لیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اللہ ہی کا نام ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کا نام لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم خدا کے بجائے یا خدا کے ساتھ اس کی بازاری بھی تسلیم کر رہے ہیں اور اس کو بھی زخم بھینٹتے ہیں۔

**۱۱۲** اس آیت میں حرام چیز کے استعمال کرنے کی اجازت تین شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ واقعی مجبوری کی حالت ہو۔ مثلاً بھوک یا پیاس سے جان پر ہون لگی ہو، یا بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو اور اس حالت میں حرام چیز کے سوا اور کوئی چیز بغیر ضرورت ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قاتل کو قاتل کی خواہش دل میں موجود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کیا جائے، مثلاً حرام چیز کے چند قسم یا چند قطرے یا چند گھونٹ اگر جان بچا سکتے ہیں تو ان سے زیادہ اس چیز کا استعمال نہ ہر نہ پائے۔

**۱۱۳** مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں میں یہ جتنے غلط قریبات پھیلے ہیں اور اعلیٰ درجوں میں جا پانڈیوں کی جو جتنی



مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَ  
 النَّبِيِّنَّ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ  
 وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَ  
 أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا  
 عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالصَّرَآءِ وَحِينَ  
 الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾  
 يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا كِتَابٌ عَلَيْكُمْ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ

آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے  
 مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے والوں اور یتیموں پر مسکینوں اور مسافروں پر  
 مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔  
 اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل  
 کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اے ایمان لانے والو، تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔

کذہب کی چند ظاہری رسمیں کو ادا کر دینا اور صرف خدا ہی کی خاطر ہر چند مقرر مذہبی اعمال انجام دینا اور حق  
 کی چند معروف شکلوں کا مظاہرہ کر دینا وہ حقیقی نیک نہیں ہے جو اللہ کے اس وزن اور قدر رکھتی ہے۔

۱۷۷ قصاص، یعنی خون کا بدلہ، یہ کہ آدمی کے ساتھ دہی کیا جاتے ہو اُس نے دوسرے آدمی کے ساتھ کیا۔ مگر  
 اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تاتل نے جس طریقے سے قتل کیا ہو اسی طریقے سے اس کو قتل کیا جائے بلکہ مطلب صرف  
 یہ ہے کہ جان لینے کا جو فعل اُس نے قتل کے ساتھ کیا ہے وہی اُس کے ساتھ کیا جائے۔

الْحَزْبَ الْخَيْرَ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ  
مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۖ

آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے اور عورت اس جرم کی مرکب تک تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ زخمی کرنے کے لیے تیار ہو تو معروف طریقہ کے مطابق غرینما کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ غرینما ادا کرے۔

۱۳۸؎ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ ایک قوم یا قبیلہ کے لوگ اپنے مقتول کے خون کو جتنا چاہتے تھے اتنی ہی قیمت کا خون اس خاندان یا قبیلہ یا قوم سے لینا چاہتے تھے جس کے آدمی نے اُسے مارا۔ جو مقتول کے بدلے میں قاتل کی جان لے لینے سے ان کا دل ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے ایک آدمی کا بدلہ دیکھیں اور دیکھیں کہ کون سا شخص ان کا کوئی معزز آدمی اگر دوسرے گروہ کے کسی چھوٹے آدمی کے ہاتھوں مارا گیا ہو تو وہ اہل قاتل کے قتل کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ قاتل کے قبیلے کا بھی کوئی ویسا ہی معزز آدمی مارا جائے یا اس کے کئی آدمی اُن کے مقتول پر سے صدقہ کیے جائیں۔ برعکس اس کے اگر مقتول اُن کی نگاہ میں کوئی ادنیٰ شخص تھا تو اُن سے زیادہ قدر و قیمت رکھنے والا شخص ہو تا تو وہ اس بات کو گوارا نہ کرتے تھے کہ مقتول کے بدلے میں قاتل کی جان لی جائے۔ اور یہ حالت کچھ حرم جاہلیت ہی میں نہ تھی۔ موجودہ زمانے میں جن قوموں کو انسانی مذہب بھجا جاتا ہے اُن کے ہاں قاعدہ سرکاری اطلاعات تک میں مساوات یہ بات دیکھ کر شرم کے دینا کر سکتی جاتی ہے کہ ہمارا ایک ایسی مارا جائے گا تو ہم قاتل کی قوم کے پچاس آدمیوں کی جان لیں گے۔ اکثر یہ خبریں ہمارے کان سننے میں کہ ایک شخص کے قتل پر مغلوب قوم کے اتنے بھائی گولی سے اڑائے گئے۔ ایک ”مذہب“ قوم کا ہی یہی یہی مدی میں اپنے ایک فرد (سرکاری اسٹیک) کے قتل کا بدلہ دہری مصری قوم سے لے کر چھوڑا۔ دوسری طرف ان تمام مذاہب قوموں کی باضابطہ عدالتوں تک کا یہ طریقہ عمل رہا ہے کہ اگر قاتل حاکم قوم کا فرد ہو تو مقتول کا قتل معکوم قوم سے ہو تو ان کے جج قصاص کو غیور کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہی غریباں بین جن کے مذہب اب کا حکم نافذ تھا ہے نے اس آیت میں کیا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ مقتول کے بدلے میں قاتل اور صرف قاتل ہی کی جان لی جائے قطع نظر اس کے کہ قاتل کون ہے اور مقتول کون۔

۱۳۹؎ بھائی کا لفظ فکر نہایت لطیف طریقے سے نرمی کی سفارش بھی کر رہا ہے۔ مطلب یہ کہ تمہارے اور دوسرے شخص کے درمیان باپ مائے کا یہی وہی ہے تو تمہارا انسانی بھائی۔ لہذا اگر اپنے ایک خطا کار بھائی کے قتل کے میں انتقام کے غم سے کوئی جاؤ تو یہ تمہاری انسانیت کے زیادہ شایان شان ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلامی قانونِ آدمیوں میں قتل تک کا معاملہ قابلِ راضی نامہ ہے۔ مقتول کے وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ قاتل کو صحت

ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ مِّنْ اَعْتَدَىٰ بَعْدَ  
ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴿۱۶۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ  
يَّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا  
حَضَرَ اَحَدُکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرًا ۖ الْوَصِیَّةُ لِلْوَٰلِدَیْنِ

یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرتے اس کے لیے  
دردناک سزا ہے۔ عقل و خود درکنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ اُمید ہے  
کہ تم اس قافن کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ اپنے  
پیسے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقے سے

کریں اور اس صورت میں عدالت کے لیے جائز نہیں کہ قاتل کی جان ہی لینے یا ہمارا کرے۔ البتہ یہ کہ بعد کی آیت میں  
مشابہہ املائی کی صورت میں قاتل کو خنہ ادا کرنا ہوگا۔

﴿۱۶۹﴾ معروف کا لفظ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد وہ صحیح طریق کار ہے جس سے باعوم اہل  
واقعہ ہوتے ہیں۔ جس کے متعلق ہر وہ شخص جس کا کوئی قاتل یا قاتل کا کوئی خاص پہلو سے وابستہ نہ ہو یا بول اٹھے کہ بے شک حق  
اور انصاف نہی ہے اور یہی مناسب طریق عمل ہے۔ دلائل عام (Common Law) کو بھی اسلامی اصطلاح  
میں عرف اور معروف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ ایسے تمام معاملات میں متہر ہے جن کے بارے میں شریعت نے کوئی  
خاص قاعدہ مقرر نہ کیا ہو۔

﴿۱۷۰﴾ مثلاً یہ کہ مقتول کا وارث خنہ وصول کر لینے کے بعد پھر انتقام لینے کی کوشش کرے یا قاتل کو خنہ  
ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے اور مقتول کے وارث نے جو احسان اس کے ساتھ کیا ہے اس کا بدلہ احسان فرموشی سے لے۔  
﴿۱۷۱﴾ یہ ایک دوسری جاہلیت کی تردید ہے جو پہلے ہی بہت سے ماحول میں موجود تھی اور آج بھی بکثرت  
پائی جاتی ہے۔ جس طرح اہل جاہلیت کا ایک گروہ انتقام کے پہلو میں افراد کی طرف چلا گیا، اسی طرح ایک دوسرا گروہ  
حق کے پہلو میں تعزیر کی طرف گیا ہے اور اس نے سزا موت کے خلاف اتنی تبلیغ کی ہے کہ بہت سے لوگ اس کو  
ایک نفرت انگیز چیز سمجھنے لگے ہیں اور دنیا کے حدود و حکم نے اسے بالکل مسموم کر دیا ہے۔ قرآن اسی پر اہل عقل کو



وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُسْقِينَ ﴿١٣٨﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ  
بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ  
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٣٩﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوْصٍ جَنْفًا أَوْ إِثْمًا  
فَاصْلَمْ بَيْنَهُمُ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٠﴾

۱۴

وہیت کے یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔ پھر جنہوں نے وصیت سنی اور بعد میں اسے بدل ڈالا لہذا  
اس کا گناہ ان بدلنے والوں پر ہوگا۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ البتہ جس کو یا نذر نہ ہو  
کہ وصیت کرنے والے نے نادانستہ یا قصداً حق تعالیٰ کی ہے، اور پھر معاملے سے تعلق رکھنے والوں  
کے درمیان وہ اصلاح کرنے کو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے، اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

حلیہ کے نتیجہ کرتا ہے کہ قصاص میں سوائے کسی کی زندگی ہے۔ جو سوائے کسی انسانی جان کا احترام نہ کرنے والوں کی جان  
کو مستحکم و محفوظ رکھنے کے لئے عدل اپنی آستین میں منہپ پالتی ہے۔ ہم ایک قاتل کی جان بچا کر بہت سے بے گناہ انسانوں  
کی جانیں خطرے میں ڈالتے ہیں۔

۱۳۸۔ یہ حکم سننے میں آیا گیا تھا جبکہ وحی کی تقسیم کے لیے ابھی کوئی قانون مقرر نہیں ہوا تھا۔ اس وقت ہر شخص پر  
دادہم کیا گیا کہ وہ اپنے دائروں کے حصے جتنی وصیت مقرر کر جائے تاکہ اس کے مرنے کے بعد نہ تو قاتلان میں جھگڑے ہوں نہ  
کسی حق دار کی حق تعالیٰ سے ہونے پائے۔ بعد میں جب تقسیم وراثت کے لیے احقر قاتل نے خدا کی خاطر باطلہ یا دھوکے سے سوا  
نہیں آئے والہ ہے، قریشی علی الاطراف پہلے حکم وصیت اور احکام میراث کی توضیح میں سبب اہل دفعہ عدلیہ و قضا  
یکہ کہ اب کوئی شخص کسی وحی کے حق میں وصیت نہیں کر سکتا، یعنی جن رشتے عدل کے حصے تھیں  
مقرر کر دے گئے ہیں ان کے حصوں میں نہ تو وصیت کے ذریعے سے کوئی کی یا بیش کی جا سکتی ہے نہ کوئی اثاثہ کو میراث  
سے محروم کیا جا سکتا ہے اور کسی حالت کو اس کے تلافی کے لئے کے علاوہ کوئی چیز ذریعہ وصیت دی جا سکتی ہے۔  
۱۳۹۔ یہ کہ وصیت کل جائداد کے صرف ایک تہائی حصے کی حد تک کی جا سکتی ہے۔

ان دو شرعی ہدایات کے بحساب اس حکایت کا شاید یہ قرار دیا جاسکے کہ آدمی اپنا کم از کم حصہ تہائی مال کو اس لیے  
مقرر کرے کہ اس کے مرنے کے بعد وہ حسب قاعدہ اس کے دائروں میں تقسیم ہو جائے۔ اصل یہ کہ ایک تہائی  
مال کی حد تک سے اپنے اپنے وارث وراثت وراثت کے حق میں وصیت نہ کرے یا اپنے جواس کے اپنے گھر یا اس کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ  
عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۵﴾ أَيَّامًا  
مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ  
فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ  
طَعَامُ مَسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ

اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے  
پیروں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔ چند مقرر  
دنوں کے روزے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد  
پوری کرے۔ اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں پھر نہ رکھیں تو وہ فدیہ دیں۔ ایک کلو  
گاندیہ ایک مسکین کو کھانا کھانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو ایسی کے لیے بہتر

خاندان میں مدد کے مستحق ہوں، یا جنہیں وہ خاندان کے باہر محتاج امانت پاتا ہو یا رفاہ عام کے کاموں میں سے جسکی  
بھی وہ مدد کرنا چاہے۔ بعد کے لوگوں کو خصوصیت کے اس حکم کو محض ایک سفارشی حکم قرار دیا گیا۔ یہاں تک کہ بالعموم وصیت کا  
طریقہ منسوخ ہی ہو کر رہ گیا۔ لیکن قرآن مجید میں اسے ایک حق قرار دیا گیا ہے جو خدا کی طرف سے متقی لوگوں پر عائد ہو تا ہے  
اگر اس حق کو ادا کرنا شروع کر دیا جائے تو بہت سے وہ سوالات خود ہی حل ہو جائیں جو میراث کے بارے میں لوگوں کو  
ابھٹن میں ڈالتے ہیں۔ مثلاً ان پوتوں اور نواسوں کا معاملہ جن کے ماں باپ داغا اور نانا کی زندگی میں مر جاتے ہیں۔

۱۸۵ اسلام کے اکثر احکام کا طرح روزہ کی فرضیت بھی بتدیکہ عائد کی گئی ہے۔ نبی علیہ السلام نے ابتدا میں مسلمانوں کو  
صرف ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر سب بھری میں رمضان کے روزوں کا یہ  
حکم قرآن میں نازل ہوا مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزہ کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ  
نہیں دے سکیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام روایت منسوخ کر دی گئی لیکن  
مریض اور مسافر اور عاقل یا دودھ ..... پلانے والی عورت اور ایسے بڑے لوگوں کے لئے جن میں فرض کی طاقت نہ ہو اس میں  
کو بدستور باقی نہ دیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ بعد میں جب عذر باقی نہ رہے تو فضلہ کے اتنے روزے رکھیں جتنے  
رمضان میں ان سے چھوٹ گئے ہیں۔



يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ  
وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٥﴾

اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

کی قوت حاصل ہو۔

عام سفر کے معاملے میں یہ بات کہ کتنی مسافت کے سفر پر روزہ چھوڑا جاسکتا ہے، حضور کے کسی ارشاد سے واضح نہیں ہوتی اور صحابہ کرام کا عمل اس باب میں مختلف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جس مسافت پر عرب عام میں سفر کا اطلاق ہوتا ہے اور جس میں مسافر نہ حالت انسان پر ملائی ہوتی ہے وہ حفاظت کے لیے کافی ہے۔

یہ امر متفق علیہ ہے کہ جس روزہ آدمی سفر کی ابتداء کر رہا ہو اس دن کا روزہ انظار کر لینے کا اسے اختیار ہے۔ چاہے تو گھر سے کھانا کھا کر چلے اور چاہے تو گھر سے نکلے ہی کھالے۔ دونوں اہل صحابہ سے ثابت ہیں۔

یہ امر کہ اگر کسی شہر پر دشمن کا حملہ ہو گیا تو کیا لوگ مقیم ہونے کے باوجود حجاج کی خاطر روزہ چھوڑ سکتے ہیں، علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے بعض علماء اس کی اجازت نہیں دیتے۔ مگر علماء میں سے میر نے نہایت قوی دلائل کے ساتھ قرآنی دیکھا تھا کہ ایسا کرنا باطل ہوتا ہے۔

۱۸۷ یعنی اگر نہ صرف رمضان ہی کے دنوں کو روزوں کے لیے مخصوص نہیں کر دیا ہے بلکہ جو لوگ رمضان میں کسی طہر شرعی کی بنا پر روزے درگاہ سکیں، ان کے لیے وہ سرے دنوں میں اس کی قضاء کر لینے کا راستہ بھی کھول دیا ہے تاکہ قرآن کی جو نعمت اس نے تم کو دی ہے اس کا شکر ادا کرنے کے قیمتی موقع سے تم محروم نہ رہ جاؤ۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ رمضان کے روزوں کو صرف عبادت اور صرف تقویٰ کی تربیت ہی نہیں قرار دیا گیا ہے بلکہ انہیں مزید بڑا اس عظیم الشان نعمت ہدایت پر اشرہ تعالیٰ کا شکر یہ بھی شہر دیا گیا ہے جو قرآن کی شکل میں اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاک و اشراف انسان کے لیے کسی نعمت کی شکر گزاری اور کسی احسان کے اعتراف کی بہترین صورت اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار کرے جس کے لیے عطا کرنے والے نے وہ نعمت عطا کی ہو۔ قرآن ہم کو اس لیے عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اشرہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ جان کر خود اس پر عملیں اور دنیا کو اس پر چلائیں۔ اس مقصد کے لیے ہم کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ عرفہ ہے۔ لہذا انہی دو قرآن کے پیچھے ہماری روزہ واری صرف عبادت ہی نہیں ہے، اور صرف اخلاقی تربیت بھی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ خواص نعمت قرآن

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ  
الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ  
يُرْشَدُونَ ﴿۱۸۶﴾ أَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةٌ الصَّيَّامِ الرَّائِثُ إِلَى  
نِسَائِكُمْ هُنَّ لَبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لَبَاسٌ لَهُنَّ عَلَّمَ اللَّهُ

اور اے نبی، میرے بندے اگر تم سے میرے تعلق پر پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں اُن سے  
قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہذا  
انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنا دو، شاید کہ  
وہ راہِ راست پالیں۔

تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال  
کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ

کی بھی صحیح اور نوزوں شکر گزاری ہے۔

۱۸۶ یعنی اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے مجھ کو محسوس کر سکتے ہو لیکن یہ خیال نہ کہہ دو کہ میں تم سے  
دور ہوں نہیں، میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرضِ مودعہ کر سکتا ہے، حتیٰ کہ دل ہی دل میں  
جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اسے بھی سن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے حقیقت اور  
بے اختیار ہمتیوں کو تم نے اپنی نادانی سے لہذا اور بے قرار بنے رکھا ہے اُن کے پاس تو ہمیں دھڑکڑکاتا چاہتا ہے اور  
بھی نہ تمہاری شہنائی کر سکتے ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں بھلا نہ بت  
ہے ہا یاں کا فرمان دے ملحق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود نیز کسی خطے اور خطے  
اور سفارش کے بغیر دستِ ہر وقت اور ہر جگہ تک اپنی مرضی میں پہنچا سکتے ہو۔ لہذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک  
بے اختیار نادانی خدا کے دربار سے اے سے پھرتے ہو۔ یہی جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں اس پر لبیک کہہ کر میرا دامن پکڑو،  
میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری ہدایت کی اطاعت میں آ جاؤ۔

۱۸۶ یعنی تمہارے نزدیک سے حقیقتِ حال معلوم کر کے اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اس صحیح طریقے کی طرف

اَنْكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونْ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ  
فَالَّذِنْ بَايَعُوْهُنَّ وَاَبْتَغَوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَوْا  
حَقِّ يَتَبَيَّنْ لَكُمْ الْخِطَا الْاَبْيَضُ مِنَ الْخِطَا الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اُس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے وعدہ فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب بامشب کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کر دیا ہے اُسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدہ صبح کی دھاری نمایاں نظر آجائے۔

آجائیں جس میں ان کی اپنی ہی صفائی ہے۔

۱۹۰۔ یعنی جس طرح لباس اور ہر کم درمیان کرنی پر وہ نہیں رہ سکتا بلکہ دھو کر کاہی لطف و تسال باطل فریاد کرتا ہے اسی طرح تمہارا اللہ تمہاری بیویوں کا لطف ہی ہے۔

۱۹۱۔ ابتدا میں اگر جس قسم کا کوئی صاف حکم موجود تھا کہ رمضان کی عاقبت میں کوئی شخص اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرے لیکن اگر کوئی ہو کر ہی سمجھتے تھے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اس کے نام تو یہ کہہ جسے کا خیال دل میں لیے ہوئے ہوا تھا کہ اپنی بیویوں کے پاس چلے جاتے تھے۔ یہ گراہنے وغیرہ کے ساتھ خیانت کا ارتکاب تھا اور اس سے مذہب و تقا کو ایک مجرمانہ اور گناہگارانہ ذہنیت اُن کے اندر پردہ نشہ پاتی رہے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پچاس غیبت و تنبیہ فرمائی اور چار شاواہد فرمایا کہ یہ عمل تمہارے لیے جائز ہے لہذا اب اسے عمل سمجھتے ہوئے نہ کرو۔ لہذا اگر کسی کا ہاں نہ تھا اسے فائدہ اٹھاتے ہوئے غلبہ تنمیر کی پوری طاقت کے ساتھ کر دو۔

۱۹۲۔ اس بارے میں بھی اگر ابتدا میں غلط فہمی تھی کہ کسی کا خیال تھا کہ شرابی نماز پڑھنے کے بعد سے کھانا کھا سکتا ہے اور یہ کہ اگر کوئی یہ سمجھتا تھا کہ رات کو جب تک آدمی ہلکا رہا تو کھانا کھا سکتا ہے جہاں ہو گیا پھر دوبارہ اٹھ کر سو کر نہیں کھا سکتا۔ یہ حکام و لوگوں نے خود اپنے دہن میں سمجھ رکھے تھے اور اس کی وجہ سے بہت دقتیں پیش آتی تھیں۔ اس بات میں بھی غلط فہمیوں کو درست کیا گیا ہے۔ اس میں لفظ کی حد طبع و فہم سے لے کر غریب و انتاب تک مفہوم دی گئی اور طرح پر انتاب کے طرح غریب و انتاب کے لیے اور مشرت کرنے کے لیے آزادی دے دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحاً کہہ دیا کہ طبع و فہم سے چلے آؤ یہی طرح کھانی ہے۔

۱۹۳۔ اپنی جمادات کے لیے اوقات کا وہ میاں تو رکھا ہے جس سے دنیا میں ہر وقت ہر مرتبہ تمدن کے

## ثُمَّ آتُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ

تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں مختلف چوتھو بیروں

لوگ ہر ایک اوقات کی عین کر سکیں۔ وہ گھر والوں کے لحاظ سے وقت مقرر کرنے کے بجائے اُن آثار کے لحاظ سے وقت مقرر کرتا ہے جو اتفاق میں نکلیاں نظر آتے ہیں۔ مگر نادان لوگ اس طریقِ وقتیت پر ہونا یا متراجن کرتے ہیں کہ طہیسن کے تقریباً چاروں رات اور دن کی کئی چیزیں کے ہر تہ میں اوقات کی عینیں کیسے چل سکے گی۔ حالانکہ یہ اعتراض دراصل علمِ حنفیہ کی سرسری واقفیت کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں نہ وہاں چھ میسزوں کی رات اُس معنی میں ہوتی ہے اور نہ چھ میسزوں کا دن جس معنی میں ہم خطاستہ کے آس پاس رہنے والے لوگ دن اور رات کے لفافہ کرتے ہیں۔ خواہ رات کا دھبہ یا دن کا بہر حال بیچ و شام کے آثار وہاں پوری باقاعدگی کے ساتھ اتفاق پر نکلیاں پڑتے ہیں اور انھیں کے لحاظ سے وہاں کے لوگ ہماری طرح اپنے سونے جاتے اور کام کرنے اور نترج کرنے کے اوقات مقرر کرتے ہیں۔ جب گھڑیوں کا دواغ عام نہ تھا تب بھی نین لینڈ، ناروے اور گرین لینڈ وغیرہ ملکوں کے لوگ اپنے اوقات معلوم کرتے ہی تھے اور اس کا اندازہ یہی افق کے آثار تھے۔ لہذا جس طرح دوسرے تمام حالات میں آثار ان کے لیے تمیز بنا دقات کا کام دیتے ہیں اسی طرح نماز اور حکم و انظار کے معاملے میں بھی بے شکستے ہیں۔

**۱۹۴** رات تک روزہ پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ جہاں رات کی سرحد شروع ہوتی ہے وہیں تمنا سے روزہ کی سرحد ختم ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ رات کی سرحد غروبِ آفتاب سے شروع ہوتی ہے۔ لہذا غروبِ آفتاب ہی کے ساتھ انظار کر لینا چاہیے۔ سحر اور انظار کی بیچ ملاست یہ ہے کہ جب رات کے آخری حصے میں افق کے مشرقی کنارے پر سفید صبح کی باریک سی دھاری نمودار ہو کر لاپرواہ بنے گئے تو سحر کی کاوت ختم ہو جاتا ہے اور جب دن کے آخری حصے میں مشرق کی جانب سے رات کی سیاہی بند ہوتی نظر آئے تو انظار کا وقت آجاتا ہے۔ آج کل لوگ سحر اور انظار دونوں کے معاملے میں شدتِ احتیاط کی بنا پر کچھ بے جا تشدد برتنے لگے ہیں۔ مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی کوئی ایسی حد بندی نہیں کی ہے جس سے چند سکند یا چند منٹ اور دھڑلہ ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہو۔ سحر میں سیاہی شب سے پیدہ سحر کا نمودار ہوتا اچھی خاصی گھٹائش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر بین طویل فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اُٹھ کر کچھ کھائی لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص سحر کی گارہ ہو اور اذان کی آواز آجائے تو فوراً چھوڑ دے، بلکہ اپنی حاجت بھر کھائی لے۔ اسی طرح انظار کے وقت میں بھی غروبِ آفتاب کے بعد خواہ عشاءِ دن کی روشنی ختم ہونے کا انتظار کرتے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جی سلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈوبتے ہی بلاں کو آواز دیتے تھے کہ لاؤ ہا واشربت۔ بال عین کرتے کہ یا رسول اللہ! ابھی تو دن چمک رہا ہے۔ آپ فرماتے کہ جب رات کی سیاہی مشرق سے اُٹھنے لگے، تو روزہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

عَلَيْكُمْ فِي الْمَسْجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا  
كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا  
تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْنُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ

سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، ان کے قریب نہ پہنچنا۔ اس طرح اللہ  
اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے تو قہر ہے کہ وہ غلط رویتے ہیں۔  
اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال نامراد طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے

۱۹۵ء تکلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رمضان کے آخری دس دن میں سب عادیہ دن اللہ کے ذکر  
کے لیے محض کرے۔ اس احکام کی حالت میں آدمی اپنی انسانی مہیات کے لیے جس سے باہر جاسکتا ہے وہ گناہم ہے  
کہ وہ اپنے آپ کو شہوانی لذتوں سے روکے۔

۱۹۶ء یہ نہیں فرمایا کہ ان حدوں سے تجاوز نہ کرنا بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے قریب نہ پہنچنا۔ اس کا مطلب یہ ہے  
کہ جس مقام سے صحبت کی حد شروع ہوتی ہے میں اسی مقام کے آخری کھدوں پر گھومتے رہنا آدمی کے لیے خطرناک  
ہے۔ اسلامی اس میں ہے کہ آدمی سرحد سے دھبی رہے تاکہ بٹرنے سے بھی قدام اس کے پار نہ چلا جائے یہی مضمون  
اس حدیث میں بیان ہوا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکل مطلقاً حق دان صلی اللہ علیہ وسلم  
فمن رجع حول الحنفیٰ ليو شاك ان یقع فیہ۔ عربی زبان میں جس میں اس پر آگاہ کہ کتنے ہیں جسے کوئی نہیں  
یا بادشاہ پبلک کے لیے بمنزلہ کر دیتا ہے۔ اس استعارے کا استعمال کرتے ہوئے صحابہ فرماتے ہیں کہ ہر بادشاہ  
کی ایک جگہ ہوتی ہے اللہ کی جگہ جس میں اس کی وہ حدیں ہیں جس سے اس نے حرام و حلال اور طاعت و معصیت کا فرق قائم  
کیا ہے۔ جو جائز جگہ کے گرد ہی چرتا رہے گا بڑھو مکتا ہے کہ ایک دھڑ دھڑاتی کے اندر داخل ہو جائے اس میں سے  
بہت سے لوگ جو شہوت کی دھڑ سے ناواقف ہیں ہمیشہ اجازت کی آخری حد تک ہی جاتے ہیں اور ان کے لیے یہی  
اور بہت سے علماء و شائخ بھی اسی غرض کے لیے سندس دھڑ دھڑاتے ہوئے کہ ان کی آخری حدیں انہیں بتایا کرتے ہیں،  
تاکہ وہ اس بار ایک خواہش یا جہیز پر گھومتے رہیں جہاں طاعت اور معصیت کے درمیان محض بال برابر  
فاصلہ رہتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ کثرت لوگ معصیت اور معصیت سے بھی بڑھ کر فضیلت میں مبتلا ہو رہے ہیں،  
کیونکہ ان کا ایک سرحدی خطوط کی تمیز انسان کے کنارے پہنچ کر اپنے آپ کو قابو میں رکھنا ہر ایک کے بس کا کام  
نہیں ہے۔



لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ  
تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۸﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْهَلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ  
لِلنَّاسِ وَالْحَبِيبِ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ

ان کو اس غرض کے لیے پیش کر دو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے  
کھانے کا موقع مل جائے ۛ

لوگ تم سے چاند کی گھنٹی پرستی صورتوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ لوگوں کے لیے تائید و  
کی تعمین کی اور حج کی علامتیں ہیں۔ نیز ان سے کہو: یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں بیٹھے

۲۸۸ ایسی بات کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حاکموں کو ضرورت ہے کہ نا جائز فائدے اٹھانے کی کوشش نہ کرو اور  
دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم خود جانتے ہو کہ مال دوسرے شخص کا ہے تو اس لیے کہ اس کے پاس اپنی ملکیت کا کوئی  
ثبوت نہیں ہے یا اس بنا پر کہ کسی بھی بیچ سے تم اس کو کھا سکتے ہو، اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ۔ ہر ملکیت کے حاکم  
عدالت دو دو مقدمہ کے لحاظ سے وہ مال تم کو دلا دے۔ مگر حاکم کا ایسا فیصلہ مدہل غلامانی ہوئی دودار سے دھوکا کھا  
ہلنے کا نتیجہ ہوگا۔ اس لیے عدالت سے اس کی ملکیت کا حق حاصل کر لینے کے باوجود حقیقت میں تم اس کے جائز مالک نہ  
ہو جاؤ گے۔ جزا شدہ تمہارے لیے عہد نامہ ہے۔ گاہے گاہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا اناس بشر و  
'لنم تخطئون الی و لعل بعضکم یکن الحزن' مجتہد من بعض فاقضی له علی نحو ما اسامہ منہ۔  
نہم تفضیت له بشیء من حق اخیه فانما اتفی له قطعة من الناس۔ یعنی میں بہر حال ایک انسان ہی تو  
ہوں۔ جو کہتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کی نسبت زیادہ چرب زبانی  
ہو اور اس کے دلائل سن کر میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ مگر یہ کچھ لوگ اس طرح کہنے کی بجائی کے حق میں سے کوئی چیز  
تم نے میرے فیصلہ کے ذریعے سے حاصل کی تو وہ مال تم دوزخ کا ایک ٹکڑا حاصل کر دے۔

۲۸۹ چاند کا گھنٹا ہر ایک ایسا منظر ہے جس نے ہزاروں انسان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے اور اس  
پر متعلق طرح طرح کے نام و قیادات اور رسوم دنیا کی قوموں میں رائج رہے ہیں اور اب تک رائج ہیں۔ اہل عرب میں بھی  
اس قسم کے اہام موجود تھے۔ چاند سے اچھے یا بُرے شگون لینا بعض تاریخوں کو سواد صین کو خض بھننا، کسی تدریج  
کو سفر کے لیے اور کسی کو ابتدائے کار کے لیے اور کسی کو شادی یا عہد کے لیے خوش یا مسود خیال کرنا اور یہ سمجھنا کہ چاند کے  
ظہور و غروب اور اس کی کمی و بیشی اور اس کی حرکت اور اس کے گمن کا کوئی اثر انسانی صورتوں پر پڑتا ہے، یہ سب باتیں دوسری

ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبَيْوتَ مِنَ أَبْوَابِهَا  
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۸﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعَدُّوا لَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

کی طرف سے داخل ہوتے ہوئے نیکی تو اس میں یہ ہے کہ آدمی اللہ کی ناراضی سے بچے۔ لہذا تم اپنے گھروں میں دروازے ہی سے آیا کرو۔ البتہ اللہ سے ڈرتے رہو شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔ اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ خدا زیادتی

جاہل قوم کی طرح اہل عرب میں بھی پائی جاتی تھیں اور اس سلسلے میں مختلف تہذیب پرستانہ رسمیں ان میں رائج تھیں۔ غیر جویزوں کی حقیقت بھی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی گئی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ جنت پرست کھاندہ تھے۔ یہ لوگ سوا کچھ نہیں کہ ایک تہذیبی جنس ہی تھے جو مسلمان نہ ہو مگر دنیا بھر کے لوگوں کو ایک امت کی تاریخوں کا حساب دیتا رہتے تھے۔ ع۔ ج۔ کا ذکر خاص طور پر اس لیے فرمایا کہ عرب کی مذہبی، تمدنی اور معاشی زندگی میں اس کی اہمیت تھی جبکہ بڑھ کر تہذیبی سال کے چار مہینے ع۔ ج۔ اور عمرے سے وابستہ تھے۔ ان میں عربوں میں لڑائیاں بند نہ ہوتیں، راستے محفوظ ہوتے اور اس کی وجہ سے کاروبار فروغ پاتے تھے۔

۱۹۹ھ بمطابق ۸۱۵ء میں عربوں کے جو عرب میں رائج تھیں، ایک یہ بھی تھی کہ جب ع۔ ج۔ کے لیے احرام باندھ لیتے تو اپنے گھروں میں دعا مانگنے سے داخل نہ ہوتے تھے بلکہ پیچھے سے دیا اور کندک یا دروازے میں کھڑکی سی بنا کر داخل ہوتے تھے۔ نیز سفر سے واپس آکر بھی گھروں میں پیچھے سے داخل ہوا کرتے تھے۔ اس آیت میں نہ صرف اس رسم کی تردید کی گئی ہے بلکہ تمام احرام پر یہ کہہ کر ضرب لگائی گئی ہے کہ نیکی اور عمل اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے کا نام ہے۔ ان سے سنی دشمنوں کو شک سے کوئی فائدہ نہیں جو محض باپ دادا کی اندھی تقلید میں برتی جا رہی ہیں اور جن کا انسان کی حیثیت و شقاوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۰۰ھ یعنی دو گندھ کے کام میں تھا اور اسے روکتے ہیں اور اس بنا پر کہ اسے دشمن بن گئے ہیں کہ تم غزوات کے مصلحتانہ نظام زندگی کی اصلاح نہ کرنا چاہتے ہو اور اس اصلاحی کام کی مزاحمت میں جو وہ ظلم کی باتیں استعمال کر رہے ہیں۔ ان سے جنگ کرو۔ اس سے پہلے جب تک مسلمان کفر اور منتشر تھے، ان کو صرف تبلیغ کا حکم تھا اور مخالفین کے خلاف ہتھیار بردار ہونے کی ہدایت کی جاتی تھی۔ اب مدینہ میں ان کی چھوٹی سی شہری ریاست بن جانے کے بعد پہلی مرتبہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جو لوگ اس دھوکے والی راہ میں مسلح مزاحمت کرتے ہیں ان کو تلوار کا جواب تلوار سے دے۔ اس کے بعد ہی جنگ بد

الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۰﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ  
 مِنْ حَيْثُ أَخْرَجْتُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا  
 تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ  
 فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿۱۱۱﴾  
 فَإِنْ انْتَهَمُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۲﴾

کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکال  
 جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے اس لیے کہ قتل اگرچہ بڑا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے۔  
 اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو  
 تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو جہاں لو کہ  
 اللہ صاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

پیش آئی اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۱۱۰۔ یعنی تمہاری جنگ تباہی بادی اور امن کے لیے ہر مذہب و گروں پر پابند آٹھ اضافہ جو دین حق کی راہ میں مزاحمت  
 نہیں کرتے اور نہ لڑائی میں جاہلیت کے طریقے استعمال کرو۔ عورتوں اور بچوں اور بزرگوں اور زخمیوں پر دست درازی کرنا،  
 دشمن کے معنوں کا ٹھکانا، کبیتوں اور کشیدوں کو خواہ مخواہ برباد کرنا اور دوسرے تمام وحشیانہ اور ظالمانہ اعمال محمد سے  
 گزینے کی تمہیبت میں آتے ہیں اور حدیث میں ان سب کی ممانعت وارد ہے۔ اہمیت کا نشانہ یہ ہے کہ قوت کا استعمال دیں کیا  
 جاننے جہاں وہ ناگزیر ہیں، اسلامی حد تک کیا جاسکتی ہیں اس کی ضرورت ہو۔

۱۱۱۔ یہاں غنیمت کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جس میں انگریزی کا لفظ (Persecution) استعمال  
 ہوتا ہے، یعنی کسی کو مذہب یا شخص کو صحت یا بنا پر ظلم و ستم کا نشانہ بنانا کہ اس نے رائج اوقات خیالات و نظریات کی جگہ کو دوسرے  
 خیالات و نظریات کو حق پا کر قبول کر لیا ہے اور وہ عقیدہ تبلیغ کے اندیشے سے سراسیمگی کے عروج و افولت نظام میں اصلاح کی کوشش  
 کرتا ہے۔ اہمیت کا نشانہ یہ ہے کہ بلاشبہ انسانی غریب ہونا بہت برا فعل ہے، لیکن جب کوئی انسانی گروہ ذہنی اپنی افکری  
 معتقدات و دوسروں پر مسلط کرے اور لوگوں کو قبول حق سے مجبور کر کے اور اصلاح و ترقی کی جائز و معقول کوششوں کا مقابلہ

وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ  
فَلَا تَتَّبِعُوا فَلَاعُدَّوَانِ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۷﴾

تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔  
پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔

دلائل سے کرنے کے بجائے حیوانی طاقت سے کہنے لگے تو وہ قتل کی نسبت زیادہ سخت بُرائی کا ارتکاب کرتا ہے اور ایسے  
گروہ کو بڑوٹھیر مٹا دینا باطل جائز ہے +

۱۳۷ یعنی تم جس خدا پر ایمان لائے ہو اس کی صفت یہ ہے کہ بدتر سے بدتر مجرم اور گنہگار کو بھی معاف کر دیتا ہے  
جبکہ وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے یہی صفت تم اپنے اندر بھی پیدا کرو۔ تخلقوا باخلاق اللہ بھاری لڑائی انتقام  
کی پیاس بجھانے کے لیے نہ ہو بلکہ خدا کے دین کا راستہ صاف کرنے کے لیے ہو جب تک کوئی گروہ زائد خدا میں مزاحم نہ ہے پس  
اسی وقت تک اس سے ہتھاری لڑائی بھی نہیں، اور جب وہ اپنا رویہ چھوڑ دے تو ہتھارا لڑتے بھی پھر اس پر نہ اٹھے +

۱۳۸ یہاں فتنہ کا لفظ اوپر کے معنی سے ذرا مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے، مسیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ  
اس مقام پر فتنے سے مراد وہ حالت ہے جس میں دین اللہ کے بدلے کسی اور کے لیے ہو اور لڑائی کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ ختم  
ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو پھر جب ہم لفظ دین کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں دین کے معنی  
"طاعت" کے ہیں اور اصطلاحاً اس مراد وہ نظام زندگی ہے جو کسی کو بالآخر ایمان کے احکام و قوانین کی پیروی میں  
اختیار کیا جائے پس دین کی اس تشریح سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ سوسائٹی کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی  
خدائی و فرمانروائی قائم ہو اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ ہونے لگے کی حالت اور اسلامی  
جنگ کا مصلح نظر یہ ہے کہ اس فتنے کی جگہ ایسی حالت قائم ہو جس میں بدتر مفسد قانون الہی کے مصلح بن کر رہیں +

۱۳۹ باز آجانے سے مراد کافروں کا اپنے کفر و شرک سے باز آجانا نہیں، بلکہ فتنہ سے باز آجانا ہے کافر، مشرک،  
دہریے، ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنا جو عقیدہ رکھتا ہے رکھے اور جس کی چاہے عبادت کرے یا کسی کی مذکرے اس گمراہی  
سے اس کو بچانے کے لئے ہم اسے فہمائش اور نصیحت کریں گے مگر اس سے ڈریں گے نہیں لیکن اُسے یہ حق ہرگز نہیں ہے  
کہ خدا کی زمین پر خدا کے قانون کے بجائے اپنے باطل قوانین جاری کرے اور خدا کے بندوں کو غیر از خدا کسی کا بندہ بنائے۔  
اس فتنے کو دفع کرنے کے لیے حسب موقع اور حسب امکان تبلیغ اور شیعہ دونوں سے کام لیا جائے گا اور مومن اس وقت  
تک چین سے نہ بیٹھے گا جب تک کفار اپنے اس فتنے سے باز نہ آجائیں +

اور یہ جو فرمایا کہ اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر دست درازی روا نہیں تو اسے یہ اشارہ بھلا ہے کہ

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنِ  
اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَلَعْنَدُوا عَلَيْهِ وَيُكِلْ مَا اعْتَدَى  
عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۷﴾

ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہی ہے اور تمام حُرمتوں کا لحاظ برابر ہی کے ساتھ ہوگا۔ لہذا جو تم پر  
دست درازی کرنے تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو۔ البتہ اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ  
جان رکھو کہ اللہ انہیں لوگوں کے ساتھ ہے جو اس کی حدود توڑنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

جب نظام باطل کی جگہ نظام حق قائم ہو جائے تو عام لوگوں کو ترسات کر دیا جائے گا، لیکن ایسے لوگوں کو سزا دینے میں اہل حق  
باطل حق بہانہ ہوں گے جنہوں نے اپنے دور اقتدار میں نظام حق کا لامتہ دکنے کے لیے ظلم و ستم کی حکم دی ہو۔ اگرچہ اس معاملے  
میں بھی مصلحتیں صالحین کو زیب دیتا ہے کہ مفسود درگزر سے کام میں اور قیاب ہو کر ظالموں سے انتقام نہ لیں۔ مگر جن کے جملہ  
کی فہرست بہت ہی زیادہ سیاہ پھر ان کو سزا دینا باطل جائز ہے اور اس اجازت سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فائدہ اٹھایا ہے۔  
جن سے بڑے مفسود درگزر کسی کے نمایاں نشان نہ تھا۔ چنانچہ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے عقیلہ بن ابی معیط اور عقیلہ بن ابی  
کاتل اور فح کہ کے بعد آپ کا آدھوں کو مرنے سے سستی افرانا اور پھر ان میں سے چار کو سزا سے موت دینا اسی اجازت  
پر مبنی تھا۔

۱۳۶ اہل عرب میں حضرت ابراہیم کے وقت سے یہ قاعدہ چلا آ رہا تھا کہ ذی الفعدہ ذی الحجۃ اور محرم کے مہینوں میں  
جنگ کے لیے غرض سے اور جنگ حیدرہ کے لیے خاص کیا گیا تھا اور ان چار مہینوں میں جنگ اور لڑائی منع تھی تاکہ  
ذہریہ کہہ سکیں کہ اللہ کے ساتھ خدا کے گھنوک جائیں اور اپنے گھر میں ہو سکیں۔ اس بنا پر ان مہینوں کو حرام مہینے کہا جاتا  
تھا، میں حرمت دے بیٹھے۔ ایسی کاشتکاری سے کہ ماہ حرام کی حرمت کا لحاظ رکھ کر زمین کو سنبھالیں اور اگر وہ اس وقت  
کو کھڑا نہ کر کے کسی عوام میں مسلمانوں پر دست درازی کر گزریں تو یہ مسلمان بھی ماہ حرام میں بدلہ لینے کے مجاز ہیں۔  
اس اجازت کی ضرورت خاص طور پر اس وجہ سے پیش آگئی تھی کہ اہل عرب نے جنگ میں بدلہ اور لوٹ مار کی خاطر نبی کا  
تعاہدہ بنا لیا تھا جس کی بدولت وہ کسی سے انتقام لینے کے لیے باز نہ گئی تھے۔ اس لیے جنگ چھڑنا چاہتے تھے تو کسی  
عوام میں سے کسی پر چھاپ کر مہینے اور پھر اس مہینے کی جگہ کسی دوسرے مہینے کو حرام کر کے گویا اس حرمت کا بدلہ لینا کہہ دیتے  
تھے۔ اس بنا پر مسلمانوں کے سامنے یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر کفار اپنے نبی کے چلے کو کام میں لے کر کسی حرام مہینے میں جنگی کارروائی کر  
دیں تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ اسی سوال کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔

وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَأَحْسِنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَآتُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۚ

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ مسنوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ کی خوشنودی کے لیے جب حج اور عمرے کی نیت کر دو تو اسے پورا کرو اور اگر کہیں گھر جاؤ تو جو قربانی میسر آئے اللہ کی جناب میں پیش کر دو اور اپنا سر نہ مونڈو جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔

۲۰۷ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد اللہ کے دین کو قائم کرنے کی سعی و ہمد میں مالی قربانیاں کرنا ہے۔ نیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خدا کے دین کو پسند کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کر دو گے تو اس کے مقابلے میں اپنے ذاتی مفاد کو عزیز نہ کرنا۔ قرینہ تمنا ہے دنیا میں بھی موجب ہلاکت ہو گا اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تم کفار سے مغلوب اور ذلیل ہو کر رہ گئے اور آخرت میں تم سے سخت باز نہیں ہوگی۔

۲۰۸ احسان کا مفہوم حسن سے نکلا ہے جس کے معنی کسی کام کو خیر کے ساتھ کرنے کے ہیں۔ عمل کا ایک وہ حصہ ہے جو کوئی کے پروردگار خدمت گزار سے نہیں کہے اور دوسرا وہ حصہ ہے کہ اسے خیر کے ساتھ کرے، اپنی پوری قابلیت اور اپنے تمام وسائل اس میں صرف کرے اور دل و جان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے۔ پسلا دہر معنی طاعت کا دہر ہے جس کے لیے صرف تقویٰ اور خوف کافی ہو جاتا ہے اور دوسرا دہر احسان کا دہر ہے جس کے لیے محنت اور کمر اٹھانا اور دعا کرنا ہوتا ہے۔

۲۰۹ یعنی اگر راستے میں کوئی سبب ایسا پیش آجائے جس کی وجہ سے آگے جانا غیر ممکن ہو اور مجبوراً لوٹ جانا پڑے۔ قاف کا تعلق ہے جس کی وجہ سے جانا بھی میسر نہ ہو اور اللہ کے لیے قربان کر دو۔

۲۱۰ اس میں اس وقت ہے کہ قربانی کے لیے اپنی جگہ پہنچ جانے سے کیا مراد ہے۔ تمنا ہے خیر کے نزدیک خرچ مراد وہ ہے یعنی اگر کوئی راستہ میں رک جائے پر مجبور ہو تو اپنی قربانی کا جانور یا اس کی قیمت جیسے بکرا یا اس کی طرح سے حدود و قیود میں قربانی کی جائے۔ اور امام مالک اور شافعی و مسلمان اللہ کے نزدیک جہاں آدمی گھر گیا ہو وہیں قربانی کو ہمارا کر دو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ تَرَائِكُمْ  
فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفْتٍ فَأُذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ  
الْحَرَامِ وَأُذْكُرُوهُ كَمَا هَذَا كُمْ وَلَئِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ  
لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿۱۵۶﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِّنْ حَيْثُ أَفَاضَ

اے اگر حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرتے ہو تو اس میں کوئی  
مضائقہ نہیں۔ پھر جب عرفات سے چلو، تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو  
یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے، اور نہ اس سے پہلے  
تو تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے۔ پھر جہاں سے اور جب لوگ پلٹتے ہیں میں سے تم بھی

مذہبی آدمی سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ خدا کے گھر کی طرف دنیا کا سامان لیے نہ جاتے گا۔ اس آیت میں ان کے اس خدا  
خیال کی تردید کی گئی ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ نادارہ دنیا کوئی غریبی نہیں ہے۔ اصل غریبی خدا کا خوف اور اس کے احکام  
کی خلاف ورزی سے اکتاب اور زندگی کا پکیزہ ہوتا ہے۔ ہر مسافر اپنے اطلاق درست نہیں رکھتا اور خدا سے بے خوف ہو کر  
بے سطر اعمال کرتا ہے وہ اگر نادارہ ساتھ دے کر بعض ظاہری فیوض کی نمائش کرتا ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ خدا و خلق دونوں  
کی نگاہ میں وہ ذلیل ہو گا اور اپنے مذہبی کام کی بھی تہین کرے گا جس کے لیے وہ سفر کر رہا ہے۔ لیکن اگر اس کے دل  
میں خدا کا خوف ہو اور اس کے اطلاق درست ہوں تو خدا کے ہاں بھی اس کی عزت ہوگی اور خلق بھی اس کا احترام کرے گا  
چاہے اس کا توشہ دان کمانے سے بھرا ہوا ہو۔

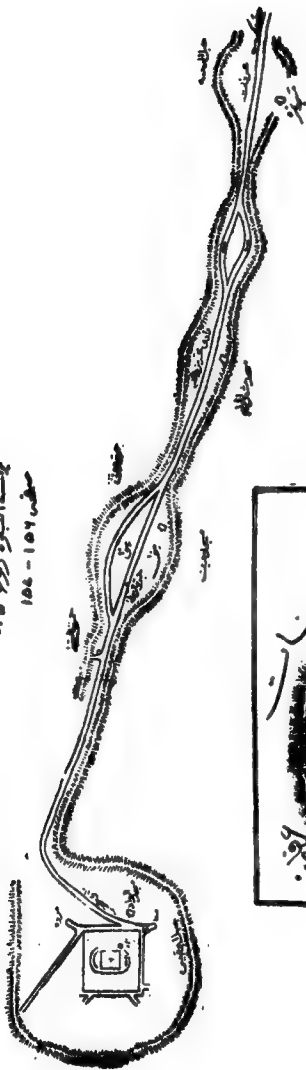
۲۱۸ یہ بھی قدیم عربوں کا ایک جاہلانہ تصور تھا کہ سفر حج کے دوران میں کب معاش کے لیے کام کرنے کو وہ  
بڑا سمجھتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک کسب معاش ایک دنیا دارانہ فعل تھا اور حج جیسے ایک مذہبی کام کے دوران میں اس کا ارتکاب  
مذہم تھا۔ قرآن اس خیال کی تردید کرتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ ایک خدا پرست آدمی جب خدا کے خالق کا احکام صرف کرے  
اپنی معاش کے لیے ہر وہم و گمراہی سے دور ہو اور اس لیے رب کا فضل تلاش کرے اور کوئی گنہگار نہ رہے اگر وہ اپنے رب کی رضا کے لیے  
سفر کرتے ہوئے اس کا فضل بھی تلاش کرتا ہو۔

۲۱۹ یعنی جاہلیت کے زمانے میں خدا کی عبادت کے ساتھ جن دوسرے مشرکانہ اور جاہلانہ اعمال کی آمیزش تھی  
میں ان سب کو چھوڑ دو اور اب جو ہدایت اللہ نے تمہیں بخشی ہے اس کے مطابق خالصتہً اللہ کی عبادت کرو۔

# لَقَدْ يَنْقَلِبُ أُولَٰئِكَ يَجْج

عَلَىٰ السَّجَّةِ لَكُمْ ۚ ۝ ٢٥

سجدة ١٥٦ - ١٥٧







النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ الَّذِي كَذَّبَكُمْ عَنْ آبَائِكُمْ  
أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا  
وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ

پلٹو اور اللہ سے معافی چاہو، یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ پھر جب اپنے حج کے انکان ادا کر چکے تو جس طرح پہلے اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے تھے اس طرح اب اللہ کا ذکر کر دیکھ اس سے بھی بڑھ کر۔ (مگر اللہ کو یاد کرنے والے لوگوں میں بھی بہت فرق ہے) ان میں سے کوئی تو ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دیدے۔ ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور کوئی کہتا ہے کہ

﴿۲۰۰﴾ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے زمانے سے عرب کا معروف طریقہ حج یہ تھا کہ ۸ ذی الحجہ کو کعبہ عرفات چلتے تھے اور صبح کی بیچ کو وہاں سے پٹ کر نزد عرفہ میں ٹھہرتے تھے۔ گردن کے زمانے میں جب رفتہ رفتہ قریش کی برحسنت قائم ہو گئی تو انہوں نے کعبہ میں اہل حرم ہیں، ہمارے مرتبے سے بات فرتے ہے کہ امام اہل عرب کے ساتھ عرفات تک جائیں چنانچہ انہوں نے اپنے لیے یہ طریق اختیار قائم کی کہ مزد تک جا کر ہی پٹ آتے اور عام لوگوں کو عرفات تک چلنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ پھر یہی اختیار اپنی فرما اور اپنی کتابت اور ان دوسرے قبیلوں کو بھی مال ہو گیا جن کے ساتھ قریش کے شادی بیواں کے رشتے تھے آخر کار ندرت یہاں تک پہنچی کہ جو قبیلے قریش کے حلیف تھے ان کی شان بھی امام حرم سے اونچی ہو گئی اور انہوں نے بھی عرفات جانا چھوڑ دیا۔ اسی فرد عرفہ کا بت میں تڑا گیا ہے۔ آیت کا خطاب خاص قریش و مدائن کے رشتے والوں پر حلیف تھا کی طرف سے اور خطاب عام ان سب کی طرف ہے جو آئندہ کبھی ہم قسم کے امتیازات اپنے لیے محض کرنا چاہیں۔ ان کو مکہ دیا جا رہا ہے لہذا سب لوگ جہاں تک جاتے ہیں انہیں کے ساتھ ہاؤز، انہیں کے ساتھ خیرہ، انہیں کے ساتھ پٹڑا و لٹا تک جاہلیت کے فرد و فرد کی بنا پر سنت و عیسوی کی برحفاظ و دوزی تم کرتے رہے ہوتاس براشر سے معافی مانگو۔

﴿۲۰۱﴾ اہل عرب حج سے فارغ ہو کر چلے کتے تھے ہمیں ہر قبیلے کے لوگ اپنے باپ دادا کے کانائے فکر کے ساتھ بیان کرتے اور اپنی بڑائی کی ڈینگیں لاتے تھے۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ ان جاہلانہ باتوں کو چھوڑو۔ چھوڑو

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا  
 عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۰۱﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ  
 سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ  
 فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ  
 عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَآتَقَىٰ اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۰۳﴾  
 وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور اگے  
 عذاب سے ہمیں بچا۔ ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق (دنوں جگہ) حصہ پائیں گے اور  
 اللہ کو حساب چکاتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ یہ گنتی کے چند روز ہیں جو تمہیں اللہ کی یاد میں بسر  
 کرنے چاہئیں۔ پھر جو کوئی جلدی کر کے دو ہی دن میں واپس ہو گیا تو کوئی حرج نہیں،  
 اور جو کچھ دیر زیادہ ٹھہر کر پٹا تو بھی کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ یہ دن اس نے تقویٰ کے  
 ساتھ بسر کیے ہوں۔ اللہ کی نافرمانی سے بچا اور خوب جان رکھو کہ ایک روز اس کے  
 حضور میں تمہاری پیشی ہونے والی ہے۔

انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں

وقت ضروریات میں مرنے سے پہلے اللہ کی یاد اور اس کے ذکر میں مرنے کو۔

۲۲۲ یعنی یام تشریٰ میں ہنسی کے کی طرف واپس خواہ دوسرے دن پہنچے دن، دو دن مرنے میں کوئی  
 حرج نہیں۔ اہل اہیت اس کی نہیں کہ تم ٹھہرے کتنے دن، مگر اس کی ہے کہ جتنے دن بھی ٹھہرے ان میں خدا کے ساتھ تسکین  
 تسکین کا کیا مال ہو۔

وَيَشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ ۚ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۖ وَإِذَا  
كُوِّلِي سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ  
النَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ  
أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْبِهَادُ ۝  
وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ  
وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي

اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے اگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے  
جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے  
کہ فساد پھیلائے، کھیتیں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ  
رحمے وہ گواہ بنا رہا تھا، فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے  
کہ اللہ سے ڈر، تو اپنے وقار کا خیال اس کو گناہ پر جمادیتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے تو بس  
جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ دوسری طرف انسان ہی میں کوئی  
ایسا بھی ہے جو رضائے الہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر  
اللہ بہت مہربان ہے۔ اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام

۲۲۳ یعنی کتنا ہے خدا شہد ہے کہ میں من طلب غیر حق، اپنی ذاتی غرض کے لیے نہیں بلکہ صرف حق و عدالت

کے لیے یاد رکھوں گی بھلائی کے لیے کام کر رہا ہوں۔

۲۲۴ اَلَدُّ الْخِصَامِ کسی جو دو دشمن جو تمام دشمنوں سے زیادہ ٹیڑھا ہو یعنی جو حق کی مخالفت میں ہر ممکن  
وجہ سے کام لے، کسی جھوٹ کسی بے ایمانی کسی خدوہ دھمدی اور کسی ٹیڑھی سے ٹیڑھی چال کو بھی استعمال کرنے میں لگے۔  
۲۲۵ اِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ کسی کو طلب ہو سکتے ہیں۔ ایک دوسرے سے حق میں اختیار کیا ہے اور دوسرا مطلب یہ بھی

السَّامِ كَافَّةً مَّا كَانَتْ تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ صَدُوقٌ مُّبِينٌ ﴿۲۸﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۹﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ

میں آجائے اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جو مانت مانت ہدایات تمہارے پاس آچکی ہیں اگر ان کو پالینے کے بعد پھر تم نے بغرض کھائی، تو خوب جان رکھو کہ اللہ سب پر غالب اور حکیم و داناستے۔ (ان ساری نصیحتوں اور ہدایتوں کے بعد بھی لوگ سیدھے نہ ہوں تو) کیا اب وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں کا چست لگانے فرشتوں کے پرے ساتھ لیے خود سامنے آمو جو دہوا اور فیصلہ ہی کر ڈالا جائے؟۔

حلق ہے کہ یہ منہ منہ سے کہ دل بھانسنے والی باتیں بنا کر جب وہ پٹا ہے تو عفو یا کثرت دکھاتا ہے۔

۲۲۶۔ میں کسی مشتاق اور محنت کے بغیر اپنی زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ۔ تمہارے خیالات، تمہارے نظریات، تمہارے علوم، تمہارے طرزِ فکر، تمہارے معاملات اور تمہارے سوسل کے دانتے سب کچھ بالکل تابعی اسلام ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بعض حصوں میں اسلام کی پیروی کرو اور بعض حصوں کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔

۲۲۷۔ میں وہ زبردست طاقت بھی رکھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہے کہ اپنے بھروسوں کو سوا کس طرح دے۔

۲۲۸۔ یا اللہ قابلِ خود ہیں۔ ان سے ایک اہم حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس دنیا میں انسان کی مادی کاوش

صرف اس بات کی ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھے بغیر جانتا ہے یا نہیں اور اس کے بعد انسانی طاقت رکھتا ہے یا نہیں کہ نافرمانی کا اختیار رکھنے کے باوجود فرماں برداری اختیار کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی ہیئت میں انکسوں کی منزل میں حق کی ہجرت تک میں حق کے امتحان اور انسانی قوت کی آزمائش کا مقرر فرمایا رکھا ہے۔ اور یہی حقیقت کو اس طرح بے پردہ نہیں کر دیا ہے کہ آدمی کے لیے اسے بغیر چارہ نہ رہے، کیونکہ اس کے بعد انکس کاوش بالکل بے معنی ہو جاتی ہے اور امتحان میں کامیابی و ناکامی کا کوئی مفہوم ہی باقی نہیں رہتا۔ اسی بنا پر یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اس وقت کا انتظار نہ کرو جب اللہ اس کی مسافت کے کارکن فرشتے خود سامنے آجائیں گے کیونکہ پھر تو فیصلہ ہی کر ڈالا جائے گا۔ ایمان و ایمان و ایمان میں سر جو کچھ

۲۹

وَالِی اللّٰهُ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ سَلَّ بَنَىٰ اسْرَآءِیْلَ کَمْ اَتِیْنَهُمْ  
مِّنْ اٰیَةٍ بَیِّنَةٍ ۝ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا  
جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ ذُرِّیَّةَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا  
الْحَیْوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ

۲۹

آخر کار سارے معاملات پیش تو انٹری کے حضور پہنچنے والے ہیں۔  
بنی اسرائیل سے پوچھو کیسی کھلی کھلی نشانیاں ہم نے انہیں دکھائی ہیں اور پھر یہ  
بھی نہیں سے پوچھ لو کہ اللہ کی نعمت پانے کے بعد جو قوم اس کو شقاوت سے بدلتی ہے،  
اُسے اللہ کیسی سخت سزا دیتا ہے۔

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے اُن کے لیے دنیا کی زندگی بڑی محبوب و دل پسند  
بنادی گئی ہے۔ ایسے لوگ ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، مگر قیامت کے بعد

کی ساری فزونی و نعمت اُسی وقت تک پہنچے گا جب تک جنت متعالیٰ میں اس سے پوشیدہ ہے اور تم صحنِ دِل سے اس کو تسلیم کر لینی  
ماخوذی کا اور صحنِ نمائش سے اس کی پیروی و اطاعت اختیار کر کے اپنی اخلاقی طاقت کا ثبوت دیتے ہو۔ ورنہ جب حقیقت  
بے نقاب پائے آجائے اور تم پر چشمِ سر دیکھ لو کہ یہ خدا اپنے تختِ جلال پر شکن ہے اور یہ مادی کمالات کی سلطنت اس کے فرمان  
پر چل رہی ہے اور یہ فرشتے زمین و آسمان کے انتظام میں لگے ہوئے ہیں اور یہ تمہاری ہی اُس کے جتنی قدرت میں پوری  
پہنچنے کے ساتھ جکڑی ہوئی ہے، اس وقت تم ایمان لائے اور اطاعت پر آمادہ ہوئے تو اس ایمان اور اطاعت کی قیمت یہی کیا؟  
اس وقت تو کوئی کفر سے کٹا اور خدا پرست سے بدتر جو جرمِ ناجوہی اظہار و نافرمانی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ایمان لانے اور اطاعت  
قبول کرنے کی صلت میں کسی وقت تکبے جب تک کہ پروردگار کی وہ سعادت نہیں آتی جب وہ سعادت آگئی تو پھر سعادت  
ہے نہ آزمائش، بلکہ وہ فیصلے کا وقت ہے۔

۲۶۹ اس سوال کے لیے بنی اسرائیل کا انتخاب دعوے سے کیا گیا ہے ایک یہ کہ سابقہ میرے بچپان کے گھٹاؤں

کی نسبت ایک عینِ جاگتی قوم زیاہ و مترسارینِ عبرت و بعیرت ہے۔ دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل وہ قوم ہے جس کو کتابِ نبوت  
کی شکل ہے کہ دنیا کی رہنمائی کے منصب پر مامور کیا گیا تھا اور پھر اس نے دنیا پرستی، فساد و علم میں کُشتاؤں میں مبتلا

اتَّقُوا فَوْتَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ  
 حِسَابٍ ﴿۱۶۲﴾ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ  
 مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ  
 بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا  
 الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ

پرہیزگار لوگ ہی اُن کے مقابلے میں عالی مقام ہوں گے۔ رہا دنیا کا رزق تو اللہ کو اختیار ہے، جسے چاہے، بے حساب دے۔

ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، اور ان کے ساتھ کتابِ برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، اُن کا فیصلہ کرے۔ (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا۔ نہیں، اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انھوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔)

ہر کس نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر لیا۔ لہذا جو گروہ اس قوم کے بعد امامت کے منصب پر مامور ہوئے اُس کو سب سے بہتر سن اگر کسی کے انجام سے مل سکتا ہے تو وہ یہی قوم ہے۔

۲۳۰۔ نادان لوگ جب اپنے قیاس و گمان کی بنیاد پر مذہب کی تاریخ مرتب کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انسان نے اپنی زندگی کی ابتدا شرک کی تاریکیوں سے کی، پھر تدریجی ارتقا کے ساتھ ساتھ یہ تاریکی چھٹی اور روشنی بڑھتی گئی یہاں تک کہ آدمی توحید کے مقام پر پہنچا۔ قرآن اس کے برعکس یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں انسان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا تھا اُس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ حقیقت کیا ہے اور تیرے لیے صحیح راستہ کونسا ہے۔

فَهَدَىٰ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِآيَاتِهِ  
وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۳۶﴾  
أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَكُمْ فِيهَا مِثْلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ  
قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمِرِينَ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَآءُ وَزُلُزْلُوا حَتَّى يَقُولَ

پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اُس حق کا راستہ دکھا دیا۔  
جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔

پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یزید جنت کا داخلہ نہیں مل جائے گا لانکہ  
ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے ؟  
اُن پر سختیاں گزریں، بھیتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے

وہ کے بعد ایک مدت تک نبی آدم راولپنڈی اور ایک امت نبی ربی پھر لوگوں نے نئے نئے راستے نکالے اور  
مختلف طریقے ایجاد کر لیے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت نہیں بتائی گئی تھی، بلکہ اس وجہ سے کہ حق کو جاننے کے باوجود  
بعض لوگ اپنے ہاتھ حق سے بڑھ کر امتیازات فرمادہ مانع حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم  
سرکشی اور زیادتی کرنے کے خواہشمند تھے۔ اسی غلابی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث کرنا شروع  
کیا۔ یہ انبیاء اس لیے نہیں بھیجے گئے تھے کہ ہر ایک اپنے نام سے ایک نئے مذہب کی بنیاد لے لیا اپنی ایک نئی امت بنائے۔  
بلکہ ان کے بھیج جانے کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے اُس کھوئی ہوئی راہِ حق کو واضح کر کے انہیں پھر سے ایک راستہ بتا دیں  
﴿۱۳۶﴾ اے کہ آیت اور اس آیت کے درمیان ایک ہمدردی داستان کی داستان ہے جسے ذکر کیے بغیر چھوڑ دیا گیا ہے،

کیونکہ یہ آیت خود اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور قرآن کی کئی صورتوں میں (جو سورہ بقرہ سے پہلے نازل ہوئی تھیں) یہ  
حالتِ تفصیل کے ساتھ بیان بھی ہو چکی ہے۔ انبیاء جب کہ بھی دنیا میں آئے انہیں امدان پر ایمان لانے والے لوگوں کو خدا کے  
ہاتھ دیکھ کر بندوں سے سخت مقابلہ پیش آیا اور انھوں نے اپنی جانیں جو رکھیں میں مثال کرنا بلطریقوں کے مقابلہ میں حق  
کو قائم کرنے کی جدوجہد کی۔ اس دین کا راستہ کبھی پھولوں کی جگہ نہیں رہا کہ آتنا کہ اور ہمیں سے لیٹ گئے۔ اس آیت کا  
قدق تھا ہر زمانے میں یہ رہا ہے کہ آدمی جس دین پر ایمان لایا ہے اس سے قائم کرنے کی کوشش کرے اور جو حق اس کے  
لاستے میں مزاحم ہوا اس کا زور توڑنے میں اپنے جسم و جان کی ساری قوتیں صرف کر دے۔



الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصَرَ اللَّهُ الْآيَاتِ  
 نَصَرَ اللَّهُ قَرِيبٌ ۝ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلْ مَا  
 أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ وَالْآقِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَ  
 الْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ  
 بِهِ عَلِيمٌ ۝ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ  
 أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَ  
 هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ يَسْأَلُونَكَ  
 عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَ

ج

ساتھی اہل ایمان جمع اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی — اُس وقت انھیں تسلی دی گئی کہ  
 ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔

لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں، جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین  
 پر رشتے داروں پر یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ اور جو بھلائی بھی تم کرو گے  
 اللہ اس سے باخبر ہو گا۔

تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے — ہو سکتا ہے کہ ایک چیز  
 تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی  
 تمہارے لیے بُری ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے، کہو: اس میں لڑنا بہت بُرا ہے، مگر

صَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرًا بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَآخِرَ حَرْجٍ  
أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَ

راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے  
بہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بُرا ہے اور فتنہ خویر بڑی سے شدید ہے۔

۳۳۲ یہ بات ایک واقعہ سے متعلق ہے۔ جب مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ آدمیوں کا ایک دستہ  
خٹلہ کی طرف بھیجا تھا جو کچھ اورطائف کے درمیان ایک مقام ہے اور اس کو ہدایت فرمادی تھی کہ قریش کی قتل و حرکت سدائیکے  
آئندہ اور اولوں کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ جنگ کی کوئی اجازت اپنے نہیں دی تھی لیکن ان لوگوں کو دستہ میں قریش کا  
ایک چھوٹا سا تجارتی قافلہ ملا اسی پر انہوں نے حملہ کر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور باقی لوگوں کو ان کے مال سمیت گرفتار کر کے  
مدینے لے آئے یہ کارروائی ایسے وقت ہوئی جبکہ جب ختم اور شہاں شروع ہو رہا تھا اور یہ امر مشتبہ تھا کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
ہی میں ہوسہ یا نہیں لیکن قریش نے اور ان سے دباؤ دہلے ہرے سیدوں اور بنی قریظہ نے مسلمانوں کے خلاف  
پردہ بٹھا کر کے لیے اس واقعہ کو خوب شرم دی اور سخت اعتراضات شروع کر دیے کہ یہ لوگ چلے ہیں بڑے اتنے والے  
ہیں کہ اور حال یہ ہے کہ باہر حرام تک میں خویر بڑی سے نہیں جھکتے۔ انہی اعتراضات کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔  
جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ حرام میں لڑنا بڑی بڑی حرکت ہے، مگر اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کے مومنہ کو تو زینت بن دیتا  
جنہوں نے ۳۱ برس مسلسل اپنے سینکڑوں صحابہوں پر صرف اس لیے ظلم توڑے کہ وہ ایک خلا پر ایمان لائے تھے، پھر ان کو یہاں تک  
جنگ کیا کہ وہ جلا وطن ہونے پر مجبور ہو گئے، پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور اپنے ان صحابہوں کے لیے مسجد حرام تک جانے کا راستہ  
بھی بند کر دیا حالانکہ مسجد حرام کسی کی ملک نہ تھا نہ وہیں چاروں پہلے دو ہزار برس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو اس کی زیارت  
سے روکا گیا ہو۔ اب جن ظالموں کا نام اعمال ان کو تو قتل سے مایہ ہٹے ان کا کیا مومنہ ہے کہ ایک معمولی سی سرمدی جھڑپ  
پراس قدر زور و شور کے اعتراضات کریں، حالانکہ اس جھڑپ میں جو کچھ ہوا ہے وہ بھی کی اجازت کے بغیر ہوا ہے اور اس کی  
حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اسلامی جماعت کے چند آدمیوں سے ایک غیر ذمہ دار و ذلیل کا ارتکاب کیا گیا ہے۔  
اس مقام پر یہ بات بھی معلوم رہنی چاہیے کہ جب یہ دستہ قیدی اور مالی قیمت لے کر بنی قریظہ و حلیہ سلم  
کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، آپ نے اسی وقت فرمایا تھا کہ میں نے تم کو لڑنے کی اجازت تو نہیں دی تھی۔ نیز  
آپ نے ان کے لئے ہرے مال غنیمت میں سے بیت المال کا حق لینے سے بھی انکار فرمایا تھا جس بات کی  
علامت تھی کہ ان کی یہ لوث ناہانز ہے۔ عام مسلمانوں نے بھی اس فعل پر اپنے ان آدمیوں کو سخت طاعت کی تھی اور مدینہ  
میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے انہیں اس پر داد دی ہو۔

لَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ  
اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ قَسَمْتُ وَهُوَ  
كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ  
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ  
آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ

وہ تو تم سے لڑے ہی جائیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں اس دین سے پھیرے جائیں۔  
(اور یہ خوب سمجھ لو کہ) تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں  
ہاں دے گا اُس کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب  
لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ بخلاف اس کے جو لوگ  
ایمان لائے ہیں اور جہنم نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے ، وہ

۲۳۳ مسلمانوں میں سے بعض سادہ لوح لوگ جن کے ذہن پر نیکی اور صلح پسندی کا ایک غلط تصور مسلط تھا کہ اگر  
ہم یہودیوں کے مذکورہ بالا اعتراضات سے متاثر ہو گئے تھے اس آیت میں انہیں سمجھایا گیا ہے کہ تم اپنی ان باتوں سے  
یہ ایمنہ رکھو کہ تمہارے خدا ان کے دین میں معافی ہو جائے گی۔ ان کے اعتراضات معافی کی غرض سے ہیں ہی نہیں۔ وہ تو اصل  
کیچڑ اچھا نا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ بات کھل رہی ہے کہ تم اس دین پر ایمان رکھو گے جس کی طرف دنیا کو دعوت کی جارہی تھی  
ہر جہاں جس تک وہ اپنے کفر پر اڑے ہوئے ہیں اور تم اس دین پر قائم ہو جاؤ گے۔ ان کے دین میں معافی کی کسی طرح ذمہ داری  
اور ایسے دشمنوں کو تم معافی دینا بھی نہ سمجھو۔ جو تم سے مل و زاریاں نہیں جھینٹا چاہتا ہے وہ کتر و جھکا دشمن ہے۔ مگر جو تمہیں چاہتا  
ہے پھر تباہ چاہتا ہے وہ تمہارا بدترین دشمن ہے۔ کیونکہ پہلا تو صرف تمہاری دنیا ہی خوب کرتا ہے لیکن یہ دوسرا تمہیں قوت  
کے ابدی غلبہ میں دیکھ کر ہر گز ہراساں نہیں ہوتا۔

۲۳۴ ہمارے معنی ہیں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کر دینا۔ یہ معنی جنگ کا  
ہم سنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے تو قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ہمارا اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اس میں ہر قسم کی  
جہاد و جدوجہد شامل ہے۔ ہمارے شخص ہے جو ہر وقت اپنے مقصد کی دھن میں لگا ہوا، دماغ سے اسی کے لیے تدبیریں سوچتا ہے،

يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٨﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَيْرِ  
وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا الْإِثْمُ كَبِيرٌ وَمَنْ فَاعِلٌ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ هُمَا  
أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ هُ قُلِ الْعَفْوَ  
كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٣٩﴾  
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَمْنِيِّ قُلْ إِصْلَاحٌ

رحمت الہی کے جائز امیدواریں اور اللہ ان کی غرضوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے  
انہیں نوازنے والا ہے۔

پوچھتے ہیں شراب اور خمر سے کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی  
ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا نقصان ان کے فائدے سے  
بہت زیادہ ہے۔

پوچھتے ہیں ہم راہِ خدا میں کیا خرچ کریں؟ کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔  
اس طرح اللہ تمہارے لیے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے، شاید کہ تم دنیا اور آخرت  
دونوں کی فکر کرو۔

پوچھتے ہیں تہیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ کہو جس طرزِ عمل میں ان کے لیے بھلائی ہو،

زبانِ وقم سے اسی کی تبلیغ کرے، ہاتھ پاؤں سے اسی کے لیے دھڑ دھڑ محنت کرے، اپنے تمام امکانی وسائل اس کو  
فروغ دینے میں صرف کر دے، اور ہر اُس مزاحمت کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے جو اس راہ میں پیش آئے حتیٰ کہ جب جان  
کی بازی لگانے کی ضرورت ہو تو جس میں بھی مدد بخند کرے۔ اس کا نام ہے جہادِ ابدی جو مادی سبیل اللہ سے کچھ کہیں کچھ  
صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اس غرض کے لیے کیا جائے کہ اللہ کا دین اس کی زمین پر قائم ہو اور اللہ کا کلمہ سامنے ملوں۔ ہر  
غالب ہو جائے اس کے سوا اللہ کی غرض جاہد کے پیش نظر نہ ہو۔

۳۳۵ شراب اور خمر سے متعلق یہ احکام ہے جن میں صرف اہلِ ایمان ناپسندیدگی کر کے مجبور نہ ہو سکتے ہیں تاکہ نہ

لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ  
 مِنَ الْمَصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنْ اللَّهُ عَزِيزٌ  
 حَكِيمٌ ۝ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ ۖ وَلَا مَنَّةٌ  
 مُّؤْمِنَةٍ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرَكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا  
 الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۖ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۚ

وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اگر تم اپنا اور اُن کا خرچ اور رہنا سنا مشترک کھو تو اس میں کوئی  
 مضائقہ نہیں۔ آخر وہ تمہارے بھائی بندھی تو ہیں۔ بُرائی کرنے والے اور بھلائی کرنے والے  
 دونوں کا حال اللہ پر روشن ہے۔ اللہ چاہتا تو اس معاملے میں تم پر سختی کرتا مگر وہ صاحب اختیار  
 ہونے کے ساتھ صاحب مکت بھی ہے۔

تم مشرکوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مومن بونڈی  
 مشرک شریف زادی سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک  
 مردوں سے کبھی نہ کرنا جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن غلام مشرک شریف سے بہتر ہے

ان کی حرمت قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ بعد میں شراب پی کر نماز پڑھنے کی ممانعت آئی۔ پھر شراب اور جوتے اور اس  
 زینت کی تمام چیزوں کو قطعی حرام کر دیا گیا۔ (ماظہ سورۃ نساء ذکر کرے، دوسرے مائدہ ذکر کرے ۱۲)

۲۳۶ اس آیت کے نزول سے پہلے قرآن میں تیسوں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق بار بار سخت احکام آچکے  
 تھے اور یہاں تک فرما دیا گیا تھا کہ یتیم کے مال کے پاس نہ پہنچو اور یہ کہ جو لوگ تیروں کا مال غلام کے ساتھ کھاتے ہیں اپنے  
 پیٹ آگے بھر رہے ہیں۔ ان شدید احکام کی بنا پر وہ لوگ جن کی تربیت میں یتیم بچے تھے اس قدر غصہ زدہ ہو گئے تھے کہ  
 انہوں نے ان کا کھانا بینا تک اپنے سے الگ کر دیا تھا اور اس احتیاط پر بھی انہیں ڈرتا کہ کہیں تیسوں کے مال کا کوئی حصہ ان کے  
 مال میں نہ مل جائے۔ اسی لیے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حلیافت کیا کہ ان بچوں کے ساتھ ہمارے معاملے کی میسر  
 صورت کیا ہے۔

وَلَوْ أَنعَجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى التَّارِكِ وَاللَّهُ يَدْعُو  
إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيَسْتَبِينَ أَيْتَهُ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ  
يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧١﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذَى  
فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ

اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ یہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ سبق لیں گے اور نصیحت قبول کریں گے۔

پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو: وہ ایک گندگی کی حالت ہے۔ اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں۔

۲۳۷ء یہ ہے علت و صفت اس حکم کی جو مشرکین سے شادی بیاہ کا تعلق نہ کئے کے تعلق اور بیان ہوا تھا۔ عورت اہل دھرم کے درمیان نکاح کا تعلق محض ایک شرعی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ ایک گہرا تمدنی، اخلاقی اور قلبی تعلق ہے۔ یوں اور مشرک کے درمیان اگر یہ قلبی تعلق ہو تو جہاں اس امر کا امکان ہے کہ مومن شہر یا بیوی کے اٹھ سے مشرک شہر یا بیوی پر اور اس کے خاندان اور خاندانہ نسل پر اسلام کے عقائد اور طرز زندگی کا نقش ثبت ہوگا، وہیں اس امر کا بھی امکان ہے کہ مشرک شہر یا بیوی کے خیالات اور طرز طریقوں سے نہ صرف مومن شہر یا بیوی بلکہ اس کا خاندان اور دونوں کی نسل تک متاثر ہو جائے گی۔ اور غالباً اس امر کا ہے کہ ایسے ازدواج سے اسلام اور کفر و شرک کی ایک ایسی سمجھ مرکب اس گھر و اس خاندان میں پھیل جائے گی جس کے غیر مسلم خواہ کتنا ہی پسند کریں اگر اسلام کی طرح پسند کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جو شخص صحیح مصلحت میں مومن مرد و عورت اپنے جذبات و شہوات کی تسکین کے لیے کسی غیر مومن نہیں لے سکتا کہ اس کے گھر اور اس کے خاندان میں کافر و مشرک کا نہ زیادہ اور طور طریقہ پر روش پائیں اور وہ خود بھی ناواست اپنی زندگی کے کسی پہلو میں کفر و شرک سے متاثر ہو جائے۔ اگر بالآخر ایک فرد مومن کسی غیر مشرک کے عشق میں بھی مبتلا ہو جائے تب بھی اس کے ایمان کا اتنا سیما ہے کہ وہ اپنے خاندان، اپنی نسل اور خود اپنے دین و اخلاق پر اپنے شخص جذبات قربان کر دے۔

۲۳۸ء اس میں اذی کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی گندگی کے بھی ہیں اور بیماری کے بھی حیض عورت ایک گندگی ہی نہیں ہے بلکہ اپنی حیثیت سے وہ ایسی حالت ہے جس میں عورت تندرستی کی نسبت بیماری سے قریب تر ہوتی ہے۔

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاَتْوَهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ  
التَّوَابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۳۰﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ  
فَاَتُوا حَرْثَكُمْ اِنِّيْ سِتُّكُمْ وَقَدْ مُوَالَا نَفْسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ اُس طرح میسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ مگر اپنے مستقبل کی فکر کرو اور اللہ کی ناراضی نہ کرو۔

۲۲۹ قرآن مجید اس قسم کے معاملات کا استعمال اور کنایوں میں بیان کرتا ہے۔ اس لیے اس نے لگ بھگ قرآن قریظہ جاؤ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مانعہ عورت کے ساتھ ایک فرش پر بیٹھے یا ایک جگہ کھانا کھانے سے بھی احتراز کیا جائے اور اسے بالکل چھوتے بنا کر رکھ دیا جائے جیسا کہ یہود اور ہنود اور بعض دوسری قوموں کا دستور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی جو توضیح فرمادی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں صرف نسل مباشرت سے پرہیز کرنا چاہیے، باقی تمام تعلقات بدستور برقرار رکھے جائیں۔

۲۳۰ یہاں حکم سے مراد ہم شرعی نہیں ہے، بلکہ وہ فطری حکم مراد ہے جو انسان اور حیران سب کی جبلت میں ولایت کر دیا گیا ہے اور جس سے شہنش بالملح واقع ہے۔

۲۳۱ یعنی فطرۃ اللہ نے عورتوں کو مردوں کے لیے میرگاہ نہیں بنایا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان کھیت اور کسان کا ماحلق ہے۔ کھیت میں کسان بعض افزائے کے لیے نہیں جاتا بلکہ اس لیے جاتا ہے کہ اس سے پیداوار حاصل کرے۔ نسل انسانی کے کسان کو بھی انسانیت کی اس کیفیت میں اس لیے جانا چاہیے کہ وہ اس سے نسل کی پیداوار حاصل کرے۔ خدا کی شریعت کو اس سے بحث نہیں کہ تم اس کھیت میں کاشت کس طرح کرتے ہو، البتہ اس کا مطالعہ تم سے یہ ہے کہ جاؤ کھیت ہی میں، اور اس غرض کے لیے جاؤ کہ اس سے پیداوار حاصل کرنی ہے۔

۲۳۲ جامع الفاظ ہیں جن سے دو مطلب ملتے ہیں اور دونوں کی یکساں اہمیت ہے۔ ایک یہ کہ اپنی نسل برقرار رکھنے کی کوشش کرو تاکہ تمہارے دنیا چھوڑنے سے پہلے تمہاری جگہ دوسرے کام کرنے والے پیدا ہوں۔ دوسرے یہ کہ جن آنے والی نسل کو تم اپنی جگہ چھوڑنے والے ہڑاس کو دین، اخلاق اور آدمیت کے جھروں سے آراستہ کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے فقرے ہیں اس بات پر بھی تنبیہ فرمادی ہے کہ اگر ان دونوں فرائض کے احکام نے میں تم نے تصدیق کرتا ہی کی تو اللہ تم سے باز پرس کرے گا۔

وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوَةٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ  
عُرْضَةً لِإِيمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ  
وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ  
وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۳۵﴾  
لِلَّذِينَ يُؤُولُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ

خوب جان لو کہ تمہیں ایک دن اُس سے ملنا ہے۔ اور اُسے نئی جو تمہاری ہدایات کو مان لیں انہیں  
فلاح و سعادت کا مژدہ سنا دو۔

اللہ کے نام کو ایسی قسمیں کھانے کے لیے استعمال نہ کرو جن سے مقصود نیکی اور تقویٰ اور  
بندگانِ خدا کی بھلائی کے کاموں سے باز رہنا ہو۔ اللہ تمہاری ساری باتیں سن رہا ہے اور سب  
کچھ جانتا ہے۔ جو بے معنی قسمیں تم بلا ارادہ کھالیا کرتے ہو ان پر اللہ گرفت نہیں کرتا، مگر جو قسمیں تم  
سچے دل سے کھاتے ہو ان کی باز پرس وہ ضرور کرے گا۔ اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردباہ ہے۔  
جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔

۵۲۴۳ ہمارے مہرے سلم ہر کہے کہ جس شخص نے کسی بات کی قسم کھائی ہو اور بعد میں اس پر مبالغہ بر جائے کہ اس  
قسم کے توڑ دینے میں غیر اور بھلائی ہے اس قسم توڑ دینی چاہیے اور گناہ ادا کرنا چاہیے قسم توڑنے کا گناہ دس سیکڑوں کو گناہ کھانا  
یا انہیں کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے ماخذ ۱۰، کتب ۱۳)

۵۲۴۴ میں بطور تکیہ کلام کے بلا ارادہ جو قسمیں زبان سے نکل جاتی ہیں ایسی قسمیں پر گناہ چھ مہینے کا ہے

۵۲۴۵ اصطلاح شرع میں اس کو ایہ کہتے ہیں۔ یہاں اور عوی کے درمیان تعلقات ہمیشہ خوش گو تو نہیں رہ سکتے،

بچاؤ کے اسباب پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن ایسے بچاؤ کو خدا کی شریعت پسند نہیں کرتی کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تافانی  
طور پر رشتہ ازدواج میں گرفتار رہیں مگر مثلاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ نہیں کہ گویا وہ میاں اور بیوی نہیں ہیں۔  
ایسے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار مہینے کی مدت مقرر کر دی کہ یا تو اس مدت میں اپنے تعلقات درست کر لو ورنہ ازدواج



فَإِنْ قَالُوا فَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ  
فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ

اگر انہوں نے رجوع کر لیا تو اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ اور اگر انھوں نے طلاق ہی کی  
ٹھان لی ہو تو جانے رہیں کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین مرتبہ ایام ماہوار سی آنے تک اپنے آپ کے

کار شہ متعلق کرو تا کہ وہ ذل ایک دوسرے سے آزاد ہو کر کسی سے بنا کر کہیں اس کے ساتھ طلاق کر لیں۔

ایہ تین چکر قسم کھا لینے کا اطلاق استعمال ہونے پر اس لیے فقہائے حنفیہ اضافیہ نے اس آیت کا شہادہ  
کہ جہاں شوہر نے یہی سے طلاق زن دشمن رکھنے کی قسم کھائی جو موت میں اس حکم کا اطلاق ہوگا، باقی ماہ قسم کھانے بغیر طلاق منقطع  
کر لینا، اگر یہ خواہش نہ ہو تو طلاق کے لیے اس آیت کا حکم اس صورت پر چپا نہ ہوگا، مگر فقہائے مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر  
قسم کھائی گئی ہو یا نہ کھائی گئی ہو وہ ذل مرد قتل میں ترک تعلق کے لیے یہی چار مہینے کی مدت ہے۔ ایک قول امام احمد کا بھی  
اسی کی تائید میں ہے۔

حضرت علی رضا ابن عباس اور جن بھری کی رائے میں یہ حکم صرف اس ترک تعلق کے لیے ہے جو بوجہ کی وجہ سے ہو۔  
رہا کسی مصلحت سے شوہر کا رجوع کے ساتھ حسانی دلائل منقطع کر دینا، جبکہ تعلقات خوشگوار ہوں، تو اس پر یہ حکم منطبق نہیں ہوتا۔  
لیکن دوسرے فقہاء کی رائے میں ہر وقت جو شوہر اور بیوی کے درمیان رابطہ جسمانی کو منقطع کرنے، ایسا ہے جو اسے چاہیے  
سے زیادہ قائم نہ رہنا چاہیے، خواہ ناخوشی سے ہو یا رضامندی سے۔

۲۳۶ بعض فقہاء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اگر وہ اس مدت کے اندر اپنی قسم توڑ دیں اور پھر سے تعلق زن و شو  
قائم کر لیں تو ان پر قسم توڑنے کا کفارہ نہیں ہے، مگر وہ یہی معاف کرنے کا۔ لیکن اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قسم توڑنے کا کفارہ  
دینا ہوگا۔ مگر زہم کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفارہ سے حقیقی معاف کر دیا گیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفارہ نہ دے گا کہ  
تبرک کہے گا اور ترک تعلق کے دوران میں ہر زیادتی وہ ذل نے ایک دوسرے پر کی جہاں سے معاف کر دیا جائے گا۔

۲۳۷ حضرت عثمان، ابن مسعود، زید بن ثابت وغیرہم کے نزدیک رجوع کا موقع چار مہینے کے اندر ہی ہے۔ اس  
وقت کا گزرنا تاخیر اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر نے طلاق کا عزم کر لیا ہے، اس لیے مدت گزرے تو ہی طلاق خود بخود باطل ہو جائے گی  
اور وہ ایک طلاق بائن ہوگی، یعنی طلاق عدت میں شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا البتہ اگر وہ ذل چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس اور جن بھری کے یہی اکتال اس میں ہیں مگر ان کے نزدیک رجوع کا یہی ہے۔

سید بن جبیب، کھڑی، زہری وغیرہ حضرات اس رائے سے یہاں تک تو متفق ہیں کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کا

ثَلَاثَةَ قُرُوفٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي  
أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبَعُولَتُهُنَّ  
أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ  
الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ

روکے رکھیں اور اُن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے اُن کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہو  
اُسے چھپائیں۔ نہیں ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیئے اگر وہ اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتی ہیں۔ اُن کے  
شوہر تعلقات درست کر لینے پر آمادہ ہوں تو وہ اس عدت کے دوران میں انھیں پھر اپنی زوجیت  
میں واپس لے لینے کے حق دار ہیں۔

عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر دیے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے  
حقوق اُن پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔ اور سب پر اللہ

خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی، مگر اُن کے نزدیک وہ ایک طلاق جی ہوگی، یعنی وہ ان عدت میں شوہر کو رجوع کر لینے کا حق ہوگا  
اور رجوع نہ کرنے تو عدت گزار جانے کے بعد دونوں اگر چاہیں تو نکاح کر سکیں گے۔

بجلاؤں اس کے حضرت عائشہؓ، ابو القحطافہؓ اور ابدا کثر فضاؓ مدینہ کی لائے یہ ہے کہ چار مہینے کی عدت گزرنے کے بعد  
معاہدات میں پیش ہوگا اور حاکم عدالت شوہر کو حکم دے گا کہ یا تو اس عدت سے رجوع کرے یا اُسے طلاق دے حضرت عمرؓ  
حضرت علیؓ اور ابن عمرؓ ایک قول اس کی تائید میں بھی ہے امام ابو حنیفہؒ نے اسی کو قبول کیا ہے۔

۲۲۸ یعنی اگر تم نے بیوی کو ناصحانات پر مجبور کیا تو اللہ سے بے خوف نہ رہو، وہ تمہاری یادتی سے نافرمان نہیں ہے۔

۲۲۹ اس آیت کے حکم میں فضا کے درمیان امتکات ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک جب تک عدت تیسرے  
جنس سے خارج ہو کر نہ لائے اس وقت تک طلاق بائن نہ ہوگی اور شوہر کو رجوع کا حق باقی رہے گا۔ حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ  
ابن عباسؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابن مسعودؓ اور بڑے بڑے صحابہ کی یہی رائے ہے اور فقہائے فہیمہ نے اسی کو قبول کیا ہے۔ بجلاؤں اس  
دوسری جماعت کہتی ہے کہ عدت کو تیسری بار یعنی آتے ہی شوہر کا حق رجوع ماقطع ہو جاتا ہے۔ یہ رائے حضرت عائشہؓ، ابن عمرؓ  
اور زید بن ثابتؓ کی ہے اور فقہائے شافعیہ و مالکیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ حکم صرف اس صحت سے

عَنْ يَزِيدٍ حَكِيمٍ ۖ الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ  
تَسْمِيْحٍ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا بِمَا اَتَيْتُمُوْهُنَّ

غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانامو جو ہے :

طلاق دوبار ہے پھر یا تو یہی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔

اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے

متعلق ہو جس میں شوہر نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں۔ تین طلاقیں دینے کی صورت میں شوہر کو حق رجوع نہیں ہے۔  
۲۵۔ اس فقرے کی آیت میں ایک بہت بڑی معاشرتی غرابی کی جو عرب جاہلیت میں رائج تھی، اصلاح کی گئی ہے۔ عرب میں قاعدہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو بے حد و حساب طلاق دینے کا مجاز تھا۔ جس عورت سے اس کا شوہر بگڑ جاتا اس کو وہ بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا تاکہ زور و غریب اس کے ساتھ ہی رہ سکے اور نہ اس سے آزاد ہو کر کسی اور بیوی سے نکاح کر سکے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی ظلم کا دوازدہ بند کرتی ہے۔ اس آیت کی رو سے ایک مرد ایک رشتہ نکاح میں اپنی بیوی پر حد سے حد وہی مرتبہ طلاق دے گا حق استعمال کر سکتا ہے۔ جو شخص اپنی منگو کو دو مرتبہ طلاق دے کر اس کو رجوع کر چکا ہو وہ اپنی عمر میں جب بھی اس کو تیسری بار طلاق دے گا، عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔

طلاق کا صحیح طریقہ جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ عورت کو حالت فہر میں ایک مرتبہ طلاق دی جائے اگر جھگڑا ایسے زمانے میں ہوا ہے جبکہ عورت ایام باہراری میں ہو تو اسی وقت طلاق دے بیٹھنا درست نہیں ہے، بلکہ ایام سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔ پھر ایک طلاق دینے کے بعد اگر چاہے تو دوسرے طرے دوبارہ ایک طلاق اور دے دے دہرہ بہتر یہ ہے کہ پہلی ہی طلاق پر اکتفا کرے۔ اس صورت میں شوہر کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے چلے جائے یا نہ چلے کر لے اور اگر عدت گزر بھی جائے تو دونوں کے لیے موقع باقی رہتا ہے کہ پھر باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر لیں لیکن تیسرے طرے یا تیسری بار طلاق دینے کے بعد تو شوہر کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور نہ اس کا باہی کرتی مرتع رہتا ہے کہ دونوں کا پھر نکاح ہو سکے۔ یہی یہ صورت کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے والی جائز نہیں ہے کیونکہ ایسا کج نمائش کا نام طریقہ ہے، تو یہ شریعت کی دوسری سخت گناہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی خدمت فرمائی ہے اور حضرت عمرؓ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص ایک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا، آپ اس کو ذبح کرتے تھے۔

شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا  
يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ  
تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ  
اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۲۹﴾ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ

کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدودِ الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو اُن دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ حدودِ الٰہی سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔

پھر اگر دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اُس کیلئے

۲۵۱ یعنی مہر اور وہ زیور اور کپڑے وغیرہ جو شوہر نے عورت کو دے چکا ہو، ان میں سے کوئی چیز بھی واپس مانگنے کا حق نہیں ہے۔ یہ بات دیکھیں بھی اسلام کے اخلاقی اصولوں کی ضد ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی چیز کا جسے وہ دوسرے شخص کو ہبہ یا عیدہ تحفہ کے طور پر دے چکا ہو، واپس مانگے۔ اس ذیل حرکت کو حدیث میں اُس کلمے کے فعل سے تشبیہ کی گئی ہے جو اپنی ہی حق کو غور جاہل ہے۔ مگر ضرورت کے ساتھ ایک شے ہر کے لیے تو بہت ہی شرمناک ہے کہ وہ طلاق دے کر رخصت کرتے وقت اپنی ہی سب سے اچھی دیکھو ایسا چاہے جو اس نے کبھی اسے خود دیا تھا۔ اس کے برعکس اسلام نے یہ اخلاق سکھائے ہیں کہ آدمی جس عورت کو طلاق دے، اسے رخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرے۔ (لاحظہ ہو رکوع ۱۶ کی آخری آیت)۔

۲۵۲ شریعت کی اصطلاح میں اسے طلاق کہتے ہیں۔ یعنی ایک عورت کا اپنے شوہر کو کچھ دے دلا کر اس سے طلاق حاصل کرنا۔ اس معاملے میں اگر عورت اللہ کے درمیان گھر کے گھر میں یا کوئی معاملہ طے ہو جائے تو جو کچھ ملے ہو، جو وہی نافذ ہو گا لیکن اگر عدالت میں معاملہ جائے تو عدالت صرف اس امر کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع یہ عورت اُس مرد سے اس حد تک نفرت ہو چکی ہے کہ اُس کے ساتھ بس کا بٹا نہیں ہو سکتا۔ اس کی تحقیق ہو جانے پر عدالت کو اختیار ہے کہ عدالت کے لحاظ سے جو فیصلہ چاہے، تجویز کرے، اور اس فیصلہ کو قبول کر کے شوہر کو اسے طلاق دینا ہو گا۔ باہم رخصت ہونے سے اس بات کو پسند نہیں کیا ہے کہ جہاں شوہر

مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَتَّكِمَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ٣٠ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرَخُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تَتَّبِعُوا ضَرَارًا لِتَعْتَدُوا وَ

حلال نہ ہوگی، الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دیتے تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدودِ الہی پر قائم رہیں گے تو ان کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جنہیں وہ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے واضح کر رہا ہے جو اس کی حدوں کو توڑنے کا انجام جانتے ہیں۔

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آجائے تو یا بھلے طریقے سے انہیں دک لویا بھلے طریقے سے رخصت کر دو محض ستانے کی خاطر انہیں نہ روکے کھنا کہ یہ زیادتی ہوگی اور

نہ اس عورت کو دیا ہر اس کی لاپسی سے بڑھ کر کوئی عذرا سے دلویا جائے۔

فصل کی صورت میں جو طلاق دی جاتی ہے وہ رجعی نہیں ہے بلکہ بائیس ہے۔ چونکہ عورت نے عارضہ سے اس طلاق کو گویا فریاد ہے، اس لیے شوہر کو یہ حق باقی نہیں رہتا کہ اس طلاق سے رجوع کر سکے۔ البتہ اگر یہی مرد عورت پر ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں اور دوبارہ نکاح کرنا چاہیں، تو ایسا کرنا ان کے لیے بالکل جائز ہے۔

فصل کی صورت میں عدت صرف ایک حصہ ہے۔ دراصل یہ عدت ہے ہی نہیں بلکہ حکمِ محضِ استبراء کے لیے دیا گیا ہے تاکہ دوسرا نکاح کرنے سے پہلے اس امر کا اطمینان حاصل ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے۔

۲۵۳ احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے لیے حلال کرنے کی خاطر کسی سے سازش کے طور پر اس کا نکاح کرے اور پہلے سے یہ طے کرے کہ وہ نکاح کے بعد اسے طلاق دیدے گا، تو یہ مرد ایک ناجائز فعل ہے۔ ایسا نکاح، نکاحِ زہر کہنا بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی اور ایسے ملازمتی نکاح و طلاق سے عورت ہرگز اپنے سماجی شہرہ کے لیے

مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَاذْكُرُوا الْإِعْمَتَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ لِيُعْظَمَ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلِّغْنَ أَجَلَهُنَّ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ

جو ایسا کرے گا وہ حقیقت آپ اپنے ہی پر ظلم کرتے گا۔ اللہ کی آیات کا کھینچنا اور قبول نہ جاؤ کہ اللہ نے کس نعمتِ عقلی سے تمہیں سرفراز کیا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب اور حکمت اس نے تم پر نازل کی ہے اس کا احترام ملحوظ رکھو۔ اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ اللہ کو ہر بات کی خبر ہے ۛ

جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکے اور وہ اپنی عدلت پوری کر لیں تو پھر اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم مذاکعت پر حاضری دیں۔ حضرت علیؑ اور ابن مسعودؓ اور ابیہریرہؓ و ابوہریرہؓ و عمارؓ رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے سے طلاق کرنے اور طلاق دے کر پست فرمائی ہے۔

۲۵۸؎ میں ایسا کرنا درست نہیں ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے اور عدت گزارنے سے پہلے صحن  
اس لیے رجوع کر لے کہ اسے بھرتانے اطلاق کرنے کا موقع ملے گا کہ جاتے۔ انشاء تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے کہ رجوع  
کرتے ہیں تو اس نیت سے کہ وہ اب میں سلوک سے رہتا ہے، اھنہ بستر ہے کہ شریفانہ طریقے سے رخصت کر دینا یہ تشریح  
کے لیے ملاحظہ فرمائیے (۲۵۸؎)

۲۵۵ یعنی اس حقیقت کو فراموش نہ کرو کہ ماضی نے تمہیں کس بار اور کھلت کی تقسیم دے کر دنیا کی کھانیاں کھائی ہیں۔  
منصب پر اور کیسے۔ تم اُمت و مملکت کے بے گھر قریبی ملکی اور واسطی کا گولہ بنا کر کھڑا کیسے۔ تہذیبی ایام نہیں ہے کہ  
جیل بازوں سے زیارت الہی کا کیل بناؤ، قانون کے انشاء سے مدح قانن کے خلاف نامہ از قانن سے اُشاوہ دینا کہ رعایت  
دکھانے کے بہتے عوام اپنے گھروں میں ظالم و بد راہ میں کہ رہو۔

بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ أَذْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ  
أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ  
حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْفِثَ الرِّضَاعَةَ وَعَلَى  
الْمَوْلُودِ لَهُ يَرْزُقُهُنَّ وَيَسُوَّهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تَكْلَفُ  
نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ

راضی ہوں۔ تین نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا اگر تم اللہ اور روزِ آخر پر ایمان  
لانے والے ہو۔ تمہارے لیے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو۔ اللہ  
جاننا ہے، تم نہیں جانتے۔

جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدتِ رضاعت تک دودھ پیئے تو انہیں  
اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے  
سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہو گا۔ مگر کسی پر اس کی وصعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہیے۔  
نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا پیو اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے

۲۵۶۔ یعنی اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہو اور زمانہ عدت کے اندر اس سے رجوع نہ کیا ہو، پھر  
عدت گزر جانے کے بعد وہ دونوں آپس میں وہاں نکاح کرنے پر راضی ہوں تو عورت کے گھٹے والوں کو اس میں مانع نہ ہونا چاہیے  
نیز اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ شوخص اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہو اور عورت عدت کے بعد اس سے آزاد ہو کر کہیں دوسری جگہ اپنا  
نکاح کرنا چاہتی ہو تو اس سابقہ تزویج کو بھی کینہ حرکت نہ کرنی چاہیے کہ اس کے نکاح میں مانع ہو اور یہ کو شش کا پھر ہے کہ جس  
عورت کو اس نے چھوڑا ہے اسے کوئی نکاح میں لانا مقبل نہ کہے۔

۲۵۷۔ یہ اس صورت کا حکم ہے جبکہ زوجین ایک دوسرے سے عینہ ہو چکے ہوں۔ خواہ طلاق کے نتیجے میں یا صلح یا صلح اور

لَهُ يُولَدُ ۖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ۚ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ  
تَرَاجُصٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۚ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ  
تَسْتَرْضِعُوهُمَا أُولَٰئِكَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمُ  
بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝  
وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ  
بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ

تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔ دودھ پلانے والی کا یہ حق جیسا بچے کے باپ پر ہے یا یہی  
اس کے اور پر بھی ہے۔ لیکن اگر فریقین یا یہی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں،  
تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ  
پلانے کا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کا جو کچھ عادیہ ملے کر وہ معروف طریقے  
پر ادا کر دو۔ اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔  
تم میں سے جو لوگ مر جائیں ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں تو  
وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے

تفریق کے ذریعے سے، اور عورت کی گود میں دودھ پتا بچہ ہو۔

۲۵۸ یعنی اگر باپ مر جائے تو بچہ اس کی جگہ بچہ کا ولی بنائے یہ حق ہوا کرنا ہو گا۔

۲۵۹ یہ عدت وفات ان عورتوں کے لیے بھی ہے جن سے شہرہوں کی خلوت معذور ہوئی ہو۔ البتہ حاملہ عورت

اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کی عدت وفات وضع حمل تک پانچ خواتین کی عدت وفات کے بعد ہی ہو جائے یا اس میں  
کئی مہینے صرف ہوں۔ ۴

تپتے آپ کو دیکھ کر کہیں سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اس مدت میں نکاح نہ کریں، بلکہ اس سے مراد اپنے آپ کو



فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَا فِي أَنْفُسِنَا بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ  
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۶۲﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَضْتُمْ بِهِ  
مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ  
سَتَدُكْرُوهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا  
قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ  
الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ

قرآن میں اختیار ہے اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے جو چاہیں کریں تم پر اس کی  
کوئی ذمہ داری نہیں۔ اللہ ہر ایک کے اعمال سے باخبر ہے۔ زمانہ عدت میں خواہ تم اُن  
بیوہ عورتوں کے ساتھ ملگنی کا ارادہ اشارے کنایے میں ظاہر کرو، خواہ دل میں چھپائے رکھو،  
دونوں صورتوں میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ اُن کا خیال تو تمہارے دل میں  
آئے گا ہی۔ مگر دیکھو! خفیہ عہد و پیمان نہ کرنا۔ اگر کوئی بات کرنی ہے تو معروف  
طریقے سے کرو اور عقد نکاح باندھنے کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ عدت  
پوری نہ ہو جائے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تمہارے دلوں کا حال تک جانتا ہے۔

نبوت سے بھی روکے رکھنا ہے چنانچہ حدیث میں اس طرح کی روایات ملتی ہیں کہ نہ اذاعت میں عدت کو رنگین کر پڑے اور نہ اپنے  
سے، ہمدردی اور مہربانی اور غرضاً وہ غضاب لگانے سے اور بالوں کی کاٹش سے پرہیز کرنا چاہیے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا  
سرخیاں میں عدت گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں۔ حضرات عمر، عثمان، ابن عمر، زید بن ثابت، ابن مسعود، ام سلمہ، سعید بن جبشہ، ابوبکر  
نقی، محمد بن سیرین اور دیگر مفسرین اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ نہ اذاعت میں عدت کو اس کی گھڑی رہنا چاہیے جہاں اس کے  
ظہور نے وفات پائی ہو۔ دن کے وقت کسی ضرورت سے وہ باہر جا سکتی ہے مگر قیام اس کا اُسی گھر میں ہونا چاہیے۔ اس کے  
برعکس حضرت عائشہ، ابن عباس، حضرت علی، جابر بن عبد اللہ، عطاء، طاؤس، حسن، بصری، محمد بن جریر، ابو ذر، قتادہ، ابوالکلام

تفسیر

فَاَحْذَرُوهُٓ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۸۱ لَّاجُنَاحَ  
 عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا  
 لَهُنَّ فَرِيْضَةٌ ۖ وَمَتَعُوْهُنَّ عَلَى الْمَوْسِمِ قَدَارًا وَ  
 عَلَى الْمَقْتَرِ قَدَارًا ۚ مَتَاعًا بَالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى  
 الْحُسَيْنِيْنَ ۝۱۸۲ وَاِنْ طَلَقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوْهُنَّ  
 وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ فَتَنْصِفْ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ  
 يَّعْفُوْنَ اَوْ يَّعْفُوا الَّذِيْ بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ

لہذا اس سے ڈرو اور یہ بھی جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔

تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اپنی عورتوں کو طلاق دیدو قبل اس کے کہ ہاتھ لگانے کی نوبت آئے یا مہر مقرر ہو۔ اس صورت میں انہیں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیئے۔ خوش حال آدمی اپنی قدرت کے مطابق اور غریب اپنی قدرت کے مطابق معروف طریقہ سے دے۔ یہ حق ہے نیک آدمیوں پر۔ اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہو گا۔ یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے (اور مہر نہ لے) یا وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے نرمی سے کام لے (اور پورا مہر دیلے)، اور تم (یعنی مرد)۔

بات کے قائل ہیں کہ عورت اپنی عدت کا زمانہ جہاں چاہے گزار سکتی ہے اور اس زمانہ میں مہر بھی کر سکتی ہے۔

۲۶۰ اس طرح رشتہ جوڑنے کے بعد توڑ دینے سے ہر مال عورت کو کچھ نہ کچھ نقصان تو پہنچا ہی ہے، اسلئے اللہ نے حکم دیا کہ جب تعدت اس کی نکالی کر دو۔

تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ  
 اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۲۷﴾ حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالْ  
 الصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَنِتِينَ ﴿۲۲۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ

نرمی سے کام لو تو یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔ تمہارے اعمال کو اللہ دیکھ رہا ہے۔

اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو، خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن صلوٰۃ کی جامع ہو۔  
 اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرماں بردار غلام کھڑے ہوتے ہیں۔ ہدامنی کی حالت ہو تو

۲۶۱ میں انسانی تعلقات کی بہتری و خوشگوارگی کے لیے لوگوں کا باہم فیاضانہ برتاؤ کا ضروری ہے۔ اگر ہر ایک شخص ٹھیک ٹھیک اپنے تازی و بی پڑا واسطے قریبی اجتماعی زندگی کسی خوش گواہی ہو سکتی۔

۲۶۲ قوانین تمدن و معاشرت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس تقریر کو نماز کی تاکید پر ختم فرماتا ہے کہ نماز وہ چیز ہے جو انسان کے اندر خدا کا خوف، نیکی و پاکیزگی کے جذبات اور احکام الہی کی اطاعت کا مادہ پیدا کرتی ہے اور اسے راستی پر قائم رکھتی ہے۔ یہ چیز نہ ہو تو انسان کسی الہی قدس کی پابندی پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور خدا کو کسی نافرمانی کی زد میں بہرے لگتا ہے جس پر عیسیٰ بہرے لگے۔

۲۶۳ اہل میں نماز صلوٰۃ و سنی استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد بعض حضرات نے بیچ کی نماز ہی ہے بعض نے ظہر بعض نے مغرب اور بعض نے شام لیکن ان میں سے کوئی قول بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ صرف اہل دلیل کا استعمال ہے۔ سب سے زیادہ اقوال نماز عصر کے حق میں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نماز کو صلوٰۃ و سنی قرار دیا ہے۔ لیکن جن ائمہ سے یہ تہذیب نکلا جاتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جنگ اسلام کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے حملے نے اس وجہ سے شغل رکھا کہ سورج دھبے کی لگیا اور آپ نماز عصر پڑھ سکے، اس وقت آپ اپنے فرمایا کہ خدا ان لوگوں کی قبریں ابراہان کے گھر آگ سے بھرنے والی ہیں۔ ہماری صلوٰۃ و سنی فوت کرا دی۔ اس سے یہ سمجھا گیا کہ اپنے نماز عصر کو صلوٰۃ و سنی فرمایا ہے، حالانکہ اس کا یہ مطلب ہوا کہ نزدیک زیادہ قریب ہوا ہے کہ اس مشنویت نے، اعلیٰ درجے کی نماز ہم سے فوت کرا دی، نا وقت بھٹی پڑے گی، جلدی جلدی، اور کئی ہوگی، مشرک و خضر اور اطمینان و سکون کے ساتھ نہ پڑھ سکیں گے۔

و سنی کے معنی بیچ مانی چیز کے معنی ہیں اور ایسی چیز کے معنی ہیں اعلیٰ اور اشرف ہو۔ صلوٰۃ و سنی سے مراد بیچ کی نماز

فِرَجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۱﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۳۲﴾ وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۳۳﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

خواہ پیدل ہو خواہ سوار جس طرح ممکن ہو نماز پڑھو۔ اور جب امن میں رہ کر جائے تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھا دیا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔  
 تم میں سے جو لوگ وفات پائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں ان کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نان و نفقہ دیا جائے وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے وہ جو کچھ بھی کریں اس کی کوئی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اللہ سب پر غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانہ ہے۔ اسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انہیں بھی مناسب طور پر کچھ دے کر رخصت کیا جائے۔ یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔  
 اس طرح اللہ اپنے احکام تمہیں صاف صاف بتاتا ہے۔

بھی ہو سکتی ہے اور ایسی نازیبی جو صحیح وقت پر پڑے شرع اور توہم الٰہی کے ساتھ ڈھکی چھپی جائے، اور میں میں نازیکی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ بعد کا فقرہ کہ اللہ کے آگے قربانہ وار بندگی کی طرح کھڑے ہو اور اس کی تعبیر کر رہا ہے۔  
 ۲۶۶۷ سلسلہ تقریریں ہر جمعہ ہر چار گھنٹہ کا یہ کام اس کے تحت اور مجھے کے طور پر ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۳۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِي خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ  
وَهُمْ اَلُوْفٌ حَذَرَالْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مَوْتُوْا ثُمَّ  
اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلٰى النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ  
النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا

امید ہے کہ تم سمجھ لو گے کہ کام کرو گے۔  
تم نے ان لوگوں کے حال پر بھی کچھ غور کیا جو موت کے ڈر سے اپنے گھر یا چھوڑ کر  
بچے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے، اللہ نے ان سے فرمایا ہر جاؤ۔ پھر اُس نے ان کو  
دوبارہ زندہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسان پر بڑا فضل فرمانے والا ہے مگر  
اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ مسلمانو! اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور خوب جان کھو کر

۲۶۵ء یہاں سے ایک دوسرے متفرق ہو رہے تھے جس میں مسلمانوں کو راہ خدا میں جاواہر الی قریبا نیاں کرنے پر  
اُٹھا دیا گیا۔ انہیں اُن کو روکیں سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی تھی کہ جسے ان کا بھائی اسرائیل نکال دیا تھا وہ بھائی  
اس مقام کو بچنے کے لئے بات چیتی نظر نہ تھی چاہیے کہ مسلمان اس وقت تک سے نکلے جا چکے تھے۔ سال ڈیڑھ سال  
سے یہیں بیٹھا رہ رہے تھے۔ ان کے اندر کے مخالف سے تنگ آ کر خود بار بار مطالبہ کر چکے تھے کہ ہمیں اُن کی اجازت دی جائے۔  
مگر جب انہیں اُن کی حکمت سے روکیا گیا تو اب ان میں سے بعض لوگ کہتا ہے کہ ہمیں کہ جیسے میں دیکھ رہے ہوں کہ انہیں اڑنا  
ہوا ہے۔ اس لیے یہاں بھی اسرائیل کی تاریخ کے وہ اہم واقعات سے انہیں عبرت دلانی چاہی ہے۔

۲۶۶ء یہاں شانہ بنی اسرائیل کے واقعہ خودی کی طرف ہے۔ سچا مادہ کے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ نے  
اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ یہ لوگ بت چڑی تعداد میں مصر سے نکلے تھے۔ رشتہ داریاں میں بہتے خانوں پہرے تھے۔  
خود ایک شکار کے لیے بہتے تھے۔ مگر جب اللہ کے ایما سے حضرت موسیٰ نے ان کو حکم دیا کہ ظالم کسانوں کو انہیں  
سے نکال دو اور اس علاقہ کو فتح کر لو تو انہیں نے خود ملی دھماکا ادا کے بڑھنے سے اٹھ کر دیا۔ انہوں نے انہیں جانیں  
مال کھینچیں میں سرگرداں پھرنے کے لیے جو عرصہ دیا یہاں تک کہ ان کی لپک لپک ختم ہو گئی اور دوسری نسل جو ان کی گود میں پلک  
اُٹھ کر اُن کے لئے انہیں کسانوں پر غلبہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی سال کو موت اور دوبارہ زندگی کے ان کے لئے

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۳﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا  
حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۖ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَ  
يَبْصُطُ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَكِ مِنْ بَنِي  
إِسْرَآءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِلنَّبِيِّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا  
مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ

اللہ سنے والا اور جاننے والا ہے۔ تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ اللہ اسے  
کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے؟ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی، اور  
اُسی کی طرف تمہیں بلٹ کر جانا ہے۔

پھر تم نے اُس محلطہ پر بھی غور کیا جو موسیٰ کے بعد سرداران بنی اسرائیل کو  
پیش آیا تھا؟ انہوں نے اپنے نبی سے کہا: ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دو تاکہ  
ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ نبی نے پوچھا: کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ تم کو لڑائی کا

۳۳۶ قرض حسن کا مفنی ترجمہ: اچھا قرض ہے اور اس سے مراد ایسا قرض ہے جو خاص ملک کے جذبے سے جغیر  
کسی کو دیا جائے۔ اس طرح جو مال راہِ فلاح میں خرچ کیا جائے اسے اللہ قسط اپنے فقیر قرض قرار دیتا ہے اور وہ کرتا ہے  
کہ میں نہ صرف اہل ادا کروں گا بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ دوں گا۔ اہم شرط یہ ہے کہ وہ جو قرض حسن یعنی اپنی کسی فضاہی غرض  
کے لیے دیا جائے بلکہ محض اللہ کی خاطر اُن کاموں میں صرف کیا جائے جن کو وہ پسند کرتا ہے۔

۳۳۸ یہ تقریباً ایک ہزار برس قبل مسیح کا واقعہ ہے۔ اُس وقت بنی اسرائیل پر ملالہ جبر دست ہو گئے تھے  
اور انہوں نے اسرائیلیوں سے فلسطین کے اکثر علاقے چھین لیے تھے۔ اسرائیل نے اس سبب بنی اسرائیل کے مددگار  
حکومت کرتے تھے مگر وہ بہت بڑے ہو چکے تھے۔ اس لیے سرداران بنی اسرائیل نے یہ ضرورت محسوس کی کہ کوئی  
اللہ شخص اُن کا سردار کا رجس کی قیادت میں وہ جنگ کر سکیں لیکن اُس وقت بنی اسرائیل میں اس قدر جاہلیت آپکری تھی  
اور وہ غیر مسلم قومن کے طور طریقوں سے اتنے متاثر ہو چکے تھے کہ خلافت اور بادشاہی کا فرق اُن کے ذہنوں سے نکل گیا تھا۔  
اس لیے انہوں نے درخواست جو کہ وہ خلیفہ کے تصور کی نہیں بلکہ ایک بادشاہ کے تصور کی تھی۔ اس مسئلے میں بائبل کی

کتاب سمرئیل اول میں جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

”سمرئیل زندگی بھر اسرائیلیوں کی عداوت کرتا رہا..... تب سب اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر رامہ میں سمرئیل کے پاس آئے اور اس سے کہنے لگے کہ دیکھ تو ضعیف ہے اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے۔ اب تو کسی کو سہارا بادشاہ مقرر کر دے جو اور قوموں کی طرح ہماری عداوت کرے..... یہ بات سمرئیل کو بُری لگی اور سمرئیل نے خداوند سے دعا کی اور خداوند نے سمرئیل سے کہا کہ جو کچھ یہ لوگ تجھ سے کہتے ہیں تو اس کو مان کر یا نہ مان کر تیری تیری نہیں بلکہ میری حکمت کی ہے کہ میں اُن کا بادشاہ نہ رہوں..... اور سمرئیل نے ان لوگوں کو لکھو اس سے بادشاہ کے غالب تھے خداوند کی سب باتیں کہہ سناؤں اور اس نے کہا کہ جو بادشاہ تم پر سلطنت کرے گا، اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ وہ تمہارے بیٹوں کو لے کر اپنے رقصوں کے لیے اور اپنے رقصوں میں تو کرے گا اور وہ اس کے رقصوں کے آگے دوڑیں گے اور وہ ان کو ہزار ہزار کے سردار اور پچاس پچاس کے بعدار بنائے گا اور بعض سے دل جُڑائے گا اور فضل کٹوائے گا اور اپنے لیے جنگ کے ہتھیار اور رقصوں کے ساز بچھائے گا اور تیری بیٹیوں کو گنہگار اور باورچن اور نا پُز بنائے گا اور تمہارے کھیتوں اور تانکستانوں اور لذتوں کے باغوں کو جو اچھے سے اچھے ہوں گے لے کر اپنے خوشگواروں کو عطا کرے گا اور تمہارے کھیتوں اور تانکستانوں کو دسواں حصہ لے کر اپنے خوجوں اور خادموں کو دے گا اور تمہارے ذکر جا کر دی اور لذتوں اور تمہارے شکیل جو ازیں اور تمہارے گدھوں کو لے کر اپنے کام پر لگائے گا اور وہ تمہاری بیوی بکریوں کا بھی دسواں حصہ لے گا۔ موت تمہارے کے غلام بن جاوے گا اور تمہیں دن اس بادشاہ کے بسبب جسے تم نے اپنے لیے چنا تھا گدھا فرما دو گے پھر اُس دن خداوند تم کو جواب دے گا۔ تو بھی لوگوں نے سمرئیل کی بات نہ سنی اور کہنے لگے نہیں ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر ہو تاکہ ہم بھی اور قوموں کے مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عداوت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے جاوے ہمارے طرف سے لڑائی کرے..... خداوند نے سمرئیل کو فرمایا تو اُن کی بات مان لے اور اُن کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر۔ باب ۷ آیت ۵۵ تا باب ۸ آیت ۲۷“

”پھر سمرئیل لوگوں سے کہنے لگا..... جب تم نے دیکھا کہ بنی عموں کا بادشاہ ناحس تم پر چڑھ آیا تو تم نے مجھ سے کہا کہ ہم پر کوئی بادشاہ سلطنت کرے مالاںکہ خداوند تمہارا خدا تمہارا بادشاہ تھا۔ سو اب اس بادشاہ کو دیکھو جسے تم نے چُن لیا اور جس کے لیے تم نے درخواست کی تھی۔ دیکھو خداوند نے تم پر بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔ اگر تم خداوند سے ڈرتے اور اُس کی پرستش کرتے اور اس کی بات مانتے رہو اور خداوند کے حکم سے سرکشی نہ کرو اور تم اور وہ بادشاہ مجھ پر تمہاری سلطنت کرتا ہے خداوند اپنے خدا کے پیروں سے دہڑ تیرے پر اگر تم خداوند کی بات نہ مانو بلکہ خداوند کے حکم سے سرکشی کرو تو خداوند کا ہاتھ خداوند کے خلاف ہو جائیو۔ وہ تمہارے باپ دادا کے خلاف جھٹا تھا..... اور تم جان لو گے اور دیکھ بھی لو گے کہ تم نے خداوند کے حضور اپنے لیے بادشاہ مانگنے سے کتنی جری مشورت کی..... اب رامہ میں خداوند

عَلَيْكُمْ الْقِتَالُ إِلَّا تَقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا لَا نُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أَخْرَجَنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۳﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ

حکم دیا جائے اور پھر تم نہ لڑو، وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم راہِ خدا میں نہ لڑیں، جبکہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کر دیے گئے ہیں، مگر جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک قلیل تعداد کے سوا وہ سب پیٹھے موڑ گئے، اور اللہ ان میں سے ایک ایک ظالم کو جانتا ہے۔

اُن کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طاقت کو تمہارے لیے بادشاہ

کو تہا ہے لیے دیا کہ جس نے ہاں کہہ دیا تو اس کا گناہ گوار نہیں ہوگا، بلکہ جس کو ہی راہِ باہمی اور عید می پہنچ کر کہا تو ان کا۔ (باب ۱۲- آیت ۱۲ تا ۱۳)

کتاب سرائیل کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بادشاہت کے قیام کا یہ مطالبہ اللہ اور اس کے نبی کو پسند نہ تھا۔ یہ ایسا سال کہ قرآن مجید میں اس مقام پر سردارانِ بنی اسرائیل کے اس مطالبے کی مذمت کی گئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس قصے کا ذکر جس غرض کے لیے کیا تھا اس سے یہ مسئلہ غیر متعلق ہے کہ ان کا مطالبہ صحیح تھا یا نہ تھا۔ یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ بنی اسرائیل کس قدر بزدل ہو گئے تھے۔ اعلان میں کس قدر خفایت آگئی تھی۔ اعلان کے اندر اخلاق اور انضباط کی کمی تھی جس کے سبب سے آخر کار وہ گر گئے۔ اور اس ذکر کی غرض یہ ہے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے اندر یہ کمزوریاں پرورش نہ کریں۔

۲۶۹؎ بائبل میں اس کا نام ساول لکھا ہے۔ یہ قیل بن یبیل کا ایک ۳۰ سالہ نوجوان تھا۔ بنی اسرائیل میں اس کی خوبصورت کوئی شخص نہ تھا اور ایسا تھا کہ ساول اس کے کندھے تک تھے۔ اپنے باپ کے گم شدہ گدے سے ڈھونڈنے کے لیے تھا۔ راستے میں جب سرائیل بنی کی قیام کے قریب پہنچا تو ساول نے بنی کو اشارہ کیا کہ یہی شخص ہے جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہی کے لیے منتخب کیا ہے چنانچہ سرائیل بنی اسے اپنے گھر لائے۔ تیل کی کپڑی لے کر اس کے سر پر اٹھائی اور اسے چروا اور کہا کہ خداوند نے تجھے مسیح کیا تاکہ اس کی میراث کا بیٹا ہو۔ اس کے بعد انہوں نے بنی اسرائیل کا اجتماع عام



طَاوَتْ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحَرُهُ  
 أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ  
 اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ  
 وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَقَالَ  
 لَأَمْنٌ بِكُمْ إِنَّا إِيَّاهُ مُلْكُهُ أَنْ يَأْتِيَكُمْ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ  
 مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ

مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا ہاں کے مقابلے  
 میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے۔ نبی نے  
 جواب دیا: اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو داعی و جہمانی  
 دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک  
 جسے چاہے دے، اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ اس کے  
 ساتھ اُن کے نبی نے ان کو یہ بھی بتایا کہ خدا کی طرف سے اس کے بادشاہ مقرر ہونے  
 کی علامت یہ ہے کہ اس کے بعد میں وہ مندوق تمہیں واپس بل جائے گا جس میں  
 تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے سکون قلب کا سامان ہے، جس میں  
 آل موسیٰ اور آل ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں اور جس کو اس وقت فرشتے

کے اس کی بادشاہی کا اعلان کیا (۱۰۰)۔ (سورہ بقرہ، باب ۱۰۰)۔

یعنی اسرائیل میں دوسرا شخص تھا جس کو خدا کے حکم سے مسیح کے پیشانی کے منصب پر مقرر کیا گیا۔ اس سے پہلے  
 حضرت ہارون سرور کاہن (Chief Priest) کی حیثیت سے مسیح کے لئے تھے، اس کے بعد میرے مسیح  
 یا مسیح حضرت داؤد علیہ السلام ہوئے، اور چوتھے مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ لیکن طاولت کے متعلق ایسی کوئی تصریح قرآن

۲۲  
ع ۱۱

الْمَلٰٓئِكَةُ اِنْ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةٌ لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲﴾  
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ  
بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ

منبعالے جوے ہیں۔ اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔

پھر جب طالوت لشکر لے کر چلا تو اس کے ایک دریا پر اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہونے والی ہے۔ جو اس کا پانی پیے گا وہ میرا متقی نہیں۔ میرا متقی صرف وہ ہے

یادداشت میں نہیں ہے کہ وہ نبوت کے منصب پر بھی مرفراز ہوا تھا۔ بعض بادشاہی کے لیے نامزد کیا جانا اس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ اسے نبی تسلیم کیا جائے۔

۲۲۔ بائبل کا بیان اس باب میں قرآن سے کسی حد تک مختلف ہے۔ تاہم اس سے اصل واقعہ کی تفصیلات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صندوق جسے بنی اسرائیل اصطلاحاً "ہودا صندوق" کہتے تھے، ایک لڑائی کے موقع پر پہلی مشرکین نے بنی اسرائیل سے چھین لیا تھا لیکن یہ شرکین کے جس شر اور جبریت میں رکھا گیا تھا وہاں ہمیں پھوٹ چڑیں۔ آخر وہ انہوں نے خوف کے مارے اسے ایک بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی کو ہانک دیا۔ غائبانہ اسی معاملے کی طرف قرآن ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے کہ اس وقت وہ صندوق فرشتوں کی حفاظت میں تھا، کیونکہ وہ گاڑی بیل کی گاڑی ہانک کے ہانک دی گئی تھی اور اللہ کے حکم سے یہ فرشتوں ہی کا کام تھا کہ وہ اسے چلا کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئے۔ رہا یہ ارشاد کہ اس صندوق میں تمہارے لیے مکرہن قلب کا سامان ہے، تو بائبل کے بیان سے اس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اس کے جواز تک اور اپنے لیے فتح و نصرت کا نشان سمجھتے تھے۔ جب وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو پوری قوم کی ہمت ٹوٹ گئی اور ہر اسرائیلی یہ خیال کرنے لگا کہ خدا کی رحمت ہم سے پھر گئی ہے۔ اللہ اب ہمارے دُشمن کے دُشمن بن گئے ہیں۔ پس اس صندوق کا وہاں کا نام اس قوم کے لیے بڑی تقویت قلب کا موجب تھا اور یہ ایک ایمان دہرہ تھا جس سے ان کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں پھر زندہ ہو سکتی تھیں۔

اس کی اور آئی بال بدھن کے چھوڑے جوئے تبرکات؟ جو اس صندوق میں رکھے ہوئے تھے ان سے ملا تو پھر کو؟  
تھیں ہیں جو طوبیہ پراثر تھا نے نے حضرت موسیٰ کو دی تھیں۔ اس کے علاوہ نعمت کا وہ اصل نسخہ بھی اس میں تھا جسے حضرت موسیٰ نے خود لکھا کہ بنی لادی کے سپرد کیا تھا۔ نیز ایک ڈال میں بن بھی بھر کر اس میں رکھ دیا گیا تھا تاکہ اسے زندہ نہیں اختار  
کے اس احسان کو یاد کریں جو ہمراہ اس نے ان کے باپ وادہ پر کیا تھا اور غائبانہ حضرت موسیٰ کا وہ حصہ بھی جس کے اندر

فَإِنَّهُمِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۖ فَشَرِبُوا مِنْهُ  
إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ  
قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ  
يُظُنُّونَ أَنَّهُم مُّسْلِقُوا اللَّهَ كَمُ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ  
فِئَةٌ كَثِيرَةٌ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٥﴾ وَلَمَّا  
بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا

جو اس سے پیاس نہ بجھائے، ہاں ایک آدمہ ٹپک کر کوئی پی لے تو پی لے مگر ایک گروہ قیل  
کے سوا وہ سب اس دریا سے سیراب ہوتے۔

پھر جب طالت اور اس کے ساتھی مسلمان دریا پار کر کے آگے بڑھے تو انہوں نے  
طالت سے کہہ دیا کہ آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔  
لیکن جو روگت سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے انہوں نے کہا بارہا ایسا ہوا ہے کہ  
ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب گیا ہے۔ اللہ میرے کرنے والوں کا ساتھی ہے  
اور جب جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ پر نکلے تو انہوں نے دعا کی ہے اے ہمارے رب! ہم پر میرا

صاحب خدا کے عظیم الشان جہرات کا مظہر بنا تھا۔

۲۶۱ء ممکن ہے کہ اس مراد دیوے اُردن پر یا کوئی اُندھ دیو یا تار۔ طالت بنی اسرائیل کے لشکر کو لے کر اس کے پار  
اُترنا پاتا تھا، مگر چونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کی قوم کے خدا اخلاقی انضباطت کم رہ گیا ہے اس لیے اس نے کارآمد اور ناکام  
دو گونہ تجویز کرنے کے لیے یہ آزمائش تجویز کی۔ ظاہر ہے کہ جو روگ تھوڑی دیر کے لیے اپنی پیاس تک ضبط و سکین ان پر کیا  
بھر دیکھا جاسکتا ہے کہ اس دشمن کے مقابلے میں پامردی دکھائیں گے جس سے پہلے ہی شکست کھا چکے ہیں۔

۲۶۲ء غالباً یہ کہنے والے وہی روگ ہیں گئے انہوں نے دیا پر پہلے ہی اپنی بے مبری کا مظاہرہ کر دیا تھا۔

صَبْرًا وَثَبَّتْ أَدَامَنَا وَأَنْصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۵۰﴾  
 فَهَنَ مُوْهُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ تَعَالَى وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَ  
 أَنشَأَ اللَّهُ الْمُلُوكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا  
 دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ  
 الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۲۵۱﴾

فیضان کر ہمارے قدم جہاد سے اور اس کا فرگروہ پر ہمیں فتح نصیب کرے۔ آخر کار اللہ کے اذن سے انھوں نے کافروں کو مار بھگایا اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا اس کو علم دیا۔ اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا، تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس طرح دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)۔

۲۵۰ داؤد علیہ السلام اس وقت ایک کم سن نوجوان تھے۔ اتفاق سے طاق سے شکاریں میں اس وقت پہنچے، جبکہ غصیلوں کی فوج کا گراں ذیل پہلوان حالت (جولیت) بنی اسرائیل کی فوج کو دعوت مبارزت سے رہا تھا اور اسرائیل میں سے کسی کی ہمت نہ بڑھتی تھی کہ اس کے مقابلے کو نکلے۔ حضرت داؤدؑ رنگ دیکھ کر بے جا با اس کے مقابلے پر ملان میں چلے گئے اور اس کو قتل کر دیا۔ اس واقعے نے انہیں تمام اسرائیلیوں کی آنکھوں کا تارا بنا دیا، طاقت نے اپنی بیٹیوں سے بیاد دی اور آخر کار وہی اسرائیلیوں کے فرما زوہرے۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں اول باب ۱۸۰)

۲۵۱ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کا انتظام برقرار رکھنے کے لیے یہ ضابطہ بنا رکھا ہے کہ وہ انسانوں کے ضعف گردہوں کو ایک حد خاص تک تو زمین میں غلبہ و طاقت حاصل کرنے دیتا ہے۔ مگر جب کوئی گروہ دوسرے بڑھنے لگتا ہے، تو کسی دوسرے گروہ کے ذریعے سے وہ اس کا نڈر توڑ دیتا ہے۔ اگر کہیں ایسا برتا کر ایک قوم کو ایک پارٹی ہی کا اقتدار زمین میں ہمیشہ قائم رکھا جاتا اور اس کی قربانی لازماً ہوتی تو یقیناً ملک خدا میں فساد عظیم برپا ہو جاتا۔

وَقَدْ جَاءَهُمْ  
بِآيَاتٍ

۳۲  
ع

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَنْتَلُوها عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۱﴾  
تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ  
مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ  
مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ  
مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ  
الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ  
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۳۲﴾

یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم ٹھیک ٹھیک تم کو سنا رہے ہیں اور تم یقیناً ان لوگوں میں سے  
رہو جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور تھے)  
ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے  
خدا خود عطا فرمایا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے اور آخر میں عیسیٰ  
ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا  
کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے وہ آپس میں لڑتے۔ مگر اللہ کی  
مشیت یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کو جبراً اختلاف سے رد کے واسطے (انہوں نے باہم  
اختلاف کیا، پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی۔ ہاں، اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ  
لڑتے، مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۳۲ مطلب یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے علم حاصل ہوجانے کے بعد جو اختلافات لوگوں کے درمیان رہنا

ہوئے اور اختلافات سے جمع کرنا انہوں تک جو زمینیں پہنچیں تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ معاذ اللہ خدا ہے بس تھا اور اس کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا مَتَارِزَ قُلُوبِكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ  
يَوْمٌ لَا يَبِيعُ فِيهِ وَلَا خَلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ  
الظَّالِمُونَ ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

اے ایمان لانے والو! جو کچھ مال متاع ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو  
قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ  
سفا رخ چلے گی۔ اور غلام، مہل میں وہی ہیں جو کفر کی روش اختیار کرتے ہیں۔  
اللہ، زندہ جاوید رہتی جوام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

پاس ان اختلافات اور لڑائیوں کو روکنے کا وعدہ تھا، نہیں، اگر وہ اپنا تہذیبی کی مجال نہ تھی کہ انبیاء کی دعوت سے سرکاری کر سکتا اور کفر و فساد کی راہ چل سکتا اور اس کی زمین میں فساد برپا کر سکتا۔ مگر اس کی حیثیت یہ تھی ہی نہیں کہ انسانوں سے علاوہ اختیار کی ان آدمی چھین لے اور اسی ایک خاص روش پر چلنے کے لیے مجبور کر دے۔ اس نے سقمان کی عرض سے انہیں زمین پر پیدا کیا تھا، اس لیے اس نے ان کو اعتقاد و عمل کی راہوں میں انتخاب کی آزادی عطا کی اور انبیاء کو لوگوں پر کہہ کر اقبال بنا کر بھیجا کہ زبردستی انہیں ایمان و اطاعت کی طرف کھینچ لائیں مگر اس لیے بھیجا کہ وہ کل اور بیات سے دو گن کر راستی کی طرف لانے کی کوشش کریں۔ پس جی تو خدا اختلافات اور لڑائیوں کے ہونگے تھے ہونے دو مصلحتوں سے جو کہ راستہ نے لوگوں کو راستے کی جو آزادی عطا کی تھی اس سے کام لے کر لوگوں نے یہ منتفع لیا، پس اختیار کریں اور اس وجہ سے کہ انہوں کو راستی پر چلنا تھا پھر خدا، مگر عاصی اور کافر بن گئے۔

۲۶۶۔ مراد راہِ خدا میں خرچ کرنا ہے۔ ارشاد ہے ہر دلوں کے کرمین لوگوں نے ایمان کی راہ اختیار کی ہے انہیں اس مقصد کے لیے جس پر وہ ایمان لائے ہیں، مالی قربانیاں برداشت کرنی چاہئیں۔

۲۶۶ یہاں کنکر کی روش اختیار کرنے والوں سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو خدا کے حکم کی اطاعت سے انحراف کریں اور اپنے مال کو اس کی خوشنودی سے عزیز تر رکھیں یا وہ لوگ جو اس دنیا پر اعتقاد نہ رکھتے ہوں جس کے آنے کا خوف نہ لگے اور یا پھر وہ لوگ جو اس خیال غامض میں مبتلا ہو کر آخرت میں نہیں کسی خوشی کی جستجو کر رہے ہیں اور دوستی و سفارش سے کام نہ لیتے کاموں سے حاصل ہو ہی جائے گا۔

۵۶۸ یعنی نادان لوگوں نے اپنی جگہ پر ہے کہتے ہیں خدا وجود بنا کر کے حوں مگر اصل مانتے یہ ہے کہ خدا کی ہدایت کی پوری مطلق شکر ہے اس خیر نافی ذات کی ہے جو کسی کی بخشی ہوئی زندگی سے نہیں بلکہ آپ اپنی ہی حمایت سے زیادہ

لَا تَأْخُذْهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ  
مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ  
وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ

وہ نہ سوتا ہے اور نہ اُسے اونگھ لگتی تھکتے۔ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے۔ کون ہے، جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے، اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اُن سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ واقف ہے اور اُس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت اور اک میں نہیں آ سکتی الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔

ہے اور جس کے بل بوتے پر کائنات کا یہ سا نظام قائم ہے۔ اپنی سلطنت میں خداوندی کے جملہ اختیارات کا مالک وہ خود بخود کرتی دوسرا نہ اس کی صفات میں اس کا شریک ہے، نہ اس کے اختیارات میں اور نہ اس کے حقوق میں۔ لہذا اس کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ شریک غیر کر زمین یا آسمان میں جہاں بھی کسی اور کو سمجھ (۱) نہ پہنچا جا رہا ہے، ایک جھوٹ گھڑا جا رہا ہے اور حقیقت کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے۔

۲۶۹ یہ ان لوگوں کے خیالات کی تردید ہے جو خداوند عالم کی ہستی کو اپنی ناقص ہستیوں پر قیاس کرتے ہیں اور اس کی قدر وہ کمزوریاں منسوب کرتے ہیں جو انسانوں کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً بائبل کا یہ بیان کہ خدا نے چھ دن میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔

۲۷۰ یعنی وہ زمین و آسمان کا اور ہر اس چیز کا مالک بنے جو زمین و آسمان میں ہے۔ اس کی ملکیت میں اس کی تدبیر میں اور اس کی پادشاہی و مملکت میں کسی کا تعلق کوئی حصہ نہیں۔ اس کے بعد کائنات میں جس دوسری ہستی کا بھی تم تصور کر سکتے ہو وہ مثال اس کائنات کی ایک فرد ہی ہوگی، اور جو اس کائنات کا فرد ہے وہ اللہ کا مملوک اور غلام ہے نہ کہ اس کا شریک اور ہمسرہ۔

۲۷۱ یہ ان مشرکین کے خیالات کا بطلان ہے جو بزرگ انسانوں یا فرشتوں یا دوسری ہستیوں کے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ خدا کے ہاں ان کا بڑا زور ہے جس بات پر انہیں یہ وہ متاثر ہو جاتے ہیں اور جو کام چاہیں خدا سے لے سکتے ہیں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ زور چنانچہ ان کے زور کوئی بڑے سے بڑا نہیں اور کوئی مقرب ترین فرشتہ اس پادشاہ ارض و سما کے دربار میں بلا اجازت زبان تک کھولنے کی جرأت نہیں رکھتا۔

۲۷۲ اس حقیقت کے خلاف اسے شریک کی بنیادوں پر ایک اور ضرب لگتی ہے۔ اوپر کے فقروں میں اللہ تعالیٰ کے غیر محدود صلیک اور اس کے مطلق اختیارات کا تصور پیش کر کے یہ بتایا گیا تھا کہ اس کی مکرمت میں نہ تو کوئی بالاستقلال شریک

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَـُٔودُهُ حِفْظُهُمَا  
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٢﴾ لَا اَرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبٰیْن

اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور اُن کی نگہبانی اس کے لیے کوئی  
تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی ایک بزرگ و بڑی ذات ہے۔

دین کے معاملے میں کوئی نواز بردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے

ہے۔ ہندو کسی کا اس کے اُن ایسا زور دیتے ہیں کہ وہ اپنی سفارشوں سے اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکے۔ اب ایک مصری حیثیت  
سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے کام میں دخل نہ دے کیسے سکتا ہے جبکہ کسی دوسرے کے پاس وہ علم ہی نہیں ہے جو  
وہ نظام کائنات اور اس کی مصلحتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ انسان ہوں یا جن یا فرشتے یا دوسری مخلوقات، سب کا علم ناقص اور محدود ہے۔  
کائنات کی تمام حقیقتوں پر کسی کی نظر بھی پڑھ نہیں۔ پھر اگر کسی چھوٹے سے چھوٹے جرم میں بھی کسی ہندسے کی آزاد انداختی ہوئی  
سفارش چل سکے تو سارا نظام عالم دھیر بھیر ہر جائے نظام عالم تو برباد ہو کر ہندسے تو خدا اپنی ذاتی مصلحتوں کو بھی سمجھنے کے  
اہل نہیں ہیں۔ ان کی مصلحتوں کو بھی خداوند عالم ہی پوری طرح جانتا ہے اور ان کے لیے اس کے سامنے کوئی چارہ نہیں کس خدا  
کی ہدایت و رہنمائی پر اعتماد کریں جو علم کا اصل سرچشمہ ہے۔

۲۸۳۔ اہل میں نظر کوئی استعمال ہوا ہے یا معلوم حکومت و اقتدار کے لیے استعارے کے طور پر بولا جاتا ہے۔

گندہ زبان میں بھی اکثر کسی کا لفظ بول کر حکامانہ اختیارات مراد لیتے ہیں۔

۲۸۴۔ یہ آیت ”آیت“ اگر کسی کے نام سے مشورہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی معرفت بخشی گئی ہے جس کی نظیر

کیس نہیں ملتی۔ اسی بنا پر حدیث میں اس کو قرآن کی جگہ افضل آیت قرار دیا گیا ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں خداوند عالم کی ذات و صفات کا ذکر کس مناسبت سے آیا ہے۔ اس کو  
سمجھنے کے لیے ایک مرتبہ پھر اس تقریر پر نگاہ ڈال لیجیے جو ذکر ۳۲ سے چل رہی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو وہی حق کی قیام کی  
راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے کو کہا گیا ہے اور اُن کو مردیوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے جن میں بنی اسرائیل مستند  
ہو گئے تھے۔ پھر حقیقت سمجائی گئی ہے کہ فتح و کامیابی کا مدار خداوند سزاوار ماں کی کثرت پر نہیں بلکہ ایمان و صبر و ضبط اور  
پہنچائی محرم پر ہے۔ پھر جنگ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی برکت و حالت سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ دنیا کا انتظام صرف  
رکھنے کے لیے وہ ہمیشہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے دفع کرتا رہتا ہے، ہندو اگر ایک ہی گروہ کو غلبہ و  
اقتدار کا داعی بن چل جاتا تو دوسروں کے لیے عینا دشوار ہو جاتا۔ پھر کس شبہ کو دفع کیا گیا ہے جو نادانوں کو لوگوں کے دلوں میں  
اکثر کھٹکتا ہے کہ اگر اللہ نے اپنے پیغمبر (خدا) کو مٹانے اور فحاشیات کا سبب بابر کرنے ہی کے لیے بھیجے تھے اور ان کی تہ



الزُّشْدُ مِنَ الْغَىِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ  
فَقَدْ اسْقَسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ  
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنْ

الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے لے یا اس نے ایک  
ایسا مضبوط سہارا تمام پایا جو کسی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ  
سننے اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ ان کو تباہ کر دینے کے

کے باوجود اختلافات مٹے، نزاعات ختم ہوئے، دُکھ اور ایسا ہی ہے جس سے اس نے ان خواہمیں کو دور کرنا چاہا اور دور کرنا  
اس کے جواب میں بتا دیا گیا کہ اختلافات کو بھرو کر دینا اور روح انسانی کو ایک خاص راستے پر بندھ جانا اللہ کی مشیت پر مشتمل  
لا تھا، اور وہ انسان کی کیا مجال تھی کہ اس کی مشیت کے خلاف چلا۔ چہر ایک فقرے میں اُس حالِ محزون کی طرف اشارہ  
کر دیا گیا جس سے فقرہ کی ابتدا ہوئی تھی۔ اس کے بعد اب یہ بتا دیا ہے کہ انسان کے عقائد و نظریات اور اس کا غلبہ  
خواہ کتنے ہی مختلف ہوں، بہر حال حقیقت نفس الامری جس پر یزید میں مسلمان کا نظام قائم ہے، یہ ہے جو اس آیت میں بیان  
کی گئی ہے۔ انسانوں کی غلط فہمیں سے اس حقیقت میں ذرا برابر کوئی فرق نہیں آتا۔ مگر اللہ کا یہ اشارہ نہیں ہے کہ اس کے  
ماننے پر لوگوں کو زبردستی مجبور کیا جاتے۔ جو اسے مان لے گا وہ خود ہی فائدہ میں رہے گا اور جو اس سے منحرف ہوئے گا وہ  
آپ نقصان اٹھائے گا۔

۲۵۵ یہاں دو چیزیں سے مراد اللہ کے تعلق وہ عقیدہ ہے جو اور آیت الہی میں بیان ہوا ہے اور وہ پہلا نظامِ مذہبی  
ہے جو اس عقیدہ پر بنتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا یہ اعتقادی اور اخلاقی و عملی نظام کسی پر زبردستی نہیں  
فرض کیا جاسکتا ہے۔ ایسی چیزیں نہیں ہیں جو کسی کے سر جوڑ منڈھی جائیں۔

۲۵۶ طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ قرآن کی  
اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود اتاری و خداوندی کا دم بھر سے انکسار بندھنا  
سے اپنی بندگی کو رائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ محض اس کی  
فرمان برداری ہی کو حق مانے لگے مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ  
اس کی فرماں برداری سے عملاً منصرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔  
تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ الگ سے باطنی ہو کر اس کے ملک اور اس کی رحمت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اس کو نری مرتبہ

الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ  
يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ  
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾ اَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَالَمَ إِبْرَاهِيمَ فِي

روشنی میں نکال لاتا ہے۔ اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے حامی مددگار ظلمات ہیں اور وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے ؎

کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا، جس نے ابراہیم سے جھگڑا

پر بندہ پہنچ جاتے ہی کا نام ظلمت ہے، ہر کوئی شخص صبح صبح میں اخراج کر رہا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس ظلمت کا مستحضر نہ ہو۔

﴿۲۵﴾ تاریکیوں سے مروجہات کی تاریکیاں ہیں جن میں جھگڑا انسان اپنی فلاح و سادت کی راہ سے دور نکل جاتا ہے اور حقیقت کے خلاف چل کر اپنی تمام قوتوں اور کوششوں کو غلط راستوں میں صرف کرنے لگتا ہے۔ اور اس سے مراد علم حق ہے جس کی روشنی میں انسان اپنی احوالات کی حقیقت اور اپنی زندگی کے مقصد کو صاف صاف دیکھ کر عمل و رجاء بعیرت ایک ہی نام لے کر مڑتا ہے۔

﴿۲۶﴾ ظلمت یہاں علم حقیقت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، یعنی خدا سے روئے ہو کر انسان ایک ہی طاقت کے چنگ میں نہیں چسپاں ہو سکتا، بلکہ اس سے علم حقیقت اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ ایک طاقت شیطان ہے جو اس کے سامنے نئی نئی جھوٹی ترغیبات کا سامرا و مہوار پیش کرتا ہے۔ دوسرا طاقت آدمی کا اپنا نفس ہے جو اسے جذبات و خواہشات کا غلام بنا کر زندگی کے ڈیرے بید سے راستوں میں کھینچنے پھینچنے لگتا ہے۔ اور تیسرا طاقت باہر کی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہماری اور سچے، احمق اور اقرار، بے باوری اور غفلت، دوست اور دشمن، سوسائٹی اور قوم، پیشہ اور مہنہ، حکومت اور حاکم، یہ سب اس کے لیے طاقت ہی طاقت ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک اس سے اپنی اغراض کی زندگی کو تیار کرتا ہے اور شاید آکاؤں کا یہ نظام مادی حواس پر مبنی چسپاں ہوتا ہے کہ کس آکا کو خوش کہے تاکہ کس کی نافرمانی سے بچے۔

﴿۲۷﴾ اور دعویٰ کیا گیا تھا کہ مومن کا مددگار اللہ ہوتا ہے اور وہ اسے تاریکیوں سے روشنی میں نکال دے گا، مگر اللہ کا ظلمت ہوتے ہیں اور وہ اسے روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ اب یہی کی توضیح کے لیے تین طاقتات مثال کے طور پر پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سے پہلی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو کہ

تفسیر

رَبِّهِ أَنْ اِنَّهُ اللهُ الْمَلِكُ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّي الَّذِي يُحْيِي وَ

کیا تھا، جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیم کا رب کون ہے، اور اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور

ماتے واضح دلائل کے ساتھ حقیقت پیش کی گئی اور وہ اس کے سامنے عاجز بھی ہو گیا۔ مگر چونکہ اس نے طاقت کے ہاتھ میں اپنی نیک دہے رکھی تھی اس لیے وہ صبر حق کے بعد بھی وہ روشنی میں نہ آیا اور تارکیوں ہی میں جھکتا رہ گیا۔ بس کی دھماکا دیا ایسے اشخاص کی ہیں جنہوں نے اللہ کا سہارا پکڑا تھا، اور ان کو تارکیوں سے اس طرح روشنی میں نکال لیا کہ پرہیزگار ہو گئی ہوئی حقیقتوں تک کا ان کو کہنی مشاہدہ کر لیا۔

۲۹۰۔ اس شخص سے مراد نبردہ ہے جو حضرت ابراہیم کے وطن عراق کا بادشاہ تھا جس وقت کہ وہاں ذکر کیا ہمارا بنیاس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے۔ مگر تلمود میں یہ پورا ماقہ موجود ہے اور بڑی حد تک قرآن کے مطابق ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا باپ نبردہ کے ان ملک کے رہنے والے تھے۔ CHIEF OFFICER OF THE STATE کا منصب رکھتا تھا۔ حضرت ابراہیم نے جب کلمہ کلا شرک کی مخالفت اور توحید کی تبلیغ شروع کی ادبیت خانے میں گھس کر قتل کر ڈالا۔ ان کے ہاتھ خود ان کا تعداد بادشاہ کے دربار میں پیش کیا اور پھر وہ گھنگر ہوئی جو یہاں بیان کی گئی ہے۔

۲۹۱۔ یہی اس جھگڑے میں جو بات اور ان نزاع تھی وہ یہ تھی کہ ابراہیم یا نارب کس کو ملتے ہیں۔ اور یہ نزاع اس وقت پیدا ہوئی تھی کہ اس جھگڑے والے شخص یعنی نبردہ کو خدا نے حکومت عطا کر دی تھی۔ ان وہ قوتوں میں جھگڑے کی ذمیت کی طرف ہر اشارہ کیا گیا بنیاس کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل حقیقتوں پر نگاہ رکھنی ضروری ہے:

(۱) قدیم ترین زمانے سے کج تک تمام مشرک سراسیمہ کیوں کی یہ مشترک خصوصیت دہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رب الہا بابر اور خدا کے خدا کیوں کی حقیقت سے تو ملتے ہیں، مگر صرف اسی کو رب اور تہا اسی کو خدا اور عبودیت نہیں ملتے۔ (۲) خدائی کو شرک میں نے ہمیشہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، ایک فنی (فطری) (SUPERNATURAL) خدائی جو مسئلہ اسباب پر مگر ان ہے اور جس کی طرف انسان اپنی حاجات اور مشکلات میں دیکھتی ہے، یہی وہاں کرتا ہے۔ یہی خدائی میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلان اور فرشتوں اور جنوں اور نیل اور دوسری بہت سی ہیئتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں، ان سے دعائیں مانگتے ہیں، ان کے سامنے مصلحتیں پیش بجا لاتے ہیں، انہوں کے آستان پر نذرانہ بازی کرتے ہیں۔ دوسری قدرتی اور طبیعی معاملات کی خدائی (یعنی ماکیت) جو فانی حیات مقرر کرنے کی مجاز اور طاقت امر کی مسکن برہد

يُمِيتُ ۚ قَالَ اَنْتَا حَيٌّ وَاُمِيتُ ۚ قَالَ اَبْرَاهِمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي  
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاتِّبِعْنِي ۖ فَاَتَّيْبِتُ لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ كَافِرًا

موت ہے تو اس نے جواب دیلزندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیم نے کہا:  
اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اُسے مغرب کی کال۔ یہ سن کر وہ سخت ششدر ہو گیا۔

جسے دوسری مقامات میں فراز مانی کے مطلق انقادات مائل ہوں۔ اس دوسری قسم کی خدائی کو دنیا کے تمام مشرکین نے  
قریب قریب ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ سے سلب کر کے یا اس کے ساتھ شاہی خاندانوں اور مذہبی پڑھوتوں اور رسائی کے  
اگلے پچھلے بڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اکثر شاہی خاندان اسی دوسرے معنی میں خدائی کے مدعی ہوئے ہیں اور اسے مستحکم کرنے  
کے لیے انہوں نے نہ باعوم پہلے معنی والے خدائوں کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور مذہبی طبقے اس طبقے میں اس کے ساتھ شریک بن کر رہے  
(۳) نروود کا دعوے خدائی بھی اسی دوسری قسم کا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر  
نہ تھا۔ اس کا دعویٰ یہ نہیں تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور کائنات کا مدبر وہ خود ہے اس کا کہنا یہ نہیں تھا  
کہ اباب عالم کے پرے پہلے پر اسی کی حکومت چل رہی ہے۔ بلکہ اسے وہی اس امر کا تھا کہ اس ملک عراق کا اور اس کے  
باشعور کا مالک مطلق میں ہوں، میری زبان قانون ہے، میرے اوپر کوئی بالا اقتدار نہیں ہے جس کے سامنے میں جواب دہ  
ہوں اور عراق کا ہر وہ باشندہ باطنی و ظاہری ہے جس کی حیثیت سے مجھے اپنا پناہ دینا ہے یا میرے مرا کسی اور کو رب تسلیم کرے۔  
(۴) ابراہیم علیہ السلام نے جب کہا کہ میں صرف ایک دلت اعرابین ہی کو خدا اور مجھ کو اور رب مانتا ہوں اور اس کے سوا  
جب کی خدائی اور ربوبیت کا قطعی طور پر منکر ہوں تو سوال صرف یہی پیدا نہیں ہوا کہ تو ہی مذہب اور مذہبی مجھو دوں کے ہاتھ  
میں ان کا بینا عقیدہ کہاں تک قابلِ برداشت ہے، بلکہ یہ سوال بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ قومی سیاست اور اس کے مرکزی اقتدار پر  
اس عقیدے کی جواز دہنی ہے؟ اسے کیوں نہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم جرم بناوٹ کے الزام میں  
نروود کے سامنے پیش کیے گئے۔

۲۹۲ اگرچہ حضرت ابراہیم کے پہلے فقرے ہی سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ رب اللہ کے سوا کوئی دوسرے نہیں  
ہو سکتا۔ تاہم نروود اس کا جواب دھناتی سے دے گیا لیکن دوسرے فقرے کے بعد اس کے لیے مزید دھناتی سے کچھ کہہ چکا  
ہو گیا۔ وہ خود بھی جانتا تھا کہ آفتاب بہت اب آبی خدا کے زیرِ فرمان ہیں جس کو ابراہیم نے رب مانا ہے۔ پھر کہتا تو آخر کیا کہتا؟  
مگر اس طرح جو حقیقت اس کے سامنے ہے نقاب جوہری یعنی اس کو تسلیم کرنے کے معنی اپنی مطلق العنان فرمان دہانی سے  
دست بردار ہو جانے کے لئے جس کے لیے اس کے نفس کا طاغوت تیار نہ تھا لہذا وہ صرف ششدر رہی ہو کر رہ گیا غیبت  
کی تائیدی سے نکل کر حق پرستی کی روشنی میں نہ آیا۔ اگر اس طاغوت کے بجائے اس نے خدا کو اپنا اولیٰ و مددگار بنایا ہوتا تو اس کیلئے

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى  
 قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ اُنِي يُحْيِي هَذِهِ ۝ وَاللَّهُ  
 بَعْدَ مَوْتِهَا ۝ فَاَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۝ قَالَ كَمْ  
 لَبِثْتُ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۝ قَالَ بَلْ لَبِثْتُ مِائَةَ  
 عَامٍ ۝ فَانْظُرْ اِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ ۝ لَمْ يَكْسَنْهُ ۝ وَانْظُرْ

مگر اشد ظالموں کو رہو راست نہیں دکھایا کرتا۔

یا پھر مثال کے طور پر اس شخص کو دیکھو جس کا گزرا ایک ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر  
 اوندھی گری پڑتی تھی۔ اُس نے کہا یہ آبادی جو ہلاک ہو چکی ہے اسے اللہ کس طرح دوبارہ  
 زندگی بخشنے کا؟ اس پر اللہ نے اس کی رُوح قبض کر لی اور وہ سو برس تک مردہ پڑا اور پھر  
 اللہ نے اسے دوبارہ زندگی بخشی اور اس سے پوچھا: بتاؤ کتنی مدت پڑے رہے ہو؟ اس نے  
 کہا: ایک دن یا چند گھنٹے رہا ہوں گا۔ فرمایا: تم پر سو برس اسی حالت میں گزر چکے ہیں۔  
 اب ذرا اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو کہ اس میں ذرا تغیر نہیں آیا ہے۔ دوسری طرف ذرا اپنے  
 حضرت ابراہیم کی اس تبلیغ کے بعد راہِ راست کھل جاتی۔

تلمذ و کامیابان ہے کہ اس کے بعد اس بادشاہ کے حکم سے حضرت ابراہیم قید کر دیے گئے۔ دس روز تک وہ قید میں رہا۔  
 پھر بادشاہ کی کونسل نے ان کو زندہ جانے کا فیصلہ کیا اور ان کے گاہ میں بھیجے جانے کا وہ واقعہ پیش آیا جو سورۃ انبیاء، رکعہ ۵  
 میں بیان ہوا ہے۔

۲۹۳ ۝ ایک غیر ضروری بحث ہے کہ وہ شخص کون تھا اور وہ بستی کون سی تھی۔ اصل مدعا جس کے لیے یہاں یہ کہ

لیا گیا ہے، صرف یہ بتانا ہے کہ جس نے اللہ کو اپنا ولی بنایا تھا اُسے اللہ نے کس طرح روشنی طالع کی۔ شخص اور مقام، دونوں کی  
 تعین کا وہاں سے پاس کوئی طریقہ نہ اس کا کوئی نام نہ۔ البتہ بعد کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جن صاحبِ کلمہ کے لئے  
 ضرور کوئی نبی ہوں گے۔

۲۹۴ ۝ اس سوال کے پر سنی نہیں ہیں کہ وہ بزرگ حیات بعد الموت کے منکر تھے یا انہیں اس میں شک تھا بلکہ

إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِتَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ  
 كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ  
 أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْفِنِي  
 كَيْفَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنُ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ  
 قُلُوبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ  
 ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْأً ثُمَّ ادْعُهُنَّ

گدھے کو بھی دیکھو کہ اس کا پیچہ تک بوسیدہ ہو رہا ہے (اور یہ ہم نے اس لیے کیا ہے  
 کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دینا چاہتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ ہڈیوں کے  
 اس پیچہ کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست اس پر چڑھا رہے ہیں۔ اس طرح جب  
 حقیقت اس کے سامنے بالکل نمایاں ہو گئی تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ اللہ  
 ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اور وہ واقعہ بھی پیش نظر رہے جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے مالک! مجھے کھانے،  
 نو مزدوروں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ فرمایا: کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ اس نے عرض کیا ایمان تو  
 رکھتا ہوں مگر دل کا اطمینان درکار ہے۔ فرمایا: اچھا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے سے  
 باز کر لے۔ پھر ان کا ایک ایک جز ایک ایک پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر ان کو پکار،  
 وہ اصل وہ حقیقت کا معنی شاہدہ چاہتے تھے، یہاں کہ نبیا کو کرایا جاتا رہا ہے۔

۲۹۵ ایک ایسے شخص کا زندہ ہٹ کر تاج سے دینا سو دس پے مرہ بھجوا کی تھی تو اس کو اپنے ہم معبودوں میں ایک

میتھی جتنی نشانی بنا دینے کے لیے کافی تھا۔

۲۹۶ یعنی وہ اطمینان و شاہدہ معنی سے مال ہوتا ہے۔

يَا تَبْنَكَ سَعِيًّا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾  
مَثَلُ الَّذِينَ يُبْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ

وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ خوب جان لے کہ اللہ نہایت با اقتدار اور حکیم ہے۔  
تجروگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے

۲۵۷ اس واقعہ اور اس واقعہ کی بعض لوگوں نے عجیب عجیب تفسیروں کی ہیں۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ کا  
جو معاملہ ہوا ہے، اگر جی طرح ذہن نشین کر لیا جائے تو کسی گھنچ کاں کی ضرورت پیش نہیں آ سکتی۔ امام اہل ایمان کو اس  
زندگی میں جو خدمت انجام دینی ہے اس کے لیے تو بعض ایمان یافتہ (پسندیدہ) ماننا کافی ہے، لیکن انبیاء کو جو خدمت افہ  
نے سپرد کی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھ جیتے جن پر ایمان لانے کی دعوت انہیں دینا کر دینی  
تھی۔ ان کو دنیا سے پرہیز کے سوا کسی اور چیز سے روکا نہ جاسکتا تھا۔ ان کو دوزخ اور جہنم کی آنکھوں سے دیکھی بات کہہ رہے ہیں،  
تمہارے پاس لگان ہے اور باغ ہے پاس علم ہے، تم اندھے ہو اور ہم بینا ہیں۔ اسی لیے انبیاء کے سامنے فرشتے طے کرنا آئے ہیں،  
ان کی آسمان و زمین کے نظام حکومت (حکومت) کا شاہدہ کر دیا گیا ہے، ان کو دوزخ اور جہنم کی آنکھوں سے دکھائی گئی ہے اور  
بعثت بعد الموت کا ان کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ ایمان یافتہ کی منزل سے یہ حضرت منصب برت پر اصرار  
سے پہلے گزر چکے ہوتے ہیں۔ نبی ہونے کے بعد ان کو ایمان یا شہادۃ کی نعمت دی جاتی ہے اور یہ نعمت انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔  
(مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ براء، ص ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸

حَبَّةٌ اُنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ  
 وَاللّٰهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۱﴾  
 يَنْفَقُونَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يَتَّبِعُونَ مَا اَنْفَقُوا  
 مَثًا وَلَا اَذَى لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
 وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات ہالیں نکلیں اور ہر ہال میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح  
 اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔  
 جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے،  
 نہ دکھ دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف  
 کا موقع نہیں۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اُس خیرات سے

میں ایسی تبدیلی کی ضرورت ہے کہ افراد کے اندر وہ پرتانا اخلاقیات کے بجائے یہ اخلاقی اوصاف نشو و نما پائیں جنہیں یہاں  
 مسلسل تین دکر میں ہم اسی ذہنیت کی تخلیق کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔

۲۹۹ سال کا خرچ خواہ اپنی ضروریات کی تکمیل میں ہو یا اپنے مال چھل کا پیٹ پالنے میں یا اپنے عہدہ و اقربا  
 کی خبر گیری میں یا محتاجوں کی اعانت میں یا رفاہ عام کے کاموں میں یا اشاعت دین اور ہمد کے مقاصد میں، ہر حال  
 اگر وہ قانون الہی کے مطابق ہو اور فاعل خدا کی رضا کے لیے ہو تو اس کا شمار اللہ ہی کی راہ میں ہوگا۔

۳۰۰ یعنی جس قدر خلوص اور جتنے گھرے جذبے کے ساتھ انسان اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے گا اتنی ہی اللہ کی نگر  
 نسیں اس کا اجر زیادہ ہوگا۔ جہذا ایک دانے میں اتنی برکت دیتا ہے کہ اس سے سات سو دانے اُگ سکتے ہیں، اس کے بیکے  
 مثل نہیں کہ تمہاری خیرات کو بھی اسی طرح نشو و نما بخشنے اور ایک روپے کے خرچ کو اتنی ترقی دے کہ اس کا اجر سات سو گونہ  
 ہو کر تمہاری طرف پٹھے۔ اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد اللہ کی دو صفات اور اشارہ فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ فراخ دست  
 ہے، اس کا ہاتھ تنگ نہیں ہے کہ تمہارا عمل فی الواقع جتنی ترقی اور جتنے اجر کا مستحق ہو وہ نہ دے سکے۔ دوسرے یہ کہ علیم ہے!  
 بے خبر نہیں ہے کہ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اور جس جذبے سے کرتے ہو اس سے وہ ناواقف نہ ہلے اور تمہارا اجر ادا جائے۔



صَدَقَاتٍ يَتَّبِعُهَا أَذَىٰ ۖ وَاللَّهُ غَفِيْرٌ حَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ  
اٰمَنُوْا لَا تَبْطُلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمِيْنِ وَالَّذِيْ كَاٰلُ ذِي الْقُرْبَىٰ  
مَالَهُ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهُ  
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهُ وَاِبِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۝

بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے۔ اے  
ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ سے کراں شخص کی طرح خاک میں  
نہ ملا دو۔ ہوا اپنا مال معنی لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ  
آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی  
اس پر جب زور کا میٹھ برساتو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔

۱۳۵ یعنی ذوق کے لیے اس بات کا کوئی خطر ہے کہ ان کا اجر ضائع ہو جائے گا اور نہ کسی یہ ذہن آئے گی کہ  
اپنے اس خرچ پر پشیمان ہوں۔

۱۳۶ اس ایک فقرے میں دو باتیں درشاہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تنہا ہی خیرات کا حاکم و جہت نہیں ہے۔ دوسرے  
یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کہ خود بردبار ہے اس لیے اسے پسند بھی وہی لگے ہیں جو مجھوٹے اور کم ظرف نہ ہوں بلکہ فرخ و صلوات بردبار  
ہوں۔ جو خدا تہ زندگی کے سبب مسائل کا بے حساب نقصان کر رہا ہے اور تنہا ہے قہر و عداوت کے باوجود تمہیں ہار رہا جیسا ہے  
وہ ایسے لوگوں کو کہیں کہ پسند کر سکتا ہے جو کسی غریب کی ایک روٹی کھلا دیں تو احسان جتا کر اس کی عزت نفس کو خاک میں  
ٹاویں۔ اسی بنا پر حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو قیامت کے روز شرف بہکامی اور نظیر عیسیٰ سے محروم کرے گا  
جو اپنے غلے پر احسان جتا رہا ہو۔

۱۳۷ اس کی ریاکاری خود ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اس کا معنی لوگوں  
کو دکھانے کے لیے عمل کرنا صرف عین یعنی رکھتا ہے کہ عقل ہی اس کی خدا ہے جس سے وہ اوجھڑتا ہے۔ اللہ سے نہ اس کو اجر کی  
ترجیح ہے اور نہ سزا سے یقین ہے کہ ایک روز اعمال کا حساب ہوگا اور اوجھڑا کیے جائیں گے۔

۱۳۸ اس تخیل میں بارش سے مراد غیرات ہے چٹان سے مراد اس ذہن اور اس جذبات کی غلامی ہے جس کے  
ساتھ غیرات کی گئی ہے۔ مٹی کی بجلی تہہ سے مراد مٹی کی وہ ظاہری شکل ہے جس کے نیچے نیت کی غلامی چھپی ہوئی ہے۔ اس دفعہ

لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ  
اللَّهِ وَتَشْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا  
وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ  
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۸﴾ أَيُّودُ أَحَدَكُمُ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ

ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو کئی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔ بخلاف اس کے جو لوگ اپنے مال معصوم اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو۔ اگر زور کی بارش ہو جائے تو دو گنا پھل لائے، اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھواری اس کے لیے کافی ہو جائے۔ تم جو کچھ کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایک ہرا بھرا باغ ہو،

کے بعد مثال اچھی طرح سمجھیں اس کی ہے۔ بارش کا فطری تقنا تو یہی ہے کہ اس سے روئیدگی ہو اور کھیتی نشوونما پائے لیکن جب روئیدگی قبول کرنے والی زمین صحت برائے نام اوپر ہی اوپر ہو اور اس اوپر ہی تھد کے نیچے نری پتھر کی ایک چٹان رکھی ہوئی ہو بارش مفید ہونے کے بجائے اُٹنی معزز ہوگی۔ اسی طرح خیرات بھی اگر یہ بھلائیوں کو نشوونما دینے کی قوت رکھتی ہے مگر اس کے نافع ہونے کے لیے حقیقی نیک نیتی شرط ہے۔ نیت نیک نہ ہو تو ہر کرم کا فیضان بھڑاس کے کہ معص فیضان مال ہے اور کچھ نہیں۔

۳۵۔ یہاں کافر کا لفظ ناشکرے اور دیگر نعمت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو شخص اللہ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی راہ میں اس کی رضا کے لیے خرچ کرنے کے بجائے خلق کی خوشنودی کے لیے صرف کرتا ہے یا اگر خدا کی راہ میں کچھ مال دیتا بھی ہے تو اس کے ساتھ اذیت بھی دیتا ہے وہ دراصل ناشکر اور اپنے خدا کا احسان فراموش ہے اور جب کہ وہ خود بھی خدا کی رضا کا طالب نہیں ہے تو اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ اسے خواہ مخواہ اپنی رضا کا راستہ دکھائے۔

۳۶۔ اللہ کی بارش سے مراد وہ خیرات ہے جو ہستیائی جذبہ خیر اور کمال دہی کی نیک نیتی کے ساتھ کی جاتی ہے۔

مِّنْ فُجَيْلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا  
 مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّتٌ ضُعَفَاءُ  
 فَأَصَابَهَا أَعْصَارُ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ  
 لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٣١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا  
 مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا

نہروں سے سیراب، کجور و لہو انگور و لہو اور قہریم کے پھلوں سے لدا ہوا، اور وہ عین اُس وقت  
 ایک تیز گرم بجولے کی زد میں آ کر مجلسِ جلسے جبکہ وہ خود بوڑھا ہوا اور اس کے کم سن بچے بھی  
 کسی لائق نہ ہوئے، اس طرح اللہ اپنی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے شاید کہ تم غور و فکر کرو۔ ع  
 اے ایمان لانے والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے  
 لیے نکالا ہے اُس میں سے بہتر حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں

اور ہر جگہ پھار سے مراد ایسی خیرات ہے جس کے اندر جذبہ خیر کی شدت نہ ہو۔

۳۱ یعنی اگر تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہاری عمر بھر کی کمائی ایک ایسے نازک موقع پر تباہ ہو جائے جبکہ تم اس سے  
 فائدہ اٹھانے کے لیے زیادہ محتاج ہو اور از سرِ نو کمائی کرنے کا موقع بھی باقی نہ رہا ہو، تو یہ بات تم کیسے پسند کر رہے ہو کہ  
 دنیا میں مدتِ العمر کام کرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں تم اس طرح قدم رکھو کہ وہاں پہنچ کر کیا ایک مہینہ معلوم ہو کہ تمہارا پورا  
 کارنامہ حیات یہاں کوئی قیمت نہیں رکھتا، جو کچھ تم نے دنیا کے لیے کیا تھا وہ دنیا ہی میں رہ گیا، آخرت کے لیے کچھ کماکر  
 لئے ہی نہیں کر سکتے یہاں اس کے محلِ کما سکدو۔ وہاں تمیں اس کا کوئی موقع دئے گا کہ از سرِ نو اپنی آخرت کے لیے کماؤ گی کرو۔  
 آخرت کے لیے کام کرنے کا جو کچھ بھی موقع ہے اسی دنیا میں ہے یہاں اگر تم آخرت کی فکر کیے بغیر مادی عمر دنیا ہی کی بوجھ  
 میں گمے رہے اور اپنی تمام قوتیں مادہ کو مشغول رہیں تو دنیا کی فائدے تلاش کرتے ہی میں کھاتے رہے تو آخرت کی زندگی کے غریب  
 ہونے پر تمہاری حالت عینہ اُس دن کے طرح حسرت ناک ہوگی جس کی عمر بھر کی کمائی اور جس کی زندگی کا سہارا ایک باغ  
 تھا اور وہ باغ عین عالمِ پیری میں اُس وقت جل گیا جبکہ وہ خود نئے سرے سے باغ نکلا سکتا ہے اور وہ اس کی وہابی  
 اس قابل ہے کہ اس کی مدد کر سکے۔

تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْنِصُوا  
فِيهِ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفِيْرٌ حَمِيْدٌ ۝ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ  
وَيَأْمُرُكُمُ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا  
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ  
الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

دینے کے لیے بُری سے بُری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی  
متقیں دے تو تم ہرگز اُسے لینا گوارا نہ کرو گے البتہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغراضِ برت  
جاؤ۔ تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے۔  
شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے،  
مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے۔ اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے۔  
اجس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت  
مل گئی۔ ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانشمند ہیں۔

۳۰۸؎ ظاہر ہے کہ جو خود اعلیٰ درجہ کی صفات سے متصف ہو وہ بڑے اوصاف رکھنے والوں کو پسند نہیں کر سکتا۔  
لہٰذا قلمائے خود نیا من ہے اور اپنی مخلوق پر ہر آن بخشش و عطا کے دیا بہار ہے۔ کس طرح ممکن ہے کہ وہ تنگ نظر کم وصل  
و درپست اخلاق لوگوں سے محبت کرے۔

۳۰۹؎ حکمت سے مراد صحیح بصیرت اور صحیح قوتِ فیصلہ ہے۔ یہاں اس ارشاد سے مقصود یہ بتانا ہے کہ جن  
شخص کے پاس حکمت کی دولت ہوگی وہ ہرگز شیطان کی بتائی ہوئی راہ پر نہ ہانے گا بلکہ اُس راہ کو نشاد کو اختیار کرے گا جو  
اخذ نے دکھائی ہے۔ شیطان کے تنگ نظر مردوں کی نگاہ میں یہ بڑی ہوشیاری اور عقلندی ہے کہ آدمی اپنی دولت کو  
منہاجلِ سبھال کر رکھے اور ہر وقت مزید کمائی کی فکر ہی میں نہ رہے۔ لیکن جن لوگوں نے اللہ سے بصیرت کا فریاد کیا ہے،  
اُن کی نظر میں یہ عین بے وقوفی ہے۔ حکمت و دانائی ان کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اُسے اپنی ضرورت و دیات  
پوری کرنے کے بعد دل کھول کر بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے۔ پہلا شخص ممکن ہے کہ دنیا کی اس چند دزدہ زندگی میں

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا  
وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝۱۰۰ إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا  
هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَوَلَا  
يُكْفَرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝۱۰۱

تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ہو اور جو نذر بھی مانی ہو اللہ کو اس کا علم ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اگر اپنے صدقات علانیہ و توہیہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر ماحتمدوں کو دو، تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ تمہاری بہت سی برائیاں اس طرز عمل سے محو ہو جاتی ہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو بہر حال اس کی خبر ہے۔

دوسرے کی نسبت بہت زیادہ خوشحال ہو، لیکن انسان کے لیے یہ دنیا کی زندگی پر ہی زندگی نہیں بلکہ اصل زندگی کا ایک نہایت چھوٹا سا جز ہے۔ اس چھوٹے سے جز کی خوش حالی کے لیے جو شخص بڑی اور بے پایاں زندگی کی بددعا کر رہا ہے، وہ حقیقت میں سخت بے وقوف ہے۔ جتنی بددعا مل رہی ہے جس نے اس مقرر زندگی کی ملت سے فائدہ اٹھا کر تمہارے لیے ہی سے اس پیشگی کی زندگی میں اپنی خوشحالی کا بندوبست کر لیا۔

۱۰۰ خرچ خواہ غلامی کیا ہو یا بلا شیطان میں اللہ نذر خواہ اللہ کے لیے مانی ہو یا غیر اللہ کے لیے، دونوں صورتوں میں آدمی کی نیت اور اس کے فعل سے اللہ خوب واقف ہے جنہوں نے اس کے لیے خرچ کیا ہو گا اللہ اس کی خاطر نذر مانی ہو گی وہ اس کا اجر پائیں گے اور جن ظالموں نے شیطان یا ہوس میں خرچ کیا ہو گا اللہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے لیے نذریں مانی ہوں گی ان کو خدا کی سزا سے بچانے کے لیے کوئی مددگار نہ ملے گا۔

نذیر ہے کہ آدمی اپنی کسی مراد کے برائے پر کسی ایسے خرچ یا کسی ایسی خدمت کو اپنے اوپر لازم کر لے کہ اس کے ذمے فرض نہ ہو۔ اگر یہ مراد کسی حلال و حرام مراد کی ہو اور اللہ سے مانگی گئی ہو اور اس کے برائے پر جو عمل کرنے کا عہد آدمی نے کیا ہے، وہ اللہ ہی کے لیے ہو تو ایسی نذر اللہ کی امانت میں ہے اور اس کا بدلہ کرنا اجرو ثواب کا موجب ہے۔ اگر یہ مراد نہ ہو تو ایسی نذر کا ماننا مصیبت اور اس کا بدلہ کرنا موجب عذاب ہے۔

۱۰۱ جو صدقہ فرض ہو اس کو علانیہ دینا افضل ہے اور جو صدقہ فرض کے سوا ہو اس کا اخذ زیادہ بہتر ہے یہی اصل تمام اعمال کے لیے ہے کہ فرائض کا علانیہ انجام دینا فضیلت رکھتا ہے اور فرائض کو چھپا کر کرنا اولیٰ ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا تُنْفِقُوكُمْ، وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷﴾ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَاؤُا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسَيِّئِهِمْ لَا يَسْكُونُ النَّاسَ

لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی فتنے داری تم پر نہیں ہے۔ ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخشتا ہے۔ اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لیے بھلا ہے۔ آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ تو جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔

خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خود داری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں۔ تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو، مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر

۳۱۲ میں چھپا کر ٹیکیاں کہنے سے آدمی کے نفس و اتفاق کی مسلسل اصلاح ہوتی چلی جاتی ہے، اس کے علاوہ

خوب نشرونا پاتے ہیں، اس کی بڑی منفعت دتو رفتہ مٹ جاتی ہیں اور یہی چیز اس کو لاش کے اس اتنا مقبول بنا دیتی ہے کہ جو حیرت سے متنگ ہو، اس کے نامہ اعمال میں ہوتے ہی ہیں، انہیں اس کی خوبیوں پر فخر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معاف فرما دیتا ہے۔

۳۱۳ ابتدا میں مسلمان اپنے غیر مسلم دشمنے عادلانہ مام فیہر مسلم اہل مامت کی مدد کرنے میں تامل کرتے تھے۔

خیال یہ تھا کہ صرف مسلمان مامت منہ دی کی مدد کرنا اتفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس آیت میں ان کی یہ غلط فہمی دور کی گئی ہے۔

﴿۲﴾

تفہیم

الْحَافَا وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ الَّذِينَ  
يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ  
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ  
الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي

کچھ مانگیں۔ ان کی امانت میں جو کچھ مال تم خرچ کر گئے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔  
جو لوگ اپنے مال شب روز کھلا اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور  
ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہو گا

اشادہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں ہریت و تار رہنے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ تم غریب بات بٹھا کر اپنی بھاری  
سے جگر دوش ہو چکے۔ اب یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ ان کو بعیرت کا ذرا حکا کہے یا نہ کہے۔ رہا غریب مال و متاع سنان کی جہتیں  
چھوڑ کر، توڑ پھوڑ تم میں سے جو سے تامل ہو کر وہاں سے نہایت قبول نہیں کی ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے جس کو حاجت و نفع کی  
جی مدد کر دے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ دے گا۔

۳۴ اس گروہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا کے دین کی خدمت میں اپنے آپ کو ہمہ وقت کھڑے ہیں اور مروت  
و دینی خدمات میں صرف کر لینے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتے کہ اپنی عیاشی پیدا کرنے کے لیے کوئی ہجو و جھوٹ لکھیں، نئی سلی  
اشد علیہم السلام کے زمانے میں اس قسم کے رفاکاروں کا ایک تعلق گروہ تھا جو تاسوع میں اصل میں لٹے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تین  
چار سو آدمی تھے جو اپنے اپنے گھر بار چھوڑ کر اپنے آگے تھے۔ ہر وقت حضور کے ساتھ رہتے تھے۔ ہر خدمت کے لیے ہر وقت  
حاضر تھے۔ حضور جس جگہ پہنچتے تھے انھیں بھیج دیتے تھے اور جہت میں سے باہر کوئی کام نہ ہوتا اس وقت یہ رہنے میں رہا کہیں  
کا طے ہوا کہ کسے اور دوسرے بندگان خدا کو اس کی تعلیم دیتے رہتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ ہر وقت دینے والے کا رکھنے والے تھے اور اپنی  
مزدوریات فراہم کرنے کے لیے اپنے ذاتی وسائل نہ رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو توہم دلائی کہ ان میں سے  
ان کو مدد کرنا اتفاقاً ہی سہل اشرا کا بہترین مصروف ہے۔

۳۵ اہل میں نشو و نما حاصل ہونے کے معنی عربی میں زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اصطلاحاً اہل عرب اس  
نشو و نما کو اس زمانہ تک کے لیے استعمال کرتے تھے جو ایک قرن غزوہ اپنے قرنِ ماد سے ایک طے شدہ شرح کے مطابق اہل کے  
علاقہ و مملکت کا ہے۔ اسی کو ہماری زبان میں سورت کہتے ہیں۔ نزول قرآن کے وقت سورتی معاملات کی جو تفصیلات رائج تھیں اور

يَخْتَبِطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا  
الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

جسے شیطان نے چھو کر باؤ لاکر دیا ہو۔ اور اس حالت میں اُن کے جتنا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

جنہیں اہل عرب "ربا" کے مفاد سے تعبیر کرتے تھے وہ ہیں کہ ظانیک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا اور اس قیمت کے لیے ایک مدت مقرر کر دینا اگر مدت گزر جائے اور قیمت ادا نہ ہوئی تو بیرونہ مزید ملت دینا اور قیمت میں اضافہ کر دینا۔ یا ظانیک شخص دوسرے شخص کو قرض دینا اور اس سے بے کر تیا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اہل سے فائدہ ادا کرنی ہوگی یا شافعیوں نے اور قرض دہنے کے وہیلن ایک خاص مدت کے لیے ایک شروع سے ہو جائے تو ادا کرنا اس مدت میں اہل نامع اضافہ کے ادا نہ ہونی، تو مزید ملت پہلے سے فائدہ شروع ہر دہا جاتی تھی۔ اسی ذیت کے معاملات کا حکم یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

۳۱۶ اہل عرب دیرانے ادا ہاں گا دی کو "بزن" (یعنی آسیبہ دہا کے مفاد سے تعبیر کرتے تھے) اور جب کسی شخص کے متعلق یہ کہنا ہوتا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے تو یہ کہتے کہ اسے جن گم گیا ہے۔ اسی عائدہ کو استعمال کرتے ہوتے قرآن سرخوار کو ان شخص سے تشبیہ کرتا ہے جو غیر دانا اس ہو گیا برہمن جس طرح وہ شخص عقل سے خارج ہو کر غیر متدل و کات کرنے لگتا ہے اسی طرح سرخوار بھی روپے کے پیچے دیرانہ ہوتا ہے اور اپنی خود غرضی کے جنن میں کہہ پر دانیں کہ اس کی سرخواری سے کسی شخص کو انسانی صحت، اخوت اور ہمدردی کی جڑیں کٹ رہی ہیں، اجتماعی فلاح و سیر پر کسی قدر تباہ کن اثر پڑ رہا ہے اور کتنے لوگوں کی بد حالی سے وہ اپنی خوشحالی کا سامان کر رہا ہے۔ یہ اس کی دیوانگی کا حال اس دنیا میں ہے۔ اور چونکہ آخرت میں انسان اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت پر اس نے دنیا میں جان دی ہے اس لیے سرخوار آدمی قیامت کے روز ظانیک باولے خبردار اور اس انسان کی صورت میں اٹھے گا۔

۳۱۷ یمن میں کے غزوہ کی خلائی یہ ہے کہ تجارت میں ہلکا گت پر جو منافع لیا جاتا ہے اس کی ذیت اور سود کی ذیت کا فرق وہ نہیں سمجھتے اور دونوں کو ایک ہی قسم کی چیز سمجھ کر یوں استعمال کرتے ہیں کہ جب تجارت میں گئے ہوں تو وہیے گمان غرض جاننے سے تو قرض پر دیے ہوئے روپے کا منافع کیوں نا جائز ہو۔ اسی طرح کے عقل پروردہ انسان کے سرخوار بھی سود کے حق میں پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جس روپے سے فائدہ اٹھا کر خالصتاً اٹھا لے دے تو قرض پر دوسرے شخص کے مال کرنا ہے۔ وہ دوسرے شخص بھی ہر حال اس سے فائدہ ہی اٹھاتا ہے۔ پھر تو کیا وہ ہے کہ قرض دینے والے کے روپے سے جو فائدہ قرض لینے والا اٹھا رہا ہے اس میں سے ایک حصہ وہ قرض دینے والے کو ادا کرے، مگر یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ دنیا میں جسے کا دیا میں، خواہ وہ تجارت کے ہو یا صنعت و حرفت کے یا ذراعت کے اور غواہ انہیں



اچھی صورت اپنی منت سے کرتا ہو یا اپنے سر پہ اندھنت چر دے، وہن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس میں آدمی نقصان کا خطرہ (Risk) مول نہ لیتا ہو اور جس میں آدمی کے لیے لازماً ایک مقرر منافع کی ضمانت ہو۔ پھر آخر آدمی کا وہ باری دنیا میں ایک قرض دینے والا سرمایہ داری یا ایگروں ہو جو نقصان کے خطرے سے بچ کر ایک مقرر اور لازمی منافع کا حق دار ہو یا نہ ہو، غیر نفع بخش اطراف کے لیے قرض لینے والے کا معاملہ قرض دہر کے لیے سمجھو دیجئے، اللہ شرع کی کئی بیشی کے مسئلے سے بھی قطع نظر کر لیجئے۔ معاملہ کسی قرض کا کسی جو نفع بخش کاموں میں لگانے کے لیے لیا جائے، اللہ شرع بھی قرض دہی ہی کسی سوال یہ ہے کہ جو لوگ ایک کام کا دھاریں، بنا وقت، اپنی محنت، اپنی قابلیت اور اپنا سرمایہ رات دن کچا ہے ہیں اور جن کی کسی دوشمن کے بل پر کچا اس کا ہوا کا ہار ہو، نہ ان کو قوت ہے ان کے لیے تو ایک مقرر منافع کی ضمانت نہ ہو بلکہ نقصان کا سارا خطرہ بالکل انہی کے سر ہوتا ہے اگر جس نے صرف اپنا دھریا نہیں قرض لے دیا ہو وہ بے خطر ایک طے شدہ منافع وصول کرتا چلا جائے ایسا خوش قسمتی کہیں منقطع کس اصل پر انصاف اور کس اصل پر معاشیات کی رو سے درست ہے؟ اور کیس بنا پر صحیح ہے کہ ایک شخص ایک کام کا لگانے کو بیس سال کے لیے ایک رقم قرض لے لے اور اسی ہی طے کرے کہ آئندہ ۲۰ سال تک وہ برابرہ فی صدی سالانہ کے حساب سے اپنا منافع لینے کا حق دار ہوگا حالانکہ وہ کارخانہ جو مال تیار کرتا ہے اس کے متعلق کسی کو بھی نہیں معلوم کہ کارکٹ میں اس کی تعمیرات کے اندر متحدہ بیس سال میں کتنا اتار چڑھا ہوگا؟ اور یہ کس طرح درست ہے کہ ایک قوم کے سامنے ہی جتنے ایک لٹائی میں خطرات اور نقصانات اور قربانیاں برداشت کریں مگر ساری قوم کے اندر سے صرف ایک قرض دینے والا سرمایہ داری ایسا ہو جہاں چنے دیے ہوئے جنگی قرض پر اپنی ہی قوم سے لٹائی کے ایک ایک صدی بعد تک سود وصول کرتا رہے؟

۳۱۸ تجارت اور سود کا اصلی فرق، جس کی بنا پر دونوں کی معاشی اور اخلاقی حیثیت ایک نہیں ہو سکتی یہ ہے:

(۱) تجارت میں بائع اور مشتری کے درمیان منافع کا مساویانہ تبادلہ ہوتا ہے، کیونکہ مشتری اس چیز سے نفع اٹھاتا ہے جو اس نے بائع سے خریدی ہے اور بائع اپنی محنت، اوقات اور وقت کی اجرت لیتا ہے جس کو اس نے مشتری کے لیے وہ چیز تیار کرنے میں صرف کیا ہے۔ بخلاف اس کے سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ باری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا قوال کی ایک مقرر مقدار لے لیتا ہے جو اس کے لیے بالیقین نفع بخش ہے، لیکن اس کے مقابل میں سود دینے والے کو کٹھن ملت لیتی ہے جس کا نفع جتنی ہونا یقینی نہیں۔ اگر اس نے سرمایہ اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے لیا ہے تب تو ظاہر ہے کہ ہمت اس کے لیے قطعی ناخوش نہیں ہے۔ اور اگر وہ تجارت یا زراعت یا صنعت و حرفت میں لگنے کے لیے خرچ کر لیتا ہے تب بھی ہمت اس میں جس طرح اس کے لیے نفع کا امکان ہے کسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے۔ پس سود کا معاملہ بالکل ایک فرد کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے یا ایک کے یقینی اور یقین فائدے اور دوسرے کے غیر یقینی اور غیر یقین فائدے پر۔

(۲) تجارت میں بائع مشتری سے خواہ کتنا ہی فائدہ منافع لے، بہر حال وہ جو کچھ لیتا ہے ایک ہی بار لیتا ہے لیکن سود کے معاملے میں مال دینے والا اپنے مال پر پس منافع وصول کرتا رہتا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا منافع بڑھتا چلا جاتا ہے۔ دھیلن نہ اس کے مال سے طرہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو، بہر طور اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہوگا مگر وہ اس

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ  
وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا

لہذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے سو ذمہ داری سے باز آ جائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا ہو کھا چکا اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے وہ جہنمی ہے جہاں وہ

اس نامہ کے بدلے میں جو نفع اٹاتا ہے اس کے لیے کوئی مدد نہیں، ہو سکتا ہے کہ دوسری کی پوری کٹائی اس کے تمام وسائل میں منت، حتیٰ کہ اس کے حق کے کپڑے اور گھر کے برتن تک ہجوم کر لے اور پھر اس کا مطالعہ باقی رہ جائے۔

(۳) تہات میں شے اس کی قیمت کا تبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاوضہ ہو جاتا ہے، اس کے عوض شے کی کوئی چیز بالغ کھائیں دینی نہیں ہوتی، مکان یا زمین یا سامان کے لیے یہ اصل شے جس کے استعمال کا سامان طلب دیا جاتا ہے صرف نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے اور جو ہضم کر لیا دیا کر دیا پس شے دی جاتی ہے۔ لیکن سود کے معاملہ میں قرض دان و سودیہ صرف کر سکتا ہے اور پھر اس کو وہ صرف شدہ مال دوبارہ پیدا کر کے امانت کے ساتھ واپس دینا ہوتا ہے۔

(۴) تہات اور صنعت و حرفت اللہ تعالیٰ ہی انسان محنت، ذہانت اور وقت صرف کر کے اس کا فائدہ لیتا ہے۔ اگر سودی کا دبا دہا میں دھن اپنا مزدور سے فائدہ اٹال دے کہ بلا کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جائے۔ اس کی حیثیت اصطلاحی شریک کی نہیں ہوتی جو نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے، اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے تناسب سے ہوتی ہے، بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلا نفع و نقصان اور بلا مال و تباہی نفع اپنے لیے شدہ منافع کا دعویدار ہوتا ہے۔

ان وجوہ سے تجارت کی معاشی حیثیت اور سود کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم الشان فرق ہو جاتا ہے کہ تہات انسانی تمدن کی تعمیر کرنے والی قوت بن جاتی ہے اور اس کے برعکس سود کی تحریک کرنے کا موجب بنتا ہے۔ پھر اصطلاحی حیثیت سے یہ سود کی معین ضرورت ہے کہ وہ افراد میں مل، خود غرضی، شقاوت، سلب و مصلحت پرستی کی صفات پیدا کرتا ہے اور ہمدردی و داد و باہمی کی مدح کو ناکارہ دیتا ہے۔ اس بنا پر سود معاشی اصطلاحی دونوں حیثیتوں سے نوع انسانی کے لیے تباہ کن ہے۔

۳۱۹ یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا یا اسے اخراجات کرنے کا بلکہ ارشاد یہ ہوتا ہے کہ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو کچھ اچھا ہے اس کا سود کرنا یا لکھا اس سے جس قاتالی رعایت مراد ہے یعنی جو سود پہلے کھایا جا چکا ہے اسے واپس دینے کا قاتل مظاہر نہیں

## خُلُودُنَّ ۝ يَمَحُكُ اللَّهُ الرُّبُوبَا وَيُزِيهِ الصَّدَقَتِ وَاللَّهُ

ہمیشہ رہے گا۔ اللہ سرود کا مٹھا ماروتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے۔ اور اللہ

کیا جانے گا کہ کونکر کس کا مطالبہ کیا جائے تو مقامات کا ایک انتہائی سلسلہ شروع ہو جائے جو کہیں باک فہم نہ ہو کر اخلاق حیثیت سے اس مال کی نہایت بدستور ذاتی پسے گی جو کسی شخص نے سرود کا ادبار سے سینا ہو۔ اگر وہ حقیقت میں خدا سے ٹسے والا ہوگا اور اس کا ماحاشی و اخلاق نقطہ نظر واقعی اسلام قبول کرنے سے تبدیل ہو چکا ہوگا تو وہ خود اپنی اس دولت کو اچھے حرام ذرائع سے آتی حتیٰ اپنی ذات پر خرچ کرے سے پرہیز کرے گا اور کوشش کرے گا کہ جہاں تک ان حق داروں کا ہتہ چلایا جاسکتا ہے جہاں تک مال اس کے پاس ہے اس حد تک ان کا مال انہیں واپس کر دیا جائے اور جس حصہ مال کے مستحقین کی حقیقی ذہر کے اسے اجتماعی ظلم و سب کو پر صرت کیا جائے۔ یہی اصل اسے خدا کی سزا سے بچانے کا۔ وہ ماحاشی جو پہلے کہتا ہے کہ مال سے بدستور لطف اٹھاتا رہے تو یہ نہیں کہ وہ اپنی اس عام غری کی سزا پا کر رہے۔

۳۲۰ اس نکتہ میں ایک ایسی صدقت بیان کی گئی ہے جو اخلاق و روحانی حیثیت سے بھی سراسر حق ہے اور ماحاشی و تمدنی حیثیت سے بھی۔ اگر ہم ظاہر سرود سے دولت بڑھتی نظر آتی ہے اور صدقات سے گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے۔ خدا کا قانونی فطرت یہی ہے کہ سرور اخلاق و روحانی اور ماحاشی و تمدنی فطرت میں نہ صحت مانع ہو تا ہے بجز تنزل کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور اس کے برعکس صدقات سے (یعنی میں قرین حسن بھی شامل ہے) اخلاق و روحانیت اور تمدن و معیشت ہر چیز کو نشوونما دیتا ہے۔

اخلاق و روحانی حیثیت سے دیکھیے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ سرود و اصل خود غرضی، بخل، تنگ دلی اور تنگ دلی جیسی صفات کا نتیجہ ہے اور وہ انہی صفات کی انسان میں نشوونما بھی دیتا ہے۔ اس کے برعکس صدقات نتیجہ ہیں نیت صنی، ہمدردی، فراخ دلی اور مالی طرفی جیسی صفات کا اور صدقات پر عمل کرتے ہوئے سے یہی صفات انسان کے اندر پروانہ پاتی ہیں۔ کون ہے جو اخلاق و صفات کے ان دونوں جگہوں میں سے پہلے جو ہے کہ بدترین اور دوسرے کو بہترین نہ مانتا ہو؟ تمدنی حیثیت سے دیکھیے تو بادی تاں یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آجائے گی کہ جس سرمایہ میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کریں، کوئی شخص اپنی ذاتی غرض بھلا پتے ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آئے، ایک آدمی کی حاجت مندی کو دوسرا آدمی اپنے پیسے سے نفع اندوزی کا مرتع سمجھے اور اس کا پلٹا فائدہ اٹھائے اور ادارہ بھرتوں کا مفاد مانتا اس کے مفاد کی ضد ہو جاتے، ایسی سرمایہ کی کمی مستحکم نہیں ہو سکتی۔ اس کے افراد میں آپس کی محبت کے بجائے باہمی بغض و عداوت ہے ہمدردی و بے تعلقی نشوونما پاتے گی۔ اس کے اجزا ہمیشہ انتشار و پراگندگی کی طرف تکیا دیں گے۔ اور اگر دوسرے سرمایہ میں اس صحت حال کے لیے مددگار ہو جائیں تو ایسی سرمایہ کی کے اجزا کا باہم تضاد ہم جھانکا جائے کہ مشکل نہیں ہے۔ اس کے برعکس جس سرمایہ کی کا اجتماعی نظام آپس کی ہمدردی پر مبنی ہو جس کے افراد ایک دوسرے

کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کریں، جس میں ہر شخص دوسرے کی حاجت کے موقع پر فراخ دلی کے ساتھ مدد کا ہاتھ بٹھائے، اور جس میں با وسیلہ لوگ بے وسیلہ لوگوں سے جملہ دانا معاشات یا کم از کم منصفانہ تعاون کا طریقہ ترتیب دیں، ایسی سرمایہ نشینی ہی نہیں کی جوت، غیر خواہی اور دلچسپی نشوونما پائے گی۔ اس کے بجائے ایک دوسرے کے ساتھ بیروت اور ایک دوسرے کے شہرستان ہوں گے۔ اس میں اندرونی نزاع و تصادم کو راہ ہانے کا موقع دل سکے گا۔ اس میں باجی تعاون اور غیر خواہی کی وجہ سے ترقی کی رفتار پہلی قسم کی سرمایہ نشینی کی نسبت بہت زیادہ تیز ہوگی۔

اب معاشی حیثیت سے دیکھیے۔ معاشیات کے نقطہ نظر سے سودی قرض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قرض جو اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے جبراً اور معاہدہ مندرکگ بیٹے ہیں۔ دوسرا وہ قرض جو تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ کے کاموں پر لگانے کے لیے پیشہ ور لوگ لیتے ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم کے قرض کو تو ایک دنیا جانتی ہے کہ اس پر سود وصول کرنے کا طریقہ نہایت تباہ کن ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس میں صاحبین افراد اور معاہدہ اجتماعی ادارے اس ذریعے سے غریب مزدوروں، کاشتکاروں اور قلیل العاش عوام کا خون نہ چوس رہے ہوں۔ سود کی وجہ سے اس قسم کا قرض ادا کاران ان لوگوں کے لیے سنت مثل، بلکہ بے ادوات نامکن ہو جاتا ہے۔ پھر ایک قرض کو ادا کرنے کے لیے وہ دوسرا ذریعہ قرض لینے چلے جاتے ہیں۔ اہل رقم سے کوئی کئی گنا سود لے کچھ پرچی اہل رقم میں کی توں باقی رہتی ہے۔ محنت پیشہ آدمی کی آمدنی کا بیشتر حصہ صاحبین سے جاتا ہے اور اس غریب کی اپنی کمائی میں سے اس کے پاس اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے بھی کافی رہ ہی نہیں بچتا۔ یہ چیز ملتہ رفتہ اپنے کام سے کارکنوں کی دلچسپی ختم کر دیتی ہے کہ کیونکہ جب ان کی محنت کا پھل دوسرے اٹھے تو وہ کبھی دل ٹکا کر محنت نہیں کر سکتے۔ پھر سودی قرض کے حال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ہر وقت کی فکر اور پریشانی اس قدر گھلا دیتی ہے اور تنگی منی کی وجہ سے ان کے لیے صغ اور عیال اس قدر مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کی محنتیں کبھی درست نہیں ہو سکتیں۔ اس طرح سودی قرض کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ چند افراد تر فاکھوں آدمیوں کا خون چوس چوس کر موٹے ہو جاتے ہیں مگر بحیثیت بڑی پوری قوم کی پیدائش مدت اپنے انسانی میدان کی بہ نسبت بہت گھٹ جاتی ہے اور ان کار میں خود وہ خون چوسنے والے افراد بھی اس کے نقصانات سے نہیں بچ سکتے کیونکہ ان کی اس خود مرضی سے غریب عوام کو جو تکلیفیں پہنچتی ہیں ان کی بدولت سال وار لوگوں کے خلاف غصے اور نفرت کا ایک طوفان دلوں میں ٹھٹھا اٹھاتا رہتا ہے اور کسی انتہائی ہیجان کے موقع پر جب یہ آتش فشاں پھٹتا ہے تو ان ظالم المادوں کو اپنے مال کے ساتھ اپنی جان اور اکبر کے ساتھ دھونا پڑ جاتا ہے۔

رہا وہ سودی قسم کا قرض جو کاروبار میں لگانے کے لیے لیا جاتا ہے، اس پر ایک مقرر شرح سود کے عائد ہونے سے جو بے شک نقصانات پہنچتے ہیں ان میں سے چند نمایاں ترین یہ ہیں:

(۱) جو کام رائج الوقت شرح سود کے برابر نفع دے سکتے ہوں، چاہے ملک بدو قوم کے لیے کتنے ہی مفیدی اور مفید ہوں، ان پر لگانے کے لیے وہ پیشہ منس اور ملک کے تمام مالی وسائل کا، باقیہ کاموں کی طرف مہر جاتا ہے جو جاتا ہے جو مالدار کی شرح سود کے برابر یا اس سے زیادہ نفع لاسکتے ہوں، چاہے اجتماعی حیثیت سے ان کی ضرورت اور ان کا فائدہ بہت کم ہو یا کچھ بھی نہ ہو۔

لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۵۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

کسی ناشکر سے بد عمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور

(۲) جن کاموں کے لیے سرور پر سرمایہ ملا ہے، خواہ وہ تجارتی کام ہوں یا صنعتی یا زراعتی، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس میں اس امر کی ضمانت موجود ہو کہ ہمیشہ تمام ممالک میں اس کا منافع ایک مقدار میں ملے گا یا اس میں صدیکہ یا اس سے اوپر اور پیسہ ہے گا اور کبھی اس سے نیچے نہیں گرے گا یا اس کی ضمانت یہ نہ ہو کہ اس کی آمد بائیں سرے سے اس کی آمد کی کوئی ضمانت موجود نہیں ہے کہ اس میں ضرور منافع ہی ہوگا، نقصان کبھی نہ ہوگا، لہذا کسی کامدار میں ایسے سرمایہ کا گناہ جس پر لڑنے والا کو ایک مفروضہ کے مطابق منافع دینے کی ضمانت دی گئی ہو، نقصان اور غلطی کے پہلوؤں سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔

(۳) چونکہ سرمایہ دینے والا کاروبار کے نفع و نقصان میں شریک نہیں ہوتا بلکہ صرف منافع اور وہ بھی ایک مفروضہ منافع کی ضمانت پر دیا ہوتا ہے، اس وجہ سے کامدار کی بھلائی اور بھائی سے اس کو کسی قسم کی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ انتہائی خود غرضی کے ساتھ صرف اپنے منافع پر نگاہ رکھتا ہے اور جب کبھی اسے فطری اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ منڈی پر کساد ہونے کا خطرہ ہونے والا ہے تو وہ سب سے پہلے اپنا دیرپہ کینٹھن کی فکر کرتا ہے۔ اس طرح کبھی تو بعض اس کے خود غرضانہ اندیشوں ہی کی بدولت دنیا پر کساد ہونے کی آواز کی کاوا قی حملہ ہو جاتا ہے، اور کبھی اگر وہ مسرت ہوا ہے کہ کامدار بڑی آگاہی ہو تو سرمایہ دار کی خود غرضی اس کو جھکا کر انتہائی تباہ کن حد تک پہنچا دیتی ہے۔

مرد کے تین نقصانات تو ایسے مرتب ہیں کہ کوئی شخص جو عالم العیشت سے خود زبانی بھی رکتا ہو ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد یہ ماننے بغیر کیا جاوے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے قاننِ فطرت کی رعایت سے سود مہاشی دولت کو جوہرانا نہیں بلکہ گھناتا ہے۔

اب ایک نظر صدقات کے مہاشی اثرات و نتائج کو بھی دیکھ لیجیے۔ اگر سوسائٹی کے خوشحال افراد کا طریق کار یہ ہو کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق بڑی فراخ دلی کے ساتھ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات خریدیں، پھر خود بیان کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ بچے اسے غریبوں میں بانٹ دیں تاکہ وہ بھی اپنی ضروریات خرید سکیں، پھر اس پر بھی جو نقد بچ جائے اسے یا تو کاروباری لوگوں کو یا سود قرض دیں یا شرکت کے احوال پر ان کے ساتھ نفع و نقصان میں حصہ وادج ان میں یا حکومت کے پاس جمع کر دیں کہ وہ اجتماعی خدمات کے لیے ان کو استعمال کرے، تو ہر شخص خود غرضی سے خود غرضی سے اندازہ کر سکتا ہے کہ ایسی سوسائٹی میں تجارت، مہارفت، مہارحمیت، ہر چیز کو بے انتہا فروغ حاصل ہوگا اس کے عالم افراد کی خوشحالی کا سیریز نہ ہوتا چلا جائے گا اور اس میں بحیثیت مجموعی دولت کی پیداوار اس سوسائٹی کی بہ نسبت ہندوستان یا وہ جو کہ کچھ

اندازہ سود کا اندازہ ہو۔

۳۲۱ قاری پر کہ سود پر دیرپہ وہی شخص چلا سکتا ہے جس کو دولت کی تقسیم میں اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ

أَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۸﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ

نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں ان کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔

اے ایمان لانے والو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لاتے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو)، حق تعالیٰ یہ فرزت سے زیادہ صبر، ہر ایک شخص کو فائدہ ہے، قرآن کے قطعہ لغز سے داخل اللہ کا فضل ہے۔ اور اللہ کے فضل کا معنی شکر ہے کہ جو طرح اللہ نے اپنے بندے پر فضل فرمایا ہے اسی طرح بندہ بھی اللہ کے دوسرے بندوں پر فضل کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس اللہ کے فضل کا اس غرض کے لیے استعمال کرتا ہے کہ جو بندے دولت کی تقسیم میں اپنی فرزت سے کم حصہ پاس ہے ہیں ان کے قلیل حصے میں سے بھی وہ اپنی دولت کے زور پر ایک ایک جز اپنی طرف کھینچ لے، تو حقیقت میں وہ ناشکرا بھی ہے اور ظالم، جتنا کار اور بد عمل بھی۔

۳۲۲ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ بار بار دو قسم کے کرداروں کو باہم قابل پیش کر رہا ہے۔ ایک کردار خود غرض، نڈر، شایاں کہ قسم کے انسان کا ہے جو خدا اور خلق دونوں کے حقوق سے بے پروا ہو کر دوسرے گنہگاروں کو کھینچتا ہے اور مغرور ہو کر ان کے حساب سے اس کو بڑھاتا ہے اور اس کی برصورتی کا حساب لگانے میں منہمک ہو، دوسرا کردار ایک خدا پرست، فیاض اور ہمدرد انسان کا کردار ہے جو خدا اور خلق خدا دونوں کے حقوق کا خیال رکھتا ہے، اپنی قربت باز دے سکا کہ خود کھائے اور دوسرے بندگان خدا کو کھلائے اور دل کھول کر نیک کاموں میں شریک کرے پہلی قسم کا کردار خدا کو سخت ناپسند ہے۔ دینیاں اس کے زور پر کوئی صالح مومنانہی نہیں بن سکتی اور آخرت میں ایسے کردار کے لیے عذاب و اندوہ اور گفت و معصبت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اللہ کو دوسری قسم کا کردار پسند ہے، اسی نے دنیا میں صالح مومنانہی بنی ہے اور آخرت میں انسان کے لیے موجب نجات ہے۔

۳۲۳ یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور مفسرین کی مناسبت سے اس سلسلہ کا ۱۱۱ دلائل کو دی گئی، اس سے

فَلَكُمْ دُورٌ وَأَمْوَالُكُمْ لَا تُظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۱۸﴾ وَإِنْ  
كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ  
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۹﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ  
اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۲۰﴾

۳۴

تو اصل لینے کے تم حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ تمہارا قرض وارتنگ دست ہو،  
تو ہاتھ کھلنے تک اسے ہمت دو، اور جو صدقہ کرو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔  
اس دن کی رسوائی و مصیبت سے بچو جبکہ تم اللہ کی طرف واپس ہو گے، وہاں ہر شخص کو اس کی  
کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم ہو کر نہ ہو گا۔ ع

پہلے اگرچہ سو ایک ناپسندیدہ چیز سمجھا جاتا تھا مگر تاؤ ناسے بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد اسلامی حکومت  
کے دائرے میں سرودی کا وہ بار ایک زبرداری جرم بن گیا۔ عرب کے جو قبیلے سود کو کھاتے تھے ان کو بھی اصل از طریقہ دہلے نے  
اپنے قتل کے ذریعے سے آگاہ فرمایا کہ اگر اب وہ اس میں دین سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی بخیر  
کے میاں میں کہ جب اسلامی حکومت کے تحت اندونی خود مختاری دی گئی تو معاہدے میں یہ تصریح کر دی گئی کہ اگر تم سرودی کا بڑا  
کر دے تو معاہدہ ختم ہو جائے گا اور ہم سے اور تمہارے درمیان حالت جنگ قائم ہو جائے گی۔ آیت کے آخری الفاظ کی بنا پر  
ابن عباس، حسن بصری، ابن مسعود اور زید بن اسلم کی رائے یہ ہے کہ جو شخص دارالاسلام میں سود کھائے اسے تو پرہیزگار  
اور اگر باز نہ آئے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ دوسرے فقہاء کی رائے میں ایسے شخص کو قید کر دینا کافی ہے جب تک وہ مردود ہو  
چھوڑ دینے کا عند نہ کرے اسے نہ چھوڑا جائے۔

۵۲۲۴ اسی آیت سے شریعت میں یہ حکم نکالا گیا ہے کہ جو شخص اٹھارہ قرض سے مایوس ہو گیا ہو، اسلامی عدالت اس کے

قرض خواہوں کہ مجبور کہے گی کہ اسے ہمت دو، اور بعض حالات میں وہ پورا قرض یا قرض کا ایک حصہ معاف بھی کرانے کی  
مجاز ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کے کاروبار میں گھٹا آگیا اور اس پر قرضوں کا بار بہت چڑھ گیا، اسلئے نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے لوگوں سے دلیل لی کہ اپنے اس بھائی کی مدد کرو۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے اس کو مالی اعادہ دی،  
مگر قرض پھر بھی معاف نہ ہو سکے۔ تب آپ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ جو کچھ ماحرہ میں ہو، اسے لے کر اسے چھوڑ دو۔  
اس سے زیادہ تمہیں نہیں دیا جاسکتا، فقہانے تصریح کی ہے کہ ایک شخص کے رہنے کا مکان، کھانے کے برتن، پہنے کے کپڑے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسَ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمْلَئَ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ

اسے ایمان لانے والا! جب کسی مقرر مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے۔ جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو اُسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ وہ لکھے اور املا وہ شخص کرے جس پر حق آتا ہے (یعنی قرض لینے والا) اور اُسے اللہ اپنے رب سے ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ طے ہوا ہوا اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اگر قرض لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو یا املا نہ کر سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرے۔

اور معاملات جن سے دو اپنی دوزی کا تاہل کسی حالت میں فرق نہیں کیے جاسکتے۔

۳۲۵۔ اس سے یہ حکم نکلتا ہے کہ قرض کے معاملہ میں مت کی قسمیں ہر لیا جائیے۔

۳۲۶۔ عورتانہ دستوں اور عزیزوں کے درمیان قرض کے معاملات میں دستاویز لکھنے اور گواہیاں لینے کو موجب الزام

بے قصادی کی دلیل خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کا ارشاد یہ ہے کہ قرض اور تجارتی قرار دادوں کو تحریر میں لانا چاہیے اور اس پر شہادت ثبت کر لینی چاہیے تاکہ لوگوں کے درمیان معاملات صاف رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جو اللہ سے فریاد کرتے ہیں مگر ان کی فریاد سنیں نہیں جاتی۔ ایک نے شخص جس کی بیوی بدخلق ہوا اور وہ اس کو طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ شخص جو بیعت کے باوجود ہونے سے پہلے اس کا مال اس کے حوالے کر دے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی کو اپنے مال قرض دے اور اس پر گواہ نہ بنائے۔



وَأَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا  
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ  
أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى وَلَا  
يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ  
صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْطَعُ عِنْدَ اللَّهِ وَقَوْمٍ  
لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً  
حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا

پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد  
اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جلتے تو دوسری اسے یاد دلائے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں  
میں سے ہونے چاہئیں جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول تھی۔ گواہوں کو جب  
گواہ بننے کے لیے کہا جائے تو انہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا،  
میعاد کی تعیین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک  
یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ مبنی برانصاف ہے، اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ  
سہولت ہوتی ہے۔ اور تمہارے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔  
ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ آپس میں کرتے ہو اس کو نہ لکھا جائے، تو

۵۳۲۶ یعنی مسلمان مردوں میں سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں گواہ بنانا اختیاری فعل ہو وہاں مسلمان

صرف مسلمانوں ہی کو اپنا گواہ بنائیں۔ البتہ دُیوئوں کے گواہ واقعی ہوں ہو سکتے ہیں۔

۵۳۲۷ مطلب یہ ہے کہ ہر کس دن اس گواہ ہونے کے لیے مزدور نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کو گواہ بنایا جائے

تَكْتُبُوهَا وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَ كَاتِبٌ  
وَلَا شَهِيدُهُ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا  
اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۷﴾  
وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنِ مَقْبُوضَةً

کوئی حرج نہیں، مگر تجارتی معاملے طے کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔ کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جاتے۔ ایسا کرو گے تو گناہ کا ارتکاب کرو گے۔ اللہ کے غضب سے بچو۔ وہ تم کو صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔

اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی کاتب نہ ملے، تو دھن بالقبض پر معاملہ کرو۔

جما پھا اطلاق دیانت کے لحاظ سے باہم لوگوں کے درمیان کا بلی اعتماد ہے جاتے ہیں۔

۳۲۹ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ دھرم و کفر و بد و نیک میں بھی معاملہ بیچ کا تحریر میں آ جانا بہتر ہے، مگر اگر کچھ کیش میر لکھنے کا طریقہ رائج ہے تاہم ایسا کلام لازم نہیں ہے۔ اسی طرح ہمایہ تا جرایک دوسرے سے بات دن جو میں دین کہتے رہتے ہیں اس کو بھی اگر تحریر میں نہ لایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۳۳۰ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو دستاویز لکھنے یا اس پر گواہ بننے کے لیے مجبور نہ کیا جائے، اور نہ ہی کوئی فریق کاتب یا گواہ کو اس بنا پر نہ متاثر نہ کرے کہ وہ اس کے مفاد کے خلاف صحیح شہادت دیتا ہے۔

۳۳۱ مطلب نہیں ہے کہ دھن کا معاملہ صرف سفر ہی میں ہو سکتا ہے، بلکہ ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ زیادہ تر سفر میں پیش آتی ہے اس لیے خاص طور پر اس کا ذکر دیا گیا ہے۔ نیز معاملہ دھن کے لیے یہ شرط بھی نہیں ہے کہ جب تک کہ ممکن نہ ہو صرف اسی صورت میں دھن کا معاملہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب شخص دستاویز لکھنے پر کوئی قرض دینے کے لیے آمادہ نہ ہو تو قرض کا غالب اپنی کوئی چیز دھن رکھ کر دے پیرے لیے لیکن قرآن مجید چونکہ اپنے بیروں کو یا ماضی کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ اور یہ بات بلند اخلاق سے فروتنی ہے کہ ایک شخص مال رکھتا ہو اور وہ ایک ضرورت مند آدمی کو اس کی کوئی چیز دھن رکھے بغیر قرض نہ دے اس لیے قرآن نے قضا اس دوسری صورت کا

فَإِنْ آمَنَ بِبَعْضِكُمْ بَعْضًا فُلْيُوا الَّذِي أَوْثَمِنَ أَمَانَتَهُ  
وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ  
إِثْمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ٢٨ ۝ مَا فِي السَّمَوَاتِ  
وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَنْ تُبَدُّوهُمَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْتُخَفَوهُ

اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے۔  
تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے اور اشد اپنے رب کے ڈرے۔  
اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ۔ جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے۔ اور اشد  
تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ ع

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اشد کا ہے تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کرو خواہ چھپاؤ،

ذکر نہیں کیا۔

اس سلسلے میں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ رہن باقیوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ قرآن دینے والے کے اپنے قرض کی واپسی کا  
اطمینان ہو جائے۔ اسے اپنے دیے ہوئے مال کے معاوضے میں شے مہیضے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص بین  
یہ ہے جو مکان میں خود رہتا ہے یا اس کا کاریہ کھاتا ہے تو وہ مال سود کھاتا ہے۔ قرض پر بداد راست سود لینے اور دین لی جہتی  
چیز سے فائدہ اٹھانے میں امور کوئی فرق نہیں ہے۔ امت اگر کوئی جاوڑ زمین یا گیاہو قس کا دودھ استعمال کیا جاسکتا ہے؟  
اور اس سے سواری و بار برداری کی خدمت لی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ دراصل اس چارے کا معاوضہ ہے جو مرتس اس جاوڑ کو  
کھاتا ہے۔

۳۳۲ شہادت دینے سے گریز کرنا یا شہادت میں صحیح حقائق کے اظہار سے پرہیز کرنا، دونوں بے شہادت

چھپانے کا اطلاق ہوتا ہے۔

۳۳۳ یہ فائدہ کلام ہے اس لیے جس طرح سود کا آقا زہدین کی بنیادی تعلیمات سے کیا گیا تھا اسی طرح سود

کو ختم کرتے ہوئے بھی ان تمام اصولی امور کو بیان کر دیا گیا ہے جن پر دین اسلام کی اساس قائم ہے۔ تقابل کے لیے اس  
سود کے پیلے رکھ کر سامنے رکھ دیا جائے تو زیادہ مفید ہوگا۔

۳۳۴ یہ دین کی اولین بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مالک زمین و آسمان ہونا اور ان تمام چیزوں کا جو آسمان زمین

يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ  
وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۸۷﴾ أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ  
إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ أَمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَ  
كُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا  
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۲۸۸﴾

اللہ بہر مال ان کا حساب تم سے لے گا۔ پھر اسے اختیار ہے، جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے سزا دے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

رسول اُس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے۔ اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے، ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔ مالک! ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔

میں ہیں، اللہ ہی کی ملک ہوتا، وہ اصل ہی وہ بنیادی حقیقت ہے جس کی بنا پر انسان کے لیے کوئی دوسرا طریقہ عمل اس کے ہوا جائز اور صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ کے آگے سب اطاعت بھلا دے۔

۳۳۵ اس فقرے میں مزید دو باتیں ارشاد ہوئیں۔ ایک یہ کہ ہر انسان فرداً فرداً اللہ کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ دوسرے یہ کہ جس بادشاہ زمین و آسمان کے سامنے انسان جواب دہ ہے وہ جیب و شہادت کا علم رکھنے والا ہے، حتیٰ کہ دلوں کے چھپے ہوئے ارادے اور خفاات تک اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

۳۳۶ یہ اللہ کے اختیار مطلق کا بیان ہے۔ اُس کو کسی قانون نے باندھ نہیں رکھا ہے کہ اُس کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہو، بلکہ وہ مالک مقرر ہے۔ سزا دینے اور صاف کرنے کے لیے اختیارات اس کو حاصل ہیں۔

لَا يَكْفُرُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا  
مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَانَا  
رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ

اللہ کسی متنفذ پر اس کی قدرت سے بڑھ کر نئے داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سببٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے۔

(ایمان لانے والو! تم یوں دعا کیا کرو) اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔ مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر

۳۳۷۔ اس آیت میں تفصیلات سے قطع نظر کہ اسلام کے عقائد اور اسلامی طرز عمل کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے: اللہ کو اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو ماننا، اس کے تمام رسولوں کو تسلیم کرنا، پیغمبر اس کے کہ ان کے درمیان فرق کیا جائے (یعنی کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے) اور اس امر کو تسلیم کرنا کہ آخر کار ہمیں اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ یہ پانچ امور اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ ان عقائد کو قبول کرنے کے بعد ایک مسلمان کے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم بھیجے اسے وہ جبر و جہم قبول کرے، اس کی اطاعت کرے اور اپنے حق میں ہر غلطی سے بچے بلکہ اللہ سے غرور و دگرگزی کی درخواست نہ کرتا رہے۔

۳۳۸۔ یعنی اللہ کے ہاں انسان کی قدرتی دلی اس کی قدرت کے علاوہ ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ بندہ ایک کام کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اللہ اس سے باز پرس کرے کہ تو نے فلاں کام کیوں نہ کیا۔ یا ایک چیز سے سچائی حقیقت اس کی قدرت سے باہر ہو اور اللہ اس پر عواذہ کرے کہ تو نے اس سے پرہیز کیوں نہ کیا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اپنی قدرت کا فیصلہ کرنے والا انسان خود نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ ہی کر سکتا ہے کہ ایک شخص فی حقیقت کسی چیز کی قدرت رکھتا تھا اور کسی چیز کی نہ رکھتا تھا۔

۳۳۹۔ یہ اللہ کے قانون مجازات کا دوسرا قاعدہ کلیہ ہے۔ ہر آدمی انعام اسی خدمت پر پائے گا جو اس نے خود انعام دی ہو یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص کی خدمات پر دوسرا انعام پائے۔ اور اسی طرح ہر شخص اسی قصور میں پکڑا جائیگا جس کا وہ خود مرتکب ہوا ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کے قصور میں دوسرا پکڑا جائے۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ ایک آدمی نے کسی نیک کام کی بنا رکھی ہو اور دنیائیں ہزاروں سال تک اس کام کے اثرات پھلتے رہیں اور یہ سب اس کے کا نالے

مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ  
وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا إِنَّكَ أَنْتَ مَوْلَانَا  
فَاَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۳۳﴾

ع

ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ  
ہماری ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے  
امقابل میں ہماری مدد کر۔ ع

میں کہے جاتیں۔ اور ایک دوسرے شخص نے کسی برائی کی بنا رکھی جو اور مددیں تک دنیا میں اس کا اثر جاری رہے اور  
وہ اس عالم اول کے حساب میں درج ہوتا رہے۔ لیکن یہ اچھا یا بُرا کچھ بھی بدل چکا اسی کی سبب اس کی توجہ ہو گئی  
بہر حال یہ ممکن نہیں ہے کہ جس بھلائی یا جس بُرائی میں آدمی کی نیت اور سعی و عمل کا کوئی حصہ نہ ہو اس کی جو ایسا سزا اسے  
ملی جاتے۔ مکافات عمل کوئی قابلِ امتثال چیز نہیں ہے۔

۳۳۰ یعنی ہمارے پیش رووں کو تیری راہ میں جو آزمائشیں پیش آئیں، جن زبردست اہکادوں سے دو گزریں،  
جس مشکلات سے انہیں مامور تھا، اُن سے ہمیں بچا۔ اگرچہ اللہ کی منت ہی رہی ہے کہ جس نے بھی حق و صداقت کی  
پیروی کا عزم کیا ہے اُسے سخت آزمائشیں اور فتنوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اور جب آزمائشیں پیش آئیں تو موسیٰ کا  
کام بھی ہے کہ پورے استقلال سے ان کا مقابلہ کرے، لیکن بہر حال موسیٰ کو اللہ سے دعا بھی کرنی چاہیے کہ وہ اس کیلئے  
حق پرستی کی راہ کو آسان کر دے۔

۳۳۱ یعنی مشکلات کا اتنا ہی بار ہم پر ڈال جسے ہم سہارے جاتیں۔ آزمائشیں ہیں اتنی ہی بھیج کہ ان میں  
ہم پورے آج جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری قوت برداشت سے بڑھ کر امتحان ہم پر نازل ہیں اور ہمارے قدم راہِ حق سے  
ہٹا جائیں۔

۳۳۲ اس دعا کی پوری روح کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ بات ہجرت سے تقریباً  
ایک سال پہلے مہاجر کے موقع پر نازل ہوئی تھی جبکہ مکہ میں کفر و اسلام کی کشمکش اپنی انتہا تک پہنچ چکی تھی مسلمانوں پر  
مصائب و مشکلات کے ہماڑ ڈٹ رہے تھے، اور صرف کسی بھی نہیں بلکہ سرزمینِ عرب پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں کسی پر غلام  
نے دین حق کی پیروی اختیار کی ہو اور اس کے لیے غلامی زمین پر ماضی لینا دشوار نہ کر دیا گیا ہو۔ ان حالات میں مسلمانوں کو  
تفتیش کی گئی کہ اپنے نامک سے اس طرح دعا مانگا کرو۔ ظاہر ہے کہ دینے والا خود ہی جب مانگنے کا ڈھنگ بتاتا ہے تو غلط کا

یقیناً آپ سے آپ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دعا اس وقت مسلمانوں کے لیے غیر ضروری نہیں ہے۔ عجب کی وجہ ہوئی۔  
 علامہ ہیں اس دعا میں غرض مسلمانوں کو یہ بھی یقین کر دی گئی کہ وہ اپنے جذبات کو کسی نامناسب نوع پر نہ بنائیں، بلکہ  
 انہیں اس دعا کے ماننے میں فعال کریں۔ ایک طرف ان مدد فرما مظلوم کو دیکھئے جو محض حق پرستی کے جرم میں جان و مال  
 پر توڑے جا رہے تھے اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھئے جس میں دشمنوں کے خلاف کسی تلخی کا شائبہ تک نہیں۔ ایک  
 طرف ان جہانگیروں و مافیہ نقصانات کو دیکھئے جن میں یہ لوگ مبتلا تھے اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھئے جس میں کسی  
 دنیوی مفاد کی طلب کا کوئی نشان تک نہیں ہے۔ ایک طرف ان حق پرستوں کی انتہائی خستہ حالی کو دیکھئے اور دوسری  
 طرف ان بلند پایہ مذہبات کو دیکھئے جن سے یہ دعا بہرہ نہ لے۔ اس تقابل ہی سے صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت  
 اہل ایمان کو کس طرز کی اخلاقی و روحانی تربیت دی جا رہی تھی۔



تفہیم القرآن

آل عمران

۳



# آل عمران

نام | اس صحیفہ کا نام پر آل عمران کا ذکر آیا ہے۔ اسی کو علامت کے طور پر اس کا نام قرار دے دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول اور راجعہ مضمون | اس پر چار تقریریں مثال ہیں:

پہلی تقریر آغاز مسرت سے ہوتے رکوع کی ابتدائی دو آیتیں تک ہے اور وہ غانا جنگ بدر کے بعد قریشیوں نے نبی میں نازل ہوئی ہے۔ 1-32

دوسری تقریر آیات **إِنَّا اللَّهُ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ** سے شروع ہو کر **وَاللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ** تک ہے۔ یہ شمشیر کی آواز کی طرح ہے۔ اس کا نزول مدینہ منورہ میں ہوا۔ اس کا نزول کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر اپنی رسالت کے کام کے لیے منتخب کیا تھا۔ اسے شروع ہوتی ہے۔ چھ رکوع کے انتہام پر ختم ہوتی ہے۔ یہ شمشیر میں دھیر بخون کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی۔ 33-63

تیسری تقریر ساؤیر رکوع کے آغاز سے لے کر بارہویں رکوع کے انتہام تک چلتی ہے اور اس کا زمانہ پہلی تقریر سے متصل ہی معلوم ہوتا ہے۔ 64-120

چوتھی تقریر تیرہویں رکوع سے ختم ہوتی تک جنگ مدینہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ 121-200

خطاب اور مباحث | ان مختلف تقریروں کو ملا کر جو چیز اس کی سلسل میں مضمون بناتی ہے وہ مقصد و درما اور مرکزی مضمون کی کیا نیت ہے۔ سورت کا خطاب خیریت کے ساتھ دو رکوعوں کی طرف ہے: ایک آہل کتاب (یہود و نصاریٰ)۔ دوسرے دو ارگ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے تھے۔

پہلے گروہ کو اسی طرز پر تبلیغ کی گئی ہے جس کا سلسلہ سورہ بقرہ میں شروع کیا گیا تھا۔ ان کی اعتقاد گمراہوں اور اخلاق خرابیوں پر تنبیہ کرتے ہوئے ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ اصل اور یہ قرآن ہی دین کی طرف لارہ ہے جس کی دعوت شروع سے تمام دنیا جیتے چلے آئے ہیں۔ جو فطرتِ بشر کے مطابق ایک ہی دین ہی ہے۔ اس دین کے لیے رستہ سے ہٹ کر بڑا ہیں تم نے اختیار کیا یہی وہ خود ان کتابوں کی رو سے بھی صحیح نہیں ہیں ان کو تم کتاب سماؤی تسلیم کرنے ہو۔ لہذا اس صداقت کو قبول کرو جس کے صداقت ہونے سے تم خود بھی بھلا دیں کر سکتے۔

دوسرے گروہ کو مخاطب بہترین امت ہونے کی حیثیت سے حق کا علمبردار اور دنیا کی اصلاح کا ذمہ دار

بتایا جا چکا ہے، اسی سلسلے میں مزید ہدایات دی گئی ہیں جو سورۃ بقرہ میں شروع ہوا تھا، انیس پہلی آیتوں کے مذہبی واسطہ قی زہل کا حضرت ناک فتنہ دکھا کر تنبیہ کیا گیا ہے کہ ان کے قریش قدم پر چلنے سے بچیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ ایک صلح جماعت بنانے کی حیثیت سے وہ کس طرح کام کریں اور ان اپنی کتاب اور مذاق مسلمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں جو خدا کے راستے میں طرح طرح سے نکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ انہیں اپنی کمزوریوں کی اصلاح پر بھی متوجہ کیا گیا ہے جن کا طور و رنگ اُحد کے سلسلہ میں ہوا تھا۔

اس طرح یہ سورت نہ صرف آپ اپنے مختلف اجنا میں مسلسل دہر دہاٹے بلکہ سورۃ بقرہ کے ساتھ بھی اس کا ایسا قوی تعلق نظر آتا ہے کہ یہ بالکل اس کا قلم معلوم ہوتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا فطری مقام بقرہ سے متصل ہی ہے۔

**شان نزول** | سورت کا تاریخی پس منظر یہ ہے:

۱) سورۃ بقرہ میں اس دین حق پر ایمان لانے والوں کو جن آزمائشوں اور مصائب و مشکلات قبل از وقت ختم کر دیا گیا تھا وہ بدی شدت کے ساتھ بیزاری کی تھیں۔ جنگ بدر میں اگرچہ پہلی ہزیمت فتح حاصل ہوئی تھی لیکن یہ جنگ گویا محضوں کے چھتے میں پھرانے کی ہم سن تھی۔ اس ناکستین سے متعلق نے عرب کی ان سب طاقتوں کو ہکا بکا کر دیا تھا جو اس نئی تحریک سے خلافت دیکھتی تھیں۔ ہر طرف طغیان اُٹھ رہا تھا۔ مسلمانوں پر ایک دائمی خوف اور بے یقینی کی حالت طاری تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یحییٰ کی یہ چھٹی سی جہت جس نے گرد و پیش کی ساری دنیا سے لڑائی مول لے لی ہے، صفحہ ہستی سے مٹا ڈالی جائے گی۔ بن مالات کا یحییٰ کی معاشی حالات پر بھی نہایت بُرا اثر پڑ رہا تھا۔ اولاً ایک چھوٹے سے قصبے میں جس کی آبادی چند سو گروہوں سے زیادہ نہ تھی، بجایک ماجرہ کی ایک بڑی تعداد کے بچ جانے ہی سے معاشی زوالی بگڑ چکا تھا۔ اس پر مزید مصیبت اس حالت جنگ کی وجہ سے نازل ہو گئی۔

(۲) ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف مدینہ کے یہودی قبائل کے ساتھ جو معاہدے کیے تھے ان لوگوں نے ان معاہدات کا ذرہ برابر پاس نہ کیا۔ جنگ بدر کے موقع پر ان اپنی کتاب کی ہمدردیاں تجدد و نفرت اور کتاب و اخوت کے ماننے والے مسلمانوں کے بھاسے بُت پرچنے والے مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ بدر کے بعد یہ لوگ کھلم کھلا قریش اور دوسرے قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف جوش و لاوہ کر دے رہے ہو گئے۔ ان کے خصوصاً بنی نضیر کے سردار کعب بن اشرف نے قریش سے ملنے میں اپنی مخالفت کو ششزں کو اندھی خلافت، بلکہ کینڈیزن کی حد تک پہنچا دیا۔ اپنی نیت کے ساتھ ان یہودیوں کے ہمسایگی اور دوستی کے جو تعلقات صدیوں سے چلے آ رہے تھے ان کا پاس و علاقہ بھی منسوخ و مٹا دیا۔ آخر کار جب ان کی شرارتیں اور جھڑکیاں حدِ برداشت سے گزر گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے چند مہینے بعد بنی نضیر پر جو ان یہودی قبیلوں میں سے زیادہ شرور و گتے، حملہ کر دیا اور انہیں

اعزہٗ دین سے نکال باہر کیا۔ لیکن اس سے دوسرے یہودی قبائل کی آتش خداوندیادہ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے عین کے منافق مسلمانوں اور جہان کے شرک قبیلوں کے ساتھ ساز باز کر کے اسلام کو مسلمانوں کیسے ہر طرف خطرات ہی خطرات پیدا کر دیے حتیٰ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے متعلق ہر وقت یہ اندیشہ رہنے لگا کہ مصلوم کہ نہ آپ پر قاتلانہ حمل ہو جائے۔ بھانپ کر اس میں اس نطفہ میں باعوم و تھیاد بندہ سوتے تھے۔

جسٹوں کے فائدے سے منافقوں کو پورے دیے جاتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی کہیں بھاگ بھاگ سے اور جیل رہا نہ لے سکتا تو آپ کو مصلوفنے کے لیے نکل کر پھرتے تھے۔

(۳) ہمد کی شکست کے بعد قریش کے دلوں میں آپ ہی انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی کہ اس پر مزید قتل ہو دیں نے چڑکا۔ تیجہ یہ چڑکا کہ ایک ہی سال بعد کے تین ہزار کا لشکر جو وہیں پر حاکم اور ہو گیا تھا اس کے سامنے میں مدد لائی پیش آئی اور جنگ امد کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہزار آدمی دین سے نکلے تھے۔ مگر اتنے میں سے تین سو منافق یا ایک الگ ہو کر عین کی طرف پلٹ گئے اور جو سات سو آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے تھے ان میں بھی منافقین کی ایک چھٹی سی پارٹی شامل رہی جس نے دوسرا جنگ میں مسلمانوں کے حیران فتنہ پرانے کی ہر مکن کوشش کی یہ پہلا موقع تھا جب مسلم ہوا کہ مسلمانوں کے اپنے گھر میں اتنے کثیر تعداد بار آستین موجود ہیں وہ وہیں فوج باہر کے دشمنوں کے ساتھ مل کر خود اپنے بھائی بندوں کو نقصان پہنچانے پہلے آئے ہیں۔

(۴) جنگ امد میں مسلمانوں کی شکست ہوئی اس میں اگرچہ منافقین کی تدبیروں کا ایک بڑا حصہ تھا، لیکن اس کے ساتھ مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کا حصہ بھی کچھ کم نہ تھا اور یہ ایک قدرتی بات تھی کہ ایک خاص طریقہ فکر اور نظام افواج پر جو جماعت ابھی تازہ تازہ ہی بنی تھی جس کی افواجی تربیت ابھی مکمل نہ ہو چکی تھی اور جسے اپنے حیدر و مسلک کی حمایت میں لڑنے کا یہ دوسرا ہی موقع پیش آیا تھا، اس کے کام میں بعض کمزوریوں کا تصور بھی ہوتا۔ اس لیے یہ ضرورت پیش آئی کہ جنگ کے بعد اس جنگ کی پوری سرگزشت پر ایک منظم تبصرو کیا جائے اس میں اسلامی نقطہ نظر سے جو کمزوریاں مسلمانوں کے اندہ پائی گئی تھیں ان میں سے ایک ایک کی نشان دہی کر کے اس کی اصلاح کے متعلق ہدایات دی جائیں۔ اس سلسلے میں یہ بتا ضروری نہ کہنے کے لائق ہے کہ اس جنگ پر قرآن کا تبصرہ ان تبصروں سے کتنی مختلف ہے جو بخیر و جزل اپنی لڑائیوں کے بعد کیا کرتے ہیں۔

آيَاتُهَا سُوَّةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ رُكُوعَاتُهَا  
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ نَزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابُ  
 بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ

۱۱ م۔ اللہ وہ زندہ جاوید سچا جو نظام کائنات کو بنھالے ہوئے ہے، حقیقت میں  
 اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

اُس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق ہے کہ آئی ہے اور اُن کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے  
 آئی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل نازل کر چکا ہے،  
 اُسے تشریح کے لیے وہ خطبرہ اور قرآن ماریں۔

۱۲ م۔ ہر طرح کے لوگوں کی طرف سے مولانا کی طرف سے ہونے والی نئی اسلامی اصلاحیں سے ہونے والے  
 کیا اثرات نہیں دیکھتے ہیں۔ اس دور سے کیا بھی پیش آتی ہے کہ کئی اصلاحیں ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں اور کیا واقعی قرآن کی  
 باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو ان میں سے ہیں، لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن انہیں کی اصلاحی کتابوں کا نام نہیں ہے بلکہ وہ  
 اُن کے لئے ہدایت ہے اور انہیں نے ہدایت کی ناسمجلی راہوں کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ان کے لئے ہدایت ہے۔

۱۳ م۔ قرآن سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ملنے والی روایات تک فقہاء اماموں کی  
 کے قصاص میں مندرج ہیں۔ انہیں سے اس احکام تو رہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے چھپی اور ان کے کہنے میں نہ تھے  
 باقی ماندہ احکام کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں سے ملنے والی روایات تک فقہاء اماموں کی  
 کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ یہی کتاب کا نام قرآن تھا۔ یہ ایک نئی کتاب کی حیثیت سے بہت تیزی کی پہلا کتاب ہے  
 وقت تک محفوظ تھی۔ اس کی ایک کاپی جو بنی ہادی کے پاس تھی چھپی اور اس کے مندرجہ ہر مذکورہ دینی حق اور  
 بنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآنیت ہی کے نام سے جلتے تھے۔ لیکن اس سے اس کی فطرت اس مذکورہ دینی حق کے بارے میں ہادی  
 میں جو پہلی بیانیہ کتاب کی صورت میں قرآن سے ملنے والی روایات تک فقہاء اماموں کی  
 دیکھنا کہ ایک جگہ قرآن دیکھی ہوئی انہیں اس کے ایک جگہ ہادی کے مندرجہ ہر مذکورہ دینی حق کے بارے میں ہادی  
 اور شاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک عجیب گھٹا ہے (ملاحظہ ہو: سلطین، باب ۲، بیت ۸، ۱۱۳)۔



مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ لِمَنْ الذِّينَ كَفَرُوا  
بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝  
إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝  
هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَآ إِلَهَ إِلَّا  
هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۱۰ ۝ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ

اور اس نے وہ کسوٹی اتاری ہے جو حق اور باطل کا فرق دکھانے والی ہے۔ اب جو لوگ  
اُس کے فرامین کو قبول کرنے سے انکار کریں ان کو یقیناً سخت سزا ملے گی اللہ بے پناہ طاقت کا  
مالک ہے اور بڑائی کا بدلہ دینے والا ہے۔

زمین اور آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پرشیدہ نہیں۔ وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے  
پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ اُس زبردست حکمت والے کے سما  
کوئی اور خدا نہیں ہے۔ وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے۔

کہہ دیکھتے تھے وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تصور بہت فرق محسوس ہو گا وہ بھی غیر متعصبانہ طور پر اللہ کے  
بعد آسانی مل گیا ہا کے گا۔

۱۱۔ یعنی وہ کائنات کی تمام حقیقتوں کا جاننے والا ہے۔ لہذا جو کتاب اس نے نازل کی ہو وہ سراسر حق ہی  
ہونی چاہیے۔ بلکہ خالص حق صرف اُسی کتاب میں انسان کو میسر ہو سکتا ہے جو اُس عظیم ودانا کی طرف سے نازل ہو۔

۱۲۔ اس میں دو اہم حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے: ایک یہ کہ تمہاری فطرت کو میاں دھاتا ہے نہ کوئی دوسرا  
جان سکتا ہے نہ تم خود جان سکتے ہو۔ لہذا اس کی رہنمائی یا قیاد کیے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ  
جس نے تمہارے مستقبل پر اس کے لئے کہ بعد کے مراحل تک ہر موقع پر تمہاری چھٹی سے چھوٹی منزلوں تک کو چارہ کر کے  
بہتمام کیا، کس طرح ممکن تھا کہ وہ دنیا کی زندگی میں تمہاری ہدایت اور رہنمائی کا انتظام نہ کرتا تھا لاکھ تم سب سے بڑھ کر  
اگر کسی چیز کے محتاج ہو تو وہ یہی ہے۔

## مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ

اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔

۵۔ محکمات کی اصطلاح یہ ہے کہ یہ آیات محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن کی زبان بالکل صاف ہے، جن کا مفہوم متعین کرنے میں کسی شبہ یا گمراہی نہیں ہے، جن کے الفاظ صحت و صواب پر صاف اور صریح دلالت کرتے ہیں، جنہیں روایات کا تفسیر و تشریح نہانے کا موقع ملنے ہی سے کسی کو دل مکتا ہے۔ یہ آیات کتاب کی اصل بنیاد ہیں، عین قرآن جس غرض کیلئے نازل ہوا ہے اس غرض کو یہی آیتیں پورا کرتی ہیں۔ انیسویں اسلام کی طرف دنیا کو دعوت دی گئی ہے انہیں میں ہجرت اور نصیحت کی باتیں فرمائی گئی ہیں انہیں میں گمراہیوں کی تردید اور راہِ راست کی ترغیب کی گئی ہے انہیں میں دین کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں انہیں میں عقائد و جملات، افلاک، فرائض اور امر و نہی کے احکام اور ارشاد ہوسے ہیں۔ پس جو شخص طالب حق ہو اور دین جاننے کے لیے قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہو کہ وہ کس راہ پر چلے اور کس راہ پر نہ چلے، اس کی پیاس بجھانے کیلئے آیات محکمات ہی اصل درجہ ہیں اور فطرۃ انہیں پر اس کی توجہ مرکوز ہوگی اور وہ زیادہ تر ان سے فائدہ اٹھانے میں مشغول ہو گیا۔

۶۔ متشابہات، یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گمراہی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان کے لیے زندگی کا کوئی راستہ تجویز نہیں کیا جاسکتا جب تک کائنات کی حقیقت اور اس کے آقا و راسخام اور اس میں انسان کی حیثیت اور ایسے ہی دوسرے بنیادی امور کے حلقہ کم سے کم ضروری معلومات انسان کو نہ دی جائیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیزیں انسان کے حواس سے ماوراء ہیں، جو انسانی علم کی گرفت میں نہ کبھی آتی ہیں نہ ہوسکتی ہیں، جن کو اس نے نہ کبھی دیکھا نہ چھوا، ان کے لیے انسانی زبان میں نہ ایسے الفاظ لائے جاسکتے ہیں جنہیں کیلئے وضع کیے گئے ہوں اور نہ ایسے معروف اسباب بیان مل سکتے ہیں، جو ہر سماع کے ذہن میں ان کی صحیح تصویر کھینچ جائے۔ و محالہ یہ ناکر ہے کہ اس نوعیت کے مضامین کو بیان کرنے کے لیے الفاظ اور اسالیب بیان وہ استعمال کیے جائیں جو اصل حقیقت سے قریب تر مشابہت رکھنے والی محسوس چیزوں کے لیے انسانی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ما بعد الطبیعی مسائل کے بیان میں قرآن کے اندر ایسی ہی زبان استعمال کی گئی ہے اور متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں یہ زبان استعمال ہوئی ہے۔

لیکن اس زبان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ آدمی کو حقیقت کے قریب تک پہنچانے یا اس کا ایک مضمون اس تصور پیدا کر دے۔ ایسی آیات کے مفہوم کو متعین کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے گی اتنے ہی زیادہ اشتباہات و احتمالات سے سابقہ پیش آئے گا حتیٰ کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کے بجائے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔ پس جو لوگ طالب حق ہیں اور ذوقِ فضول نہیں رکھتے وہ متشابہات سے حقیقت کے کس کس حد تک تصور پر قناعت کر لیتے ہیں جو کام چلانے کے لیے کافی ہے اور اپنی تمام تر توجہ محکمات پر مرکوز کرتے ہیں، مگر جو لوگ

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ  
ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ  
إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ  
عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أَهْلُ الْبَابِ ۚ رَبَّنَا لَا تُزِغْ  
قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً  
إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ بنے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے  
دہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا  
کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ کاری ہو گئے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے  
یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبب صرف اللہ ہی  
مائل کہتے ہیں۔ وہ اللہ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ پروردگار! جب تو ہمیں سیدھے رستہ پر لگا چکا ہے  
تو کچھ کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو۔ ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی  
فیاض حقیقی ہے پروردگار! تو یقیناً سب لوگوں کو ایک روز جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں

برا بضرر یا فتنہ ہوتے ہیں ان کا تمام تر مشغلہ متشابہات ہی کی بحث و تعقیب ہوتا ہے۔

۱۔ جہاں کسی کی تہذیب و فکر کج ہو کر جب وہ لوگ متشابہات کا صحیح مفہوم جانتے ہی نہیں تو ان پر ایمان کیسے لے آئے  
حقیقت یہ ہے کہ ایک معمولی آدمی کو قرآن کے کلام اللہ جوئے کا قفس نکلتا کے مطالعہ سے مائل ہوتا ہے نہ کہ متشابہات  
کی تاویل سے۔ اور جب آیات و حکمت میں غور و فکر کرنے سے اس کو یہ طبعان مائل ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب واقعی اللہ ہی کی  
کتاب ہے تو پھر متشابہات اس کے دل میں کوئی غلبان پیدا نہیں کرتے جہاں تک ان کا سیدھا سامعہ مفہوم اس کی ہر  
آیت اس کو رو لے لیتا ہے اور جہاں پیچیدگی رونما ہوتی ہے وہاں کھوج لگانے اور ترمیم لگانا کرنے کے بجائے

تفہیم القرآن

تفہیم

واللہ اعلم

بسم اللہ

الحمد للہ

واللہ اعلم



لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِعَادَ ۝۱۰ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا  
لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا  
وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝۱۱ كَذَابٍ إِلٍ فِرْعَوْنُ وَالَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ يَذُّنُورِهِمْ وَاللَّهُ  
شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۲ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْيُكُمْ وَسَعْيُكُمْ  
إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَيَبْتَئَسَ الْمُجْرِمُونَ ۝۱۳ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ  
الَّتِي قَاتَلْتُمَا تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم

کوئی شبہ نہیں۔ پھر گز اپنے وعدہ سے ٹٹنے والا نہیں ہے۔ ع

جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے انہیں اللہ کے مقابلے میں نہ ان کا مال کچھ کام دیگا۔  
نہ اولاد۔ وہ دوزخ کا ایندھن بن کر رہیں گے۔ ان کا انجام ویسا ہی ہوگا جیسا فرعون کے ساتھیوں  
اور ان سے پہلے کے کافروں کا ہو چکا ہے کہ انہوں نے آیات الہی کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ  
نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا اور حق یہ ہے کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ پس اے محمدؐ  
جن لوگوں نے تمہاری دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے ان سے کہدو کہ قریب ہے وہ وقت،  
جب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور جہنم بڑا ہی برا ٹھکانا ہے تمہارے لیے  
ان دو گروہوں میں ایک نشانِ عبرت تھا جو (بد رہیں) ایک دوسرے سے نبی و آقا ہوئے۔  
ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ دیکھنے والے چشمِ سر دیکھ رہے تھے

اللہ کے کام چلن ایمان و کفر تو ہم کام کی باتوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔

شہ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ ص ۱۱۱

مِثْلَهُمْ رَأَى الْعَيْنُ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَنْ يَشَاءُ  
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٥﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ  
حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِينِ  
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

کہ کافر گروہوں میں گروہ سے دو چند ہے۔ مگر نتیجے نے ثابت کر دیا کہ، اللہ اپنی فتح و نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔ دیدہ بینا کئے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔  
لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس - عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے،

۹ اگر حقیقی فرق سرچند تھا، لیکن سرسری نگاہ سے دیکھنے والا بھی یہ محسوس کیے بغیر تو نہیں رہ سکتا تھا کہ کفار کا ٹکڑا مسلمانوں سے دو گنا ہے۔

۱۵ جبکہ ہر ایک اور واقعہ اس وقت قریبی زلفی ہی میں پیش آچکا تھا اس لیے اس کے شواہد و نتائج کی طرف اشارہ کر کے لوگوں کو جرت دلائی گئی ہے۔ اس جنگ میں تین باتیں نہایت سبق آموز تھیں :

ایک یہ کہ مسلمان اور کفار میں شان سے ایک دوسرے کے باخلاف آئے تھے اس سے دونوں کا اخلاقی فرق بڑھا ظاہر ہو رہا تھا۔ ایک طرف کافروں کے لشکر میں شرابوں کے دھندل رہے تھے، ناپچے اور گانے والی زینتیاں ساتھ آتی تھیں اور خوب داد و پیش دی جا رہی تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں کے لشکر میں پیر و بزرگاری تھی، خلافتِ حق و امتدادِ جبرائیل علیہ السلام تھا، نمازیں تھیں اور روزے تھے، بات بات پر خدا کا نام تھا اور خدا ہی کے آگے دعائیں اور التجائیں کی جا رہی تھیں۔ دونوں لشکروں کو دیکھ کر ہر شخص کہاسانی معلوم کر سکتا تھا کہ دونوں میں سے کون اللہ کی راہ میں لڑ رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان اپنی عظمت و تعداد اور بے سرو سامانی کے باوجود کفار کی کثیر تعداد اور بہتر اسلحہ رکھنے والی فوج کے مقابلے میں جس طرح کامیاب ہوئے اس سے عافیت معلوم ہو گیا تھا کہ ان کو اللہ کی تائید حاصل تھی۔

تیسرے یہ کہ اللہ کی غالب طاقت سے منافق ہو کر جو لوگ اپنے سرو سامان اور چاہنچامیوں کی کثرت پر پھوٹے ہوئے تھے ان کے لیے یہ واقعہ ایک تازیانہ تھا کہ اللہ کس طرح چند منٹس و قحطی غریب الوطن نما ہرودا کے مینے کے کا شکار ہونے کی ایک منہی ہجر جماعت کے ذہنی سے قریش جیسے قبیلہ کو شکست دلا سکتا ہے جو تمام عرب کا سربراہ تھا۔

وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۚ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَ  
حُسْنِ الْمَآبِ ۝۱۶ قُلْ أَوْفَيْتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَٰلِكُمْ  
لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ  
وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝۱۷ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا  
أَمْنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۸ الصَّيِّمِينَ

موتی اور زرعی زمینیں - بڑی خوش آئند بادی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے  
سامان ہیں حقیقت میں جو بہتر نکلا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ کہو، میں تمہیں بتاؤں کہ  
ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے، جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کے لیے ان کے  
رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں انہیں ہمیشگی کی زندگی  
حاصل ہوگی، پاکیزہ بیڑیاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے۔ اللہ  
اپنے بندوں کے رویے پر گہری نظر رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ مالک! ہم ایمان لائے  
ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور ہمیں آتش دوزخ سے بچالے۔ یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں،

۱۱ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ ماشیہ ۱۷۔

۱۲ یعنی اللہ غلام بخش نہیں ہے اور نہ سرسری اور سطحی طور پر فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ بندوں کے اعمال و افعال  
اور ان کی نیکیوں اور ادا دوس کو قرب جانتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ بندوں میں سے کون کس کے انعام کا مستحق ہے  
اور کون نہیں ہے۔

۱۳ یعنی راہ غریب پوری مسامحت دکھانے والے ہیں کسی نقصان یا مصیبت سے جہت جن میں ہوتے، کسی  
ہنگامی سے دل شکستہ نہیں ہوتے، کسی لالچ سے پھسل نہیں جاتے اور ایسی حالت میں بھی حق کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے

وَالصُّدِّيقِينَ وَالْقُرَتَيْنِ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ  
يَا لَأَشْحَارٍ ۝ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَ  
أُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝  
إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ

راستباز ہیں، فرمانبردار اور قیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی  
دعائیں مانگا کرتے ہیں۔

اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور  
فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اُس زبردست  
حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے  
اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے اُن لوگوں نے اختیار کیے جنہیں کتاب

ہے ہیں جبکہ بظاہر اُس کی کامیابی کا کوئی امکان نظر نہ آتا ہو۔ (لاحظہ فرمادہ بقراءہ حاشیہ ص ۲۰)

۱۴ یعنی اللہ کائنات کی تمام حقیقتوں کا براہ راست علم رکھتا ہے، جو تمام موجودات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے  
جس کی نگاہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، یہ اس کی شہادت ہے۔ اور اس سے بڑھ کر معتبر یعنی  
شہادت اور کس کی ہوگی۔ کہ پورے عالم وجود میں اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی ایسی جی نہیں ہے جو خدائی کی صفات  
سے متصف ہو، خدائی کے اقتدار کی مالک ہو اور خدائی کے حقوق کی مستحق ہو۔

۱۵ اللہ کے بعد سب سے زیادہ متمتع شہادت فرشتوں کی ہے کیونکہ وہ مملکت کائنات کے انتظامی اہل کار ہیں  
اور وہ براہ راست اپنے ذاتی علم کی بنا پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس مملکت میں اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا اور  
اس کے سوا کوئی جستی ایسی نہیں ہے جس کی طرف زمین و آسمان کے انتظامی معاملات میں وہ رجوع کرتے ہوں۔ اس کے  
بعد مخلوقات میں سے جن لوگوں کو بھی حقانیت کا تصور یا بہت علم حاصل ہوا ہے ان سب کی ابتداء سے آفرینش سے آج تک  
یہ متفق شہادت رہی ہے کہ ایک ہی خدا اس پوری کائنات کا مالک و مدبّر ہے۔

۱۶ یعنی اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صرف ایک ہی نظام زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات صحیح و درست ہے

أَوْثُوا الْكِتَابَ الْأَمِينُ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِغَيَابَتِهِمْ  
وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ  
حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ  
لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ مَا أَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا

دی گئی تھی ان کے اس طرز عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انھوں نے علم آجانے کے  
بعد آپ میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا اور جو کوئی اللہ کے احکام و  
ہدایات کی اطاعت سے انکار کرے اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اب اگر یہ لوگ  
تم سے مجھ کو اکیس قرآن سے کم کوٹیں گے اور میرے پیروں نے تو اللہ کے آگے تسلیم خم کر دیا ہے  
پھر اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں سے پوچھو کیا تم نے بھی اس کی اطاعت و بندگی قبول کی یا اگر کی

اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا مالک و مجبور تسلیم کرے اور اس کی بندگی و غلامی میں اپنے آپ کو اہل پروردگار کے اور اس کی  
بندگی بجالانے کا طریقہ خود ایجاد کرنے بلکہ اُس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے ہدایت بھیجی ہے، ہر کی و بیشی کے بغیر  
اسی کی پیروی کرے۔ اسی طرز فکر و عمل کا نام اسلام ہے اور یہ بات سراسر سچا ہے کہ کائنات کا خالق و مالک اپنی مخلوق اور  
رحمت کے لیے اس اسلام کے سوا کسی دوسرے طرز عمل کو جائز تسلیم نہ کرے۔ آدمی اپنی حماقت سے اپنے آپ کو دہریت سے  
لے کر شرک و بت پرستی تک ہر نظر لے اور ہر ملک کی پیروی کا جائز حقدار سمجھ سکتا ہے، مگر فرار از داسے کائنات کی مخلوق  
پر نبی بناوت ہے۔

عالم مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو پیغمبر بھی دنیا کے کسی گوشے اور کسی زمانہ میں آیا ہے اس کا دین اسلام  
ہی تھا اور جو کتاب بھی دنیا کی کسی زبان اور کسی قوم میں نازل ہوئی ہے اس نے اسلام ہی کی تعلیم دی ہے۔ اس اہل دین کو  
سچ کے اور اس میں کمی و بیشی کے جو بہت سے مذاہب و فرج انسانی میں رائج کیے گئے ان کی بدلائل کا سبب اس کے ہر  
کچھ نہ تھا کہ لوگوں نے اپنی جائز حد سے بڑھ کر حقوق، فائدے اور امتیازات حاصل کرنے چاہے اور اپنی خواہشات کے  
مطابق اہل دین کے عقائد، اصول اور احکام میں رد و بدل کر ڈالا۔

۱۱ دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں سمجھ کر میں اور میرے پیرو تو اس غیبت اسلام کے قائل ہر کچھ ہیں۔

فَقَدْ اهْتَدَوْا وَلَنْ تُولَوُا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَاللَّهُ  
 بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝۱۰۱ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَ  
 يَقْتُلُوْنَ النَّبِيْنَ بَغْيٍ حَقٍّ وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ  
 بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰۲ اُولَٰئِكَ  
 الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ  
 مِنْ نَّصِرِيْنَ ۝۱۰۳ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ

تو وہ راہِ راست پائے، اور اگر اس سے منہ موڑا تو تم پر صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری  
 تھی۔ آگے اللہ خود اپنے بندوں کے معاملات دیکھنے والا ہے۔ ۱۰۱

جو لوگ اللہ کے احکام و ہدایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو  
 ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی جان کے ورپے ہو جاتے ہیں جو خلقِ خدا میں سے صلہ  
 راستی کا حکم دینے کے لیے اٹھیں، ان کو دردناک سزا کی خوشخبری سنا دو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے  
 اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے، اور ان کا مددگار کوئی نہیں ہے۔

تم نے دیکھا نہیں کہ جن لوگوں کو کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے ان کا حال کیا ہے؟

خدا کا آلِ دین ہے۔ اب تم جاؤ کہ کیا تم اپنے اور اپنے اسات کے بڑھائے ہوئے حاشیوں کو چھوڑ کر اس اہلِ حقیت میں  
 کی طرف آتے ہو؟

۱۰۱-۱۰۳: یہ ساری آیات بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے حق کو توڑ کر بدعتِ ست و شش میں اللہ مجھ رہے ہیں کہ ہم  
 بہت خوب نام کر رہے ہیں انہیں بتا دو کہ تمہارے ان اعمال کا انجام یہ ہے۔

۱۰۳: یہی باتوں نے اپنی آدمی اور کوششیں ایسی راہ میں صرف کی ہیں جس کا نتیجہ دنیا میں ہی خراب ہے۔

آخرت میں بھی خراب۔

يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فُرْقَانُ  
مِنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا  
النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا  
يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ وَ  
وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

انہیں جب کتاب الہی کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرتے، تو ان میں سے ایک فریق اس سے پہلو ہٹتی کرتا ہے اور اس فیصلے کی طرف آنے سے موٹھ پھیر جاتا ہے۔ ان کا یہ طرز عمل اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں آتش دوزخ تو ہمیں بس تک نہ کرے گی اور اگر دوزخ کی سزا ہم کو ملے گی بھی تو بس چند روز۔ ان کے خود ساختہ عقیدوں نے ان کو اپنے دین کے معاملے میں بڑی غلط فہمیوں میں ڈال رکھا ہے۔ مگر کیا بنے گی ان پر جب ہم انہیں اس روز جمع کریں گے جس کا آنا یقینی ہے، اس روز ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ پورا پورا دیدیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

۲۱۔ یعنی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو ان کی اس غلط سہمی میل کو سہل بنا سکے، یا کم از کم ہدایتی ہی سے بچا سکے۔ جن جن تو قوں پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں کہ وہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ ان کے کام آئیں گی ان میں سے فی الواقع کوئی بھی ان کی مددگار ثابت نہ ہوگی۔

۲۲۔ یعنی ان سے کہا جاتا ہے کہ خدائی کتاب کو آخری سند مانو اس کے بعد کے آگے سر جھکاؤ، اور جبکہ اس کی مدد سے حق ثابت ہوئے حق اور جس کی رو سے باطل ثابت ہوئے اسے باطل تسلیم کرو۔ واضح رہے کہ اس مقام پر خدائی کتاب کے مراد قرآن یا انجیل ہے اور کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ پانے والوں سے مراد یہود و نصاریٰ کے علماء ہیں۔

۲۳۔ یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو خدا کا جیسا سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ اس خیالی خام میں مبتلا ہیں کہ ہم خواہ کچھ کریں بڑا جنت ہماری ہے۔ ہم اہل ایمان ہیں، ہم نفاق کی مراد اور نفاق کی اُمت اور نفاق کے مرید اور نفاق کے دامن گرفتہ ہیں، بھلا دوزخ کی کیا مجال کہ ہمیں چھو جائے۔ اور بالآخر ہم دوزخ میں ڈالے بھی گئے تو بس چند روز دماں رکھے جائیں گے۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ يَبْدَأُ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

کہو خدا یا! ملک کے ملک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بیشک ہر چیز پر قادر ہے۔ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ جاندار میں سے حیوان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جاندار کو۔ اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد اور ہمساز ہرگز نہ بنائیں۔

۱ تاکہ تمہارے دل میں جھگڑا نہ ہو، اگر تمہاری طرف سے جھگڑا ہو جائے، پھر یہ دے جنت میں پہنچا دیے جائیں گے۔ اسی قسم کے خیانت نے ان کو اتنا جری وہ بے باک بنا دیا ہے کہ وہ سخت سے سخت جرائم کا ارتکاب کر جاتے ہیں، بدترین گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، کھلم کھلا حق سے انحراف کرتے ہیں اور خدا کا خوف ان کے دل میں نہیں آتا۔

۲ جب انسان ایک طرف کافروں اور منافقوں کے کراوت دیکھتا ہے اور دوسری طرف دیکھتا ہے کہ وہ دنیا میں کس طرح چل پھل رہے ہیں، دوسری طرف اہل ایمان کی طاعت و شہادیاں دیکھتا ہے اور پھر ان کو اس فرقہ و فاسقہ امت میں مصائب و آلام کا شکار دیکھتا ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے اور اس کے ہمکمر زمانے میں مبتلا تھے، تو قدرتی طور پر اس کے دل میں ایک عجیب حسرت و سوز و استغماں گردش کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اسی استغماں کا جواب دیا ہے ادا ایسے لطیف پیرائے میں دیا ہے کہ اس سے زیادہ لطافت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔



وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٢٥﴾  
قُلْ إِنْ تُخَفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ بُدُّوا أَوْ بُدُّوا يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں یہ معاف ہے کہ تم ان کے ظلم سے بچنے کیلئے  
ظاہر ایسا طرز عمل اختیار کرنا کہ جو اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف  
میل کر جاتا ہے۔ اے نبی، لوگوں کو خبردار کر دو کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اُسے خواہ تم چھپاؤ  
یا ظاہر کرو، اللہ بہر حال اسے جانتا ہے، زمین و آسمان کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور  
اس کا اقتدار ہر چیز پر مادی ہے۔ وہ دن آنے والا ہے جب ہر نفس اپنے کیے کا پھل حاصل کرے

۲۵ یعنی اگر کوئی کس کی دشمنی اسلام و حاکم کے چل میں پھنس گیا ہو اور اُسے اُن کے ظلم و ستم کا خوف ہو تو  
اس کو اجازت ہے کہ اپنے ایمان کو چھپائے رکھے اور کفار کے ساتھ ظاہر اس طرح رہے کہ گویا انہیں میں سے ایک آدمی ہے۔  
یا اگر اس کا مسلمان ہونا ظاہر ہو گیا ہو تو اپنی جان بچانے کے لیے وہ کفار کے ساتھ دوستانہ رویہ کا اظہار کر سکتا ہے، حتیٰ کہ  
شدید عوت کی حالت میں جو شخص برداشت کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کو کفار و کفر تک کہہ جانے کی رخصت ہے۔

۲۶ یعنی کہیں انسانوں کا خوف تم پر اتنا نہ چھا جائے کہ خدا کا خوف دل سے نکل جائے۔ انسان حد سے حد تک  
چھپا کر رہ سکتے ہیں مگر خدا نہیں چھپ سکتا۔ لہذا اپنے چاؤ کے لیے اگر بدرجہہ مجبور کسی کفار کے ساتھ  
رہنا پڑے تو وہ اس حد تک ہونا چاہیے کہ اسلام کے مشن اور اسلامی جماعت کے مفاد اور کسی مسلمان کی جان و مال  
نقصان نہ پہنچائے نیز تم اپنی جان و مال کا تحفظ کو لیکن ضرور، کفر اور کفرانہ کی کوئی ایسی خدمت نہ کرنا کہ جس سے اسلام کے مقاصد میں کفر کو فروغ حاصل ہونے اور مسلمانوں پر کفار کے غالب آجانے کا امکان ہو۔  
خوب سمجھ دو کہ اگر اپنے آپ کو چھپانے کے لیے تم نے اللہ کے دین کو یا اپنی ایمان کی جماعت کو یا کسی ایک فرد کو یا کسی  
انسان کو پیچایا۔ یا خدا کے باغیوں کی کوئی حقیقی خدمت انجام دی تو اللہ کے حکم سے ہرگز نہ بچ سکو گے۔ جانا تم کو

فَقَضَاهُ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ  
 أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ سَรُوفٌ بِالْعِبَادِ  
 قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَ  
 يُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ١٧ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ  
 وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ١٨

پائے گا خواہ اس نے بھلائی کی ہو یا بُرائی۔ اس روز آدمی یہ تمنا کر چکا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے  
 بہت دور نہ ہوتا! اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے۔  
 اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی  
 اختیار کرو! اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا  
 اور رحیم ہے۔ اُن سے کہو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کر لو! پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت  
 قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے  
 رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔

ہر مال اسی کے پاس ہے۔

۱۷ یعنی اس کی انتہائی خیر خواہی ہے کہ وہ تمہیں قلیل از وقت اپنے اعمال پر تنبیہ کر دے جو تمہارے انجام کی  
 غلطی کے موجب ہو سکتے ہیں۔

۱۸ یہاں پہلی تقریر ختم ہوئی ہے۔ اس کے ضمن میں خصوصاً جنگ بدر کی طرف جہان شاہ اس میں کیا گیا ہے اس کا  
 افسانہ یہ ہونے کے قابل قیاس ہی ہوتا ہے کہ اس تقریر کے نزول کا زمانہ جب جنگ بدر کے بعد وہ جنگ اندے سے پہلے کا ہے  
 یعنی مسند جبری عربین اسحاق کی روایت سے عربوں کو کہہ رہا تھا کہ یہی ہے کہ اس صورت کی ابتدائی باتیں نہ تھیں  
 کی آمد کے مرتب پر شدہ جبری میں نازل ہوئی تھیں لیکن اہل قرآن اس تفسیر کی تقریر کا ضمن معاف ہوتا رہا ہے کہ یہ اس سے  
 بہت پہلے نازل ہوئی ہوگی، دوسرے متعلق بن سلمان کی روایت میں تقریر ہے کہ وہ یہ خبر ان کی آمد پہرعت آیات  
 نازل ہوئی ہیں جو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے بیان پر مشتمل ہیں اور جن کی تعداد یہاں اس سے کچھ زیادہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ  
عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾ ذُرِّيَّتَهُ لِبَعْضِهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ  
عَلِيمٌ ﴿۳۳﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا

اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر  
(اپنی رسالت کے لیے) منتخب کیا تھا۔ یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے  
پیدا ہوئے تھے۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (وہ اس وقت سن رہا تھا) جب عمران کی  
قوت کہہ رہی تھی کہ ”میرے پروردگار! میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر

۳۲ یہاں سے دوسرا خطبہ شروع ہوتا ہے۔ اس کے نزول کا زمانہ مسند بھری ہے جب کہ بخران کی میمانی  
جمہوریت کا دہندی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بخران کا علاقہ حجاز ادرین کے درمیان ہے۔ اس وقت  
اس علاقہ میں ۲۰ بستیوں شامل تھیں اور کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار قابل جنگ مرد اس میں سے نکل سکتے تھے۔  
آبادی تمام جہاں کی تھی مابین سرحدوں کے زیرِ حکم تھی۔ ایک ماقب کہلاتا تھا جس کی حیثیت امیرِ قوم کی تھی۔ دوسرا امیر  
کہلاتا تھا جو ان کے قتل کی دیکھائی کرنا تھا اور تیسرا انصاف (بشپ) تھا جس سے مذہبی پیشوائی متعلق تھی۔  
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فرمایا اور تمام اہل عرب کو یقین ہو گیا کہ ملک کا مستقبل اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ  
میں ہے تو عرب کے مختلف گوشوں سے آپ کے پاس وفد آنے شروع ہو گئے۔ اسی سلسلے میں بخران کے تینوں سردار بھی آئے۔  
لاکھ دوسرے کرینے پہنچے۔ جنگ کے لیے ہر مال وہ تیار نہ تھے۔ اب ممال صرف یہ تھا کہ زیادہ اسلام قبول کرتے ہیں  
ذاتی بن کر رہنا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ خطبہ نازل کیا تاکہ اس کے ذیل سے غیور  
کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے۔

۳۳ عمران حضرت موسیٰ اور ہارون کے والد کا نام تھا جسے بائبل میں قلم کہا ہے۔

۳۳ یہاں کی گزری کا تمام ترتیب یہ ہے کہ وہ سچ کہندہ اور صلہ ماننے کے بجائے اللہ کا بیٹا اور الوہیت  
میں اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ اگر ان کی یہ بنیادی غلطی درست ہو جائے تو اسلام صحیح و خالص کی طرف ان کا دلچسپی آسان  
ہو جائے۔ اسی لیے اس خطبے کی تمہیدیں اٹھائی گئی ہیں کہ آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کے سب پیغمبر انسان تھے  
لیک کی نسل سے دوسرا پیدا ہوتا آیا ان میں سے کوئی بھی خدا نہ تھا، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ خدا نے اپنے دین کی  
تبلیغ اور دنیا کی اصلاح کے لیے ان کو منتخب فرمایا تھا۔

فِي بَطْنِي مُحَدَّرًا فَقَبَّلَ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ  
فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ ائِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ  
بِمَا وَضَعْتُ وَلَكِنَّ الذِّكْرَ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ  
وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهُمَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَتَقَبَّلَهَا  
رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَثَبَتْهَا رَبًّا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا

کئی ہوں، وہ تیرے ہی کام کے لیے دُفع ہو گا۔ میری اس پیش کش کو قبول فرما۔ تو سنئے اور جانئے والا تھے۔ پھر جب وہ بھی اس کے ہاں پیدا ہوئی تو اس نے کہا: مالک! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہو گئی ہے۔ حالانکہ جو کچھ اس نے جانتا تھا اللہ کو اس کی خبر تھی۔ اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں پڑتا۔ خیر میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی آئندہ نسل کو شیطان مردود کے فتنے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ آخر کار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرمایا، اُسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اٹھایا۔ اور زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا۔

۳۲۔ مگر عمران کی عورت سے مراد "عمران کی بیوی" لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ وہ عمران ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، بلکہ یہ حضرت مریم کے والد تھے جن کا نام شاید عمران ہو گا۔ اور اگر عمران کی عورت سے مراد عمران کی عورت لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت مریم کی والدہ اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ لیکن ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ معلومات نہیں ہے جس سے ہم قطعی طور پر ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکیں، کیوں کہ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت مریم کے والد کون تھے اور ان کی والدہ کس قبیلے کی تھیں۔ البتہ اگر سیدیت صحیح مانی جائے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ اور حضرت مریم کی والدہ آپس میں شش بہن تھیں تو پھر عمران کی عورت کے معنی قبیلہ عمران کی عورت ہی درست ہوں گے کیونکہ انجیل تو ہمیں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت داؤد کی والدہ سے تھیں (لوقا ۱: ۵)۔

۳۳۔ یعنی وہ اپنے بندوں کی دعا میں مشغول ہے اور ان کی نیکیوں کے مال سے واقف ہے۔

۳۴۔ یعنی لڑکا ان بہت سی فطری کمزوریوں اور قوتوں یا بندوں سے آزاد ہوتا ہے جو لڑکی کے ساتھ ملتی ہیں۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَ حَاظِرِهَا  
 قَالِ يَسْرِمًا فَنِي لَكَ هَذَا أَقَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ  
 يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۚ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ  
 رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝

زکریا جب کبھی اس کے پاس مِحْرَاب میں جاتا تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے  
 پینے کا سامان پاتا۔ پوچھتا مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ جواب بتی اللہ کے  
 پاس سے آیا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے  
 رب کو بھلا سپردِ دعا کر! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر تو ہی دعا سننے والا ہے۔

ہر حق میں لہذا اگر لڑکا ہوتا تو وہ مقصدِ زیادہ بھی طرح حاصل ہو سکتا تھا جس کے لیے میں اپنے بچے کو تیری راہ میں  
 نذر کرنا چاہتی تھی

۳۵۷ اب اس وقت کا ذکر شروع ہوتا ہے جب حضرت مریم بن رشد کو پہنچ گئیں اور بیت المقدس کی  
 عبادت گاہ (مذبح) میں داخل کر دی گئیں اور ذکرِ الٰہی میں شہد روز مشغول رہنے لگیں۔ حضرت نذریا جن کی تربیت میں  
 دی گئی تھیں، غالباً رشتے میں ان کے خالوتھے اور ذکیل کے ہاں دلوں میں سے تھے۔ یہ وہ ذکر یا دہنی نہیں ہیں جن کے  
 قل کا ذکر بائبل کے پڑانے مہمانے میں آیا ہے۔

۳۵۸ لفظ محراب کے رگوں کا ذہن بالعموم اس محراب کی طرف چلا جاتا ہے جو ہماری مسجدوں میں امام کے  
 کمرے ہونے کے لیے بنائی جاتی ہے لیکن یہاں محراب پر چیز مراد نہیں ہے۔ جامعہ اندکسیر میں اصل عبادت گاہ  
 کی عبادت سے متعلق زمین کے کافی ہندی پر جو کوئے بنائے جاتے ہیں جن میں عبادت گاہ کے ہاں غلام اور مکنت  
 رگ مارکتے ہیں انہیں محراب کہا جاتا ہے۔ اسی قسم کے کمروں میں سے ایک میں حضرت مریم منکبت رہتی تھیں۔

۳۵۹ حضرت زکریا اس وقت تک بے اولاد تھے۔ اس زوجہ ان صاحبہ کی کہ دیکھ کر غمناک ان کے دل میں  
 یہ غم پیدا ہوئی کہ کاش اللہ انہیں بھی ایسی ہی نیک اولاد عطا کرے، اور یہ دیکھ کر کاش کس طرح اپنی قدیم سے اس  
 گروہ نشین لڑکی کو زندہ پہنچا رہا ہے نہیں یہ امید ہوئی کہ اللہ چاہے تو اس میں سے صاحبہ بھی ایسی ہی نیک اولاد  
 سے ملے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمَحَارِبِ أَنَّ اللَّهَ يَبْتَخِرُكَ  
وَيَجْعَلُكَ مُصَدِّقًا لِّكَلِمَةِ رَبِّهِ وَسَيِّدًا وَصَوْرًا وَنَبِيًّا مِّنَ  
الضَّالِّحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ ائْتِنِي بِآيَةٍ ۚ قَالَ رَبِّ ائْتِنِي بِآيَةٍ ۚ قَالَ رَبِّ ائْتِنِي بِآيَةٍ ۚ  
وَأَمَّا رَبِّي عَاقِرٌ ۚ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يُفَعِّلُ مَا يَشَاءُ ۝  
قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً ۚ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ  
ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا سَرَمًا ۚ وَأَذْكُرَّ بِكَ كَثِيرًا وَسِيَرًا ۝

جواب میں فرشتوں نے آواز دی، جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، کہ اللہ تجھے منتخب کی  
خوشخبری دیتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا۔ اس میں سترہویں  
دن کی کی شان ہوگی۔ کمال درجہ کا ضابطہ ہوگا۔ نبوت سے سرفراز ہوگا اور صالحین میں شمار کیا جائیگا  
ذکر کیا ہے کہ یہ درجہ کار بھلا میرے اس رکھاکاں سے ہوگا، میں بہت بڑھا ہو چکا ہوں اور میری  
بروری باجمہ ہے۔ جواب بلا ایسا ہی ہوگا، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، عرض کیا تاکہ! پھر کوئی  
نشانی میرے لیے مقرر فرمائیے۔ کہا نشانی یہ ہے کہ تین دن تک لوگوں سے اشارہ کے سوا  
کوئی بات چیت نہ کرے گا (یاد نہ کرے گا)۔ اس دوران میں اپنے رب کو بہت یاد کرنا اور صبح و شام

۳۸۔ انجیل میں ان کا نام پڑھا ہے جیسے ملا (John the Baptist) لکھا ہے۔ ان کے

حالات کے لیے ۵ جہز ہوتی باب ۲ و ۱۱ و ۱۲۔ مرقس باب ۱۱ و ۱۲۔ لوقا باب ۱۱ و ۱۲۔

۳۹۔ اللہ کے فرمان سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جو کہ ان کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے ایک غیر معمولی  
فرمان سے خرقہ نبوت کے طور پر ہوئی تھی اس لیے ان کو قرآن مجید میں مکہ میں اللہ کا گھرا ہے۔

۴۰۔ میں تیرے بڑا چاہتا ہوں کہ باوجود ان کے باوجود اللہ تجھے پناہ دے گا۔

۴۱۔ میں ایسی حالت بتاؤں کہ جب تک میری فرقت اور ایک لڑکی باجمہ کے اس لڑکے کی وادعت جیسا

يَا عِيسَىٰ وَابْنُ مَرْيَمَ ۖ إِنَّا فَالِقُ لَكُمُ الْمَاءَ ۖ لِيَمْلِكَ لِيَمْرَأَتَانِ اللَّهُ  
 اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ۝  
 لِيَمْرَأَتَيْنِ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝  
 ذَلِكَ مِنْ أَلْبَابِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ  
 يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

اس کی تسبیح کرتے رہتے تھے۔

پھر وہ وقت آیا جب مریم سے فرشتوں نے آکر کہا اے مریم! اللہ نے تجھے  
 برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دے کر اپنی خدمت کیلئے  
 چن لیا۔ اے مریم! اپنے رب کی تابع فرمان بن کر رہ، اس کے آگے سر بسجود ہو، اور جو بندہ  
 اس کے حضور جھکنے والے ہیں ان کے ساتھ تو بھی جھک۔

اے محمد! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تم کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں،  
 وہ تو تم اُس وقت وہاں موجود نہ تھے جب ہیکل کے خادم یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ مریم کا  
 سر و دست کرنا جو اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے، اللہ تم اس وقت حاضر تھے

جب غیر معمولی واقعہ پیش آئے وہاں ہر قسم کی اطلاع بے پہلے سے جڑ جائے۔

۱۳۲۔ اس تقریر کا اہل عقیدہ مسیحیوں پر ان کے اُس عقیدے کی غلطی واضح کرنا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو  
 خدا کا بیٹا اور الٰہ سمجھتے ہیں۔ یہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس دور سے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح مسیح علیہ السلام کی  
 ولادت جو عجز طریقہ سے ہوئی تھی اسی طرح ان سے جو یہی مہینہ پہلے اسی خاندان میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش بھی ایک  
 عجز طریقہ کے مجرے سے ہو چکی تھی۔ اس سے اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ اگر عیسائی کو ان کی اہل  
 عادت نے انہیں بتایا تو مسیح صحت اپنی غیر معمولی پیدائش کے بلکہ الٰہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

۱۳۳۔ یہی قرآن اعلیٰ کر رہا ہے۔ اس قرآن اعلیٰ کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ حضرت مریم کا اللہ

إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۳۷﴾ إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤَانِ اللَّهُ يُبَشِّرُهُمَا  
بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِهًا فِي  
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۳۸﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ  
وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۹﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي  
وَلَدٌ وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرًا ۚ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ

جب ان کے درمیان جھگڑا برپا تھا۔

اور جب فرشتوں نے کہا ۳۷ اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوشخبری  
دیتا ہے۔ اُس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، دنیا و آخرت میں معزز ہوگا، اللہ کے مقرب  
بندوں میں شمار کیا جائے گا، لوگوں سے گھمراے میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر  
بھی، اور وہ ایک مرد صالح ہوگا۔ یہ سن کر مریم بولی: ہمدرد گار! میرے ہاں سچہ  
کماں سے ہوگا، مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جواب ملا: ایسا ہی ہوگا، اللہ

ان کو خدا کے کام کے لیے نیک کی نذر کر دیا تھا۔ اور وہ جو کرنا کی تھیں اس لیے یہ ایک نازک مسئلہ بن گیا تھا کیونکہ  
ماہی و دروں میں سے کس کی سرپرستی میں وہ رہیں۔

۳۸ مینی باوجود اس کے کہ کسی مرد نے تجھے ہاتھ نہیں لگایا، تیرے ہاں بچہ پیدا ہوگا یہی لفظ کذلک ایسا  
ہی ہوگا حضرت ذکر کیا کہ جو باب بھی لکھا تھا اس کا جو مضمون وہاں ہے وہی بیان ہی ہونا چاہیے۔ نیز لفظ فقرہ بلکہ  
پچھلا اور اگلا سارا بیان اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ حضرت مریم کو مثنوی مواصلت کے بغیر بچہ پیدا ہونے کی بشارت  
دی گئی تھی اور اسی واقعہ سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی۔ دوسرا گرامت ہی تھی کہ حضرت مریم کے ہاں  
اسی صورت فطری طریقہ سے بچہ پیدا ہونے والا تھا جس طرح دنیا میں عورتوں کے ہاں ہو کر رہتا ہے، اور حضرت عیسیٰ کی  
پیدائش ہی الایض اسی طرح ہوئی ہوتی تو یہ سارا بیان قطعی مل بخیر رہا ہے جو جو تھے رکوع سے چٹے رکوع تک چلا جا رہا ہے  
اور وہ تمام بیانات بھی بے معنی قرار پاتے ہیں جو ولادت مسیح کے باب میں قرآن کے دوسرے مقامات پر ہمیں ملتے ہیں۔  
میسائیس نے حضرت عیسیٰ کو الایض اسی وجہ سے بھی تھا کہ ان کی پیدائش غیر فطری طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی۔



مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝  
وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَهُوَ  
رَسُولُ اللَّهِ إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ  
أَنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ  
فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْكُفَّةَ وَالْأَبْرَصَ

جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا  
اور وہ ہو جاتا ہے۔ (فرشتوں نے میرا اپنے سلسلہ کام میں کہا) اور اللہ اسے کتاب اور  
حکمت کی تعلیم دے گا، توراۃ اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول  
مقرر کرے گا۔

(اور جب وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس نے کہا) میں تمہارے  
اسب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے  
پہنڈے کی صورت کا ایک مجسمہ بنا تا ہوں اور اس میں پھونک مانتا ہوں، وہ اللہ کے  
حکم سے پہنڈہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے اور زرافہ اندھے اور کورھی کو اچھا کرتا ہوں

اور یہ وہاں نے حضرت مریم پر انعام بھی دے گا یا کہ سکھائے یا مقرریش آیا تھا کہ ایک انکی خیر شاہی شدہ تھی  
صاحب کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ اگر یہ سب سے مقررہ ہی نہ تھا تب قرآن دونوں گروہوں کے خیالات کی تردید ہی پس آتا  
کہ دنیا باطل کا کافی تھا کہ جو ک غلط کہتے جو وہ انکی شادی شدہ تھی، ظلم شخص اس کا شوہر تھا، اور اس کے نطفے سے  
بچہ پیدا ہوا ہے تھے یہ تقریبی دو آگ بات کہنے کے بہانے، خواہی ہی تمہارا یا خالص اور کج دینج باتیں کہنے اور  
اجماع صاف سچ یہ ظلم کہنے کے بہانے سچ بن مریم کہنے کی تو کج ضرورت تھی جس سے بات سمجھنے کے بہانے  
ہو گئے ہاتھ۔ پس جو آگ قرآن کو کام اشرار تھے جس اور پھر سچ یہ سلام کے متعلق یہ بھی ثابت کہنے کی کوشش  
کہ جس کو ان کی دولت حسب عمل آپ اور ان کے اعمال سے ہوتی تھی وہ وہاں ثابت کہتے ہیں کہ اشرار تھے

وَأُخِي السُّوْفِي يَأْذِنُ اللَّهُ وَأَنْتُمْ تَحْكُمُونَ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا  
تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ  
مُؤْمِنِينَ ﴿٥٠﴾ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ

اور مرنے کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں خیر و برکت رکھتے ہو۔ اس میں تمہارے لیے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور میں اُس تعلیم و ہدایت کی تصدیق کرنے والا ہوں جو قرآن میں سے اس وقت میرے زمانہ میں موجود ہے۔

علامہ ابنی العسیر اور بیان دعا کی اتنی قدرت بھی نہیں رکھتا جتنی خدیوہ حضرت رکھتے ہیں (معاذ اللہ)۔

۵۰۔ یعنی یہ علامات تم کو اس سرکار الہیہ ان طائفے کے لیے کافی ہیں کہ میں اس خدا کا ایک ہمارا ہوں جو کائنات کا خالق اور عالم ذی اقتدار ہے۔ بشرطیکہ تم حق رکھنے کے لیے تیار ہو بہت دھرم دہو۔

۵۱۔ یعنی یہ میرے سرشار توحید و خلاصہ کا ایک اور ثبوت ہے۔ اگر میں اس کی طرف سے بھیجا ہوا ہوتا بلکہ جو ملائی ہوتا تو خود ایک مستقل مذہب کی بنا ڈالتا اور اپنے ان لوگوں کے بعد پر نہیں سنا دیتا کہ وہ دین کی طرف لانے کی کوشش کرتا لیکن میں تو اسی اصل دین کو استنباط میں لایا ہوں کہ جو قرآن میں مذکور ہے اور جو خدا کی طرف سے اس کے پیغمبر پر بھیجے ہوئے ہے۔

یہ بات کہ مسیح علیہ السلام دینی دین لے کر آئے تھے جو موعظی علیہ السلام اور دوسرے انبیاء نے پیش کیا تھا۔ جامع الوقت اناجیل میں بھی واضح طور پر ہمیں ملتی ہے۔ مثلاً مسیح کی روایت کے مطابق پہاڑی کے دھڑکیں سے چلے گا صاف فرماتے ہیں:

”یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔“ (۱۷: ۵)

ایک یہودی عالم نے حضرت مسیحؑ سے پوچھا کہ احکام دین میں دو تین حکم کو ناسخ ہے۔ جواب میں آپ نے فرمایا:

”خداوند اپنے خدائے اپنے ہمارے دل اور اپنی ماری جان اور اپنی ماری عقل سے محبت رکھ۔ بلا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اس کے مانند ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے باپ کی محبت رکھ۔ اسی دو حکموں پر تمام تورات اور انبیاء کے معیروں کا مدار ہے۔“ (متی ۲۲: ۳۶-۳۷)

پھر حضرت مسیحؑ اپنے شاگردوں سے فرماتے ہیں:

وَلِجَلِّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ  
مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۵۰ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي  
وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۖ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝۵۱

اور اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے بعض اُن چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں  
دیکھو میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں، لہذا اللہ سے  
ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، لہذا تم اُسی کی بندگی  
اختیار کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

”فقہ اور فہمی سوئی کی گئی پر بیٹھے ہیں۔ جو کچھ وہ نہیں جانتے وہ سب کو اور مانو گین کے  
کام نہ کر کو کہہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ (مقی ۲۳ : ۲-۳)

یعنی تمہارے جلا کے قہرات، تمہارے فقیہوں کی قافنی مرٹگانیوں، تمہارے رہبانیت پسند  
لوگوں کے تشددات، اور غیر مسلم قوموں کے غلبہ و تسلط کی بدولت تمہارے ہاں اصل شریعت الہی پر چین تیر کا اضافہ  
ہو گیا ہے ایں مان کہ شروع کر دیں گا اور تمہارے لیے وہی چیزیں حلال اور وہی حرام قرار دوں گا جنہیں اللہ نے  
حلال یا حرام کیا ہے۔

اللہ اس سے عظم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحمت کے بھی بنیادی  
محکات ہی تین تھے :

۱۔ ایک یہ کہ اقتدار الہی جس کے مقابل میں بندگی کا رویہ اختیار کیا جائے جلد جس کی اطاعت پر اسحاق و متھن کا پل  
تکام قائم ہوتا ہے، صرف اللہ کے لیے غرض تسلیم کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اُس مقتدر الہی کے نمائندے کی حیثیت سے نبی کے حکم کی اطاعت کی جائے۔

تیسرے یہ کہ انسانی زندگی کو طقت و حرمت اللہ جواز و عدم جواز کی پابندیوں سے جکڑنے والا قانون و ضابطہ  
صرف اللہ کا جو دوسروں کے ماننے کو وہ قوانین شروع کر دیے جائیں۔

پس درحقیقت حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم دوسرے انبیاء کے مشن میں ایک ہی فرقہ  
فرق نہیں ہے۔ جن لوگوں نے خلعت پیغمبروں کے خلعت برتن قرار دیے ہیں اور ان کے درمیان مقصد و نیت کے  
اقتدار سے فرق کیا ہے انھوں نے سخت غلطی کی ہے۔ الٹ الٹ کی طرف سے اُس کی رعیت کی طرف تو شخص بھی

ماہر ہو کر آئے گا اس کے آنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہی نہیں کہ وہ رعایا کو نافرمانی اور خود مختاری سے روکے اور شرک سے (یعنی اس بات سے کہ وہ بت پرستی میں کسی حیثیت سے دوسروں کو ایک الملک کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور اپنی وفاداری اور عبادت گزاریوں کو ان میں تقسیم کریں) منع کرے اور اہل مالک کی خالص بندگی و اطاعت اور پرستاری و وفاداری کی طرف دعوت دے۔

انہوں نے کہ جو جودہ اناجیل میں مسیح علیہ السلام کے مشن کو اس وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا جس طرح وہ اپنی قزاق میں پیش کیا گیا ہے۔ تاہم منتشر طور پر اشارات کی شکل میں وہ تینوں بنیادی نکات ہیں ان کے اندر تھے جس جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ بات کہ مسیح صرف اللہ کی بندگی کے قائل تھے ان کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہوتی ہے:

”تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر“ (متی ۴: ۱۰)

اور صرف یہی نہیں کہ وہ اس کے قائل تھے بلکہ ان کی مراد یہی کہ شمشوں کا مقصد یہ تھا کہ زمین پر خدا کے امر شری کی اس طرح اطاعت ہو جس طرح آسمان پر اس کے امر کو نبی کی اطاعت ہو رہی ہے:

”تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر ہو رہی ہوتی ہے زمین پر بھی ہو“ (متی ۶: ۱۰)

پھر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام اپنے آپ کو نبی اور آسمانی بادشاہت کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اور اسی حیثیت سے لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دیتے تھے، ان کے متعدد اقوال سے معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے جب اپنے وطن ناصرو سے اپنی دعوت کا آغاز کیا ان کے اپنے ہی بھائی بندا اور اہل شران کی مخالفت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس نے اپنی مرضی اور تقاضیوں کی متفقہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا۔ اور جب یہ وسط میں ان کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں اور لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ کیس اور چلے جائیں تو انہوں نے جواب دیا: ”مکن نہیں کو نبی یہ وسط ہم باہر نکال دے گا۔“ (۲۳: ۴) آخری مرتبہ جب یہ وسط میں داخل ہو رہے تھے تو ان کے شاگردوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا: ہمارا کس ہے وہ بادشاہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے؟ اس پر یہودی علماء ناراض ہوئے اور انہوں نے حضرت مسیح سے کہا کہ آپ اپنے شاگردوں کو چپ کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا: ”اگر یہ چپ ہیں گے تو پھر کھارا نہیں گے“ (متی ۱۹: ۳۸-۴۰)۔ ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

”اے غلت اٹھانے والو! اور مجھ سے دے ہوئے لوگو! سب میرے پاس آؤ، میں تم کو آرام دوں گا۔“ (میساجوا)

اپنے اپنے اہل خانہ..... میرا جراثم ہے اور میرا جو بھ بھلا۔ (متی ۱۱: ۲۸-۳۰)

پھر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام انسانی ساخت کے قوانین کے بجائے خدا کی قانون کی اطاعت کرنا چاہتے تھے حتیٰ اور مرض کی قس دلیات سے صاف طور پر امتناع کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی علماء نے اعتراض کیا کہ آپ کے شاگردوں کی ابتدائات کے خلاف ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کیوں کھا لیتے ہیں۔ اس پر حضرت مسیح نے فرمایا: تم ریاکاروں کی حالت یہی ہے جس پر یہ سامانی کی زبان سے یہ طعنہ دیا گیا ہے کہ یہ اہم زبان سے تو یہی تعلیم کرتی ہے کہ گناہ کے دل سے دھبی کیونکہ یہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔ تم لوگ خدا کے حکم کو تو داخل کرتے ہو اور اپنے ٹھہرے ہوئے قوانین کو برقرار رکھتے ہو۔ خدا نے

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ  
قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمَّا يَا لَلهُوَ وَاشْهَدْ بِأَنَّا  
مُسْلِمُونَ ﴿۵﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ

جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر و انکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا: کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟ حواریتین نے جواب دیا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، گواہ رہو کہ ہم مسلم (اللہ کے آگے سراسر اطاعت جھکا دینے والے) ہیں، مالک! جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیا اور رسول کی پیروی قبول کی، توراۃ میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو بڑا کہے وہ جان سے مارا جائے مگر تم کہتے ہو کہ جو شخص اپنی ماں باپ سے کہدے کہ میری جو خدمات تمہارے کام آسکتی تھیں انہیں میں خدا کی تکرر بچا ہوں! اس کے لئے باطل جائز ہے کہ پھر ماں باپ کی کوئی خدمت ذکر کرے (متی ۱۵: ۳-۹، مرقس ۷: ۱۳-۱۵)

۴۹ تھواری کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے جو ہماری ماں انصاری کا مفہوم ہے۔ بائبل میں بالعموم حواریوں کے لئے "شاگردوں" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور بعض مقامات پر انہیں رسول بھی کہا گیا ہے مگر رسول اس معنی میں کہ مسیح علیہ السلام ان کو تبلیغ کے لئے بھیجتے تھے، اس معنی میں کہ خلیفہ ان کو رسول مقرر کیا تھا۔

۵۰ دین اسلام کی اقامت میں حصہ لینے کو قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اللہ کی مدد کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ایک تشریح طلب مضمون ہے۔ زندگی کے جس دائرے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی عطا کی ہے، اس میں وہ انسان کو کفر یا ایمان، بغاوت یا اطاعت میں سے کسی ایک راہ کے اختیار کرنے پر اپنی خدائی طاقت سے مجبور نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ دلیل اور نصیحت سے انسان کو اس بات کا قائل کرتا چاہتا ہے کہ انکار و نافرمانی اور بغاوت کی آزادی رکھنے کے باوجود اس کے لئے حق یہی ہے اور اس کی فلاح و نجات کا راستہ بھی یہی ہے کہ اپنے خالق کی بندگی و اطاعت اختیار کرے۔ اس طرح قبائش اور نصیحت بندوں کو راہ راست پر لانے کی تدبیر کرتا، یہ دراصل اللہ کا کام ہے اور جو بندے اس کام میں اللہ کا ساتھ دیں ان کو اللہ اپنا رفیق و مددگار قرار دیتا ہے۔ اور یہ وہ بندے بلند مقام ہے۔ جس پر کسی بندے کی پہنچ ہو سکتی ہے۔ نماز روزہ اور تمام اقسام کی عبادات میں تو انسان محض بندہ ظلام ہوتا ہے۔ مگر تبلیغ دین اور اقامت دین کی جدوجہد میں بندے کو خدا کی رفاقت و مددگاری کا شرف حاصل ہوتا ہے جو اس دنیا میں روحانی ارتقاء کا سب سے اچھا حربہ ہے۔



رَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الذِّمَنِ كَفَرُوا وَجَاعِلُ  
الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ

تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے اُن سے یعنی اُن کی معیت سے  
اور ان کے گندے ماحول میں اُن کے ساتھ رہنے سے) تجھے پاک کر دوں گا اور تیری پیروی  
کرنے والوں کو قیامت تک اُن لوگوں پر بالادست رکھوں گا جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے۔

(۳) اُن کا آسمان کی طرف اُٹھایا جاتا جس کا ذکر صاف الفاظ میں ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

قرآن نے پہلی بات کی تصدیق کی اور فرمایا کہ مسیح کا بے باپ پیدا ہونا محض اللہ کی قدرت کا کثر تھا۔ اللہ جس کو جس طرح  
چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یہ غیر معمولی طریق پیدا کرنے پر گزرا جس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مسیح خدا تھا یا خدا ہی میں کچھ بھی حصہ رکھتا تھا۔  
دوسری بات کی بھی قرآن نے تصدیق کی اور خود مسیح کے حجرت ایک ایک کر کے اُٹائے، اگر بتایا کہ یہ سارے کام سُنَّ  
اللہ کے اذن سے کیے تھے، با اختیار خود کچھ بھی نہیں کیا، اس لیے ان میں سے بھی کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے تم پر تعجبہ  
کھانے میں کچھ بھی حق بجانب ہو کہ مسیح کا خدا ہی کی کوئی حصہ تھا۔

اب تیسری بات کے متعلق اگر عیسائیوں کی روایت سرے سے بالکل ہی غلط ہوتی تب تو ان کے عقیدہ اور مذہب مسیح  
کی تردید کے لیے ضروری تھا کہ صاف صحت کبر دیا جاتا کہ جسے تم اللہ اور ان اللہ بنا رہے ہو وہ مرکز میں مل چکا ہے، مزید  
اطمینان چاہتے ہو تو ظلال عقائد پر جا کر اس کی تردید کرو۔ لیکن ایسا کرنے کے بجائے قرآن صرف یہی نہیں کہ ان کی موت کی  
تصریح نہیں کرتا، اور صرف یہی نہیں کہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو زندہ اُٹھانے جانے کے مفہوم کا کم از کم احتمال تو  
رکھتے ہی ہیں، بلکہ عیسائیوں کو اُن ہیہ اور بتا دیتا ہے کہ مسیح سرے سے صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے، یعنی وہ جس نے  
امہری وقت میں ایللی ایلی لما شبتانی، کہا تھا اور وہ جس کی صلیب پر چڑھی ہوئی حالت کی تصویر تم بے پھرتے ہو وہ مسیح متقا  
مسیح کو تو اس سے پہلے ہی خدا نے اُٹھایا تھا۔

اس کے بعد جو لوگ قرآن کی آیات سے مسیح کی وفات کا مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل یہ ثابت  
کرتے ہیں کہ اللہ دیکھتا ہے کہ صلیب پر چڑھی ہوئی عمارت میں اپنا مطلب ظاہر کرنے تک کا طریقہ نہیں ہے۔ اعاذنا اللہ  
من ذلک۔

۲۵۸ انکار کرنے والوں سے مراد یہودی ہیں جن کو حضرت علی علیہ السلام نے ایمان لانے کی دعوت دی اور  
انہوں نے اسے روک دیا۔ بخلاف اس کے یہودی کہنے والوں سے مراد اگر صحیح یہودی کہنے والے ہیں تو وہ صرف مسلمان ہیں  
اور اگر اس سے مراد نبی الجملہ اسماء کے ماننے والے ہوں تو ان میں عیسائی اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔

ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ  
تَخْتَلِفُونَ ۝ فَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا  
شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝  
وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ  
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ  
الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ  
كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

پھر تم سب کو آخر کار میرے پاس آنا ہے، اُس وقت میں اُن باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تمہارے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ جن لوگوں نے کفر و انکار کی روش اختیار کی ہے انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں سخت سزا دوں گا اور وہ کوئی مددگار نہ پائیں گے، اور جنہوں نے ایمان اور نیک عمل کا رویہ اختیار کیا ہے انہیں اُن کے اجر پورے پورے دے دیے جائیں گے۔ اور خوب جان لے کہ ظالموں سے اللہ ہرگز محبت نہیں کرتا۔

یہ آیات اور حکمت سے لبریز تذکرے ہیں جو ہم تمہیں سنارہے ہیں۔ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہر جا اور وہاں ہو گیا۔

۵۳ یعنی اگر صن اجماعی پیدا نہیں ہی کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کے لیے کافی دلیل ہو تب تو پھر تمہیں آدم کے متعلق مدد خداوندی یا مائیدہ تجویز کرنا چاہیے تا کہ یہ کہ سمع و معرفت ہے باپ ہی کے پیدا ہونے سے مگر آدم ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔



الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۵۰﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ  
فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا  
نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا  
وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿۵۱﴾

یہ اصل حقیقت ہے جو تمہارے رب کی طرف سے بتائی جا رہی ہے اور تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جو اس میں شک کرتے ہیں۔

یہ علم آجانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملہ میں تم سے جھگڑا کرے تو اسے فرماؤ اس کو کہ "اؤ ہم اور تم خود بھی آجائیں اور اپنے اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا نے عاقریں کو جو جھوٹا ہوا میں خدا کی لعنت ہو۔"

۵۰۔ یہاں تک کی تقریر میں جو بنیادی نکات ایسا ہیوں کے سامنے پیش کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ علی الترتیب

حسب ذیل ہے:

پہلا امر جو ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ ہے کہ مسیح کی الٰہیت کا اعتقاد تسلیم نہ کرنا اور جو وہ سے پیدا ہوا ہے ان میں سے کوئی وجہ بھی ایسے عقائد کے لیے صحیح نہیں ہے۔ ایک انسان تھا جس کو اللہ نے اپنی مصلحتوں کے تحت مناسب سمجھا کہ غیر معمولی صحت سے پیدا کرے اور اسے ایسے مجموعے عطا کرے جو موت کی مرضح صحت ہوں، اور ان کی طبیعت کو اسے صلیب پر نہ چڑھانے سے رکھ کر اپنے پاس اٹھالے تاکہ کو اختیار ہے اپنے میں بندے کو جس طرح چاہے اللہ تعالیٰ کرے۔ لیکن اس غیر معمولی رہنما کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ خود ایک تھا یا ایک کا بیٹا تھا یا ایکیت میں اس کا شریک تھا۔

دوسری اہم بات جو ان کو سمجھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسیح جس چیز کی طرف دعوت دیتے آئے تھے وہی چیز ہے جس کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے ہیں۔ دونوں کے شہنشاہوں میں ایک سر تو فرق نہیں ہے۔

تیسری بنیادی بات جو اس تقریر کا یہ ہے کہ مسیح کے ہمدان کے حوالوں کا مذہب بھی یہی اسلام تھا جو قرآن پیش کر رہا ہے۔ ہر کی یہ اہمیت خاص تعلیم پر قائم رہی جو مسیح علیہ السلام نے دی تھی اور وہ اس مذہب کی پیروی میں جی کا اتباع مسیح کے حوالی کرتے تھے۔

۵۱۔ فیصلہ کی یہ صورت پیش کرنے سے دراصل یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ وہ دفعہ پھر ان ہاں بوجہ کہ ہر ایک کو

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ  
اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ  
بِالْمُفْسِدِينَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ

ج

یہ ہاگل صحیح واقعات ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خداوند نہیں ہے، اور وہ اللہ ہی  
کی ہستی ہے جس کی طاقت سب سے بالا اور جس کی حکمت نظام عالم میں کارفرما ہے۔ پس اگر  
یہ لوگ (اس شرط پر مقابلہ میں آنے سے) موخہ موڑیں تو ان کا مفسد ہونا صاف کھل جائیگا  
اور اللہ تو مفسدوں کے حال سے واقف ہی ہے۔ ع

کہو، آئیے اپنی کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان

اور یہ کہ تقریب میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے کسی کا جواب بھی ان لوگوں کے پاس نہ تھا۔ یہ سمیت کے قصص خدا ہی سے  
کسی کے قریب میں بھی وہ خود اپنی کتب مقدسہ کی ایسی سند پاتے تھے جس کی بنا پر کمال یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے کہ ان کا  
حقد و سوا حق کے میں مطابقت ہے اور حقیقت اس کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ پھر یہی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت، آپ کی تعلیم  
اور آپ کے کائناتوں کو دیکھ کر انہی کی تائید و خدا اپنے دلوں میں آپ کی نبوت کے قائل بھی ہو گئے تھے یا کم از کم اپنے ائمہ میں جن کو  
بھوکے تھے اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ اچھا اگر تمہیں اپنے حقد سے کی صداقت کا پورا یقین ہے تو آؤ ہمارے مقابلہ میں  
دعا کرو کہ جو جو بنا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو، تو ان میں سے کوئی اس مقابلہ کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس طرح یہ بات تمام عرب کے  
سامنے کھل گئی کہ تمہاری سمیت کے پیشوا اور پادری جن کے تقدس کا مسکر اور دودھ رنگ لباس ہے وہ قابل دیکھنے بے اندک  
اتباع کر رہے ہیں جن کی صداقت پر خدا انہیں کمال اعتماد میں ہے۔

۵۶۶ یہاں سے ایک تیسری تقریر شروع ہوتی ہے جس کے مضمون پر خدا کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ  
جنگ بدر اور جنگ احد کے مہمیاں اللہ کی ہے۔ لیکن ان تیوں تقریروں کے درمیان مطالب کی ایسی قریبی مناسبت  
پائی جاتی ہے کہ شروع حدت سے لے کر یہاں تک کسی جگہ رد کا کام و لفظ نظر میں نہ آتا۔ اسی بنا پر بعض مفسرین کو شک ہوتا ہے  
کہ یہ بعد کی آیات بھی وہ نہیں مانی تقریر ہی کے سلسلے میں لگ رہی ہیں جو تقریر شروع ہو رہی ہے اس کا اختتام  
بتا رہا ہے کہ اس کے مخاطب بھی وہ ہیں۔

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِلَّا تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ  
لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا  
فَقُولُوا الشَّهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۶۲﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ  
فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ  
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۳﴾ هَآأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجِّجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ  
فَلِمَ تَحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

یہاں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منحہ مودیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہا، ہم تو مسلم صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے ہیں۔

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں ہم سے کہیں جھگڑا کرتے ہو، تو رات اور انجیل تو ابراہیم کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔ پھر کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ تم لوگ جن چیزوں کا علم رکھتے ہو ان میں تو خوب بحثیں کر چکے، اب ان معاملات میں کیوں بحث کرنے چلے ہو جن کا تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے،

۶۲ میں ایک ایسے عقیدے پر ہم سے اتفاق کرو جس پر ہم ہی ایمان لاتے ہیں جو تم سے تم بھی مقلدین رکھتے تمہارے اپنے انبیاء سے ہی عقیدہ منقول ہے تمہاری اپنی کتب مقدسہ میں اس کی تعلیم موجود ہے۔

۶۳ میں تمہاری یہ بیروت اور یہ نصرانیت ہر حال تو راۃ اور انجیل کے نزول کے بعد پیدا ہوئی ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کے نزول سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔ اب ایک مولیٰ جنس کا آدمی بھی یہ بات بتائی کہ ممکن ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جس مذہب پر تھے وہ ہر حال یہودیت یا نصرانیت تو نہ تھا۔ چہرہ اگر حضرت ابراہیم راہِ راست پر تھے اور نہایت یافتہ تھے تو اعمال اس سے لازم آتا ہے کہ آدمی کا راہِ راست پر ہونا اور نہایت پائا یہودیت و نصرانیت کی

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا  
وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳۹﴾  
إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ  
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۰﴾ وَذَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ  
أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۱﴾  
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَسْهَدُونَ ﴿۴۲﴾

تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک مسلم یک سوتر تھا اور وہ ہرگز مشرکوں  
میں سے نہ تھا۔ ابراہیم سے نسبت دکنے کا سبب زیادہ حق اگر کسی کو پہنچتا ہے تو ان لوگوں کو پہنچتا  
ہے جنہوں نے اس کی پیروی کی اور اب یہی اداس کے ماننے والے اس نسبت کے زیادہ  
حقدار ہیں۔ اللہ صرف انہی کا حامی و مددگار ہے جو ایمان رکھتے ہوں۔

(اے ایمان لانے والو!) اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں اہل کتاب  
ہٹا دے، حالانکہ درحقیقت وہ اپنے سوا کسی کو گمراہی میں نہیں مثال ہے جس میں گمراہی اس کا شوق  
نہیں ہے۔ اے اہل کتاب! کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود ان کا مشاہدہ کرتے ہو  
یہودی پر موقوف نہیں ہے۔ (ماخوذ سے سورہ بقرہ ما شہد شکلا وعلما۔)

۳۵۹ اہل میں سے نفع ضعیف متبادل ہوا ہے جس سے مراد ایسا شخص ہے جو ہر طرف سے مدد و پیور کر ایک خاص ہوتے  
پر ہے۔ اسی غم کو کہہ مئے مسلم یک سوتر سے ادا کیا ہے۔

نفع و سرور جس قدر کہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم خود گمراہی دیتے ہو۔ دونوں صدقوں میں غم و غم کی بات نہیں  
چتا۔ وہ اہل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی، اور صلاح و کام کی زندگیوں پر آپ کی تعلیم و تربیت کے حیرت انگیز اثرات کو  
دور دنیا پر غماں جو قرآن میں مدنا ہے، تھے، یہ مادی چیزیں اللہ تعالیٰ کی ایسی روشن آیات تھیں کہ جو شخص ایمان کے اصول  
کتاب آسمانی کے طرز سے واقف ہو اس کے لیے ان آیات کو دیکھ کر حضرت کی نعمت میں شک کا نام نہ ہو بلکہ تعجب

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْفُرُونَ بِالْحَقِّ وَ  
 أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ  
 لِمُنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَ  
 أَكْفَرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۚ وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَن  
 تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَى هُدَى اللَّهِ أَن يُؤْتَى أَحَدٌ  
 مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ

اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو، کیوں جانتے برجستے حق کو  
 چھپاتے ہو؟

اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اس نبی کے ماننے والوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے  
 اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کرو، شاید اس ترکیب سے یہ لوگ اپنے  
 ایمان سے پھر جائیں۔ نیز یہ لوگ آپس میں کہتے ہیں کہ اپنے مذہب والے کے سوا کسی کی  
 بات نہ مانو۔ اے نبی! ان سے کہہ دو کہ اہل میں ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے اور یہ اسی کی  
 دین ہے کہ کسی کو دہی کچھ دے دیا جائے جو کبھی تم کو دیا گیا تھا، یا یہ کہ دوسروں کو تمہارے  
 مذہب کے حضور پیش کرنے کے یہ تمہارے خلاف قوی حجت بل جانتے۔ اے نبی! ان سے کہو کہ  
 چنانچہ واقعہ ہے کہ بہت سے اہل کتاب اصرار مان کے اہل طہا یہاں پہنچے تھے کہ حضور نبی ہی جن کی آمد کا وعدہ فرمایا  
 مہجین نے کیا تھا حتیٰ کہ کبھی حق کی زبردست حجت سے مجبور ہو گئے کہ انہیں ہر ممکن صداقت و راستہ کی پیش کردہ تعظیم  
 کے مرتبے کو اس حد تک گرا دیتی تھیں، اسی وجہ سے قرآن ہر ملامت کو انہیں دیتا ہے کہ اللہ کی جتنی بات کو تم انکھڑے  
 دیکھ رہے ہو جن کی حقانیت پر تم خود گواہی دیتے ہو ان کو تم تصدق اپنے نفس کی شرارت سے چھڑا رہے ہو۔

لاحظہ! ان ہمارے میں سے ایک خیال حق و باطل اور حق کے حصے والے ہیں اور ان کے حصے اور مذہبی شیعوں  
 کی وجہ کو گورہ کر کے بے پتے رہتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو بدل کرنے اور جی ملی اثر علیہ وسلم سے مارنے غرض

الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦﴾  
يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٧﴾  
وَمَنْ أَهْلُ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ  
وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا  
دُمَّتْ عَلَيْهِ قَالِبَاءُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي

مفضل و شرف اللہ کے اختیار میں ہے، جسے پاس ہے عطا فرمائے۔ وہ وسیع النظر ہے اور سب کو  
جانتا ہے، اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اس کا فضل بہت بڑا ہے۔

اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے اعتماد پر مال و دولت کا ایک ڈھیر بھی  
دے دو تو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کر دے گا، اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے  
معاہدہ میں بھی اس پر بھروسہ کر دو وہ ادا نہ کرے گا، لہذا یہ کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ ان کی  
اس اخلاقی حالت کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اُمیوں (غیر پڑوسی لوگوں) کے معاہدہ میں

کو دھوکا دینے کے لیے غیور ہوں، آدمیوں کو تیار کر کے میرا شرع کیا تاکہ پہلے دلائل اسلام قبول کریں، پھر مرتد ہو جائیں پھر  
جگہ جگہ لوگوں میں شور مچاتے پھر یہ کہ ہم نے اسلام میں اور مسلمانوں میں ایمان کے بغیر میں یہ اور یہ غرایاں دیکھی ہیں جب تک  
ہم ان سے ایک نہ گئے۔

۲۷۔ اہل حق و راستہ استعمال ہوتا ہے، ہر مومن قرآن مجید میں موقع پکارتا ہے۔ ایک وہ موقع جہاں ان لوگوں  
کسی گروہ کی تنگ خیالی و تنگ نظری کا ذکر آتا ہے لہذا اس حقیقت پر متنبہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ اگر تم ساری  
طرح تنگ نظر نہیں ہے۔ ہر سوادہ موقع جہاں کسی کے نقل اور تنگ دلی اور کم چمکی پر ملامت کرتے ہوئے یہ بتاتا ہوتا ہے کہ  
اللہ فراخ دست ہے، تمہاری طرح بیل نہیں ہے۔ ہر سوادہ موقع جہاں لوگ اپنے خیال کی نگلی کے سبب سے اللہ کی  
طرف کسی قسم کی حدودیت منسوب کرتے ہیں اور انہیں یہ بتاتا ہوتا ہے کہ اللہ غیر محدود ہے۔ (لاحظہ فرمائیے جسدہ  
ما شہدہ ۲۷)

۲۸۔ یعنی اللہ کا علوم ہے کہ کوئی فضل و شرف کا مستحق ہے۔

الْأَمِينِ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۰﴾ بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأِيمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ

ہم پر کوئی نواخذہ نہیں ہے۔ اور یہ بات وہ معن جھوٹ گھر کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی ہے۔ آخر کیوں ان سے باز پرس نہ ہوگی؟ جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور بُرائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا کیونکہ پرہیزگار لوگ اللہ کو پسند ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، تو ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرتے گا۔

۱۳۱ میں نہایت اہمیات کا خلاصہ صرف یہودیوں سے معاملہ کرنے میں برتا جا رہا ہے، جبرہودی کا بال اگر لایا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ شخص یہودی عمام کا حاملہ خیال ہی نہیں تھا۔ اصل یہودیت کا پرانا ہی نظام ایسا بنا دیا گیا تھا کہ وہ اخلاقی احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان قدم قدم پر تفریق کرتا ہے۔ ایک ہی چیز اسرائیلی کے ساتھ کی جائے تو ناجائز ہے۔ عکاسی کا مذہب غیر اسرائیلی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ ایک ہی چیز اسرائیلی کے لیے حق ہے مگر غیر اسرائیلی کے لیے حق نہیں ہے۔ شفا بائبل میں حکم ہے کہ جو قرآن پاک شخص نے دوسرے کو دیا ہو وہ سات ملین گندے پتھر دے دیا جائے مگر یہی ہے قرآن کا ساتھ ہو سکتا ہے (استنار ۱۵: ۳)۔ ایک اور جگہ سورہ یونس سے منکر کیا گیا ہے، مگر قرآن میں سورہ فرقان دس تو ہے باپ جانی کا سورہ فرقان دہوتا (استنار ۲۳: ۲۰)۔ ایک اور جگہ لکھا ہے: اگر کوئی شخص اپنے اسرائیلی بھائیوں سے کسی کو ظلم پہنچا یا جینے کی نیت سے چھانا بڑھکلا جائے تو وہ چھار ڈالا جائے (استنار ۲۳: ۷)

۱۳۲ سبب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے ایسے سخت اخلاقی جرائم کرنے کے بعد بھی اپنی جگہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے روز یہودی اللہ کے قریب ہندے ہیں، ان کی طرف نظر حلت ہوگی، اور جو تھوڑا بہت انہوں کا میں دیکھیں ان کو لگا

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْعَنُونَ السِّتْرَ ثُمَّ لَا يَنْتَهُونَ  
بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَ  
يَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَ  
يَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۚ مَا كَانَ لِبَشَرٍ  
أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ  
لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا

بلکہ اُن کے لیے تو سخت دردناک سزا ہے۔

اُن میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا اُٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت ہے حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں تھی، وہ کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ملتا، وہ جان بوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نیت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے

ہے وہ بھی بزرگوں کے صدقے میں ان پر سے دھوڑا لاجائے گا حالانکہ وہ اہل ماں ان کے عاتقہ بالکل بڑکس عالم ہو گا۔

۱۱۹ اس کا مطلب اگرچہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کتاب اسی کے معانی میں تخریص کرتے ہیں، یا ان کا لفظ ان کے لیے  
کے کے کچھ سے کچھ مطلب نکالتے ہیں، لیکن اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کو پڑھتے ہوئے کسی خاص مفاد یا مقربہ  
کو جو ان کے مفاد یا ان کے خود ساختہ عقائد و نظریات کے خلاف پڑتا ہے زبان کی گردش سے کچھ یا کچھ بنا دیتے ہیں۔  
اس کی تفسیر قرآن کریم کے اس آیت سے اہل کتاب میں بھی مفہوم نہیں ہے۔ شافعی و گرجیوں کی بشریت کے منکر ہیں آیت  
عَلَّمَهُمْ قُلُوبُهُمْ لَئِنْ رَأَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطَةً لَّبِثُوا فِيهَا فَتًى يَّسِرًا  
میں ہوں میں بشر تم جیسا۔



لَتَبَيِّنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ  
تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَ  
النَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ  
مُسْلِمُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ  
مِّنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا

۱۱

رَبَّانِیٰ بزومیا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ دو تم سے  
ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بناؤ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں  
کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو؟

یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش  
سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اُسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو

۶۶۷ یہودیوں کے ان جو علماء مذہبی عہدہ دہرتے تھے اور جن کا کام مذہبی امور میں لوگوں کی رہنمائی کرنا اور  
مہارت کے قیام اور احکام دین کا اجرا کرنا ہوتا تھا ان کے یہ فظ رہنمائی استعمال کیا جاتا تھا یہاں کہ خود حق میں  
لیک جگہ ارشاد ہوا ہے لَوْلَا يَنْظُرُهُمُ الزُّلُمُ أَتَيْنُوا بِالْحَقِّ وَالْأَخْيَارِ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِسْلَامُ وَالْأَكْثَرُ الشُّعْتُ (ان کے  
رہنمائی اور ان کے علماء ان کو گناہ کی باتیں کرنے اور حرام کے مال کمانے سے کیوں نہ روکتے تھے۔ اسی طرح یہودیوں کے  
ہاں فظ (Divine) بمعنی رہنمائی کا ہی ہم معنی ہے۔

۶۶۸ یہ ان تمام فظ باتوں کی ایک جامع تردید ہے جو دنیا کی مختلف قوموں نے خدا کی طرف سے آئے  
ہوئے پیغمبروں کی طرف منسوب کر کے اپنی مذہبی کتابوں میں شامل کر دی ہیں اور جن کی رو سے کوئی پیغمبر یا فرشتہ  
کسی نہ کسی طرح خدا اور مبود قرار پاتا ہے۔ ان آیات میں یہ قاعدہ کلیہ بتایا گیا ہے کہ ایسی کوئی تعلیم جو خدا کے سوا  
کسی اور کی ہندگی و پرستش سکھاتی ہو اور کسی بندے کو ہندگی کی حد سے بڑھا کر خدا کی مقام تک لے جاتی ہو ہرگز  
کسی پیغمبر کی دی ہوئی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ جہاں کسی مذہبی کتاب میں یہ چیز نظر آئے، سمجھو کہ یہ گمراہ کن لوگوں کے  
عمریات کا نتیجہ ہے۔

مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ مَا أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ أَصْرِي قَالُوا اقْرَرْنَا وَقَالَ فَاكْفِهِمُوا  
وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۷۷﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ  
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۷۸﴾ أَفَغَيْرِ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ

پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہو گی۔  
یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی  
بجاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا اچھا  
تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں اور اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے  
وہی فاسق ہے۔

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں

۷۶ مطلب یہ ہے کہ ہر پیغمبر سے اس امر کا عہد لیا جاتا رہا ہے۔ اور جو عہد پیغمبر سے لیا گیا ہو وہ اعمال اس  
پر ردل ہو بھی آپ سے آپ کا عہد ہو جاتا ہے۔ کہ جو نبی ہماری طرف سے اُسی دین کی تبلیغ و اقامت کے لیے بھیجا جائے  
جس کی تبلیغ و اقامت پر تم مامور ہوئے ہو، اس کا تمہیں ساتھ دینا ہو گا۔ اُس کے ساتھ تم تعصب نہ کرتا، اپنے آپ کو دین کا  
اجارہ دار نہ سمجھنا، حق کی مخالفت نہ کرنا، بلکہ جہاں جو شخص بھی ہماری طرف سے حق کا پرچم بلند کرنے کے لیے اُٹھایا جائے  
اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا۔

یہاں اتنی بات، اللہ سبحانی چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی سے ہی عہد لیا جاتا رہا ہے اور اسی پر  
ہر نبی نے اپنی امت کو عہد کئے تھے والے نبی کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے۔ لیکن نہ قرآن میں  
نہ حدیث میں، کہیں بھی اس امر کا ذکر نہیں چنانکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عہد لیا گیا ہو یا آپ نے اپنی امت کو  
کسی عہد کے آنے والے نبی کی خبر دی ہے کہ اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو۔

۷۷ اس ارشاد سے متصور رہا کہ کتاب کو متنبہ کرنا ہے کہ تم اللہ کے عہد کو توڑ رہے ہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا  
اور ان کی مخالفت کر کے اُس ميثاق کی خلاف ورزی کر رہے ہو جو تمہارے انبیاء سے لیا گیا تھا، لہذا اب تم فاسق ہو چکے۔

وَكَلَّمَ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ  
 اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۴﴾ قُلْ اَمَّا بِاللهِ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا وَمَا  
 اَنْزَلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ الْاَسْبَاطِ  
 وَمَا اَوْقَىٰ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالتَّيْمُوْنُ مِنْ نَّارِهِمْ لَا تُفَرِّقُ  
 بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ  
 دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چاروں اچار اللہ ہی کی تابع فرمان (مسلم) ہیں اور ہی کی  
 طرف سب کو لوٹنا ہے، اسے نبی کہہ کہ ہم اللہ کو ماننے ہیں، اس تعلیم کو ماننے ہیں جو ہم پر  
 نازل کی گئی ہے، ان تعلیمات کو بھی ماننے ہیں جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور  
 اولاد یعقوب پر نازل ہوئی تھیں، اسیان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ اور  
 دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے  
 اور ہم اللہ کے تابع فرمان (مسلم) ہیں۔ اس فرمان برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور  
 طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام  
 ناکام اور رہے گا۔

یعنی اللہ کی اطاعت سے بخل نہ ہو۔

اللہ یعنی تمام کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا دین قریبی اسلام، یعنی اللہ کی اطاعت و بندگی ہے، اب ہم اس  
 کائنات کے اندر رہتے ہوئے اسلام کو چھوڑ کر اور کفر یا طریقہ زندگی کا رخ کر رہے ہو۔

یعنی ہمارا طریقہ یہ نہیں ہے کہ کسی نبی کی باتیں اور کسی کو نہ مانیں کسی کو جھوٹا کہیں اور کسی کو سچا۔ ہم تعصب اور  
 حیثیت پرستی سے پاک ہیں۔ دنیا میں جہاں اللہ کا بندہ بھی اللہ کی طرف سے حق ہے کہ کیا ہے، ہم اس کے حق ہونے پر

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا  
 أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
 الظَّالِمِينَ ﴿۳۷﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ  
 وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۳۸﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ  
 عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا  
 مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۴۰﴾ إِنَّ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ

کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت بخشے جنہوں نے نعمت ایمان پالینے کے بعد پھر کفر اختیار کیا حالانکہ وہ خود اس بات پر گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسول حق پر ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آچکی ہیں؛ اللہ ظالموں کو تو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ان کے ظلم کا صحیح بدلہ یہی ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی پشکار ہے، اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کی سزائیں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں صلت دی جائے گی۔ البتہ وہ لوگ اس سے بچ جائیں گے جو توبہ کر کے اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ مگر جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا پھر اپنے کفر میں جڑھتے چلے گئے ان کی توبہ

شہادت دیتے ہیں۔

۳۷۔ یہاں پھر اسی بات کا اعادہ کیا گیا ہے جو اس سے قبل بار بار ایمان کی جاچکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں عرب کے یہودی علماء وہاں چکے تھے اور ان کی زبانوں سے نکلتے اس امر کی شہادتیں ادا ہو چکی تھیں کہ آپ نبی برحق ہیں اور تعلیم آپ لائے ہیں وہ دینی تسلیم ہے جو پیچھے انبیاء لاتے رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کہا وہ محض تعصب، ضد اور دشمنی حق کی اس پرانی عادت کا نتیجہ تھا جس کے وہ صدیوں سے مہم چلے آ رہے تھے۔

تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الصَّالَتُونَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَآوَاوُوا  
وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلُّ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ  
افْتَدَىٰ بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَكُمْ مِنْ تُحَرِّينَ ۙ  
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ

بھی قبول نہ ہوگی، ایسے لوگ تو بکے گمراہ ہیں۔ یقین رکھو، جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور  
کفر ہی کی حالت میں جان دی ان میں سے کوئی اگر اپنے آپ کو سزا سے بچانے کے لیے  
رُوتے زمین بھر کر بھی سونا نہ دیں دے تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے  
وردناک سزا تیار ہے اور وہ اپنا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔  
تم نیکو کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں اخلاقی راہ میں خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔

۱۱۱۱ یعنی موت، انکار ہی پر بس نہ کی مگر مطلقاً مخالفت و مزاحمت بھی کی، لوگوں کو خدا کے راستے سے ہٹانے کی  
کوشش میں رہی جو نیک کا زور لگا، شبہات پیدا کیے، بدگمانیاں پھیلانیں، دونوں میں دھوسے ڈالے، اور بدترین  
سازشیں اور ریشہ داندیاں کینے لگنی کا مشن کسی طرح کا مبالغہ نہ ہونے پائے۔

۱۱۱۱ اس سے تصور ان کی اس غلافی کو دور کرنا ہے جو وہ نیکی کے بارے میں رکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ  
میں نیکی کا بند سے بند تصور یہ تھا کہ صدیوں کے ثارث سے تشریع کی جڑ ایک خاص ظاہری شکل ان کے ہاں بن گئی  
تھی اس کا پورا جوہر آدمی اپنی زندگی میں تارے دوران کے علامتی قانونی مشاہدوں سے جڑ ایک جہاں چڑھتی نظام بن گیا  
تھا اس کے مطابق دست دین زندگی کے چھوٹے چھوٹے ضمنی و فردی معاملات کی ناپ تول کر رہا ہے۔ اس تشریع کی اوپری  
سطح کے نیچے باعمرم ہیرو دیوں کے بڑے بڑے دیندار لوگ تنگ دلی عرصوں میں، حق پرستی اور حق فردیت کے محبوب  
چھپاتے ہوئے تھے اور اسے ملامت ان کو نیک سمجھتی تھی، اسی غلافی کو دور کرنے کے لیے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ نیک  
انسان نہ ہونے کا مقام ان چیزوں سے بالاتر ہے جن کو تم نے دایرہ و صلاح سمجھ رکھا ہے۔ نیکی اہل روح خدا کی جو ہے،  
ایسی جوت کر خدا نے انہی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر نہ ہو جس چیز کی محبت، بھی آدمی کے دل پر اپنی غالب آجاتے  
کہ وہ اسے خدا کی محبت پر قربان نہ کر سکتا ہو، اس میں ہی محبت ہے اور جب تک اس محبت کو آدمی توڑ دے، نیکی کے دوا دے

وَمَا تُفْقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ كُلُّ اطْعَامٍ كَانَ  
حَلَالًا لِبَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَءِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ  
قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ فَاتَوَا بِالتَّوْرَةِ قَاتِلُوهَا  
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸﴾ فَمِنْ أَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ

اور جو کچھ تم فرج کر دو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہو گا۔

کھانے کی یہ ساری چیزیں (جو شریعت محمدی میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے  
بھی حلال تھیں؛ البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں جنہیں توراۃ کے نازل کیے جانے سے پہلے  
اسرائیل نے خود اپنے اور پر حرام کر لیا تھا۔ ان سے کہو اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو تو  
اور توراۃ اور پیش کردار اس کی کوئی عبادت۔ اس کے بعد بھی جو لوگ اپنی جھوٹی گھڑی ہوئی باتیں

ابھرنے لگیں۔ اس نعرے سے خالی ہونے کے بعد ظاہری تشویش کی حیثیت میں اس جگہ رد و فن کی سی ہے جو کس کائی ہوئی  
کھڑی پر پھیر دیا گیا ہو۔ انسان ایسے دو فنوں سے دھوکا کھا سکتے ہیں، مگر خدا نہیں کھا سکتا۔

۱۷ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر جب علماء ربودہ کوئی اعتراض نہ کر سکے (کہہ کرکہ اس میں وہ  
بھی ائمہ پر ہے ان میں انبیاء سابقین کی تعلیمات اور نبی محمدی کی تعلیم میں یک سرور فرق نہ تھا) تو انہوں نے فقہی اعتراضات  
شروع کیے۔ اس سلسلہ میں ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ یہاں نے کھانے پینے کی بعض ایسی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو  
پچھلے انبیاء کے زمانہ سے حرام تھیں (آری ہیں)۔ اسی اعتراض کا یہاں جواب دیا جا رہا ہے۔

۱۸ اسرائیل سے مراد ان ہی اسرائیل لیے جانے والی چیزیں ہیں جو کہ توراۃ سے قبل بعض چیزیں بنی اسرائیل  
نے کھیں مگر حرام قرار دی گئیں تھیں۔ اور اگر اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کا مطلب ہو گا کہ انہوں نے  
بعض چیزوں سے طبعی کہمت کی بنا پر کسی مرض کی بنا پر احتراز فرمایا تھا اور ان کی اولاد نے بعد میں انہیں منوع سمجھا۔  
یہی ملاحظہ کر رکھنا کہ روایت زیادہ مشہور ہے۔ اور بعد ازاں آیت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے کھانے  
دین کی حرمت کا جو حکم اسرائیل میں لکھا ہے وہ اصل توراۃ کا حکم نہیں ہے بلکہ یہودی علماء نے بعد میں اسے اصل کتب  
کر دیا ہے۔ (مفضل بحث کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ انفاس ماحشرہ ۱۷)

مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵۰﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ  
فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۵۱﴾  
إِن أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى  
لِّلْعَالَمِينَ ﴿۵۲﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ

اللہ کی طرف منسوب کرتے رہیں وہی درحقیقت ظالم ہیں۔ کہو، اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے، تم کو کیسے ہو کر ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیے، اور ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنا یا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، ابراہیم کا مقام عبادت ہے، اور اس کا حال

۵۰ مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی زیارت میں کہاں جا پیسے جو۔ دین کی جڑ قرآن و حدیث کی ہدایت ہے جسے تم نے چھوڑ دیا اور شرک کی آگوشلی میں مبتلا ہو گئے۔ اب بحث کرتے ہوئے مسائل میں، حالانکہ یہ وہ مسائل ہیں جو اہل بیت علیہم السلام سے منہ جمانے کے بعد خطا کی طویل مدتیوں میں تمہارے علم کی مڑ گانہوں سے پیدا ہوئے ہیں۔

۵۱ یہودیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر مکہ کو قبلہ کیوں بنایا، حالانکہ پہلے انبیاء کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا۔ اس کا جواب سورہ بقرہ میں دیا جا چکا ہے۔ لیکن یہودی اس کے بعد بھی اپنے اعتراض کو ٹھہرو ہے۔ لہذا یہاں پھر اس کا جواب دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کے متعلق خود انبیاء ہی کی شہادت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ چھ ہزار برس بعد حضرت سلیمان نے اس کو تعمیر کیا (۱۔ سلاطین، باب ۷۔ آیت ۱۱)۔ اور حضرت سلیمان ہی کے زمانہ میں وہ قبلہ الہی کو حیدر قرار دیا گیا کہ کتاب مذکور باب ۸، آیت ۱۶۔ ۳۰۔ برعکس اس کے یہ تمام عرب کی متراثر و متفق علیہ روایات سے ثابت ہے کہ مکہ کو حضرت ابراہیم نے تعمیر کیا، اور وہ حضرت موسیٰ سے آٹھ سو برس پہلے جوئے ہیں۔ لہذا مکہ کی اولیت ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔

۵۲ یعنی اس گھر میں ایسی صریح علامات پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت میں قبول

دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۖ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجْرُ الْبَيْتِ مَنِ  
 اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَفِيٌّ عَنِ  
 الْعَالَمِينَ ۝ قُلْ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ  
 وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ  
 لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا  
 وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مومن ہو گیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے  
 کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے  
 تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

کو، اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ کی باتیں ماننے سے انکار کرتے ہو، جو جو کتنی تم کو پہنچے  
 اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کو، اے اہل کتاب! یہ تمہاری کیا روش ہے کہ جو اللہ کی بات ماننا ہے  
 اُسے بھی تم اللہ کے راستے سے روکتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھی راہ چلے حالانکہ تم خود اس  
 راہ راست ہونے پر گواہ ہو۔ تمہاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں ہے۔

ہمارے احسا سے اللہ نے اپنے گھر کی حیثیت سے پسند فرمایا ہے۔ تو حق یہاں میں بنایا گیا اور پھر اللہ نے اس کے  
 حرم میں رہنے والوں کی رزق رسائی کا ستر سے بستر انتظام کر دیا۔ تعالیٰ ہندوؤں تک جاہلیت کے جب تک مالا مال عرب  
 متناہی بڑائی کی حالت میں نہ تھا، اگر اس فساد بھری سرزمین میں کعبہ اطراف کعبہ ہی کا ایک خطہ ایسا تھا جس میں امن قائم تھا۔  
 بلکہ اسی کعبہ کی برکت تھی کہ مال بھر میں چار مہینہ کے لیے لڑے، ملک کو اس کی بدولت امن برقرار تھا، چار مہینہ  
 صدی پہلے ہی سب دیکھ چکے تھے کہ یہ جہنم کی جگہ کبھی حروب کے لیے کرپڑی تھی، قس کی فوج کس طرح قہر لائی کی غلبہ تھی۔  
 اس واقعہ سے اس وقت عرب کا بچہ بچہ واقف تھا، احسا کے حرم و مٹا ہوا ان آیات کے نزل کے وقت موجود تھے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فِرْيَقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا  
الْكِتَابَ يَرُدُّكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرًا ۖ وَيَكَيْفَ تَكْفُرُونَ  
وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ  
يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۙ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ  
مُسْلِمُونَ ﴿۱۶﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

اے ایمان لانے والو! اگر تم نے ان پہلی کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو تمہیں  
ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ تمہارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع  
باقی ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے؟  
جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تمہارے گاہدہ منور راہِ راست پالے گا۔

اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ  
آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب بل کر اللہ کی رنجی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

۱۶۔ ہدایت کے تاریک دور میں بھی اس گمراہ احترام تھا کہ خون کے پیالے دشمن ایک دوسرے کو دھما  
دیکھتے تھے اور ایک کو دوسرے پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

۱۷۔ میں مرتے دم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفا دہی پر قائم رہوں۔

۱۸۔ اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے، اور اس کو رسی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ وہ وحشت ہے جو  
ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت  
بناتا ہے۔ اس رسی کو مضبوط پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی گاہدیں اہل ہدایت دین کی ہر ماسی سے ان کو کچھ  
ہو، اسی کی انعامت میں مدد کو شامل رہیں اور اسی کی خدمت کے لیے پیغمبر میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی انسانی تعلیمات  
اور اس کی انعامت کے نصب العین سے مسلمان بنے اور ان کی قربات اور دلچسپیاں جزئیات و ذریعہ کی طرف منحرف

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ  
 قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ  
 مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ  
 تَهْتَدُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ

اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے  
 تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے  
 بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا، اُس طرح  
 اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی طرح کا  
 سیدھا راستہ نظر آجائے۔

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضروری رہنے چاہیے جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا

پہنچیں، پھر ان میں لانا وہی تفرقہ و اختلاف دھوا ہوائے گا جو اس سے پہلے دنیا و عیسٰی اسلام کی امتوں کو ان کے اصل  
 مقصد حیات سے منحرف کر کے دینا اور محضت کی دوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔

۱۳؎ یہ اشارہ ہے اُس حالت کی طرف جس میں اسلام سے پہلے اہل عرب مبتلا تھے۔ قبائل کی باہمی عداوتیں،  
 بات بات پر ان کی لڑائیاں، اور شب و روز کے کشت و خون، جن کی ہمدست قریب تھا کہ یہی عرب قوم میں سختی و بھائی  
 اس ناگ میں بدل مرنے سے اگر کسی چیز نے انہیں بچا یا تو وہی نعمت اسلام تھی۔ یہ بات جس وقت نازل ہوئی جس سے  
 تین ہزار سال پہلے ہی دین کے لوگ مسلمان ہوئے تھے، اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی نعمت صوبہ دیکھ رہے تھے کہ انوں اور  
 خیر کے وہ نتیجہ جو اسی سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، باہم مل کر شہ و ملک ہو چکے تھے اور یہ  
 وہ دن قریب کر رہے آئے تھے جہاں عابریں کے ساتھ ایسے بے نظیر ائمہ و دجوت کا بتاؤ کر رہے تھے جو ایک خانہ خانہ کے  
 لوگ بھی آپس میں نہیں کہتے۔

۱۴؎ یعنی اگر تم آنکھیں رکھتے ہو تو ان علامتوں کو دیکھ کر طوطا غارہ کر کے کہہ کر لیا تمہاری طرح اس میں کو  
 ضمیمہ تھا جس میں ہے یا اسے جو کہ اُس حالت کی طرف پلٹ جانے میں جس کے اندر تم پہلے مبتلا تھے، یہاں لانا

بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۲﴾  
 وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ  
 الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ  
 وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ  
 بَعْدَ آيَمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۴﴾  
 وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ  
 فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۵﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ

حکم دیں، اور براہینوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔ کہیں تم  
 اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر  
 اختلافات میں مبتلا ہوئے جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس رعد سخت سزا پائیں گے جبکہ کچھ  
 لوگ سرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا مونہ کالا ہوگا جن کا مونہ کالا ہوگا ان سے کہا جائیگا کہ تم اپنا  
 پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا، اچھا تو اب اس کفرانہ نعمت کے بدلے میں عذاب کا  
 مزہ چکھو۔ یہ وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو ان کا اللہ کے دامن رحمت میں جگہ ملے گی  
 اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔ یہ اللہ کے ارشادات ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سنائے ہیں  
 اہل غیر خدائے اللہ اور اسی کا رسول ہے یا وہ میری اور مشرک اور منافق لوگ جو تم کو حالت سابقہ کی طرف پرتا رہے ہیں  
 کوشش کر رہے ہیں؟

یہ اشارہ ان امتوں کی طرف ہے جنہوں نے خدا کے پیغمبروں سے دین حق کی حالت میں یہ دعویٰ کیا تھا  
 پائیں مگر کچھ مدت گزرنے کے بعد اس دین کو چھوڑ دیا اور غیر متعلق مخفی مخفی مسائل کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنانے  
 شروع کر دیے، پھر فضول دلائل باتوں پر چڑھ کر نے میں ایسے مشغول ہوئے کہ انہیں اس کام کا جوش رہا جو اللہ نے حق کے

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿۸۸﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا  
فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۸۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ  
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْتُونَ  
بِاللَّهِ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمْ

کیونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اہل کتاب ایمان لاتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ

بہرہ دار تھے اور ان کے عقائد و افواج کے ان بنیادی اصولوں سے کوئی دلچسپی ہی نہ رہی جن پر حقیقت انسان کی فلاح و سعادت کا مدار ہے۔

۸۸ یعنی چونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اس لیے وہ ان کو سیدھا راستہ بھی بتا رہا ہے اور ان سے بھی نہیں قیل و قوت مانگا۔ کیے دیتا ہے کہ آخر کار وہ کن امر پر ان سے باز پرس کرنے والا ہے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کج روی اختیار کریں اور اپنے غلط طرز عمل سے باز نہ آئیں وہ اپنے آپ کو ظلم کریں گے۔

۸۹ یہ وہی مضمون ہے جو سورہ بقرہ کے سترھویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی مامت و رہنمائی کے جس منصب کی اسرائیل اپنی ناپلی کے باعث معزول کیے جا چکے ہیں اس پر اب تم امر کیے گئے ہو۔ اس لیے کہ اطلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں جسے بہتر انسانی گروہ بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو مامت و اصلاح کے لیے ضروری ہیں یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ و عمل اور اللہ کے لائق و مستحق اور اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ کام کرنے کا جذبہ لازم ہے اور جس لازم ہے کہ ان کی ذمہ داریاں لکھو اور ان طریقوں سے جو جو تمہارے پیش رو کیے ہیں۔ (ماخذ پر سورہ بقرہ ص ۱۱۲ و ۱۱۳)

۸۹ یہاں اہل کتاب سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ د

الْمُؤْمِنُونَ وَكَثُرَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۵﴾ لَنْ يَصُرُوا كُفْرًا إِلَّا أَدْنَىٰ  
وَأَنْ يُقَاتِلُوا كُفْرًا يُلُوْا كُفْرًا الْأَدْبَارَتِ ثُمَّ لَا يَنْصَرُونَ ﴿۱۶﴾  
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا تَقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ  
وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبِأَمْرٍ يُغْضِبُ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ  
الْمَسْكَنَةُ ذَلِكُمْ يَأْتِهِمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ  
يَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكُمْ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا  
يَعْتَدُونَ ﴿۱۷﴾ لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ

ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں گمراہ۔ کے بیشتر افراد نافرمان ہیں یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے،  
زیادہ سے زیادہ بس کچھ ستا سکتے ہیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں گے تو مقابلہ میں پیٹھ دکھائیں گے،  
پھر ایسے بے بس ہوں گے کہ کہیں سے ان کو مدد نہ ملے گی۔ یہ وہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت  
کی مار ہی پڑی کہیں اللہ کے دُتر یا انسانوں کے دُتر میں پناہ مل گئی تو یہ اُورات ہٹتے یہ اللہ کے  
غضب میں گھر چکے ہیں، ان پر عجمی و مغربی مسلط کر دی گئی ہے، اور یہ سب کچھ صرف اس  
صے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا یہ  
ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔

گودالے اہل کتاب کیساں نہیں ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہِ راست پر قائم ہیں،

۱۵ یعنی دنیا میں اگر کہیں ان کو قہر و ہمت، امن میں نصیب بھی ہوتا ہے تو وہ ان کے اپنے دل سے یہ قائم کیا ہوا  
امن میں نہیں ہے کہ وہ مردوں کی حریت اور عجمی کا تہم ہے کہیں کسی مسلم حکومت نے ان کو خدا کے نام پر پناہ نہ دی  
اور کہیں کسی غیر مسلم حکومت نے اپنے طور پر انہیں اپنی حریت میں لے لیا۔ اسی طرح بسا اوقات انہیں دین میں کہیں نہ رکھنے  
کا موقع بھی مل گیا ہے، لیکن وہ بھی اپنے زورِ ہلاوت سے نہیں بکھر سکتے تھے یہاں سے مراد یہ ہے۔

يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْكَأَ الْإِيلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُونَ  
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا  
يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا بِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾  
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ  
اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾  
مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ  
أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ

ماتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ اور روزِ آخرت پر  
یہاں رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں  
سرگرم رہتے ہیں۔ یہ صلح لوگ ہیں اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائیگی،  
اللہ پر مہیزگار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا تو اللہ کے  
مقابلہ میں ان کو نہ ان کا مال کچھ کام دے گا نہ اولاد، وہ تو آگ میں جانے والے لوگ ہیں اور  
آگ ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو کچھ وہ اپنی اس دنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں اس کی  
مشال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہوا ردہ ان لوگوں کی کمیٹی پر چلے جنہوں نے  
اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہے اور اسے برباد کر کے رکھ دیتے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا

۹۱۔ اس مثال میں کمیٹی سے مراد پریشانیات ہے جس کی اصل آدی کر آخرت میں کافی ہے۔ ہوا سے مراد

وہ ادھی ہڈیہ خیر ہے جس کی بنا پر کفار و منافق عام کے کاموں اور غیرات و غیرہ میں دولت صرف کرتے ہیں۔ اور پالنے سے مراد

وَلَكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۵﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا

در حقیقت یہ خود اپنے اور ظلم کر رہے ہیں۔

اسے ایمان لانے والا اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی کے کسی مرتع سے فائدہ اٹھانے میں نہیں چوکے۔ تمہیں جس چیز سے

صحیح ایمان اور ضابطہ خداوندی کی پیروی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے اس کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نیکوئی سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح ہر ایک کیتھول کی پرورش کے لیے عید ہے لیکن اگر اسی ہمیں بالا ہو تہہ کیتھول کو پرورش کرنے کے بجائے اسے تہا کر دانتی ہے اس طرح غیوت بھی اگرچہ انسان کے مروتہ فوت کر پرورش کرنے والی چیز ہے مگر جب اس کے اندر کفر کا زہر ملا ہوا ہو تو یہی غیوت مفید ہونے کے بجائے اٹلی منگ بن جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا مالک اللہ ہے اور اس مال کا مالک بھی اللہ ہی ہے جس میں انسان تصرف کر رہا ہے، اور یہ ملکیت بھی اللہ ہی کی ہے جس کے اندر وہ انسان کام کر رہا ہے۔ اب اگر اللہ کا یہ غلام اپنے مالک کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہیں کرتا یا اس کی بندگی کے ساتھ کسی اور کی ناجائز بندگی بھی شریک کرتا ہے، اور اللہ کے مال اور اس کی ملکیت میں تصرف کرتے ہوئے اس کے قانون و ضابطہ کی اطاعت نہیں کرتا، تو اس کے یہ تمام تصرفات ذمہ تپا جو تم بن جاتے ہیں۔ اور دنیا کی سادہ داس کا حق ہے کہ ان تمام حرکات کے لیے اس پر فوجی قائم کر دیا جائے اس کی شہادت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ڈاکو اپنے ہتھیار کی اجازت کے بغیر اس کا گزرنہ کہے اور جہاں جہاں اپنی دانت میں مناصب سمجھے خرچ کر لے۔

۹۲ مینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ انوس اور غریز کے لوگوں کی تہذیب زمانہ سے دوستی چلی آتی تھی۔ انفرادی طور پر یہی یوں قیلوں کے افراد ان کے افراد سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور قبائلی حیثیت سے بھی یہ اور وہ ایک دوسرے کے حباب اور طبیعت تھے۔ جب انوس اور غریز کے قبیلے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی وہ یہودیوں کے ساتھ وہی پرانے تعلقات نہا رہے اور ان کے افراد اپنے سابق یہودی دوستوں سے اسی محبت و خلوص کے ساتھ ملتے رہے۔ لیکن یہودیوں کو کبھی عربی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے شہن سے دوستانہ دوستی ہو گئی تھی اس کی بنا پر وہ کسی ایسے شخص سے غلط فہم نہ ہونے کے لیے تیار نہ تھے جو اس نئی تحریک میں شامل ہو گیا ہو۔ انہوں نے انصار کے ساتھ ظاہر میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آتے تھے، مگر دل میں وہ اب ان کے سخت دشمن ہو چکے تھے اور اس ظاہری دوستی سے نہایت فائدہ اٹھا کر ہر وقت اس کو شمش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ و فساد برپا کر دیں اور ان کے جماعتی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں ان کی

مَا عِنتُمْ قَدْ بَدَاتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَخَفَى صُلُوهُمُ  
 الْكِبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۱۸﴾ لَهَا نْتُمْ أَوْلَاءُ  
 يُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا الْقُومُ  
 قَالَُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَظِيمًا إِنْ كُنَّا مُلَ مِنَ الْغَيْظِ  
 قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنْ اللَّهُ عَلِيمٌ ذُنَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۱۹﴾ إِنْ  
 تَسْسَكُمُ حَسَنَةٌ تَسُوهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا  
 بِهَا وَإِنْ تُصِبرُوا وَاتَّقُوا لَا يَضُرَّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا

نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے مونہ سے بھلا پڑتا ہے اور جو کچھ  
 وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے ہم نے تمہیں صاف صاف  
 ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے، تم ان سے  
 محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتبِ سماوی کو ماننے ہو جب وہ تم سے  
 ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب کو) مان لیا ہے، مگر جب بُدا  
 ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چلانے لگتے  
 ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اپنے غصہ میں آپ جل مرو، اللہ دلوں کے چھپے ہوئے مآز تک جانتا ہے۔  
 تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں مگر انکی  
 کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔

اسی مآخذِ حدیث سے مسلمانوں کو حق و باطل کی ہدایت فرما رہا ہے۔

۱۱۹ یعنی یہ عیب ابراہیمؑ کے کلمات، جہاں سے اس کے کہتے ہیں ان کو تم سے ہے تم تو قرآن کے



إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۳۰﴾ وَإِذْ عَدُوَّتُمْ مِنْ  
أَهْلِكُمْ تَبَوُّىَ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ

جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس پر حاوی ہے ۳۰

(۳۰) تبوئی غیر مسلمانوں کے سامنے اس موقع کا ذکر کروا جب تم مع سرور سے اپنے گھر سے نکلے تھے اور (اعداء کے میدان میں) مسلمانوں کو جنگ کے لیے جا بجا امور کر رہے تھے۔

ساتھ قرآن کو بھی سامنے تھا جس سے ان کو تم سے شکایت ہونے کی کوئی احتمال نہیں ہو سکتی۔ اہل بیت علیہم السلام اگر ہو سکتی تھی تو تمہیں ان سے ہو سکتی تھی کیونکہ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔

۳۱ یہاں سے جو مخاطب شروع ہوتا ہے یہ جنگ اعداء کے بعد انانل ہوتا ہے اور اس میں جنگ اعداء پر ہو گیا ہے۔ اور یہ کہ غلبہ کو ختم کرتے ہوئے ان میں ارشاد خدا تھا کہ ان کی کوئی تدبیر تمہارے غلبہ کا روگ نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم مجھ پر کام لانا شروع نہ کرو گام کرتے رہو۔ اب چونکہ اعداء میں مسلمانوں کی شکست کا سبب یہی ہوا کہ ان کے اعداء میری بھی کسی تھی اور ان کے اطراف سے بعض ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوئی تھیں جو خلافت کے خلاف تھیں، اس لیے یہ غلبہ جس میں انہیں ان کو زور دینا پڑتا تھا کیا گیا ہے، خدا پر ہا فقرے کے بعد ہی متعلقہ صریح کیا گیا۔

اس خطبہ کا انداز بیان یہ ہے کہ جب اعداء کے سلسلہ میں جتنے اہم واقعات پیش آئے تھے ان میں سے ایک ایک کو لے کر اس پر چند چھپے چھپے قرون میں مذہبیت بن کر آمیزہ بھر دیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اس کے حقائق کو پس منظر کو لگا دیں دیکھا ضروری ہے۔

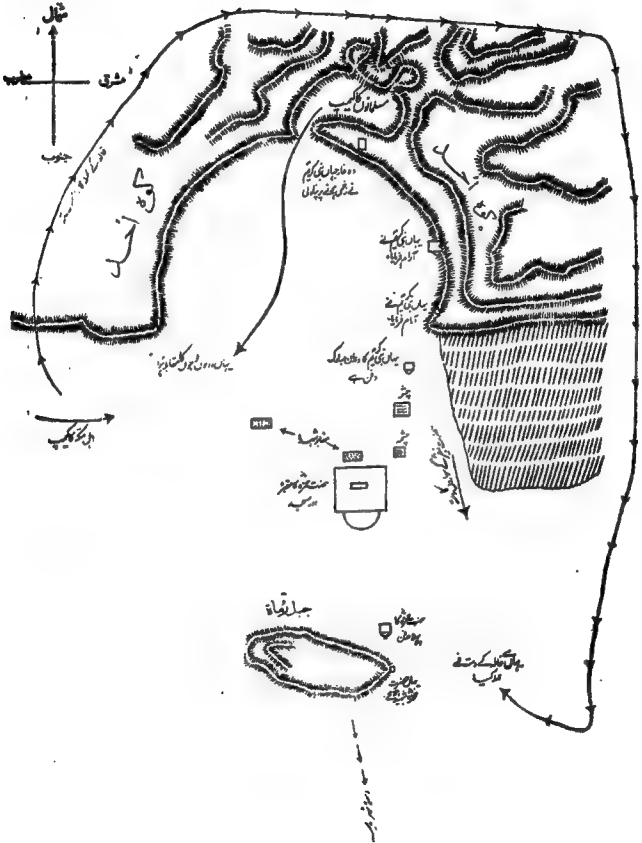
شمال مسلمانوں کی ابتدا میں اعداء قریش تقریباً ۳ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ تعداد کی کثرت کے علاوہ ان کے پاس ساز و سامان بھی مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ تھا، اور پھر وہ جنگ ہار کے انتقام کا شدید جوش بھی لکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کا مصاہرہ کرانے یہ بھی کہ مدینہ میں محمد پر جو کراہت کی جاتی تھی، مگر چند خواجوں نے ہشامہ کے شوق سے بے تاب تھے اور جن میں ہمدانی جنگ میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا، ہامہ کل کو روئے ہامہ اور ایک د آخو کا لائن کے اطراف سے مجبور ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہامہ کلنے ہی کا فیصلہ فرمایا۔ ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے مگر مقام شرط پہنچ کر خداوند ابن ابی اسحق نے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ میں وقت پر اس کی اس حرکت سے مسلمانوں کے لشکر میں اچھا خاصا اضطراب پھیل گیا، حتیٰ کہ بڑے سلاحدار ہشامہ کے دگ تو ایسے دل شکستہ ہونے کہ انہوں نے بھی پلٹ جانے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر پھر اولاد انصرم مصاہرہ کی کوششوں سے یہ اضطراب دفع ہو گیا۔ ابن ابی نذہ مات سواد میں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور اعداء کی پہاڑی کے باطن میں آمدین سے

جو حقوق ملوگا

# نقشه جنگ اُت

تفہیم القرآن

ایک لاکھ پانچ سو سو  
متر ۱۶۵۰ - ۱۶۵۰





## وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸﴾ اِذْ هَمَّتْ طَآئِفَتٌ مِّنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا

اللہ مادی باتیں سنتا ہے اور وہ نہایت باخبر ہے۔

یاد کر وجہ تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے، حالانکہ

تقریباً پانچ سال کے فاصلہ پر اپنی فوج کو اس طرح صاف آؤ لیا کہ پہاڑ پشت پر تھا اور قریش کا لشکر سامنے۔ پہلو میں صرف ایک درہ ایسا تھا جس سے چابک جو خاطر ہو سکتا تھا۔ وہاں آپ نے جلال اللہ بن جہیر کے زیر قیادت سپاہیوں کو بٹھا دیے اور ان کو تاکید کر دی کہ کسی کو ہمارے قریب نہ پھٹنے دینا، کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا، اگر تم دیکھو کہ سپاہی لڑناں پر بندے لڑے لیے جاتے ہیں تب بھی تم اس جگہ سے نہ ٹھٹھاؤ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ ابتداً مسلمانوں کا پتہ بھاری رہا یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کمال فتح کی حد تک پہنچانے کے لیے مسلمان بالی قیمت کی صلح سے مغلوب ہو گئے اور انہوں نے دشمن کے لشکر کو دنا شروع کر دیا۔ آخر جن تیر اندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انہوں نے جو دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے اور قیمت ٹٹ رہی ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر قیمت کی طرف لپکے۔ حضرت جلال اللہ بن جہیر نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکید حکم یاد دلا کر بتایا کہ اگر چند آدمیوں کے ساتھ کوئی نہ ٹھٹھاؤ۔ اس موقع سے خالد بن ولید نے جو اس وقت لشکر کفار کے رسالہ کی کمان کر رہے تھے بروقت فائدہ اٹھایا اور سپاہیوں کا چکر کاش کر پہلو کے درہ سے حملہ کر دیا۔ جلال اللہ بن جہیر نے جو کے ساتھ صرف چند ہی آدمی دے گئے تھے، اس حملہ کو روکنا چاہا مگر خلافت ذکر کے اور یہ سیلاب چاک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا اور دوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہو گئے۔ اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا اور مسلمان اس غیر متوقع صورت حال سے اس قدر صدمہ ہوئے کہ ان کا ایک بڑا احمد پانگہ ہو کر بھاگ نکلا۔ تاہم چند بہادر سپاہی ابھی تک یہاں میں ڈٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑ گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ اس خبر نے صحابہ کے رہے سے ہوش و حواس بھی گم کر دیے اور باقی فائدہ لوگ بھی قیمت ہار کر ہٹ گئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پیش صرف دس ہارہاں ٹٹا رہے تھے اور سب خود غمی ہو چکے تھے۔ شکست کی کھیل میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ لیکن میں وقت پر صحابہ کو سلام ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کو سلامت پہاڑی کی طرف لے گئے۔ اس موقع پر یہ ایک خاصہ جو علی نہیں ہو سکا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے کفار کو خود بخود ہار میں پھیر دیا مسلمان اس قدر پراگندہ ہو چکے تھے کہ ان کا کچھ جمع ہو کر باقاعدہ جنگ کا مسئلہ تھا۔ اگر کفار اپنی فوج کو کمال تک پہنچانے پر اصرار کرتے تو ان کی کامیابی بیک وقت بھی ہو نہ مسلم کس طرح وہ آپ ہی آپ یہاں چھوڑ کر انہیں چلے گئے۔

۵۹۵ء اشارہ ہے بڑے سردار ویرناغی کی طرف جن کی جہتیں جلال اللہ بن ابی ابراہیم کے ماتحتوں کی رہائی کے

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرِ وَانْتَمَ آذِلَةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿۳۴﴾ اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُبَدِّلَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُزْلِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ بَلَىٰ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا وَ يَأْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُبَدِّلْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرًا لَّكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهٖ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اشدان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ آخر اس سے پہلے جنگ ہدیس اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا مالا نکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے۔ لہذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی نافرمانی سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟۔ بے شک اگر تم مبرک رعد خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اسی آن تمہارا رب تین ہزار نہیں، پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتادی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اللہ تمہارے مدد ملے ہو عاتیں فسخ و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے

بدلت ہو گئی تھیں۔

۹۶ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایک طرف دشمن تین ہزار ہیں اور ہمارے ایک ہزار ہیں سو بھی تین سو الگ ہو گئے ہیں قرآن کے دل ڈٹنے لگے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ الفاظ کہے تھے۔

الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ  
يَكْتَبَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝ كَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ  
شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝  
وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يُغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَ  
يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ  
آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمُ الَّتِي بَنَيْتُمُوهَا لِلْغِيٰثِ  
مُضَاعَفَةً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے۔ (اور یہ مدعوہ تمہیں اس لیے دے گا تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادوں کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔

(اے پیغمبر!) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے چاہے سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہے جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، وہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

اے ایمان لانے والو! یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو،

۹۹۷ عیسیٰ علیہ السلام جب زخمی ہوئے تو آپ کے مومنین کے ہاتھوں سے معاف کر دیے گئے اور ان کی گئی اللہ نے فرمایا کہ وہ قوم کیسے ظالم ہو سکتی ہے جو اپنے نبی کو زخمی کرے؟ یہ آیات اسی کے جواب میں ارشاد ہوئی ہیں۔

۹۹۸ اس کی شکست کا جواب یہ تھا کہ مسلمان میں کایا نبی کے مرتق پر مال کی طرح سے غلبہ ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے قیمت رٹنے میں لگ گئے۔ اس لیے حکیم مطلق نے اس حالت کی اصلاح کے لیے زبردستی کے سرچشمے پر بند باندھنا ضروری سمجھا اور حکم دیا کہ سرد غلاری سے ہاتھ اڑاؤ جس میں آدمی ملت دن اپنے نفع کے لیے

لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿۱۳﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾  
وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۵﴾ وَسَارِعُوا  
إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَ  
الْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۶﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي  
السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظُمِينَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ  
وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا

امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہے اور  
اللہ اور رسول کا حکم مان لو، توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ دودھ کر چلا اُس راہ پر جو تمہارے  
رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ  
اُن خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بد حال،  
ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔  
ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام

اور چڑھنے کا حساب لگاتا رہتا ہے اور جس کی دوسرے آدمی کے اندر وہ اپنے کسی عرص میں بدھڑستی پہلی جاتی ہے۔  
۹۹۔ سود خوری میں سرمایہ میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض  
پیدا ہوتے ہیں۔ سود لینے والوں میں حرص و طمع، بخل اور غرور مافی۔ اور سود دینے والوں میں نفرت، خستہ اور بغض و حسد۔  
محمد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ سود خوری سے  
فریقیت میں جو اخلاقی اور معنوی بیماریاں ہوتی ہیں ان کے بالکل برعکس اخلاق فی سبیل اللہ سے دوسری قسم کے اوصاف پیدا  
ہو جاتے ہیں، اور اللہ کی بخشش اور اس کی جنت و نسی دوسری قسم کے اوصاف سے حاصل ہو سکتی ہے نہ کہ پہلی قسم کے اوصاف  
سے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ فرمادہ لغزہ حاشیہ ص ۲۸۹)

فَلِحِشَّةٍ أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكِّرُوا اللَّهَ فَأَسْتَغْفِرُوا لِدُنُوبِهِمْ  
وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا  
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ  
وَجَنَّتِ تَحْرِيٍّ مِّن تَحْتِهَا أَلَا نَهْرُ خُلْدٍ فِيهَا وَ  
نِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿۳۲﴾ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ  
فَیَسِّرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۳﴾  
هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۴﴾ وَلَا  
تَهْنُؤُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾

ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاف  
اللہ انہیں یا داتا جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کو معافی چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ  
سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو۔ اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔  
ایسے لوگوں کی جزا۔ ان کے دیکھے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کرے گا اور ایسے باغوں میں نہیں  
داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا اچھا بدلہ ہے  
نیک عمل کرنے والوں کے لیے تم سے پہلے بہت سے دور گرد چکے ہیں زمین میں چل پھر کر دیکھو  
کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے اللہ کے احکام و ہدایات کو بھٹلایا۔ یہ لوگوں کے لیے  
ایک صاف اور صریح تنبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہوں ان کے لیے ہدایت اور نصیحت۔

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر



يَمَسُّكُمْ فِيهِ فَعَدَّ مَنَ الْقَوْمَ فِيهِ مِثْلَهُ وَلَيْكَ الْآيَامُ  
 تُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ  
 مِنكُمُ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٣١﴾ وَلِيُمَخِّصَ اللَّهُ  
 الَّذِينَ آمَنُوا وَيُحَقِّقَ الْكُفْرَانَ ﴿٣٢﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّ تَدْخُلُوا  
 الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ  
 الصَّابِرِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلُ

تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔  
 یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر  
 یہ وقت اس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو  
 چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں۔ کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں  
 ہیں۔ اور وہ اس آزمائش کے ذریعہ سے سچے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی  
 کر دینا چاہتا تھا کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ روزی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو  
 دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لانے والے اور اس کی خاطر صبر  
 کرنے والے ہیں۔ تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے! مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب

شاہدہ ہے جنگ بدر کی طرف۔ اور کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس چوٹ کو کہہ کر کافریت موت  
 نہ ہو تو اس چوٹ پر تم کہیں بہت افسوس

اللہ اس افتاد میں ہی متخیر نہ ہو۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم میں سے کچھ شہید نہ ہونا چاہیں،  
 یعنی کچھ لوگوں کو شہادت کی عزت بخشا چاہتا تھا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اور منافقین کے اس غلو کو سدھار  
 جس پر تم اس وقت شیش برائے لوگوں کو الگ چھانٹ لینا چاہتا تھا جو حقیقت میں شہداء علی الناس ہیں، یعنی اس

ج

أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۷۲﴾ وَمَا  
مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ  
مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ  
عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَصُِرَ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۷۳﴾  
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَشَاءِ مُوجِبَاتٍ

موت سامنے نہ آتی تھی، اب وہ تھا ہے سامنے آگئی اور تم نے اسے آنکھوں دیکھ لیا۔  
محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے  
ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اٹھے پاؤں پھر جاؤ گے؛ یاد رکھو!  
جو ان پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر دیں گے  
انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔

گوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔

منصب بلبل کے ہل ہیں جس پر ہم نے امت مسلمہ کو سرفراز کیا ہے۔  
۷۲ اشارہ ہے شہادت کے اُن تمنائوں کی طرف جن کے اصرار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر  
محل کرانے کا فیصلہ فرمایا تھا۔

۷۳ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر شہر ہوئی تو اکثر صحابہ کی بہتیں چھوٹ گئیں۔ اس حالت میں  
مناقبین نے (جو مسلمانوں کے ساتھ ہی گئے ہوئے تھے) کہنا شروع کیا کہ جو بعد اللہ جن آئی کے پاس میں تاکہ وہ ہمارے لئے  
ابو ثنیٰ سے مان سے دے۔ اور بعض نے جہل تک کہہ ڈالا کہ اگر محمدؐ خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے چلو اب  
دین آسانی کی طرف لوٹ ملیں اپنی باتوں کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر نہ ہادی حق پرستی، حق اللہ کی شخصیت سے  
وہ ہوتے اور خدا اسلام ایسا صحت خیال ہے کہ اللہ کے دھارے رخصت ہوتے ہی اسی کفر، ان پٹ جاؤ گے  
جس سے کل کر آئے تھے تا اللہ کے دین کو تمہاری ضرورت نہیں ہے

۷۴ اس سے یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کرنا مقصود ہے کہ موت کے خوف سے تمہارا حال خراب ہے

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ  
نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿۵۶﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ  
قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي

جو شخص ثواب دنیا کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے اور جو ثواب  
آخرت کے ارادہ سے کام کرے گا وہ آخرت کا ثواب پائے گا اور شکر کرنے والوں کو ہم  
ان کی جزا ضرور عطا کریں گے۔ اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ  
بل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں اُن پر پڑیں ان سے وہ

کوئی شخص نہ ڈرنا کے مقرب کیے ہوئے وقت سے پہلے مر سکتا ہے اور نہ اس کے بعد ہی سکتا ہے۔ لہذا تم کو حکمران سے  
بچنے کی میں بکواس بات کی ہوئی ہے کہ زندگی کی جو بہت ہی تھیں ماں ہے اس میں تہا رہی سہی وجہ کا تصور کیا ہے  
دنیا یا آخرت ؟

۵۶۔ ثواب کے معنی ہیں تجویز عمل۔ ثواب دنیا سے مراد وہ فائدہ و منافع ہیں جو انسان کو اس کی سعی و عمل کے نتیجہ  
میں اسی دنیا کی زندگی میں حاصل ہوں۔ اور ثواب آخرت سے مراد وہ فائدہ و منافع ہیں جو اسی سعی و عمل کے نتیجہ میں آخرت کی پائیدار  
زندگی میں حاصل ہوں گے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے انسانی اخلاق کے معاملہ میں فیصلہ کن سوال یہی ہے کہ کار و زیادتیاں میں  
کوئی جو دوز دھوپ کو رہا ہے اس کی کیا پاداش دہی جائے گی یا خود ہی نتائج پر۔

۵۷۔ شکر کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اس نعمت کے قدر شناس ہوں کہ اس نے دین کی صحیح  
تعمیم دے کر انہیں دنیا و اس کی محدود زندگی سے بہت زیادہ وسیع، ایک ناپیدائنی عالم کی غریب اور انہیں اس حقیقت  
کا شعور بخشی کہ انسانی سعی و عمل کے نتائج صرف اس دنیا کی چند سالہ زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس زندگی کے بعد ایک دوسرے  
عالم تک اس کا تسلسلہ ہوا کرتا ہے۔ یہ درست نظر انداز نہ ہو جینی و عاقبت اندیشی حاصل ہو جانے کے بعد ہر شخص باطنی گوشوں  
اور مشنوں کو اس دنیوی زندگی کے مختلف مرحلوں میں بار آور دیتے ہوئے دیکھے یا ان کا برعکس تجربہ کر دیکھے اور اس کے باوجود  
اللہ کے ہر دور پر وہ کام کرتا چلا جاتا ہے جس کے متعلق اللہ نے اسے متین دلایا ہے کہ ہر حال آخرت میں اس کا نتیجہ  
اچھا ہی ہے گا۔ شکر گزار ہند ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اس کے بعد بھی دنیا پرستی کی تنگ نظری میں مبتلا ہیں جن کا خیال  
یہ ہو کہ دنیا میں جن غلط کاموں کے بغیر اچھے نتائج ملنے نظر آئیں ان کی طرف وہ آخرت کے بڑے نتائج کی پہچان  
کے بغیر جب تک پڑیں اور جن صحیح کاموں کے یہاں ہمارا دور چھٹنے کی امید نہ ہو یا جن سے یہاں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو

سَبِيلَ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ  
 الصَّابِرِينَ ﴿۱۳۸﴾ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا  
 ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ  
 الْكَافِرِينَ ﴿۱۳۹﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسُنَ ثَوَابُ الْآخِرَةِ  
 وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا  
 الَّذِينَ كَفَرُوا يَزِيدُوا كُفْرَكُمْ عَلَى أَغْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِيسَرِينَ ﴿۱۴۱﴾

دل شکستہ نہیں ہوئے، انہوں نے کمر ہی نہیں دکھائی، وہ باطل کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے۔  
 ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ ان کی دعا بس یہ تھی کہ اے ہمارے رب! ہماری  
 غلطیوں اور کوتاہیوں سے مدد کر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو  
 اُسے معاف کر دے، ہمارے قدم ہمارے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔ آخر کار  
 اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی  
 نیک عمل لوگ پسند ہیں۔

اے ایمان لانے والو! اگر تم ان لوگوں کے اشاروں پر چلو گے جنہوں نے  
 کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ تم کو الٹ پھیرے جائیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔

انہوں نے کفر کے نتائج غیر کی امید پر پاؤقت، اپنے ملال اور اپنی قوتیں صرف کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، وہ ناشکرا بھی  
 اور افسوس کے تاثر نہ سنا سکتے ہیں جو اللہ نے انہیں بخشا ہے۔

کلمہ میں اپنی قوت خدا اور پے رسول مافی، اللہ کی کثرت اور زور آدمی دیکھ کر انہوں نے باطل پرستوں کے  
 آگے سر نہیں ڈالی۔

اللہ میں جس کفر کی حالت سے تم مل کر آئے ہو اسی میں یہ نہیں پھر رہے ہو یا تم گے منافقین اور یہودی

بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۱۵۸﴾ سَلِّقْ فِي قُلُوبِ  
الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ  
سُلْطَانٌ وَمَا لَهُمْ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوًى الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۹﴾ وَلَقَدْ  
عَدَّ اللّٰهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِآذِنَةٍ حَتَّىٰ إِذَا  
فُشِلْتُمْ وَتَنَزَّعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ  
مَتَّاعِيُونٌ مِّنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّن

اُن کی باتیں غلط ہیں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرین حق کے دلوں میں رعب بٹھادیں گے۔ اس لیے کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اُن کو فدائی میں شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سزا نازل نہیں کی۔ اُن کا آخری ٹھکانا جہنم ہے اور بہت ہی بُری ہے وہ نیام گاہ جو ان ظالموں کو نصیب ہوگی۔

اللہ نے آئید و نصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تم اس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس سے حکم سے تم ہی اُن کو نکل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جہنمی کہ وہ پیر اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی بال غیبت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ

اللہ کی شکست کے بعد مسازوں میں یہ خیال پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ خدا اگر واقعی نبی بھیجتے تو شکست کیوں کھاتے۔ یہ تو ایک معمولی آدمی ہیں۔ ان کا سادہ بھی دھڑکا دیوں کی طرح ہے۔ آج سچ ہے تو کل شکست۔ خدا کی جس حمایت و نصرت کا انہوں نے تم کو یقین دلایا رکھا ہے وہ محض ایک دھمک ہے۔

يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ ثُمَّ صَرَّفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا  
عَنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ اِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا  
تَلُونَ عَلَى أَحَدٍ ۖ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَجِكُمْ فَأَتَابَكُمْ  
عَمَّا بَغِمْتِكُمْ لِكَيْلًا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَا تَكُمُ وَلَا مَا آصَابَكُمْ ۖ وَاللَّهُ  
خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ ثُمَّ أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنٌ

آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری  
آبرائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی  
ظہر غایت رکھتا ہے۔

یاد کر جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا  
اور حمل تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔ اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو  
درجہ پر رنج دیئے تاکہ آئندہ کے لیے تمہیں سبق ملے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت  
تم پر نازل ہو اس پر طول نہ ہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

اس غم کے بعد پھر اللہ نے تمہیں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی

۱۰۹۔ یعنی تم نے غلطی تو ایسی کی تھی کہ اگر اللہ تمہیں معاف نہ کر دیتا تو اس وقت تمہارا استیصال ہو جاتا۔ یہ اللہ  
کا فضل تھا اور اس کی تائید رحمت تھی جس کی بدولت تمہارے دشمن تم پر قابو پا لینے کے بعد ہر مشرک تم کو کشتے اور ملامت  
خود پسپا ہو کر چلے گئے۔

اللہ جب طائفوں پر اچانک دو طرف سے ایک وقت حملہ کرنا اور ان کی صفوں میں اتاری پھیل گئی تو کچھ لوگ  
دین کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ گھبراہٹ سے گئے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی جگہ سے نہ ہٹے۔ دشمنوں کا چاروں طرف  
ہجوم تھا، دس ماہہ انہیں کی مٹھی بھر محاصرہ پاس رہ گئی تھی، مگر اللہ کا رسول اس نازک موقع پر بھی ہلاؤ کی طرح اپنی جگہ جمنا تھا  
اور بھاگنے والوں کو پکار رہا تھا اِنَّا جَاءَكُم بِاللَّهِ، اللہ کے بند میری طرف آؤ، اللہ کے بند میری طرف آؤ۔

لَعَسَا يُغْنِيَنَّكَ طَائِفَةٌ مِّنْكَ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ  
يَظُنُّونَ بِاللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ  
الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّهِ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِمْ  
مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ نَّأَيَّ  
قُتِلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ  
عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي

کہ وہ اُدھنے لگے۔ مگر ایک دوسرا گروہ جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی،  
اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر غلط فہمی تھے۔ یہ لوگ اب کہتے  
ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟ ان سے کہو کسی کا کوئی حصہ نہیں،  
اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات  
چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر (قیادت کے)  
اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔ ان سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں  
میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔  
اور یہ معاملہ جو پیش آیا، یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ

اللہ درج ہزیمت کا درجہ اس خبر کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، درج اپنے کثیر تعداد مقتولوں اور مجروحوں

کا درجہ اس بات کا کہ اب گھروں کی بھی خبر نہیں تین ہزار دشمن جن کی تعداد مدینہ کی گھیرائی آبادی سے بھی زیادہ ہے شکست خوردہ  
فرج کو دہماتے ہوئے تھے میں آنکھیں گے اور ب کرتا ہوں گے۔

اللہ یہ ایک عجیب تجربہ تھا جو اس وقت لشکر اسلام کے بعض لوگوں کو پیش آیا۔ حضرت ابو طلحہ جو اس جنگ میں شریک

تھے خود بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں ہم بے پروا ہو گئے کہ ایسا غلبہ ہوا تھا کہ تمام دینا تھکے سے چھوٹی بڑی نہیں۔

صُدُّوْكُمْ وَلِيُمْخِصَ مَا فِي قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ  
 الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ  
 اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا  
 اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا  
 لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا اِلٰخَآءُاٰنِھُمْ اِذَا ضَرَبُوْا  
 فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غَزٰى لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا  
 قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِى قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يَعْجٰ وَ

اُسے آزمائے اور کوٹ جھارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا مال  
 خوب جانتا ہے۔

تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے ان کی اس لغزش کا سبب یہ تھا  
 کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے اُن کے قدم ڈگلا دیے تھے۔ اللہ نے انہیں  
 معاف کر دیا، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے ۝

اسے ایمان لانے والے اکافروں کی سی باتیں نہ کرو جن کے عزیز اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے  
 ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں اور وہاں کسی حادثہ سے دوچار ہو جاتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں  
 کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ ملے جتے اور نہ قتل ہوتے۔ اٹھ اس قسم کی باتوں کو  
 ان کے دلوں میں حسرت و غمناک کا سبب بنا دیتا ہے، ورنہ دراصل انہوں نے اور جلانے والا تو

۱۳۳ یعنی یہ باتیں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ قتلائی کسی کے نامے تل نہیں سکتی مگر ہر لوگ  
 اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور سب کچھ اپنی تدبیر میں ہی موقوف سمجھتے ہیں ان کے لچاس قسم کے قیاسات ہر مبالغہ صرف



يُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٥٠﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا  
يَجْمَعُونَ ﴿٥١﴾ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَا إِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿٥٢﴾  
فِيمَا رَحِمَهُ مِنَ اللَّهِ لَئِنْ لَمْ يَأْتِ اللَّهُ بِآيَةٍ لَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ  
الْقَلْبِ لَأَنفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ  
شَاوْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَلَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ  
الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَلَنْ يَخْذِلَكُمْ

اللہ ہی ہے اور تمہاری تمام حرکات پر وہی نگراں ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا  
مر جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ  
بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہر حال تم سب کو سمٹ کر جاتا  
اللہ ہی کی طرف ہے۔

(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع  
ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خواہ رسنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے  
چمٹ جاتے۔ ان کے قصور و عاتک کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے  
کام میں ان کو بھی شریک مشورہ و کموا اللہ جب تمہارا عزم کسی راستے پر مستحکم ہو جائے  
تو اللہ پہ چھوڑ دے کہ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ اللہ تمہارا  
مدد و بہرہ تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد

نہ کہہ جاتے ہیں اللہ ہاتھ دھو رہا ہے کہ کاش میں ہوتا تو یہ ہو جاتا۔

فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصَرُّكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ  
 الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۳۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَغْلُ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ  
 بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ  
 لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ أَفَمِنْ أَتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ  
 مِنَ اللَّهِ وَمَا وَهُ جَهَنَّمُ وَيَبْسُ الْمَصِيرُ ﴿۱۳۲﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ

کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو۔ پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔  
 کسی نبی کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ خیانت کر جائے۔ اور جو کوئی خیانت کرے  
 تو وہ اپنی خیانت سیمت قیامت کے روز حاضر ہو جائے گا، پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا  
 پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہو گا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص  
 ہمیشہ اللہ کی رضا پر چلنے والا ہو وہ اس شخص کے سے کام کرے جو اللہ کے غضب  
 میں گھر گیا ہو اور جس کا آخری ٹھکانا جہنم ہو جو بدترین ٹھکانا ہے، اللہ کے نزدیک

۱۳۰ جن تیرا خداؤں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی حالت کے لیے بھایا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن  
 کا لشکر رہنا جا رہا ہے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کس رسائی قیمت انہی لوگوں کو دہلی جائے گا سوائے اس کے جس نے اللہ پر قسم کے  
 موقع پر محروم نہ رہ جائے۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچا  
 قتل و غارت گاہے وہ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر اس ناخوشی کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب میں کچھ غدارانہ پیش کیے جو  
 نہایت کمزور تھے۔ اس پر حضور نے فرمایا بل ظننتہم انا فضل ولا نقسم لکم۔ اہل بات یہ ہے کہ تم کو ہم پر اطمینان  
 نہ تھا، تم نے یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو حد نہیں دیں گے۔ اس آیت کا اشارہ اسی معاملہ کی  
 طرف ہے۔ ارشاد الہی کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری فرج کا کام آئے خود اندیشہ کا نبی تھا اور اس سے معاملات اس کے  
 ہاتھ میں تھے تو تمہارے دل میں یہ اندیشہ پیدا کیسے ہوا اگر نبی کے ہاتھ میں تمہارا مال و خون نہ ہوتا کیا خدا کے پیغمبر سے توقع  
 رکھتے ہو کہ جو مال اس کی عزالت میں ہو وہ دینا نہ امانت اور انصاف کے ساتھ اس کی اور طریقہ سے بھی تقسیم ہو سکتا ہے؟

عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِوَعْدِهِمْ لَبِيبٌ ۖ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۚ أَوَلَمْ آخِصَّاكُمْ مِّصِيبَةً قَدْ أَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا

دونوں قسم کے آدمیوں میں ہمدردی کا فرق ہے اور اللہ سب کے اعمال پر نظر رکھتا ہے۔ وحییت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے ہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ جنگ بدر میں اس سے دو گنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (رفیق مخالف پر) پڑ چکی تھی۔

۱۱۵۔ ابارہ صابہ تو غیر حقیقت سناتا ہے کہ کسی غلامی میں مبتلا ہو سکتے تھے مگر عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ جب اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تو اللہ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے تو کسی حال میں کفار ہم پر فتح پا ہی نہیں سکتے۔ اس لیے جب اُردو میں ان کو شکست ہوئی تو ان کی قزاقی کو سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے حیران ہو کر پوچھا شروع کیا کہ یہ کیا ہوا؟ ہم اللہ کے دین کی خاطر مارے گئے، اس کا مدد نہ نصرت ہمارے ساتھ تھا اور اس کا رسول خود میدانِ جنگ میں موجود تھا اور پھر بھی ہم شکست کا گئے، اللہ شکست بھی اُن سے جو اللہ کے دین کو مٹانے آئے تھے؟ یہ آیات ماسی حیرانی کو دور کرنے کے لیے ارشاد ہوئی ہیں۔

۱۱۶۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ۷۰ آدمی شہید ہوئے۔ بھگت اس کے جنگ بدر میں کفار کے ۷۰ آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور ۷۰ آدمی گرفتار ہو کر لائے گئے۔

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ  
وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّتَى الْجَمْعِينَ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ  
الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا  
فَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْادِعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا  
لَا اتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكَفَرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ  
يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اے نبی! ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جو نقصان  
دہائی کے وقت تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ دیکھ لے تم میں سے جو ان  
ہیں اور منافق کون۔ وہ منافق کہ جب ان سے کہا گیا آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم ہلنے شہر کی  
مدافعت ہی کرو، تو کہنے لگے اگر میں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ  
بات جب وہ کہہ رہے تھے اُس وقت وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں  
سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اسے

۱۱۸ عیسیٰ یہ تمہاری اپنی کردہ چیزوں اور غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ تم نے مبرا کا واسطہ سے چھڑا، بسن نام تو نے کے  
خون کے، حکم کی خلاف ورزی کی، اس کی طبع میں جتنا ہوئے آپس میں نزاع و اختلاف کیا پھر کیوں بچتے ہو کہ یہ  
مصیبت کمال سے آئی۔

۱۱۸ عیسیٰ اللہ اگر تمہیں فتح دینے کی قدرت رکھتا ہے تو شکست دوانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

۱۱۹ جدائشوں کی جب تین سو منافقوں کو اپنے ساتھ لے کر رات سے پٹنہ نکلا بسن مسلمانوں نے ہلکے  
اسے بھانے کی کوشش کی اور ساتھ چلتے کے لیے ملائیں کہ پالا بکاس نے جواب دیا کہ میں تینوں سے کہ آج جنگ  
نہیں ہوگی بکاس نے ہم جاسے ہیں، ہندو اور عیسائی تو جمع ہوئی کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔

بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿۱۶۶﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِلْإِخْوَانِمْ وَقَعْدُوا لَوَاطِعُونَ  
 مَا قَتَلُوا قُلْ فَادْرَأُوْا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۶۷﴾  
 وَلَا تَحْزَبَنَ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ  
 عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزْذَقُونَ ﴿۱۶۸﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ  
 وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَا  
 خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۶۹﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ  
 مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۰﴾

خوب جانتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور ان کے جو بھائی بسند لڑنے گئے اور  
 مارے گئے ان کے تعلق انہوں نے کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے۔  
 ان سے کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو خود تمہاری موت جب آئے اسے ٹال کر دکھا دینا۔  
 جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں،  
 اپنے رب کے پاس رزق پار ہے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر  
 خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جہاں ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں  
 نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور سزا کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور  
 اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو  
 ضائع نہیں کرتا

۱۶۶ تشریح کے لیے ۵۷ ظہر سورہ ہود ماشاء اللہ۔

۱۶۷ سورہ احمد میں غیصل اللہ علیہ السلام کی ایک حدیث موی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص نیک عمل کے

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ  
الْقَحَرُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝  
الَّذِينَ قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ  
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ  
الْوَكِيلُ ۝ ۱۷۰ ۚ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ دِيَارِهِمْ

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پہل پر لبیک کہا ان میں  
جو اشخاص نیکو کار اور پرہیزگار ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ اور وہ جن سے  
لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، ان سے ڈر کر تو یہ سن کر ان کا  
ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی  
ہمیں کارساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ کی عنایت سے اس طرح پلٹ آئے کہ ان کو کسی قسم کا

دینا سے محال ہے اسے اللہ کہہ گا اس قدر پھٹ اور پکھٹ زندگی میں سرتابی ہے جس کے بعد کبھی دنیا میں واپس آنے  
کی تائید نہیں کرتا۔ مگر شاید اس سے مستطیع ہے۔ وہ تو ناکارہ ہے کہ پھر دنیا میں بھیجا جائے اور پھر اس لذت اس مسودہ اور  
اس نشے سے لطف اندوز ہو جلاوٹ دے گا اس وقت مال ہوتا ہے۔

۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱ ۱۶۰۲ ۱۶۰۳ ۱۶۰۴ ۱۶۰۵ ۱۶۰۶ ۱۶۰۷ ۱۶۰۸ ۱۶۰۹ ۱۶۱۰ ۱۶۱۱ ۱۶۱۲ ۱۶۱۳ ۱۶۱۴ ۱۶۱۵ ۱۶۱۶ ۱۶۱۷ ۱۶۱۸ ۱۶۱۹ ۱۶۲۰ ۱۶۲۱ ۱۶۲۲ ۱۶۲۳ ۱۶۲۴ ۱۶۲۵ ۱۶۲۶ ۱۶۲۷ ۱۶۲۸ ۱۶۲۹ ۱۶۳۰ ۱۶۳۱ ۱۶۳۲ ۱۶۳۳ ۱۶۳۴ ۱۶۳۵ ۱۶۳۶ ۱۶۳۷ ۱۶۳۸ ۱۶۳۹ ۱۶۴۰ ۱۶۴۱ ۱۶۴۲ ۱۶۴۳ ۱۶۴۴ ۱۶۴۵ ۱۶۴۶ ۱۶۴۷ ۱۶۴۸ ۱۶۴۹ ۱۶۵۰ ۱۶۵۱ ۱۶۵۲ ۱۶۵۳ ۱۶

لَمْ يَسْأَلْهُمْ سُوءٌ، وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۚ إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۚ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ لَوْلَا يُحَرِّزُكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنُصَرُّوا وَاللَّهُ شَهِيدٌ ۚ يُرِيدُ اللَّهُ

ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو گیا، اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دہل شیطان تھا جو اپنے دوستوں کو خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔

(اسے پیغمبر) جو لوگ آج کفر کی راہ میں بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں ان کی سرگرمیاں تمہیں آزر دہ نہ کریں، یہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ کا ارادہ ہے کہ

تھیں۔ یہ ان کو بھی اس علم میں شامل کر دیا گیا۔

۱۲۷ھ کے چلنے پھرنے والے مسلمانوں کو پہنچ گئے تھے کہ آئندہ سال بدھ میں ہمارا سالگرہ منانا ہے۔ چلا کر جو یہ دھرم کا وقت قریب آیا تو اس کی ہمت نہ جواب دے دیا کہ کون سا سال کہیں قولا تھا۔ لہذا اس نے پہلو پھانے کے لیے تدریس کی کہ خیرہ طور پر ایک شخص کو بھیجا جس نے دینہ بیچ کر مسلمانوں میں یہ خبر پھیلائی کہ مئی کے سال قریش نے بڑی زبردست قیامی کی ہے اور ایسا ہماری نظر سے گذر رہا ہے۔ یہی سن کر عرب میں کوئی نہ کھلا اس سے متصدیہ تھا کہ مسلمانوں کو مذہب جو کچھ بھی بگاڑ جائے اور ہمارے مقابلہ پر نہ آنے کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ ایسے مسلمانوں کی اس چال کا یہ اثر تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک طرف چلنے کے لیے مسلمانوں سے اپیل کی تو اس کا کوئی ہمت افزا جواب نہ آیا۔ آخر کار اللہ کے رسول نے ہر مسلمان سے اس طعن کو دیا کہ اگر کوئی دھماکے گا تو میرا کیا باؤں گا۔ اس پر ہر مسلمان نے اپنے آپ کے ساتھ چلنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور آپ اسی کہنے کو رد و تفریق لے گئے۔ آخر میں ایسے مسلمان دو ہزار کی جمیت لے کر چلا گئے اور ان کی مسافت تک ہمارا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس سال دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ آئندہ سال آئیں گے۔ چنانچہ وہ اور اس کے ساتھی واپس ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ تک ہر سال کے مقام پر اس کے انتظار میں رہے اور اس دوران میں آپ کے ساتھیوں نے ایک چھاتی قافلہ سے کاروبار کے خوب انی فائدہ اٹھایا۔

الْاِیْجَعَلْ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝  
 اِنَّ الَّذِیْنَ اٰسْتَرَوْا الْکُفْرَ بِاِیْمَانٍ لَّنْ یُضْرَبُوْا اللّٰهَ شَیْئًا  
 وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّمَا  
 نَمْلِیْ لَهُمْ خَیْرًا لَا نَقْصِیْهُمْ اِنَّمَا نَمْلِیْ لَهُمْ لَیْزًا دَاوِلًا اِنَّمَا  
 وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ مَا کَانَ اللّٰهُ لَیْذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی  
 مَا اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَمَا کَانَ  
 اللّٰهُ لَیْطُلِعَ عَلَی الْغَیْبِ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ

اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے، اور بالآخر ان کو سخت سزا ملنے والی ہے جو لوگ  
 ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہیں وہ یقیناً اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں، اُن کے لیے  
 دردناک عذاب تیار ہے۔ یہ ڈھیل جو ہم نہیں دیے ہاتے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں  
 بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب ہار گناہ سمیٹ لیں،  
 پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت پائے جاتے ہو۔  
 وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر کے رہے گا۔ مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو  
 غیب پر مطلع کر دے غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں سے جس کو چاہتا ہے

جو وہ بے خبر معلوم ہوگی، کن رکھیں پئے گئے تو آپ دین و ہمیں تشریف لے گئے۔

۱۲۵ھ میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کو اس حال میں رکھا کہ وہ نہیں کہ ان کے مصلحت سے لکھا گیا

احسان حق سب مللا لطفی۔

۱۲۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر نمایاں کرنے کے لیے اللہ نے طریقہ امتداد میں کیا کہ کعبہ سے سداور رکھا گیا



رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَأَمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِۦٓ إِنَّ تَوْنِيۡنًاوَتَتَّقُوا  
فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيۡمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبْخُلُوۡنَ بِمَا  
آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِۦ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ  
سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا يَبْخُلُوۡا بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ  
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۝ لَقَدْ  
سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَنَحْنُ اَغْنِيَاكُمُ

مَنْ يَشَاءُ  
فَلَكُمْ  
أَجْرٌ  
عَظِيْمٌ

منتخب کرتا ہے۔ لہذا امرِ غیبی کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان  
اور خلافتِ نبوی کی روش پر چلو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس  
خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیل ان کے لیے اچھی ہے نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بُری ہے۔  
جو کچھ وہ اپنی کنوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گمے کا طوق بن جائیگا۔  
زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔  
اللہ نے ان لوگوں کا قول سنا جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ ان کی

مال بتا دے کہ فلاں مومن ہے اور فلاں منافق، بلکہ اس کے حکم سے ایسے امتحان کے مواقع پیش نہیں کئے جس میں حق و  
سے مومن اور منافق کا مال کھل جائے گا۔

۳۶ یعنی زمین و آسمان کی جو چیز بھی کوئی مخلوق استعمال کر رہی ہے وہ وہ اس اللہ کی ملک ہے اور اس پر مخلوق کو  
دھنوں و ماضی سے ہر ایک کو اپنے تصرفات سے ہر مال ہے و مل جاتا ہے۔ لہذا اگر کس کو اللہ ہی کے پاس نہ ملے گا۔  
لہذا حقیقت ہے کہ جس ماضی تصرف کے خلاف میں اللہ کے مل کا اللہ کی راہ میں دل کھل کر قربت کرتا ہے۔ اللہ سے جو قربت  
ہے وہ جہاں سے پہنچا کر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ  
ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٣﴾ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ  
وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَالِمٍ لِّلْعَبِيدِ ۖ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ  
عَمْدَ الْيَتِيمَ الْأَنفُسِ يَرِثُ حَتَّىٰ يَأْتِيَٰنَا بِبُرْهَانٍ تَاكُلُهُ  
النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِآلِ بَيْتٍ وَ  
بِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ ۚ إِنَّ كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤﴾

یہ باتیں بھی ہم کھریں گے اور اس سے پہلے وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں وہ بھی ان کے نامہ اعمال میں ثبت ہے۔ (جب فیصلہ کا وقت آئے گا اُس وقت ہم ان سے کہیں گے کہ اے اب عذابِ جہنم کا مزہ چکھو یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، اللہ اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں "اللہ نے ہم کو ہدایت کر دی ہے کہ ہم کسی کو رسولِ قسیم نہ کریں جب تک کہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ کرے جسے رغیب سے آکر آگ کھائے" اُن سے کہو تمہارے پاس محمد سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے اور وہ نشانی بھی لائے تھے جس کا تم ذکر کرتے ہو، پھر اگر ایمان لانے کے لیے یہ شرط پیش کرنے میں اتم سچے ہو ذرا ان رسولوں کو تم نے کیوں قتل کیا؟

۵۸۔ یہ یہودیوں کا قول ہے۔ قرآن مجید میں جب یہ آیت آئی کہ مَنْ ذَا الَّذِي يُشْفِي مِنْ اللَّهِ مَرَضًا حَسَنًا،

کون ہے جو آخر کہہ اتریں دے قاس کا طاق نہلاتے ہے ہمیں نے کتنا شروع کیا کہی ہاں اشرمیں مٹیں ہو گئیں  
اب ہاتھوں سے قرین انگ ہے ہیں۔

۱۲۹۔ اسیل میں متعدد مشکلات پر ہے لکرا ہے کہ خطہ کے اہل کسی قرانی کے مقبول ہونے کی حاجت پر قی کہ

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ  
وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ كُلُّ نَفْسٍ نَّاسِيَةٌ إِلَى مَوْتٍ وَإِنَّمَا  
نُؤْفِقُونَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ  
أُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَمْتَاعٌ الْعِزَّةُ  
الَّتِي لَبَّيْتُمْ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ

اب اسے محمد اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو بہت سے رسول تم سے پہلے جھٹلاتے چکے  
ہیں جو کھلی کھلی نشانیاں اور صحیفے اور روشنی نشانی والی کتابیں لائے تھے۔ آخر کار ہر شخص کو  
مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے بعد پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل  
وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا تو  
یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔

سلمان! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی، اور تم اپنی کتاب

جنب سے ایک آگ خود ارچہ لائے جسم کر دیتی تھی (تھقاۃ ۶: ۲۰ - ۱۹: ۱۳ و ۲۰: ۱۲) نیزہ و کڑی بائبل میں آتا ہے  
بعض رات پر کوئی نبی موعظی قربانی کا تھا اور ایک عیسائی آگ لگا کر اسے کھاتی تھی (جسارہ ۹: ۲۴ - ۲۵: ۲۰) تقاریر (۱: ۶ - ۲: ۱)  
لیکن یہ کسی جگہ بھی نہیں لکھا کہ اس طرح کی قربانی نہایت کی کوئی ضروری طاقت ہے، بلکہ کہ جس شخص کو یہ بھڑو نہ دیا گیا ہو وہ ہرگز  
نبی نہیں ہو سکتا۔ یہ محض ایک من گھڑت حجازی تہذیبوں نے جو اصل میں مذہب و علم کی نہایت کا انکار کرنے کے لیے وضع  
کر لیا تھا لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کی حق دشمنی کا ثبوت یہ تھا کہ خود انبیاء ربی اسرائیل میں سے بعض نبی ایسے گمراہ ہیں  
جنہوں نے تہذیبیں قربانی کا یہ بھڑو پیش کیا اور پھر بھی یہ وہاں ہمیشہ لوگ ان کے قتل سے باز نہ رہے۔ مثال کے طور پر بائبل  
میں حضرت ایاس (ایلیاہ نبی) کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بل کے کھانے کو چیلنج دیا کہ جیسے نام میں ایک بیل کی قربانی  
تم کرو اور ایک کی قربانی میں کتا چلوں جس کی قربانی کو نبی آگ کھا لے وہی حق ہے۔ چنانچہ ایک حق کٹر کے سامنے یہ  
مقابلہ ہوا اور نبی آگ نے حضرت ایاس کی قربانی کھائی۔ لیکن اس کا جو کچھ نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ اسرائیل کے بادشاہ کی بیل پر  
کہ حضرت ایاس کی دشمن ہو گئی، اور وہ زن پرست بادشاہ اپنی حکمرانی کے خاتمے کے وقت کے واسطے ہمارے اور ان کو بھڑو لگا

أَوْثُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا  
وَلَنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ وَإِذْ  
أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ  
وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ

اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور  
خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔ ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی  
یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہو گا،  
انہیں پرشیدہ رکھنا نہیں ہو گا۔ مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تمہاری قیمت

بھل کر جریدہ فاسے سینا کے کھانڈوں میں پناہ دینی پڑی (اسلامین۔ باب ۱۸ و ۱۹) اسی بنا پر اللہ نے ان سے کہ حق کے  
چشمہ قائم کر دیا ہے، انہیں قرآنی کا مجروح نہ ہو، جن پیغمبروں نے یہ مجروح دکھایا تھا انہی کے قتل سے ہم کب انہیں  
۱۳۰ مئی میں اس دنیا کی زندگی میں روئے تاج روئے ہوئے ہیں انہی کو اگر کوئی شخص ملے اور آخری نتائج سمجھنے  
اور انہیں بہ حق داخل مصلحت و فساد کے فیصلے کا مدار رکھے تو وہ حقیقت و حجت و دھوکہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہاں  
کئی قصصوں کی بارش ہوئی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہی حق پر ہی ہے اور اسی کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت ہو  
مال ہے۔ اور اسی طرح یہاں کسی کامعائب و مشکلات میں مبتلا ہونا بھی لازمی طور پر یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ داخل ہو  
ہو رہا ہو یا وہ انہی سے۔ اکثر اوقات اس ابتدائی مرحلہ کے نتائج ان آخری نتائج کے برعکس ہوتے ہیں جو حیات الہی  
کے مرحلہ میں پیش آنے والے ہیں۔ اللہ جل امتداد انہی نتائج کا ہے۔

۱۳۱ مئی میں ان کے حسن و تشبیح ان کے انکسار ان کے بیرونی طور و کام و عمل کی جہتی نظر و شاعت  
کے مقابلہ میں ہے مگر جو کہ تم انہی باتوں پر نہ آؤ جو صداقت و انصاف و عقائد مذہب و مذاہب و فاضل کے خلاف ہیں  
۱۳۲ مئی میں انہیں یہ قیادہ دیا گیا کہ پیغمبروں کو انہی میں جھلے والی قرآنی ملامتوں کے دہی گئی تھی مگر یہ  
خدا کا اللہ نے اپنی کتاب ان کے سپرد کرتے وقت میں سے کیا اور کیا تھا اور کس قدرت علی کی ذمہ داری ان پر ڈالی تھی  
یہاں جس حد کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ذکر جگہ جگہ بائبل میں ہوتا ہے۔ خصوصاً کتب استنباط میں حضرت عیسیٰ  
کی جہنمی تقریر نقل کی گئی ہے اس میں تو وہ بار بار اپنی سرانسیل سے مدد لیتے ہیں کہ جو احکام میں نے تم کو پہنچائے ہیں

ثُمَّ قَلِيلًا مِّنْهُنَّ مَا يَشْتَرُونَ ۖ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُفْرِحُونَ أَن يُحْمَلُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا  
فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝  
وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝  
لَٰن فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

۴۰

اُسے بیچ ڈالا۔ کتاب کا بار بار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ تم ان لوگوں کو مذاہبے محفوظ نہ سمجھو  
جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کامل کی تعریف انہیں حاصل ہو جو  
فی الواقع انہوں نے نہیں کیے ہیں۔ حقیقت میں ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ زمین اور  
آسمان کا مالک اللہ ہے اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہے ۴۰

زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں

انہیں اپنے دل پر نش کرنا اپنی آئندہ نسلوں کو سکھانا، گھونٹے اور پلٹے اور پیٹے اور اٹھتے، ہر وقت ان کا بوجھ کرنا، اپنے  
گھر کو کھنڈوں پر ادا کرنے کا کھنڈ کرنا، ہاں کہہ دینا (۳۰-۳۹)۔ پھر اپنی آخری وصیت میں انہوں نے تاکید کی کہ فلسطین کی سرحد  
میں داخل ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرنا کہ وہاں پر بڑے بڑے چتر قصبہ کے قوراہ کے حکام ان پر کندہ کر دینا (۴۰-۴۱)۔  
غیر متعلقہ قوراہی کو قوراہ کا ایک سوراخ سے جاڑتے فرمائی کہ ہر ساتویں برس جو خیرات کے موقع پر قوم کے مردوں، عورتوں، بچوں کے  
مکہ کو حج کے لیے ہدیہ کی کتاب وقف غنڈاں کو سنا سنا کیے اس پر بھی کتاب اللہ سے اپنی امتوں کی غفلت و غفرت و غفرت  
بڑھی کہ حضرت موسیٰ کے سات سروریں ہندو کی لسانی کے ساتھ فلسطین اور یروشلم کے یہودی فرماں بردار کو یہ معلوم دیا کہ  
ان کے ان قوراہ نامی بھی کوئی کتاب موجود ہے۔ (۲-ساتھیں ۸۱۳-۱۳۴)۔

۱۳۴۳ء صفحہ ۵۱۱ تعریف میں یہ سنا چاہتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا، دیندار اور راسخوں، قادیان میں رہا  
شوق حسین ورنہ ضلع دمر کی ہیں، مالک حضرت محمد کی نہیں یا اپنے حق میں یہ دشمنوں کو لڑنا چاہتے ہیں کہ لڑاں صاحب  
ہوئے یا پھر ہر گھسے عاقبت و مدد نہیں انہوں نے قوت کی بڑی خدمت کی ہے۔ مالک صاحب باکل پر مکتبہ  
۱۳۴۴ء صفحہ ۵۱۲ کام ہے اس کا رد و لایہ کی قوی ثابت میں نہیں بلکہ یہی صدقہ میں خاص کرنا چاہیے۔ اس کو

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ يُدْكِرُ الْغَيْثَ وَيُمْسِكُ الْمَاءَ ۚ وَمَا يُدْكِرُ الْغَيْثَ إِلَّا جُنُودُهُ ۚ يَرْفَعُ السَّحَابَ بِجُنُودِهِ ۚ يُسْقِطُ الْمُنْزِلَ ۚ وَتُفْجَرُ السُّيُوفُ بِجُنُودِهِ ۚ يُنَزِّلُ الْمَطَرَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝۱۹  
وَعَلَىٰ جُنُودِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰  
لَبَّيْنَاكَ أَنَاكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ  
مِنْ أَنْصَارٍ ۝۲۱ رَبَّنَا إِنَّا أَسْمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ  
أَنِ امْنُوا بِرَبِّكُمْ فَأَمَّا نَا ۚ رَبَّنَا فَاعْفُ عَنَّا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ

مَنْ ہر شے کے لئے بہت نشانیاں ہیں جو اُنہیں دیکھتے اور سمجھتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اُٹھتے ہیں) ہم پر دعا کر! یہ سب کچھ تیرے فضل اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عیب کام گئے ہیں اسے سب! ہمیں دوزخ کے علاقے پہنچاتے، تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اُسے حقیقت بڑی ذلت و رسوائی میں ڈال دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ایک ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کتا تھا کہ اپنے رب کا توبہ کرنے کی دعوت قبول کر لی! پس اسے ہلائے! اتنا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگزر فرما جو برائیاں

کچھ کے لئے ضرورت کے ساتھ سزا کی قید کو تقاضا رکھتا ضروری ہے۔

۱۹۔ یعنی وہ نشانیاں سے ہر شخص کو آسانی حقیقت تک پہنچا سکتا ہے بشریکہ خدا سے قائل نہ ہو اور ایمان نہ لائے۔  
۲۰۔ گواہانوں کی طرح دیکھے جگر خود فکر کے ساتھ شاہد کرے۔

۲۱۔ جب وہ تمام کائنات کا غور شاہد کرتے ہیں تو یہ حقیقت میں پیش ہوتی ہے کہ یہ ہر امر ایک جگہ نظم ہے۔ جو یہ بات ہر امر حرکت کے خلاف ہے کہ جسی مخلوق میں اللہ نے اخلاق جس پیدا کی ہیں جسے تعارف کے اعتبارات سے ہیں۔ جسے عقل و تدبیر و حکمت کی اس سے اس کی جماعت دنیا کے اعمال پر باز نہیں دیتا اور اسے بھی پرہیز اور ہدایت پر

عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۖ وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا  
عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْبِعْدَ ۝

ہم میں ہیں انہیں دور کر دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوند! جو دھمکے  
تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے کیے ہیں اُن کو ہمارے ساتھ لے کر اور قیامت کے  
دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔  
جواب میں ان کے رب نے فرمایا "میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں  
ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔ لہذا جن لوگوں نے  
میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور  
ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے اُن کے سب قصود میں  
مزدی ہے۔ اس طرح نظام کائنات پر خود دیکھ کر کہنے سے انہیں کائنات میں جہاں ہے اور وہ خدایا سزا  
غنا مانگنے لگتے ہیں۔ ۵

۱۳۷۱ھ اسی طرح ہی شاہد ان کا اس بات پر بھی وطن گردیا ہے کہ بیکسیر لانات اس کے تانا بانہا خاتم  
کے معنی جو حفظہ نظر یعنی کہتے ہی اور زندگی کا جو راستہ بتاتے ہیں، دوسرا حق ہے۔

۱۳۴۰ ع میں انہیں اس مرضی تو شک نہیں ہے کہ اشد اپنے وعدوں کو نہ مارے گا یا نہیں مابعد تردید اس مرض ہے کہ کل ان وعدوں کے مطابق ہم بھی قتل پاتے ہی یا نہیں اس سبب سے اشد کے ہیں کہ ان وعدوں کے مطابق ہمیں تادمے اور ہمارے ساتھ انہیں چلا کر گئیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان قوم غیروں پر اپنا انکار کر کے ٹھیک طور طرح شیعہ کے ہوتے ہی ہیں، قیامت میں بھی ان کا فرد کے ساتھ جہاں جہاں وہ رہے ہوتے ہیں کہ ان کا بھی ان کا صلہ نہ ہوا۔

عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلَ لَهُمْ جَنَّتْ بَحْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
ثَوَابًا مَنْ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۵﴾ لَا يَغْرَبُكَ  
تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ  
ثُمَّ مَا أُوْتُوا مِنْ جَهَنَّمَ وَيَبُوءُ بِالْهَيْدِ ﴿۱۷﴾ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا  
رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ بَحْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لَازِلًا بِرَّارِ ﴿۱۸﴾ وَإِنَّ  
مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا

صحت کردوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں گی۔  
یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اللہ بہترین جزا دہندہ ہے پاس ہے۔

اسے نبی! دنیا کے لوگوں میں خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت میں کسی صوفی کے  
نہ ڈالے یہ محض چند دفعہ زندگی کا تھوڑا سا طعنے ہے، پھر سب جہنم میں جائیں گے جو بدترین  
جائے قرار ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اپنے رب کے فضلے جوئے زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لیے  
ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ کی طرف سے یہ ماہانہ عطا  
ہے ان کے لیے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لیے وہی سب سے بہتر ہے۔ اہل کتاب  
میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں، اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف بھی گئی ہے اور

۱۳۹ھ میں تم سب انسان جو اللہ میری نگاہ میں ہیں کہ میں نے جو میرے ہاں یہ دو قسم میں ہے کہ عبادت اللہ کرو، آقا اور مظلوم  
کے اور گروہ سے، اور اللہ کے لیے انصاف کے عمل اور فیصلے کے عمل، ایک ایک ہیں۔

۱۴۰ھ روایت ہے کہ بعض غیر مسلم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ کوئی عبادت اللہ دینا لائے تھے۔



أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ خُشْعِينَ لِلَّهِ لَا يَشَتُّونَ بِآيَاتِ اللَّهِ تَمَنَّا  
 قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ  
 سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَاصْبِرُوا  
 وَارْتَبِطُوا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

۲۰۸

اُس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس سے پہلے خود ان کی طرف بھی گئی تھی، انہد کے  
 آگے جھکے ہوئے ہیں، اور انہد کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ نہیں دیتے۔ ان کا اجر ان کے  
 رب کے پاس ہے اور انہد حساب چکانے میں دیر نہیں لگاتا۔

اے ایمان لانے والو! صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ،  
 حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تمہیں یہ ہے کہ فلاح پاؤ گے۔

یہ نئی اندھوں کو نیا دھ کر دھیروں کا چھا کہتے تھے دوسرے ہنر بھی کہہ دیکھ مجھے ہوتے تھے۔ آپ فرمائیں کہ آپ کیسے  
 اسے ہیں؟ اس پر آپ نے اس کو کچھ کہنا سے یہاں تک کی آیات حکمت فرمائیں اور ان سے کہا میں تو یہ لایا ہوں۔  
 ۱۴۱ اہل عربی تن میں صابر و اکافہ آیا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ کفار اپنے گھر پر جو رسولی رکھا  
 وہ ہے اس کو سر بلند کرنے کے لیے جو زمینیں اٹھا رہے ہیں تم ان کے مقابلے میں ان سے بڑھ کر پامردی دکھاؤ۔  
 دوسرے یہ کہ ان کے مقابلہ میں ایک دوسرے سے بڑھ کر پامردی دکھاؤ۔



تفہیم القرآن

النسارہ (۴)

## النساء

زمانہ نزول کو یہ سورہ متعدد خطبوں پر مشتمل ہے جو غالباً سترہ ہجری کے اواخر سے لے کر اجزاء مضمون سترہ ہجری کے اواخر یا سترہ ہجری کے اوائل تک مختلف اوقات میں نازل ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ کس مقام سے کس مقام تک کی آیات ایک سلسلہ تقریباً نازل ہوئی تھیں اور ان کا ٹھیک زمانہ نزول کیا ہے، لیکن بعض احکام اور عاقبات کی طرف بعض اشارے ایسے ہیں جن کے نزول کی تاریخیں ہمیں روایات سے معلوم ہو جاتی ہیں اس لیے ان کی مدد سے ہم ان مختلف تقریروں کی ایک سرسری سی درندی کر سکتے ہیں جن میں یہ احکام اور یہ اشارے واقع ہوئے ہیں۔

مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ وراثت کی تقسیم اور یتیموں کے حقوق کے متعلق ہدایات جنگ اُحد کے بعد نازل ہوئی تھیں جب کہ مسلمانوں کے مشترک شہید ہو گئے تھے اور مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں اس معاملے کی وجہ سے بہت سے گھروں میں یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ شہداء کی میراث کس طرح تقسیم کی جائے اور جو یتیم بچے انہوں نے چھوڑے ہیں، ان کے مفاد کا تحفظ کیسے ہو۔ اس پر ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ ابتدائی چادر کو ع اور پانچویں رکوع کی پہلی تین آیتیں اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہوگی۔

روایات میں صلۃ خوف و بین حالت جنگ میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں غزوہ ذات الرقار میں ہے ہوسترہ ہجری میں ہوا۔ اس لیے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اسی کے لگ بھگ زمانہ میں وہ خطبہ نازل ہوا جو کہ جس میں اس نماز کی ترکیب بیان کی گئی ہے (رکوع ۱۵)۔

مدینہ سے بنی نضیر کا خروج ربیع الاول سترہ ہجری میں ہوا اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ وہ خطبہ جس پہلے قریشی نانہ جی میں نازل ہوا ہوگا جس میں یہودیوں کو آخری تنبیہ کی گئی ہے کہ ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں۔

چاقی نہ لٹنے کی وجہ سے تیمم کی اجازت غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر دی گئی تھی ہوسترہ ہجری میں ہوا اسی سے وہ خطبہ جس میں تیمم کا ذکر ہے اسی سے متصل عدد کا سمجھنا چاہیے (رکوع ۷)۔

شان نزول اور مباحث اس طرح بحیثیت ہجری سورہ کا زمانہ نزول معلوم ہو جانے کے بعد ہمیں اس زمانہ کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لینا چاہیے تاکہ سورہ کے مضامین سمجھنے میں اس سے مدد

لی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس وقت جو کام تھا اُسے تین بڑے شعبوں پر تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک اُس نئی منظم اسلامی سوسائٹی کا تشدد و فحاشی کی بنا بھرت کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ اور اس کے اطراف و اطراف میں پڑ چکی تھی اور دوسری جاہلیت کے پرانے طریقوں کو مٹا کر اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور تدبیر مملکت کے نئے اصول وضع کیے جا رہے تھے۔ دوسرے اس ٹکٹش کا مقابلہ جو مشرکین عرب، یہودی قبائل اور منافقین کی مخالف اصلاح طاقتوں کے ساتھ پوری شدت سے جھڑپا تھی۔ تیسرے اسلام کی دعوت کو ان مزاحم طاقتوں کے علی الرغم پھیلانا اور مزید دلوں اور ماضی کو مسخر کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس موقع پر جتنے عجیبے نازل کیے گئے وہ سب اپنی تین شعبوں سے متعلق ہیں۔

اسلامی سوسائٹی کی تنظیم کے لیے سارے بقروں میں جو ہدایات دی گئی تھیں اب یہ سوسائٹی اس ناکند ہدایات کی طالب تھی اس لیے سارے مذہب کے ان غلطیوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ مسلمان اپنی اجتماعی زندگی کو اسلام کے حقیقی پرکس طرح درست کوں۔ خاندان کی تنظیم کے اصول بتائے گئے۔ نکاح پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ معاشرت میں وحدت اور مرد کے تعلقات کی حد بندی کی گئی۔ تینوں کے حقوق معین کیے گئے۔ حالت کی تقسیم کا ضابطہ مقرر کیا گیا۔ معاشی معاملات کی درستی کے متعلق ہدایات دی گئیں۔ خانگی جھگڑوں کی اصلاح کا طریقہ سکھایا گیا۔ تیری خاتون کی بنانا لی گئی۔ شرب نوشی پر پابندی عائد کی گئی۔ عداوت و پاکیزگی کے احکام دیے گئے۔ مسلمانوں کو بتایا گیا کہ ایک صلح انسان کا طریقہ فعل اور بندوں کے ساتھ کسا ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کے اندر جماعتی نظم و ضبط (ڈسپلن) قائم کرنے کے متعلق ہدایات دی گئیں۔ اول کتاب کے اخلاقی و مذہبی رویہ پر پتہ چرو کہ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ اپنی ان پیش معاہدوں کے نقش قدم پر چلنے سے پرہیز کریں۔ منافقین کے طریقہ عمل پر تنقید کر کے سچی ایمان داری کے معنیات واضح کیے گئے۔ ایمان و نفاق کے امتیازی دو صفت کو باہل نمایاں کر کے رکھ دیا گیا۔

مخالف اصلاح طاقتوں سے جو ٹکٹش برپا تھی اُس نے جنگ و جد کے بعد زیادہ تازہ صورت اختیار کر لی تھی۔ اُمہ کی شکست نے اطراف و افواج کے مشرک قبائل یہودی، ہمسایوں، اور گھر کے منافقین کی ہمت بہت بڑھا دی تھی اور مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھر گئے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایک طرف پُر جوش غیوروں کے دل سے مسلمانوں کو مقابلہ کے لیے ابھارا اور دوسری طرف جنگی حالات میں کام کرنے کے لیے انہیں فطرتاً ضروری ہدایات دیں۔ مدینہ میں منافقین اور عیساویان لوگ قسب کی خوفناک خبریں سننا کہ یہ عوامی پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حکم دیا گیا کہ ہر ایسی خبر ذمہ دار لوگوں تک پہنچانی جائے اور جب تک وہ کسی خبر کی تحقیق نہ کر لیں اس کی اشاعت کو روکا جائے۔

مسلمانوں کو بار بار عزت و احترام اور سرفروزیں میں جاتا پڑتا تھا اور اکثر ایسے ماستوں سے گنہگار ہوتا تھا جو ان کی فوج میں نہ ہو سکتا تھا۔ اجازت دی گئی کہ باقی نہ لے تو فضل و عہد و عہدوں کے ہاتھ پر کر دیا جلتے۔ نیز ویسے ماحول میں مذاکرہ کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی اور جہاں خطر و سر پہرہاں محفوظ و محفوظ ادا کرنے کا طریقہ بتایا گیا۔ عرب کے مختلف علاقوں میں جو مسلمان کافر قبیلوں کے درمیان منتقل تھے اور بااوقات جنگ کی میٹ میں بھی آجاتے تھے ان کا معاملہ مسلمانوں کے لئے سخت پریشان کن تھا۔

نہ مسئلہ میں ایک طرف اسلامی جماعت کو تنفیسی ہدایات دی گئیں اور دوسری طرف ان مسلمانوں کو بھی ہجرت پر ابھارا گیا تاکہ ہر طرف سے بحث کر دلا لا اسلام میں آجائیں۔

جودہ میں سے نئی فقیر کا دیہہ خصوصیت کے ساتھ نہایت مہمناز ہو گیا تھا اور وہ مہمناز کی صورت میں غلط فہمی کے کلمہ کلمہ دشمنان اسلام کا ساتھ دے رہے تھے اور خود دین میں سرور ملی اور یہ وسلم اور آپ کی جماعت کے خلاف سازشوں کے جال بچھا رہے تھے۔ ان کی اس روش پر سخت گرفت کی گئی اور انہیں صاف الفاظ میں انہی پر تنبیہ کر دی گئی۔ اس کے بعد ہی مدینہ سے ان کا اٹھنا عمل میں آیا۔

مناظروں کے مختلف گروہ مختلف طرز عمل رکھتے تھے اور مسلمانوں کے لیے یہ مشکل نہ تھا کہ کس قسم کے مناظروں سے سیکھا معاملہ کریں۔ ان سب کو الگ الگ طبقوں میں تقسیم کر کے ہر طبقہ کے مناظروں کے متعلق بتا دیا گیا کہ ان کے ساتھ یہ برتاؤ ہونا چاہیے۔

چیر چاندیار صاحب قبال کے ساتھ جودہ مسلمانوں کا ہونا چاہیے تھا اس کو بھی واضح کیا گیا۔ سب سے زیادہ اہم چیز یہ تھی کہ مسلمان کا اپنا کیا کر کے کرے یا غور کرے کہ اس کشمکش میں یہ معنی بھر جماعت اگر جیت سکتی تھی تو اپنے اخلاق و تہذیب کے لئے اسے جیت سکتی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کو جودہ میں اخلاقیات کی تعلیم دی گئی اور جو کچھ بھی ان کی جماعت پر نکلا۔ مونی اس پر سخت گرفت کی گئی۔

دعوت و تبلیغ کا پہلا ہی اس سورہ میں چھوٹے نہیں پایا ہے۔ جاہلیت نے مقابلہ میں اسلام جس اخلاقی و فلاحی مواقع کی طرف دھبہ کو بھرا ہوا تھا، اس کی توجہ کرنے کے علاوہ بریوں میں اس کا اور شے نہیں رہی۔ گروہوں کے علاوہ ہی تصورات اور اخلاقیات کا حال پر اس سورہ میں تنقید کر کے ان کو جہنم کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

آیہ ۶۶ سُوْرَةُ النَّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ  
وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا  
اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا  
وَاتُّوا الْيَتَىٰ أَمْوَالُهُمْ وَلَا تَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ

لوگو! اپنے رب کے دُور جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا  
بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اُس خدا سے دُور جس کا واسطہ  
دے کہ تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قربت کے تعلقات کو بگاڑنے  
سے پرہیز کرو۔ یقین جاؤ کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔  
یتیموں کے مال ان کو واپس دو، اچھے مال کو بُرے مال سے نہ بدل لو،

۱۔ چونکہ آگے چل کر انسان کے باہمی حقوق بیان کرنے میں اور حریمیت کے ساتھ خاندانی نظام کی بہتری استواری  
کے لیے ضروری قوانین و شرائط وضع کیے جائیں گے اس لیے تمہیں اس طرح اٹھانی گئی کہ ایک طرف اللہ سے ڈرنے اور  
اس کی نافرمانی سے بچنے کی تاکید کی اور دوسری طرف یہ بات ذہن نشین کرائی کہ تمام انسان ایک اہل سے ہیں اور ایک دوسرے  
کا خون اور گوشت پوست ہیں۔

۲۔ تم کو ایک جان سے پیدا کیا، یعنی ذریعہ انسانی کی تخلیق ابتداءً ایک فرد سے کی۔ دوسری جگہ قرآن خود اس کی تشریح  
کرتے کہ وہ پہلا انسان آدم تھا جس سے دنیا میں نسل انسانی پھیلی۔

۳۔ اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا، اس کی تفصیلی کیفیت جہاں سے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جراثیم اہل تفسیر  
بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم کی پہلی سے خواہ پیدا کیا گیا۔ لیکن کتاب اللہ اس بات سے  
خاصش ہے۔ اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مقوم رد نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ مذکور

وَلَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَهُمْ اِلَى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَوْْبًا كَبِيرًا ۝  
وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَقْسُطُوْا فِى الْيَمٰنِ فَاَنْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ  
مِّنَ النِّسَاءِ مَتْنٰی وَثَلٰثَ وَرُبِعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا

اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاو، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

اور اگر تم تمہیں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکرے تو

یہ ہے کہ بات کا اسی طرح عمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اُسے عمل رکھا ہے اس کی تفسیر کی کیفیت بتانے میں وقت نہ ضائع کیا جائے۔

۱۲۔ میں جب تک وہ بچے ہیں، ان کے مال انہی کے مفاد پر خرچ کر دو اور جب بڑے ہو جائیں تو حرام کا خرچ نہ کریں واپس کر دو۔

۱۳۔ جاتے ہو جن کا ایک مطلب ہے کہ عمل کی کفایت کے لئے حرام خریدی نہ کرنے، گوارہ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کے کچھ مال کا اپنے بڑے مال سے نہ ملے۔

۱۴۔ اس کے تین مفہوم الہی تفسیر نے بیان کیے ہیں:-

(۱) حضرت عائشہ اس کی تفسیر میں فرماتی ہیں کہ نماز، ہجرت میں جو تحیم پہچان لوگوں کی سرپرستی میں ہوتی تھیں ان کے مال اعدائے دشمن و جمال کی وجہ سے یا اس خیال سے کہ ان کا کوئی مرد حراً تو ہے نہیں جس طرح ہم پہاڑیں گے وہاں رکھیں گے وہ ان کے ساتھ خود نکاح کر لیتے تھے اور چران پر ظلم کیا کرتے تھے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تمہیں واپس کرنے کے لئے اخراجات نہ کر سکرے تو دوسری عورتیں دنیا میں جو دیں، ان میں سے جو تمہیں پسند آئیں ان کے ساتھ نکاح کرو۔ اسی فرق میں نبیوں و کرام کی یہی آیت اس تفسیر کی تائید کرتی ہے۔

(۲) جیسا کہ علما کے شاگرد مولانا اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا تھا اور جب اس کثرت ازواج سے مصائب جمع ہاتے تھے تو مجبور ہو کر اپنے پیغمبر پر بھروسہ کر دیتا تھا اور دوسرے بچے جس عورت کے حقوق پر دست درازی کرتا تھا اس پر اشد تامل سے نکاح کے لیے چاہنے لگتا تھا مگر کہ وہی اور فرمایا کہ ظلم ہے بے انصافی سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ایک سے لے کر چار تک اتنی بیویاں کر دو جن کے ساتھ تم عدل پر قائم رہ سکو۔

## فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ ۖ أَلَّا تَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

پھر ایک ہی بیوی کو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قہرین مہربان ہے۔

(۳) سید بن جبیر اور قتادہ ابو سعید مدنی سے منقول ہے کہ جہاں تک تمہیں کما حقہ ہے اپنی جاہلیت بھی ان کے ساتھ بے انصافی کرنے کو ابھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ لیکن عورتوں کے معاملہ میں ان کے ذہن عدل و انصاف کے تصور سے خالی تھے۔ جتنی چاہتے تھے شادیں کر لیتے تھے اور پھر ان کے ساتھ غم و جور سے پیش آتے تھے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اگر تم تمہیں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو عورتوں کے ساتھ بھی بے انصافی کرنے سے ڈرو۔ اقل تو چار سے زیادہ نکاح ہی نہ کرو، اور اس چار کی حدیں بھی میں اتنی جیریاں رکھو جن کے ساتھ انصاف کر سکو۔

آیت کے الفاظ ان تینوں تفسیروں کے متحمل ہیں اور کب نہیں کہ تینوں مضموم مراد ہوں۔ نیز اس کا ایک مضموم بھی چھٹا ہے کہ اگر تم تمہیں کے ساتھ ویسے انصاف نہیں کر سکتے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جن کے ساتھ تم قہم بچتے ہو۔

۵۔ اس بات پر فقہاء اجماع ہے کہ اس آیت کی حد سے تعدد و انداج کو محدود کیا گیا ہے چار ایک وقت چار سے زیادہ جیریاں رکھنے کو منع کر دیا گیا ہے۔ روایات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ادریس میں آیا کہ طاہت کار نہیں طلاق جب اسلام لایا تو اس کی زوجیاں تھیں۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے حکم دیا کہ چار جیریاں رکھنے اور باقی کو چھوڑ دے۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص (روفل بن حادیر) کی پانچ جیریاں تھیں۔ آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دے۔

نیز یہ آیت تعدد و انداج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ دیتی ہے۔ جو شخص عدل کی شرط پوری نہیں کرتا کیا اسے زیادہ جیریاں رکھنے کی اجازت سے فائدہ اٹھانا ہے؟ ہاں نہ کے ساتھ دعا بازی کر لے۔ حکومت اسلامی کی عدالتوں کو منجمل ہے کہ جس بیوی یا جن بیویوں کے ساتھ وہ انصاف نہ کر پاتا ہو ان کی مدد کرے۔

بعض لوگ دلیل مغرب کی سمیت زود ماٹے سے مطلوب و مرغوب ہو کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کا اصل مقصد تعدد و انداج کے طریقے کو موعظی نقطہ نظر سے فی الاصل بظاہر ہے، شاید یہاں تا مگر چونکہ یہ طریقہ بہت زیادہ رواج پا چکا تھا اس لیے اس پر صرف پابندیاں مان کر کے چھوڑ دیا گیا۔ لیکن اس قسم کی باتیں وہاں محض ذہنی غلامی تھیں۔ تعدد و انداج کافی قہم ایک ہوائی ہوتا۔ بھانے خود ناقابل تسلیم ہے کہ یہ کس صل حالات میں یہ چیز ایک مقتدی اور انسانی ضرورت بن جاتی ہے۔ اگر اس کی اجازت نہ ہو تو چھوڑ کر ہوا ایک عورت پر قانع نہیں ہو سکتے، حصار نکاح سے باہر صنفی برائی پھیلنے لگتی ہیں جس کے نقصانات تمدن و اخلاق کے لیے اس سے بہت زیادہ ہیں جو تعدد و انداج سے پہنچ سکتے ہیں۔ اسی لیے قرآن نے ان لوگوں کو اس کی اجازت دی ہے جو اس کی ضرورت محسوس کریں۔ تاہم جن لوگوں کے



وَاتُوا النِّسَاءَ صِدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُنَّ فَاغْلُظْ  
فَكُلُوا مِنْهُنَّ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَوَلَّوْا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ  
لَكُمْ قِيَمًا وَآثَرَ زُكُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُم قَوْلًا مَعْرُوفًا

اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو، البتہ اگر وہ خود  
اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔

اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، نادان  
لوگوں کے حوالہ نہ کرو، البتہ انہیں کمانے اور پہننے کے لیے دو اور انہیں نیک ہدایت کر دو۔

زید کا بعد از مباح فیہ ایک برائی ہے ان کو یہ امتداد تو ضرور حاصل ہے کہ ہاں قرآن کے برخلاف اس کی مذمت  
کریں اسلئے موقوف کر دینے کا مشورہ دیں۔ لیکن یہ حق انہیں نہیں پہنچا کہ اپنی رائے کو خواہ مخواہ قرآن کی طرف منسوب کریں۔  
کیونکہ قرآن نے صریح الفاظ میں اس کی اجازت دی ہے اور اشارہ رکنا یہ بھی اس کی مذمت میں کوئی ایسا انکار استعمال  
نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہو کہ فی الواقع وہ اسے ممدود کرنا چاہتا تھا۔

۱۷ لڑکیاں مرد ہیں، یعنی وہ عورتیں جو جنگ میں گرفتار ہو کر آپس میں ملکوت کی طرف سے لوگوں میں تقسیم کر لی  
جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک نالوا غلامانی بیوی کا باریج برداشت نہ کر سکو تو پھر زندگی سے نکاح کر دو، جیسا کہ کعبہ میں  
آگے آتا ہے۔ یا یہ کہ اگر ایک سے زیادہ عورتوں کی تمہیں ضرورت ہو اور نالوا غلامانی بیویوں کے درمیان بدل لکھنا مستند  
ہے شکل ہو تو زندگیوں کی طرف رجوع کر کے کرنا ان کی وجہ سے تم پر ذمہ داریوں کا بار نہ بنے کہ پہلے لگا۔ آگے حاشیہ دیکھیں  
فتویٰ کے متعلق احکام کی مزید تفصیل ملے گی،

۱۸ حضرت عمرؓ کا یہ بھی صحیح کلام ہے کہ اگر کسی حدیث نے اپنے شریر کو پرچار میں اس کا کوئی حصہ  
صاف کر دیا ہو اور بعد میں وہ اس کا پھر مطالبہ کرے تو ضرور اس کے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ اس کا مطالبہ کرنا  
یہ بھی رکھتا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے میرا اس کا کوئی حصہ چھڑنا نہیں چاہتی۔

۱۹ یہ حدیث میں معنی کی حامل ہے۔ اس میں اہمیت کو یہ جامع ہدایت فرمائی گئی ہے کہ مال جو ذریعہ قیام زندگی  
ہے بہر حال ایسے نادان لوگوں کے اختیار و تصرف میں نہ رہنا چاہیے جو اسے غلط طریقے سے استعمال کر کے نظام تمدن و  
معیشت اور بالآخر نظام اخلاق کو خراب کر دیں۔ حقوق ملکیت جو کسی شخص کو ملے، اس کا استعمال میں اس قدر غیر محدود نہیں ہیں  
کہ وہ اگر ان حقوق کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا اہل نہ ہو اور نادان کے استعمال سے اجتماعی فساد برپا کرے تب بھی اس کے وہ

وَابْتَغُوا الْيَتْمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اَسْتَمْتُمْ مِنْهُمْ  
رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا  
وَبَدَاً اِنَّ يَكْفُرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ

اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر تک پہنچ جائیں پھر اگر تم ان کے اندر اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ ایسا کبھی نہ کرنا کہ مٹا نصابت سے تجاوز کر کے اس خوف سے ان کے مال جلدی جلدی کھا جاؤ کہ وہ بڑے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کریں گے۔ یتیم کا جو سر پرست مال دار ہو وہ پرہیزگاری سے کام لے،

حقوق سلب نہ کیے جا سکیں۔ جہاں تک آدمی کی ضروریات زندگی کا تعلق ہے وہ تو ضرور ہی ہونی چاہئیں، لیکن جہاں تک حقوق املاک کے انفرادی استعمال کا تعلق ہے، اس پر یہ بندی عائد ہونی چاہیے کہ یہ استعمال اخلاق و تمدن اور اجتماعی معیشت کے لیے مریضاً مفید نہ ہو۔ اس ہدایت کے مطابق چھوٹے چھوٹے پرہیز و احتیاط کا کوئی امر کا اس پر ملکیت اسلامی کی اس امر کا انتظام کرنا چاہیے کہ جو لوگ اپنے احوال پر خود ان کا نہ تصرف کے لہل نہ ہوں۔ یا جو لوگ اپنی دولت کو بڑے طریقوں سے استعمال کر رہے ہوں، اللہ کی املاک کو وہ اپنے انتظام میں لے لے اھوان کی ضروریات زندگی کا بندوبست کر دے۔

۹ یعنی جب وہ بہن بھائی کے قریب پہنچ رہے ہوں تو دیکھتے رہیں کہ ان کا عمل نشوونما کیسے ہے اور ان میں اپنے معاملات کو خود اپنی ذمہ داری پر چلانے کی صلاحیت کس حد تک پیدا ہو رہی ہے۔

۱۰ حال ان کے حوالہ کرنے کے لیے دو شرطیں مائد کی گئی ہیں۔ ایک بوجہ، دوسرے رشد، یعنی مال کے صحیح استعمال کی قابلیت۔ پہلی شرط کے متعلق تو فقہائے امت میں اتفاق ہے۔ دوسری شرط کے بارے میں امام و حنفیہ و شافعی و مالکی کے مذہب کی رائے یہ ہے کہ اگر بہن بھائی کو پہنچنے پر شہر میں رشد نہ پایا جائے تو وہ بی یتیم کو زیادہ سے زیادہ سات سال اور پندرہ گنا چاہیے۔ پھر خود ارشد پایا جائے یا نہ پایا جائے، اس کا مال اس کے حوالہ کر دینا چاہیے۔ امام ابو حنیفہ و امام شافعی و حنفی و مالکی کے مذہب کی رائے یہ ہے کہ مال حال کیے جانے کے لیے ہر مال رشد کا پایا جاتا تا اگر یہ ہے۔ غالباً موقوفہ الذکر حضرت کی رائے کے مطابق یہ بات زیادہ قرین مصلحت ہوگی کہ اس معاملہ میں قاضی شرع سے رجوع کیا جائے اور اگر قاضی پر ثبات ہو جائے کہ اس میں رشد نہیں پایا جاتا تو وہ اس کے معاملات کی نگرانی کے لیے خود کوئی متاسب انتظام کر دے۔

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ  
 أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ①  
 لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ وَ  
 لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ  
 مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ② وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ  
 أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَنزِلُوهُمْ مِنْهُ

اور جو غریب ہو وہ معروف طریقہ سے کھائے۔ پھر جب اُن کے مال اُن کے حوالے کرنے کو  
 تو لوگوں کو اس پر گواہ بنالو اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔

مردوں کے لیے اُس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو،  
 اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو،  
 خواہ تنہو یا جو یا بہت، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

اور جب تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین یہ نہیں تو اس مال میں سے انکو بھی کچھ

اللہ یعنی اپنا حق اللہ مت اس حد تک لے کہ ہر غیر جائداد معقول آدمی اس کو مناسب تسلیم کرے۔ نیز یہ کہ جو کچھ  
 حق اللہ مت وہ لے چوری چھپے نہ لے بلکہ علانیہ سے کر کے لے اور اس کا حساب رکھے۔

اللہ اس بات میں واضح حد پر دو قانونی حکم دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ میراث صرف مردوں ہی کا حصہ نہیں  
 بلکہ عورتیں بھی اس کی حقدار ہیں۔ دوسرے یہ کہ میراث ہر مال تقسیم یعنی چاہے غلامہ کتنی ہی کم ہو، حتیٰ کہ اگر مرنے والے  
 نے ایک کو کپڑا چھوڑا ہے اور دس دلاش میں تو اسے بھی دس ٹکڑوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ بھرت ہے کہ ایک وارث  
 دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ غریب لے۔ غلامہ بریں اس بات سے یہ بات بھی شرح ہوتی ہے کہ کدھات کا کارزن نہ فریک  
 ہوا بلکہ ملک پر جانی ہوگا۔ خواہ وہ متعلقہ ہوں یا غیر متعلقہ، زخمی ہوں یا صحت یاب کسی اور صفت مال میں شمار ہوتے زخمی۔

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ  
ذُرِّيَّةً ضِعَفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝  
إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا  
يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝  
يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنثَىٰ

اور ان کے ساتھ بھلے مالنوں کی سی بات کرنا۔

لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے دنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد  
چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے ،  
پس چاہیے کہ وہ خدا کا خوف کریں اور رستی کی بات کریں جو لوگ یتیموں کے مال  
کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی  
آگ میں جھونکے جائیں گے ۔

۱۔ تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ :

مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا

۱۳۔ خطاب یت کے مادرؤں سے ہے اور انہیں ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ یتیم کی تقسیم کے موقع پر جو  
دود و نزدیک کے مشورہ و ارادہ کنہ کے غریب و سیکین و گ اور یتیم بچے و یتیموں کے ساتھ تنگ دلی نہ ہو تو یتیموں  
میں اللہ نے شرع ان کا حصہ نہیں ہے تو ذہنی و معنوی غلبے کام سے کہہ کر کہیں سے ان کو بھی کچھ نہ کچھ حصہ  
انسان کے ساتھ وہ دل شکن باتیں نہ کہ جو ایسے مبالغہ پر مبنی ہوں گے کہ کم خیرت لوگ کیا کرتے ہیں ۔

۱۴۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب محمد کے بعد حضرت صدیق اربعہ کی بیوی اپنی دو بیویوں کو لیے ہوئی تھیں تو  
علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سہل کی بیوی ہیں جو آپ کے ساتھ محمد میں شہید  
ہوئے ہیں جن کے چھانے پہری جائداد پر قبضہ کر لیا ہے انسان کے لیے ایک جہت تک نہیں چھوڑا ہے ۔ اب بھلا ان د

فَإِنْ كُنْ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ  
وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ  
مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ  
أَبَوُهُ فَلِلَّامَةِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِلَّامَةِ الشُّدُسُ

اگر میت کی وارث (دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے،  
اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔

اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ  
دینا چاہیے۔

اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ہاں کو تیسرا حصہ  
دیا جائے۔

اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ان چھٹے حصے کی حق وارث ہوگی۔

بچوں سے کن نکاح کرے گا: اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

۱۵۱ میراث کے معاملہ میں یہ قولین اصولی ہدایت ہے کہ مرد کا حصہ عورت سے دو گن ہے۔ چونکہ شریعت نے  
خانہ دانی زندگی میں مرد پر زیادہ معاشی ذمہ داریاں کا لی تھیں لہذا یہ اور عورت کو میت سی معاشی ذمہ داریوں کے بارے  
میں کم دیا گیا ہے، لہذا انعام کا تقاضا یہی تھا کہ میراث میں عورت کا حصہ مرد کی نسبت کم رکھا جائے۔

۱۵۲ یہ حکم دو لڑکیوں کا بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی مکان چھوڑا ہو اور اس کی اولاد میں صرف  
لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں تو خواہ دو لڑکیاں ہوں یا دو سے زائد، ہر حال اس کے کل ترکہ کا  $\frac{2}{3}$  حصہ ان لڑکیوں میں تقسیم ہوگا،  
اور باقی  $\frac{1}{3}$  دوسرے وارثوں میں۔ لیکن اگر میت کا وارثہ ایک لڑکا ہو تو اس پر اجماع ہے کہ دوسرے طبقوں کی غیر موجودگی  
میں وہ کل مال کا وارث ہوگا، اور دوسرے وارث موجود ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی سب مال اس سے ملے گا۔

۱۵۳ یعنی میت کے صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ہر مال میت کے والدین میں سے ہر ایک پر حصہ  
ہوگا خواہ میت کی عمارت صرف بیٹیاں ہوں، یا صرف بیٹے ہوں، یا بیٹے اور بیٹیاں ہوں، یا ایک بیٹا ہو یا ایک بیٹی یہ

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّهِ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنُ آبَائِكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ  
إِيَّاهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ إِنْ اللَّهُ كَانَ

یہ سب جتنے اس وقت نکالے جائیں گے جبکہ وصیت جویت نے کی ہو پوری کر دی  
مانے اور قرض جو اس پر عطا کر دیا جائے۔

تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون لحاظ نفع  
تم سے قریب تر ہے۔ یہ جتنے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سب حقیقتوں سے  
بالیٰ قرآن میں دوسرے حادثہ شریک ہیں گے۔

۱۸۱۔ اس باپ کے سوا کوئی اور حادثہ نہ ہو تو باقی باپ کو ملے گا۔ ورنہ بیٹے میں باپ اور دوسرے حادثہ شریک ہوں گے  
۱۸۲۔ بھائی بہن ہونے کی صورت میں بیٹے کا حصہ بیٹے کے بجائے چاکر دیا گیا ہے۔ اس طرح اس کے حصہ میں سے  
جو چاہا گیا ہے وہ باپ کے حصہ میں ڈالا جائے گا کیونکہ اس صورت میں باپ کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ یہ واضح رہے کہ  
یت کے والدین اگر زندہ ہیں تو اس کے بہن بھائیوں کو حصہ نہیں پہنچتا۔

۱۸۳۔ وصیت کا ذکر قرض پر مقدم اس لیے کیا گیا ہے کہ قرض کا ہوتا ہر مرتبے کے حق میں ضروری نہیں ہے،  
اور وصیت کو اس کے لیے ضروری ہے۔ لیکن حکم کے اعتبار سے امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے۔  
یعنی اگر وصیت کے ذمہ قرض ہو تو سب سے پہلے وصیت کے شرکاء میں سے حصہ دیا جائے گا، جو وصیت پوری کی جائے گی، اور اس کے  
بعد وصیت تقسیم ہوگی۔ وصیت کے متعلق سورہ بقرہ ماثیدہ ۱۸۳ میں ہم بتا چکے ہیں کہ آدمی کو اپنے کل مال کے یکم حصہ  
کی وصیت کرنے کا اختیار ہے، اور یہ وصیت کا تمام حصہ اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ قانون وصیت کی رعایت میں عزیزوں  
کو میراث میں سے حصہ نہیں پہنچتا ان میں سے جس کو یا جس کو آدمی مدد کا مستحق پاتا ہو اس کے لیے اپنے اختیار پر ترجیح ہے  
حصہ مقرر کر دے مثلاً کوئی تیرہ یا تالیق ہو جو حصہ کی بوجہ وصیت کے دن کاٹ دیا ہے، یا کوئی بھائی یا  
جن یا بھانج یا بیٹھایا بھانجیا اور کوئی عزیز ایسا ہے جو سہارے کا محتاج نظر آتا ہے تو اس کے حق میں وصیت کے  
ذریعے حصہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہیں ہے تو دوسرے مستحقین کے لیے یا کسی غلام  
کے کام میں صرف کرنے کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے۔ غلام یہ ہے کہ آدمی کی کل کیت میں سے پچھاسواں حصہ  
نائد کے متعلق شریعت نے میراث کا ضابطہ بنا دیا ہے جس میں سے شریعت کے نامزد کردہ وارثوں کو مقررہ حصہ ملے گا اور  
بیٹے یا اس سے کچھ کم کو خواہ اس کی موہید پر چھوڑا گیا ہے کہ اپنے مخصوص خاندانی حالات کے لحاظ سے (جو کا ہرچہ کہ بہت سی  
کے حامل میں مختلف ہوں گے) جس طرح مناسب سمجھے تقسیم کرنے کی وصیت کر دے۔ پھر اگر کوئی شخص اپنی وصیت میں ظلم

عَلَيْكُمْ حَكِيمًا ۝ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ  
 لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا  
 تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ  
 مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ  
 الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ

واقعہ اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔

اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہو  
 ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے جبکہ وصیت جو انہوں نے  
 کی ہو پوری کر دی جائے، اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ اور وہ تمہارے  
 ترکہ میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت  
 میں ان کا حصہ ٹھوڑا ہوگا، بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کر دی جائے اور  
 جو قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کر دیا جائے۔

کہے، یا باقاعدہ دیکھا اپنے اختیار فیہی کو غلط طور پر استعمال کرے جس سے کسی کے جائز حقوق متاثر ہوتے ہوں  
 قاس کے لیے پہچانے گا کہ دیکھا ہے کہ خاندان کے لوگ باہمی رضامندی سے اس کی اصلاح کریں یا کسی شرعی  
 سے مداخلت کی درخواست کی جائے اور وصیت کو درست کرے۔

۲۱۔ عجب ہے، ان سب ناماذن کو جو میراث کے اس خلائی قانون کو نہیں سمجھتے اور اپنی ناقص عقل سے  
 اس کو سرکھڑا کرنا چاہتے ہیں جو ان کے نزدیک اللہ کے بتائے ہوئے قانون میں مانگنی ہے۔

۲۲۔ یعنی خدایک بھری ہو یا کئی بیویاں ہوں، اولاد ہونے کی صورت میں وہ ۱/۴ کی اولاد نہ ہونے کی  
 صورت میں ۱/۴ کی حصہ دار ہوں گی اور یہ ۱/۴ یا ۱/۴ سب بیویوں میں بٹا کر دے گا کہ ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔

وَلَوْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَكَانَ أَخٌ أَوْ  
 أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ  
 ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُوْصَى  
 بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہو اور اس کے  
 ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن  
 ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی  
 میں وہ سب شریک ہوتے گئے، جبکہ وصیت جو کی گئی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو میت نے  
 چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے، بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ دانایا

۳۲۹ بانی چاہے جو چاہے میں اس میں اگر کوئی اور حادثہ موجود ہو تو اس کو حصہ ملے گا۔ لہذا اس پوری بات کا  
 حکمت کے تعلق میں شخص کو وصیت کرنے کا حق ہو گا۔

اس آیت کے تعلق میں اس کا اجماع ہے کہ اس میں بھائی اور بہن سے مراد انسانی بھائی اور بہن ہیں یعنی جو رشتے  
 ماتہ صرف ماں کی طرف سے رشتہ رکھتے ہوں اور باپ ان کا دوسرا ہو۔ سب کے بھائی بہن، اور وہ سوتیلے بھائی  
 بہن جو باپ کی طرف سے میت کے ساتھ رشتہ رکھتے ہوں، تو ان کا مکمل ہی حصہ کے اخذ میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۳۰ وصیت میں ضرر رسائی یہ ہے کہ ایسے طور پر وصیت کی جائے جس سے حق رشتہ داروں کے حقوق  
 صحت ہستے ہوں۔ اور قرض میں ضرر رسائی یہ ہے کہ حق خداموں کو محروم کرنے کے لیے آدمی خواہ مخواہ اپنے اوپر اپنے قرض  
 کا قرضہ کرے جو اس نے فی الواقع دیا ہو یا نہ دیا ہو کوئی ایسی چال چلے جس سے تصور یہ ہو کہ خداداد میراث سے محروم ہو جائیں۔  
 اس قسم کے قبضہ کو گناہ و کفر قرار دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ وصیت میں نقصان رسائی نہ لے لیا ہوں میں سے ہے۔  
 اور ایک دوسری حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی تمام عمر اہل میت کے سے کام کرتا رہتا ہے مگر وصیت  
 وصیت میں ضرر رسائی کر کے اپنی کتب خدنگ کر دے ایسے عمل پر قسم کھاتا ہے جو اس سے صانع کائنات سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہ ضرر اور  
 حق تلفی اگر ہر حال میں گناہ ہے، مگر خاص طور پر کلام کے سلاسل میں اضافہ کرنے سے اس کا کلام اس سے فرمایا کہ اس شخص کے



حَلِيمٌ ۱۲) تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ  
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ  
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۱۳) وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ  
حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۱۴)

اور نرم خوش ہے۔

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اُسے اللہ  
ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ  
رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی  
مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جائے گا اُسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ  
رہے گا اور اس کے لیے رسوا کی سزا ہے۔ ۱۴

اولاد جو نہ ماں باپ ہوں یا اس میں عورت یا یہاں پیدا ہو جائے کہ اپنی باندہ کو کسی نہ کسی طرح سخت کر جائے اور نسبتاً دور  
کے مشرکہ دھندوں کو حشر پانے سے محروم کر دے۔

۱۲) یہاں اللہ کی صفت علم کا اظہار دو دو جو سے کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ اگر اس قانون کی خلاف ورزی کی گئی تو  
اللہ کی گرفت سے آدمی نہ بچ سکے گا۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے جو جس طرح مقرر کیے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں کیونکہ بندوں کی  
صلحت جس چیز میں ہے اللہ اس کو خود بندوں سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ اور اللہ کی صفت علم یعنی اس کی نرم غنی کا ذکر  
اس لیے فرمایا کہ اللہ نے یہ قوانین مقرر کرنے میں سختی نہیں کی ہے بلکہ ایسے مادے مقرر کیے ہیں جن میں بندوں کے لیے  
زیادہ سے زیادہ سموت ہے تاکہ ہر مشقت زندگی میں جتنا نہ ہوں۔ (قانون میراث پر مفصل نوٹ فیصلہ میں درج ہے)  
۱۳) اللہ یہ ایک بڑی خوفناک سزا ہے جس میں اُن لوگوں کو جہنم کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ  
کے مقرر کیے ہوئے قانون وراثت کو تبدیل کریں، یا ان دوسری قانونی حدوں کو توڑیں جو خدا نے اپنی کتاب میں واضح طور پر  
مقرر کر دی ہیں لیکن سخت خاص ہے کہ اس قدر سخت و عید کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں نے باطل بیرونیوں کی جی جہت  
کے ساتھ خدا کے قانون کو بدلا اور اس کی حدوں کو توڑا۔ اس قانون وراثت کے معاملہ میں جو نافرمانیاں کی گئی ہیں وہ خدا کے

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا  
 عَلَيْهِنَ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ، فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي  
 الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَقَّعَ مِنَ الْمَوْتِ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ  
 سَبِيلًا ۚ وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ فَادْهُمَا ۖ فَإِنْ تَابَا  
 وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی ترکیب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں  
 کی گواہی لو، اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں  
 موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔ اور تم میں سے جو اس فعل کا  
 ارتکاب کریں ان دونوں کو تکلیف دو، پھر اگر وہ توبہ کر سکیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انہیں  
 چھوڑ دو کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

خلافت کی بناوٹ کی حد تک پہنچی ہیں۔ کہیں عورتوں کو میراث سے مستقل طور پر محروم کیا گیا۔ کہیں صرف بیٹے کو میراث  
 کا حق نہیں دیا گیا۔ کہیں سوسے سے تقسیم میراث ہی کے طریقے کو چھوڑ کر مشترک خاندانی جائیداد کا طریقہ اختیار کر دیا گیا۔ کہیں  
 عورتوں کو مردوں کا حصہ برابر کر دیا گیا۔ اسباب ان چالی بنادوں کے ساتھ تازہ ترین بناوٹ یہ ہے کہ بعض مسلمان ریاستیں  
 اہل مغرب کی تقلید میں وفات تکین (Death duty) اپنے ہاں رائج کر رہی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ  
 میت کے مال میں سے ایک وارث حکومت بھی ہے جس کا حصہ کھانا انڈیا میں قبول کئے گئے تھے، مالانگہ سوسی سول پر  
 میت کا ترکہ کسی صورت میں حکومت کو پہنچتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ کسی مرنے والے کا کوئی قریب و صید و شہد وار موجود  
 نہ ہو اس کا چھوڑا جائی مال تمام شہر یا رستروں کو (Unclaimed properties) کی طرح داخل بیت الخلاء  
 ہو جائے۔ یا پھر حکومت اس صورت میں کوئی حصہ پا سکتی ہے جبکہ مرنے والا اپنی وصیت میں اس کے بیٹے کو حصہ مقرر رکھتا ہے  
 ۱۶۔ ان دونوں بیرونی میں نہ انکی سرحدیں لگائی گئی ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہ صرف مذکورہ دونوں کے متعلق ہے اس میں کہ مرزا  
 شاہد بھی ہے کہ ان میں تاخیر ثانی قدرت رکھا ہے۔ دوسری آیت زانیہ مرثیہ عورتوں کے مال سے ہیں چھ حصہ  
 انیت دی جائے، یعنی ملا بیٹا جائے، سنت مست کما جائے، سوان کی تدبیر کی جائے۔ نہ کہ متعلق بہ تدائی ملک تھا۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ الشُّوْءَ بِجَهَالَةٍ  
ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ  
اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَٰكِنَّ التَّوْبَةَ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ  
السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الشَّنَّ

ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت لائق انہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ  
کوئی بُرا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ اپنی  
نظرِ عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا  
ہے۔ مگر توبہ اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جو بُرے کام کیے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ  
جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے اُس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی

بعد میں اللہ کی دعوتِ نازل ہوئی جس میں مودودیت و عدل کے لیے ایک ہی حکم دیا گیا کہ انہیں توبہ کو ملے گا نہ نہیں۔  
اگر عرب جو کس وقت تک کسی باقاعدہ حکومت کے اقتدار بنے اور حالات و قانون کے نظام کی احاطہ کرنے کے مادی نقص  
اس لیے یہ بات حکمت کے خلاف ہوئی اگر اسلامی حکومت قائم ہوتے ہی ایک قانونِ تعزیرات بنا کر دفعہ میں پرانا ذکر کیا جاتا۔  
اللہ تعالیٰ نے ان کو دفعہ تعزیری قوانین کا جو گہر بنانے کے لیے پہلے زمانے کے متعلق یہ سزاؤں تجویز فرمائیں پھر تمدن و زمانہ  
تقدم و سرکردگی عدلیہ تعزیرات، باقاعدہ قوانین کا وہ متعلق قانون بنا جو نئی مسلمانی اللہ علیہ وسلم نے غنائے و تائید  
کی حکومت میں نافذ تھا۔

مفسرِ قرآن کہیں وہ قانون آیتوں کے ظاہری فرق سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ پہلی آیت منکر و مکرہوں کے لیے ہے  
دوسری آیت غیر شرعی شدہ مرد و عورت کے لیے ایک ہی ایک کردہ تفسیر ہے جس کی تائید میر کوئی دینی دلیل نہیں۔ اور اس  
زیادہ کر رہا ہے وہ ہے جو اسلام مصلحتی نے لکھی ہے کہ پہلی آیت عورت اور عورت کے نامہ از حق کے بارے میں ہے  
اور دوسری آیت مرد و عورت کے نامہ از حق کے بارے میں ہے۔ تعجب ہے جو مسلم جیسے ذی علم شخص کی نظر اس حقیقت کی طرف  
کیوں نہ لگے کہ قرآن انسانی زندگی کے لیے قانونِ حقوق کی شاہکار و تائید ہے اور اسی مسئلے سے بحث کرتا ہے جو ظاہر و باطن  
ہوتے ہیں۔ وہیں عجیب و غریب قوانین، قوانین کی طرف توجہ کرتا اور اس پر پیش نہ آئے ضمنی مسائل سے بحث کرنا کا شیوہ

وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ  
عَذَابًا أَلِيمًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرْتُوْنَ النِّسَاءَ  
كُرْهًا ۚ وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا اتَيْنَتْهُنَّ

اور اسی طرح تو بیان کے لیے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے  
توہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی تھی۔

اے ایمان لانے والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے ارث بن لیتو  
اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں تنگ کر کے اس ہر کچھ حد اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو۔

کے لیے ہرگز موزوں نہیں ہے۔ ایسی چیزوں کو اس نے اجتہاد کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبد بنیت کے بعد  
جب یہ سال پیدائش کا مرد اور مرد کے ناجائز تعلق پر کیا مسزادی ہائے وصاہدہ کام میں سے کسی نے بھی نہ سمجھا کہ سورۃ  
فساد کی اس آیت میں اس کا حکم موجود ہے۔

توبہ کے معنی پھٹے اور جوہر کرنے کے ہیں۔ گناہ کے بعد بندے کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ  
ایک ظلم جو اپنے آقا کا نافرمان بن کر اس سے کوئی پھیر گیا تھا اب اپنے کچے پریشاں ہے اور طاعت و فرمان برداری  
کی طرف بلٹ آیا ہے۔ اور خدا کی طرف سے بندے پر توبہ یہ معنی رکھتی ہے کہ ظلم کی طرف سے مالک کی نفرت عاقبت جو  
پھر گئی تھی وہاں سر تو اس کی طرف منقطع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ میرے ہاں معافی صرف اُن  
بندوں کے لیے ہے جو خدا نہیں مکرنا دانی کی بنا پر تصور کرتے ہیں اور جب آنکھوں پر سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے  
تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں۔ ایسے بندے جب بھی اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے آقا کی طرف پیش گئے  
اس کا دروازہ کھل جائے گا۔

اِس دگر دگر نویدی نیست مدام اگر توبہ شکستی باز آ

مگر توبہ ان کے لیے نہیں ہے جو اپنے خدا سے بے خوف اور بے پروا ہو کر تمام عمر گناہ پر گناہ کیے چلے جائیں  
اور پھر میں اس وقت جبکہ موت کا فرشتہ سامنے کھڑا ہو معافی مانگنے لگیں۔ اسی مضمون کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
افعال میں بیان فرمایا ہے کہ اِنَّ اللہَ یَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ یَفْرِخْهُ تَوْبَةُ عَبْدٍ نَدَسَ کَ تَوْبَةٍ لِّسِ اِی وَتِک  
بقول کرتا ہے جب تک کہ استغفرت شروع نہ ہو۔ کیونکہ امتحان کی علت جب پوری ہو گئی اور تکبیر زندگانی ختم  
ہو چکی تو اب پھٹنے کا کوئی موقع ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جائے اور دھڑکی

إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِغَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ  
فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا  
كَثِيرًا ۝ وَلَنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَ

اں اگر وہ کسی طرح بد چلنی کی فریب ہوں (تو ضرور تمہیں تنگ کرنے کا حق ہے)۔ ان کے ساتھ  
بچے طریقہ سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو مگر اگر نہ  
اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آئے گا ارادہ ہی کر لو  
زندگی کی سرحد میں داخل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ سارا اس کے برعکس ہے جو وہ دنیا میں سمجھتا رہا تو اس وقت سبھی  
انگنے لاکوئی موقع نہیں۔

۲۸۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس کے خاندان والے اس کی بیوہ کویت کی میراث  
بھ کر اس کے دلی وارث ذہن نہیں۔ عورت کا شوہر جب مر گیا تو وہ آنا دہ ہے عدت گزار کر جہاں چاہے جائے  
اس سے بچا ہے نکاح کرے۔

۲۹۔ ال ارٹانے کے لیے نہیں بلکہ بد چلنی کی مراد دینے کے لیے۔

۳۰۔ یعنی اگر عورت کو بیعت نہ ہو یا اس میں کوئی اور ایسا نقص ہو جس کی بنا پر وہ شوہر کو پسند نہ آئے تو  
مناسب نہیں ہے کہ شوہر ڈر و دل برداشتہ ہو کر اسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائے۔ حتی الامکان اسے مبرا و قتل سے  
کام لینا چاہیے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت کو بیعت نہیں ہوتی مگر اس میں بعض دوسری خوبیاں ایسی  
ہوتی ہیں جو ازدواج زندگی میں جسرا عورت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر اسے اپنی ان خوبیوں کے اظہار کا موقع ملے  
تو وہی شوہر جو ابتدا میں اس کی صورت کی خرابی سے دل برداشتہ ہو رہا تھا اس کے حسن سیرت پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔  
اس طرح بسا اوقات ازدواجی زندگی کی ابتداء میں عورت کی بعض باتیں شوہر کو ناگوار محسوس ہوتی ہیں مگر وہ اس سے بڑل  
و جاتا ہے، لیکن اگر وہ مہر سے کام لے اور عورت کے تمام امکانات کو بروئے کار آنے کا موقع دے تو اس پر خود ثابت  
ہو جاتا ہے کہ اس کی برائیوں سے بڑھ کر خوبیاں رکھتی ہے۔ لہذا یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ آدمی ازدواجی تعلق کو  
منقطع کرنے میں جلد بازی سے کام لے۔ طلاق بالکل آخری چارہ کار ہے میں کو ناگزیر حالات ہی میں استعمال کرنا چاہیے۔  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ افضل الحلال الی اللہ الطلاق یعنی طلاق اگرچہ جائز ہے مگر تمام جائز کاروں میں  
اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے اگر کوئی چیز ہے تو وہ طلاق ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا موت و حاد

اتَّيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قَطْرًا فَلَا تَأْخُذْ وَامِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَ  
بِهَتَانَا وَآثِمًا غَيْرَ آثِمٍ ۖ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى  
بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۖ وَلَا  
تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

تو خواہ تم نے اُسے دھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اُسے  
بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لوگے، اور آخر تم اُسے کس طرح لے لو گے جب کہ تم اپنی  
بیویوں سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں؟

اور جن عہد توں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں اُن سے ہرگز نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے ہو چکا ہو چکا۔

لَا تَطْلُقُوا فَاِنَّ اللَّهَ لَا يَحِبُّ الذَّالِقِينَ وَالذَّالِقَاتِ، یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ اللہ ایسے مردوں اور  
دوروں کو پسند نہیں کرتا جو بھونٹے کی طرح بھول بھول کا مڑا پھرتے پھریں۔

۳۱۔ جو پختہ عہد سے مراد نکاح ہے، کیونکہ وہ حقیقت میں ایک مضبوط پیمانہ تھا جس کے استحکام پر بھروسہ کر کے  
ایک شخصیت اپنے آپ کو ایک مرد کے حوالہ کرتی ہے، اب اگر مرد اپنی خواہش سے اس کو توڑتا ہے تو اسے وہ معاملہ  
اپس لینے کا حق نہیں ہے جو اس نے معاہدہ کرتے وقت پیش کیا تھا۔ (ماخذ: ہرموڈ، بقرو، حاشیہ ۷۵۱)۔

۳۲۔ فقہ فی اور مسائل میں جاہلیت کے خلاف طریقوں کو حرام قرار دیتے ہوئے بالعموم قرآن مجید میں  
یہ بات ضرور فرمائی جاتی ہے کہ جو بچکا سو بچکا نہ اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ بے علمی اور نادانی کے زمانہ میں  
و غلطیاں تم لوگ کرتے رہے ہو ان پر گرفت نہیں کی جائے گی بشرطیکہ اب حکم جاننے کے بعد اپنے طریقہ عمل کی اصلاح  
کو ملحوظ رکھو، کام ہیں انہیں بھروسہ دو۔ دوسرے یہ کہ زمانہ سابق کے کسی طریقے کو اب اگر حرام ٹھہرا لیا ہے تو اس سے  
یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ پچھلے قانون یا رسم و رواج کے مطابق جو کام پہلے کیے جا چکے ہیں ان کو اہم اہل ان سے  
پیدا شدہ نتائج کو ناجائز اور ناجائز قرار دینا ساقط بھی کیا جا رہا ہے۔ مثلاً اگر سوتیلے ماں سے نکاح کو آج حرام  
کیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب تک جتنے لوگوں نے دیے نکاح کیے تھے ان کی اولاد و حامی قرود ہی جا رہی تھی  
اللہ اپنے باپوں کے عمل میں ان کا حق وراثت ساقط کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگر گنہگارین کے کسی طریقے کو حرام کیا گیا ہے  
اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلے جتنے معاملات اس طریقے پر ہوئے ہیں انہیں بھی اہم اہل ان سے فیرا دیا گیا ہے اور اب وہ سب

لَئِنْ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ حُرِّمَتْ  
عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ

درحقیقت یہ ایک بے حیائی کا فعل ہے، ناپسندیدہ ہے اور بڑا چلن ہے۔  
تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں،

دعوت جو اس مرتبے سے کسی نے کالی ہو اس سے دایرہ بنی جائے گی یا مال حرام فیرونی جائے گی۔

۳۳۳۔ اسلامی قانون میں فعل فوجہ زری حرم ہے اور قابل دست اندازہ نہیں ہے۔ اور اوہ و نہانی اور  
عصبہ احد میں یہ روایات ملتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو موت اور فیصلی جائداد کی سزا  
دی ہے۔ اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کا عدہ کلیہ  
اٹھا دیا تھا کہ من وقع علیہ ذات محرم فاعتلوه۔ جو شخص محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کرے اسے  
قتل کر دو۔ فقہاء کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ امام احمد قاسمی بات کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کو قتل کیا جائے  
اور اس کا مال ضبط کر لیا جائے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ اگر اس نے محرمات میں سے کسی کے  
ساتھ زنا کیا ہو تو اس پر مذکر ناجاہری ہوگی، اور اگر نکاح کیا ہو تو اسے سخت جزا تک سزا دی جائے گی۔

۳۳۴۔ ان کا اطلاق ملکی اور عیسائی، دونوں قسم کی آدمیوں پر ہوتا ہے اس لیے دونوں حرام ہیں۔ نیز نازی علم میں باپ  
کی ماں اور ماں کی ماں بھی شامل ہے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ جس عورت سے باپ کا ناجائز تعلق ہو چکا ہو وہ بھی بیٹے پر حرام ہے یا نہیں، سلف  
میں سے بعض اس کی حست کے قائل نہیں ہیں، اور بعض اسے بھی حرام قرار دیتے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک جس عورت کو باپ  
شعوت سے آٹھ گایا ہو وہ بھی بیٹے پر حرام ہے۔ اسی طرح سلف میں اس امر پر بھی اختلاف رہا ہے کہ جس عورت سے  
بیٹے کا ناجائز تعلق ہو چکا ہو، وہ باپ پر حرام ہے یا نہیں۔ اور جس مرد سے ماں یا بیٹی کا ناجائز تعلق رہا ہو یا بعد میں ہو جائے  
اس سے نکاح ماں اور بیٹی دونوں کے لیے حرام ہے یا نہیں۔ اس باب میں فقہانہ بحثیں بہت طویل ہیں، مگر یہ بات  
بادنی متواتر سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی شخص کے نکاح میں باپ کی عورت کا ہونا جس پر اس کا باپ یا اس کا بیٹا بھی نظر رکھتا ہو یا  
جس کی ماں یا بیٹی پر بھی اس کی نگاہ ہو ایک صراحہ عاصرت کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہو سکتا۔ شریعت اسی کامزاج  
معاشرہ میں ان قانونی مصلحتوں کو قبول نہیں کرتا جن کی بنا پر نکاح اور غیر نکاح اور بد نکاح اور اوس اور نظر وغیرہ  
میں فرق کیا جاتا ہے یہ سبھی اور صاف بات یہ ہے کہ فائدہ دانی زندگی میں ایک ہی عورت کے ساتھ باپ اور بیٹے کے،  
یا ایک ہی مرد کے ساتھ ماں اور بیٹی کے شوائی جذبات کا وابستہ ہونا سخت مفاسد کا موجب ہے اور شریعت اسے ہرگز

وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهُنَّ الَّتِي أَضَعَكُمْ  
وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرِّضَاعَةِ وَأُمَّهُنَّ نِسَائِكُمْ وَأُمَّهُنَّ الَّتِي

بجیتیاں، بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو، اور تمہاری  
دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے

برداشت نہیں کر سکتی، بنی علیٰ رضاعہ کا ارشاد ہے کہ من نظرانی فرج امرؤۃ حرمت علیہا ما ہا دابتہا،  
جس شخص نے کسی عورت کے اعضا منظرانی فرج میں ہر اس کی ماں اور بیٹی دونوں میں پر حرام ہیں۔ اللہ لا ینظر اللہ الی رجل  
نظرانی فرج امرؤۃ وابتہا، خدا اس شخص کی صورت دیکھتا ہے نہ کہ ایک وقت میں اور بیٹی دونوں کے اعضا  
منظرانی فرج سے۔ ان روایات سے شریعت کا منشاء صاف واضح ہوتا ہے۔

۳۲۔ بیٹی کے مکہ میں ہونی اور لڑکی بھی شامل ہیں۔ اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ نامائز تعلقات کے نتیجے میں جو  
شوکی ہوئی ہو وہ بھی حرام ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ مالک و احمد میں حکم اللہ کے نزدیک وہ بھی ناجائز بیٹی کی طرح حرام  
میں سے ہے۔ امام شافعی کے نزدیک وہ عورتوں میں سے نہیں ہے۔ مگر حقیقت یہ تصور بھی ذوق سلیم پر بار ہے کہ جس  
شوکی کے متعلق آئی ہو جاتا ہو کہ وہ کسی کے غلے سے پیدا ہوئی ہے اس کے ساتھ نکاح کن اس کے لیے جائز ہو۔

۳۳۔ لڑکی میں اور اس شریک میں اور باپ شریک میں بیٹوں میں حکم میں کیا ہیں۔  
۳۴۔ ان سب دھتور میں بھی لگے اور سیتلے کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ باپ عدل کی پس خواہ لگی ہو خواہ سیتلے  
یا باپ شریک، ہر حال وہ بیٹے پر حرام ہے۔ اسی طرح بھائی اور بہن۔ اہل گے ہوں یا سیتلے یا باپ شریک ان کی بیٹیوں میں  
ایک شخص کے لیے اپنی بیٹی کی طرح حرام ہیں۔

۳۵۔ اس امر پر امت میں اتفاق ہے کہ ایک لڑکے یا لڑکی نے جس عورت کا دودھ پیا ہو اس کے لیے وہ عورت  
ماں کے حکم میں اور اس کا شوہر باپ کے حکم میں ہے اور تمام وہ رشتے جو حقیقی ماں اور باپ کے تعلق سے حرام ہوتے ہیں  
رضاعی ماں اور باپ کے تعلق سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ اس حکم کا انداز بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ یجوہر  
من الرضاع ما یجوہر من النسب۔ اب اس امر میں اختلاف ہے کہ عورت رضاعت کس قدر دودھ پینے سے ثابت  
ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہ امام مالک کے نزدیک بیعتی مقدار سے روزہ نماز اور نہ ٹوٹ سکتا ہے اتنی ہی مقدار میں اگر بچہ  
کسی کا دودھ پئے تو عورت ثابت ہو جاتی ہے۔ مگر امام احمد کے نزدیک تین مرتبہ پیے سے عدا م شافعی کے نزدیک پانچ  
دفعہ پینے سے عورت ثابت ہوتی ہے۔ نیز اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ کس عورت پینے سے یہ رشتے حرام ہوتے ہیں؟  
اس باب میں فقہاء کے احوال حسب ذیل ہیں:



فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ

تمہاری گودوں میں پرورش پائی جاتے۔ اُن بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلق زن و شوہر کا ہو۔ ورنہ اگر (صرف نکاح ہوگا ہو اور) تعلق زن و شوہر نہ ہو تو انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں کا نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں

(۱) اعتبار صرف اُن زمانہ میں دودھ پینے کا ہے جبکہ بچہ کا دودھ چھڑیانا چکا ہو اور شیر خوارگی ہی پر اس کے تغذیہ کا انحصار ہو۔ دودھ دودھ پھانسی کے بھار اگر کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پی لیا تو اس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے اُس نے پانی پی لیا۔ رائے ام سلمہؓ اور ابن عباسؓ کی ہے۔ حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت اس میں آئی ہے۔ زہری، خصی بصری، قتادہ، ابوجرم اور قزاعی، اسی کے قائل ہیں۔

(۲) دوسال کی عمر کے اندر اندر جو دودھ پیایا ہو صرف اسی سے حرمت رخصت ثابت ہوگی۔ یہ حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابوہریرہؓ، ابوبکرؓ کا قول ہے اور قتادہؓ میں سے امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور سفیانؒ ثوریؒ نے اسے قبول کیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک قول اسی کی تائید میں منقول ہے۔ امام مالکؒ بھی اسی حد کے قائل ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ دو سال سے اگر حنیفہ دو حنیفہ نامہ عمر بھی چھڑا تو اس میں دودھ پینے کا وہی حکم ہے۔

(۳) امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ نہ باندھنا نہ رخصت نہ عاتی سال ہے اور اس کے اندر پینے سے حرمت ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

(۴) خواہ کسی عمر میں دودھ پیے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ یعنی اس معاملہ میں ہل اعتبار دودھ کا ہے نہ کہ عمر کا۔ پینے والا اگر بڑھا بھی ہو تو اس کا وہی حکم ہے جو شیر خوار بچے کا ہے۔ یہی رائے ہے حضرت عائشہؓ کی۔ اور حضرت علیؓ سے بھی صحیح تر روایت اسی کی تائید میں منقول ہے۔ فقہ حنفی میں سے عرف بن زبیرؒ، عطاءؒ، یونسؒ، سعد اور ابن حزمؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔  
(۵) اس امر میں اختلاف ہے کہ جس عورت سے محض نکاح ہوا ہو اس کی ماں حرام ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ، احمد اور شافعی رحمہم اللہ اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہؓ کی رائے یہ ہے کہ جب تک کسی عورت سے خلوت نہ ہوئی ہو اس کی ماں حرام نہیں ہوتی۔

(۶) ایسی لڑکی کا حرام ہونا اس شرط پر موقوف نہیں ہے کہ اس نے سوتیلے باپ کے گھر میں پرورش پائی ہو یہ اتفاقاً اللہ تعالیٰ نے محض اس بدست کی نزاکت ظاہر کرنے کے لیے استعمال فرمایا ہے جس فقہائے امت کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ سوتیلے بیوی آدمی پر بہر حال حرام ہے خواہ اس نے سوتیلے باپ کے گھر میں پرورش پائی ہو یا نہ پائی ہو۔

الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۖ وَإِنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ كُتِبَ عَلَيْكُمْ

جو تمہاری صلب سے ہوں۔ اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کر دو گے جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں (مُحْصَنَاتُ) البتہ ایسی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں جو جنگ میں تھماے ہاتھ آئیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کر دی گئی ہے۔

۱۳۱۔ یہ قیاس غرض کے لیے برعکس لکھی ہے کہ جسے آدمی نے بیان کیا جو اس کی بیوہ یا سلفہ آدمی پر حرام نہیں ہو مگر مرد اس بیوہ کی بیوی ہے جو آدمی کی اپنی صلب سے ہو۔ اور بیوہ کی طرح ہوتے اور فاسق کی بیوی بھی حرام اور ناجائز ہے۔

۱۳۲۔ غی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ غار اللہ جانچی اور صہ بھی اور بیعتی کو بھی ایک ساتھ نکاح میں رکھنا حرام ہے۔ اس معاملہ میں یہ اصول سمجھ لینا چاہیے کہ ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا ہر حال حرام ہے جن میں سے کوئی ایک گروہ دینی قس کا نکاح دوسری سے حرام ہوتا۔

۱۳۳۔ غی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو گرتے رہے ہو کہ دو بہنوں سے ایک وقت نکاح کر لیتے تھے اس پر باز پرس نہ ہو گی بشرطیکہ اب اس سے باز رہو مگر عاصیہ بنت جحش۔ اسی بنا پر یہ حکم ہے کہ جس شخص نے حالت کفر میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر دکھا ہوا اسے اسلام لانے کے بعد ایک کو رکھنا اور ایک کو چھوڑنا ہو گا۔

۱۳۴۔ غی جو عورتیں جنگ میں کپڑی پہنتی ہیں اور ان کے کافر شوہر دار الحرب میں موجود ہوں وہ حرام نہیں ہیں، کیونکہ دار الحرب سے دارالسلام میں آنے کے بعد ان کے نکاح ٹوٹ گئے۔ ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی کیا جاسکتا ہے جو مسلمان کی ملک میں ہیں وہ بہنوں وہ ان سے قریبی بھی کر سکتا ہے۔ البتہ خدا کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر میان اور بیوی دونوں ایک ساتھ گرفتار ہوں تو ان کا کیا حکم ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ ان کا نکاح جائز ہے گا اور امام مالک نے شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ان کا نکاح بھی ناجائز ہے۔

۱۳۵۔ غی جو عورتیں بہت سی غلامیاں لوگوں کے ذہن میں ہیں۔ لہذا حسب ذیل مسائل کا بھی طریق سمجھ لینا چاہیے:

(۱) جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں ان کو کٹھن ہی ہر سپاہی ان کے ساتھ مباشرت کر لینے کا مجاز نہیں ہے۔  
مگر اسلامی قانون یہ ہے کہ ایسی عورتیں حکومت کے حوالہ کر دی جائیں گی۔ حکومت کا اختیار ہے کہ چاہے ان کو رہا کر دے  
چاہے ان سے خدیجے چاہے ان کا تاملان سلطان قیدیوں سے کرے جو دشمنی کے ہاتھ میں ہوں، اور چاہے تو انہیں  
سپاہیوں میں تقسیم کر دے۔ ایک سپاہی صرف اس عورت ہی سے شمع کرنے کا مجاز ہے جو حکومت کی طرف سے باقاعدہ  
اس کی ملک میں دی گئی ہو۔

(۲) جو عورت اس طرح کسی کی ملک میں دی جائے اس کے ساتھ بھی اس وقت تک مباشرت نہیں کی جاتی  
جب تک کہ اسے ایک مرتبہ ایام ماہرہ دی نہ جائیں اور یہ اہلینان نہ ہوئے کہ وہ حاملہ نہیں ہے۔ اس سے پہلے مباشرت  
کنا حرام ہے۔ اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے بھی مباشرت ناجائز ہے۔

(۳) جنگ میں پکڑی ہوئی عورتوں سے تنہ کے معاملہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اپنی کتاب ہی میں سے ہوں۔  
ان کا مذہب خواہ کوئی ہو، ہر حال جب وہ تقسیم کر دی جائیں گی تو جن کے حصہ میں وہ آئیں وہ ان سے شمع کر سکتے ہیں۔

(۴) جو عورت جس شخص کے حصہ میں دی گئی ہو صرف وہی اس کے ساتھ شمع کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے کو اسے  
ہاتھ لگانے کا حق نہیں ہے۔ اس عورت سے جو اولاد ہوگی وہ اسی شخص کی جائز اولاد سمجھی جائے گی جس کی ملک میں وہ عورت  
ہے۔ اس اولاد کے قانونی حقوق دی ہوں گے جو شریعت میں قبلی اولاد کے لیے مقرر ہیں۔ صاحب اولاد ہوجانے کے  
بعد وہ عورت فروخت نہ کی جاسکے گی۔ اور مالک کے مرتے ہی وہ آپ سے آپ آزاد ہوجائے گی۔

(۵) جو عورت اس طرح کسی شخص کی ملک میں آئی ہو اسے اگر اس کا مالک کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دے  
تو پھر مالک اس سے دوسری تمام خدمات لینے کا حق تو رہتا ہے لیکن شہنائی تعلق کا حق باقی نہیں رہتا۔

(۶) جس طرح شریعت نے بیویوں کی تعداد پر چار کی پابندی لگائی ہے اس طرح لڑکیوں کی تعداد پر نہیں لگائی۔ لیکن  
اس معاملہ میں کوئی حد مقررہ کرنے سے شریعت کا منشا یہ نہیں تھا کہ مال دار لوگ بے شمار لڑکیاں خرید خرید کر جمع کر لیں اور  
اپنے گھر گرجاؤں کا گھر بنالیں۔ بلکہ درحقیقت اس معاملہ میں عدم تعین کی وجہ جنگی حالات کا عدم تعین ہے۔

(۷) ایک کے تمام دوسرے حقوق کی طرح وہ مالکانہ حقوق بھی قابل انتہا ہیں جو کسی شخص کو از خود سے قانون  
کسی مایہ جنگ پر حکومت نے عطا کیے ہوں۔

(۸) حکومت کی طرف سے حقوق ملکیت کا باقاعدہ عطا کیا جاتا اور ساری ایک قانونی فعل ہے یہی اس کا ایک  
قانونی فعل ہے۔ لہذا کوئی متغول جو نہیں کہ جو شخص نکاح میں کسی قسم کی کرہت محسوس نہیں کرتا وہ خواہ مخواہ لڑکی سے  
شمع میں کراہت محسوس کرے۔

(۹) اگر جنگ میں سے کسی عورت کو کسی شخص کی ملکیت میں دے دینے کے بعد پھر حکومت اسے واپس لینے  
کی ہلا نہیں دیتی۔ مگر اسی طرح جیسے کسی عورت کا وہی اس کو کسی کے نکاح میں دے چکنے کے بعد پھر واپس لینے کا حق  
نہیں رہتا۔

وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ  
غَيْرِ مُسْفِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ  
فَإِذَا بَلَغَ الْفَرْيَضَ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرْضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ  
الْفَرْيَضِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ٢٣ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ  
طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ  
مِنْ فِتْنَتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ

ان کے ماسواہتی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعہ سے مال کرنا تمہارے لیے  
حلال کر دیا گیا ہے، بشرطیکہ جھاڑ نکاح میں ان کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔  
پھر جوازِ دواہی زندگی کا طغی تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے ان کے ہر بطور فریض کے  
ادا کرو، وابتہہ مہر کی قرار دیاں جو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے تمہارے درمیان اگر  
کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اللہ علیم اور دانا ہے۔ اور جو شخص تم میں سے  
ایسی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں (محضات) سے نکاح کر کے اسے چاہیے  
کہ تمہاری ان لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور  
مومنہ ہوں۔ اللہ تمہارے پیمانوں کا حال خوب جانتا ہے، تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو،

۱۰) اگر کوئی فرجی کا نہ محض ہوتی اور عارضی طور پر اپنے ہم ایمل کو قیدی عورتوں سے شہوانی پیاس بجھا لینے کی  
اجازت دے تو محض کچھ وقت کے لیے انہیں فوج میں تقسیم کرے تو یہ اسلامی قانون کی رو سے قطعی ایک ناجائز فعل ہے۔  
اس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح اسلامی قانون میں جرم ہے۔

۱۱) یعنی معاشرت میں لوگوں کے درمیان جو مرقی مرتب ہے وہ محض ایک امتدادی چیز ہے اور نہ دلکال ہے۔  
مسلمان یکساں ہیں اور اگر کوئی حقیقی و جاہل امتداد کے درمیان ہے تو وہ ایمان ہے جو محض ہونے کے گہرائی کا حصہ نہیں ہے۔

فَأَنكِحُوهُنَّ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ وَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ  
فُحْصِنَتْ غَيْرَ مُسْفِحَةٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا  
أُحْصِنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ  
مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ

لہذا اُن کے سرپرستوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کر لو اور معروف طریقہ سے اُن کے  
مہر ادا کرو تاکہ وہ حصارِ نکاح میں محفوظ محضات ہو کر رہیں، آنا و شہوت رانی نہ کر کے پھر میں  
اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کرےں۔ پھر جب وہ حصارِ نکاح میں محفوظ ہو جائیں اور اس کے بعد  
کسی بد چلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس منکر کی بہ نسبت آدمی سزا ہے جو خاندانی عورتوں پر محضات  
کے لیے مقرر ہے۔ یہ سہولت تم میں سے اُن لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے جن کو  
شادی نہ کرنے سے بند تقوے کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اگر

ہو سکتا ہے کہ ایک زندگی ایساں و اخلاق میں ایک خاندانی عورت سے بہتر ہو۔

۱۴ سرسری نگاہ میں یہاں ایک سیدگی واقع ہوتی ہے جس سے خاص احوال دوسرے لوگوں نے قائم و ثاباً ہے  
جو ہم کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر آؤ شادی شدہ عورت کے لیے شریعت اسلام میں کیا کی سزا ہے تو اس کی نصف سزا یہ کہتی ہے  
جو لونڈی کو دی جائے، لہذا یہ آیت اس بات پر دلیل قاطعہ ہے کہ اسلام میں عورت کی سزا ہے یہ نہیں، لیکن ان لوگوں نے قرآن کے  
افعال پر غور نہیں کیا۔ اس مکرع میں لفظ مُحْصَنَاتُ (محفوظ عورتیں) دو مختلف معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ایک شادی شدہ عورتیں  
جن کو شہر کی حفاظت حاصل ہو۔ دوسرے خاندانی عورتیں جن کو خاندان کی حفاظت حاصل ہو اگر وہ شادی شدہ نہ ہوں۔ آیت  
زیر بحث میں مُحْصَنَاتُ کا لفظ لونڈی کے بالمقابل خاندانی عورتوں کے لیے دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ پہلے معنی میں، جیسا کہ آیت  
کے معنوں سے صاف ظاہر ہے، بخلاف اس کے لفظوں کے لیے محضات کا لفظ پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے اور صاف الفاظ میں فرمایا  
کہ جب انہیں نکاح کی حفاظت حاصل ہو جائے (فَإِذَا أُحْصِنَ) تب ان کے لیے سزا کے ارتکاب پر وہ سزا ہے جو مذکور ہوئی۔ اب اگر غلط  
سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ خاندانی عورت کو دو حفاظتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک خاندان کی حفاظت جس کی بنیاد  
؟ شادی کے بغیر بھی ممکن ہوتی ہے۔ دوسری شہر کی حفاظت جس کی وجہ سے اس کے لیے خاندان کی حفاظت پر ایک اور حفاظت

ع

تَصِيرُوا خَيْرَ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ يُرِيدُ اللَّهُ  
لِيُثَبِّتَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ  
يُثَوِّبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٩﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ

تم صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ چاہتا ہے کہ تم پر ان طریقوں کو واضح کرے اور انہی طریقوں پر تمہیں چلائے جن کی پیروی تم سے پہلے کرے ہوئے صلحا کرتے تھے۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، اور وہ علیم بھی ہے اور دانای بھی۔ ہاں اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ

کا اضافہ جو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے فونڈی جب تک فونڈی ہے ٹھنڈ نہیں ہے، کیونکہ اس کو کسی خاندان کی حفاظت مائل نہیں ہے۔ البتہ نکاح ہونے پر اس کو صرف شوہر کی حفاظت حاصل ہوتی ہے اور وہ بھی ادھوری، کیونکہ شوہر کی حفاظت میں آنے کے بعد بھی نہ تو وہ ان لوگوں کی زندگی سے آزاد ہوتی ہے جن کی ملک میں وہ تھی، لہذا اسے معاشرت میں وہ مرتبہ مائل برننس ہے جو خاندانی عورت کو نصیب ہرگز نہیں ہے۔ لہذا اسے جو سزا دی جائے گی وہ غیر شادی شدہ خاندانی عورتوں کی سزا سے آدھی ہوگی نہ کہ شادی شدہ خاندانی عورتوں کی سزا سے۔ نیز ہمیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ سورہ نور کی دوسری آیت میں، زمانہ کی جس سزا کا ذکر ہے وہ صرف غیر شادی شدہ خاندانی عورتوں کے لیے ہے جن کے مقابل میں یہاں شادی شدہ فونڈی کی سزا نصف بیان کی گئی ہے۔ یہیں شادی شدہ خاندانی عورتیں، تو وہ غیر شادی شدہ محضات سے زیادہ سخت سزا کی مستحق ہیں کیونکہ وہ دوسری حفاظت کو توڑتی ہیں، اگرچہ قرآن ان کے لیے سزا سے رجوع کی تصریح نہیں کرتا، لیکن نہایت لطیف طریقہ سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے جو یہ لاندہن لوگوں سے مخفی رہ جائے تو وہ جائے، نبی کے ذہن رسالے مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔

۲۸ یعنی خاندانی عورت سے نکاح کرنے کی مخالفت نہ ہو تو کسی فونڈی سے اس کے انکار کی اجازت کے نکاح کیلئے کی صورت۔

۲۹ سورہ کے آغاز ہے یہاں تک جو ہدایات دی گئی ہیں انہیں اس سورہ کے نزول سے پہلے صحابہ وغیرہ میں مائل تمدن و معاشرت کے متعلق جو ہدایات دی جا چکی تھیں ان سب کی طرف بحیثیت مجموعی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے کہ یہ معاشرت، اخلاق اور تمدن کے وہ قوانین ہیں جن پر ہم قریب ترین زمانہ سے ہر دور کے انبیاء و ائمہ کے صالح پیرو ہیں کرتے چلے آئے ہیں اللہ اللہ کی عزت و مہربانی ہے کہ وہ تم کو جاہلیت کی حالت سے نکال کر صالحین کے طریقہ زندگی

يَنْتَوِبُ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿۷۵﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿۷۶﴾

تو جبکہ ناچاہتا ہے مگر جو لوگ خود اپنی خواہشات نفس کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم باور راست سے ہٹ کر دور کل بجاؤ۔ اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

کی طرف تشریح دینی کی رہا ہے۔

۳۷۹ یہ اٹھ ہے راقین اور خدمت پرست ہوں۔ اور فرائض و عبادت کے بیرونی کی طرف متوجہ ہوں اور خدمت پرستوں کو تو وہ اصلاحات سنت مانگو راقین جو تمدن و معاشرت میں مددوں کے لیے اور دے ہوئے نعمات و احکام کے خلاف کی جارہی تھیں۔ یہ لٹ میں لوگوں کا سحر و جادو عورت کا سحر لال کی بندشوں سے بانی بنا اور خدمت کے بدلاس کا ہر شخص سے نکاح کے لیے آزاد کر جانا۔ سوتل ماں سے نکاح حرام ہونا۔ وہ بیٹوں کے ایک ساتھ نکاح میں جمع کیے جانے کو ناجائز قرار دینا۔ جنشی کو حواشی سے محروم کرنا اور بوجھ بوسے باپ کے لیے جنشی کی بوجھ اور مطلقہ کا مطلق ہونا۔ یہ اس طرح کی دوسری اصلاحات ہیں سے ایک ایک چیز ایسی تھی جس پر بڑے بڑے علماء باطنی رسوم کے چستار و کھج اٹھتے تھے۔ جنہوں ان احکام پر ہر گونہاں بھٹی رہتی تھیں۔ شرارت پسند لوگ ان باتوں کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی وصیت و اصلاح کے خلاف لوگوں کو سحر کاتے پھرتے تھے۔ مثلاً جو شخص کسی ایسے نکاح سے پیدا ہوا تھا جسے وہ اسلامی شریعت حرام قرار دے رہی تھی اس کو یہ کہہ کر اشتعال دیا جاتا تھا کہ جیسے آج جو نئے احکام ہاں آئے ہیں ان کو دوسرے آپ کی ماں اور آپ کے باپ کا تعلق ناجائز ٹھیکر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ نادان لوگ اُس اصلاح کے کامیابی رکازیں ڈال رہے تھے جو اُس وقت احکام الہی کے تحت انجام دیا جاتا تھا۔

دوسری طرف یہودی تھے جنہوں نے مدینوں کی موشگافیوں سے اصل خدائی شریعت بدلنے خود ساختہ احکام و قوانین کا ایک بھاری قول چڑھا رکھا تھا۔ یہ تھار یا ہندوؤں اور بارکیاں اور عتیقاں تھیں جو انہوں نے شریعت میں بڑائی تھیں۔ بکثرت حلال چیزیں ایسی تھیں جنہیں وہ حرام کہہ دیتے تھے۔ بہت سے احکام تھے جن کو انہوں نے توہینِ خداوند میں داخل کر دیا تھا۔ اب یہ بات ان کے علماء اور عام دونوں کی ذہنیت اور مذاق کے بالکل خلاف تھی کہ وہ اس پر مدنی سادھی شریعت کی تہذیب و تمدن پر مشتمل تھے جو قرآن پیش کر رہا تھا۔ وہ قرآن کے احکام کو کس کر بے تاب ہو جاتے تھے۔ ایک ایک چیز پر سوسا حترافات کرتے تھے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ یا تو قرآن ان کے عقائد کے تمام اجتہادات اور ان کے اسلاف کے سارے احکام و خلافات کو شریعت الہی قرار دے، ورنہ یہ ہرگز کتاب الہی نہیں ہے۔ مثال کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ  
إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ

اے ایمان لانے والو! آپس میں ایک دوسرے کے ال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، لیکن دین ہو نا چاہیے آپس کی رضامندی سے۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔

طور پر بیویوں کے اہل دستور تھا کہ ایام اہواری میں عورت کو بالکل بید بھاجاتا تھا نہ اس کا پچایا ہوا کھانا کھاتے نہ اس کا تہ کا پانی پیتے۔ نہ اس کے ساتھ ایک فرش پر بیٹھتے۔ بلکہ اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھو جانے کو بھی کر دے جھکتے تھے۔ ان چند دنوں میں عورت خود اپنے گھر میں اچھوت بن کر رہ جاتی تھی یہی رواج یہودیوں کے اثر سے مدینہ کے انصار میں بھی چل پڑا تھا۔ جب بنی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا۔ جو جواب میں وہ آیت آئی جو سورہ بقرہ کو رکوع ۲۸ کے آغاز میں درج ہے۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی رو سے حکم دیا کہ ایام اہواری میں ضرر مباشرت ناجائز ہے، باقی تمام تعلقات عورتوں کے ساتھ اسی طرح رکھے جائیں جس طرح دوسرے دنوں میں ہوتے ہیں۔ اس پر یہودیوں میں شور مچا گیا۔ وہ کہنے لگے کہ شیخ تو قسم کھا کر بیٹھا ہے کہ جو کچھ عمار سے اہل حرام سے لے لال کر کے رہے گا وہ جس جس چیز کو ہم باپاک کہتے ہیں اسے پاک قرار دے گا۔

۵۰۰ "اہل طریقوں سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جو خلاف حق ہوں اور شرنا ناجائز ہوں۔ عین دین سے مراد یہ ہے کہ آپس میں مفاد و منافع کا تبادلہ ہو نا چاہیے جس طرح تجارت اور صنعت و حرفت و دیروزیوں ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی ضروریات فراہم کرنے کے لیے محنت کرتا ہے اور وہ اس کا معاوضہ دیتا ہے۔ آپس کی رضامندی سے مراد یہ ہے کہ عین دین نہ کسی ناجائز دہاؤ سے مراد نہ فریب و دغا سے۔ رشوت اور سود میں بظاہر رضامندی ہوتی ہے مگر حقیقت جو سے میں حصر لینے والا شخص اس غلط امید پر رضامند ہوتا ہے کہ حیثیت اس کی ہوگی۔ ہارنے کے ارادے سے کوئی بھی راضی نہیں ہوتا۔ جمل اور فریب کے کاغذ ہاں میں بھی بظاہر رضامندی ہوتی ہے مگر اس غلط فہمی کی بنا پر ہوتی ہے کہ اندوئل و فریب نہیں ہے۔ اگر فریق ثانی کو معلوم ہو کہ تم اس سے جمل یا فریب کر رہے ہو تو وہ ہرگز اس پر راضی نہ ہو۔

۵۱۰ یہ فقرہ پچھلے فقرہ کا تتمہ بھی ہو سکتا ہے اور خود ایک مستقل فقرہ بھی۔ اگر پچھلے فقرے کا تتمہ سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھانا خود اپنے آپ کو طاقت میں ڈالنا ہے۔ دنیا میں اس سے نظام تمدن ضرب ہوتا ہے اور اس کے بُرے نتائج سے حرام خورد و خی خود بھی نہیں بچ سکتا۔ اور آخرت میں اس کی بدولت کافی سخت سزا کا مستوجب بن جاتا ہے۔ اور اگر اسے مستقل فقرہ سمجھا جائے تو اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک دوسرے کو



إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدُوًّا وَإِثْمًا  
ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝  
إِنْ تَحْتَسِبُوا بِمَا تَكْفُرُونَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔ جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کر دیں گے اور تم کو قتل نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ خود کشی نہ کرو۔ اللہ تمہارے اٹھانا ایسے جاسا استعمال کیے ہیں اور ترتیب کام ایسی رکھی ہے کہ اس سے یہ تینوں منہم نکلتے ہیں اور تینوں حق ہیں۔

۵۵۲ یعنی اللہ تمہارے متوالیہ خواہ ہے تمہاری بھلائی چاہتا ہے اور یہ اس کی مہربانی ہی ہے کہ وہ تم کو ایسے کاموں سے منع کر رہا ہے جن میں تمہاری اپنی بربادی ہے۔

۵۵۳ یعنی ہم تم تک اہل امتداد نظر نہیں ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کچھ کر اپنے بندوں کو سزا دیں۔ اگر تم بلا نادمہ اعمال بڑے جرائم سے خالی ہو تو چھوٹی خطاؤں کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور تم پر فرد جرم لگائی ہی نہ جائے گی۔ جتنا بڑے جرائم کا ارتکاب کر کے آؤ گے تو پھر جو مقدمہ برپا قائم کیا جائے گا اس میں چھوٹی خطاؤں پر ہی گرفت نہیں اٹھائی گی۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بڑے گناہ اور چھوٹے گناہ میں اصولی فرق کیا ہے۔ جہاں تک میں نے قرآن اور سنت میں غور کیا ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (۱) اشرار علم بالاصواب کہ تین چیزیں ہیں جو کسی فعل کو جائز یا ناجائز بناتی ہیں:

(۱) کسی کی حق تلفی خواہ وہ خدا ہو جس کا حق تلف کیا گیا ہے، یا والدین ہیں یا دوسرے انسان یا خود اپنا نفس۔ پھر جس کا حق متنازعہ زیادہ ہے اسی قدر اس کے حق کو تلف کرنا زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اسی بنا پر گناہ کو ظلم بھی کہا جاتا ہے اور اسی بنا پر شرک کو قتل و زنی میں ظلم عظیم کہا گیا ہے۔

(۲) اللہ سے بے غنی اور اس کے مقابل میں مستکیار جس کی بنا پر آدمی اللہ کے امر و نہی کی پرواہ نہ کرے اور نافرمانی کے ارادے سے خدا کو کام کو جس سے اللہ نے منع کیا ہے اور مؤذن کاموں کو نہ کرے جن کا اس نے حکم دیا ہے۔ یہ نافرمانی جس قدر زیادہ دشمنانہ اور جسارت اور نافرمانی کی کیفیت اپنے اندر لیے ہوئے ہوگی اسی قدر گناہ بھی شدید ہوگا۔ اسی معنی کے الفاظ سے لگہ کے لیے نسخہ "تہمیت" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

وَنُدْخِلْكُمْ مَدْخَلَ كَرِيمًا ۝ وَلَا تَتَمَتَّؤْا  
 فَضْلَ اللَّهِ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا  
 اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسَأَلُوا  
 اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا کرو  
 جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اُس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اُس کے مطابق  
 ان کا حصہ۔ ہاں اللہ سے اُس کے فضل کی دعا مانگتے رہو، یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

۱۲۱۔ اُن دعا کو توڑنا اور اُن تعلقات کو کاٹنا جس کے وصل و استحکام اور دوستی پر اس کی زندگی کا اس شخص پر  
 خواہ یہ راجع بہ بندے اور خدا کے درمیان ہوں یا بندے اور بندے کے درمیان۔ پھر جو راجع بہ جتنا زیادہ اہم ہے اور جس کے  
 کٹنے سے اس کو جتنا زیادہ نقصان پہنچتا ہے اور جس کے معاملہ میں مومنیت کی جتنی زیادہ ترقی کی جاتی ہے، اسی قدر اس کو  
 توڑنے اور کاٹنے اور خراب کرنے کا گناہ زیادہ بڑا ہے۔ مثلاً قرآن الہاس کے مختلف حصوں پر غور کیجیے یہ فعل فی نفسہ نظام  
 تمدن کو خراب کرنے والا ہے اس لیے بجائے خود ایک بڑا گناہ ہے غرض کی مختلف صورتیں ایک دوسرے سے گنا  
 میں شدید ترین۔ شادی شدہ آدمی کا زنا کرنا اس پر یہاں کی پر نسبت زیادہ سخت گناہ ہے۔ بلکہ عورت سے زنا کرنا غیر گناہ  
 سے کرنے کی پر نسبت قبیح قسم ہے۔ جماع کے گھر والوں سے زنا کرنا غیر مسایہ سے کرنے کی پر نسبت زیادہ برا ہے عورت  
 مثلاً مومن یا مومنہ یا اس سے زنا کرنا غیر محبت سے کرنے کی پر نسبت شنیع ہے۔ مسہرین زنا کرنا کسی اہل جگہ کرنے سے سخت  
 ہے۔ ان مثلاً اس ایک جس فعل کی مختلف صورتوں کے درمیان گناہ ہونے کی حیثیت سے مدارج کا فرق اتنی وجہ سے  
 ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ جہاں مومنیت کی ترقی جس قدر زیادہ ہے، جہاں اس کی رابطہ جتنا زیادہ مستحق احترام ہے  
 اور جہاں اس رابطہ کو قطع کرنا جس قدر زیادہ موجب فساد ہے وہاں زنا کا ارتکاب اسی قدر زیادہ شدید گناہ ہے۔ اسی  
 معنی کے لحاظ سے گناہ کے پتے غور کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

۱۲۲۔ اس آیت میں ایک ہی اہم اخلاقی پرانی ہوئی ہے جس کا اثر طویل و عظیم ہے۔ اسی سے ہماری زندگی میں  
 انسان کو جہاں نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے تمام اہل انہر کو یکساں نہیں بنایا ہے بلکہ ان کے درمیان بے شمار

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ  
عَقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَوْتَهُمْ نَصِيْبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا

اللہ نے ہر اُس ترکے کے حق دار مقرر کر دیے ہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑیں۔ اب  
رہے وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں تو ان کا حصہ انھیں دو، یقیناً اللہ ہر چیز پر نظر ہے۔

جیٹنوں سے فرق رکھے ہیں۔ کوئی خوبصورت ہے اور کوئی بدصورت۔ کوئی خوش آواز ہے اور کوئی بد آواز۔ کوئی طاقتور ہے  
اور کوئی کمزور۔ کوئی سلیم العصاب ہے اور کوئی بد نشی حد پر بھائی نفس لے کر آیا ہے۔ کسی کو بھائی اور ذہنی قوتوں میں سے کوئی قوت  
نویادہ دی ہے اور کسی کو کوئی دوسری قوت۔ کسی کو بہتر مہارت میں پیدا کیا ہے اور کسی کو بدتر مہارت میں۔ کسی کو زیادہ فائدہ دیا ہے  
اور کسی کو کم۔ اسی فرق و امتیاز پر انسانی تمدن کی مادی گونا گونی قائم ہے اور یہی امتیاز نے حکمت ہے۔ ہاں اس فرق کو  
اس کے ظری و حدود سے جبراً کاروان اپنے مصنوعی امتیازات کا اس پر اضافہ کرتا ہے۔ ہاں ایک نوعیت کا فساد و فساد ہے  
اور ہاں سرے سے اس فرق ہی کو مٹا دینے کے لیے ظلمت سے جنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہاں ایک دوسری  
نوعیت کا فساد برپا ہوتا ہے۔ آدمی کی یہ ذہنیت کہ جسے کسی حیثیت سے اپنے مقابل میں بڑا حاد و عادی کیسے ہے جین ہو جائے،  
یہ اجتماعی زندگی میں رنگ، حد، رقابت، عدالت، حرمت اور کثرت کی جڑ ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو فعل اسے  
جائز و مباح سے مائل نہیں ہوتا اسے پھر وہ ناجائز و مذہبیوں سے مائل کرنے پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لذت میں اسی  
ذہنیت سے بچنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ اس کے ارشاد کا مدعا یہ ہے کہ جو فعل اس نے دوسروں کو دیا ہو اس کی تمنا  
ذکر، ابتداء سے فضل کی دعا کرو، وہ جس فضل کو اپنے علم و حکمت سے تمہارے لیے مناسب سمجھے گا حاد و فساد ہے۔  
اور جو فرمایا کہ مردوں نے جو کچھ کیا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کیا ہے اس کے  
مطابق ان کا حصہ ہے اس کا مطلب یہاں ایک میں کچھ مکاروں یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں میں سے جس کو کچھ کمانہ نے  
دیا ہے اس کو استعمال کر کے جو حق اللہ ہی بنائی یا بھائی لگائے گا اسی کے مطابق دیا یا لٹا دیا گیا کی جنس سے  
انہ کے ہاں حصہ ہائے گا۔

۵۵۵۔ اہل عرب میں متعدد قباکریں لوگوں کے درمیان دوستی اور بھائی چارہ کے عہد و پیمان جو جاتے تھے

وہ ایک دوسرے کی بیعت کے حقدار بن جاتے تھے۔ اسی طرح جسے بیٹا بتایا جاتا تھا وہ بھی عہد و پیمان کا  
طرح قرار دیا جاتا تھا۔ اس بات میں جو اہلیت کے اس طریقے کو مستثنیٰ کرتے ہوئے شاد و فرمایا گیا ہے کہ وراثت تو اسی تعلق  
کے مطابق رشتہ داروں ہی تقسیم ہونی چاہیے جو ہم نے مقرر کر دیا ہے۔ البتہ جن لوگوں سے تمہارے عہد و پیمان ہوں جن کو  
اپنی زندگی میں تم جو چاہو دے سکتے ہو۔

الزَّكَاةَ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى  
بَعْضٍ وَبِمَا آتَقَوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالْصَّالِحَاتُ قُنِينَ  
حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ  
فَقُضُوهُنَّ وَانْجُرُّوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ

مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت  
دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شمار  
ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی مخالفت دگرگالی میں ان کے حقوق کی مخالفت کرتی ہیں۔  
اور جن عورتوں سے تم میں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے علاحدہ رہو اور مارو،

۵۶ قلم یا قلم اس شخص کو کہتے ہیں، جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور  
اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی منویات دینا کرنے کا ذمہ دار ہو۔

۵۷ یہ فضیلت یعنی شرف اور کرامت اور عزت نہیں ہے، جیسا کہ ایک عام اُردو غلط آدمی اس فقہ کا مطلب  
بے جا لگا کر یہاں یہ مناسبتی میں ہے کہ ان میں سے ایک صنف دینی مرد کو اللہ نے جلیباً یعنی ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا  
کی ہیں جو دوسری صنف دینی عورت کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔ اس نہج فاعلان نظام میں مرد ہی قوام ہونے کی  
اہمیت رکھتا ہے اور عورت فطرۃً ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے فاعلان زندگی مرد کی مخالفت و فریاری کے تحت رہنا پڑے۔

۵۸ حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو تمہاری  
خوش ہو جائے، جب تم اسے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے، اور جب تم گھر میں نہ ہو تو وہ تمہارے پیچھے بہت  
مال کی ادا اپنے قمیص کی مخالفت کرے۔ یہ حدیث اس بات کی بہترین تفسیر کرتی ہے۔ گھر میں یا بیرون گھر یا بیرون گھر یا بیرون گھر  
عورت پر اپنے شوہر کی اطاعت سے ہمہ لور اقامہ پنے خالق کی اطاعت ہے۔ لہذا اگر کوئی شوہر خدا کی صیغیت کا حکم دے یا  
خدا کے مانع کے بجائے کسی فرعون سے باز رہنے کی کوشش کرے تو اس کی اطاعت سے بھار کر دینا عورت کا فرض ہے۔ یہاں  
صورت میں اگر وہ اس کی اطاعت کرے گی تو گنا گنا ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر شوہر اپنی بیوی کو نفل مانا یا نفل روزہ ترک  
کرنے کے لیے کہے تو لازم ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے۔ اس صورت میں اگر وہ نفل ادا کرے گی تو مقبول نہیں ہوگی۔

۵۹ مطلب نہیں ہے کہ عورتیں کام بیک وقت کرنا چاہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ شرف کی حالت میں ان میں

فَإِنْ أَطَعْتُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ  
عَلِيمًا كَبِيرًا ﴿۳۶﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا  
حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا ۚ إِنَّ يُرِيدَا إِصْلَاحًا  
يُؤْفِقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿۳۷﴾

پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو۔  
یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالاتر ہے۔ اور اگر تم لوگوں کو کہیں میان اور بیوی کے  
تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے  
رشتہ داروں میں سے مقرر کرو وہ دونوں مصالح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان  
موافقت کی صورت نکال دے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور خبر دیتا ہے۔

تبیہ کی اجازت ہے۔ اب بعد ان پڑل دھماکہ تو بہر حال اس میں قصور اور مسئلہ کے درمیان تناسب ہونا چاہیے اور جہاں  
بلکی تدبیر سے اصلاح ہو سکتی ہو وہاں سخت تدبیر سے کام لینا چاہیے۔ نئی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے اسلئے کی جب  
کسی اجازت دی ہے پہلی ناخواستہ دی چل کر پھر بھی اسے ناپسندی فرمایا ہے۔ تاہم بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو بچہ بچہ  
درست ہی نہیں ہوتیں۔ ایسی حالت میں صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ وہ بچہ رزدارا جائے، بچے رحمی سے  
ڈال دیا جائے اور ایسی چیز سے نہ مارا جائے جو جسم پر نشان چھوڑ جائے۔

۳۶۔ دوا سے مراد ناث بھی ہیں اور زہین بھی۔ ہر جگہ سے صلح ہونے کا امکان ہے بشرطیکہ فریقین میں  
صلح پسند ہوں اور صحیح سے بھی دل سے چاہتے ہوں کہ فریقین میں کسی طرح صفائی ہو جائے۔

۳۷۔ اس آیت میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جہاں میان اور بیوی میں تاواناقت ہو جائے وہاں نزاع سے انتفاع  
نکست فرت پہنچنے یا عدالت میں ساملہ مانے سے پہلے گھر کے گھر ہی میں اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اساس کی تدبیر  
یہ ہے کہ جہاں اور بیوی سے ہر ایک کے خاندان کا ایک ایک مسئلہ دی اس طرف سے لیے مقرر کیا جائے کہ دونوں بل کر  
اسا ہا ہا محاکمات کی تحقیق کریں اور پھر آپس میں سرحد کر لیں اور تفصیلی کوئی صحبت نکالیں۔ یہ بھی یا ناث مقرر کرنے کا  
کون ہوا اس سوال کو اللہ تعالیٰ نے بہم رکھا ہے تاکہ اگر وہ میں خود چاہیں تو اپنے اپنے رشتہ داروں میں سے خود ہی

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا  
وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ  
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ  
کرو، قربات و واروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی شریعت و اہل  
اجنبی ہمسایہ سے پہلو کے ساتھ حق اور مسافر سے، اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے

ایک ایک آدمی کو اپنے اختلاص کا فیصلہ کرنے کے لیے منتخب کریں، ورنہ دونوں نانداؤں کے بڑے بڑے معاملات  
کو کے بیچ مقرر کریں، اور اگر متعدد حالات میں پہنچ ہی جائے تو عدالت خود کو فی کار دعائی کرنے سے پہلے خانہ دینی و بیعت مقرر  
کو کے مسئلہ کی کوشش کرے

اس میں اختلاف ہے کہ اثاثوں کے اختیارات کیا ہیں۔ فقہار میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ اثاثہ فیصلہ  
کرنے کا اختیار نہیں رکھتے البتہ تفصیلی جو صورت ان کے نزدیک مناسب ہو اس کے لیے مشاورت کر سکتے ہیں، ماننا یا نہ ماننا  
نہ وہیں کے اختیار میں ہے، ان اگر زمین نے ان کو طلاق یا طبع یا کسی اور کام کا فیصلہ کر دینے کے لیے اپنا وکیل بنایا ہو تو البتہ  
ان کا فیصلہ تسلیم کرنا زمین کے لیے واجب ہوگا۔ یہ جتنی اور شافعی علماء کا مسلک ہے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک دونوں  
پہنچوں کو طاقت کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے مگر غلطی کا فیصلہ وہ نہیں کر سکتے۔ یہ حسن بصری اور قتادہ اور بعض دوسرے  
فہما کا قول ہے۔ ایک اور گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ان بچوں کو طے نہ دیا کہ دینے کے پورے اختیارات ہیں۔  
ابن عباس، سعید بن جبیر، ابراہیم بن حنفی، شعبی، محمد بن یسیر بن، اور بعض دوسرے حضرات نے بھی رائے اختیار کی ہے۔

حضرت عثمان اور حضرت علی کے فیصلوں کی جو نظیریں ہم تک پہنچی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں صورت  
بیعت مقرر کرتے ہوئے عدالت کی طرف سے ان کو مکمل اختیار دے دیتے تھے چنانچہ حضرت قتادہ بن ابی طالب  
عساکر کی بیوی کا طرہ بنت فقہر بن ربیع کا قدر جب حضرت عثمان کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے شہر کے خاندان  
میں سے حضرت ابن عباس کو اور بیوی کے خاندان میں سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو بیعت مقرر کیا اور ان سے کہا کہ  
مگر آپ دونوں کی رائے میں ان کے درمیان تفریق کر دینا ہی مناسب ہو تو تفریق کر دیں۔ اسی طرح ایک مقدمہ میں حضرت  
علی نے حکم مقرر کر کے عدالت کے اختیار دیا کہ چاہیں ظاہری عدالتیں جلا کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت بطور خود و عارضی  
اختیارات نہیں دیتے، البتہ اگر عدالت ان کو مقرر کرتے وقت انہیں اختیارات دیتے تو پھر ان کا فیصلہ ایک اتنی فیصلے

مَلَکَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا  
فَخُورًا ۝ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ دِيَارَهُمْ وَالنَّاسَ بِالْبَخْلِ وَ  
يَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ  
عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ مِرَارًا

قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو یہ یقین جاؤ اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے  
پہنار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔ اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو کچھ کسی  
کو دے گا اس میں اور دوسروں کو بھی کچھ کسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں  
دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں۔ ایسے کافر نعمت لوگوں کے لیے ہم نے رسوا کئی مذابحہ  
کر رکھا ہے۔ اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں جو اپنے مال میں لوگوں کو دکھانے کے لیے  
کی طرح ناز دہرگا۔

۱۱۱۱ من میں ان صاحب بالجنس فرمایا گیا ہے جس سے ملا وہ دشمن دوست ہی ہے اور ایسا شخص بھی جس  
کے کسی وقت آدمی کا ساتھ ہو جائے۔ مثلاً آپ بازار میں ملے ہوئے ہوں اور کوئی شخص آپ کے ساتھ ملے جا رہا  
یا کسی دکان پر آپ سودا خرید رہے ہوں اور کوئی دوسرا خرید رہا ہے آپ کے پاس بیٹھا ہو، یا سفر کے دوران میں کوئی شخص  
آپ کا ہم سفر ہو۔ یہ ماضی حال کی بھی ہر مذہب اور شرف انسان پر ایک حق عائد کرتی ہے جس کا اختلاف ہے کہ وہ  
حق کا مکان اس کے ساتھ نیک و نیکو نہ کرے اور اسے تکلیف دینے سے اجتناب رہے۔

۱۱۱۱ اللہ کے فضل کو چھپاتی ہے کہ آدمی اس طرح رہے کہ اللہ نے اس پر فضل کیا ہے مثلاً کسی  
ادب نے دولت دی ہو اور وہی حیثیت سے لگا کر رہے۔ نہ ہی نات لیا اپنے اہل و عیال پر غریب کو جسے مذہب و مذہب خدائی  
درو کرے، نہ نیک کاموں میں حصہ لے۔ لوگ دیکھیں تو سمجھیں کہ یہاں ہڈی خستہ حال ہے۔ یہ وہ اصل اللہ کی سنت  
ہم شکر ہی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ اذا افقر نسمة طے عبد احب  
ان يظهر اثرها عليه، اللہ جب کسی بندے کو نعمت دیتا ہے تو وہ پسند کرتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس شخص پر  
ظاہر ہو یعنی اس کے کھانے پینے، پہننے، سنے، لباس اور کھانے کی داد و دہش ہر چیز سے اللہ کی دی ہوئی  
اس نعمت کا اظہار ہوتا ہے۔

الْقَلَسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ  
الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ كُودًا مِنْهُ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَانْفِقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝  
إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُضْعِفْهَا وَ  
يُوْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ  
أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ يَوْمَئِذٍ  
يُودُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ كُودُوسِي بِهِمُ الْأَرْضُ

خدا کی عطا کردہ نعمتوں پر کفر

خروج کرتے ہیں اور درحقیقت نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ دوزخ آخر پر۔ لکھا ہے کہ شیطان  
جس کا رفیق ہو اُسے بہت سی بُری رفاقت میسر آتی۔ آخر ان لوگوں پر کیا انتہا جاتی اگر یہ  
اللہ اور دوزخ آخر پر ایمان رکھتے اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے۔ اگر یہ ایسا  
کرتے تو اللہ سے ان کی نیکی کا حال چھپا نہ رہ جاتا۔ اللہ کسی پر ذمہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر  
کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اُسے مدد چند کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے پھر سوچو کہ  
اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر ہمیں جہنمی  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی حیثیت سے کھڑا کریں گے اس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے رسول کی  
بہت نہ مافی اللہ اس کی نافرمانی کرتے یہ سنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں پہنچیں۔

۱۔ اللہ بخیر ہر دھوکا پہنچانے والا ہے۔ لوگوں کو اللہ کی رحمت میں گراؤ دینا اور اللہ کی کادہ سے دھوکا دینا اور اللہ کی کادہ  
کا طریق جس کی تعلیم آپ نے مجھ دی تھی اسے میں نشان دہی کر رہا ہوں۔ پھر یہی شہادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے ہے  
لوگوں پر دیں گے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دھوکا آپ کی رحمت کے وقت سے قیامت تک ہے۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما)



وَلَا يَكْتُمُونَ لِلَّهِ حَدِيثًا ۖ يُكَايِفُهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا  
الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا  
جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ

وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے نہ چھپائیں گے ۛ

اسے ایمان لانے والا جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز  
اس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اور اسی طرح عبادت کی حالت میں بھی  
نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ غسل نہ کرو الا یہ کہ راستہ سے گزرتے ہو۔ اور اگر کسی ایسا ہو کہ تم

۶۹ یہ شرب کے متعلق دوسرا حکم ہے۔ پہلا حکم وہ تھا جو سورہ بقرہ (المکع ۲۶) میں گزرا۔ اس میں صرف یہ ظاہر کر کے  
چھوڑ دیا گیا تھا کہ شرب بخیر چیز ہے، اللہ کو پسند نہیں، چنانچہ مسلمانوں میں سے ایک گروہ اس کے بعد ہی شراب کے ہمیز  
کرنے لگا تھا۔ گوشت سے رگ اسے بدستور استعمال کرتے رہے تھے حتیٰ کہ بااوقات نشے کی حالت ہی میں نماز پڑھنے  
کھڑے ہو جاتے تھے اور کچھ کاکھ پڑھ جاتے تھے۔ غالباً مسیحیوں کی باتوں میں یہ دوسرا حکم آیا اور انہوں نے نماز پڑھنے کی  
ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے اپنے شرب پینے کے اوقات بدل دیے اور ایسے اوقات میں شرب پینی  
چھوڑ دی ہیں یہ اندیشہ ہوتا کہ میں نشہ کی حالت میں نماز کا وقت نہ آجائے۔ اس کے کچھ مدت بعد شرب کی قطعی ممانعت  
کا وہ حکم آیا جو سورہ مائدہ کے رکوع ۱۲ میں ہے۔ یہاں یہ بات بھی نہیں کہ مہنی چاہیے کہ آیت میں مسکون نشہ کا لفظ  
ہے۔ اس لیے یہ حکم صرف شرب کے لیے خاص نہ تھا بلکہ ہر نشہ آور چیز کے لیے عام تھا۔ اور اب بھی اس کا حکم ہائی ہے۔  
اگر نشہ آور اشیا کا استعمال بھائے خود حرام ہے، لیکن نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا اور عبادت عظیم کرنا ہے۔

۷۰ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی شخص پر نیند کا غلبہ ہو یا دھندلا ہو اور وہ نماز پڑھنے  
میں بار بار دو ٹوکے جاتا ہو تو اسے نماز چھوڑ کر سو جانا چاہیے۔ بعض لوگ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص نماز  
کی عملی ہدایت کا مطلب نہیں سمجھتا اس کی نمازیں نہیں ہوتی، لیکن ملاحظہ اس کے کہ یہ ایک بے حاشہ تشدد ہے اور خود قرآن کے  
انتظام ہی کا ساتھ نہیں دیتے۔ قرآن میں حتیٰ تفتقہ ہوا یا حتیٰ قصہ ہوا مآ تقولون نہیں فرمایا ہے بلکہ حقا قولوا  
مآ تقولون فرمایا ہے۔ یعنی نماز میں آدمی کو اتنا ہوش رہنا چاہیے کہ وہ یہ جانے کہ وہ کیا چیز پڑھ رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ ایسا  
نہ ہو کہ وہ کھڑے ہو نماز پڑھنے اور شرب کا کدے کوئی غزل۔

۷۱ عبادت کے اصل معنی ہمدی اور بیگانگی کے ہیں۔ اسی سے نکلا جنبی نکلا ہے۔ اصل طبع شرب میں عبادت ہے

مَرْضًى أَوْ عَلَى سَفَرٍ لَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لِمَسْتَمِ  
النِّسَاءِ فَلَمْ يَجِدْ مَاءً فَتَيَمَّمْ صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا  
بِوُجْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۴۰﴾

بیچارہ ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص دفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے  
لمس کیا ہو، اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرنا  
بے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا اور بخشش فرمانے والا ہے۔

موردہ نہایت ہے جو خاصا شہوت سے یا غلبہ میں یا ذوق خارج ہونے سے لائق ہوتی ہے کہ اس کی دوسری آبی طہارت  
سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

۶۸۔ فقہاء اور مفسرین میں سے ایک گروہ نے اس آیت کا مضمون یہ سمجھا ہے کہ جنابت کی حالت میں مسجد میں نہ جانا  
یا پیچھے رہنا یا کسی کام کے لیے مسجد میں سے گزرنے یا اس راستے کو خدا شن سمعہ اور نذرین ملک حسن بصری اور ابو نعیم نسفی  
و غیرہ حضرات نے اختیار کیا ہے۔ دوسرا گروہ اس مضمون کو اختیار کیا ہے یعنی اگر آدمی حالت طہری ہو اور جنابت لاحق ہو جائے  
تو تمیز کیا جاسکتا ہے۔ رہا مسجد کا معاملہ تو اس گروہ کی رائے میں بیٹی کے لیے وضو کر کے مسجد میں بیٹھنا جائز ہے۔ یہ رائے  
حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؓ اور بعض دوسرے حضرات نے اختیار فرمائی ہے۔ اگرچہ اس امر میں قریب قریب سب  
اتفاق ہے کہ اگر آدمی حالت طہری ہو اور جنابت لاحق ہو جائے اور نہ ناگن نہ جو تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ سب  
پہلا گروہ اس مسئلہ کو حدیث سے ثابت کرتا ہے اور دوسرا گروہ اس روایت کی بنیاد قرآن کی مندرجہ بالا آیت پر رکھتا ہے۔

۶۹۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جو کلام فرمایا ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابو موسیٰؓ  
یعنی ابن کعبؓ، سعید بن جبیرؓ، حسن بصریؓ اور متعدد ائمہ کی رائے ہے کہ اس سے مراد بشارت ہے اسی رائے کو امام حنفیہ  
اور ان کے اصحاب امام سیفیانؒ، ذہبیؒ، قرطبیؒ نے اختیار کیا ہے۔ بخلاف اس کے حضرت عطاء بن یدینؒ، محمد بن عطاء بن یدینؒ، عمر  
کی رائے ہے کہ جو بیٹی اور عورتوں سے ملوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خطاب کی بھی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد بیٹھنا یا جہانگاہ  
الاسلامی رائے کو امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔ جس رائے سے بیچ کا مسلک بھی اختیار کیا ہے۔ شافعیہ مالک کی رائے ہے کہ اگر عورت  
یا مرد ایک دوسرے کو جنابت شہوانی کے ساتھ باہر نکلیں تو ان کا وضو حرام ہو جائے اور جہانگاہ کے لیے نہیں بنادھونکنا اور گناہی  
گنہگار نہ ہونے کی ضرورت ہے کہ اگر آدمی بے وضو ہے یا اسے غسل کی حاجت ہے اور پانی نہیں ملتا تو

مسئلہ حکم کی تفصیل محدث ہے کہ اگر آدمی بے وضو ہے یا اسے غسل کی حاجت ہے اور پانی نہیں ملتا تو

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ  
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوْا السَّبِيْلَ ۝ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاكُمْ ۝

تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جنہیں کتب کے علم کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، وہ خود ضلالت کے  
خود راہ بن گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ گم کر دو۔ اللہ تم سے دشمنوں کو خوب جانتا ہے

تیمم کے فائدہ نہ ملتا ہے۔ اگر مٹی سے چھوڑ دیا یا دھو کر نہ لے لے اس کو وضو کا ذکر ہے تو پانی ضرور دھونے کے بارے میں  
تیمم کی اہانت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تیمم کے معنی خدا کو نہ کہ میں مطلب یہ ہے کہ جب پانی نہ ملے یا پانی بھلا دوس کا استعمال ممکن نہ ہو تو پاک پانی کا قصد کرنا  
تیمم کے طریق میں نماز کے بعد یا عین تکوین کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ  
ڈال کر مٹی پر پیر لیا جائے پھر دوسری دفعہ ہاتھ ڈال کر گنیوں تک استعمال پیر لیا جائے۔ اہم الاضغہ امام شافعی، اہم الاضغہ  
اکثر فقہاء کا یہ مذہب ہے اور صحابہ و تابعین میں سے حضرت علی، محمد بن مسلم، عمر بن الخطاب، عیسیٰ بن ابی مرثدہ وغیرہ میں سے  
قائل تھے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک صرف ایک دفعہ ہاتھ مارنا کافی ہے۔ وہی ہاتھ مٹی پر پیر لیا جائے یا مٹی کی  
کلائی تک استعمال پیر لیا جائے۔ گنیوں تک سح کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ علماء اور کھول بھلاؤ امامی اور اصحاب میں جن  
وہم اکثر کا مذہب ہے اور صحابہ و تابعین میں سے حضرت ابی ہریرہؓ کے قائل ہیں۔

تیمم کے لیے ضروری نہیں کہ زمین ہی ہاتھ مارا جائے۔ اس غرض کے لیے ہر گدا گدا پیر اور ہر چیز جو خشک اور  
دینی پر مشتمل ہو کافی ہے۔

بعض لوگ حرام کرتے ہیں کہ اس طرح مٹی ہاتھ ڈال کر وضو اور استعمال پیر لینے سے آخر طہارت کس طرح حاصل  
ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ حقیقت یہ آدمی ہی طہارت کی جس حد نماز کا احترام قائم رکھنے کے لیے ایک ہم قیاسی تدبیر ہے۔  
اس سے فائدہ یہ ہے کہ آدمی خدا کو اپنی وقت تک پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو، ہر حال اس کے اندر طہارت کا احساس  
بمقدار رہے گا یا کیر کی کے فرقان شریعت میں متحرک کر دیے گئے ہیں ان کی پابندی وہ ہمارا کرتا رہے گا اس کے ذہن سے  
قابل نفع ہونے کی حالت اللہ تعالیٰ فائدہ ہونے کی حالت کافر قاتل کی بھی عجز ہونے کا۔

۱۱۱۔ علماء امامی کتاب کے متن قرآن نے اکثر اوقات استعمال کیے ہیں کہ جنہیں کتب کے علم کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔  
اس کی وجہ یہ ہے کہ کئی اوقات انہوں نے کتاب الہی کا ایک حصہ تم کو دیا تھا۔ پھر جو کہ کتاب الہی سے ان کے پاس میں ہوتا  
اس کی مدد اللہ کے قصد و ماسے ہی وہ بیگانہ برچکے تھے۔ ان کی تمام دلیلیں عقلی جنہیں خدا حکام کے جزئیات اور  
حقائق کی تعلیمات میں کچھ نہ تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ دین کی حقیقت سے نا آشنا اور دیکھاری کے ہمہ سے

وَكُفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا ۖ وَكُفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿۲۵﴾ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا  
يَحْمِلُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا  
وَأَسْمَعُ غَيْرَ مَسْمُوعٍ وَرَاعَيْنَا لَكُمَا بِالْأَسْنَتِهِمَا وَطَعْنَا فِي  
الَّذِينَ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمَعُ وَانْظُرْنَا

اور تمہاری عورت و مددگاری کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ جو لوگ یہودی بن گئے ہیں ان میں  
کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں، اور دین حق کے خلاف نیش زنی کرنے  
کے لیے اپنی زبانوں کو توڑ توڑ کر کہتے ہیں سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا اور اَسْمَعُ غَيْرَ مَسْمُوعٍ  
اور سَمِعْنَا۔ حالانکہ اگر وہ کہتے سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا اور اَسْمَعُ اور اَنْظُرْنَا تو یہ

غالی تھے کہ ہم علماء دین اور مشایخ دین ہوتے کہے جاتے تھے۔

۲۵؎ یہ نہیں فرمایا کہ یہودی بن گئے ہیں، کیونکہ امتدادِ قوم بھی مسلمان ہی تھے، جس  
طرح ہر شی کا امت مسلم میں مسلمان ہوتی ہے، مگر یہ وہ صرف یہودی بن کر رہ گئے۔

۲۶؎ اس کے تین مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب خدا کے الفاظ میں رد و بدل کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنی تاویلات  
سے آیات کتاب کے معنی کچھ سمجھ بنا دیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروں کی صحبت  
میں آکر ان کی باتیں سنتے ہیں اور انہیں ہمارے لوگوں کے سامنے غلط طریقہ سے روایت کرتے ہیں۔ بات کچھ کہی جاتی ہے اور  
اسے اپنی شرات سے کچھ لاکچھ بنا کر لوگوں میں منور کرتے ہیں تاکہ انہیں ہنسا دیا جائے اور ان کے متعلق غلط فہمیاں پیدا  
کر ان کو اسلامی جماعت کی طرف تائید سے نہ لگا جائے۔

۲۷؎ میں جب نہیں خدا کے احکام سناؤں جاتے ہیں تو زور سے کہتے ہیں سَمِعْنَا دہمنے سن لیا اور اِسْمَعُ  
کہتے ہیں سَمِعْنَا دہمنے سنا لیا، یا اَطَعْنَا دہمنے قبول کیا، کا غفلتِ انداز سے زبان کو پگھلا دے کر کہتے  
ہیں کہ سَمِعْنَا کہیں جاتا ہے۔

۲۸؎ میں وہ لوگ منکر ہیں جب وہ کوئی بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کان پہنچے ہیں تو کہتے ہیں سَمِعْنَا  
اور پھر ساتھ ہی غیرواقعہ بھی کہتے ہیں جو مذہبی ہے اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ آپ نے حرم میں کتاب کو  
کوئی بات غلط فرمائی نہیں مگر اس کی ہاسکتی، دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں کوئی کلمہ کہنے، ایک لفظ

كَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ  
 إِلَّا قَلِيلًا ۝ يَأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا  
 مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْغَسَ وُجُوهًا فَزَرَدَهَا  
 عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ النَّبِيِّ ۖ وَكَانَ  
 أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ  
 مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ

انہی کے لیے بہتر تھا اور زیادہ لاستبازی کا طریقہ تھا۔ مگر ان پر تان کی باطل پرستی کی ہدایت  
 اللہ کی پھنکار پڑی ہوئی ہے اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

اسے وہ لوگوں جنہیں کتاب دی گئی تھی ایمان اور اس کتاب کو جو ہم نے اب نازل کی ہے  
 اور جو اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی۔ اس پر ایمان  
 لے آؤ قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پیچھے دیں یا ان کو کسی طرح لعنت زدہ کر دیں جس طرح  
 بہت والوں کے ساتھ ہم نے کیا تھا، اور یاد رکھو کہ اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اللہ بس  
 شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے سوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے  
 چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شرک ٹھیکر دیا اس نے تو

مطلب یہ ہے کہ خدا کے ہم سر نہ ہو۔

۶۹ جس کی تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے ملاحظہ فرمائیے۔

۷۰ تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے ملاحظہ فرمائیے۔

۷۱ ملاحظہ فرمائیے ملاحظہ فرمائیے ملاحظہ فرمائیے۔

۷۲ اس پر لڑا کہ علی کی کتاب اگرچہ دنیا کی کتاب اس کی بیوی کسی تھوڑے شرک میں رہا کرتے تھے۔

أَفَتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۖ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُونَ أَنفُسَهُمْ  
بِأَلَّهِ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يَظْلُمُونَ قِتِيلًا ۖ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ  
يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ۖ أَلَمْ تَرَ  
إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكَثْرَةِ يَوْمِئِذٍ بِالْحَبِّتِ

ہنت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔

تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو بہت اپنی پاکیزگی نفس کا دم بھرتے ہیں، حالانکہ پاکیزگی  
قوائد ہی جیسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور انہیں جو پاکیزگی نہیں ملتی تو حقیقت میں بددعا پروردگار  
بھی ظلم نہیں کیا جاتا۔ دیکھو تو سہی، یہ اللہ پر بھی جھوٹے افتراء گھرنے سے نہیں چوکتے اور ان کے  
صرف سنا گناہ گار ہونے کے لیے ہی ایک گناہ کافی ہے۔

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے مگر ان کا حال یہ کہ جنت

۳۵۸ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی میں شرک نہ کہے باقی دوسرے گناہوں کو کر رہا ہے، بلکہ وہ اہل حق  
ہے بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ شرک جس کو ان لوگوں نے بہت معمولی چیز سمجھ رکھا تھا، تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے حتیٰ کہ  
اور انہیں کی معافی تو ممکن ہے مگر یہ ایسا گناہ ہے کہ معاف نہیں کیا جاسکتا۔ علماء سید و مشریت کے چھوٹے چھوٹے احکام کا وہ  
بڑا اہتمام کرتے تھے مگر ان کا سارا وقت ان چیزیات کی تلپ تولی میں گزارنا تھا جو ان کے عقیدوں نے مستنبط و مستنبطہ اور کفر کے  
مکملے تھے، مگر شرک ان کی نگاہ میں ایسا بکامنل تھا کہ نہ وہ اس سے بچنے کی فکر کرتے تھے، نہ اپنی قوم کو شرک کا زہر غلات غلو  
دھال سے پھانے کی کوشش کرتے تھے اور نہ شرکین کی دوستی اور محبت میں انہیں کوئی مضائقہ نظر آتا تھا۔

۳۵۹ جنت کے پہلی سنی ہے حقیقت ہے اہل اور بے فائدہ چیز کے ہیں۔ اسلام کی زبان میں جہنم کی بات ہے جو ان  
ظالم گیری، ڈرنے ڈنکے، شکنجہ و صورت اور تمام دوسری وہی دنیاوی باتوں کو ثبت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ  
ہر شے پر آپا ہے النبیۃ و الطریق و الطیر من الحببت یعنی جانوروں کی آوازوں سے قالینا، زیریں جانوروں  
کے تشابہت و ہم سے شکنجہ ناکان اور قال گیری کے دوسرے طریقے سب جنت کے قیل سے ہیں۔ یہی جنت کا سفر ہے کہ  
چند آدمی زبان میں لہرام کہتے ہیں اور جس کے لیے انگریزی میں (Superstitions) کا اقتدا استعمال کیا جاتا ہے۔

وَالظَّالِمُونَ وَيَقُولُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى  
 مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ  
 وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ يَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ  
 مِنَ الْمُلْكِ فَإِذَا أَلْيُوتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝ أَمْ يَحْسُدُونَ  
 النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِمْ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ

اور ظالمین کو کہتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو  
 یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت  
 کر دے پھر تم اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔ کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا  
 ہوتا تو یہ دوسروں کو ایک پھوٹی گوزی تک نہ دیتے۔ پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد  
 کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا؟ اگر یہ بات ہے تو انہیں معلوم ہو کہ ہم نے تو بارہا یہی

۱۱۴۲ تفسیر کے لیے ملاحظہ فرمائیے، سورہ مائدہ ۱۱۴۲ و ۱۱۴۳

۱۱۴۳ عمار، یوحنا، ہت دھری، یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے ان کو  
 مشرکین عرب کی بنیست زیادہ گروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان سے تو یہ مشرکین ہی زیادہ راہ راست ہیں حالانکہ  
 وہ صریحاً خدا پر دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف خاص تو یہ ہے جس میں شرک کا شائبہ تک نہیں بلکہ دوسری طرف صریح  
 بت چلتی ہے جس کی مذمت سے ساری باتیں بھری ہوئی ہیں۔

۱۱۴۴ میں کیا خدا کی حکومت کا کوئی حصہ کے بعد میں ہے کہ یہ خدا کو نہ پہلے ہیں کہ ان پر ہر بات ہے  
 بعد ان نہیں ہے بلکہ اس پر ان کے ان دوسروں کو ایک پھوٹی گوزی بھی نہیں دیتی کیونکہ ان کے دل تلخ  
 چھوٹے ہیں کہ ان سے حق کا احترام تک نہیں ہو سکتا۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا ان کے پاس کسی ملک کی  
 حکومت ہے کہ ان سے دوسرے لوگ صبر کرنا ناچار ہیں؟ انہیں اس سے کہ نہیں دینا چاہیے، یہاں تو اصل  
 احترام حق کا سالانہ پیشکش ہے جس سے ان کی عزت بڑھتی ہے۔

۱۱۴۵ یعنی انہیں اپنی تائیل کے ساتھ جو اللہ کے جس فضل اور اس انعام کی اس خود لگائے بیٹھے تھے اس سے جب

إِزْهَيْمَ الْكُتُبَ وَالْحِكْمَةَ وَأَيَّاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝  
 فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفَى  
 بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ  
 نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَفِثَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلْنَاهُمْ جُلُودًا  
 غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝  
 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ

اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ملک عظیم بخش دیا، مگر ان میں سے کوئی اس پر ایمان لایا اور کوئی  
 اس سے منحہ موز گیا، اور منحہ کوڑنے والوں کے لیے توہیں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے  
 جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں یالین ہم آگ میں جھونکیں گے  
 اور جب ان کے بدن کی کمال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کمال پیدا کریں گے تاکہ وہ خوب  
 عذاب کا مزہ چکھیں، اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب  
 جانتا ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا اور نیک عمل کیے انکو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے

دوسرے لوگ سرخزا کر دیے گئے اور عرب کے امیروں میں ایک عظیم الشان نبی کے ظہور سے وہ دعائیہ اطلاق اور نبی دلی  
 زندگی پیدا ہوئی جس کا لازمی نتیجہ خروج دس ہندی ہے، قرب یہ اس پر صد کر رہے ہیں اور وہی امور دس ہندی کے پندار کا  
 موافقہ مل رہی ہیں۔

۴۱۲ ملک عظیم سے مراد دنیا کی ماست درہنٹا اور اقوام عالم پر قائم اور اقتدار ہے جو کتاب ہند کا ہم پائے  
 اور اس علم و حکمت کے معنی مل کر رہے ہیں تاکہ مال ہو رہا ہے۔

۴۱۳ یاد رہے کہ یہاں وہی ہر شے کی جاسد اوزن کا دیا جا رہا ہے اس باب کا ہی ہے کہ تم  
 لوگوں کو جتنے کس بات ہو جو ہم بھی انہیں ہم کی اولاد ہو اور یہی ہمارے ہی امور ہیں یہی ان اور یہی ہمارے دنیا کی ماست



تَجْمِنِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلِيَيْنَ فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَدُخِلَهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝  
لَئِنْ اللَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُودُّوا الْأَمْنَتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝

جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ میں گے اعلان کو پاکیزہ و پریشان نہیں گی اور انہیں ہم نفعی چھاؤں میں رکھیں گے۔

مسلمانوں! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اپنی امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

کاہرہ وہ ہم نے کیا تمامہ اہل ابابہم میں سے صرف من لوگوں کے لیے قابو جاری بھی ہوئی کہ کتابت کی پیروی کریں یہ کتابت اور ملکیت پہلے ہم نے تمہارے پاس بھی تھی مگر تمہاری اپنی نالائقی تھی کہ تم اس سے غور نہ کر گئے۔ اب ہم یہ چیز ہم نے بنی اسرائیل کو دی ہے اور یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

۵۵۵ یعنی تم ان پر ایمان سے بچے رہنا جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہو گئے ہیں بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے اسطفا کے ذرائع نہیں مانائے، یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پریشانی اور قوری سرور کی سرے (Positions of Trust) ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیے جو نااہل، کم ظرف، بد اخلاق، بد دیانت اور بدکار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کبر سے لوگوں کی قیادت میں ساری قوم غراب ہو گئی یعنی گمراہی کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم ایسا نہ کرنا بلکہ مانائیں ان لوگوں کے سپرد کرنا جان کے اہل ہوں، یعنی جن میں ابراہیمؑ امانت اٹھانے کی صلاحیت ہو۔ بنی اسرائیل کی دوسری بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ مضافات کی شعاع سے غالی ہو گئے تھے وہ شخصی اور قوری اغراض کے لیے بے تکلف ایمان لگاتے تھے۔ مزید ہٹ دھرمی بہت جاتے تھے۔ انصاف کے گھر پر چھری پھرنے میں انہیں خدا تامل نہ ہوتا تھا۔ ان کی بے انصافی کا نتیجہ تین فقرہ ہیں جو مذہب میں غور مسلمانوں کو ہر اہم ایک طرف ان کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ  
مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے  
صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے دلوں میں کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پھیر دو

وہ علم و امان پر ایمان رکھنے والوں کی پاکیزہ زندگیوں میں۔ دوسری طرف وہ لوگ تھے جو بتوں کو پہنچ رہے تھے۔ بیشک  
زندہ گاڑے تھے۔ سبکی ملاؤں تک سے نکاح کر لیتے تھے اور کہہ کے گردانہ لڑا لگتے جو کہ طوطی کہتے تھے۔ یہ نام نہاد  
اپنی کتاب میں سے دوسرے گروہ کو پہلے گروہ پر ترجیح دیتے تھے اور ان کو یہ کہتے ہوئے ظالم و ستم شافی تھے کہ پہلے  
گروہ کے مقابلہ میں یہ دوسرا گروہ زیادہ صحیح راستہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اس بے اخلاقی تہذیب کرنے کے عذاب  
مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ تم کس میں سے بے اخلاقیات میں جانا نہ خواہ کسی سے دوستی ہو یا دشمنی بہر حال بات جب  
کو بے اخلاقیات کی کو اور فیصلہ جب کرو بدل کے ساتھ کرو۔

۱۱۹۔ یہ آیت اسلام کے پورے مذہبی، تمدنی اور سیاسی نظام کی بنیاد اور اسلامی ریاست کے دستور کی اولین  
دفعہ ہے۔ اس میں حسب ذیل اصول مستقل طور پر قائم کر دیے گئے ہیں۔

(۱) اسلامی نظام میں اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے۔ ایک مسلمان سب سے پہلے بندہ خدا ہے، باقی جو کچھ بھی ہے  
اس کے بعد ہے۔ مسلمان کی انفرادی زندگی اور مسلمانوں کے اجتماعی نظام۔ دونوں کا مرکز و محور خدا کی فرمانبرداری اور خدا کی  
پہنچ ہے۔ دوسری باتیں اور قواعد و قیاس صرف اس صورت میں قبول کی جائیں گی کہ وہ خدا کی اطاعت اور خدا کی مخالفت  
نہیں بلکہ اس کے تحت اور اس کی تابع ہوں۔ ورنہ وہ ملحد، اطاعت قرآن کریم کی دیا جائے گا جو اس اہل اور بنیادی احکام  
کا حریف ہو یہی بات ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ  
المخلوق۔ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کے لیے کوئی اطاعت نہیں ہے۔

(۲) اسلامی نظام کی دوسری بنیاد رسول کی اطاعت ہے۔ یہ کوئی مستقل بالذات اطاعت نہیں ہے بلکہ اطاعت  
خدا کی واحد علی صحت ہے۔ رسول اس لیے مطاع ہے کہ وہی ایک مستند ذمہ دار ہے جس سے ہم تک خدا کے احکام و  
فرمان پہنچتے ہیں۔ ہم خدا کی اطاعت صرف اسی طریقہ سے کر سکتے ہیں کہ رسول کی اطاعت کو اس کوئی اطاعت خدا و رسول کی  
منہ کے بغیر متبر نہیں ہے اور رسول کی پہنچ سے سونہ نہ نافرمانی کے خلع و شادت ہے۔ اسی معنی میں کہ یہ حدیث واضح  
کرتی ہے کہ من اطاعتی فقد ملطاع اللہ ومن عصا اللہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی  
اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ اور یہی بات خود قرآن میں پوری وضاحت کے ساتھ آگے

آ کر ہی ہے۔

(۳) مذکورہ بالا دونوں اطاعتوں کے بعد اور ان کے ماتحت سب سے زیادہ اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر واجب ہے وہ ”اولی الامر“ کی اطاعت ہے جو خود مسلمانوں میں سے ہوں۔ اولی الامر کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں، خواہ وہ دینی و فکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں، یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر یا ملکی انتظام کرنے والے حکام، یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار غرض جو اس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب ہر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے اور اس سے نزاع کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے بشرطیکہ وہ خود مسلمانوں کے گروہ میں سے ہو۔ اور خدا اور رسول کا مطیع ہونے والوں شرطیں اس اطاعت کے لئے لازمی شرطیں ہیں اور یہ نہ صرف آیت مذکورہ صریحاً صاف طور پر درج ہیں بلکہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پوری شرح و بسط کیساتھ بیان فرما دیا ہے مثلاً حسب ذیل احادیث ملاحظہ ہوں!

السمع والطاعة علی المرء المسلم

فی ما احب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیة

فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔

(بخاری، مسلم)

لا طاعة فی معصیة، انما الطاعة فی

المعروف۔ (بخاری، مسلم)

یكون علیکم امراء تعرفون و

تسکرون فمن انکر فقد برئ ومن

کرہ فقد سلم و لکن من رضی و تامل

فقلوا فلا نقا تلهم اقل لاحاصلو۔

(مسلم)

اور مانے خواہ اسے پسند ہو یا پسند نہ آئے، تنقید اُسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب اُسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر اُسے نہ کچھ سننا چاہئے نہ ماننا چاہئے۔

خدا اور رسول کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں

ہے۔ اطاعت جو کچھ بھی ہے ”معروف“ میں ہے۔

حضور نے فرمایا تم پر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے

جن کی بعض باتوں کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر تو

جس نے ان کے منکرات پر اظہارِ ناراضگی کیا وہ بری الذمہ ہو

اور جس نے ان کو پسند کیا وہ بھی سچ گیا مگر جو ان پر راضی ہوا

اور بروری کرنے لگا وہ ناخودِ علم کا صحابہ بنے اور پچھا پچھریب

یہی حکام کا دور ہے تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔

یعنی ترکِ نماز وہ علامت ہوگی جس سے صریح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ وہ اطاعتِ خدا اور رسول سے باہر

ہو گئے ہیں اور پھر ان کے خلاف جدوجہد کرنا درست ہو گا۔

حضور نے فرمایا تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جو تمہارے لئے

مغرض ہوں اور تمہارا کیلئے مغرض ہو تم ان پر سنت کرو اور

وہ تم پر سنت کریں صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ!

شرار استکم الدین یغضونکم

ویغضونکم وتلعونکم ویلعونکم

قلنا یا رسول اللہ! فلا نناین ہم عند

ذالك؟ قال لا ما اقاموا فيكم الصلوة؛ جب یہ صورت ہو تو کیا ہم ان کے مقابلہ پر نہ اٹھیں؟

لا ما اقاموا فيكم الصلوة

(رسل)

نہیں، جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں

اس حدیث میں اُپر والی شرط کو اور واضح کر دیا گیا ہے۔ اُپر کی حدیث سے گمان ہو سکتا تھا کہ اگر وہ اپنی

انفرادی زندگی میں نماز کے پابند ہوں تو ان کے خلاف بغاوت نہیں کی جاسکتی۔ لیکن یہ حدیث بتاتی ہے کہ نماز پڑھنے

سے مراد دراصل مسلمانوں کی جماعتی زندگی میں نماز کا نظام قائم کرنا ہے یعنی صرف یہی کافی نہیں ہے کہ وہ لوگ خود

پابند نماز ہوں، بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے تحت جو نظام حکومت چل رہا ہو وہ کم از کم اقامتِ صلوة کا نظام

کرے یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ان کی حکومت اپنی اصلی نوعیت کے اعتبار سے ایک اسلامی حکومت ہے ورنہ

اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ حکومت اسلام سے منحرف ہو چکی ہے اور اُسے اُلٹ پیچھنے کی سعی ملانوں

کے لئے جائز ہو جائے گی۔ اسی بات کو ایک اور روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہم سے منجملہ اور باتوں کے ایک اس امر کا عہد بھی لیا کہ ان لا ننازع الامر اهلہ الا ان تردوا کوا باحدا عند کم

من اللہ فیہ برہان“، یعنی یہ کہ ہم اپنے سرداروں اور حکام سے نزاع نہ کریں گے، الا یہ کہ ہم اپنے کاموں میں کھلا

کفر دیکھیں جس کی موجودگی میں ان کے خلاف ہمارے پاس خدا کے حضور پیش کرنے کیلئے دلیل موجود ہو، بخاری و مسلم

(۴) جو کچھ باتِ خیریت زیر بحث میں ایک متفقہ اصول اور قطعی اصول کے طور پر ملے کوئی گئی ہے یہ ہے کہ اسلامی

نظام میں خدا کا حکم اور رسول کا طریقہ بنیادی قانون اور آخری سند (Final authority) کی حیثیت رکھتا ہے

مسلمانوں کے درمیان یا حکومت اور رعایا کے درمیان جس مسئلہ میں بھی نزاع واقع ہوگی اس میں فیصلہ کیلئے قرآن اور

سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور جو فیصلہ وہاں سے حاصل ہوگا اس کے سامنے تسلیمِ خرم کر دینے کی طرح تمام

مسائلِ زندگی میں کتاب و سنت رسول اللہ کو سند اور مرجع اور حرفِ آخر تسلیم کرنا اسلامی نظام کی وہ لازمی ضرورت

ہے جو اسے کافرانہ نظامِ زندگی سے تمیز کرتی ہے۔ جس نظام میں یہ چیز نہ پائی جائے وہ بالیقین ایک غیر اسلامی نظام ہوگا۔

اس موقع پر بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ تمام مسائلِ زندگی کے فیصلے کیلئے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ

کی طرف کیسے رجوع کیا جاسکتا ہو جبکہ یورپیشی اور ریورے اور ڈاکٹرانہ کے قواعد و ضوابط اور ایسے ہی ہیشہ ر معاملات

کے احکام سرے سے وہاں موجود ہی نہیں ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ شبہ اصولِ دین کو نہ سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے

مسلمان کو جو چیز کافر سے تمیز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ کافر مطلق آزادی کا مدعی ہے اور مسلمان فی الاصل بندہ ہو نیکی کے بعد

صرف اس دائرے میں آزادی سے متفق ہوتا ہے جو اس کے رہنے اُسے دی ہے۔ کافر اپنے سارے معاملات

قیصلہ خدا اپنے بنائے ہوئے اصول اور قوانین و ضوابط کے مطابق کرتا ہے اور سرے سے کسی خدائی منہ کا اپنے

اُپ کو کا جو خد بند سمجھتا ہی نہیں اس کے برعکس مسلمان اپنے ہر معاملہ میں سب سے پہلے خدا اور اس کے رسول صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتا ہے، پھر اگر وہاں سے کوئی حکم ملے تو وہ اس کی پیروی کرتا ہے اور اگر کوئی حکم

لَنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ  
 أَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا  
 بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ  
 يَتَّخِذُوا إِلَى الظَّالِمِينَ غَوْلًا وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا

اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اس نئی قسم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے ظالمت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں ظالمت سے

نہلے تو نہ صرف اسی صورت میں آزادی مل رہا ہے اور اس کی آزادی مل اس محبت پر مبنی ہوتی ہے کہ اس معاملہ میں شائع کا کوئی حکم نہ دیا اس کی طرف سے آزادی مل جائے جانے کی دلیل ہے۔

خبر قرآن مجید پر نہ صرف کتابائیں ہی نہیں ہے بلکہ کتبِ تعلیم و تفتیش اور معجزہ و عبادت و ارشاد بھی ہے اس پہلے فقرے میں جو تاؤ فی اصول بیان کیے گئے تھے، اب اس دوسرے فقرے میں ان کی حکمت و صحت بھائی جا رہی ہے اس میں وہ باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ مذکورہ بالا چاروں اصولوں کی پیروی کرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ مسلمان ہونے کا دوسرا اور ان اصولوں سے نفرت، یہ دونوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ دوسرے یہ کہ ان اصولوں اپنے نظام زندگی کو تعمیر کرنے میں مسلمانوں کی بہتری بھی ہے۔ صرف یہی ایک چیز ان کو دنیا میں صلہ مستقیم پر قائم رکھتی ہے اور اسی صلہ کی بقا و تسمیٰ دوسری چیز ہے۔ یہ فیصلہ خیریک اس تقریر کے خاتمہ پر ارشاد ہوئی ہے جو میں یوں یوں کی انسانی و دینی حالت پر تصویق کیا ہوا ہے اس طرح ایک نہایت لطیف طریقہ سے مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ تمہاری پیش رو دھمت دین کے ان بنیادی اصولوں سے نفرت ہو کر جہدِ حق میں لگ چکی ہے اس سے عبرت حاصل کرو۔ جب کوئی گمراہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت کو پس پشت ڈال دیتا ہے، اور اپنے سرور اور دربرہنوں کے پیچھے لگ جاتا ہے جو خدا اور صل کے پیچھے قرآن نہ ہو، اور اپنے مذہبی پیشروؤں اور سیاسی ماحول سے کتاب و سنت کی حسد

يَا وَيْلَيْكَ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ وَلَإِنْ قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ يُمْسِكُمْ بِمَا قَدْ مَتَّ أَيْدِيَهُمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَخْلِفُونَ

کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہِ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔ اور جہان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف جہاں اللہ نے نازل کی ہے اور اس رسول کی طرف تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے کاموں کی لالی ہوئی، مصیبت ان پر آ پڑتی ہے؟ اس وقت یہ تمہارے پاس تیس کھاتے ہوئے آتے ہیں۔ پھر جیسے ان کی اعات کرنے لگتا ہے تو وہ ان خرابیوں میں مبتلا ہونے سے کسی طرح نہیں سکتا جن میں بنی اسرائیل مبتلا تھے۔

۹۱۔ یہاں صریح طور پر طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ نظامِ عدالت ہے جو ہذا قاضی کے اقتدارِ اعلیٰ کا سطح پر واحد الشریک کی کتاب کو آخری منہا تاتا ہو۔ لہذا یہ آیت اس معنی میں بالکل عادت ہے کہ جو عدالت طاغوت کی حیثیت رکھتی ہو اس کے پاس اپنے معاملات فیصلہ کے لیے سے جاتا ایمان کے منافی ہے اور خلاصہ اس کی کتاب پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آدمی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے منع کار کرے۔ قرآن کی مدد سے اشرارِ ایمان اور طاغوت سے کفر، وہ فتنوں لازم و ملزوم ہیں، اور خدا اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا عین منافقت ہے۔

۹۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منافقین کی عام روش تھی کہ جس مقدمہ میں انہیں توقع ہوتی تھی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہو گا اس کو تو بنی علی الشریعہ مسلم کے پاس لے جاتے تھے مگر جس مقدمہ میں اندیشہ ہوتا تھا کہ فیصلہ ان کے خلاف ہو گا اس کو آپ کے پاس لے جانے سے انکار کر دیتے تھے یہی حال اب بھی بہت سے منافقوں کا ہے کہ اگر شریعت کا فیصلہ ان کے حق میں ہو تو سب کچھوں پر وہ ہر قسم کا قانون، ہر اس دھم دھماکہ، ہر اس عدالت کے دامن میں پانا ہائیں لگے جس انہیں ماننے منانے کے مطابق فیصلہ حاصل ہونے کی توقع ہو۔

۹۳۔ تاہنا اس سے مراد یہ ہے کہ جہان کی اس منافقہ حرکت کا مسلمانوں کو علم ہو جانا ہے اور انہیں خوفِ خدا ہے کہ اب باز پس ہونے کی اور سزا لے گی اس وقت تیس کھاتے ہیں لہذا کہ اپنے ایمان کو تیس لٹے گئے ہیں۔

بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا اَحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ  
يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرَضَ عَنْهُمْ وَعَظَّمَ قَوْلَهُمْ  
فِيْ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۳۱﴾ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا  
لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاوَوْكَ  
فَاَسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ  
تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۳۲﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُمَكِّدُوْكَ  
فِيْ مَا شِئْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا

اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح  
مواقت ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، ان سے تعرض مت کرو،  
انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں تر جائے۔ (انہیں بتاؤ کہ ہم نے جو رسول بھی  
بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر  
انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس  
آجائے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو  
بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ نہیں، اے محمد! تمہارے بس کی قسم یہ کسی مومن نہیں ہو سکتے جب تک  
کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی

۳۰ یعنی خدا کی طرف سے رسول اس لیے نہیں آتا ہے کہ اس کی رسالت پر ایمان لے آئے اور پھر اطاعت  
میں کی پابندی کرتے ہو۔ بلکہ رسول کے آنے کی غرض یہی ہوتی ہے کہ زندگی کا جو تازہ دم لے کر آیا ہے تمام قلوب کو چھو کر  
صرف اس کی پیروی کی جائے اور خدا کی طرف سے جو احکام دہ دیتا ہے تمام احکام کو چھوڑ کر صرف انہی پر عمل کیا جائے۔  
اگر کسی نے یہی نہ کیا تو پھر اس کا حق رسول کو دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ أَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِه لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَنْثِيَةً ۝ وَإِذَا الْأَتِيتُهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَلَهْدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ

تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سرسری تسلیم کر لیں اگر ہم نے انہیں حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے کبھی آدمی اس پر عمل کرتے۔ حالانکہ یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتری اور زیادہ مثبت تبدیلی کا اثر جو بہت سارے اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم انہیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے اور انہیں سیدھا راستہ دکھا دیتے جو اللہ اور رسول کی اطاعت کی گارنٹی

۹۵۔ اس آیت کا حکم صرف حضور کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لیے ہے جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ کی ہدایت و رہنمائی کے تحت آپ نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیں سیکھنا سنانا کے لیے رہا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہونے والی ہے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ ہمیشہ وہی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ لا یؤخس احدکم حق ینکون ہوا وہ تبعاً لما جئت بہم۔ تم میں سے کوئی شخص غرض نہیں ہو سکتا کہ جب تک کہ اس کی خواہش نفس میں طریقہ کی تابع نہ ہو جتنا ہے میں نے لے کر آیا ہوں۔

۹۶۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ ہے کہ شریعت کی پابندی کرنے میں ذرا سا نقصان یا تھوڑی سی تکلیف بھی یہ بڑا نہیں کر سکتے تو ان سے کسی نبی قربانی کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی۔ اگر ان دینی یا گھر یا چھوڑنے کا مطالبہ ان سے کیا جائے تو یہ فرد باہمال کہڑے ہوں گے اور ایمان و اطاعت کے سہارے کفر و نافرمانی کی راہ میں گئے۔

۹۷۔ اگر لوگ خشک اور تذبذب اور تردد و چھوڑ کر کہیں کی کما تہ رسول کی اطاعت و پیروی پر قائم نہ رہتے تو ان کو ذرا سا تھوڑا بہتے تو ان کی زندگی تزلزل سے محروم ہو جاتی، ان کے خیالات و اخلاق اور معاملات سب کے سب ایک مستقل اور پختہ طریقہ و نظام پر چلتے اور ان روایات سے محروم و رہتے جو ایک شاہ و مستقیم پرست تھی کے ساتھ



فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَ  
الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ  
رَفِيقًا ۖ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا ۝

وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور  
صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میراث میں حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے  
اور حقیقت جاننے کے لیے اس اللہ ہی کا علم کافی ہے۔

پہلے سے ہی معلوم کر اکتی ہیں۔ جو شخص تہذیب و تہذیب زدہ کی حالت میں مبتلا ہوا کبھی اس راستہ پر پہلے کبھی اس راستہ پر  
لہذا اللہ کی راستہ کے بھی صحیح ہونے پر اسے مال نہ ہوں کی ماری زندگی بخش رہا ہے اس کی طرح بسر ہوتی ہے تو رسمی فعال  
بن کر رہ جاتی ہے۔

۹۸۔ یعنی جہاد ملک جو کر ایمان و یقین کے ساتھ رسول کی اطاعت کا فیصلہ کریتے تو اللہ کے فضل سے ان کے  
سامنے کسی بڑے کام کا یہ حال نہ ہوگا بلکہ روشن رہا جائے گا اور انہیں صاف نظر آ جائے گا کہ اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کس راہ میں صرف کرنا  
چاہتا ہے ان کا ہر قدم اپنی حقیقی منزل مقصود کی طرف اُٹھے۔

۹۹۔ حقیقت سے مراد وہ شخص ہے جو نہایت اہمیت رکھتا ہے جس کے اندر صداقت پسندی اور حق پرستی کا لہر  
جو رہنے والی حالت اور بر تادی میں ہمیشہ سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کرے جب ساتھ لے تو حق اور انصاف ہی کا ساتھ دے  
لہذا سچے دل سے دے، اور جو چیز کو حق کے خلاف پائے اس کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑا ہو جائے اور خدا کو کسی نہ کھائے  
جس کی سیرت ایسی ستھری اور بے لوث ہو کہ اپنے اور غیر کی کو بھی اس سے خالص راستہ دہی کے ساتھ کبھی دوسرے طریقہ عمل  
کا اندیشہ نہ ہو۔

خیمہ کے محل میں گود کے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے لیے ہر چیز  
سے شہادت دے۔ اللہ کی راہ میں ذکر جان دینے والے کو بھی شہید ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ جان دے کر ثابت کر دیتا  
ہے کہ جو چیز پر ایمان لایا تھا اسے حق سے حق سمجھتا تھا اور اسے اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس کے لیے جان  
قرban کرنے میں بھی اس نے دریغ نہ کیا۔ ایسے راستہ باز لوگوں کو بھی شہید کہہ جاتا ہے جو اس قدر قابل اعتماد ہوں کہ جس چیز  
پر شہادت دیں اس کا صحیح و حق بخیر و نیک عمل کر لیا جائے۔

صلح سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے خیالات کو عقائد میں، اپنی نیت اور ارادوں میں اور اپنے اقوال و افعال میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَاتَّقُوا ثَلَاثًا أَوْ تَقْرَأُوا  
جَمِيعًا ۖ وَلَئِنْ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ  
قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۖ  
وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ

اے ایمان لانے والو! متقابلہ کیلئے ہر وقت تیار رہو، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں سبکدوش یا کٹھے ہو کر۔ ہاں تم میں کوئی کوئی آدمی ایسا بھی ہو جو لڑائی سے جی چراتا ہے، اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو کہتا ہے اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ گیا، اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو تو کہتا ہے۔ اور اس طرح کہتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان محبت کا تو کوئی تعلق

راہ راست پر قائم ہوا اور فی الجملہ اپنی زندگی میں نیک رویہ رکھتا ہو۔

۳۷۱ یعنی وہ انسان خوش قسمت ہے جسے ایسے لوگ دنیا میں رفاقت کیلئے میسر آئیں اور جس کا انجام آخرت میں بھی ایسے ہی لوگوں کیساتھ ہو کسی آدمی کے احساسات مردہ ہو جائیں تو بات دوسری جو درندہ حقیقت بدسیرت اور بدکردار لوگوں کیساتھ زندگی بسر کرنا دنیا ہی میں ایک عذاب الیم ہے کہ آخرت میں بھی آدمی انہی کے ساتھ اس انجام سے دوچار ہو جو ان کے لئے مقدر ہے اسی لئے اللہ کے نیک بندوں ہمیشہ ہی متارہی ہے کہ ان کو نیک لوگوں کی سوسائٹی نصیب ہو اور در کر بھی وہ نیک ہی لوگوں کے ساتھ رہیں۔

۳۷۲ واضح رہے کہ یہ خطبہ اس زمانہ میں نازل ہوا تھا جب احد کی شکست کی وجہ سے اطراف و نواح کے قبائل کی بہتیں بڑھ گئی تھیں اور مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھر گئے تھے آئے دن خبریں آتی رہتی تھیں کہ فلاں قبیلہ کے تیور بگڑ ہو ہیں، فلاں قبیلہ دشمنی پر آمادہ ہے۔ فلاں مقام پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ بچے رہنے غداریاں کی جارہی تھیں۔ ان کے مبلغین کو فریاد و دعوت دی جاتی تھی اور قتل کر دیا جاتا تھا مدینہ کے حدود سے باہر ان کیلئے جان و مال کی سلامتی باقی نہ رہی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کی طرف سے ایک زبردست سعی و جہاد در سخت جاں نشانی کی ضرورت تھی تاکہ ان خطرات کے جہوم سے اسلام کی یہ تحریک مٹ نہ جائے۔

۳۷۳ ایک مضموم یہ بھی ہے کہ خود تو جی چراتا ہی ہے، دوسروں کی بھی ہمتیں پست کرتا ہے اور ان کو جہاد سے روکنے کے لئے ایسی باتیں کرتا ہے کہ وہ بھی اسی کی طرح بیٹھ رہیں۔

وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَلَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٤٦﴾  
 فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا  
 بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ  
 نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٧﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
 وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ  
 يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمُ لِهَٰلِهَا وَجَعَلَ  
 لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۖ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٤٨﴾

ستھابی نہیں۔ کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑا کام بن جاتا ایسے لوگوں کو عظیم ہر وہ کام اللہ کی راہ میں لڑنا چاہئے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں پھر جو اللہ کی راہ میں لڑیں اور مارا جائیگا یا غلبہ کریگا اُسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے آخر کیا وجہ ہو کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور یا کمزور بن گئے ہیں اور مر رہا کر رہے ہیں کہ خدا یا اللہ کو اس جی سے نکل جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے

۳۷۲ یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا دنیا طلب لوگوں کا کام ہے ہی نہیں یہ تو ایسے لوگوں کا کام ہے جن کے پیش نظر صرف اللہ کی خوشنودی ہو، جو اللہ اور آخرت پر کامل اعتماد رکھتے ہوں اور دنیا میں اپنی کسبیاں نہ خوشحالی کے سارے نکلانت اور اپنے ہر قسم کے دنیوی مفاد و امید پر قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائیں کہ ان کا بار یہ ان سے راضی ہو گا اور اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں ہر حال ان کی قربانیاں حلال نہ ہوں گی۔ رہے وہ لوگ جن کی نگاہ میں اس اہمیت اپنے دنیوی مفاد ہی کی ہو، تو درحقیقت یہ راستہ ان کے لئے نہیں ہے۔

۳۷۳ اشارہ ہے ان ظالم بچوں، عورتوں اور مردوں کی طرف جو کہ میں اور میرے دوسرے قبائل میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر نہ ہجرت پر تیار تھے اور نہ اپنے آپ کو ظلم سے بچا سکتے تھے یہ غریب طرح طرح سے تختہ نشین ہوتے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا  
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ  
إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ  
لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ  
فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ  
النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۖ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كُتِبَ

جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ  
اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں، پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو اور یقین پانلو  
کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں نہایت کمزور ہیں ۝

تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روک دو اور نماز قائم  
کرو اور زکوٰۃ دو، اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ  
لوگوں سے ایسا ڈرتے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر کہتے ہیں خدایا! یہ ہم پر رول کیا

جائے ہمارے تھے اور ہمیں مانگتے تھے کہ کوئی انہیں اس علم سے بہاتے۔

۵۷۱۔ اذکار اور نکل فیصلہ ہے۔ اللہ کی راہ میں اس غرض کے لیے لڑنا کہ زمین پادشہ کا دین قائم ہو، یہ اہل ایمان کا  
کام ہے اور جو واقعی مومن ہے وہ اس کام سے کبھی ہٹتا نہیں ہے گا۔ انہی غرض کی راہ میں اس غرض کے لیے لڑنا کہ خدائی زبیر  
خدا کے انبیاء کا راجہ ہو، یہ کافروں کا کام ہے اور کوئی ایمان رکھنے والا آدمی یہ کام نہیں کر سکتا۔

۵۷۲۔ یعنی ظاہر شیطان اور اس کے ساتھی ہی تباہیوں سے بچنے ہیں اور نبی زبردست ہمارے بچنے پر مکی ایمان  
کو دشمن کی تباہیوں سے خوف نہ ہونا چاہیے اس لئے کہ ان کی چالوں سے۔ آخر خدا کا انتقام ناکامی ہے۔

۵۷۳۔ اس آیت کے تین مضمون ہیں اور تینوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں:

عَلَيْنَا الْقِتَالُ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاءُ  
الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ  
فَتِيلًا ۝۶۰ إِنْ مَا تَكُونُوا يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي  
بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ وَلَٰنْ تُصِيبَهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ  
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَلَٰنْ تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ

حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور ملت دی؟ ان سے کہو دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے اور  
آخرت ایک خدا ترس انسان کے لیے زیادہ بہتر ہے اور تم پر ظلم ایک شتم برابر بھی نہ کیا جائے گا۔  
رہی موت تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال آکر ہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔  
اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں

ایک مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ لوگ خود جنگ کے لیے بے تاب تھے۔ بار بار کہتے تھے کہ صاحب ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے ہمیں  
ٹھایا جاتا ہے، مارا جاتا ہے، گالیاں دی جاتی ہیں، آخر ہم کب تک صبر کریں؟ ہمیں مقابلہ کی اجازت دی جائے۔ اُس  
وقت ان سے کہا جاتا تھا کہ صبر کرو اور نماز و زکوٰۃ سے ابھی اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہو تو یہ صبر و برداشت کا حکم ان پر  
شاق گزرتا تھا۔ گلاب جوڑائی کا حکم دے دیا گیا تو انہی تقاضا کرنے والوں میں سے ایک گروہ دشمنوں کا چرم اور جنگ کے  
خطرات دیکھ دیکھ کر سہا جا رہا ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تک مطالبہ نماز اور زکوٰۃ اور ایسے ہی بے خطر کاموں کا تھا اور جانیں لڑنے کا کوئی سوال نہ تھا  
دیایا تھا یہ لوگ پہنچے دینا دیتے۔ گلاب جوڑی کی خاطر جان جو کموں کا کام شروع ہوا تو ان پر لرزہ طاری ہوئے۔

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پہلے تو ٹوٹ کھوٹ اور نفسانی لڑائیوں کے لیے ان کی تلوار بروقت نیام سے علی پڑتی تھی اور  
رات دن کا مشغلہ ہی جنگ پیار تھا۔ اُس وقت انہیں خونریزی سے ہاتھ دکنے اور نماز کو بے نفس کی اصلاح کرنے کے  
کہا گیا تھا اب جو خدا کے لیے تلوار اٹھانے کا حکم دیا گیا تو وہ لوگ جو نفس کی خاطر لڑنے میں شریک تھے خدا کی خاطر لڑنے میں بزدل  
بنے طبقے یہ وہ دستِ شیر زن جو نفس اور شیطان کی راہ میں بڑی تیزی دکھاتا تھا۔ اب خدا کی راہ میں سشل ہوا جاتا ہے۔  
یہ تینوں مفہوم مختلف قسم کے لوگوں پر چپاں ہوتے ہیں اور آیت کے الفاظ ایسے جامع ہیں کہ تینوں پر یکساں لائق کرتے ہیں۔

مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ  
لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ  
فَإِنَّ اللَّهَ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَعِنَّا نَفْسُكَ وَأَرْسَلْنَاكَ  
بِالْبَيِّنَاتِ رَسُولًا ۝ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ  
فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيفًا ۚ

تمہاری بدولت ہے۔ کوہِ اب کچھ اٹھ رہی کی طرف سے ہے۔ آفران لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ  
کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اے انسان! تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے، اور جو  
مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے۔

اے محمد! ہم نے تم کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس پر خدا کی گواہی کافی ہے۔  
جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی اور جو مومن ہو گیا، تو ہر مال ہم نے  
تمہیں ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا تھا۔

۱۔ اے نبی! تم خدا کے دین کی خدمت، بہالہ و احساس کی راہ میں جانشانی دکھاؤ تو یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا کے ہاں  
تمہارا اجر ضائع ہو جائے۔

۲۔ یعنی جب فتح و غزوات کا یہابی و سرخروئی نصیب ہوتی ہے تو اسے اللہ کا فضل قرار دیتے ہیں اور حاصل جاتے ہیں  
کہا جاتا ہے کہ یہ فیضِ الہی کے اندر سے فرمایا ہے۔ مگر جب خود اپنی عقلیں اور دیکھ بھولنے کے بجائے کہیں شکست ہوتی ہے تو  
بڑھتے ہوئے قدم چمچے پڑنے لگتے ہیں تو خدا کا اہم نام ہی کے مرتبہ ہوتے ہیں اور خود ہی اللہ ہوتا چاہتے ہیں۔

۳۔ یعنی اپنے من کے لیے خود دھاریں، ان کے اعمال کی بنا پر جس قسم سے نہ ہو گی تمہارے ہر دو کام کیا گیا ہے وہ  
تو صحت سے کہ اللہ کے احکام و ہدایات میں ٹک چکا ہو۔ یہ کام تم نے بخوبی انجام دے دیا۔ اب یہ تمہارا کام نہیں ہے کہ تم  
چلو گلاہیں، زبردستی دوا دے دو۔ مگر یہ میں ہدایت کی پیروی نہ کریں جو تمہارے اندر سے پہنچ رہی ہے، تو اس کی کوئی  
ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اگر لوگ کیوں نافرمانی کرتے تھے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ  
 غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ  
 وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٥٠﴾ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ  
 الْفُرْقَانُ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا  
 كَثِيرًا ﴿٥١﴾ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ  
 وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَلْبَامِ لَهُمْ لَعَلِمَةٌ الَّذِينَ

مومن نہ کہتے ہیں کہ ہم طبع فرمان ہیں۔ مگر جب تمہارے پاس سے نکلے ہیں تو ان میں سے  
 ایک گروہ داتاں کو جمع ہو کر تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے۔ اختلاف کی یہ مادی سرکشی  
 کھڑا ہے تو ان کی پرمانہ کہ اور اٹھ پر بھروسہ رکھو، وہی بھروسہ کے لیے کافی ہے کیا یہ لوگ  
 قرآن پر غور نہیں کرتے، اگر یہ آخر کے سراسر کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی  
 پائی جاتی۔

یہ لوگ جہاں کوئی طینان بخش یا غوث اکابر نہیں پاتے ہیں اُسے لے کر بھلا دیتے ہیں حالانکہ  
 اگر یہ اُسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دارا مصائب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجاتے جو

الْحَقُّ أَنَّا رَأَيْنَاهُ أَهْلًا بِالنُّجُومِ ﴿٥٢﴾ اے لوگو! اگر تم نے ان کی باتوں کی تردید نہیں کی تھی تو اس کی روشنی اور اس کی حقا کہ  
 ہمیں قرآن کے منہاں اخذ ہونے میں شک تھا۔ انہیں یہی داتا تھا کہ رسول پر واقعی وحی آتی ہے اور یہ جو کہ ہدایت آتی  
 ہیں، بادست خدایہ کے پاس سے آتی ہیں۔ اسی لیے ان کی یہ عقائد روشن ہوتے کہ ان کے بعد اب فرما رہا ہے کہ لوگ  
 قرآن پر غور نہیں کرتے کہ یہ کلام تو خود شہادت سے ملتا ہے کہ یہ خدا کے سراسر کسی دوسرے کلام پر نہیں سکتا، کوئی انہیں  
 اس بات پر تاد نہیں ہے کہ اس سالانہ کتبہ مختلف حالات میں مختلف مواقع پر مختلف مقامات پر پڑھیں، یہ کتاب انہیں  
 سے اکثر تک اس کی مادی تقریریں یا اس امر ایک رنگ و متناسب ہر وہن جائیں جس کا کوئی جز دوسرے جز سے متصل

يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ  
الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾ فَقَائِلٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تَكْلَفُ إِلَّا  
نَفْسَكَ وَحَرِيضَ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِكَ بَأْسَ  
الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنَكُّلًا ﴿٨٤﴾  
مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا

ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے بھی نتیجہ اخذ کر سکیں۔ تم لوگوں پر  
اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ جیتی تو تمہاری کمزوریاں ایسی تھیں کہ بعد دو سے چند کے سوا تم سب  
شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔

پس اے نبی! تم اللہ کی راہ میں لڑو، تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے لیے ذمہ داری نہیں سنبھالو  
اپلی ایمان کو لڑنے کے لیے لگائی بغیر دشمن کہ اللہ کافروں کا نور توڑے، اللہ کا نور سب کے زیادہ  
زبردست اور اس کی منزلت زیادہ سخت ہے جو بھلائی کی سفارش کرے گا اس میں سے حق پرانے کا  
نہ ہو جس میں تبدیلی رائے کا پس نشان تک ہے جس میں حکم کے حق کی مختلف کیفیت ہے غلبہ رنگ نہ دکائی، اللہ  
کبھی نظر ثانی تک کی ضرورت نہ پیش آئے۔

۱۱۲ وہ جو نہ بگڑے گا نہ متاثر تھا اس لیے ہر طرف اللہ ہی تھے، کبھی غلطی کی سبب زیادہ اللہ ہی تھے  
اتنی امداد سے کیا ایک مدینہ اور اس کے اطراف میں پریشانی پھیل جاتی کبھی کوئی ہلاک دشمن کسی ماضی خطرے کو چھانے  
کے لیے ایمان بخش نہیں بھیج دیتا اور لوگ دشمنوں میں کشتی میں مبتلا ہو جاتے، ان افواج میں وہ لوگ نہیں رہی جتنے  
تھے جو جس بگڑے ہوئے تھے، جن کے لیے اسلام اور جاہلیت کا یہ مرکز کوئی بیحد معاملہ نہ تھا، جیسے کچھ خبر دیتی کہ اس قسم کی  
خبر ضرور ادا فرمائی جیلائے کے نتائج کس قدر دور رس ہوتے ہیں۔ ان کے کان میں جہاں کوئی ہلک ٹپ جاتی ہے بلکہ  
بلکہ جگہ جگہ پھرتے تھے۔ انہی لوگوں کو اس آیت میں سرزنش کی گئی ہے اور انہیں سختی کے ساتھ متنبہ فرمایا گیا ہے کہ  
افواج میں جیلائے سے باہر میں اور ہر جگہ ان کو پہنچے اسے دھماکہ لوگوں تک پہنچا کر غامض ہو جائیں۔



وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا ۝ وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۚ

النساء = ۴

اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا، اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔ اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح، اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہ تم سب کو اس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ کی بات سے جڑھ کہ سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے؟

اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی اپنی پہلا دھاپا اپنا پیانیچہ کہ کوئی خدا کی راہ میں کوشش کرنے اور حق کو سر بلند کرنے کے لیے لڑے اجماع سے اور اس کا اجر پائے، اور کوئی خدا کے بندوں کو غلامیوں میں ڈالنے اور ان کی زمینیں پست کرنے اور انہیں اعلیٰ سے نکلنے کی سعی و جد سے باز رکھنے میں اپنی قوت عورت کرے اور اس کی سزا کا مستحق بنے۔

اللہ اس وقت مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو رہے تھے، اور یہ کہ تعلقات کی کیا گئی میں بڑا کرتا ہے، اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان دوسرے لوگوں کے ساتھ کی محقق سے نہ پیش آئے گی۔ اس لیے انہیں ہدایت کی گئی کہ جو تمہارے ساتھ احترام کا برتاؤ کرے اس کے ساتھ تم بھی ویسے ہی ملکہ اس سے سفارہ احترام سے پیش آؤ۔ شائستگی کا جواب شائستگی ہی ہے بلکہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ دوسروں سے چڑھ کر شائستہ بنو۔ ایک دوسری بات یہ کہ یہ جو دنیا کو راہ راست پر لانے اور لوگوں کو حق کی طرف دعوت دینے کے لیے اٹھاؤ، درشت مزاجی، ترش روئی اور تلخ کلامی مناسب نہیں اس سے نفس کی تسکین تو ہر جاتی ہے مگر اس مقصد کو اُن نقصان پہنچتا ہے جس کے لیے وہ اٹھا ہے

اللہ عَزَّوَجَلَّ کاغزو اور شرک اللہ عزوجل ہر شے کو کچھ کر رہے ہیں اس سے خدا کی کافر نہیں بگڑتا۔ اس کا خدائے واحد اور خداوند مطلق جو نہایت ایک ہی حقیقت ہے جو کسی کے بدلے بدل نہیں سکتی۔ پھر ایک دن وہ سب ان فوں کو جمع کرے کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا اجر دکھا دے گا۔ اس کی قدرت کے معاملے سے بچ کر کوئی عداوت بھی نہیں کرے۔ لہذا خدا ہر اس بات کا جائزہ

## فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَدْكُسُهُمْ بِمَا كَسَبُوا

پھر تمہیں کیا ہرجیا ہے کہ منافقین کے بارے میں تمہارے درمیان دو رائیں پائی جاتی ہیں مالا کہ جو برائیاں انہوں نے کئی ہیں ان کی بدولت اللہ انہیں الٹ پھیر چکا ہے۔

میں ہے کہ اس کی طرف سے کوئی اس کے ہاتھوں پر بے دل کا بخار نکال پھرے اور کج خلقی و فحش کلامی کا زہم دل کا سر پہاڑ یہ تمام آیت کا تعلق ایہی کی آیت سے ہے لیکن یہی آیت اس پر ہے مسئلہ کلام کا خاتمہ بھی ہے جو پچھلے دو تین رکحوں سے چلا آ رہا ہے۔ اس حیثیت سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں جو شخص اپنے لیے جسے ملامت کر رہا تھا اور جس ملامت میں باپنی کشتی اور جہتیں صرف کرنا چاہتا ہے کیے جائے آخر کار وہ کو ایک دن اس خدا کے سامنے حاضر ہوگا جس کے سر کوئی خدا نہیں ہے، پھر ہر ایک اپنی جگہ کے نتائج دیکھ لے گا۔

اللہ یہاں ان منافق مسلمانوں کے مسئلے سے بحث کی گئی ہے جو کہیں اور عرصے کے دوسرے حصوں میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ مگر ہجرت کر کے دارالاسلام کی طرف منتقل ہونے کے پہلے بدعتوں پرانی کافر قوم کی کے ساتھ رہتے رہتے تھے اور کم دیش ان تمام کالعدم ایموں میں ملنا حدیث تھے جو ان کی قوم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرتی تھی مسلمانوں کے لیے پشیمان و مستحق عیب و خوار کر ان کے ساتھ آؤ کیا معاہدہ کیا جائے۔ بینہ رنگ کہتے تھے کہ کچھ بھی ہو، آخر یہ ہیں تو مسلمان ہی۔ مگر چونکہ وہ ہیں، مخالف اور کرتے ہیں، دھڑے دھڑکتے ہیں، قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ کفار کا معاہدہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مدکر میں مای اختلاص کا فیصلہ فرمایا ہے۔

اس موقع پر ایک بات کو واضح طور پر سمجھنا ضروری ہے، اللہ عز و جل یہ ہے کہ معرفت اس مقام کو پہنچ کر قرآن مجید کے تمام مقامات کو سمجھنے میں آدمی غور کر کے گاموں ہجرت کرنے کے تمام مسلمانوں کو منافقین میں شمار کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور ایک قوم اسامہ خضر عرب کی سر زمین میں ایسا بھرتی کیا جہاں ایک حصوں کے لیے اپنے دین و ایمان کے تقاضوں کو برقرار کرنا ممکن تھا قرآن عام حکم دے دیا گیا کہ جہاں جہاں جس جگہ ملائے اور جہاں قبیلے میں اہل ایمان کفار سے دہے ہوئے ہیں اور اسلامی زندگی بسر کرنے کی آزادی نہیں رکھتے، وہاں سے وہ ہجرت کر کے دارالمدینہ کے دارالاسلام میں جائیں۔ اس وقت جو لوگ ہجرت کی تعلیم رکھتے تھے اور پھر صرف اس لیے آئے کہ ان کے کاتبوں کو اپنے گھر یا اعراد و اقارب اور اپنے خاندان اسلام کی نسبت عزیز تر تھے وہ سب منافق قرار دیے گئے اور جو لوگ بتقدیر میں باطل مجبور تھے، ان کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا، یہاں آگے آگے صریح فرمایا ہے۔

اب یہ ظاہر ہے کہ وہ لوگ کفر کے رہنے والے کسی مسلمان کو صرف ہجرت نہ کرنے پر منافق صرف اس صورت میں کہا جاسکتا ہے جبکہ وہ دارالاسلام کی طرف سے ایسے تمام مسلمانوں کو باوجود دعوت مامور یا حکم انکم اس نے ان کے لیے اپنے دھڑے کے لیے دیکھیں، اس صورت میں ہر شخص وہ مسلمان منافق قرار نہیں گئے جو دارالکفر کو دارالاسلام بنانے کی کوئی بھی سعی نہ کرے۔

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ  
فَلَنْ يَجْعَلَ لَهُ سَبِيلًا ۝ وَذُوقُوا كُفْرُكُمْ كَمَا كُفَرْتُمْ وَأَفْتَكُونُونَ  
سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعِندَ اللَّهِ وَهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ  
وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ

کیا تم چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے ہدایت نہیں بخشی اُسے تم ہدایت بخش دو، حالانکہ جس کو اللہ نے  
راستہ سے ہٹا دیا اُس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پاسکتے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود  
کافر ہیں اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔ لہذا ان میں سے کسی کو اپنا دوست  
نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ جائیں، اور اگر وہ ہجرت سے باز رہیں تو جہاں پاؤ انہیں  
او قتل کرو اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔ البتہ منافق اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم

میں اور مسلمانوں کے باوجود ہجرت بھی نہ کریں۔ لیکن اگر دارالاسلام کی طرف سے نہ تو دعوت ہی ہو اور نہ اس نے اپنے مدعا کو  
ہی مابین کے لیے کھلے رکھے ہیں، تو اس صورت میں صرف ہجرت نہ کرنا کسی شخص کو منافق نہ بنائے گا بلکہ وہ منافق صرف  
اس وقت کہلے گا جب کہ فی الواقع کوئی منافقانہ کام کرے۔

۱۱۷۱ میں جس دورنگی اور مصلحت پرستی اور ترجیح دینا برائوت کا کتاب انہوں نے کیا ہے اس کی بدولت اللہ نے  
انہیں اسی طرف پھیر دیا ہے جس طرف سے یہ تھے۔ انہوں نے کفر سے عمل کو اسلام کی طرف پیش قدمی کی تو خود بھی اچھے  
اس صرح پر آئے اور انہیں نے اس کے لیے کیوں جو رہنے کی ضرورت تھی، اہل اس مفاد کو قربان کر دینے کی ضرورت تھی جو اسلام  
مابین کے مفاد سے ٹکراتا ہو اور آخرت پر ایسے یقین کی ضرورت تھی جس کی بنا پر آدمی مہینان کے ساتھ اپنی دنیا کو قربان  
کر سکتا ہو۔ یہ ان کو گارانتہ ہوا۔ اس لیے ہر صرح سے کہنے سے اُنے پاؤں اُدھر ہی داپس چلے گئے۔ اب اس کے معاملہ  
میں اختلاف کا کوئی موقع باقی ہے؟

۱۱۷۲ یہ حکم ان منافق مسلمانوں کا ہے جو درجہ جنگ کافر قوم سے قطع رکھتے ہیں اور اسلامی حکومت کے  
خلاف ممانعت کا رویہ انہوں پر ملتا ہے۔

إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ قَبِيلَةٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصَرَتْ صُدُورُهُمْ  
 أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ  
 فَلَقَاتَلُوكُمْ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ  
 السَّلَامَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ سَيُخَذُّونَ أَخْرَجَ  
 يُرِيدُونَ أَنْ يُبَايِعُوا قَوْمَهُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلًّا سَرَدُوا إِلَىٰ الْفِتْنَةِ  
 أُرْكِبُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُوا  
 أَيَدِيَهُمْ خَذُّوهُمْ وَأَقْبِلُوا لَهُمْ حَيْثُ نَفَقْتُمْ لَهُمْ وَأُولَٰئِكَ

جہلیس جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔ اسی طرح وہ منافق بھی بنتی ہیں جو تمہارے پاس آتے ہیں اور لڑائی سے دل برداشتہ ہیں، نہ تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ اپنی قوم سے لڑنا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ بھی تم سے لڑتے۔ لہذا اگر وہ تم سے کٹاؤ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور تمہاری طرف صلح و دوستی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر دست و داری کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔ ایک اور قسم کے منافق تمہیں ایسے ملیں گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی، مگر جب کبھی فتنہ کا موقع پائیں گے اس میں کود پڑیں گے۔ ایسے لوگ اگر تمہارے مقابلہ سے باز نہ رہیں اور صلح و سلامتی تمہارے آگے پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو جہاں وہ ملیں انہیں پکڑو اور مارو، ان پر

۱۹۹۔ استثناء اس حکم سے نہیں ہے کہ انہیں دوست اور مددگار نہ بنایا جائے بلکہ اس حکم سے ہے کہ انہیں پکڑا اور مارا جائے۔ مطلب ہے کہ اگر یہ واجب القتل منافق کسی بھی کافر قوم کے حدود میں جانا، ہیں جس کے ساتھ سلامی سکوت کا معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے علاوہ میں ان کا تعاقب نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ہاتھ بڑھا کر دارالاسلام کا کوئی مسلمان بیخود کرے گا۔ کسی کی واجب القتل منافق کو پائے اور اسے مار ڈالے۔ اقرار حاصل منافق کے خون کا نہیں بلکہ معاہدے کا ہے۔

﴿

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۚ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ  
يَقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَجْرِزُهُ  
رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً ۚ وَدِيَّةٌ مُّسْلَمَةٌ اِلٰى اَهْلِهِ ۚ اِلَّا اَنْ يَصَّدَّقُوْا  
فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُمْ مُّؤْمِنُوْنَ فَتَجْرِزُهُ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً

ہاتھ اٹھانے کے لیے ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے :  
کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے الا یہ کہ اس سے چوک ہو جائے۔  
اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کرے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے  
اور مقتول کے وارثوں کو خوشناس دے، الا یہ کہ وہ خوشناس مانع کر دیں۔ لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی  
ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔

۱۱۲۰ یہاں اُن منافق مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے جن کے قتل کی ادھر اجازت دی گئی ہے، بلکہ اُن مسلمانوں کا ذکر ہے  
جو یا تو دھارم اسلام کے باشندے ہوں، یا اگر دارالحرب یا دارالکفر میں بھی ہوں تو دشمنان اسلام کی کارروائیوں میں ان کی شرکت  
کا کوئی ثبوت نہ ہو۔ اس وقت بکثرت لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی حقیقی پیرویوں کی بنا پر دشمن اسلام  
قبیلوں کے درمیان شیعہ سمجھے جاتے تھے۔ اور اکثر ایسے اتفاقات پیش آجاتے تھے کہ مسلمان کسی دشمن قبیلہ پر حملہ کرتے اور  
وہاں نا فاسق ہیں کوئی مسلمان ان کے ہاتھ سے مارا جاتا تھا۔ اس لیے اشد تنبیہ نے یہاں اس صدمت کا حکم بیان فرمایا  
یہ جو ایک غلطی سے کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے۔

۱۱۲۱ جو کہ مقتول مومن تھا اس لیے اس کے قتل کا کفارہ ایک مومن غلام کی آزادی قرار دیا گیا۔

۱۱۲۲ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہایت ہی مقدور اور دلیر، یا دوسروں کا بھیہد ہزار بکریاں مقرر فرمائی ہیں۔ اگر دھڑکا  
گئی کسی میں کوئی شخص خوشناس دینا چاہے تو اس کی مقدار انہی چیزوں کی یا انہی قیمت کے لحاظ سے کہیں کی جائے گی۔ مثلاً  
نہایت ہی اعلیٰ طریقہ سلم کے زمانہ میں قدر غنہ سادہ سے دانوں کے پے ۸ سو دینار یا ۸ ہزار دھم مقرر تھے جب حضرت عمرؓ کا  
زمانہ آیا تو انہوں نے غنہ یا کہ اونٹوں کی قیمت اب چڑھ گئی ہے، لہذا اب سونے کے ٹکڑوں میں ایک ہزار دینار یا چاندی کے  
ٹکڑوں میں ۱۲ ہزار دھم خوشناس دلایا جائے گا۔ گویا غنہ وہ کہ خوشناس کی یہ مقدار جو مقرر کی گئی ہے قتل ملکی صدمت کے لیے نہیں ہے

وَلَا كَانَ مِنْ قَوْمٍ يَبِينُكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدَايَةً مُسْلَمَةً إِلَى  
أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤَمِّنَةٍ فَسَنَ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ  
مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ احْكِيمًا

اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خوں بہا  
دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ پھر جو غلام نہ پائے وہ پے درپے دو مہینے کے  
روزے رکھے۔ یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ علیم و دانا ہے۔

بکری قتلِ ظالمی صورت کے لیے ہے۔

۱۲۳۔ اس آیت کے احکام کا غلام ہے:

اگر مقتول دارالاسلام کا باشندہ ہو تو اس کے قاتل کو غنہا بھی دینا ہوگا اور خدا سے اپنے تصور کی معافی مانگنے  
کے لیے ایک غلام بھی آزاد کرنا ہوگا۔

اگر وہ دارالغرب کا باشندہ ہو تو قاتل کو صرف غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس کا غنہا بھی نہیں ہے۔

اگر وہ کسی ایسے دارالکفر کا باشندہ ہو جس سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہے تو قاتل کو ایک غلام آزاد کرنا ہوگا  
اور اس کے علاوہ غنہا بھی دینا ہوگا۔ لیکن غنہا کی مقدار دہی ہوگی۔ یعنی اس معاہدہ قوم کے کسی غیر مسلم فرد کو قتل کرنے کی صورت  
میں انہوں نے معاہدہ دی جانی چاہیے۔

۱۲۴۔ یعنی روزے مسلسل رکھے جائیں، بیچ میں نافہ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص حذر شرعی کے بغیر ایک روزہ بھی بیچ

میں چھوڑ دے تو اس پر دو روزوں کا سلسلہ شروع کرنا پڑے گا۔

۱۲۵۔ یعنی نہ جہانہ نہیں بلکہ توبہ اور کفارت ہے۔ جہانہ میں ندامت و شرمساری اور اصلاح نفس کی کوئی

دفعہ نہیں ہوتی بلکہ فرمانہ سخت ناگوار کی کے ساتھ مجبوراً دیا جاسکے اور بیزاری دینی اپنے پیچھے چھوڑ دیا جاسکے۔ جو کس کو  
اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جس بندے سے خطا ہوئی ہے وہ عبادت اور کلمہ اور اسے حقوق کے ذریعہ اس کا شرابی  
دفعہ کرے و محدثہ شرمساری و ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے تاکہ نہ صرف یہ گناہ معاف ہو بلکہ توبہ  
کے لیے اس کا نفس ایسی تعلیم کے ساتھ بھی محفوظ ہے۔ کلمہ کے نفی معنی ہیں چھپانے والی بیزاری کسی کلمہ کو گناہ  
کلمہ اور قرار دینے کا مطلب ہے کہ یہ نفی اس گناہ پر چھا جاتی ہے اور اسے ڈھانک جاتی ہے، جیسے کسی دیوار پر دھار  
لگا لیا ہوا اس پر سفیدی پیر کر دھار کا اثر مٹا دیا جائے۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا  
وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿١٧﴾  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا  
تَقُولُوا إِنَّمَنْ أَلْفَى إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ

راہہ شخص جو کسی مومن کو جان پر حملہ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔  
اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اے ایمان والے! اگر جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے تو دوست دشمن میں تمیز کرو  
اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اُسے فوراً نہ کہہ کہ تو مومن نہیں ہے۔ اگر تم دنیوی فائدہ

۱۲۶ اہل بیتائے اسلام میں السلام علیکم کا لفظ مسلمانوں کے لیے شائع و عام کی حیثیت رکھتا تھا اور ایک سال  
دوسرے مسلمان کو دیکھ کر یہ لفظ اس مضمون میں استعمال کرتا کہ میں تمہارے ہی گروہ کا آدمی ہوں، دوست اور پیروا ہوں، سیر  
پاس تمہارے لیے مسلمان و عافیت کے سراپا کہ میں ہے، اختلاف نہ ہو مجھے دشمنی کو اور نہ میری طرف سے عدالت اور نہ  
ادب و رگوں میں طرح طرح میں ایک لفظ (Password) کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے احادیث کے وقت ایک  
فوج کے آدمی ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس فوج کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ فوج خلافت کے  
آؤں میں سے ہیں، اسی طرح سلام کا لفظ بھی مسلمانوں میں شائع کے طور پر رائج کیا گیا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ اس زمانہ  
میں اس شائع کی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ اس وقت عرب کے نو مسلموں اور کافروں کے درمیان وہ اس زبان اور  
کسی دوسری چیز میں کوئی نمایاں امتیاز نہ تھا جس کی وجہ سے مسلمان سرسری یا ظاہری طور پر دوسرے مسلمان کو پہچان سکتے تھے۔

لیکن ان عہدوں کے موقع پر ایک سرحدی پیش آتی تھی کہ مسلمان جب کسی دشمن گروہ پر حملہ کرتے تھے وہاں کوئی سلام  
اس عہد میں آجاتا تھا، اور مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ وہ بھی ان کا اپنی بھائی بھتیجے اسلام علیکم یا اللہ اعلم  
چہرہ تھا، مگر مسلمانوں کو اس پر یہ شبہ نہ ہوتا تھا کہ کوئی کافر ہے جو جس زبان پرانے کے لیے یہ کہتا ہے کہ اس لیے اللہ  
وہ اسے لے کر بیٹھنے سے تھا اس کی چیزوں قیمت کے لحاظ سے لیتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہر موقع پر نہایت  
محنت کے ساتھ سرزنش فرمائی۔ مگر اس قسم کے واقعات براہ پیش آتے رہے۔ اور کلام اللہ نے اسے قرآن مجید میں اس پہچانی  
مکمل کیا۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے اس کے متعلق تمہیں سرسری طور پر

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ  
فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٧﴾  
لَا يَسْتَوِي الْقُعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ  
اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقُعْدِينَ دَرَجَةً  
وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى

چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت سے اموال غنیمت ہیں۔ آخری حالت میں تم خود  
بھی تو اس سے پہلے مبتلا رہ چکے ہو پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہذا تحقیق سے کام لو جو کچھ تم  
کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو ان کی  
راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں  
کی نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے لیے  
اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ

یہ فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ محض جان بچانے کے لیے جھوٹا دہا ہے۔ جو کہ ہے وہ چاہا اور چھوٹا ہے  
کو جھوٹا اور حقیقت تو تحقیق ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ تحقیق کے بغیر چھوڑ دینے میں اگر امکان ہے کہ ایک کا لڑ جھوٹ بولی کر  
جان بچالے جائے، تو قتل کر دینے میں اس کا امکان بھی ہے کہ ایک مومن بے گناہ تمہارے ہاتھ سے مارا جائے۔ اور یہ حال  
تمہارا ایک کافر کو چھوڑ دینے میں غلطی کرنا اس سے بدتر ہے کہ تم ایک مومن کو قتل کرنے میں غلطی کرو۔

۱۲۷۷ھ میں ایک وقت تم پر بھی ایسا گزر چکا ہے کہ انفرادی طور پر مختلف کافر قبیلوں میں منتشر تھے، اپنے اسلام کو ظلم  
مسم کے خوف سے چھپانے پر مجبور تھے، اور تمہارے پاس ایمان کے ذہانی اقرار کے سوا اپنے ایمان کا کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔



الْقَوْدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً  
وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمًا  
أَنفُسُهُمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ

بیٹھے والوں سے بہت زیادہ ہے، اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی دُوحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان پر چھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔

اب یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تم کو اجتماعی زندگی عطا کی اور تم اس قابل ہوئے کہ کفار کے مقابلہ میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے آئے ہو۔ اس احسان کا یہ کوئی صحیح شکر یہ نہیں ہے کہ جو مسلمان ابھی پہلی حالت میں مبتلا ہیں ان کے ساتھ تم نرمی و رعایت سے کام نہ لو۔

۱۲۸ یہاں اُن بیٹھنے والوں کا ذکر نہیں ہے جن کو جہاد پر جانے کا حکم دیا جائے اور وہ ہمارے کر کے بیٹھ رہیں، یا بغیر عام جہاد اور جہاد فرض میں ہر جائے پر بھی وہ جنگ پر جانے سے ہی چرائیں، بلکہ یہاں ذکر اُن بیٹھنے والوں کا ہے جو جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورت میں میدان جنگ کی طرف جانے کے بجائے دوسرے کاموں میں لگے رہیں۔ پہلی دو صدیوں میں جہاد کے لیے نہ محنت والا صرف منافق ہی ہو سکتا تھا اور اس کے لیے اللہ کی طرف سے کسی بھلائی کا وعدہ نہیں ہوتا یہ کہ وہ کسی حقیقی معذوری کا شکار ہو۔ خلافت اس کے یہ آخری صورت ایسی ہے جس میں اسلامی جماعت کی پوری فوجی قوت مطلوب نہیں ہوتی بلکہ محض اس کا ایک حصہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر امام کی طرف سے پہل کی جائے کہ کون سربراہی جو فلاں ہم کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، تو جو رگ اس دعوت پر لبیک کہنے کے لیے آئے کھڑے ہوں وہ اُن میں بہت اُن کے جو دوسرے کاموں میں لگے رہیں، خواہ وہ دوسرے کام بھی بھلے خود مفید ہی ہوں

۱۲۹ مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ابھی تک بلا کسی مجبوری و معذوری کے اپنی کافر قوم ہی کے درمیان مقیم تھے اور نہ مسلمانانہ کفرانہ زندگی بسر کرنے پر راضی تھے، وہ نہ تھانیک ایک دارالاسلام میں ہر جگہ جاتا جس کی طرف ہجرت کر کے اپنے دین و ماعت کے مطابق پوری اسلامی زندگی بسر کرنا ان کے لیے ممکن ہو گیا تھا۔ یہاں ان کا اپنے نفس پر ظلم تھا کیونکہ ان کو پوری اسلامی زندگی کے مقابلہ میں اس نیم کفر و نیم اسلام جس چیز نے فتنہ و طعن کر رکھا تھا وہ کوئی واقعی مجبوری و حقیقی جگہ محض اپنے نفس کے عیش اور اپنے خاندان، اپنی جائیداد و املاک اور اپنے دینی مفاد کی ہجرت

قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ  
 جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۚ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْ  
 نِسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝  
 فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۝  
 وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَٰغِمًا كَثِيرًا وَسَعَةً  
 وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ  
 الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا  
 جہنم ہے اور وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا  
 کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے، اللہ بڑا معاف کرنے والا  
 اور درگزر فرمانے والا ہے۔ جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے  
 بہت جگہ اور مسراوات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا، اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی  
 طرف ہجرت کے لیے نکلے، پھر راستہ ہی میں اُسے موت آ جائے اس کا اجر اللہ کے فٹے  
 واجب ہو گیا، اللہ بہت بخشش فرمانے والا اور رحیم ہے ۝

قی ہے انہوں نے اپنے دین پر ترجیح دی۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو مائشیہ ۱۱۷)

۱۱۷۔ یعنی جب ایک جگہ خدا کے یا جنوں کا ظہیم تھا اور خدا کے قانون شرعی پر عمل کرنا ممکن نہ تھا تو وہاں ہجرت کرنا  
 ضرور تھا، کیوں نہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسی سرزمین کی طرف منتقل ہو گئے جہاں قانونِ الہی کی پیروی ممکن ہوئی؟

۱۱۸۔ جہاں یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ جو شخص اللہ کے دین پر ایمان لایا جو اس کے لیے نظامِ کفر کے تحت نہ تھی  
 مگر نہ صرف وہی مسرت و قیامت میں ہوا ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اسلام کو اس سرزمین میں غالب کرنے اور ظلم کو کفر کو

وَلَا تُضَارِبْهُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَئِنْ عَلَيْنَا لَمُ جُنَاحٌ أَنْ نَقْصُرَ عَنْهُ مِنَ الْعَذَابِ

اور جب تم لوگ سفر کے لیے غلط تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کر دو (خصوصاً)

نظام اسلام میں تبدیل کرنے کی جدوجہد کرتا رہے جس طرح انبیاء علیہم السلام اعلان کے ابتدائی پیر و کرتے سے ہیں۔ مسکر  
یہ کہ وہ وحییت وہاں سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پاتا، جو اور سخت نفرت و بیزاری کے ساتھ وہاں مجبوراً نیا کام رکھتا جو ان  
دو صدیوں کے سواہر صحت میں دلائل کفر کا تمام ایک شکل سمیت ہے اور اس سمیت کے لیے یہ غدر کوئی بہت بڑی غلطی ہے  
کہ ہم دنیا میں کوئی ایسا دارالاسلام پاتے ہی نہیں ہیں جہاں ہم ہجرت کر کے جا سکیں۔ اگر کوئی دارالاسلام موجود نہیں ہے تو کیا  
خدا کی زمین میں کوئی پہاڑ یا کوئی جنگل بھی ایسا نہیں ہے جہاں آدمی دختروں کے پتے کھا کر اور بکریوں کا دودھ پنی کر گزار سکتا  
ہو اور اس کا کفر کی اطاعت سے بچا رہے؟

معنی لوگوں کو ایک حدیث سے غلط فہمی پونے جس میں ارشاد دیا ہے کہ لا جھو قہ بعد افتساح اینی فہم کر کے  
 اصطلاح بھرت نہیں ہے۔ حالانکہ دراصل یہ حدیث کوئی دوائی حکم نہیں ہے بلکہ صرف اس وقت کے حالات میں اہل عرب کے  
 یہاں فرمایا گیا تھا جب تک عرب کا بیشتر حصہ دارالکفر و دارالحرب تھا اور صرف مدینہ و اطراف مدینہ میں اسلامی احکام جاری  
 تھے وہاں کے مسلمانوں کے لیے تاکیدی حکم تھا کہ ہر طرف سے سختی کے دارالاسلام میں آجائیں۔ جو جب فتح مکہ کے بعد عرب  
 میں کفر کا نعرہ ڈال گیا اور قریب قریب پورا ملک اسلام کے زیرِ نگیں آ گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہجرت کی  
 حاجت باقی نہیں رہی ہے۔ اس سے مراد ہرگز نہ تھی کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے تمام حالات میں قیامت تک  
 کے لیے ہجرت کی فریضت ضرور ہو گئی ہے۔

۱۳۳۰ نانائے کے سفری قعر ہے کہ جن اوقات کی نمازیں چار رکعتیں فرض ہیں ان میں دو رکعتیں پڑھی جائیں۔  
 احوال جنگ میں قعر کے لیے کوئی مدقرر نہیں ہے۔ جنگی حالات جس طرح بھی اجالت دیں نماز پڑھی جائے جماعت کا  
 موقع ہو تو جماعت سے پرہیز و نہ فرما فرما ہی سہی۔ قبلہ نہ ہو کہتے ہو تو ہر دھرم میں رخ ہو۔ ساری پریشانیوں سے اور پلٹے  
 ہونے سے بھی پرہیز نہ کرے۔ لوگوں و جدہ ممکن نہ ہو تو ارشاد ہی سے سہی۔ ضرورت پڑے تو نماز کی حالت میں پہلی سکتے ہو۔  
 کچھ دن کو غزن کا غزا ہو تب بھی اضافہ نہیں۔ ان سب آسانوں کے باوجود اگر کسی اسی خطرہ حالت ہو کہ کسی طرح نماز پڑھی جائے  
 تو ہرگز غور نہ کر کے جائے جیسے جنگ خندق کے موقع پر ہوا۔

ان امور میں اختلاف ہے کہ سفر میں عورت فرض پڑے یا نہیں یا سنتیں بھی۔ بنی اصل اللہ علیہ السلام کے فعل سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ کبھی سفر میں فحری سنتوں اور حاکم کے ذکر کا التزام فرماتے تھے مگر باقی اوقات میں عورت فرض پڑتے تھے، سنتیں پڑھنے کا التزام آپ سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ نقل و ناز میں واجب مراقبہ تھا پڑھ لیا کرتے تھے حتیٰ کہ کراچی پر بھیجے ہوئے بھی پڑھتے رہتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت جبرائیل بن عمر نے لوگوں کو سفر میں فحری کے سوا دوسرے اوقات کی سنتیں

پڑھنے سے منع کیا ہے۔ مگر اگر علم ترک اور فعل و فعل کو جائز قرار دیتے ہیں اور اسے بندے کے اختیار پر چھوڑ دیتے ہیں خلیفہ کا اختیار مذہب یہ ہے کہ سفر واجب راستے کے رکاوٹوں کو مستثنیٰ نہ کر دے اور جب کسی مقام پر منزل کرے اور اطمینان مال نہ ہو تو چھٹا فصل ہے۔

سفر میں تھریکا جاسکتا ہے اس کے لیے بعض ائمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ فی میں اللہ ہونا چاہیے جیسے جواد باقر، عمرو، طلب علم و غیرہ۔ ابن عمر، ابن مسعود اور عطاء کا یہی فتوہ ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کہتے ہیں کہ سفر کسی ایسے مقصد کے لیے ہونا چاہیے جو شرعاً جائز ہو، حرام و ناجائز اعراف کے لیے جو سفر کیا جائے اس میں تھریکا اجازت سے فائدہ اٹھانے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ خلیفہ کہتے ہیں کہ تھریکا سفر میں کیا جاسکتا ہے۔ یہی سفر کی زحمت تو وہ بھائے خود ثواب یا ثواب کی حق ہو سکتی ہے مگر تھریکا اجازت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

بعض ائمہ نے "منا تھریکا" (منا تھریکا) کا مفہوم یہ بھائے کہ سفر میں تھریکا ضروری نہیں ہے بلکہ صحت اس کی اجازت ہے۔ آدمی چاہے تو اس سے فائدہ اٹھائے ورنہ پوری غنا پڑے۔ یہی رائے امام شافعی نے اختیار کی ہے، اگرچہ وہ تھریکا کرنے کو افضل اور ترک تھریکا کو ترک الٹی قرار دیتے ہیں۔ امام احمد کے نزدیک تھریکا واجب تو نہیں ہے مگر نہ کرنا مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تھریکا واجب ہے اور یہی رائے ایک روایت میں امام مالک سے بھی منقول ہے۔ روایت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سفر میں تھریکا کیا ہے اور کسی سہرہ رایت میں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے کبھی سفر میں ہار گئیں پڑی ہوں۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر میں رہا ہوں اور کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے تھریکا کیا ہو۔ اسی کی تائید میں ابن عباس اور دوسرے متعدد صحابہ سے بھی مستند روایات منقول ہیں۔ حضرت عثمان نے جب حج کے موقع پر پڑی میں چار گھنٹیں پڑھائیں تو صحابہ نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت عثمان نے یہ جواب دے کر لوگوں کو مطمئن کیا کہ میں نے کبھی شادی کی ہے اور چھ گھنٹہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے منہ ہے کہ بعض کسی شہر میں قابل بخواہ ہو وہ گویا اس شہر کا باشندہ ہے اس لیے میں نے یہاں تھریکا کیا۔ ان کثیر روایات کے ظہور و روایتیں حضرت عائشہ سے مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تھریکا اور اتمام دونوں درست ہیں لیکن یہ روایتیں اس کے اعتبار سے ضعیف جملے کے علاوہ خود حضرت عائشہ ہی کے ثابت شدہ مسلک کے خلاف ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ایک حالت میں اس سفر و اس سفر میں بھتی ہے جس میں ایک ہی عارضی خود گاہ پر حسب موقع کسی تھریکا اور کبھی اتمام دونوں کیے جاسکتے ہیں، اور غالباً تھریکا عائشہ نے اسی حالت کے متعلق فرمایا ہو گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں تھریکا کیا ہے اور اتمام بھی۔ دسہ قرآن سکیر الفاظ کے معنی تھریکا اگر تھریکا کو تو ان کی نظیر سورہ بقرہ رکوع ۱۹ میں لڑ چکی ہے جہاں مفاد اور مردہ کے درمیان سی کے متعلق بھی یہی الفاظ فرمائے گئے ہیں، حالانکہ یہ سی ناسک باغ میں سے ہے اور واجب ہے۔ دو اہل دونوں جگہ یہ کہنے کا مقصد لوگوں کے بس حدیث کو دو کرنا ہے کہ ایسا کرنے سے کہیں کوئی گناہ تو لازم نہیں آئے گا یا ثواب میں کمی تو نہ ہوگی۔

مقدار سفر جس میں تھریکا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ نزدیک ہو کہ نہیں ہے، ہر سفر میں تھریکا جاسکتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ امام مالک کے نزدیک ۴۸ میل یا ایک دن رات سے کم کے سفر میں تھریکا نہیں ہے۔ یہی رائے امام احمد کی ہے۔ ابن عباس کا

إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنَّ الْكَافِرِينَ  
كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴿۵۷﴾ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ

جگہ تھیں اندیشہ ہو کہ کافر تھیں بتائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔

اور اے نبی! جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے

مجہدی مسلک ہے اسلام شافعی سے بھی ایک قتل اس کی تائید میں مروی ہے۔ حضرت اٹھ ۱۵ میل کے سفر میں قمر کرنا نماز سمجھتے ہیں۔ امام اوقالی امام زہری حضرت عمر کی اس رائے کو کہتے ہیں کہ ایک دن کافر قمر کے لیے کافی ہے جس بھری دون امام ابو یوسف و دون سے زیادہ کی مسافت میں قمر جائز سمجھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس سفر میں پیدل یا اونٹ کی ساری سے تین دن صرف بعد ایسی تقریباً ۱۸ فرسنگ یا ۵۵ میل اس میں قمر کیا جاسکتا ہے یہی رائے ابی عمر، ابی سعید و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی ہے۔

اٹھائے سفر میں دوران قیام جس میں قمر کیا جاسکتا ہے غلط رائے کے نزدیک مختلف ہے۔ امام احمد کے نزدیک جہاں آوی نے چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرنا جو جہاں پوری نماز پڑھنی ہوگی امام مالک امام شافعی کے نزدیک جہاں چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ جو جہاں قمر جائز نہیں۔ امام اوقالی ۱۳ دن اور امام ابو حنیفہ ۱۵ دن یا اس سے زیادہ کی نسبت قیام پر پوری نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی صریح حکم مروی نہیں ہے۔ اور اگر کسی جگہ آوی جہزہ لڑکا ہوا اہل وقت یہ خیال ہو کہ مجہدی و وہم ہوتے ہی وطن واپس چھو جائے گا تو قیام طار کا اتفاق ہے کہ ایسی جگہ یا تین دن قمر کیا جاتا رہے گا۔ مگر اگر کام سے بکثرت مثالیں ایسی سنیں ہیں کہ انہوں نے ایسے حالات میں دو دو سال مسلسل قمر کیا ہے امام احمد ابن حنبل اسی پر قیاس کر کے قیدی کو بھی اس کے پورے نماز قیدی میں قمر کی اجازت دیتے ہیں۔

۳۳۱۱۱۱ کاہرہ میں اور فارامیوں نے اس فقرے کو بطلب لیا ہے کہ قمر صرف حالت جنگ کے لیے جلد و حالت اس کے سفر میں قمر کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ لیکن حدیث میں مستند روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عمر نے جب بھی شبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو حضور نے فرمایا صدقۃ تصدقۃ اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقۃ یہ قمر کی اجازت ایک انعام ہے جو اللہ نے تمہیں بخشا ہے، انساناں کے انعام کو قبول کرو۔ یہ بات قریب قریب اترے سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اذخعت دونوں حالتوں کے سفر میں قمر فرمایا ہے۔ ابی جاس قمر صحیح کرتے ہیں کہ ان ابی صلی اللہ علیہ وسلم خروج من المدینۃ ائی حکمت کا لفظ اسباب الضلعین فصلی ما کتھن فی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ورنہ سے کہ قرآن میں لے گئے اور اس وقت رب العالمین کے سوا کسی کا خوف نہ تھا مگر آپ نے وہی دیکھ کر فرمایا: اے نبی! میں نے یہی فرمایا کہ اللہ تو میں میں نہ تھا مگر آپ نے۔

الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَافِيَةً مِّنْهُم مَّعَكَ وَلِيَأْخُذُوا بِأَسْلِحَتِهِمْ  
فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ قَدْرِكُمْ وَلِتَأْتِ طَافِيَةً أُخْرَى  
لَمُؤَصِّلًا فَلْيَصَلُّوا مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا بِأَسْلِحَتِهِمْ

وَأَمَّا  
فَإِذَا  
سَجَدُوا  
فَلْيَكُونُوا  
مِنْ قَدْرِكُمْ

کھڑے ہو تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور اسلحہ لیے رہے پھر جب سجدہ کر لے تو  
پچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے اگر تمہارے ساتھ پڑھے اور وہ بھی چوکتا رہے

۱۳۴۲ امام ابوہریرہ اور حسن بن زیاد نے ان الفاظ سے یہ گمان کیا ہے کہ سلاۃ خوف صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ  
کے لیے مخصوص تھی لیکن قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب کر کے ایک حکم دیا گیا سنا اور وہی حکم  
آپ کے بعد آپ کے ہاشم بن علی کے لیے بھی ہے۔ اس لیے سلاۃ خوف کی محض صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ  
نہیں۔ پھر بکثرت میں اقدار صحابہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے حضور کے بعد بھی سلاۃ خوف پڑھی ہے اور اس باب میں کسی صحابی  
کا اختلاف مروی نہیں ہے۔

۱۳۴۵ سلاۃ خوف کا یہ حکم اس صورت کے لیے ہے جب کہ دشمن کے حمل کا خطرہ ہو مگر حملہ مرکز کمال گرم نہ ہو۔ رہی:  
صورت کہ حملہ جنگ ہو رہی ہو تو اس صورت میں خفیہ کے نزدیک نماز توڑ کر دی جائے گی۔ امام مالک اور امام ثوری کے نزدیک  
اگر کوئی وجہ ممکن نہ ہو تو اشداد سے پڑھ لی جائے۔ امام شافعی کے نزدیک نماز ہی کی حالت میں جو بھی سی زد ہو وہ بھی کی جائے  
ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نے غزوہ خندق کے موقع پر چاند نیلی نہیں پڑھیں اور پھر موقع پاکر علی المرتضیٰ  
انہیں ادا کیا۔ حالانکہ غزوہ خندق سے پہلے سلاۃ خوف کا حکم آچکا تھا۔

۱۳۴۶ سلاۃ خوف کی ترکیب کا اختصار بڑی حد تک جنگی حالات پر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات میں مختلف  
طریقوں سے نماز پڑھائی ہے اور امام وقت ہمارے کہ ان طریقوں میں سے جس طریقہ کی اجازت جنگی صورت حال طے ہے کہ اختیار کرے  
ایک طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسرا حصہ دشمن کے مقابلہ پر رہے۔ پھر جب ایک  
رکت پوری ہو جائے تو پہلا حصہ سلام پھیر کر چلا جائے اور دوسرا حصہ اگر دوسری رکت امام کے ساتھ پوری کرے۔ اس طرح  
کی دو رکتیں ہوں گی اور فوج کی ایک ایک رکت۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکت پڑھ کر چلا جائے، پھر دوسرا حصہ اگر ایک رکت امام کے پیچھے  
پڑھے، پھر دونوں حصے باہر سے آکر اپنی چوٹی پھٹی ایک ایک رکت پھیر دیا جائے۔ اس طرح دونوں حصوں کی  
ایک رکت امام کے پیچھے ادا ہوگی، اور ایک رکت انفرادی طور پر۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَيُغْفَرُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأُمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝۱۰ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا

مجھے نہ کہنا اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکساںگی ٹوٹ پڑیں۔ البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں مضائقہ نہیں، مگر پھر بھی چوکے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کے لیے رُسوا کن عذاب مینا کر رکھا ہے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام کے پیچے فوج کا ایک حصہ دو رکعتیں ادا کرے اور تشدد کے بعد سلام پھیر کر جلا جائے۔ پھر دوسرا حصہ تیسری رکعت میں اگر شریک جمہور امام کے ساتھ سلام پھیرے۔ اس طرح امام کی چار اور فوج کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور جب امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو مقتدی بطور خود ایک رکعت مع تشدد پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ پھر دوسرا حصہ اگر اس حال میں امام کے پیچے کھڑا ہو کہ ابھی امام دوسری رکعت میں ہو اور یہ دگ قبضہ نماز امام کے ساتھ ادا کرنے کے بعد ایک رکعت خود اٹھ کر پڑھ میں۔ اس صورت میں امام کو دوسری رکعت میں طویل قیام کرنا ہو گا۔

پہلی صورت کو ابن عباس، امام ابن عبد اللہ اور امام ہار نے روایت کیا ہے۔ دوسرے طریقہ کو محمد بن اشعث بن مسعود نے روایت کیا ہے، اور طریقہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تیسرے طریقہ کو حسن بصری، خثعمی، ابو بکرہ سے روایت کیا ہے۔ اور چوتھے طریقہ کو امام شافعی اور مالک نے خود روئے اختلاف کے ساتھ ترجیح دی ہے اور اس کا ماخذ تسلسل میں ابی حنیمہ کی روایت ہے۔  
ان کے علاوہ صلوٰۃ خوف کے اور بھی طریقے ہیں جن کی تفصیل بہر طاعت میں مل سکتی ہے۔

۱۳۶ھ یعنی یہ اعتقاد جن کا حکم تیس دیا جا رہا ہے، محض دنیوی تمایز کے لحاظ سے ہے، ورنہ دلائل فتح و شکست کا موازنہ تمایز تمایز پر نہیں بلکہ اللہ کے فیصلہ پر ہے۔ اس لیے ابن حنیف علی تدبیروں پر عمل کرتے ہوئے تیس میں اس امر کا یقین

وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۚ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمَانِ تَكُونُوا تَالِمُونَ فَإِنَّهُمْ يَالْمُونَ كَمَا تَالِمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ اِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

۱۵  
ع

مادر بیٹے اور لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی و تقی کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔ اس گروہ کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ اور تم اللہ سے اُس چیز کے اُمیدوار ہو جس کے وہ اُمیدوار نہیں ہیں۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ حکیم و دانہ ہے۔ اے نبی! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جواز راست اللہ

دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ اللہ کے نور کو اپنی پیمائشوں سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، اللہ انہیں رُسوا کرے گا۔  
۳۸ یعنی گروہ کفار جو اُس وقت اسلام کی دعوت اور نظام اسلامی کے قیام کی راہ میں مانع و مزاحم بن کر کھڑا ہوا تھا۔  
۳۹ یعنی تعجب کا مقام ہے اگر اہل ایمان حق کی خاطر اپنی تکلیفیں بھی برداشت نہ کریں مگر کفار باطل کی خاطر برداشت کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے سامنے صرف دنیا اور اس کے ناپائیدار فائدے ہیں اور اس کے برعکس اہل ایمان ربِّ مَنوات والا دُرس کی خوشنودی و تقرب اور اس کے ابدی انعامات کے اُمیدوار ہیں۔

۴۰ اس رکوع اور اس کے بعد والے رکوع میں ایک اہم معاملہ بحث کی گئی ہے جو اسی زمانہ میں پیش آیا تھا۔  
تفسیر یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی نضیر میں ایک شخص غطف یا بشیر بن اُمیر ق تھا۔ اس نے ایک انصاری کی زورہ چرائی اور جب اُس کا خمس شریع ہوا تو مال مسروقہ ایک بیوی کے ہاں رکھ دیا۔ زورہ کے مالک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا اور طعنہ ماریا شاہ ظاہر کیا۔ مگر طعنہ اور اس کے بھائی بندوں اور بنی غطف کے بہت لوگوں نے آپس میں اتفاق کر کے اس بیوی پر الزام قحط دیا۔ بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے اپنی برات ظاہر کی لیکن یہ لوگ طعنہ کی حمایت میں زورہ دے دیا۔ کچھ بے



بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا ۝۱۰۰ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ  
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۰۱ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلُونَ  
 أَنْفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝۱۰۲ يَسْتَغْفِرُونَ

تسبیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تم ہدایات لوگوں کی طرف سے  
 جھگڑنے والے نہ بنو، اور اللہ سے درگزر کی درخواست کرو، وہ بڑا درگزر فرمانے والا اور رحیم ہے  
 جو لوگ اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں تم ان کی حمایت نہ کرو۔ اللہ کو ایسا شخص پسند  
 نہیں ہے جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو۔ یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات

تعدیک کہ یہ یہودی نبیؑ جو حق کا انکار اور اللہ کے رسولؐ سے کفر کرنے والا ہے اس کی بات کا کیا اعتبار بات یہودی تسلیم کی جاتی ہے  
 کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ تو یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدمہ کی ظاہری رد واداسے متاثر ہو کر اس یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرمادے  
 اور مستیث کر بھی جی نہیں پڑا وہ حاکم کرنے پر تیار نہ فرماتے۔ اتنے میں وہی آئی اور معاملہ کی ساری حقیقت کھول دی گئی۔

اگر ہم ایک خاص کی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رد واداسے کے مطابق فیصلہ کر دینا چاہتے خود آپ کے لیے کوئی گناہ  
 نہ ہوتا، اور ایسی صورت میں تا میزوں کو نہیں آتی ہی ہیں کہ ان کے سامنے غلط رواد پیش کر کے حقیقت کے خلاف فیصلہ صادر کر دیتے ہوتے  
 ہیں۔ لیکن اس وقت جبکہ سلام اور کفر کے درمیان ایک نہایت کشمکش برپا تھی اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم رواد مقدمہ کے مطابق  
 یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرماتے تو اسلام کے مخالفوں کو آپ کے خلاف اور فوری اسلامی جماعت اور خود و عورت اسلامی  
 کے خلاف ایک نہایت اظہارِ عمل مل جاتا۔ وہ یہ کہتے پھرتے کہ اچھی بات حق و انصاف کا کیا سوال ہے، یہاں تو یہی جھوٹا  
 اور مصیبت کام کر رہی ہے جس کے خلاف تبلیغ کی جاتی ہے۔ اسی خطرے سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور  
 اس مقدمہ میں مداخلت فرمائی۔

ان کو کہوں ہیں ایک طرف ان مسلمانوں کو سختی کے ساتھ حمایت کی گئی ہے جنہوں نے صفحہ خاندان اور قبیلہ کی مصیبت  
 میں مجرموں کی حمایت کی تھی۔ دوسری طرف تمام مسلمانوں کو یہ بت دیا گیا ہے کہ انصاف کے معاملہ میں کسی تعصب کا دخل نہ ہونا چاہیے  
 یہ ہرگز دیانت نہیں ہے کہ اپنے گروہ کا آدمی اگر دراصل بچہ تو اس کی ہے یا حمایت کی جائے اور دوسرے گروہ کا آدمی اگر  
 برعکس ہو تو اس کے ساتھ بے انصافی کی جائے۔

۱۰۱۔ جو شخص دوسرے کے ساتھ خیانت کرتا ہے وہ دراصل بچہ خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔  
 کیونکہ دل اور باغ کی جو قس اس کے پاس انجمن و امانت میں ہیں ان پر بے باق صرف کر کے وہ انہیں بھوکتا ہے کہ خیانت میں اس کا

مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُمْ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُونَ  
 مَا لَا يَرْضَوْنَ مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝  
 هَآئِنْتُمْ هَآؤُلَآءِ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ  
 اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ  
 سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝  
 وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُ عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا  
 حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ

چھپا سکتے ہیں مگر خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے  
 جب یہ باتوں کو چھپ کر اس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ ان کے سارے  
 اعمال پر اللہ محیط ہے۔ ہاں! تم لوگوں نے ان گھروں کی طرف سے دنیا کی زندگی میں تو جھگڑا  
 کر لیا مگر قیامت کے روز ان کی طرف سے کون جھگڑا کرے گا؟ آخر وہاں کون ان کا وکیل  
 ہوگا؟ اگر کوئی شخص برافض کر گزرتے یا اپنے نفس پر ظلم کر جائے اور اس کے بعد اللہ سے  
 درگزر کی درخواست کرے تو اللہ کو درگزر کرنے والا اور رحیم پائے گا۔ مگر جو برائی کمالے تو  
 اس کی یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی۔ اللہ کو سب باتوں کی خبر ہے اور وہ حکیم و دانہ ہے۔  
 پھر جس نے کوئی خطا یا گناہ کر کے اس کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپ دیا اس نے تو

ساتھ ہیں۔ اللہ اپنے منیر کہے اللہ نے اس کے اطلاق کا مانتا پایا تھا، اور نیک و ہدایت ہے کہ وہ اس خیانت کا دعویٰ  
 موقوفہ چنے کے قابل نہیں رہتا۔ جب انسان اپنے خدا اس ظالمانہ دوسرے کو پایہ تکین تک پہنچاتا ہے تب کہیں اس پر  
 اس سے خیانت و سمیت کے افعال مامور ہوتے ہیں۔

۱۰۰

احْتَمَلْ بُهْتَانَنَا وَإِنَّمَا مِثْنًا ۝۱۳۰ وَلَا فَضْلَ اللَّهِ عَلَيْكَ وَحِشْتٌ  
لَهُمْ تَطْلِيفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضْلُوكَ وَمَا يُضْلُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ  
وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَانْزِلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۖ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝۱۳۱  
لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ  
أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ  
اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۱۳۲ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ

الثالث

بے بہتان اور مززع گناہ کا بار میث لیا

اسے نبی! اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو ان میں  
ایک گروہ نے تو تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا، حالانکہ درحقیقت وہ خود اپنے سوا  
کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر رہے تھے اور تمہارا کوئی نقصان نہ کر سکتے تھے۔ اللہ نے تم پر کتاب اور  
حکمت نازل کی ہے اور تم کو وہ کچھ بتایا ہے جو تمہیں معلوم نہ تھا اور اس کا فضل تم پر بہت ہے۔

لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی پر شہیدہ  
طور پر مدد و نصیحت کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح  
کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے  
ایسا کرے گا اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔ مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور

۱۳۲ یعنی اگر وہ غلط و نادار میں کر کے تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتے اور اپنے حق میں انصاف کے  
بغیر فیصلہ حاصل کر لیتے تو نقصان انہی کا تھا۔ تمہارا کچھ بھی دہراؤ نہ کیا کہ خدا کے نزدیک مجرم وہ ہوتے ذکر تم جو شخص ماکم کو

مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ  
تُؤَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝۱۱۱ اِنَّ اللّٰهَ لَا  
يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ  
يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝۱۱۲ اِنَّ يَدْعُوْنَ مِنْ  
دُوْنِهِ اِلَّا اِنْثَاءً ۚ وَاِنْ يَدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝۱۱۳

اہل ایمان کی روش کے سرا کسی اور روش پر چلے، ورنہ اس کا ایک اس پر راہ راست مانع ہو چکی ہو  
تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جہر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین  
جائے قرار ہے ۲

اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے، اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے  
جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جن نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور  
بھٹل گیا۔ وہ اللہ کو جھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں، بعدہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں  
دھوکا دے کر اپنے حق میں غلط فیصلہ حاصل کرتا ہے وہ پہلے خود اپنے آپ کو غلط فہمی میں مبتلا کرتا ہے کہ ان تدبیروں نے  
حق کے ساتھ ہد کیا، مالاکثر فی الواقع اللہ کے نزدیک حق میں کسے ہی کا رہتا ہے اور قریب خوردہ حاکم کے فیصلہ سے  
حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ حاشیہ ۱۷۱)

۱۱۱ جب مذکورہ بالا قدر میں وحی، نبی کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غافل مسلمان کے خلاف اور اس کو گنا  
یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا تو اس منافی پر ہایت کا اس قدر سخت دفعہ ڈاک وہ دینے سے پہلے کہ اسلام دینی صلی اللہ  
علیہ وسلم کے دشمنوں کے پاس کر سکا گیا اور کلمہ کفر کا سخت پرانا دور چر گیا۔ اس آیت میں اس کی اسی حرکت کی طرف اشارہ ہے۔

۱۱۲ اس کو ان میں اس کے مسئلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ یہی ہایت کی طرف اشارہ ہے۔  
جس ذی کی طرف گیا ہے وہ کیونکہ ہے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد سے جگہ ہو کر جن لوگوں کا ساتھ اس نے اختیار کیا ہے وہ کیسے ہو سکتا ہے۔

۱۱۳ شیطان کو اس حق میں کوئی بھی سبب نہیں ہوتا کہ اس کے آگے وہ ہم پرستش اور کتا ہو اور اس کو اہمیت کا  
دور دیتا ہو۔ اس سے معبود بنانے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کی مانگیں شیطان کے کلام میں دے دیتا ہے اور جہر

لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَا يُخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا  
وَلَا ضَلَمَ لَهُمْ وَلَا مِثْلَهُمْ وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَبْتَئِكُنْ أَذَانَ الْأَعْمَى  
وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَغْتَبِرْ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ  
وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ۝ يَعْلَمُ

جس کا اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے۔ (وہ اس شیطان کی اطاعت کر رہے ہیں) جس نے اللہ سے کما تھا کہ  
میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا میں انہیں بہکاؤں گا، میں انہیں آرزوؤں میں بھگاؤں گا  
میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان بھاریں گے اور میں انہیں حکم دوں گا  
اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں رد و بدل کریں گے۔ اس شیطان کو جس نے اللہ کے بدلے  
اپنا ولی و سرپرست بنالیا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ وہ ان لوگوں سے وعدے کرتا ہے

بہرہ و جلا ہے اور چلتا ہے۔ گویا کہ میں اس کا بندہ ہے اور وہ اس کا خدا۔ اس سے صلہ بھڑک کر کسی کے احکام کی بے حیا و جلا  
اور اللہ کی عیب دہی کرنے کا نام بھی عبادت ہے اور جو شخص اس طرح کسی کی اطاعت کرتا ہے وہ دراصل اس کی عبادت بھاتا ہے۔

۱۴۸۔ یعنی ان کے اوقات میں، ان کی محنتوں اور کوششوں میں ان کی قوتوں اور طاقتوں میں ان کے مال و دولتوں میں  
میں اپنا حصہ لگاؤں گا اور ان کو غریب سے کر دیا پھاؤں گا کہ وہ ان ساری چیزوں کا ایک مستند بہ حصہ میری راہ میں صرف کر سگے۔  
۱۴۹۔ اہل عرب کے توہمات میں سے ایک کی طوطا اشارہ ہے۔ ان کے ان قاعدہ تھا کہ جب انہی کا کسی باتوں  
بچے جن یعنی ان کے کان بھاریں گے اور اس کے نام پر چھوڑ دیتے اور اس سے کام لیا تو عام سمجھتے تھے۔ اسی طرح جس  
لوٹ کے غلط سے دس بچے ہر جگہ تھے بھی دیر تا کے نام پر چھوڑ کر دیا جاتا تھا اور کان بھاریں گے اس بات کی طاعت تھا کہ وہ  
چن کر یا بھرا جا رہا ہے۔

۱۵۰۔ خدائی ساخت میں رد و بدل کرنے کا مطلب اشارہ کی پیدائشی بناوٹ میں رد و بدل کرنا نہیں ہے۔ اگر اس کا  
یہ سبب لیا جائے تب تو پوری انسانی تہذیب ہی شیطان کے اٹھا کا شہ قرار پائے گی۔ اس لیے کہ تہذیب تو نام ہی ان تھوڑے  
کا ہے جو انسان خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں کرتا ہے۔ دراصل اس جگہ جس کو شیطان نے فعل قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ  
خدا ان کی چیز سے وہ کام لے جس کے لیے خدا نے اسے پیدا نہیں کیا ہے اور کسی چیز سے وہ کام لے جس کے لیے خدا نے  
پیدا کیا ہے۔ ساقی و غیرہ تمام افعال جو انسان اپنی اور اشیاء کی خلقت کے خلاف کرتا ہے، اور وہ تمام صورتیں جو خدا نے منع

وَيَمْنَعْنَاهُمْ وَمَا يُغْنِي عَنْهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُرُوقًا ۚ أُولَٰئِكَ  
 مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۚ  
 لَيْسَ بِأَمَانِيَّتِكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا

اور انہیں امیدیں دلاتا ہے، مگر شیطان کے سائے وعدے سے بجز فریجے اور کچھ نہیں ہیں۔ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جس سے خلاصی کی کوئی صورت یہ نہ پائیں گے۔ رہے وہ لوگ جو ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں، تو انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہو گا۔  
 اسجام کا نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو بھی برائی کریں گا

سے گریز کے لیے اختیار کرتا ہے، اس بات کی وعدے شیطان کی گواہ کن تحریکات کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً عمل قوم لوط، ضبط وادب، رہبانیت، برہمچریا، مردوں اور عورتوں کو یا بچہ پانا، مردوں کو خواہر سراپانا، عورتوں کو ان خدشات سے محفوظ کرنا جو حضرت نے ان کے سپرد کی ہیں، اور انہیں تمدن کے اُن شعبوں میں گھسیٹ لانا جن کے لیے مرد پیدا کیا گیا ہے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے بے شمار افعال جو شیطان کے شاگرد بنائیں کر رہے ہیں۔ وہ اصل یہ سنی رکھتے ہیں کہ یہ لوگ خالق کائنات کے ٹھکانے ہونے کا قیام کو غلط سمجھتے ہیں لہذا ان میں اصلاح فرمانا چاہتے ہیں۔

۴۹۹ شیطان کا سارا کام دہائی دھندوں اور امیدوں کے بل پر مبنی ہے۔ وہ انسان کو انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر جب کسی غلط فہمی کی طرف لے جاتا چاہتا ہے تو اس کے اگے ایک سبز باغ پیش کر دیتا ہے۔ کسی کو انفرادی اطمینان و لذت اور کامیابیوں کی آہی ہو کسی کو قومی سر بلندیوں کی توقع، کسی کو فوج انسانی کی خارج و سب و کامیابی، کسی کو صلاحیت تک پہنچ جانے کا اطمینان، کسی کو یہ تصور کہ نہ خدا ہے نہ آخرت، بس ہر کشتی ہو جاتا ہے، کسی کو یہ قیاسی کہ آخرت ہے بھی تو وہاں کی گرفت سے خاص کے فیض و مددگار کے مدد سے جس کی غلط فہمی غرض جو جس وعدے اور جس توقع سے فریب کھا سکتا ہے اس کے سامنے وہی پیش کرتا ہے اور پھانس لیتا ہے۔

يُجْزِيهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ وَمَنْ  
يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَكُ  
يَذْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا  
مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ  
حَنِيفًا ۖ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي  
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ  
مُّخِيطًا ۝ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ

ۛ

اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پائے گا۔ اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مؤمن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔ اُس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی بروکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنا مذہب نیک دکھا اور کیونکر ابراہیم کے طریقے کی پیروی کی اس ابراہیم کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنالیا تھا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔

اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے ۛ

لوگ تم سے عورتوں کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ تمہیں ان کے معاملہ میں فتویٰ دیتا ہے

۱۵۰ میں اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دینا اللہ دوسری و خود فتویٰ سے باز آجائے اس سے بہتر من طریقہ ہے کہ حقیقت کے عین مطابق ہے۔ جب اللہ زمین و آسمان کا اور ان مادی چیزوں کا مالک ہے جہنم و آسمان میں ہیں تو انسان کے لیے صحیح فہم یہ ہے کہ اس کی زندگی و معاملات پر مطلق ہوجائے اور سرکشی چھوڑ دے۔

۱۵۱ میں اگر انسان اللہ کے آگے سر تسلیم خم نہ کرے اور سرکشی سے باز نہ آئے تو اللہ کی گرفت سے نکل کر ہیں ہمارے نہیں ممکن اللہ کی قدرت اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

وَمَا يَمْتَلِي عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي نَيْحِ النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُؤْتُونَ مِنْ  
مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ  
الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَمْتِ بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ

اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا چکے ہیں یعنی وہ احکام جو  
اُن یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو یا بالیج  
کی بنا پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو، اور وہ احکام جو ان بچوں کے متعلق ہیں جو بیچائے کوئی  
نور نہیں رکھتے۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف بر قائم رہو، اور جو بھلائی تم کرو گے

۱۵۲ اس کی تفسیر نہیں فرمائی گئی کہ عورتوں کے معاملہ میں لوگ کیا پرچھتے تھے۔ مگر گمراہی کہ عورتوں کی جائداد  
سوا کی زوجیت خود خارج ہو جاتی ہے۔

۱۵۳ یہ اصل مستحق اکا جواب نہیں ہے بلکہ لوگوں کے سوال کی طرف توجہ فرمانے سے پہلے آخر ثانی خاتون احکام  
کی پابندی پر ہر ایک مرتبہ زور دیا ہے جو اسی سورتہ کے آغاز میں یتیم لڑکیوں کے متعلق بالخصوص اللہ یتیم بچوں کے متعلق بالعموم  
اور شاہ فرمانے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی عباد میں یتیموں کے حقوق کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ ابتدائی دور کو جس میں  
ان کے حقوق کے تحفظ کی تاکید بڑی شدت کے ساتھ کی جا چکی تھی۔ مگر اس پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ اب جو معاشرتی مسائل کی کشمکش  
چھڑی تو قبل اس کے کہ لوگوں کے پیش کردہ سوال کا جواب دیا جائے، یتیموں کے مفاد کا ذکر بطور خود پرچھڑا گیا۔

۱۵۴ اشارہ ہے اُس آیت کی طرف جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے  
تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں.....؟ (سورہ نساء، مکرع ۱)

۱۵۵ تَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو، اور  
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتے؟ حضرت عائشہ اس کی تفسیر میں فرماتی ہیں کہ جن لوگوں کی سرپرستی  
وہ یتیم لڑکیاں کرتی تھیں جن کے پاس والدین کی جھوٹی بیوی کچھ دولت ہوتی تھی وہ ان لڑکیوں کے ساتھ مختلف طریقوں سے  
ظلم کرتے تھے۔ اگر ان کی والدہ بزرگوار کے ساتھ خوبصورت بھی ہوتی تو یہ لوگ چاہتے تھے کہ وہ اس سے نکاح کر لیں اور مرد  
فقہ انا کے غیر اس کے مال اور بخل و دغل سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اگر وہ بدصورت ہوتی تو یہ لوگ ان سے خود نکاح کرتے  
تھے اور نہ کسی دوسرے سے اس کا نکاح ہونے دیتے تھے تاکہ اس کا کوئی ایسا مرد چھوڑا پیدا نہ ہو جائے جو کل اس کے حق کا  
معاذہ کرنے والا ہو۔



فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۶۷﴾ وَإِنْ أَفْرَأَهُ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا  
 نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا  
 وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا

وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی۔

جب کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رنجی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر  
 میاں اور بیوی کچھ حقوق کی کمی بیشی پر آپس میں صلح کر لیں۔ صلح بہر حال بہتر ہے نفس تنگ دلی  
 کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں، لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خلا ترسی سے کام لو تو

۱۵۹ اشارہ ہے کہ احکام کی طرف جیسا کہ پہلے اور بعد سے دیکھیں تیئیں کے حقوق کے متعلق ارشاد ہوئے ہیں۔

۱۵۷ بیان سے اہل استقامت کا جواب شروع ہوتا ہے۔ اس جواب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سوال کر بھی  
 طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص غیر محدود تعداد تک بیویاں کرنے کے لیے آزاد مسلمانوں کی کثیر تعداد  
 بیویوں کے لیے کچھ بھی حقوق مقرر نہ تھے۔ سورہ نساء کی ابتدائی آیات جب نازل ہوئیں تو اس کا فائدہ ہی بدقسم کی پابندیاں مائد  
 ہو گئیں۔ ایک یہ کہ بیویوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ چنانک محدود کر دی گئی۔ دوسرے یہ کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے  
 کے لیے بدل (یعنی مادی یا مثلاً) کو شرط قرار دیا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی یا بیویاں زیادہ ہوں تو اس کے لیے  
 یا فقیرانہ دشمن کے قابل نہیں رہی ہے اور شوہر دوسری بیوی یا زیادہ لاتا ہے تو کیا وہ مجبور ہے کہ دونوں کے ساتھ یکساں رحمت  
 رکھے؟ یکساں محبت رکھے؟ جسمانی تعلق میں بھی یکساں رہے؟ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو کیا بدل کی شرط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ  
 دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی کو چھوڑ دے؟ نیز یہ کہ اگر پہلی بیوی خود چاہے تو کیا نہ دین میں اس قسم کا  
 معاملہ ہو سکتا ہے کہ وہ بیوی غیر ضرورت ہو چکی ہے وہ اپنے معنی حقوق سے خود دست بردار ہو کر شوہر کو طلاق سے باز نہ رہے  
 پیدا معنی کرے، کیا ایسا کرنا بدل کی شرط کے خلاف تو نہ ہوگا؟ یہ سوالات ہیں جن کا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔

۱۵۸ معنی طلاق دہانی سے بہتر ہے کہ اس طرح اہم مساعمت کے ایک حکمت اسی شوہر کے ساتھ رہے جس کے  
 ساتھ وہ طلاق کا ایک حد تک راز رکھتا ہے۔

۱۵۹ عورت کی طرف سے تنگ دلی یہ ہے کہ وہ اپنے اندر شوہر کے لیے بے لوثی کے اسباب کو خود محسوس  
 کرتی ہو اور پھر بھی وہ سلوک چاہے جو ایک سرخوب بیوی کے ساتھ ہی رہتا تھا سکتا ہے۔ سردی کی طرف سے تنگ دلی یہ ہے کہ  
 جو عورت طلاق سے اتر جائے وہ بھی اس کے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہو اس کو وہ حد سے زیادہ دہانے کی کوشش کرے اور

فَلَنْ يَكُونَ اللَّهُ لَكَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرًا ۖ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ  
تَعْمِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ  
فَتَذَرُوهُنَّ كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَلَنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا ۚ فَلَنْ يَكُونَ اللَّهُ لَكُمْ

یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اس طرز عمل سے بے غیر خیر ہو گا۔ بیویوں کے درمیان پورا پورا میل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ تم چاہو بھی تم اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہذا تم انہیں اپنی منشا پورا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ ہایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھکنا کہ دوسری کو ادھر لٹکا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ اس کے حق نامی بدانت دیکھ گھارنا چاہے۔

نساء میں پھر اشارت ہے کہ نبی کے مذہبی یا فنی سے میل کی ہے جس طرح بالعموم ایسے معاملات میں اس کا انداز ہے۔ اس نے مرد کو تربیب دی ہے کہ وہ بے ریشی کے باوجود اس صورت کے ماحول میں سے پیش آئے ہوئے مرد یا عورت کی ریشی زندگی رہی ہے اور اس سے دل سے ہو گا کسی انسان کی غائبی کے سبب اپنی غیر اقلات اس سے سیر ہو اس کے غیب میں کی کہ نہ پڑا آئے تو پھر اس کا دنیا میں کہیں ٹھکانا نہ رہے۔

۱۶۱۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی تمام حالات میں تمام چیزوں سے دور ناگہیوں کے درمیان مسامحت نہیں رہتا بلکہ ایک خوبصورت ہے اور دوسری بدصورت، ایک جوان ہے اور دوسری سراسیمہ، ایک دائم الخمر ہے اور دوسری عاقل، ایک بد مزاج ہے اور دوسری خوش مزاج، اور اسی طرح کے دوسرے تفاوت بھی ممکن ہیں جن کی وجہ سے ایک بیوی کی طرف جھٹا آدمی کی رحمت کہ اور دوسری کی طرف زیادہ ہرکتی ہے۔ ایسی حالتوں میں قانون یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ رحمت و رحمت اور جماعتی تقاضوں میں خود ہی دونوں کے درمیان مسامحت رکھی جائے بلکہ صرف یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جب تم بے ریشی کے باوجود ایک عورت کو ملایا نہیں دیتے اس کو اپنی خواہش یا خود اس کی خواہش کی بنا پر بیوی بننے کے لئے ہرگز اس سے کم از کم اس حد تک تعلق ضرور رکھو کہ وہ غلط نہ ہو کہ نہ چلتے۔ ایسے حالات میں ایک بیوی کی رحمت اور دوسری کی طرف میلان زیادہ ہو نا تو طبی امر ہے لیکن یہ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ دوسریوں میں تعلق ہو جائے اگر اس کا کوئی شہر نہیں ہے۔

اس بات سے صحت لگوں۔ نئے یہ تہرہ نکلا ہے کہ قرآن ایک طرف عدل کی شرط کے ساتھ خود رائے اختلاف کی اجازت دیتا اور دوسری طرف عدل کو مانگا۔ ہر آدمی کو اس عبادت کو عیناً خیر کر دیتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ اس تہمید کرنے کے لیے اس آیت میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ مگر صرف اتنا ہی کہنے پر لکھا گیا تھا کہ تم دونوں کے درمیان عدل نہیں رکھو گے

غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۲۹﴾ وَلَنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَلَنْ نُّكْفِرُ مَا قَدْ لَبَّيْهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۱۳۲﴾ إِنَّ يَشَآئِدُ هٰبِكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَ يَأْتِ بِآخِرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذٰلِكِ قَدِيرًا ﴿۱۳۳﴾ مَن

چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ لیکن اگر زمین ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم سے پہلے جن کو ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب تم کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔ لیکن اگر تم نہیں مانتے تو نہ مافو آسمان وزمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے اور وہ بے نیاز ہے، ہر تعریف کا مستحق۔ ہاں اللہ ہی مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور کار سازی کے لیے بس وہی کافی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو مٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ جو شخص

یہ خبر نہ لے گا کہ اس کے بعد ہی جو یہ فرمایا گیا کہ اللہ ایک بڑی کی طرف مائل نہ ہوگا، اس فقرے نے کافی موقع اس مطلب کے لیے باقی نہیں چھوڑا جسکی راہ پر کی تاکید کرنے والے حضرات اس سے محال ہاتھ ہیں۔

۱۶۲ مئی اگرچہ لا مکان تمہارا ظہر نہ کر دے انصاف ہی سے کام لینے کی کوشش کرتے رہو تو پوری جہود پسلی کی بنا پر جو ضروری بہت کرتا یہاں تم سے انصاف کے معاملہ میں صاف ہوں گی انہیں اللہ صاف فرما دے گا۔

كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٢٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا  
قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شَهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوَالِدِينَ

محض ثواب دنیا کا طالب ہوا اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے پاس ثواب دنیا بھی ہے اور ثواب  
آخرت بھی، اور اللہ سمیع و بصیر ہے۔

اسے ایمان لانے والا انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بزرگرم تھا اسے  
انصاف اور تمہاری گواہی کی زحمت و تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر

۲۸۔ اہل علم کا فرائض احکام بیان کرنے کے بعد اور انصاف کے علمبرداران و حاکمین کے ہونے کی اصطلاح پر روش  
دینے کے بعد جن میں انسان اکثر ظلم کا ارتکاب کرتا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس قسم کے چند پڑھائوں میں ایک مختصر خط ضرور  
فرمایا کرتا ہے اور اس سے متفقہ رویہ ہوتا ہے کہ نفوس کو ان احکام کی پابندی پر آمادہ کیا جائے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ اللہ تعالیٰ ہمہ گیر  
ساتھ انصاف اور حین سرک کی ہدایت کی گئی ہے لہذا اس کے بعد ضروری سمجھا گیا کہ چند باتیں اہل ایمان کے ذہن میں رکھی جائیں۔  
ایک یہ کہ تم کبھی اس مسئلے میں ذہن نہ کر کسی کی قیمت کا بنانا اور بگاڑنا تمہارے ہاتھ میں ہے، اگر تم اس سے انکلیج  
لو گے تو اس کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔ نہیں، لہذا وہی اور اس کی سب کی قسموں کا ایک اللہ ہے اور اللہ کے پاس اپنے کسی بندے  
پابندی کی مدد کا ایک تمہاری داد نہیں دے گا۔ اس مالک زمین و آسمان کے خدا تعالیٰ سے جدا وسیع ہیں اور وہ اپنے فضل سے  
کام لینے کی حکمت بھی رکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ تمہیں اور تمہاری طرح پہلے تمام انبیاء کی امتوں کو ہمیشہ یہی ہدایت کی جاتی رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے  
ساتھ کام کرو۔ اس ہدایت کی پیروی میں تمہاری اپنی فلاح ہے، خدا کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تم اس کی غفلت و غور نہ کرو گے تو  
پچھلے امتوں نے انفراتیاں کر کے خدا کا کیا بگاڑ لیا ہے جو تم کا زکوہ ہے۔ اس فرمان و اس کے کلمات کو نہ پہلے کسی کی پر امنی نہ اب  
تمہاری پہچان ہے۔ اس کے امر سے انحراف کرو گے تو وہ تم کا شکار کسی دوسری قوم کو سر بلند کر دے گا اور تمہارے ہتھ جانے  
سے اس کی سلطنت کی دولت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

تیسرے یہ کہ خدا کے پاس دنیا کے فائدے بھی ہیں اور آخرت کے فائدے بھی، عارضی اور وقتی فائدے بھی ہیں پس دنیا  
اور دائمی فائدے بھی۔ اب یہ تمہارے اپنے ظرف اور محصلہ اور ہمت کی بات ہے کہ تم اس سے کس قسم کے فائدے چاہتے ہو۔  
اگر تم محض دنیا کے چند روزانہ فائدوں پر رہ جیتے ہو اور ان کی خاطر اپنی زندگی کے فائدوں کو قربان کر دینے کے لیے تیار نہ ہو

وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أُولَىٰ بِهِمَا مِمَّا  
فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْبُدُوا فَلَنْ تَكُونَ أَوْعِيضُهُمْ فَلِإِنَّ  
اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٥٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ

ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریقِ معاملہ خواہ اللہ اور یا غریب، بہر حال اللہ دونوں سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ تم اس کا لحاظ کرو۔ لہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بدل سے ہانڈ نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگ بھگ بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

اے ایمان والے! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل

خدا ہی کچھ تم کو نہیں اور ایسی حد ہے کہ جو غیر آئوت کے لہی ناموں میں تمہارا کوئی حصہ نہ رہے گا۔ دیا تو تمہاری کمیٹی کو اور تک سیراب کرنے کے لیے تیار ہے مگر یہ تمہارے اپنے غفلت کی نگی اور وصل کی ہستی ہے کہ صوف ایک فعل کی یہ لانی کو لہی شکست کی کیفیت پر غور کرتے ہو۔ کچھ غفلت میں دست برد قاطع و بندگی کا وہ راستہ اختیار کرو جس سے دنیا اور آخرت دونوں کے فائدے تمہارے حصہ میں آئیں۔

آؤ میں فرمایا اللہ سبح و بصر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ خدا خدا ہے اور نہیں ہے کہ کسی شاہ ہے جو ہر کی طرح انصاف کا کام کرے اور اپنی عطا و بخشش میں بخلے اور بے کے درمیان کوئی تفریق نہ کرے۔ وہ پوری یا خبری کے ساتھ اپنی اس کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے۔ ہر ایک کے ظرف اور وصلے پر اس کی نگاہ ہے۔ ہر ایک کے اوصاف کو وہ جانتا ہے۔ اُسے خوب معلوم کہ تم میں سے کون کس راہ میں اپنی محنتیں اور کوششیں صرف کر رہا ہے۔ تم اس کی نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے ان بخششوں کی امید نہیں کر سکتے جو اس نے صرف فرماں برداروں ہی کے لیے مخصوص کی ہیں۔

۱۶۴ھ فرماتے پراگشائیں کیا کہ انصاف کی روش پر چلو۔ بلکہ یہ فرمایا کہ انصاف کے طبع وار نہ تمہارا کام صوف انصاف کو نہ ہی نہیں ہے بلکہ انصاف کا جھنڈا لے کر اٹھنا ہے۔ تم میں اس بات پر کہ رستہ ہو نا چاہیے کہ ظلم سے بھاگنا اور اس کی جگہ بدل دینی قائم ہو۔ دل کو اپنے قیام کے لیے جس مسئلے کی مزدورت ہے، مومن ہونے کی حیثیت سے تمہارا مقام یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ ۱۶۵ھ میں تمہاری گواہی صحت خدا کے لیے ہوئی چاہیے، کسی کی اور حالت اس میں نہ ہو کوئی ذاتی مفاد یا خدا کے سوا

کسی کی خوشنودی تمہارے مد نظر نہ ہو۔

وَالْكِتَابَ الَّذِي آتَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ  
وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا  
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ  
آمَنُوا وَلَمْ يَكُنْ لِّلّٰهِ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

کی ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روزِ آخرت سے کفر کیا تو وہ گمراہی میں مبتلا کر بہت دور بھٹک گیا۔ رہے وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلتے گئے، تو اللہ ہر گز ان کو معاف نہ کرے گا اور نہ کبھی ان کو راہِ راست

۱۶۶ ایمان لانے والوں سے کہنا کہ ایمان لاؤ پھر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں اللہ ایمان دینا ایک منزلت استعمال فرماتا ہے۔ ایمان لانے کا ایک مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ کے پہلے ان کو اپنی راہ اختیار کرے، نہ ماننے والوں سے الگ ہو کر ماننے والوں میں شامل ہو جائے۔ اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس چیز کو مانے اس سے پہلے مانے۔ پوری چیز کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ماننے۔ اپنی فکر کو اپنے خالق کو اپنی پسند کو، اپنے رویے اور چلن کو، اپنی دوستی اور دشمنی کو اپنی سنی و بدعتی معنوں کو بالکل اس عقیدے کے مطابق بنانے میں پورہ ایمان لایا ہے۔ آیت میں خطاب ان تمام مسلمانوں سے ہے جو پہلے سنی کے گمان سے ماننے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ دوسرے سنی کے گمان سے بچے ورنہ نہیں۔

۱۶۷ کفر کرنے کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی صحتِ عافیت اٹھ کر کہے۔ دوسرے یہ کہ زبان سے قولیے مگر دل سے مانے، یا اپنے دینے سے ثابت کر دے کہ وہ جس چیز کو ماننے کا دعویٰ کر رہا ہے فی الواقع اسے نہیں مانتا۔ یہاں کفر سے یہ دونوں معنی مراد ہیں اور آیت کا مقصد دونوں کا اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اسلام کے ان اساسی عقیدوں کے ساتھ کفر نہ کرے۔ ان دونوں اقسام میں سے جس قسم کو آدمی بخود بخود یا کسی اور کا حقوق سے دوری اٹھا کر یا کسی اور کی سرکشی و نامرادی کے سوا کہ نہ ہوگا۔

۱۶۸ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لیے وہ بعض ایک یا چند تفریح ہے۔ ایک گھوڑا ہے جس سے وہ اپنے قیامات یا اپنی خواہشات کے مطابق کھیتے رہتے ہیں۔ جب فضا سے دفاعی میں ایک امر لڑائی مسلمان ہو گئے تو وہ یہ دوسری امر لڑائی کا فوجی گئے یا جب فائدہ مسلمان بن جانے میں نظر کیا، مسلمان بن گئے تو وہ یہ دوسری طرف سے دوسری طرف سے

سَبِيلًا ۱۶۷ بَشِّرَ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ الَّذِينَ  
يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَبِيتُوا  
عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ  
عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَأَلْتُمْ آيَةَ اللَّهِ يَكْفُرْ بِهَا وَ  
يُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَتَّعِدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ  
غَيْرِهِ ۝ إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ

دکھائے گا۔ اور جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مزدہ سنا دو کہ  
ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ  
عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔ اللہ اس کتاب میں ہم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ  
جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے ان بیٹھو جب کہ  
لوگ کسی دوسری بات میں شگ ہو جائیں۔ اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہمو یقین جانو کہ اللہ منافقوں

دکھایا تو اس کی پرہیزگاری کے لیے ہے کلفت اسی طرف چلے گئے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے پاس نہ مغفرت ہے نہ ہدایت۔ اور  
یہ جو فرمایا کہ پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص محض کافروں جاتے ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے بعد  
دوسرے لوگوں کو بھی اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرے اسلام کے خلاف خبیث سازشیں اور علانیہ و نہری طریقے کرے اور اپنی قوت  
اور سبب میں صرف کرنے لگے کہ کفر کا رول بالا ہو اور اس کے مقابلہ میں اللہ کے دین کا جھنڈا سرنگوں ہو جائے۔ یہ کفریہ سہارا  
اور ایک جرم پر ہے درجے جرم کا اضافہ ہے جس کا وبال بھی بڑا ہو کر سے لازماً زیادہ ہو جانا چاہیے۔

۱۶۹ مَحْذُورٌ مِمَّنْ عَرَّبِيٌّ زَبَانٍ يَرُدُّوهُ كَقَبِيتٍ زِيَادَةً مِمَّنْ هُوَ۔ اور میں عزت محض احترام اور عدد و نثر  
کے معنی میں آتا ہے۔ عربی میں عزت کا مفہوم ہے کہ کسی شخص کو ایسی شان و شوکت و حیثیت حاصل ہو جائے کہ کوئی اس کا ہجہ نہ  
جسڑ سکے۔ دوسرے الفاظ میں خدا عزت و تاقابل ہنگ عزت کا نام معنی ہے۔

۱۷۰ مِمَّنْ زَبَانٍ يَرُدُّوهُ كَقَبِيتٍ زِيَادَةً مِمَّنْ هُوَ۔ اور جو کافروں کی ان محفلوں میں شریک ہوتا ہے جہاں آیاتِ الہی

وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝۱۳۰ الَّذِينَ يَكْرِضُونَ بِكُمْ  
فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْرٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ وَلَئِنْ كَانَ  
لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَعِذْ عَلَيْكُمْ وَنَنْصَعُكُمْ  
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَاَللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَكِنْ يَجْعَلُ  
اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝۱۳۱ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ  
يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ  
قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا

۲۰  
۱۴

اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے۔ یہ منافق تمہارے معاملہ میں منتظر کر رہے ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اگر فتح تمہاری جوتی تو اگر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اگر کافروں کا پلہ بھاری رہا تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے اور پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچایا، بس اللہ ہی تمہارے اور ان کے معاملہ کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا اور اس فیصلہ میں اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔

یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکہ دیا ڈال رکھا ہے جب نماز کے لیے اُٹھتے ہیں تو کسم پوتے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اُٹھتے ہیں اور خدا کو کھری کے خلاف کفر کا ہاتھ مار دیتے دل سے ان لوگوں کو خدا اور رسول کا مذاق اڑاتے ہوئے سنتا ہے تو اس میں اور ان کافروں میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ (جس کم کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ سورتہ انعام رکوع ۸ میں بیان ہوا ہے)

۱۳۱ ہر نماز کے منافقین کی یہ حریت ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو منافقے مال کے پاس جاسکتے ہیں ان کے اپنے نہایتی اقرار اور دائرہ اسلام میں رہنے نام ثنویت کے ذریعے حاصل کرتے ہیں اور جو منافقے کافروں کی حیثیت سے



قَلِيلًا ۞ مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا  
إِلَى هَؤُلَاءِ ۖ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝

یاد کرتے ہیں۔ کفر و ایمان کے درمیان ڈاؤنڈول ہیں۔ نہ پورے اس طرف ہیں نہ پورے اس طرف۔  
جسے اللہ نے بھٹکا دیا جو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

ماصل ہونے ممکن ہیں ان کی خاطر یہ کہہ سکتے ہیں اور ہر طریقہ سے ان کو یقین دہاتے ہیں کہ ہم کوئی مستحب مسلمان  
نہیں ہیں، نام کا قائل مسلمانوں سے ضرور ہے مگر ہماری دلچسپیاں اور دوافع واریاں تمہارے ساتھ ہیں، فکر و تہذیب اور مذاق  
کے لحاظ سے ہر طرح کی مراقت تمہارے ساتھ ہے اور کفر و اسلام کی کشمکش میں ہمارا وزن جب بڑے کا تھا ہے ہی بڑے میں  
پڑے گا۔

۱۶۲ھ بمطابق ۱۷۸۷ء کے زمانے میں کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت میں شامی نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ وہ نماز  
پابند ہو، ہر طرح تمام دنیوی جماعتیں اپنے اجتماعات میں کسی ممبر کے بلا غرض و ترک نہ ہونے کو اس کی مدد دیتی ہو  
مقرر کرتی ہیں اور مسلسل چند اجتماعات سے غیر حاضر رہنے پر اسے ممبری سے خارج کر دیتی ہیں اسی طرح اسلامی جماعت کے کسی  
رکن کا نماز یا جماعت سے غیر حاضر رہنا اس زمانہ میں اس بات کی صریح دلیل سمجھا جاتا تھا کہ وہ شخص اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں  
رکھتا، اور اگر وہ مسلسل چند مرتبہ جماعت سے غیر حاضر رہتا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس بنا پر سخت سے سخت منافقوں  
کو بھی اس زمانہ میں پچاسوں وقت مسجد کی ماضی ضروری پڑتی تھی کیونکہ اس کے بغیر وہ مسلمانوں کی جماعت میں شمار کیے ہی نہ جاتے  
تھے۔ اہل بیت ہر مہر زمان کو سچے اہل ایمان سے تیز کرتی تھی وہ یہ تھی کہ سچے مومن دوق و شوق سے آتے تھے، وقت سے پہلے پہنچ  
میں پہنچ جاتے تھے، نماز سے فارغ ہو کر بھی مسجد میں ٹھہرے رہتے تھے، اذان کی ایک ایک حرکت سے ظاہر ہوتا تھا کہ  
نماز سے ان کو حقیقی دلچسپی ہے۔ بخلاف اس کے اذان کی آواز سننے ہی منافق کی جان پر ہن ہاتی تھی، دل پر جبر کر کے اٹھتا تھا،  
اس کے آنے کا انداز مسامت خانہ کی گتا تھا کہ نہیں ہلے، بلکہ اپنے آپ کو کھینچ کر لارہا ہے، جماعت ختم ہوتے ہی اسی طرح ہاتھ  
تھاگو یا کسی لیدی کو روٹی ملی ہے، اور اس کی تمام حرکات و سکنات سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ شخص خدا کے ذکر سے کوئی رغبت  
نہیں رکھتا۔

۱۶۳ھ بمطابق ۱۷۸۸ء کے زمانے میں کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت میں شامی نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ وہ نماز  
پابند ہو، ہر طرح تمام دنیوی جماعتیں اپنے اجتماعات میں کسی ممبر کے بلا غرض و ترک نہ ہونے کو اس کی مدد دیتی ہو  
مقرر کرتی ہیں اور مسلسل چند اجتماعات سے غیر حاضر رہنے پر اسے ممبری سے خارج کر دیتی ہیں اسی طرح اسلامی جماعت کے کسی  
رکن کا نماز یا جماعت سے غیر حاضر رہنا اس زمانہ میں اس بات کی صریح دلیل سمجھا جاتا تھا کہ وہ شخص اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں  
رکھتا، اور اگر وہ مسلسل چند مرتبہ جماعت سے غیر حاضر رہتا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس بنا پر سخت سے سخت منافقوں  
کو بھی اس زمانہ میں پچاسوں وقت مسجد کی ماضی ضروری پڑتی تھی کیونکہ اس کے بغیر وہ مسلمانوں کی جماعت میں شمار کیے ہی نہ جاتے  
تھے۔ اہل بیت ہر مہر زمان کو سچے اہل ایمان سے تیز کرتی تھی وہ یہ تھی کہ سچے مومن دوق و شوق سے آتے تھے، وقت سے پہلے پہنچ  
میں پہنچ جاتے تھے، نماز سے فارغ ہو کر بھی مسجد میں ٹھہرے رہتے تھے، اذان کی ایک ایک حرکت سے ظاہر ہوتا تھا کہ  
نماز سے ان کو حقیقی دلچسپی ہے۔ بخلاف اس کے اذان کی آواز سننے ہی منافق کی جان پر ہن ہاتی تھی، دل پر جبر کر کے اٹھتا تھا،  
اس کے آنے کا انداز مسامت خانہ کی گتا تھا کہ نہیں ہلے، بلکہ اپنے آپ کو کھینچ کر لارہا ہے، جماعت ختم ہوتے ہی اسی طرح ہاتھ  
تھاگو یا کسی لیدی کو روٹی ملی ہے، اور اس کی تمام حرکات و سکنات سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ شخص خدا کے ذکر سے کوئی رغبت  
نہیں رکھتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ  
 الْمُسْلِمِينَ أُرِيدُوا أَنْ يَجْعَلُوا إِلَهَكُمْ سُلْطَانًا  
 مُبِينًا ۖ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ  
 وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

اے ایمان لانے والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو  
 کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو، یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے  
 اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔ البتہ جو ان میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں

اللہ کے بغیر قدرت میں ہیں جس انسان کو جو کچھ بھی دتا ہے اللہ ہی کے ہاں سے دیتا ہے۔ مگر اللہ ہر شخص کو رزق اس واسطے  
 دیتا ہے جس راستے سے وہ خواہتا ہو۔ اگر کوئی شخص اپنا رزق حلال راستے سے طلب کرے اور اسی کے لیے کوشش بھی  
 کرے تو اللہ اس کے لیے حلال راستوں کو کھول دیتا ہے اور جتنی اس کی نیت صادق ہوتی ہے اسی نسبت سے حوام کے لئے  
 اس کے لیے بند کر دیتا ہے۔ بخلاف اس کے جو شخص حرام خوری پر تکا ہوتا ہے اور اسی کے لیے کسی کرتا ہے اس کو خدا کے  
 ہذن سے حوام ہی کی روٹی ملتی ہے اور بھرے کسی کے بس کی بات نہیں کہ اس کے نصیب میں رزق حلال کھو دے۔ بالکل اسی  
 طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ دنیا میں فکر و مل کی تمام راہیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ کوئی شخص کسی راہ پر بھی اللہ کے اذن اور  
 اس کی توفیق کے بغیر نہیں چل سکتا۔ یہی بات کہ کس راہ میں کس راہ پر چلنے کا اذن ملتا ہے اور کس راہ کی رہبری کے سوا  
 اس کے لیے ہمارے کیا جانتے ہیں، تو اس کا انحصار سرمدی کی اپنی طلب اللہ ہی پر ہے۔ اگر وہ خدا سے لگاؤ رکھتا ہے، پہنچتی  
 کا باب ہے اور فاعل نیت سے خدا کے ملنے پر چلنے کی سعی کرتا ہے تو اللہ اسی کا اذن اور اسی کی توفیق اسے عطا فرماتا  
 ہے اور اسی راہ پر چلنے کے اسباب اس کے لیے عطا کر دیتا ہے۔ بخلاف اس کے جو شخص خود گمراہی کو پسند کرتا ہے اور  
 خدا راستی پر چلنے کی سعی کرتا ہے، اللہ کی طرف سے اس کے لیے ہدایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور وہی  
 'چپراس' کے لیے کھول دی جاتی ہیں جن کو اس نے آپ اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ ایسے شخص کو خدا موعظتے مغلطہ کام کرنے  
 اور غلط راہوں میں اپنی توفیق صرف کرنے سے پکارتا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اپنے نصیب کی راہ راست جس نے  
 خود کو وہی راہ جس سے اللہ نے اس کو مردم کر دیا، اس کے لیے یہ کم شدہ محنت کسی کے ذمہ دہ سے نہیں لی جاتی۔

وَاَعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ  
وَسَوْفَ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۳۶ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ  
بِعِزِّكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاَمْنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝۱۳۷

اور اللہ کا دامن تمام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیں، ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے

۱۳۶ اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی دنیا دنیاویاں اللہ کے سوا کسی اور سے وابستہ نہ ہوں، اپنی ساری دلچسپیوں اور محبتوں اور عقیدوں کو وہ اللہ کے آگے نذر کر دے، کسی چیز کے ساتھ بھی دل کا ایسا لگاؤ نہ ہو کہ اللہ کی رضا کے لیے اسے قربان نہ کیا جاسکتا ہو۔  
۱۳۷ شکر کے اصل معنی احسان و نعمت یا احسان مندی کے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے ساتھ احسان فرماؤ تو اللہ تم کو بلا حد و پیمانہ نذر کرے بلکہ بیحد و پاس کے احسان مندی کر رہے ہو تو کوئی حد و پیمانہ خواہ تمہیں سزا دے۔

ایک من کے مقابلہ میں بیچ احسان ملنا نہ دینے ہی ہو سکتا ہے کہ آدمی دلی سے اس کے احسان کا احتراف کرے، زبان سے اس کا اقرار کرے اور قیل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔ انہی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام شکر ہے۔ اور اس شکر کا اعتقاد یہ ہے کہ آقا آدمی کو اسی کی طرف منسوب کرے جس نے وہ اہل احسان کیا ہے، کسی دوسرے کو احسان کے شکر اور نعمت کے احتراف میں اس کا حصہ نہ ملتا ہے۔ تاہنا آدمی کا دل اپنے من کے لیے محبت اور وفا دہی کے جذبہ سے بھر پور اور اس کے مخالفوں سے محبت و اخلاص اور وفا دہی کا ذرہ برابر قتل بھی نہ کرے تاہنا وہ اپنے من کا وسیع و فراخ بنائے جو اور اس کی آدمی ہوئی نعمتوں کو اس کے شکر کے خلاف استعمال نہ کرے۔

۱۳۸ اصل میں لفظ "شاکر" استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ہم نے قدر دان کیا ہے۔ شکر جب اللہ کی طرف سے بندے کی جانب ہو تو اس کے معنی "احترافِ خدمت یا قدر دانی" کے ہوں گے اور جب بندے کی طرف سے اللہ کی جانب ہو تو اس کے معنی "احترافِ نعمت یا احسان مندی" کے معنی میں لیا جائے گا۔ اللہ کی طرف سے بندوں کا شکر ادا کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ قادر شناس نہیں ہے، جتنی اور جتنی خدمات بھی بندے اس کی راہ میں بجا لائیں، اللہ کے ہاں ان کی قدر کی جاتی ہے

(۶) الْجُزْءُ

لَا يَحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالشُّوْرِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ  
وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝۱۳۰ إِن تَبَدُّوا خَيْرًا أَوْ تَخْفَوْا  
تَعَفَّوْا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ۝۱۳۱ إِنَّ الَّذِينَ  
يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ

اشد اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے، الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو اور اس  
سبب کچھ سنے اور جاننے والا ہے۔ (مظلوم ہونے کی صورت میں اگرچہ تم کہ بدگوئی کا حق ہے، لیکن  
تاہم ظاہر و باطن میں بھلائی ہی کیے جاؤ، یا کم از کم بُرائی سے درگزر کرو تو اللہ کی صفت بھی  
یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، حالانکہ سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔  
جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے

کسی کی خدمت ملکہ و انعام سے محروم نہیں رہیں، بلکہ وہ نہایت نیا معنی کے ساتھ ہر شخص کو اس کی خدمت سے زیادہ صلہ دینا  
بندوں کا حال تو یہ ہے کہ جو کچھ آدمی نے کیا اس کی قدر کم کرتے ہیں اور جو کچھ نہ کیا اس پر گرفت کرنے میں بڑی سختی دکھاتے ہیں۔  
لیکن اللہ کا حال یہ ہے کہ جو کچھ آدمی نے نہیں کیا ہے اس پر محاسبہ کر لے گا، بہت نرمی اور رحم پوشی سے کام لیتا ہے اور  
جو کچھ کیا ہے اس کی قدر اس کے مرتبے سے بڑھ کر کرتا ہے۔

۱۳۰ اس آیت میں مسلمانوں کو ایک نہایت بلند درجہ کی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے۔ منافق اور بدوی اور بدعت  
کے سبب بھی وقت ہر مکن طریقہ سے اسلام کی راہ میں مدد سے آگے بڑھنے والوں کی پیروی قبول کرنے والوں کو تسخیر پر مشغول  
کرنے پڑتے ہوئے تھے۔ کوئی بدتر سے بدتر تدبیر ایسی نہ تھی جو وہ اس نئی تحریک کے خلاف استعمال نہ کر سکتے ہوں۔ اس پر  
مسلمانوں کے اندر نفرت اور غم کے جذبات کا پیدا ہونا ایک خطرناک امر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس قسم  
کے جذبات کا طوفان اٹھتے دیکھ کر فرمایا کہ بدگوئی پر زبان کھولو، تمہارے خدا کے نزدیک کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے۔  
اس میں شک نہیں کہ تم مظلوم ہو اور اگر مظلوم ظالم کے خلاف بدگوئی پر زبان کھولے تو اسے حق پہنچتا ہے۔ لیکن پھر بھی  
مفضل ہی ہے کہ خفیہ ہو یا ظاہر، ہر حال میں بھلائی کیے جاؤ اور بُرائیوں سے درگزر کرو، کیونکہ تم کو اپنے انفاق میں خدا کے  
انفاق سے قریب تر پہنچا دیا ہے۔ جس خدا کا قرب تم چاہتے ہو اس کی شان یہ ہے کہ نہایت عظیم اور بڑا ہے، سخت سے

وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفَرُ بِبَعْضٍ وَهُمْ يَئِيدُونَ  
 أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ  
 حَقًّا ۖ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ  
 آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ  
 سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرُهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

درمیان تفریق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے، اور کفر یا ایمان کے  
 بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ سب بے کافریں اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے  
 وہ سزا ہیما کر رکھی ہے جو انہیں ذلیل و خوار کر دینے والی ہوگی۔ بخلاف اس کے جو لوگ اندازہ  
 اس کے تمام رسولوں کو مانیں اور ان کے درمیان تفریق نہ کریں ان کو ہم ضرور ان کے اجر عطا کر دیں گے  
 اور اشدہ جزا درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے ۱۵۷

سنت ہر مومن تک کو رزق دیتا ہے اور بڑے سے بڑے قصوروں پر بھی درگزر کیے چلا جاتا ہے۔ لہذا اس سے قریب نہ  
 ہونے کے لیے تم بھی مالی و صلہ اور وسیع الطوفان ہو۔

۱۵۸ کلمہ یعنی کافر ہونے میں وہ لوگ جو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ اس کے رسولوں کو، اور وہ جو خدا کو مانتے ہیں مگر رسولوں  
 کو نہیں مانتے، اور وہ جو کسی رسول کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے، سب یکساں ہیں۔ ان میں سے کسی کے کافر ہونے پر  
 قدرہ ہر لوگ کی گنجائش نہیں۔

۱۵۹ یعنی جو لوگ خدا کو اپنا خدا سمجھو اور اس کا تسلیم کریں اور اس کے پیچھے ہونے تمام رسولوں کی پیروی قبول  
 کوئی صفت وہی اپنے اعمال پر اجر کے سحر قریب، اور وہ جس درجہ کا عمل صالح کریں گے اسی درجہ کا اجر پائیں گے۔ یعنی وہ لوگ  
 جنہوں نے خدا کی لائش ایک انیت و ربوبیت ہی تسلیم نہ کی، یا جنہوں نے خدا کے نافرمانی میں سے بعض کو قبول اور بعض کو رد کرنے  
 اپنا غلط طریق اختیار کیا، قرآن کے لیے کسی عمل پر کسی اجر کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، کیونکہ ایسے لوگوں کا کوئی عمل  
 خدا کی نگاہ میں نافرمانی عمل نہیں ہے۔

۱۶۰ یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں گے ان کا حساب لینے میں اللہ سخت گیری نہیں کرتے گا

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ  
فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرًا مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرَنَا اللَّهَ جَهَنَّمَ  
فَأَخَذَتْهُمُ الضُّعْفَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ  
مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ وَإِنَّا مُوسَىٰ

یہ اہل کتاب اگر آج تم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ تم آسمان سے کوئی تحریر ان پر نازل کرادو تو اس سے بڑھ کر مجربانہ مطالبہ یہ پہلے موسیٰ سے کر چکے ہیں۔ اس سے قرآن میں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو علاوہ دیکھا دوسرا سی سرکشی کی جہ سے بیکار ان پر پہلی ٹوٹ پڑی تھی پھر انہوں نے پھر شر کے اپنا معبود بنالیا حالانکہ یہی کلمی نشانیاں دیکھ چکے تھے اس پر بھی ہم نے ان سے درگزر کیا ہم نے موسیٰ کو بھلا ان کے ساتھ بہت مہربانی اور درگزر سے کام لے گا۔

۱۸۱ء مدینہ کے یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عیب عیب مطالبے کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم آپ کی رسالت اس وقت تک تسلیم نہ کریں گے جب تک کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک کلمی کھائی کتاب آسمان سے نازل نہ ہو یا ہم میں سے ایک ایک شخص کے نام اوپر سے اس مضمون کی تحریر نہ آجائے کہ یہ محمد ہمارے رسول ہیں، ان پر ایمان لاؤ۔

۱۸۲ء یہاں کسی واقعہ کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہودیوں کے جو ان کی ایک مقررہ فرست پیش کرتے مقصود ہے اس لیے ان کی قومی تاریخ کے چند نمایاں واقعات کی طرف سرسری اشارات کیے گئے ہیں۔ اس آیت میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ سورہ بقرہ رکرن ۶ میں بھی گزر چکا ہے۔ (لاحظہ ہو سورہ بقرہ، حاشیہ ۱۸)

۱۸۳ء کلمی کلمی نشانیاں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رسول مقرر ہونے کے بعد لے کر فرعون کے فرقہ جو نے اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے تک پہ در پہ ان لوگوں کے مشاہدے میں آئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ سلطنت مصر کی عظیم الشان طاقت کے تجویز سے جس نے بنی اسرائیل کو چھڑایا تھا وہ کوئی گائے کا بچہ نہ تھا بلکہ اللہ رب العالمین تھا۔ گویا اس قوم کی باطن پرستی کا کمال تھا کہ خدا کی قدرت اعداس کے فضل کی روشن ترین نشانیاں کا تجربہ اور مشاہدہ کر چکے تھے مگر ابھی جب تک قرآن نے خدا کے آگے نہیں بلکہ ایک پھر سے کی معذرتی مروت ہی کے آگے جھکی۔

سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِبَيْنَاتٍ مِّنْهُمُ قُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ۝ وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ ۝ وَآخِذْنَا مِنْهُم مَّبِثًا نُّكَالًا ۝ فَبِمَا نَقْضُ هِمُ مُبِثًا فَهَمُّ وَكَفَرَهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلُهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۝ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ

مرتب فرما کر ادا کیا اور ان لوگوں پر طور کو اٹھا کر ان سے (اُس فرمان کی اطاعت کا) عہد لیا۔ ہم نے ان کو مکہ دیا کہ درغازہ میں مسجد ریزہ ہوتے ہوئے داخل نہ ہو۔ ہم نے ان سے کہا کہ سبت کا قانون نہ توڑو اور اس پر ان سے پختہ عہد لیا۔ آخر کار ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا اور یہاں تک لگا کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں۔ حالانکہ درحقیقت ان کی باطل پرستی کے سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے اور اسی وجہ سے یہ بہت کم ایمان

۱۸۴ مرتب فرما کر اس سے مولودہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تینوں پر لکھ کر دیے گئے تھے۔ سورت احراف درکوع میں اس کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ اور عہد سے مولودہ یشاق ہے جو کہ طور کے دامن میں بنی اسرائیل کے غائب ہونے سے پہلے لکھا گیا تھا۔ سورت بقرہ درکوع ۸ میں اس کا ذکر آگیا ہے۔ اور احراف درکوع ۲۷ میں ہر اس کی طرف اشارہ آئے گا۔

۱۸۵ بقرہ درکوع ۶۔ وحاشیہ ۵۵

۱۸۶ بقرہ درکوع ۸۔ وحاشیہ ۵۶ و ۵۷

۱۸۷ بقرہ درکوع ۸ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ تمام باطل پرست جہاد کی طرح اس بات پر فخر کرتے تھے کہ جو خیالات اور تصانیف اور رسم و رواج ہم نے اپنے لیے لکھا ہے اسے پاس ہے۔ یہاں پر مولودہ ۱۸۷ کے ساتھ ہے کہ کسی طرح ہم ان سے نہیں ہٹائے جاسکتے۔ جب کہیں خدا کی طرف سے پیغمبروں نے آگیاں کو جھٹلنے کی کوشش کی، انہوں نے ان کو بھی جواب دیا کہ تم خود کوئی دلیل ادا کرنا آیت سے آدھ ہم تمہاری کسی بات کا

الْأَقْلِيَّةَ وَيَكْفُرُهُمْ وَقَوْلُهُمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا

اتے ہیں — پھر اپنے کفر میں اتنے بڑھے کہ مریم پر سخت بہتان لگایا۔

اثر نہ لیں گے، جو پہلے تھوڑے چلے آئے ہیں وہی مانتے رہیں گے اور وہی کیے چلے جائیں گے۔ رطل خطہ ہر سورہ ۵۰  
حاشیہ ۱۸۷

۱۸۸ یہ جملہ معترضہ ہے۔

۱۸۹ یہ قرعہ اہل سلسلہ تقریر سے تعلق رکھتا ہے۔

۱۹۰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا سال یودی قوم میں فی الارواح ذرہ برابر بھی مشتبہ نہ تھا بلکہ جس روز پیدا ہوئے تھے اسی روز اشرقتائے نے پوری قوم کو اس بات پر گواہ بنا دیا تھا کہ یہ ایک غیر معمولی شخصیت کا بچہ ہے جس کی ولادت عجوبے کا نتیجہ ہے نہ کہ کسی اخلاقی مجرم کا۔ جب بنی اسرائیل کے ایک شریف ترین اور مشہور نامور مذہبی گھرانے کی رہنمائی لڑکی گردیں بچے لیے ہوئے آئی اور قوم کے بڑے اور چھوٹے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اس کے گھر پر ہجوم کر کے آگئے تو اس لڑکی نے ان کے سوالات کا جواب دینے کے بجائے خاموشی کے ساتھ اس فزائیدہ بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ تمہیں جواب دے گا۔ مجمع نے حیرت سے کہا کہ اس بچے سے ہم کیا پوچھیں جو گوارے میں لینا خواہے۔ مگر کیا ایک دو بچہ گویا ہو گیا اور اس نے نہایت صاف اور فصیح زبان میں عیسیٰ کو خطاب کر کے کہا کہ اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ، اَشْبَحُی الْکُتُبَ وَجَعَلْنِی کِتَابًا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں، اشرقتے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ (سورہ مریم رکع ۱۲)۔ اس طرح اشرقتائے نے اُس مشہور شخصیت کے لیے جڑ کاٹ دی تھی جو ولادت مسیح کے بارے میں پیدا ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سن مشہور کہ پچھتے تک کبھی کسی نے نہ حضرت مریم پر زنا کا الزام لگایا، نہ حضرت عیسیٰ کو ناجائز ولادت کا طعنہ دیا۔ لیکن جب تیس برس کی عمر کو پہنچ کر آپ نے نبوت کے کام کی ابتدا فرمائی، اور جب آپ نے یودیوں کو ان کی بد اعمالیوں پر ملامت کرنی شروع کی، ان کے ملّا، و قہان کو ان کی دیا کاریوں پر ٹوکا، ان کے عوام اور خاص سب کو اس اخلاقی زوال پر متنبہ کیا جس میں وہ مبتلا ہو گئے تھے، اور اس پر خطر راستے کی طرف اپنی قوم کو دعوت دی جس میں خدا کے دین کو کھانا بنانے کے لیے قریم کی قربانیاں برداشت کرنی پڑتی تھیں اور ہر حاد پر شیطانی قوتوں سے لڑائی کا سامنا تھا، تو یہ بے باک مجرم مصلحت کی آواز کو دوانے کے لیے ہر ناپاک سازگاری کا ہتھیار استعمال کرنے پر آمادہ ہوئے۔ اس وقت راضوں نے وہ بات کہی جو تیس سال تک نہ کہی تھی کہ مریم علیہا السلام معاذ اللہ زانیہ ہیں اور عیسیٰ امین مریم ولد ازنا۔ حالانکہ یہ ظالم بالیقین جانتے تھے کہ یہ دونوں ماں بیٹے اس گندگی سے بالکل پاک ہیں۔ پس وہ حقیقت ان کا یہ بتانا کسی حقیقی مشہور کا نتیجہ نہ تھا جو واقعی اس کے دلوں میں موجود ہوتا، بلکہ خاص بہتان تھا جو انہوں نے جان بوجھ کر محض حق کی مخالفت کے لیے گھڑا تھا۔ اسی بنا پر اشرقتائے نے اسے قلم اور جھوٹ کے بھانے کفر قرار دیا ہے کیونکہ اس الزام سے ان کا اہل متعدد خدا کے دین کا راستہ روکنا تھا نہ کہ



وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ  
وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ

اور خود کہا کہ ہم نے مسیح، عیسیٰ ابن مریم، رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ مالاںکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ حاملہ ان کے لیے شبہ کر دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے ایک بے گناہ عورت پر الزام لگایا۔

۱۹۱ء یعنی ہجرت مہرمانہ اتنی برسی ہوئی تھی کہ رسول کو رسول جانتے تھے اور پھر اس کے قتل کا اہدام کیا اور فریاد کیا کہ ہم نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے۔ اوپر ہم نے گوارے کے واقعہ کا جو حالہ دیا ہے اس پر غور کرنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہودیوں کے لیے مسیح علیہ السلام کی نبوت میں شک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔ پھر جو روشن نشانیاں انہوں نے منبر پر موصوف سے مشاہدہ کیں (جن کا ذکر سورہ آل عمران رکوع ۵ میں گزر چکا ہے) ان کے بعد تو یہ معاملہ بالکل ہی غیر شبہ ہو چکا تھا کہ آں جناب اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اس لیے واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ کسی غلط فہمی کی بنا پر تھا بلکہ وہ خوب جانتے تھے کہ ہم اس جرم کا ارتکاب اس شخص کے ساتھ کر رہے ہیں جو اللہ کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہے۔

بظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ کوئی قوم کسی شخص کو نبی جانتے اور جانتے ہوئے اسے قتل کر دے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہودیوں نے کوئی قوموں کے انداز و اطوار ہوتے ہی کچھ عجیب ہیں۔ وہ اپنے درمیان کسی ایسے شخص کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو ان کی برائیوں پر انہیں ڈر سکے اور ناجائز کاموں سے ان کو روک سکے۔ ایسے لوگ چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہوں ہمیشہ بدکردار تو ہوں میں قیلا و قتل کی سزائیں پاتے ہی رہے ہیں۔ تلمود میں لکھا ہے کہ بخت نعر نے جب بیت المقدس فتح کیا تو وہ پہلے سلیمانی میں داخل ہوا اور اس کی سیر کرنے لگا۔ مین قربان گاہ کے سامنے ایک جگہ دو اہل پارسے ایک تیر کا نشانہ نظر آیا۔ اس نے یہودیوں سے پوچھا یہ کیا نشان ہے، انہوں نے جواب دیا یہاں ذکر یاہو نبی کو ہم نے قتل کیا تھا۔ وہ چارہ، برائیوں پر انہیں حاسم کرتا تھا۔ آخر جب ہم اس کی مانتوں سے تنگ آ گئے تو ہم نے اسے ارڈا لٹا۔ بائبل میں یہ چارہ نبی کے متعلق لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل کی بد اخلاقیوں حد سے گزر گئیں اور حضرت یریاہ نے ان کو تنبیہ کیا کہ ان اعمال کی پاداش میں مراد تم کو دوسری قوموں سے پامال کر دے گا تو ان پر الزام لگایا کہ یہ شخص کس دیوں (گھلانہوں) سے لاپرواہ ہے اور تو تم کا خدا ہے۔ اس الزام میں ان کو جیل بھیج دیا گیا۔ خود حضرت مسیح کے واقعہ صلیب کے دو صافی سال پہلے ہی حضرت یحییٰ کا معاملہ پیش آچکا تھا۔ یہودی باعوم ان کو نبی جانتے تھے اور کم از کم یہ تو جانتے ہی تھے کہ وہ ان کی قوم کے صالح ترین لوگوں میں سے ہیں۔ مگر جب انہوں نے ہمدردیوں دعاوی دیا سمیت یہودیہ کے دربار کی برائیوں پر تنقید کی تو اسے برداشت نہ کیا گیا۔ پہلے جیل بھیجے گئے، اور پھر دالی ریاست کی مشورہ کے مطابق پران کا سر قلم کر دیا گیا۔ یہودیوں کے اس رویہ کا رد و دیکھتے ہوئے

اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَئِنْ شَاكَ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اٰتِیَاءُ الظَّنِّ وَمَا تَكُوْنُوْهُ یَقِیْنًا ۝۱۹۲ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ

اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی مدلل شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے یقیناً انہوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے مذہم پر جو کوسل پر چڑھانے کے بعد جیسے پتا تھا مارا کہ ہر ہم نے اس کے اسلے کو قتل کیا ہے۔

۱۹۲ء یہ چوتھا سفر ہے۔

۱۹۳ء یہ ایت تفسیر کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھانے جانے سے پہلے اٹھالیس گئے تھے اور کہ مسیح صلیب پر چڑھ کر دو دنوں کا یہ خیال کر سچ ہے جب ہر جان دی، محض غلامی پرستی ہے۔ قرآن اسیا میں کے حالات کا تذکرہ معادہ کرنے سے ہمیں کہتے ہیں کہ غالباً پلاس کی عدالت میں تو پیشی آپ ہی کی ہوئی تھی، مگر جب وہ منزلے موت کا فیصلہ سنا چکا، اور جب صلیب پر چڑھنے سے مسیح جیسے پاک نفس انسان کے مقابلہ میں ایک ڈاکو کی جان کو زیادہ قیمتی ٹھیکر کر اپنی دشمنی و باطل پسندی اٹھوئی تو یہی نگاہی، تب افسوسناکے نے کسی وقت سمجھ کر اٹھایا۔ بعد میں یہودیوں نے جس شخص کو صلیب پر چڑھایا وہ آپ کی ذات مقدس نہ تھی بلکہ کوئی اور شخص تھا جس کو وہ مسلم کس وجہ سے لوگوں نے مسیحی ابن مریم سمجھ لیا۔ تاہم ان کا جو داس سے کم نہیں ہوتا، کیونکہ جس کا انہوں نے کاٹوں کا تاج پہنایا، جس کے رونہ پر تھکا اٹھنے کے ساتھ صلیب پر چڑھایا اس کو وہ مسیحی ابن مریم ہی سمجھ رہے تھے۔ اسیہ مسلم کرنے کا معاملہ پاس کوئی مذہب نہیں ہے، کہ معاملہ کس طرح ان کے لیے شہید ہو گیا۔ چونکہ اس باب میں کوئی یقینی اندازہ معلومات نہیں ہے اس لیے مجھ پر قیاس و گمان اور افواہوں کی بنیاد پر نہیں لکھا جاسکتا کہ اس شہید کی ذمیت کیا تھی جس کی بنا پر یہودی یہ کہنے لگے کہ انہوں نے مسیحی ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا ہے وہاں حالے کہ مسیحی ابن مریم ان کے ہاتھ سے مٹ چکے تھے۔

۱۹۴ء اختلاف کرنے والوں سے مراد یہاں ہیں اور ان میں مسیح علیہ السلام کے معلوب ہونے پر کوئی ایک تئیں طبع قوی نہیں ہے بلکہ مسیحوں انوال ہیں جن کی کثرت خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصل حقیقت ان کے لیے بھی مشہور ہی رہی۔ ان میں سے کوئی کت ہے کہ صلیب پر جو شخص چڑھایا گیا وہ مسیح تھا بلکہ مسیح کی شکل میں کوئی اور تھا جسے یہودی اور عری سپاہی ذلت کے ساتھ صلیب پر چڑھائے گئے تھے اور مسیح وہیں کس جگہ کمر ان کی حماقت پر سن رہا تھا۔ کوئی کتا ہے کہ صلیب پر چڑھایا تو مسیح ہی کو لگیا تھا اگر ان کی ذفات صلیب پر میں ہوئی بلکہ اتارے جانے کے بعد ان میں جان تھی۔ کوئی کتا ہے کہ انہوں نے صلیب پر ذفات پائی اور پھر وہی مٹے اور کم و بیش دس مرتبہ اپنے قتلت عماروں سے نئے اوبادیاں لگیں۔ کوئی کتا ہے

# اَلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيْمًا ۝ وَلَنْ يُّرْسِلَ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا

اُتْحٰشًا، اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا

کو مصلوب کی موت میں کہ ہم انسانی پر طالع ہوئی اور وہ دین ہمارا گمراہیت کی نذر ہو جس میں حتی وہ اٹھائی گئی۔ اور کوئی کتا ہے کہ مرنے کے بعد مسیح علیہ السلام جسم بیت زندہ ہونے اور جسم بیت اٹھائے گئے۔ قاضی کہ اگر ان لوگوں کو پس حقیقت عالم ہوتا تو اتنی غفلت باتیں ان میں شور مارتے۔

۱۹۵ء اس سال کی اصل حقیقت ہے ہوا اللہ قتلے نے بتائی ہے۔ اس میں جرم اور مراعت کے ساتھ جو چیز بتائی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کو قتل کرنے میں یہودی کا یہاب نہیں ہوئے اور یہ کہ اللہ قتلے نے ان کا اپنی طرف اٹھایا۔ اب ہر سوال کہ اٹھانے کی کیفیت کیا تھی، تو اس کے متعلق کوئی تفصیل قرآن میں نہیں بتائی گئی۔ قرآن نہ اس کی تفسیر کرتا ہے کہ اللہ کو کرم و تدبیر کے ساتھ کہ زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر کہیں لے گیا، اور نہ ہی صاف کتا ہے کہ انھوں نے زمین میں صلیب پر اٹھا کر مرنے کی نذر اٹھائی گئی۔ اس لیے قرآن کی بنیاد پر یہ تو ان میں سے کسی ایک پہلو کی قطع نفی کی جا سکتی ہے اور نہ اثبات، لیکن قرآن کے انداز بیان پر رد کرنے سے بات باطل نمایاں ہو کر محسوس ہوتی ہے کہ اٹھانے جانے کی نوعیت و کیفیت خواہ کچھ بھی ہو، ہر حال مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے کوئی ایسا معاملہ ضرور کیا ہے جو غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ اس غیر معمولی کا اظہار میں پھر جڑوں سے ہوتا ہے:

لکھیے کہ کیا ان میں مسیح علیہ السلام کے جسم و روح سمیت اٹھانے کا عقیدہ پچھلے سے موجود تھا اور ان اسباب میں سے تھان کی بنا پر ایک بہت بڑا گروہ الوہیت مسیح کا قائل ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود قرآن نے نہ صرف یہ کہ اس کی صاف صاف تردید نہیں کی بلکہ صریحاً بھی رد فرمائی (Ascension) کا لفظ استعمال کیا جو یونانی اس واقعہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کتاب میں کی شان سے یہ بات عید ہے کہ وہ کسی خیال کی تردید کرنا چاہتی ہو اور پھر ایسی زبان استعمال کرے جو خیال کو مزید تقویت پہنچانے والی ہو۔

تیسرے یہ کہ اگر مسیح علیہ السلام کا اٹھایا جانا اور ایسا اٹھایا جانا جوتا ایسا کہ ہر مرے والا دنیا سے اٹھایا جاتا ہے، پھر اس رخ سے مراد محض درجات و مراتب کی تبدیلی ہوتی جیسے حضرت ادریس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وَهَذَا كَمَا كُنَّا نَأْتِيكَاس مَعْنُون كَوَيْلَان كُنْ كَا نَا نَزَّهَتْ اَبْرَاهِيْمَ رُكْبَةً رُكْبَةً هِيَ۔ اس کو بیان کرنے کے لیے زیادہ مناسب لفظ یہ کہہ سکتے تھے کہ قیامت انھوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو زندہ بچالیا اور پھر ایسی موت دی۔ یہودیوں نے اس کے قتل کا جانا تھا مگر اللہ نے اس کو بلند ہو کر چلا گیا۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ رخ ویسا ہی معمولی قسم کا رخ ہوتا جیسے ہم محالہ میں کسی مرنے والے کو کہتے ہیں کہ اُسے اللہ نے اٹھایا تو اس کا ذکر کرنے کے بعد یہ فقرہ باطل غیر محسوس تھا کہ اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔ یہ تو صرف

## لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَنَوْمِ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ نَهْيٌ ۝

جو اُس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے گا اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہی دے گا۔

کسی ایسے واقعہ کے بعد ہی مومنوں کو مناسب ہو سکتا ہے جس میں اللہ کی قوت کا ہر اداس کی ملکیت کا غیر مسمیٰ ٹھہر جائے۔ اس کے جواب میں قرآن سے اگر کوئی دلیل پیش کی جا سکتی ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ صرف یہ ہے کہ سورہ اہل کوثر میں اللہ تعالیٰ نے مَعْقُودَاتِکَ کا لفظ استعمال کیا ہے (دکڑ ۱۶)۔ لیکن جیسا کہ وہاں ہم ماضیہ صفت میں واضح کر چکے ہیں، یہ لفظ طبعی موت کے معنی میں صریح نہیں ہے بلکہ تعین ردوع اور تعین ردوع و جسم دونوں پر دلالت کر سکتا ہے۔ لہذا یہاں قرآن کو اتنا کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں۔ مگر دیکھیں کہ جس کی طبعی موت کا حکم لگانے پر ماضیہ صفت سوال کرتے ہیں کہ قوی کا لفظ تعین ردوع و جسم پر استعمال ہونے کی کوئی اور تفسیر بھی ہے، لیکن جب کہ تعین ردوع و جسم کا ماضیہ تمام نوع انسانی کی تاریخ میں پیش ہی ایک مرتبہ آیا ہو تو اس معنی پر اس لفظ کے استعمال کی تفسیر چھوڑنا محض ایک بے بنیاد بات ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ آیا اہل لغت میں اس استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر ہر قرآن پڑھنے والے کا قرآن نے دفع جسمانی کے حقیقہ کی صاف تردید کرتے کے بجائے یہ لفظ استعمال کر کے ان قرآن میں ایک اور قرینہ کا اضافہ کر دیا ہے جس سے اس حقیقہ کو انہی مدد دیتی ہے، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ موت کے صریح لفظ کو چھوڑ کر وفات کے محض امینین لفظ کو ایسے موقع پر استعمال کرتا جہاں دفع جسمانی کا حقیقہ پہلے سے موجود تھا اور ایک غلط فہم فاضل یعنی ہائے نبوت مسیح کے اعتقاد کا موجب بن رہا تھا۔ پس قرآن کی ردوع سے زیادہ مطابقت اگر کوئی نظر میں رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ دفع جسمانی کی تصریح سے بھی اتنا مناسب کیا جائے اور موت کی تصریح سے بھی، بلکہ مسیح علیہ السلام کے اٹھانے جانے کا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہر ایک غائب غریبی طور پر سمجھتے ہوئے اس کی کیفیت کو کسی طرح مجمل چھوڑ دیا جائے جس طرح خداوند تعالیٰ نے مجمل چھوڑ دیا ہے۔

۱۹۶ھ اس فقرے کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں اور ان الفاظ میں دونوں کا یکساں احتمال ہے۔ ایک معنی وہ جو ہم نے

زمرہ میں اختیار کیے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہ لے آئے۔ پہلی کتاب سے مراد یہودی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ ساقی بھی ہوں۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہو گا کہ مسیح کی طبعی موت جب واقع ہوئی اس وقت جتنے اہل کتاب موجود ہوں گے وہ سب ان پر زبانی ان کی رسالت پر ایمان لایچکے ہوں گے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہو گا کہ تمام اہل کتاب جو مرنے سے پہلے قبل رسالت مسیح کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور وہ مسیح پر ایمان لے آتے ہیں، مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ ایمان لاتا مفید نہیں ہو سکتا۔ دونوں معنی متعدد صحابہ آباء میں وارد اکابر مفسرین سے منقول ہیں اور مسیح مود صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔

۱۹۷ھ یعنی یہودیوں اور مسیحیوں نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ اور اُس پیام کے ساتھ، جو آپ لائے تھے، جو

مسائل کیا ہے اس پر آپ خداوند تعالیٰ کی عدالت میں گواہی دیں گے، اس گواہی کی تفصیل آگے سورہ بقرہ کے آخری دو رکوع

فِي ظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ  
لَهُمْ وَبَرَصًا لَهُمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ وَأَخْذَهُمُ الرِّبَا  
وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ ۖ وَآكَلِهِمْ أَمْوَالُ النَّاسِ بِالْباطِلِ ۚ

— غرض ان یہودی بن جلعادوں کا اسی ظالمانہ رویہ کی بنا پر اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اشد کے  
راستے سے روکتے ہیں، اور سود لیتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا، اور لوگوں کے مال نا جائز  
طریقوں سے کھاتے ہیں، ہم نے بہت سی دنیاوی چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں۔  
یہ آئے والی ہے۔

۱۹۸ء جلعاد حضرت ختم ہونے کے بعد یوں سے یہودی مسئلہ تقریباً شروع ہوتا ہے جلعاد پر سے چلا آ رہا تھا۔  
۱۹۹ء یعنی صرف اسی پر کتنا غصہ کرتے کہ خداوند کے راستے سے نفرت ہیں، بلکہ اس قدر ہے کہ ہر مومن کے لیے  
کہ دنیا میں خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو تحریک بھی اٹھتی ہے، اکثر اس کے پیچھے یہودی دماغ اور یہودی سرمایہ ہی کام  
کرتا نظر آتا ہے اور لاہ جن کی طرف بلانے کے لیے جو تحریک بھی شروع ہوتی ہے اکثر اس کے مقابلہ میں یہودی ہی سب سے  
بڑھ کر مزاحمت کرتے ہیں، دماغ مانے کے یہ کم سخت کتاب اشد کے مال اور دنیا کے وارث ہیں۔ ان کا تازہ ترین جرم یہ اشتراکی  
تحریک ہے جسے یہودی دماغ نے متفرع کیا اور یہودی رہنمائی ہی نے یہاں چڑھایا ہے۔ ان نام نہاد اہل کتاب کے غیب میں یہ  
جرم بھی مقدر تھا کہ دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جو نظام زندگی اور نظام حکومت خدا کے مروجہ احکام پر خدا سے حکم کھٹو دشمنی پر خدا پر  
کو شادینے کے علی الاطلاق عزم و ارادہ پر تعمیر کیا گیا اس کے موجود متفرع اور باطنی سرمداء کا مرکزی علیہ السلام کے نام لیا ہوں۔  
اشتراکیت کے بعد زائد جدید میں مگر اسی کا دوسرا اڑتوں فرزند کا فلسفہ ہے اصول طاعت ہے کہ وہ بھی یہی مسئلہ ہی کا ایک کٹو  
۲۰۰ء قرآن میں بالفاظ مروج یہ حکم موجود ہے کہ:

”اگر تو میرے کو گواہی دے کسی قبیح کو تیرے پاس نہ تا بہرہ قرض لے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک  
نہ کن اور نہ اس سے سود لینا۔ اگر تو کسی وقت اپنے ہمسیر کے کپڑے گم کر دے گا تو سورج کے ڈوبنے  
تک اس کو واپس کر دینا کیونکہ خدا ہی ایک اُس کا اور خدا ہے اس کے جسم کا بھی لباس ہے، یہود  
کیا اور نہ کر سوتے گا پس جب وہ فریاد کرے گا تو میں اسی کی سنوں گا کیونکہ میں مہربان ہوں نہ خردی“

باب ۲۷: ۲۵-۲۶

اس کے علاوہ اور بھی کئی مقامات پر قرآن میں سود کی حرمیت وارد ہوئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسی قرآن کے

وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۷۱﴾ لَكِنَّ الرَّاسِخُونَ  
فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ  
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ

اور جو لوگ ان میں سے کافر ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مگر ان میں جو لوگ  
پختہ علم رکھنے والے ہیں اور ایماندار ہیں وہ سب اس تعلیم پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف نازل  
کی گئی ہے اور جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھی۔ اس طرح کے ایمان لانے والے اللہ نازد کر لکڑہ کی

انٹے والے ہرودی آج دنیا کے سب سے بدترین اور اپنی تنگ دھڑنگی کے لیے عجب شہل ہیں۔

﴿۱۷۱﴾ غافل یا ایسی شخص کی طرف اشارہ ہے جو آگے سورہ انعام رکوع ۱۸ میں منے والا ہے یعنی کہ نبی اسرائیل پر  
قام وہ ہا زور عوام کر دیے گئے جن کے نام نہ ہوتے ہیں، اعلان ہو گئے اور کئی کچھ بی بھی حرام کر دی گئی۔ اس کے علاوہ کئی  
کراشا رہن دوسری پانچوں لکھتوں کی طرف بھی ہرودی شخصیں پانی ماتی ہیں۔ کسی گروہ کے لیے دائرہ زندگی کو رنگ  
کر دیا جانا فی الواقع اس کے حق میں ایک طرح کی سزا ہے۔ یہ فصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو سورہ انعام حاشیہ ۱۷۲

﴿۱۷۲﴾ یعنی اس قوم کے جو لوگ ایمان و ملاحف سے غفلت اور بیانات و اصلاح کی روش پر قائم ہیں ان کے لیے  
عدا کی طرف سے دردناک سزا تیار ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں جو حضرت اکرمؐ کو فی اللہ دل ہی ہے وہ بھی  
کسی دوسری قوم کو نہیں دے۔ وہ ہر ہر میں جو کہے ہیں کہ زمین پر کہیں ان کو حضرت اکرمؐ کا ماحول نہیں۔ دنیا میں ہر ہر کہے گئے ہیں  
اور ہر جگہ غریب الوطن ہیں۔ کوئی ٹھکانا نہیں گزرتا جس میں وہ دنیا کے کسی نہ کسی خط میں زلت کے ساتھ یا مال نہ کیے جاتے  
ہوں اور اپنی دولت مندی کے باوجود کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔ پھر غضب یہ ہے کہ وہ  
پیدا ہوتی اور اپنی ہی گراس قوم کو موت بھی نہیں آتی۔ اس کو دنیا میں لایموت و کفر نہ تھا و لایموتی کی سزا دی گئی ہے تاکہ نجات  
نہ ملے دنیا کی قوموں کے لیے ایک نمونہ حیرت برتی ہے اور اپنی مروت سے بہت دینی ہے کہ خدا کی کتاب میں ملے کہ خدا کے مقابل میں  
باغیانہ جاسوس کرنے کا یہ اعجاز ہوتا ہے۔ دینی اخوت تو ان شہداء و شہداء کا عذاب اس سے بھی زیادہ دردناک ہو گا۔ (اس موقع پر جو  
شبہہ طین کی سزا کیلئے قیام کی وجہ سے پڑھتا ہے اسے دفع کرنے کے لیے ملاحظہ ہو سورہ آل عمران آیت ۱۱۷)۔

﴿۱۷۳﴾ یعنی ان میں سے جو لوگ کتب آسمانی کی حقیقی تعلیم سے واقف ہیں اور ہر قسم کے تعصب، جہاد و مذہب کی تعلیم  
اور نفس کی زندگی سے آزاد ہو کر اس امر حق کو سچے دل سے مانتے ہیں جس کا ثابت آسمانی کتابوں سے ہے ان کی روش کا فو  
قابل ہو دیوں کی عام روش سے بالکل مختلف ہے۔ ان کو ایک نظر محسوس ہو جاتا ہے کہ جس میں ان کی تعلیم پہلے انبیاء نے دی تھی

الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ  
 سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٣٠﴾ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا  
 إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ  
 وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَ  
 إِيْيُوبَ وَيُوسُفَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زُبُورًا ﴿١٣١﴾

پابندی کرنے والے اور اللہ و آخرت پر ایمان رکھنے والے لوگوں کو ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے۔

اے محمد! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی۔ ہم نے داؤد کو زبور عطا کیا۔

اسی کی تعلیم قرآن دے رہا ہے اس لیے وہ ہے لاکھ حق پرستی کے ساتھ دونوں پر ایمان لے آئے ہیں۔

۱۳۰؎ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی انوکھی چیز نے نہیں آئے ہیں جو پہلے نہ آئی ہو۔ اس پر دعویٰ نہیں ہے کہ میں دنیا میں پہلی مرتبہ ایک نئی چیز پیش کر رہا ہوں۔ بلکہ وہ اصل ان کو بھی اسی ایک نئی علم سے ہدایت ملی ہے جس سے تمام پہلے انبیاء کو ہدایت ملتی رہی ہے، اور وہ بھی اس ایک حقاقت و حقیقت کو پیش کر رہے ہیں جسے دنیا کے مختلف گوشوں میں پیدا ہونے والے پیغمبر ہمیشہ سے پیش کرتے چلے آئے ہیں۔

وحی کے معنی میں اشارہ کرنا، اول میں کوئی بات، ثانی، خیرہ فریتے سے کوئی بات کہنا، چہاں میں ہوتا۔

۱۳۱؎ موجودہ بائبل میں زبور کے نام سے جو کتاب پائی جاتی ہے وہ سامری کی رسائی زبور داؤد نہیں ہے۔ اس میں بکثرت مزایہ دوسرے لوگوں کے بھی بھر دیے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یہ مصنفین کی طرف منسوب ہیں۔ البتہ جن مزایہ پر تصریح ہے کہ وہ حضرت داؤد کے ہیں ان کے اندر فی الواقع کلام حق کی روحانی معنویت ہوتی ہے۔ اسی طرح بائبل میں اشعری سلیمان کے نام سے جو کتاب موجود ہے اس پر بھی ایسی خاصی آمیزش پائی جاتی ہے کہ اس کے آخری دو باب تو صرف اشعری ہیں، مگر اس کے باوجود ان اشعری کا بظاہر صحیح و برحق معلوم ہوتا ہے۔ ان دو کتابوں کے ساتھ ایک اور کتاب حضرت

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ  
نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ۝ رُسُلًا  
قُبُورِهِمْ وَمَنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ

ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان  
رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔ ہم نے موسیٰ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح  
گفتگو کی جاتی تھی۔ یہ سارے رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بن کر  
بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی

ایجاب کے نام سے بھی بائبل میں درج ہے، لیکن مکت کے بت سے جو اہل اپنے اندر رکھنے کا دعوہ کرتے ہیں  
یہ یقین نہیں آتا کہ واقعی حضرت ایوب کی طرف اس کتاب کی نسبت صحیح ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں اور وہ اس کتاب کی ابتدا  
میں حضرت ایوب کے جس مجرم ظلم کی تعریف کی گئی ہے اس کے بالکل برعکس وہ ساری کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت ایوب  
اپنی مصیبت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے خلاف سرپا شکایت بنے ہوئے تھے حتیٰ کہ ان کے ہوشیار انہیں اس امر پر مطمئن  
کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ غلام نہیں ہے، مگر وہ کسی طرح مان کر دیتے تھے۔

ان صحیفوں کے علاوہ بائبل میں اخباری اسرائیل کے، صحائف اور بھی درج ہیں جن کا بیشتر حصہ صحیح مہرم ہوتا ہے  
خبروں یا عیساء، یسوع، ایل، ماموس اور بعض دوسرے صحیفوں میں تو بکثرت عقائد ایسے آتے ہیں جنہیں پھر کبھی  
کی دعوہ دہر کرنے لگتی ہے۔ ان میں انعامی کلام کی شان مرتب طرز پر مسموم ہوتی ہے۔ ان کی اخلاقی تعلیم، ان کا خیر کے خلاف  
جہاد، ان کا توحید کے حق میں ہندو متد فال اور ان کی بنی اسرائیل کے اخلاقی زوال پر سخت تنقیدیں پڑتے وقت آدمی یہ سوچا  
کچھ بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہیں میں حضرت مسیح کی تقریری اور قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہوئی تو ہیں۔

۲۰۶ دوسرے بنیاد پر مسلم پر تو وحی اس طرح آتی تھی کہ ایک آواز آ رہی ہے یا فرشتہ پیغام سنا رہا ہے  
اور وہ من رہے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کے ماتھے پر خاص معاملہ بتا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس سے گفتگو کی۔ ہنس اور  
خفا کے درمیان اس طرح باتیں ہوتی تھیں جیسے دشمن تو ہیں میں بات کرتے ہیں۔ مثال کے لیے اُس گفتگو کا حالہ کافی ہے  
جو سورہ ناز میں نقل کی گئی ہے۔ بائبل میں بھی حضرت موسیٰ کی اس خصوصیت کا ذکر کسی طرح کیا گیا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ  
”جیسے کوئی شخص اپنے دوست سے بات کرتا ہے ویسے ہی خداوند ربودہ ہو کر موسیٰ سے باتیں کرتا تھا۔“ (خروج ۳۰ : ۱۱)

۲۰۷ یعنی ان سب کا ایک ہی کام تھا اور وہ یہ کہ جو لوگ خدا کی بھیجی ہوئی تعلیم پر ایمان لائیں خدا اپنے دیکھ کر



الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ لِّكُلِّ نَبِيٍّ مِّنْهُ مَثَلٌ مِّمَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَكِ الْمُرْسَلِ ۝ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

حجت نہ رہے اور اشد ہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانہ ہے۔ (لوگ نہیں مانتے تو نہ مانیں، مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ جو کچھ اس نے تم پر نازل کیا ہے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور اس پر بلا تکرار بھی گواہ ہیں اگرچہ اشد کا گواہ ہونا بالکل کفایت کرتا ہے۔ جو لوگ اس کو ماننے سے غور و انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو خدا کے راستہ سے روکتے ہیں وہ یقیناً گمراہی میں حق سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ اس طرح جن لوگوں نے کفر و بغاوت کا طریقہ اختیار کیا اور ظلم و ستم پر اتر آئے اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اور انہیں کوئی راستہ بجز جہنم کے راستہ کے نہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

مطابق درست کریں انہیں ظلم و ستم کی عظیم حد سے اللہ جو نکر محل کی غلطیوں پر چلتے رہیں ان کو اس غلطی کے بڑے انجام سے آگاہ کر دیں۔

۱۱۷ یعنی ان تمام پیغمبروں کے بھیجنے کی ایک ہی غرض تھی اور وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ذریعہ انسانی پر تمام حجت کرنا چاہتا تھا تاکہ آخری عدالت کے موقع پر کوئی گمراہ مجرم اس کے سامنے یہ ہڈی نہیں نہ کر سکے کہ ہم ناواقف تھے اور آپ نے سب پر حقیقت حال سے آگاہ کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ اسی غرض کے لیے خدا نے دنیا کے مختلف گوشوں میں پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ ان پیغمبروں نے کثیر التعداد انسانوں تک حقیقت کا علم پہنچا دیا اور اپنے پیچھے کتابیں چھوڑ گئیں جن میں سے کوئی نہ کوئی کتاب انسانوں کی پہنچائی کے لیے ہر زمانہ میں موجود رہی ہے۔ اب اگر کوئی شخص گمراہ ہوتا ہے تو اس کا راسخ خدا پر اور اس کے پیغمبروں پر مائد نہیں ہوتا بلکہ یا تو خود اس شخص پر مائد ہوتا ہے کہ اس تک پہنچا دیا اور اس نے قبول نہیں کیا، یا ان لوگوں پر مائد ہوتا ہے جن کو راست معلوم معلوم خدا انہوں نے خدا کے بندوں کو گمراہی میں مبتلا کیا مگر انہیں آگاہ نہ کیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا  
خَيْرًا لَكُمْ وَلَنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي  
دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى  
ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ

لوگو! یہ رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آیا ہے، ایمان  
لے آؤ، تمہارے ہی لیے بہتر ہے، اور اگر انکار کرتے ہو تو جان لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے  
سب اللہ کا ہے اور اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔

اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ مسیح  
عیسیٰ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا

۲۰۹ یعنی زمین و آسمان کے مالک کی انفرادی کریمت اس کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے، نقصان جو کچھ ہوا تھا لا پنا ہوا۔

۲۱۰ یعنی تمہارا خداوند تو بے غیر ہے کہ اس کی سلطنت میں نہ جتنے ہوتے تم شرارتیں کرو اور اسے مظلوم نہ سوا اور نہ وہ  
توان ہے کہ اسے اپنے فرامین کی خلاف ورزی کرنے والوں سے غفلت کا طریقہ نہ آجھو۔

۲۱۱ یہاں اہل کتاب سے مراد یہی ہیں اور غلو کے معنی ہیں کسی چیز کی تاہید و حمایت میں حد سے گنہا مانتا یا بیوقوف  
کا جرم ہے، تھا کہ وہ مسیح کے انکار اور مخالفت میں حد سے گزر گئے، اور عیسائیوں کا جرم ہے کہ وہ مسیح کی حقیت اور حقیت میں  
حد سے گزر گئے۔

۲۱۲ اصل میں لفظ ”کلمہ“ استعمال ہوا ہے۔ مریم کی طرف کلمہ بھیجے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مریم علیہا السلام  
کے رحم پر یہ فرمان نازل کیا کہ کسی مرد کے نفہ سے میرا بھوئے بغیر گل کا استقر و تبدیل کر لے۔ عیسائیوں کا ابتدائی مسیح  
علیہ السلام کی پیدائش سے پھر کا یہی راز بتایا گیا تھا۔ گروہوں نے یونانی غلطی سے گمراہ کر کے پہلے لفظ ”کلمہ“ کو کلام یا لفظ  
(Logos) کا ہم معنی سمجھ لیا۔ پھر اس کلام و لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت کلام مراد لی۔ پھر یہ قیاس قائم کیا کہ  
اللہ کی اس ذاتی صفت نے مریم علیہا السلام کے دامن میں داخل ہو کر وہ جماعتی صورت اختیار کر لی جو مسیح کی شکل بن گئی۔

وَرُوْحُ مِنْهُ فَأَمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِمْ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ

اوس ایک روح تھی اللہ کی طرف تھے (جس نے مریم کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ "تین" ہیں۔ باز آ جاؤ،

اس طرح جیسا نبیوں میں مسیح علیہ السلام کی الہیت کا فاسد عقیدہ پیدا ہوا اور اس غلط تصور نے بڑھ کر یہ کہ خدا نے خود اپنے کچے ہاتھ اپنی انہی صفات میں سے نطق و کلام کی صفت کو مسیح کی شکل میں ظاہر کیا ہے۔

۲۱۳ عیساں خود مسیح کو رُوْحُ مِنْهُ (خدا کی طرف سے ایک روح) کہا گیا ہے، اور وہ بقرہ میں اس مضمون کو دینا دیکھا گیا ہے کہ آئینہ نور میں روح القدس میں (ہم نے پاک روح سے مسیح کی مدد کی)۔ دونوں جہاتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مسیح علیہ السلام کو دیکھ کر روح طہری جو ہدی سے نوازشا تھی، سرسرا حقیقت اور راست ہادی تھی، اور اللہ نے فضیلت اخلاق تھی یہی تعریف استغنا ب کی جیسا نبیوں کو تائی گئی تھی۔ مگر انہوں نے اس میں بھی غلط کیا، رُوْحُ مِنْ اللّٰهِ میں روح اللہ قرار دے لیا، اور روح القدس (Holy Ghost) کا مطلب یہ لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی روح مقدس تھی جو مسیح کے اندر طہری کر گئی تھی۔ اس طرح اللہ اللہ کے ساتھ ایک تیسرا روح القدس کو بنا ڈالا گیا۔ یہ جیسا نبیوں کا وہ دوسرا زہد دست غلو تھا جس کی وجہ سے وہ مگر ایسی میں مبتلا ہوئے۔ غلط یہ ہے کہ کہی بھی انجیل میں یہ فقرہ موجود ہے کہ فرشتے نے اسے اپنی برکت بٹھا کر لکھا، اب اس کی دکانی دے کر کہا کہ اسے برکت ابن داؤد اپنی پوری مریم کو اپنے ہاں لے آئے، یہ نہ خدا کیے مگر جس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے: (باب ۱۔ آیت ۲۰)

۲۱۴ عیساں اللہ کو خدا والا اور خدا نام رسولوں کی رسالت تسلیم کرو جن میں سے ایک رسول مسیح بھی ہیں۔ یہی مسیح علیہ السلام کی پہلی تعلیم تھی اور یہی امر حق ہے جسے ایک بچہ پیر و مسیح کو ماننا چاہیے۔

۲۱۵ عیساں تین انہوں کے عقیدے کو چھوڑ دو خواہ وہ کئی شکل میں تمہارے اندھا پایا جاتا ہو حقیقت یہ ہے کہ جیسا نبی ایک وقت توحید کو بھی مانتے ہیں تاہم تثلیث کو بھی مسیح علیہ السلام کے مترشح اقوال جو انجیل میں لکھے ہیں ان کی بناء پر کہتی جیسا نبی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ خدا اس ایک ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ ان کے لیے تعلیم کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ توحید اصل دین ہے۔ مگر وہ ایک غلط فہمی ابتداء میں ان کو پیش ہو گئی تھی کہ کلام اللہ نے مسیح کی شکل میں نمود کیا اور روح اللہ نے اس میں طہری کیا، اس کی وجہ سے انہوں نے مسیح اور روح القدس کی الہیت کو بھی خداوند عالم کی الہیت کے ساتھ ماننا خواہ مخواہ اپنے لیے لازم کر لیا۔ اس زبردستی کے التزام سے ان کے لیے یہ مسئلہ ایک ناقابل حل مہمستان بن گیا کہ عقیدہ توحید کے باوجود عقیدہ تثلیث کو، اور عقیدہ تثلیث کے باوجود عقیدہ توحید کو کس طرح بنائیں۔ تقریباً ۱۸ سو برس سے سبھی علماء اسی خود پیدا کردہ شکل کو مل کر نہ کر رہے ہیں۔ یہی دلیل فرستے اسی کی مختلف تعبیرات پر بنے ہیں۔ اسی پر ایک گروہ نے دوسرے کی کفریہ کر کے ہے۔ اسی کے جھگڑوں میں کلیسا پکھلا لگا

تفہیم

۲۶۹

خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهُ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ وَلَكِنَّ  
لَّهُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿١٤١﴾

یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔ وہ بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں اس کی ہدایت میں اور ان کی کفالت و خبر گیری کے لیے بس وہی کافی ہے۔ ع

جو تے چلے گئے ہیں۔ اسی پہان کے سارے علم کلام کا اندر صرف ہوا ہے۔ حالانکہ یہ شکل نہ خدا نے پیدا کی تھی۔ نہ اس کے بیجے جوئے سے نئے اور نہ اس شکل کا کوئی حل ممکن ہے کہ خدا تین بھی مانے جائیں اور پھر وہ ولایت بھی برقرار رہے۔ اس شکل کو صرف ان کے غلو نے پیدا کیا ہے اور اس کا بس یہی ایک حل ہے کہ وہ غلو سے باز آجائیں اور روح القدس کی اوریت کا خیال چھوڑ دیں، صرف اللہ کو الٰہ واحد تسلیم کر لیں، اور مسیح کو صرف اس کا پیغمبر قرار دیں نہ کہ کسی طور پر شریک فی الٰہیت۔

۲۶۹ یہ مہیا یوں کہہ رہے تھے غلو کی تردید ہے۔ بائبل کے حوالہ جدید کی روایات اگر مسیح بھی ہوں تو ان سے (خصوصاً پہلی تین بیٹیوں سے) زیادہ سے زیادہ ہوں اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے خدا اور بندوں کے صلہ کو باپ اور اولاد کے تعلق سے تشبیہ دی تھی اور باپ کا لفظ خدا کے لیے محض مجاز اور استعارہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہ تمنا مسیح ہی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ قدیم ترین زمانہ سے بنی اسرائیل خدا کے لیے باپ کا لفظ بولتے چلے آ رہے تھے اور اس کی بکثرت مثالیں بائبل کے پانچے جہان نامہ میں موجود ہیں۔ مسیح نے یہ لفظ اپنے اقوام کے حوالہ سے کے مطابق ہی استعمال کیا تھا اور وہ خدا کو صرف اپنا باپ ہی نہیں بلکہ سب انسانوں کا باپ کہتے تھے۔ لیکن یسائیوں نے یہاں پھر غلو سے کام لیا اور مسیح کو خدا کا الٰہ بنا کر قرار دیا۔ ان کا عجیب و غریب نظریہ اس باب میں یہ ہے کہ جو مسیح خدا کا منظر ہے اور اس کے کلمے اور اور اس کی لہجہ کا جسدی طور ہے اس لیے وہ خدا کا الٰہ بنا دیا ہے، اور خدا نے اپنے اکوڑے کو زمین پر اس لیے بھیجا کہ انسانوں کے گناہ اپنے سر لے کر مصلوب پر چڑھ جائے اور اپنے خون سے انسان کے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ مگر اس کا کوئی ثبوت خود مسیح علیہ السلام کے کسی قول سے وہ نہیں دے سکتے۔ یہ عقیدہ ان کے اپنے خیالات کا افریدہ ہے اور اس غلو کا نتیجہ ہے جس میں وہ اپنے پیغمبر کی ضخیم انان شخصیت سے متاثر ہو کر مبتلا ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں کفارہ کے عقیدے کی تردید نہیں کی ہے، کیونکہ یہ یسائیوں کے ہاں یہ کوئی مستقل عقیدہ نہیں ہے بلکہ مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینے کا شاخ انداز اور اس سوال کی ایک موفقانہ و مفیدانہ توجیہ ہے کہ جب مسیح خدا کا الٰہ تھا تو وہ مصلوب پر چڑھ کر نعمت کی موت کیوں مرا۔ لہذا اس عقیدے کی تردید باپ سے آپ جہاں بھی ہے اگر مسیح کے ابن اللہ ہونے کی تردید کر دی جائے اور اس غلط فہمی کو دور کر دیا جائے تو مسیح علیہ السلام مصلوب پر چڑھائے گئے تھے۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ  
 الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ  
 فَسَيَحْشُرُهُمُ إِلَيْهِ جَمِيعًا ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
 الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ  
 وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا  
 أَلِيمًا ۝ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا  
 نَصِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ

مسیح نے کسی اس بات کو عارض نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ ہو، اور نہ مقرب ترین فرشتے  
 اس کو اپنے لیے عارض سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عارض سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو  
 ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا۔ اس وقت وہ لوگ  
 جنہوں نے ایمان لا کر نیک طرز عمل اختیار کیا ہے اپنے اجر پر سے بڑے پائیں گے اور اللہ  
 اپنے فضل سے ان کو مزید اجر عطا فرمائے گا۔ اور جن لوگوں نے بندگی کو عارض سمجھا اور تکبر کیا ہے  
 ان کو اللہ دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا جن جن کی سرپرستی وہ دغا دگاری پر وہ بھروسہ رکھتے  
 ہیں ان میں سے کسی کو بھی وہ وہاں نہ پائیں گے۔

لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آئی ہے

۴۱۷ یعنی زمین و آسمان کی موجودات میں سے کسی کے ساتھ بھی خدا کا شق آپ اللہ جیسے کا نہیں ہے بلکہ محض  
 ایک اور ملک کا شق ہے۔

۴۱۸ یعنی خدا اپنی خالقیت کا انتقام کرنے کے لیے نر کا پی ہے۔ اس کو کسی سے دینے کی حاجت نہیں کہ کسی کو

نابینا بنائے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿۱۵۴﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ  
عَصَمُوا بِهِ فَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ  
وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ﴿۱۵۵﴾ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ  
اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَامِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ  
لَهُ أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ

اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے  
ب جو لوگ اللہ کی بات مان لیں گے اور اس کی پناہ ڈھونڈیں گے ان کو اللہ اپنی رحمت  
اور اپنے فضل و کرم کے دامن میں لے لے گا اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا۔  
لوگ تم سے کلام کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص  
بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں نصف پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مرے تو

۲۱۹ یہ آیت اس سورہ کے نزول سے بہت بعد نازل ہوئی ہے۔ بعض روایات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ  
یہ قرآن کی سب سے آخری آیت ہے۔ یہ بیان اگر صحیح نہ بھی ہو تب بھی کم از کم اتنا تو ثابت ہے کہ یہ آیت سب سے پھر  
اور سورہ نساء اس سے بہت پہلے ایک مکمل سورہ کی حیثیت پر مبنی جاری تھی۔ اسی وجہ سے اس آیت کو ان آیات کے سلسلہ میں  
شامل نہیں کیا گیا جو احکام میراث کے تعلق سورہ کے آغاز میں ارشاد ہوئی ہیں بلکہ اسے منبر کے طور پر آخر میں لگا دیا گیا۔  
۲۲۰ کلام کے معنی میں اختلاف ہے بعض کی رائے میں کلام وہ شخص ہے جو لاد لہ بھی ہو اور جس کے باپ اور دادا  
بھی زندہ نہ ہوں۔ اور بعض کے نزدیک محض لاد لہ مرنے والے کو کلام کہا جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر وقت تک اس  
معاملہ میں متروک رہے لیکن عامۃ فقہائے حضرت ابو بکر کی اس رائے کو تسلیم کر لیا ہے کہ اس کا اطلاق پہلی صورت پر ہی ہو  
ہے۔ اور خود قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں کلام کہہ کر نہ صرف ترکہ کا وارث قرار دیا گیا ہے، حالانکہ  
اگر کلام کا باپ زندہ ہو تو بہن کو سب سے کوئی حصہ نہ ملتا ہی نہیں۔

۲۲۱ یہاں اُن بھائی بہنوں کی میراث کا ذکر ہے جو میت کے باقی ماندہ باپ و دونوں میں یا صرف باپ  
میں مشترک ہوں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک خطبہ میں اس معنی کی تفسیر کی تھی اور وہاں یہ کسی نے اس سے

لَهَا وَلَكُلَّ فَرْقَانٍ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّكْلَانِ مِمَّا تَرَكَ  
وَلَا كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِذَلِكَ مِثْلُ حَقِّ الْأُنثِيَيْنِ  
يُسَبِّحُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

۴۳

بھائی اس کا۔ ارث ہوگا۔ اگر میت کی وارث دو بیٹیاں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی  
حقدار ہوں گی اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہوگا۔ اللہ  
تمہارے لیے احکام کی توضیح کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

اقتلاات نہ کیا، اس بنا پر یہ جمع طے مسئلہ ہے۔

۲۳۲ یعنی بھائی اس کے پورے مال کا وارث ہوگا اگر کوئی اور صاحب فریضہ نہ ہو۔ اور اگر کوئی صاحب فریضہ ہو  
ہو، شہادہ ہو تو اس کا حصہ کرنے کے بعد باقی تمام ترکہ بھائی کو ملے گا۔  
۲۳۳ یہی حکم دو سے زیادہ بیٹوں کا بھی ہے۔



# تفهيم القرآن

المائدة (٥)



## المائدہ

**نام** | اس سورہ کا نام پندرہویں رکوع کی آیت **هَلْ يَسْتَطِيعُونَ مَثَلًا اَنْ يُنْزِلَ عَلَيْكَ** سے لے کر **مَثَلًا اَنْ يَنْزِلَ عَلَيْكَ** کے الفاظ تک ہے۔ قرآن کی بیشتر سورتوں کے ناموں کی طرح اس نام کو بھی سورۃ کے موضوع سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ بعض دوسری سورتوں سے میز کرنے کے لیے اسے ملاط کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔

**زمانہ نزول** | سورۃ کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے بعد سنہ ہجری کے اواخر یا شوال ہجری کے اواخر میں نازل ہوئی ہے۔ ذی القعدہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چودہ مسلمانوں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے مگر کفار قریش نے عداوت کے جوش میں عرب کی قدیم ترین مذہبی روایات کے خلاف آپ کو عمرہ نہ دیا اور فریاد کہ کہ جلدی بات قبول کی کہ آٹھ سال آپ زیارت کے لیے آسکتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ایک طوطا زیارت کہہ کے پہلے سورۃ کتب بتائے جائیں تاکہ نہ سال کا سفر پوری اسلامی شہادت کے ساتھ ہو سکے، اور دوسری طوطا انہیں تاکید کی کہ دشمن کافروں نے ان کو عمرہ سے روک کر دنیاوی فائدے کی خاطر جواب میں وہ خود کوئی نام نہاد یا دنیوی نہ کریں، اس لیے کہ بہت سے کافر قبیلوں کے راجا راستہ اسلامی مقبوضات سے گزرتا تھا اور مسلمانوں کے لیے یہ ممکن تھا کہ جس طرح انہیں زیارت کہہ سے روکا گیا ہے اسی طرح وہ بھی ان کو روک لیں۔ یہی اقرب ہے اس قصیدہ تفریق کی جس سے اس سورہ کا آغاز ہوا ہے۔ آگے چل کر تیرہویں رکوع میں پھر اسی مسئلہ کو چھوڑا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلے رکوع سے چودہویں رکوع تک ایک ہی مسئلہ تقریباً چل رہا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مضامین اس سورہ میں ہم کرتے ہیں وہ بھی سب اسی دور کے معلوم ہوتے ہیں۔

بیان کے تسلسل سے غالب گمان ہی ہوتا ہے کہ یہ لہری سورۃ ایک سببی خطبہ شعل ہے جو ایک وقت نازل ہوا ہو گا۔ جو سنا کہ کہ متفرق طور پر اس کی بعض آیتیں بعد میں نازل ہوئی ہیں اور مضمون کی مناسبت سے ان کو اس سورہ میں مختلف مقامات پر ریت کر دیا گیا ہو، لیکن مسئلہ بیان میں کہیں کوئی خفیت سا خلا بھی محسوس نہیں ہوتا جس سے یہ قیاس کیا جا سکے کہ یہ سورہ دو یا تین خطبوں کا مجموعہ ہے۔

**شان نزول** | سورۃ اہل عمران اور سورۃ فہ کے زمانہ نزول سے اس سورہ کے نزول تک پہنچنے پہنچنے حالت

میں بہت بڑا فیرواق ہو چکا تھا۔ یا تو وہ وقت تھا کہ جنگ اُمد کے مدد سے مسلمانوں کے لیے دین کے قریبی ملک کو بھی پر خطر بنادیا تھا۔ یا اب یہ وقت بھی کہ عرب میں اسلام ایک ناقابل شکست طاقت نظر آنے لگا اور اسلامی ریاست ایک طرف تھنک، دوسری طرف مدد و شام تک، تیسری طرف ساحل بحرِ عرب تک اور چوتھی طرف مکہ کے قریب تک پھیل گئی۔ اُحد میں جو زخم مسلمانوں نے کھایا تھا وہ ان کی جیتیں توڑنے کے بجائے ان کے عزیمت کے لیے ایک اُحد تازیانہ ثابت ہوا۔ وہ مذہبی شیر کی طرح پھیر کر اُٹھے اور تین سال کی مدت میں انھوں نے نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ ان کی مسلسل مدد و معاونت سے فرسوں کا مکر یہ تھا کہ مدینہ کے چاروں طرف ڈیرہ ڈیرہ دو دو سو میل تک تمام حالت قبائل کا زور ٹوٹ گیا۔ مدینہ پر جو یہودی خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہتا تھا اس کا ہمیشہ کے لیے بے پیمان ہو گیا اور چاروں طرف سے دوسرے مقامات پر بھی جہاں جہاں یہودی آباد تھے، سب مدینہ کی حکومت کے ماتحت ہو گئے۔ اسلام کو رہنے کے لیے قوتیں نے آخری کوشش غزوہ خندق کے موقع پر کی اور اس میں وہ سخت ناکام ہوئے۔ اس کے بعد ملحقہ کو اس امر میں کچھ شک نہ رہا کہ اسلام کی یہ تحریک اب کسی کے شک سے نہیں مٹ سکتی۔ اب اسلام میں ایک عقیدہ مسلط ہو گیا تھا جس کی حکمرانی صرف دونوں اور دو ماعون تک محدود رہے بلکہ وہ ایک دیانت بھی تھا جس کی حکمرانی اپنے حدود میں رہنے والے تمام لوگوں کی زندگی پر پیدا تھی۔ اب مسلمان اس طاقت کے مالک ہو چکے تھے کہ جس ملک پر وہ ایمان لائے تھے، اسے روک ڈک اس کے مطابق فوجداری بسر کر سکیں اور اس کے سوا کسی دوسرے عقیدہ و مسلک یا قانون کو اپنے دائرہ حیات میں داخل نہ ٹھہرائے۔

پھر ان چند برسوں میں اسلامی ماحول اور نقطہ نظر کے مطابق مسلمانوں کی اپنی ایک مستقل تہذیب بن چکی تھی۔ زندگی کی تمام تفصیلات میں دوسروں سے الگ اپنی ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ اخلاق، معاشرت، تمدن، ہنر و معیار میں مسلمان غیر مسلموں سے بالکل ممتاز تھے۔ تمام اسلامی تہذیبات میں مساجد اور نماز باجماعت کا نظم قائم ہو گیا تھا۔ چرچوں اور کلیسیوں میں امام مقرر تھے۔ اسلامی قوانین دنیائی و فوجداری بڑی حد تک تفصیل کے ساتھ بن چکے تھے اور اپنی مصلحتوں کے ذریعے سے نافذ کیے جا رہے تھے۔ بین الدین اور فرد و فروخت کے پرانے معاملات بند اور نئے اصلاح شدہ طریقے رائج ہو چکے تھے۔ عدالت کا مستقل ضابطہ بن گیا تھا۔ ملاح اور طلاق کے قوانین، ہمدردی، شریعی اور استیذان کے احکام اور زنا و عدوت کی سزاؤں جاری ہوئے۔ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی ایک خاص سانچے میں داخل ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کی نشست و برخاست، محل ہاں، کھانے پینے، وضع قطع اور پہنے ہوئے کے طریقے تک اپنی ایک مستقل شکل اختیار کر چکے تھے۔ اسلامی زندگی کی یہی مکمل صورت گری ہو جانے کے بعد غیر مسلم دنیا اس طرف سے قطعی بائیں ہو چکی تھی کہ یہ لوگ، جن کا اپنا ایک الگ تمدن بن چکا ہے پھر کبھی ان میں سے نہیں گئے۔

صلح مدینہ سے پہلے تک مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ وہ کفار قریش کے ساتھ ایک مسلسل کشمکش میں رہے ہوئے تھے اور انھیں اپنی دعوت کا دائرہ وسیع کرنے کی مصلحت سے ملتی تھی۔ اس رکاوٹ

کو حدیث کی نگاہ میں شکست اور حقیقی فتح نے دیکر دیا۔ اس سے ان کو نہ صرف یہ کہ نئی ہیبت کے مدد و دین میں  
میسر ہو گیا۔ بلکہ اتنی عظمت بھی مل گئی کہ گروہ پیش کے ملازمین اسلام کی دعوت کو ملے کہ میل بائیں چٹا بچاؤ  
اتحاد غنی ملے۔ یہی علم نے اہل ان عدم، محصور و محکوم بادشاہین و ملوکوں کو خود دیکھ کر کیا اور اس کے ساتھ  
یہ قیدیوں اور قرومیں مسلمانوں کے نامی خدا کے بندوں کو اس کے دین کی طرف ہونے کے لیے پھیل گئے۔

**مباحثہ** اہل مالات تھے جب سورہ آمدہ نازل ہوئی۔ یہ سورہ حبیب بن خزیمہ سے پیشے سے متعلق ہے:

۱) مسلمانوں کی معاہدہ، امتدادی و عیسائی فتنہ کی کے تعلق میں و احکام و ہدایات۔ اس سلسلہ میں شریعت کے  
آداب و مقرریے گئے۔ شہداء و شہداء کے احترام اور فرائض کبار سے ہم تعرض کا حکم دیا گیا، گمانے پینے کی پیروی  
میں حرام و حلال کے قطعی حدود قائم کیے گئے اور فروع و احکام کی خود ساختہ بندشوں کو توڑ دیا گیا، اہل کتاب کے  
ساتھ کھانے پینے اور لڑائی کی عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت دی گئی۔ دوسرے فروع و احکام کے ساتھ شریعت کے  
بقاوت اور فساد اور شرک و کفر میں امتین کی گئیں، قرطبہ اور ہونے کو قطعی حرام کر دیا گیا، قسم و دھوکے کا کفارہ مقرر  
کیا گیا، اور قانون شہادت میں مزید چند وضاحت کا اضافہ کیا گیا۔

۲) مسلمانوں کی نصیحت۔ اب جو کہ سلطان ایک کفر میں گروہ چکے تھے ان کے ہاتھ میں طاقت تھی  
جس کا نشہ قوموں کے لیے کٹر گراں کا سبب بنتا تھا، مظلومی کا دھوکہ فرائض پر تھا اور اس سے زیادہ سخت آواز  
کے اندر میں عدم دیکھ رہے تھے۔ اس لیے ان کو خطاب کرتے ہوئے ہمارا نصیحت کی گئی کہ بدل پر قائم رہیں،  
اپنے پیش و اہل کتاب کی روش سے ہمیں، اللہ کی الامانت و فرائض و احکام کی پیروی کا جو وعدہ  
انہوں نے کیا ہے اس پر ثابت قدم رہیں اور جو وعدہ خدا کی طرف اس کو توڑ کر اس انجام سے دوچار نہ ہوں جس  
دو دوچار ہوئے اپنے جملہ معاملات کے فیصلوں میں کتاب الہی کے پابند رہیں اور منافقت کی روش سے  
اجتناب کریں۔

۳) یہودیوں اور عیسائیوں کو نصیحت۔ یہودیوں کا زور اب ٹوٹ چکا تھا اور شہابی عرب کی تقریباً تمام  
یہودی بستیوں میں مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئی تھیں۔ اس موقع پر ان کو ایک بار پھر ان کے غلط رویہ پر تنبیہ کیا  
گیا اور انہیں ملوہ و دست پر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز جو کہ میل عہد عرب کی وجہ سے عرب اور متصل ممالک  
کی قوموں میں اسلام کی دعوت پھیلانے کا موقع مل گیا تھا اس لیے یہ مسلمانوں کو بھی تفصیل کے ساتھ خطاب  
کے کہ ان کے ساتھ کہ ملیحان برائی گئی ہیں اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ ہمسایہ  
ممالک میں جو جو قومیں پرست اور جو قومیں یمن مان کر اور دست خطاب نہیں کیا گیا، کیونکہ ان کی ہدایت  
کے۔ بہرہ خطبات کا نام تھے جہاں کے ہم مسلک مشرکین عرب کو خطاب کرتے ہوئے کو ہمیں نازل ہو چکے تھے۔

# آيَاتُهَا ۱۱۰ سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ رُكُوعَاتُهَا ۱۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آذِنُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ  
الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرِ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ

الْمَدَنِيَّةُ

اے ایمان لانے والو! بندشوں کی پوری پابندی کرو تمہارے لیے جو پیش کی قسم کے مطابق حلال  
کیے گئے، سوائے ان کے جو آگے مل کر تم کو پائے جائیں گے لیکن احرام کی حالت میں شکار کر لینے یہ حلال نہ کرنا

۱۔ یعنی تم کو حد و حدود پر پابندی کرو جو اس سورہ میں تحریر ہو چکی ہیں، اور جو باجموع خدا کی شریعت میں  
تحریر ہو چکی ہیں۔ اس فقرے کی تفسیر کے بعد ہی اس بندشوں کا بیان شروع ہوتا ہے جس کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے

۲۔ "انعام" اسم جنس کا صغریٰ زبان میں آؤٹ لگاتے، بیحد اور بکری پر بولا جاتا ہے۔ اقلیم کا اطلاق ہونے  
والے ہو جانے پر پڑتا ہے۔ اگر اڑتا ہے تو یہ فرمایا جاتا کہ انعام "تمہارے لیے حلال کیے گئے، تم اس سے صرف وہی چارہ دار  
حلال ہوتے جنہیں قرآن میں انعام کہتے ہیں۔ لیکن حکم ان انعام میں دیا گیا ہے کہ کوشش کی قسم کے چندہ چوپائے تحریر حلال کیے گئے۔  
اس سے معلوم ہو جاتا ہے اور وہ سب چندہ جانوروں کے دائرے میں آتے ہیں جو پیش کی ذیت کے ہیں، یعنی جو کچھ ان  
زندگیتے ہیں حیوانی غذا کے بجائے نباتی غذا کھاتے ہوں اور دوسری حیوانی خصوصیات میں انعام عرب سے مذکرت کیے ہوئے  
نیز اس سے اشارہ یہ بات بھی ترشح ہوتی ہے کہ وہ چوپائے جو پیش ہیں کے برعکس کچھ لیاں رکھتے ہوں اور دوسرے جانوروں کو  
ادھر رکھتے ہوں حلال نہیں ہیں۔ اسی اشارے کوئی مصلح طریقہ علم نے واضح کر کے حدیث میں صاف حکم دے دیا کہ دندے  
حرام ہیں۔ اسی طرح ضرر نہ ان پر نہ ہوں کو بھی حرام قرار دیا جس کے بچے ہوتے ہیں اور دوسرے جانوروں کا تشکار کھاتے  
اور عام دار خوار ہوتے ہیں۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کل ذی ناب من  
السماع وکل ذی مصلب من الطیر۔ دوسرے سند صحابہ سے بھی اس کی تائید میں روایات منقول ہیں۔

۳۔ "انعام" اس خبر کا پس کر کہتے ہیں جو ذیات کبر کے لیے پڑتا ہوتا ہے۔ کہہ دیکھ لو کہ کئی کئی منزل کے خاص  
ایک مددگار دی گئی ہے جس سے آگے بڑھنے کی گنجینہ کو کما جاتا نہیں جب تک کہ وہ اپنا معمولی لباس نہ کرے کہ احرام کا لباس  
نہیں لے۔ اس لباس میں عزت ایک تخت پر بیٹھا ہے ایک چادر جو اسے اندھ سی جاتی ہے۔ اسے احرام میں لے کر کھینچ کر  
اسے باندھنے کے بعد آدمی پرستی سے وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو عمری و عادت میں حلال ہیں، مثلاً جماعت، خوشبو، مسکن

إِنَّ اللَّهَ يَخْتَصُمُ مَا يَرِيدُ ۝ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا  
شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا شَهْرَ الْحَرَامِ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ

بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

اسے ایمان لانے والو! خدا پرستی کی نشانیوں کو بے حرمت نہ کرو۔ نہ حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال کر لو۔ نہ قربانی کے جانوروں پر دست درازی کرو، نہ ان جانوروں پر ہاتھ ڈالو جن کی گردنوں میں نذرخداوندی کی علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہوں، ہر قسم کی زینت و آرائش اور قضا و شہرت وغیرہ۔ اپنی پابندیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی جاندار کو ہلاک نہ کیا جائے، نہ شکار کیا جائے اور نہ کسی کو شکار کا پتہ بتایا جائے۔

۴ یعنی اللہ عالم مطلق ہے، اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے۔ بندوں کو اس کے احکام میں چون و چرا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگرچہ اس کے تمام احکام مکت و مصلحت پر مبنی ہیں، لیکن بندہ مسلم اس کے حکم کی اطاعت اور محبت سے نہیں کرتا کہ وہ اسے مناسب پاتا ہے یا اپنی برصورت سمجھتا ہے، بلکہ صرف اس بنا پر کرتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے جو جبرائیل و ام کو دی ہے وہ صرف اس لیے حرام ہے کہ اس نے حرام کر کے، اور اسی طرح جو اس نے حلال کر دی ہے وہ بھی کسی دوسری چیز پر نہیں بلکہ صرف اس بنا پر حلال ہے کہ جبرائیل و ام کو دیا گیا ہے کہ اس چیز کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ لہذا قرآن پر سے زور کے ساتھ یہ اصول قائم کرتا ہے کہ امتیاء کی حرمت و رحمت کے لیے اللہ کی اجازت و حکم ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی اللہ کی تعظیم و عزت نہیں، اور اسی طرح بندے کے لیے کسی کام کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مدار بھی اس کے ہوا اور نہ کوئی اللہ کی رضا جس کو جائز رکھے وہ جائز ہے اور جسے ناجائز قرار دے وہ ناجائز۔

۵ ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرز فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا شعار و نمائندگی کی علامت ہے اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے پرچم یا نمائندگی کے نشانات، حکومتوں کے شانزہیں اور وہ اپنے حکمرانوں سے، جگہ جگہ پر ان کا ذکر و پلے، اسے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں، مگر جہاں قربان گاہ اور صلیب عیسیت کے شانزہیں جڑی اور نرتر اور دھندلے رنگ کے شانزہیں ہیں، کیسے اور کتنا اللہ کی تعظیم وغیرہ کے شانزہیں ہیں، یہ تو اللہ اور روحانی اشتراکیت کا شعار ہے۔ سرمایہ کار اور نیل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیروں سے اپنے ان شانزہیں کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شانزہیں سے کسی شانزہیں کو توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ حلال اس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ توہین اپنے نظام سے اعتماد اور نفرت کا ہم معنی ہے۔

وَلَا آمِنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَ  
رِضْوَانًا وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ

نہ ان لوگوں کو چھیڑو جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکانِ محترم کعبہ کی طرف جا رہے ہوں۔ ہاں جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو شکار تم کر سکتے ہو۔ اور دیکھو، ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجدِ حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا

”شکارِ اشد“ سے مراد وہ تمام ملاقات یا نشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے بالمقابل خالص خدا پرستی کے ملک کی نمائندگی کرتی ہوں۔ ایسی ملاقات جہاں جس ملک اور جس نظام میں بھی پائی جائیں مسلمان ان کے احرام پر یا مسافری بشرطیکہ ان کو نفسیاتی پس منظر کا خالص خدا پرستانہ جو کسی شکر کا یا کفرانہ تعبیل کی آلودگی سے انہیں ناپاک نہ کر دیا گیا ہو۔ کوئی شخص خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اگر اپنے عقیدہ و عمل میں خدا سے قاعدگی، بندگی و عبادت کا کوئی پورا رکھتا ہے تو اس پر جو کی حد تک مسلمان اس سے موافقت کو اس کے احکامات و شرائط کا بھی پورا احترام کریں گے جو اس کے مذہب میں خالص خدا پرستی کی علامت ہوں۔ اس چیز میں ہماری اور اس کے درمیان نزاع نہیں بلکہ موافقت ہے۔ نزاع اگر ہے تو اس امر میں نہیں کہ وہ خدا کی بندگی کیوں کرتا ہے بلکہ اس امر میں ہے کہ وہ خدا کی بندگی کے ساتھ دوسری بندگیوں کی آمیزش کیوں کرتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ شکارِ اشد کے احرام کا یہ حکم اُس زمانہ میں دیا گیا تھا جبکہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جنگ برپا تھی، مگر پر مشرکین تاہن تھے، مگر جبکہ ہر حصے سے مشرک قبائل کے لوگ حج و زیارت کے لیے مکہ کی طرف جلتے تھے اور جنگ قبیلوں کے واسطے مسلمانوں کی زد میں تھے۔ اس وقت حکم دیا گیا کہ یہ لوگ مشرک ہی سہی، تنہا سے اور ان کے درمیان جنگ ہی سہی، مگر جب یہ خدا کے حکم کی طرف جلتے ہیں تو انہیں نہ چھیڑو، حج کے مہینوں میں ان پر حملہ نہ کرو، خدا کے حکم میں زندہ کرنے کے لیے جو جانور یہ لیے جا رہے ہوں ان پر ہاتھ نہ ڈالو، کیونکہ ان کے جوڑے جوستے مذہب میں خلا پرستی کا جتنا حساساتی ہے وہ بچاؤ اور احترام کا مستحق ہے نہ کہ بے احترامی کا۔

۷ شکارِ اشد کے احرام کا عام حکم دینے کے بعد چند شکار کا نام لے کر ان کے احرام کا خاص طور پر حکم دیا گیا کہ اس وقت جنگی حالات کی وجہ سے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ جنگ کے جوش میں کہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی توہین نہ ہو جائے۔ ان چند شکار کا نام یہاں دینے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ صرف یہی احرام کے مستحق ہیں۔

۸ احرام بھی من جہاں شکارِ اشد ہے، اور اس کی پابندیوں میں سے کسی پابندی کو توڑنا اس کی بے حرمتی کہلے۔ اس لیے شکارِ اشد ہی کے سلسلہ میں اس کا ذکر بھی کر دیا گیا کہ جب تک تم احرام بند ہو، شکارِ اشد خدا پرستی کے شان میں سے ایک شہد کی توہین کرنا ہے۔ البتہ جب ضروری تاہد کے مطابق احرام کی خدمت ہو جائے تو شکار کرنے کی اجازت ہے۔

فصل

۱۰

قَوْمٍ أَنْ صَدَّوْكُمْ عَنِ السَّبْعِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا  
عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَ  
لَحْمُ الْخَنَازِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ  
وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيغَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ

غصہ تمہیں آنا مشغل نہ کرے کہ تم یہی ان کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو نہیں! جو کام سنگی  
اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔  
اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے۔

تم ہر حرام کیا گیا شرار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور خدا کے سوا کسی اللہ کے نام پر ذبح  
کیا گیا سبز، وہ جو گلا گھٹ کر یا چوٹ کھا کر یا پسندی سے گر کر یا کھوکھا کر مرا ہوا یا جسے  
کسی درندے نے پھاٹا ہو۔۔۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا۔

۱۰ چہ چکر کھانے اس وقت مسلمانوں کو کبھی زیادت سے روک دیا تھا اور آپ کے قدیم دشمنوں کے نفرت و  
بھٹک مسلمان محروم کر دیے گئے تھے، اس لیے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو کافر قبیلوں کے ساتھ اسلامی تقریبات کے  
عرب سے گزرتے ہیں ان کو ہم بھی اس سے روک دیں اور ان کے ساتھ جو کافر قبیلوں کے ساتھ ہیں ان سے ہم نے شروع کر دیں گے اور ان کے  
نے یہ حکمت نازل فرما کہ ان میں سے اللہ سے باز رکھا۔  
۱۱ یعنی وہ جانور جو جلی موت مر گیا ہو۔

۱۲ یعنی جس کو ذبح کرتے وقت خدا کے سوا کسی اللہ کا نام لیا گیا ہو، یا جس کو ذبح کرنے سے پہلے یہ نیت کی گئی ہو کہ  
یہ ظان بزرگ و انھیں دی یا دیو کا کی غذا ہے۔ (ماخذ: محمد بن عبد البر و ما مشی علیہ)

۱۳ یعنی جو جانور ذبح ہوا اور اس میں سے کسی جانور کے لاشہ ہٹانے کے بعد مردانہ ہو کر کچھ یا کچھ ذبح کر لیا  
ہو یا جسے ہٹا دیا اس کو اگر ذبح کر لیا جائے تو اسے کھایا جاسکتا ہے۔ اس سے پہلے معلوم ہوا کہ حلال جانور کا گوشت صرف  
ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے، کوئی دوسرا طریقہ اس کو پاک کرنے کا صحیح نہیں ہے۔ یہ ذبح اور ذکاۃ اسلام کے اصولی مسئلے

## وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ

اور وہ کسی آستانے پر ذبح کیا گیا تو نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے جگر یا سونے کا ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو۔

۱۰۔ ان سے مولود حق کا اتنا حصہ لٹ ویں گے جس سے جیم کا خون اچھی طرح خارج ہو جائے جھٹکا کرنے یا گھر گھسنے یا کسی اور غیر سے ہاتھ دھو کر کھانے کا انتصاب نہ ہوتا ہے کہ خون کا بیشتر حصہ جیم کے اندر ہی رک کر کھانا ہے اور وہ جو جیم کو گارشت کے ساتھ چھٹ جاتا ہے۔ برکس میں سے ذبح کرنے کی صورت میں ذبح کے ساتھ جیم کا قلعہ دیکھ باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے رگڑ کا خون نکلیں گے یا ہوتا ہے اور اس طرح جیم کا گارشت خون سے صاف ہو جاتا ہے غریب کے حقوق بھی اسی پر ہی بہت گہرے ہیں کہ وہ حرام ہے، لہذا گارشت کے پاک ہونے پر ہی یہ فرمایا ہے کہ خون اس سے بہا ہو جائے۔

۱۱۔ اہل میں فلاں نصیب ہوتا ہے اس سے ملا وہ سب متعلقات ہیں جن کو غیر مذکور کی ذمہ داریاں نہ ہوتی ہیں۔  
۱۲۔ رگوں نے غرض کر رکھا ہو خواہ وہ ان کو کئی چھوڑا ہو یا کسی کی صورت ہو یا نہ ہو۔ ہماری زبان میں اس کا ہم میں متعلقات یا امتثال ہے جو کسی جنگ یا دھڑے کے کسی خاص لشکر یا فرقہ سے وابستہ ہو۔

۱۳۔ اس مقام پر یہ بات خوب سمجھنی چاہیے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں حرام، حلال کی جو تشریحات کی گئیں ہیں ان کی جاتی میں ان کی اصل بنیادوں پر یہ کہ حق فرائض یا تقاضات نہیں ہوتے بلکہ ان کے اخلاق فرائض تقاضات ہیں جہاں تک طبیعت اور کائنات سے اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانی کی اپنی جی تو اور کائنات میں جو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں کہ انسان کا اپنا کام کھانے پینے اور شادی سے کیا چیزیں اس کے جسم کو خدائے صانع ہم پر پڑھائے ہیں اور کیا چیزیں تقدیر کے لیے غیر مفید یا نقصان دہ ہیں شریعت ان امور میں اس کی رہنمائی کی ضرورت ہے نہ شریعت میں۔ اگر یہ کام اس نے اپنے ذمہ لیا تو سب سے پہلے سمجھنا کہ وہ ان کی آپ دیکھتے ہیں یہی کہ قرآن و حدیث میں اس کا بیان دوسرے مفادات و حکایت کا اور انسان کے لیے سنت و مکلف میں سمجھ سے کوئی ذکر نہیں ہے۔ شریعت خدا کے مصلحت میں چیز پر روشنی ڈالتی ہے وہ دراصل اس کا یہ ہے کہ کس خدا کا اعلان کے اخلاق پر کیا اثر ہوتا ہے اور کونسی نظامی طرارت نفس کے لحاظ سے کسی میں ماہ خدا حاصل کرنے کے طریقوں میں سے کونسا طریقہ عقائد و نظریات میں سے کونسا عقائد میں جو کس کی تشریح کرنا انسان کے میں میں نہیں ہے اور اسے دیانت کرنے کے خدا کی انسان کو تشریح نہیں ہیں اس کی بنیاد پر انسان نے کائنات میں امور میں تعلیم کی ہیں اس لیے شریعت صرف ان امور میں اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ جن چیزوں کو اس نے حرام کہے ہیں ان میں اس وجہ سے حرام کیا ہے کہ یا اخلاق پران کا بگاڑا ہے یا اخلاق و عادات کے خلاف ہیں، یا ان کا قلعہ کسی خاص فرقہ سے ہے۔ برکس میں اس کے میں چیزوں کو اس نے حلال کیا ہے ان کی ہمت کی وجہ سے کہ وہ ان کو ان میں سے کوئی بات مانی ہے۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ خدا نے ہم کو ان امور کی صورت کے دیکھ کر ان امور سے بچنے کا حکم نہیں دیا۔ ہاں اس کا جواب یہ ہے کہ ان امور کو سمجھنا ہم سے پہلے ممکن نہیں ہے۔ مثلاً یہ بات کہ حق یا حلال کے گوشت یا مردار کے کھانے سے ہماری



اتفاق صفات میں کیا غرایاں دونا ہوتی ہیں، کس قدر اور کس طرح ہوتی ہیں، اس کی تحقیق ہم کسی طرح نہیں کر سکتے کیونکہ اتفاق کو ناپنے اور توڑنے کے ذرائع ہمیں معلوم نہیں ہیں۔ اگر بالفرض ان کے رے اثرات کو بیان کر بھی دیا جاتا تو شبہ کرنے والا تقریباً ہی تمام پرہیزگاروں کا جو مقام پر وہاب ہے، کیونکہ وہ اس بیان کی صحت و عدم صحت کو آخر کس چیز سے جانچتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال کے حدود کی پابندی کا انحصار ایمان پر رکھ دیا ہے۔ جو شخص اس بات پر مطمئن ہو جائے کہ کتاب، اللہ کی کتاب ہے اور رسول اللہ کا رسول ہے اور اللہ تعالیٰ حکیم ہے وہ اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی کرے گا، خواہ ان کی مصلحت اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور جو شخص کس بنیادی عقیدہ پر ہی مطمئن نہ ہو اس کے لیے اس کے سرگواہی کا ہر جز میں کئی غرایاں انسانی علم کے احاطہ میں آگئی ہیں صرف اتنی سے پرہیز کر کے اللہ کی غلوں کا علمی احاطہ نہیں ہو سکا جہاں کے نقصانات کا تصور پیش کرتا ہے۔

۱۴۔ اس بات میں جس چیز کو حرام کیا گیا ہے اس کی تین بڑی قسمیں دنیا میں پائی جاتی ہیں، اولاً یہ کہ مکمل ان تینوں پر مباح

(۱) مشرک نہ فال گیری، جس میں کسی دیوی یا دیوتا سے قسمت کا فیصلہ کر چھا جاتا ہے یا فیب کی خبر دیانیت کی جاتی ہے یا باہمی نزاع کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مشرکین کہنے میں عرض کے لیے کہہ کہ اندیشہ میں دیوتا کے بت کو تصور کر رکھا تھا جس کا امتحان میں سات تیرو کے ہوتے تھے جن پر مختلف اتفاق اور فقرے کندہ تھے۔ کسی کام کے کہنے یا نہ کرنے کا سوال ہو، یا کھری ہو، چیز کو چھو، چمنا، یا غلوں کے مقدار کا فیصلہ مطلوب ہو، عرض کوئی کام بھی ہو اس کے لیے ٹیبل کے پاس دار صاحب تقدیر کے پاس پہنچ جاتے اس کا اندازہ پیش کرتے اور ٹیبل سے دانا نکلتے کہ عار سے اس معاملے کا فیصلہ کر دے۔ پھر پانچہ ادا ان تیروں کے ذریعہ سے فال نکالو، اور جو تیر بھی فال میں نکل آتا اس پر کچھ ہوتے فنڈ کو ٹیبل کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

(۲) تو جیڑ ستارہ فال گیری، جس میں زندگی کے مصالحت کا فیصلہ عقل و فکر سے کہنے کے بجائے کسی دیوی و دیانی چیز یا کسی اتفاقی شے کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے یا قسمت کا حال ایسے ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کا وسیلہ علم غیب ہر کسی علمی طوائف سے ثابت نہیں ہے۔ دلی، نجوم، جہر، مختلف قسم کے شگون اور جہر، اور فال گیری کے بے شمار طریقے اس صنف میں داخل ہیں۔

(۳) جوئے کی قسم کے وہ مادے کھیل اور کام میں مہیا کرنا کی قسم کا دوا و حقوق اور فضائل اور عقلی فیصلوں پر کہنے کے بجائے عقل کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے مثلاً یہ کہ لاشی میں اتفاقاً ظاہر شخص کا نام نکل آیا ہے لہذا ہزار ہا آدمیوں کی جیب سے نکلا ہوا وہ پیر اس ایک شخص کی جیب میں چھ جائے۔ یا یہ کہ علمی حیثیت سے تو ایک عمر کے بہت سے حل بھیجیں مگر افہام وہ شخص پائے گا جس کا حل کسی معقول کوشش کی بنا پر نہیں بلکہ عقلی اتفاق سے اس حل کے مطابق نکل آیا ہو جو صاحب عمر کے عند قدس میں نہ ہے۔

ان تین اقسام کو حرام کر دینے کے بعد قرعہ اندازی کی صفت وہ مادہ صحت اسلام میں جائز رکھی گئی ہے جس میں وہ ہزار کے جائز کاموں یا دوسرے کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا ہو۔ مثلاً ایک چیز پر دوا دمیوں کا حق جو حیثیت سے باطل ہو، نہ اسے افسار کرنے والے کے لیے اس میں سے کسی کو ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے اور خود ان دونوں میں سے کسی کوئی اپنا حق خود چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس صورت میں ان کی رضامندی سے قرعہ اندازی پر فیصلہ کا مدار رکھا جاسکتا

ذَلِكُمْ فَسُقِ الْيَوْمَ يَسَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا  
تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ  
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ

یہ سب افعال فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری یا اسی ہو چکی ہے لہذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے لہذا حرام و حلال کی جو قیود تم پر ماند کر دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو۔ البتہ شخص

یا شافہ دو کام یکساں درست ہیں اور عقلی حیثیت سے آدمی ان دونوں کے درمیان مذہب پر ہو گیا ہے کہ ان میں سے کس کو اختیار کرے۔ اس صورت میں ضرورت ہو تو قرع اندازی کی جا سکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہموم ایسے مواقع پر یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے جبکہ دواہر کے حق دادوں کے درمیان ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش آجاتی تھی اور آپ کے مذہب ہوتا تھا کہ اگر آپ فرمایا کہ ترجیح دیں گے تو دوسرے کو ملے گا۔

۱۵ آج سے مراد کوئی خاص وقت یا تاریخ نہیں ہے بلکہ وہ وقت یا زمانہ مراد ہے جس میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ ہماری زبان میں بھی آج کا لفظ زمانہ حال کے لیے عام طور پر بولا جاتا ہے۔

کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے ایسی ہو چکی ہے، یعنی اب تمہارا دین ایک متعلیٰ نظام بن چکا ہے اور خود اپنی حاکم زفانت کے ساتھ نافذ و قائم ہے۔ گناہ جو اب تک اس کے قیام میں رافع و مزامم وہے ہیں، اب اس طرف سے باہر ہر چکے ہیں کہ وہ اسے شامیں گے اور تمہیں پھر پہلی جاہلیت کی طرف واپس لے جائیں گے۔ لہذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو، یعنی اس دین کے احکام اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے میں اب کسی کافر طاقت کے غلبہ و قہر اور دلدازی و مزاحمت کا خطرہ تمہارے لیے باقی نہیں رہا ہے۔ انسانوں کے خوف کی اب کوئی وجہ نہیں رہی۔ اب تمہیں خدا سے ڈرنا چاہیے کہ اس کے احکام کی تعمیل میں اگر کوئی کوتاہی تم نے کی تو تمہارے پاس کوئی یا خداوند ہر گز کی بنا پر تمہارے ساتھ کچھ بھیڑی کی بجائے اب شریعت الہی کی خلاف ورزی کے مستحق نہیں ہوں گے کہ تم دوسروں کے اثر سے مجھوڑو، بلکہ اس کے صاف معنی ہوں گے کہ تم خدا کی اطاعت کرنا نہیں چاہتے۔

۱۶ دین کو مکمل کر دینے سے مراد اس کو ایک متعلیٰ نظام بن کر عمل انداز ایک یا مکمل نظام مذہبی و تمدنی بنانا یا جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصولی یا تنفیذی موجود ہو اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کسی حال میں



وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ  
اللَّهُ فُكُلُوا مِمَّا أَمْسَكَنَّ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ

اور جن شکاری جانوروں کو تم نے نہ دیا ہو۔ جن کو خدا کے دیے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم  
دیا کرتے ہو۔ وہ جس جانور کو تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس کو بھی تم کھا سکتے ہو البتہ اس پر اللہ کا نام

حرام سمجھیں۔ عمامہ میں قرآن نے حرام چیزوں کی تفصیل بتائی اور اس کے بعد یہ عام ہدایت دے کر چھوڑ دیا کہ ساری پاک چیزیں  
حلال ہیں۔ اس طرح قدیم مذہبی نظریہ بالکل اٹ گیا۔ قدیم نظریہ یہ تھا کہ سب کچھ حرام ہے مگر اس کے جسے حلال ٹھہرا جائے۔  
قرآن نے اس کے برعکس یہ اصول متروک کیا کہ سب کچھ حلال ہے مگر اس کے جس کی حرمت کی تصریح کر دی جائے۔ یہ ایک  
بہت بڑی اصلاح تھی جس نے انسانی زندگی کو بندشوں سے آزاد کر کے دنیا کی دستوں کا دھارنا اس کے لیے کھول دیا۔ پہلے  
حلت کے ایک چھوٹے سے دائرے کے سامنے ساری دنیا اس کے لیے حرام تھی۔ اب حوت کے ایک منفرے دائرے کو صرف  
کے سامنے دیا اس کے لیے حلال ہو گئی۔

حلال کے لیے پاک کی تینوں یہ لگائی کہ ناپاک چیزوں کو اس عام احاطہ کی دلیل سے حلال ٹھہرنے کی کوشش  
نہ کی جائے۔ اب ہر سوال کا اشیاء کے پاک ہونے کا تینوں کس طرح ہو گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیزیں اصولی طور پر  
کسی اصل کے ماتحت ناپاک قرار پائیں، یا جن چیزوں سے ذوقِ سلیم کو لذت کہے، یا جنہیں مذہبِ انسان نے باہم اپنے فطری  
احساسِ نفرت کے خلاف پایا یا برہان کے سامنے کچھ پاک ہے۔

۱۹ شکاری جانوروں سے ملاؤ گئے پتے ہلکے ہلکے اور تمام وہ دندے اور پرندے ہیں جن سے انسان شکار کی  
خدمت کرتا ہے۔ نہ جانے ہوتے جانور کی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ وہ جن کائنات کو کرتا ہے اسے عام دندوں کی طرح پھاڑ  
خسب کا ناپاک اپنے ناپاک کے لیے پکڑ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے عام دندوں کا پھاڑنا یا جانور حرام ہے اور نہ جانے  
دندوں کا شکار حلال۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر شکاری جانور نے غصا وہ دندہ یا پر  
شکاریوں سے کچھ کھایا تو وہ حرام ہو گا مگر کس کا کھانا یا پیسی رکھتا ہے کہ اس نے شکار کو ناپاک کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے  
پکڑا یہی مسلک امام شافعی کا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ گلوں نے شکاریوں سے کچھ کھایا یا برتب بھی وہ حرام نہیں بقا، چھوٹا  
اگر ایک تنہا ہی صحرایہ وہ کھائے تو بقیہ دو تنہا ہی حلال ہے اور اس صافے میں دندے اور پرندے کے درمیان کچھ فرق نہیں۔  
یہ مسلک امام مالک کا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ شکاری دندے نے اگر شکاریوں سے کھایا یا جو وہ حرام ہو گا لیکن اگر شکاری  
دندے نے کھایا یا جو وہ حرام نہ ہو گا مگر شکاری دندے کو ایسی تعلیم دی جا سکتی ہے کہ وہ شکار کو ناپاک کے لیے پکڑ کر کھائے

عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْحِسَابِ ۝ الْيَوْمَ  
أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيْبُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَالٌ  
لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلَالٌ لَهُمْ وَالْحُصْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

تھے تو اور اشرک کا قانون توڑنے سے ڈرو، اللہ کو حساب دیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے۔ اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں

اس میں سے کچھ نہ کھائے لیکن بقرب سے ثابت ہے کہ شکاری پرندہ ایسی تعلیم قبل نہیں کرتا کہ مسلک امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شکاری پرندے کا شکار سرے سے جائز ہی نہیں ہے کیونکہ اسے تعلیم سے یہ بات نہیں سکائی جا سکتی کہ شکار کو خود نہ کھائے بلکہ ایک کے لیے بکرا کرے

۲۰۰ مین شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت ہم اندر کو۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم نے غی میں اپنے مدبوس سے پوچھا کہ آیا میں گٹے کے ذریعہ سے شکار کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر اس کو چھوڑتے ہوئے تم نے اللہ کا نام لیا ہو تو کھادور نہ نہیں۔ اور اگر اس نے شکاری سے کچھ کھایا ہو تو نہ کھادو کیونکہ اس نے شکار کو دراصل اپنے لیے بکرا کرنا چاہا تھا اگرچہ شکار پر اپنا چھوڑا اور بعد میں دیکھوں کہ کوئی اور کھادو اور نہ وہ ہے؟ آپ نے جواب دیا اس شکار کو کھادو اس لیے کہ تم نے خدا کا نام اپنے کئے پر لیا تھا نہ کہ دوسرے کئے پر۔

اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے ہوئے خدا کا نام لینا ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر شکار زندہ رہے تو پھر خدا کا نام لے کر اسے ذبح کر لینا چاہیے اور اگر زندہ نہ رہے تو اس کے بغیر ہی وہ حلال ہوگا کیونکہ ابتداءً شکاری جانور کو اس پر چھوڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جا چکا تھا یہی حکم یہ کہہ رہا ہے۔

۲۰۱ اہل کتاب کے کھانے میں ان کا ذبیحہ بھی شامل ہے۔ ہمارے لیے ان کا دھواں کے لیے ہمارا کھانا حلال ہے نہ کہ مطلب یہ ہے کہ ہمارے اہل ان کے درمیان کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ اور کوئی چھوت پھات نہیں ہے۔ ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں بلکہ وہ ہمارے ساتھ۔ لیکن یہ عام اجازت دینے سے پہلے اس فقرے کا اعادہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب اگر باکی و طہارت کے ان قوانین کی پابندی نہ کریں جو شریعت کے قطع نظر سے ضروری ہیں، یا اگر ان کے کھانے میں حرام چیزیں شامل ہوں تو اس سے بریز کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر وہ خدا کا نام لینے بغیر کسی جانور کو ذبح کریں یا اس پر خدا کے سما کسی اور کا نام لیں، تو اسے کھانا ہمارے لیے جائز نہیں۔ اسی طرح اگر ان کے

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ  
أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفَحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ  
بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

یا اُن قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ابشر لیکہ تم ان کے مہر داد کر کے نکاح  
میں اُن کے محافظ بنو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے کو یا چوری چھپے آشنا بیاں کرو۔ اور جو کسی نے  
ایمان کی روش پر پلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت  
میں دیرالیدہ ہو گا۔

مترجمان پر مشابہت یا کوئی اور عام چیز جو قوم ان کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے۔

اہل کتاب کے ساتھ دوسرے غیر مسلموں کا بھی حکم ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جو اہل کتاب ہی کا ہمارے بھائی بننے  
خواہاں اس پر یا ہو رہے ہیں اہل کتاب، قرآن کے ہر ایک حصے کا ذکر کر رہے ہیں۔

۱۲۲ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ نکاح کی اجازت صرف انہی کی عورتوں سے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ شرط  
یہ لگا دی گئی ہے کہ وہ محصنات (غیر عورتیں) ہوں۔ اس حکم کی تفصیلات میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ اہل عباس کا  
خیال ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوں۔ رہے داد و الحرب اور دارالکفر کے یہود و نصاریٰ  
قرآن کی عورتوں سے نکاح کرنا درست نہیں۔ خلیفہ اس سے تھوڑا اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہودی ممالک کے اہل کتاب  
کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں ہے مگر مکروہ عذر ہے۔ بخلاف اس کے سید بن اشعث اور حسن بصری اس کے قائل ہیں  
کہ آیت اپنے حکم میں عام ہے لہذا ذاتی اور غیر ذاتی میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر محصنات کے مفہوم میں بھی فقہاء کے درمیان  
اختلاف ہے۔ حضرت عمر کے نزدیک اس سے مراد پاک دامن، عصمت مآب عورتیں ہیں اور اس بنا پر وہ اہل کتاب کی نافرمانی  
عورتوں کو اس اجازت سے خارج قرار دیتے ہیں یہی رائے حسن، ثقیف اور ابن عباس بھی تھے کہ یہی کہہ سکتا ہے۔  
بخلاف اس کے امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ یہاں یہ فقہاء و تفسیر کے متعلق ہوتا ہے، یعنی اس سے مراد اہل کتاب  
کی وہ عورتیں ہیں جو زندہ ہیں۔

۱۲۳ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دینے کے بعد یہ فقرہ اس لیے تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ  
جو شخص اس اجازت سے فائدہ اٹھائے وہ اپنے ایمان و اخلاق کی طرف سے ہوشیار رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کافر بھی کے  
حضور میں مبتلا ہو کر یا اس کے متاثرہ اعمال سے متاثر ہو کر وہ اپنے ایمان سے ہٹ کر دھو بیٹھے یا اخلاق و معاشرت میں بے پرواہی

لَا يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ  
وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ  
وَأَنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ  
أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَسْتُمْ عَلَى الْمَنَاسِكَ فَلَمْ تَجِدُوا  
مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ  
مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ

اے ایمان لانے والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کھینچو  
تک دھو لو، سرور پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔ اگر خواتین کی حالت میں ہو تو  
ہنا کر پاک ہو جاؤ۔ اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رقع حاجت کے  
آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو، بس اس پر ہاتھ مار کر  
اپنے منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔ اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ چاہتا ہے کہ  
پہلے پڑے ایمان کے منافی ہو۔

۲۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی جو تشریح فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ دھونے میں کلی کرنا  
اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے، بغیر اس کے منہ کے غسل کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اور کان جو کہ سر کا ایک حصہ ہیں اس پر  
سر کے سرخ میں کاڑی کے اندر فیہیہ روئی صوف کا سج بھی شامل ہے۔ نیز وضو شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھو لینے کا اور نیک  
جن ہاتھوں سے آدمی وضو کرنا یا ہجرت خود پہلے پاک ہوجائیں۔

۲۵۔ جناب خواجہ براہِ راست سے لے کر حق تعالیٰ پر یا خواب میں آتہ منویہ خارج ہونے کی وجہ سے اور ذرا منقول  
میں غسل واجب ہے۔ اس حالت میں غسل کے بغیر نہ پڑھنا یا قرآن کو ہاتھ لگانا مانوس نہیں۔ (مزیلہ تفسیرات کے لیے ملاحظہ  
سورۃ نساء، حاشیہ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶

لِيُكْفِرَ كُمْ وَلِيَتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ①  
وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الّذِي وَاتَّقُمُ بِهِ  
إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ  
الصُّدُورِ ② يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ  
شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ عَلَىٰ آلَا  
تَعْدِلُوا أَعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ  
بِمَا تَعْمَلُونَ ③ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

اللہ نے تم کو جو نعمت عطا کی ہے اس کا خیال رکھو اور اس پختہ عہد و پیمان کو نہ بھولو جو  
اس نے تم سے لیا ہے یعنی تمہارا یہ قول کہ تم ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی: اللہ سے ڈرو،  
اللہ دلوں کے راز تک جانتا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے  
اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا شغفل نہ کرے کہ انصاف سے  
پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خلافتی سے زیادہ مناسب رہتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو  
جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں،

۲۴۹ جس طرح پاکیزگی نفس ایک نعمت ہے اسی طرح پاکیزگی جسم بھی ایک نعمت ہے۔ انسان پائندگی نعمت اسی وقت

عمل ہو سکتی ہے جبکہ نفس و جسم دونوں کی طہارت و پاکیزگی کے لیے پوری ہدایت اسے مل جائے۔

۲۵۰ یہی نعمت کھندگی کی شاہ راہ ہے جس سے تمہارے لیے دشمنی کر دی اللہ پاک کی ہدایت و رہنمائی کے منصب پر تمہیں مقرر کیا۔

۲۵۱ غلط ہو سوتا، عاشرہ ۱۲۵، ۱۲۶۔



لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا  
بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ يَأْتِيهَا الَّذِينَ  
آمَنُوا أَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ  
يَبْسُطُونَ إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا اور انہیں بڑا اجر ملے گا۔  
تو وہ لوگ جو کفر کریں اور اللہ کی آیات کو جھٹلائیں تو وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔

اسے ایمان لانے والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے (ابھی حال میں) تم پر  
کیا ہے جبکہ ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے ان کے ہاتھ  
تم پر اٹھنے سے روک دیئے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پر  
بھروسہ کرنا چاہیے۔

۱۳۷ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جسے حضرت محمد امینؐ نے روایت کیا ہے کہ یہودیوں سے ایک  
گروہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص خاص صحابہ کو کمانے کی دعوت پر بلایا تھا اور خیرہ طور پر یہ سازش کی تھی کہ  
یہاں تک کہ پڑھ لکھنے والے اور اس طرح اسلام کی جان نکال دیں گے۔ لیکن میں وقت ہاشم کے فضل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کے اس سازش کا حال معلوم ہو گیا اور آپ دعوت پر تشریف نہ لے گئے چونکہ یہاں اسے خطاب کا لفظ بھی سرائیل کی طرف  
پھر رہا ہے اس لیے تنبیہ کے طور پر اس واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

یہاں سے جو تقریر شروع ہو رہی ہے اس کے دو مقصد ہیں۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس دوش پر چلنے سے ڈکا  
جائے جس پر ان کے پیش رو پہلے کتاب میں دے تھے چنانچہ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح تم سے عدلیہ لگیا گیا ہے اسی طرح  
ان ہی میں عدلیہ سرزد ہوئی ہے اور صحیح علیہ السلام کی امت سے بھی لیا جا چکا ہے۔ پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح وہ اپنے خدا کو توڑ کر  
مگر یہودیوں پر مبتلا ہوئے اسی طرح تم بھی اسے توڑ دو اور گمراہ ہو جاؤ۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہودیوں اور نصاریٰ دونوں کو ان کی  
ظہیوں پر متنبہ کیا جائے اور انہیں دین حق کی طرف دعوت دی جائے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَرْتُمْ أَوْهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کیے تھے اور ان سے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے نازل کر دوں گا

۳۱ فقیر کے معنی نگران اور تقیہ کش کہنے والے کے ہیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر قبیلہ پر ایک ایک نقیب خود اسی قبیلہ سے مقرر کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ ان کے حالات پر نظر رکھے اور ان میں اپنے نبی کا مذاق سے بچانے کی کوشش نہ کرتا رہے۔ بائبل کی کتاب نعتی میں بارہ سرداروں کا ذکر موجود ہے، مگر ان کی وہ حیثیت جو یہاں فقیر نقیب سے قرآن میں دیدیاں کی گئی ہے، بائبل کے بیان سے ظاہر نہیں ہوتی۔ بائبل انہیں صرف رئیسوں اور سرداروں کی حیثیت سے پیش کرتی ہے، اور قرآن ان کی حیثیت اخلاقی و دینی نگران کار کی قرار دیتا ہے۔

۳۲ بنی اسرائیل میں بھی میری طرف سے آئیں، ان کی دعوت پر اگر تم ایک کتے کو ان کی سر دے دے۔

۳۳ یعنی خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اس ایک ایک پائی کو، جو انسان اس کی راہ میں خرچ کرے، کئی گنے زیادہ انعام کے ساتھ واپس کرنے کا وعدہ فرماتا ہے، اس لیے قرآن میں، مگر جگہ جگہ خدا میں مال خرچ کرنے کو مقررین سے تیسر کر لیا گیا ہے۔ بشرطیکہ وہ چھ مقررین ہوں، یعنی جائزہ خزانے سے کمائی ہوئی دولت خرچ کی جائے، خدا کے قانون کے مطابق خرچ کی جائے اور غلوں و جنس نیت کے ساتھ خرچ کی جائے۔

۳۴ کسی سے اس کی برائیاں نازل کر دینے کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ راہ راست کو اختیار کرنے اور خدا کی ہدایت کے مطابق عمل کے صحیح طریقے پر چلنے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان کا نفس ہی بتائے گا کہ اس کا لازمی زندگی بہت سی فراہمیں سے پاک ہوتا چلا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس اصلاح کے باوجود اگر کوئی شخص بحیثیت مجرمی کمال کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکے اور وہ نہ کم برائیاں اس کے اندر باقی رہ جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان پر مواضع فرمائے گا اور ان کو اس کے صاحب سا خدا کرنے لگا، کیونکہ جس نے اس کی ہدایت اور دنیاوی اصلاح قبول کر لی، اس کی جرنی اور جہنمی

وَلَا دُخْلَ لَكُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ  
بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۳۵﴾ فِيمَا

اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، مگر اس کے بعد جس نے  
تم میں سے کفر کی روش اختیار کی تو درحقیقت اس نے سوا سبیل گم کر دی۔ پھر یہ ان کا

کاسب لینے میں اللہ تعالیٰ سخت گیر نہیں ہے۔

۳۵۔ یعنی اس نے سوا سبیل کو پاکر رکھ دیا اور وہ تباہی کے راستوں میں جنگ عظیم سراسیمہ کی طرح  
توسلہ و قتال کی شادمانہ کیفیت دکھاتا ہے مگر اس سے پہلے انہیں بتا دیا کہ یہ سبیل گم کر دی۔ پھر یہ ان کا  
کاسب لینے میں اللہ تعالیٰ سخت گیر نہیں ہے۔

اس منطقی صورت کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انسان کے لئے خود اپنی ذات ہی ایک عالم صغیر  
جس کے اندر بے شمار مختلف قوتیں اور ترقی پزیر خواہشیں ہیں، جذبات اور رجحانات ہیں، نفس اور جسم کے مختلف مطالبے  
ہیں، روح اور طبیعت کے مختلف تقاضے ہیں۔ پھر ان افراد کے لئے سے جو اجتماعی زندگی بنتی ہے وہ بھی بے حد حساب  
و سجدہ تعلقات سے مرکب ہوتی ہے اور تمدن و تہذیب کے نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی پیچیدگیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ پھر دنیا  
میں جو مابین زندگی انسان کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اس سے کام لینے اور اس کو انسانی تمدن میں استعمال کرنے کا سوال بھی  
انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے کثرت متلغ و رطلغ مسائل پیدا کرتا ہے۔

انسان اپنی کمزوری کی وجہ سے جس قدر سے عرصہ حیات پر ایک وقت ایک متوازن نظر نہیں ڈال سکتا اس بنا پر  
انسان اپنے لیے خود زندگی کا کوئی ایسا راستہ بھی نہیں بنا سکتا جس میں اس کی مادی قوتوں کے ساتھ انصاف ہو، اس کی  
تمام خواہشوں کا ٹھیک ٹھیک اظہار ہو جائے، اس کے ملکہ و جذبات و رجحانات میں توازن قائم ہو، اس کے سب  
اندرونی و بیرونی تقاضے تسامح کے ساتھ پورے ہوں، اس کی اجتماعی زندگی کے تمام مسائل کی مناسب حمایت ملحوظ ہو اور  
اس سب کا ایک ہم راہ و متناسب حل مل سکے، اور مادی اشیاء کو بھی شخصی اور تمدنی زندگی میں مدد، انصاف اور قربانی  
کے ساتھ استعمال کیا جاسکے۔ جب انسان خود اپنا رہنا اور اپنا شایع کرنا ہے تو حقیقت کے مختلف پہلوؤں میں سے کوئی  
ایک پہلو، زندگی کی ضرورتوں میں سے کوئی ایک ضرورت، مل طلب کمزوریوں سے کوئی ایک مسئلہ اس کے دماغ پر اس طرح مسلط  
ہو جاتا ہے کہ دوسرے پہلوؤں اور ضرورتوں اور مسکوں کے ساتھ وہ بالآخر بالآخر وہ بے اعتباری کرنے لگتا ہے۔ اور اس کی دوس  
راستے کے نزدیک سختی ناخوشی کے چلنے کا تجربہ ہوتا ہے کہ زندگی کا توازن جو رہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کسی ایک انتہائی طوط  
میری پہلے لگتی ہے پھر جب یہ میری چال اپنے آخری وعدہ پر پہنچتے پہنچتے انسان کے لیے ناخوشی و محنت ہر مانتی ہے تو



تَقْضِيهِمْ مِّثْلَ مَا قَتَلُوا لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ

اپنے مدد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔ اب ان کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں، جو تعلیم انہیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں، اور آئے دن تمہیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں۔ پس جب یہ اس حال کو پہنچ چکے ہیں تو جو شرارتیں بھی کریں وہ ان سے مین متوقع ہیں،

دعویٰ ( Thesis ) اُسے ایک سیدھ پر ہمارے جانتے، پھر اس کے جواب میں دوسرا دعویٰ ہی ( Antithesis ) اسے دوسری انتہائی طرف کیسے اور پھر دونوں کے امتزاج ( Synthesis ) سے امتزاجات کا راستہ بنے۔ حالانکہ حاصل یہ امتزاج کی راہ نہیں ہے بلکہ ہم نفسی کے دھکے ہیں جو انسانی زندگی کے صحیح ارتقا میں بار بار ملتے ہوئے ہیں۔ ہر امتزاج پسندانہ دعویٰ زندگی کو اس کے کسی ایک پہلو کی طرف مرکوز کرتا ہے اور اسے کیسے بے جا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ سوائس ہیل سے بہت دور جا پڑتی ہے تو خود زندگی ہی کی بعض دوسری قیمتیں، جن کے ساتھ بے انصافی ہو رہی تھی، اس کے خلاف بغاوت شروع کر دیتی ہیں اور یہ بغاوت ایک جمالی دھبے کی شکل اختیار کر کے اسے مخالفت مست میں کھینچنا شروع کرتی ہے۔ جو ہوں سوائس ہیل قریب آتی ہے ان متضادم دعوئوں کے درمیان معائنات ہونے لگتی ہے اور ان کے امتزاج سے دوسری دعوئیں آتی ہیں جو انسانی زندگی میں ناخوش ہیں۔ لیکن جب وہاں نہ سوائس ہیل کے نشانات دکھانے والی روشنی موجود ہوتی ہے اور نہ اس پر ثابت قدم رکھنے والا ایمان، تو وہ جمالی دعویٰ زندگی کی اس مقام پر پھینچنے نہیں دیتا بلکہ اپنے زعم میں اُسے دوسری جانب انتہا تک کھینچتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ پھر زندگی کی کچھ دوسری قیمتوں کی نفی شروع ہو جاتی ہے اور ان میں ایک دوسری بغاوت اُبھ کھڑی ہوتی ہے۔ اگر ان کم نظر نفسیوں تک قرآن کی روشنی پہنچ گئی ہوتی اور انہوں نے سوائس ہیل کو دیکھ لیا ہوتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انسان کے لیے امتزاج کا مسیح راستہ ہی سوائس ہیل ہے نہ کہ خلاصی کا ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف دھکے کھاتے ہرگز نہ۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعُصِيَّةِينَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا فَمَا ذَكَرُوا بِهٖ فَاغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۴﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ

لہذا انہیں معاف کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو، اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔

اسی طرح ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ حمد لیا تھا جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں، مگر ان کو بھی جو سب سے زیادہ کایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انہوں نے فراموش کر دیا، آخر کار ہم نے ان کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دشمنی اور آپس کے بغض و عناد کا بیج بو دیا، اور ضرور ایک وقت آئے گا جب اللہ انہیں بتائے گا کہ وہ دنیا میں کیا بناتے رہے ہیں۔

اسے اہل کتاب اہل اسلام کے پاس آگیا ہے جو کتاب الہی کی بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے کھول رہا ہے جن پر تم پر وہ ڈال کر تے تھے، اور بہت سی باتوں سے دو گندمی کر رہا تھا۔

۱۳۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ نصاریٰ کا لفظ ناموس سے اخذ ہے جو مسیح علیہ السلام کا وطن تھا۔ اصل اس کا لفظ نصرت ہے، اور اس کی بنا وہ قول ہے جو مسیح علیہ السلام کے سوال مِّنْ أَنْصَارِيَّیْنَ اَللّٰهُ (خدا کی راہ میں کون سے لڑیں گے) کے جواب میں عاریوں نے کہا تھا کہ اَنْصَارُہُمْ (ہم اللہ کے کام میں مددگار ہیں)۔ یہی اصل معنی ہے کہ عامومض شہرت دیکھ کر غلط فہمی کی نسبت کی ابتدائی تاریخ میں ناموس (Nazarenes) کے نام سے جاکر فرقہ پایا جاتا تھا اور جنہیں حقارت کے ساتھ ناموس اور یہی کہا جاتا تھا، انہی کے نام کو قرآن نے تمام یہودیوں کے لیے

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ  
مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ  
إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ لَقَدْ  
كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی حق ن کتاب جس کے ذریعے  
اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے  
اُن کو اندھیروں سے نکال کر بجائے کی طرف لاتا ہے اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔  
یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے۔ اے محمد! ان سے کہو کہ

استہمال کیا ہے۔ لیکن یہاں قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ انہوں نے خود کہا تھا کہ ہم تمہاری ہیں، اللہ ہی ظاہر ہے کہ یہ سائیں نے  
اپنا نام کبھی نامی نہیں رکھا۔

۳۷ صوفی تمہاری بعض عباداں اور دنیا تیں کو بل دیتا ہے جن کا کوئی دین حق کو قائم کرنے کے لیے آگیا ہے۔ وہ دین  
سے بچ کر پوئی اختیار کرتا ہے جن کے کھڑے کی کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہے۔

۳۸ سلامتی سے مراد غلط فہمی، غلط اندیشی اور غلط کاری سے بچنا اور اس کے نتائج سے محفوظ رہنا ہے۔ جو شخص  
اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی زندگی سے روشنی حاصل کرتا ہے اسے فکر و عمل کے ہر چہ رہا ہے پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس طرح  
ان غلطوں سے محفوظ رہے۔

۳۹ یہاں یوں نے ارتداد و مسیح کی شخصیت کو انسانیت اور الوہیت کا مرکب قرار دے کر جو غلطی کی تھی، اس کا توبہ کرنا  
کہ ان کے لیے مسیح کی حقیقت ایک عبادت کا رہنا تھی جسے ان کے علماء نے عقل اور قیاس و آرائی کی مدد سے مل کرنے کی جتنی کوشش  
کی اتنے ہی زیادہ الجھتے چلے گئے۔ ان میں سے جس کے ذہن پر اس مرکب شخصیت کے جوہر انسانی نے طبع کیا اس نے مسیح کے ابنِ بشر  
ہونے اور عین مستقل خداؤں میں سے ایک ہونے پر زور دیا۔ اور جس کے ذہن پر جزو الوہیت کا اثر زیادہ غالب ہوا اس نے مسیح کو  
اللہ قرار دے گا جس کی تصور و تصور دے کہ میں اللہ بنا دیا اور اللہ جو نے کسی حیثیت ہی سے مسیح کی عبادت کی۔ ان کے درمیان بڑی کی دہ  
جنہوں نے عبادت کی تھی ابھی انہوں نے سادہ انداز میں عقلی تفسیر میں غلطی کر کے پر صرف کر دیا جس سے مسیح کو انسان ہی کہا جائے گا نہ کہ  
ساتھ خدا ہی سمجھا جائے گا، خدا اللہ مسیح ایک ایک ہی ہوں اور ہر ایک بھی ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۃ نساء، حاشیہ ۲۳۲، ۲۳۳)

فَمَنْ يَسْلُكْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ  
ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ  
السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ  
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ١٦ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ  
أَبْنَاءُ اللَّهِ وَاجِبَاءُ ١٧ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ  
بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ يُغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ

اگر خدا مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اس کو اس ارادے سے باز رکھ سکے؟ اور تو زمین اور آسمانوں کا اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمانوں کے درمیان پائی جاتی ہیں، جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اس کی قدرت ہر چیز پر مادی ہے۔

یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چیتے ہیں۔ ان سے پوچھو پھر تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان خدا نے پیدا کیے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔

(۱۶-۱۷)

۱۶ اس قرعے میں ایک صلیب کا اشارہ ہے اس طرف کہ حضرت مسیح کی پہلی پیدائش اور ان کے انمولی گناہات اور ان کی معصیت کو دیکھ کر جو لوگ اس دعوے میں پڑ گئے کہ مسیح ہی خدا ہے وہ درحقیقت منکرات نادان ہیں۔ مسیح کو اللہ کے بے شمار عطا کردہ تخلیق میں سے صرف ایک نمونہ ہے جسے وہ کہہ کر ان صلیب اور گناہ کی نگاہ میں زندہ کیا گئیں۔ اگر ان لوگوں کی نگاہ کچھ وسیع ہوتی تو انہیں نظر آتا کہ اللہ نے اپنی تخلیق کے اس سے بھی زیادہ بہتر تخلیق کرنے پر پیش کیے ہیں اور اس کی قدرت کسی حد کے اندر محدود نہیں ہے پس یہ بڑی بے دانشی ہے کہ حقوق کے کمالات کو دیکھ کر کسی پر غافق ہونے کا گمان کر لیا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو



وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَلِيُّهُمُ النَّصِيرُ  
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ  
الرُّسُلِ أَنَّ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ  
جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵﴾  
وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ  
إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا ۖ وَآثَرْتُمْ بَوَاقِيَ الْأَرْضِ  
أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۲۶﴾ يُقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

زمین اور آسمان اور ان کی ساری موجودات اس کی ملک ہیں، اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔  
اسے پہلے کتاب! ہمارا یہ رسول ایسے وقت تمہارے پاس آیا ہے اور دین کی واضح تعلیم تمہیں  
نے رہا ہے جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک سنت سے بند تھا تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس  
کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ سو دیکھو اب وہ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا  
آگیا۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی اس نعمت کا  
خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کی تھی۔ میں نے تمہیں نبی پیدا کیے، تم کو فرماں دیا، بنایا، اور تم کو  
وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا۔ اسے براہِ ران قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ

جو خلق کے کلمات میں خالق کی نعمتِ شانِ حدت کے نشانات دیکھتے ہیں اور ان سے ایمان کا اعلان کرتے ہیں۔

۲۵ اس مرتبہ پر یہ قرآناتِ ملفیہ و لطیف ہے اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ خدا اپنے بشارت دینے والے اور  
ڈرانے والے جیسے ہر قادر تھا اسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خدمت پر مامور کیا ہے اور وہ ایسا کرنے پر قادر تھا۔ دوسرا  
مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اس بشیر و نذیر کی بات نہ مانی تو یاد رکھو کہ اللہ قادر و توانا ہے، ہر سر و سرورہ تمہیں دینا چاہے اور موت

الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا  
خُوسِرِينَ ﴿٢٦﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ ﴿٢٧﴾ وَإِنَّا لَن  
لَدَّخُلْهَا حَتَّىٰ يُخْرِجُوا مِنْهَا أَلَّا يُخْرِجُوا مِنْهَا فَإِنَّا نَدْخُلُونَ ﴿٢٨﴾  
قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمَا

جواز نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پڑو گے۔ انہوں نے  
جواب دیا۔ اے موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں، ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے  
جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ ہاں اگر وہ نکل گئے تو ہم داخل ہونے کے لیے تیار ہیں۔  
اُن ڈرنے والوں میں دو شخص ایسے بھی تھے جن کو اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا۔ انہوں نے کہا کہ  
وہ سکتا ہے۔

۴۵۶ اشارہ ہے بنی اسرائیل کی اس غفلت گذشتہ کی طرف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کسی نبی میں  
ان کا حال تھی۔ ایک طرف حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف جیسے جلیل القدر نبیوں کی قوم میں پیدا  
ہوئے۔ اور دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں وہاں کے بادشاہ مصر ان کو بڑا اتفاق نصیب ہوا۔ بہت عداوت  
یہی اس زمانہ کی مذہب دنیا کے بڑے فرما رہے تھے اور انہی کا سرحد اس کے دور میں وہاں تھا۔ عمر، لوگ بنی اسرائیل کے  
سورج کی تاریخ حضرت موسیٰ سے شروع کرتے ہیں، لیکن قرآن اس مقام پر تصریح کرتا ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل زمانہ شروع حضرت  
موسیٰ سے پہلے گزر چکا تھا جسے خود حضرت موسیٰ اپنی قوم کے سامنے اس کے شاندار امانی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔

۴۵۷ اس سے مراد اعلیٰوں کی سرزمین ہے جو حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کا مسکن رہ چکی تھی۔  
بنی اسرائیل جب مصر سے نکل آئے تو یہ سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نامزد فرمایا اور حکم دیا کہ جاکر اسے لے کر دو۔

۴۵۸ حضرت موسیٰ کی یہ تقریر اس موقع کی ہے جبکہ مصر سے نکلنے کے تقویٰ دو سال بعد اپنی قوم کو لے کر نئے  
دشتِ نخلان میں غیران تھے۔ یہ بیابان جزیرہ نما ہے سینا میں عرب کی شمالی اور اعلیٰوں کی طرفی سرحد سے متصل علاقہ ہے۔

۴۵۹ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ کہ وہ مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ لوگ جنہوں سے اللہ نے  
تھے ان کے درمیان سے دو شخص بول اُٹھے۔ دوسرا یہ کہ وہ لوگ خدا سے ڈرنے والے تھے یہی وہ دو شخصوں نے یہ

ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَارْجِعْكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ  
 وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٣٣﴾ قَالُوا يٰمُوسَى إِنَّا  
 لَنَنذِرُكَ أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاهْبُتْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا  
 إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي  
 فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٣٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا  
 مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيمُونَ فِي الْأَرْضِ

ان جہانوں کے مقابلہ میں دروازے کے اندر گھس جاؤ، جب تم اندر پہنچ جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اندر بھر دوسرے رکھو اگر تم مومن ہو، لیکن انہوں نے پھر کسی کما کماے موسیٰ! ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمہارا رب، دونوں جاؤ اور طوطا، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اس پر موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میرے افتخاریں کوئی نہیں مگر یا میری اپنی ذات یا میرا بھائی، پس تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کر دے۔ اللہ نے جواب دیا: اچھا تو وہ ملک چالیس سال تک سن پر حرام ہے، یہ زمین میں اسے اسے پھر کر کے

۴۶ اس قسم کی تفصیلات بائبل کی کتاب گنتی، ہستنا اور شمع میں ملیں گی۔ غور سے اس کا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے دشت فاولن سے بنی اسرائیل کے "سرمدوں کو فلسطین کا دورہ کرنے کے لیے بھیجا تاکہ وہاں کے حالات معلوم کر کے آئیں۔ یہ لوگ چالیس دن دورہ کر کے واپس آئے اور انہوں نے قوم کے قلع عام میں بیان کیا کہ واقعی وہاں درودھ اور شدید کی نوعیت ہیں۔ "لیکن جو لوگ وہاں بسے ہوئے ہیں وہ زعماء اور ہیں.... ہم اس لائق نہیں ہیں کہ ان لوگوں پر حملہ کریں..... وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے وہ سب جسے تھکا دیں اور ہم نے وہاں اپنی حقائق کو بھی دیکھا جو ہماری والد جمادات کی نسل سے ہیں اور ہم تو اپنی ہی نگاہیں ایسے تھے جیسے بٹھے ہوئے ہیں اور ایسے ہی ان کی نگاہیں تھیں۔" یہ بیان سن کر سلام علیحہ افسانہ کش ہم مصری میں مروا پائے ایک لاکھ اس بیابان ہی میں مرتے؛ خداوند کی یہ ہم کو





فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۵۱﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ  
ابْنِ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبَلُ مِنْ أَحَدِهِمَا  
وَلَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا  
يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۲﴾ لَكِن بَسَطَ إِلَى يَدِكَ

ان نافرمانوں کی حالت پر ہرگز حس نہ کھاؤ۔

اور ذرا انھیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست منادو۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس نے جواب دیا "اور تو متیقروں ہی کی نذیر قبول کرتا ہے اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے

کھسے بے جا کہ تمارے قتل کا تا چاہتا ہے، پھر تو ہمارے بیجاں اور مال بچے ٹوٹ کا مال نہیں گئے کیا ہمارے بیٹے ہتر  
دہر گا کہ ہم مصر کو رہیں چلے جائیں۔ پھر وہ آپس میں کئے گئے کہ تو ہم کسی کو اپنا سر دار بنالیں اور مصر کو روٹ چلیں۔ اس پر ان  
ہار سر داروں میں سے، جو فلسطین کے دورے پر بھیجے گئے تھے، دوسرا یہ شیخ اور کاب آٹھے اور انہوں نے اس کو بدلی ہو کر  
عامتہ کی کالٹنے کا "چلہم ایک دم ہا کر اس ملک پر قبضہ کر لیں، کیونکہ ہم اس قادی میں کہ اس پر تصرف کریں۔ پھر دونوں نے  
ایک زبان ہو کر کہا "اگر خدا ہم سے راضی رہے تو وہ ہم کو اس ملک میں پہنچائے گا..... فقط اتنا ہر حرکت خداوند سے جاوے نہ کرے  
اور اس ملک کو گورنر سے درو... اور جملہ سے ساتھ خداوند سے سواں کا خوف نہ کرے مگر قوم نے اس کا جواب یہ دیا کہ انہیں  
سنگسار کر دو تا کہ اراشد تعالیٰ کا غضب بڑھ کر اس نے فیصلہ فرمایا کہ اچھا اب یہ شیخ اللہ کا ایک سہارا اس قوم کے ہاتھ میں رہے گا  
کوئی بھی اس سرزمین میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ یہ قوم چالیس برس تک غافل پھرتی رہے گی یہاں تک کہ جب ان میں سے  
۴۰ برس سے لے کر پھر کی حرکت کا سب مرد مر جائیں گے اور نئی نسل جو ان کے گھر میں نہیں فلسطین فتح کرنے کا سوت دیا جائے گا۔  
چنانچہ اس نسل خداوند کی کے مطابق بنی اسرائیل کو رشتہ خاندان سے شرق اردن تک پہنچنے پہنچے پھر ۴۰ برس گئے۔ اس  
دوران میں وہ سب لوگ مر گئے جو بنی کی عرش مصر سے ملے تھے۔ شرق اردن فتح کرنے کے بعد حضرت موسیٰ کا بھی انتقال  
ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت یوشع بن نون کے عہد خلافت میں بنی اسرائیل اس قادی میں نہ گئے فلسطین فتح کر گئے۔

۵۱۔ یہاں اس واقعہ کا احوال دینے کی غرض سے اس نسل بیان پر ذکر کرنے سے ممانعت بھیجی جاتی ہے۔ قصہ بھیچا ہی

دہاں بنی اسرائیل کو چرنا متقدم ہے کہ کوئی کے نہ اس میں غفلت بنی اسرائیل اور اپنی ہی سے کام لے کر مزارعہ نہ ہائی

لَتَقْتُلُنِي مَا أَنَا بِأَسَاطِيْدِي إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ  
 اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٨﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبْذُرُوا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ فَتَكُونُ  
 مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ  
 نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٤٠﴾

اتھا اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، میں اللہ رب العالمین سے  
 ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی میٹھے لے لے دو غنی بن کر رہے۔ ظالموں  
 کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔ آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان  
 کر دیا اور وہ اسے مار کر اُن لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔

تھی، اب اس سے بہت زیادہ سخت سزا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں باخدا نہ دوش اختیار کر کے پاؤ گے۔

۳۸ یعنی تیری قربانی اگر قبول نہیں ہوتی تو میرے کسی قصور کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ تجھ پر  
 قہری نہیں ہے، لہذا میری جان لینے کے بجائے مجھ کو اپنے اندر قہری پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

۳۹ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے آئے گا تو میں باقاعدہ کرتے سامنے قتل ہونے  
 کے لیے بیٹھ جاؤں گا اور عافیت نہ کروں گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو میرے قتل کے واسطے ہوتا ہے تو میں تیرے قتل کے  
 واسطے نہ ہوں گا تو میرے قتل کی تدبیر میں گناہ ہے تو تجھے اختیار ہے، لیکن میں یہ جاننے کے بعد بھی کہ تو میرے قتل کی تیاریاں  
 کر رہا ہے، یہ کوشش نہ کروں گا کہ پہلے میں ہی تجھے مار ڈالوں۔ یہاں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ کسی شخص کا اپنے آپ کو خود قاتل  
 کے آگے پیش کر دینا اور ظالمانہ حکم کی مداخلت نہ کرنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ البتہ نیکی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میرے قتل کے واسطے  
 ہو اور میں جانتا ہوں کہ وہ میری گمات میں لگا ہوا ہے، تب بھی میں اس کے قتل کی فکر نہ کروں اور ایسی بات کو ترجیح دوں کہ  
 ظالمانہ اقدام اس کی طرف سے ہو نہ کہ میری طرف سے۔ یہی مطلب تھا اس بات کا جو آدم علیہ السلام کے اس نیک  
 بیٹے نے کہی۔

۴۰ یعنی بھلے اس کے کہ ایک دوسرے کے قتل کی سعی میں ہم دونوں گناہ گار ہیں، میں اس کو زیادہ بہتر  
 سمجھتا ہوں کہ دونوں گناہ نہ تھا تیرے ہی حصہ میں آجائے، تیرے اپنے ظالمانہ اقدام گناہ بھی، اور اس نقصان کا گناہ بھی  
 اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہوئے میرے ہاتھ سے مجھے بچ جائے۔

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِثُ  
سَوْمَةَ أَخِيهِ قَالَ يُوبُلُثَىٰ لِمَ أَجِزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ  
فَأُوَارِثُ سَوْمَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٦١﴾ مِنْ أَجْلِ  
ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ

پھر اللہ نے ایک کتا بھیجا جو زمین کو دھونے لگا تاکہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے  
پھیانے۔ یہ دیکھ کر وہ بولا افسوس مجھ پر! میں اس کو سہ جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی  
لاش پھیانے کی تدبیر نکال لیتا۔ اس کے بعد وہ اپنے کیے پر بہت پچھتا گیا۔

اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے

۵۱۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک کتے کے ذریعے آدم کے اس غلط کام پریشے کو اس کی حالت نادانی  
پر تنبیہ کیا، اور جب ایک مرتبہ اس کو اپنے نفس کی طرف توجہ کرنے کا موقع مل گیا تو اس کی خلافت صرف یہی بات تک محدود رہی  
کہ وہ لاش پھیانے کی تدبیر نکالنے میں کتے سے پیچھے کیوں نہ گیا، بلکہ اس کی یہ بھی احساس ہوئے کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر  
کتنی بڑی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ بعد کا فقرہ کہ وہ اپنے کیے پر پچھتا گیا، اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے۔

۵۲۔ یہاں اس واقعہ کا ذکر کرنے سے مقصد یہودیوں کو ان کی اس سازش پر پلٹنے پر توجہ دینا ہے کہ انہیں جو انہوں  
نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے کی تھی وہ حد جو اسی سورۃ کا ماحول ہے۔ دونوں واقعات  
میں مصائب کا نکلنا واضح ہے۔ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم ان کو قربیت کا وہ جو مظاہر کیا اور ان کو اس نے اہل کتاب کو رو  
ک دیا، اس امر سے مراد یہی ہے کہ ایک طرف تو قرآن تھا اور دوسری طرف تو قرآن نہ تھا۔ لیکن یہاں سے اس کے کہ وہ لوگ جنہیں روکیا گیا  
تھا، اپنے مردود ہونے کی وجہ پر جو حرکتیں انہوں نے تصور کی تھیں، ان کی کوئی کرنے پر مائل ہوتے ہیں ان کی وجہ سے وہ روکے گئے تھے، ان پر  
ٹھیک جیسا جہالت کا دورہ چڑھی جس میں آدم کا وہ غلط کام بڑا مسئلہ بن جاتا تھا، اور اسی کی طرح وہ ان لوگوں کے قتل پر آمادہ  
ہو گئے جنہیں خدا نے قربیت مظاہر کیا تھی۔ حالانکہ ظاہر تھا کہ ایسی عاجلانہ حرکتوں سے وہ خدا کے قبول نہ ہو سکتے تھے بلکہ  
یہ قوت انہیں اللہ کی یاد مردود بنادینے والے تھے۔

۵۳۔ میں جو حکمتیں میں نے ان کے اندر انہی صفات کے آثار پائے تھے جن کا انکار آدم کے من ظلم نے  
کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو تین نفس سے باز رہنے کی سمت تاکید کی تھی اور اپنے فرمان میں یہ الفاظ لکھے تھے۔



نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَانَ مَقْتَلِ النَّاسِ جَمِيعًا وَمَنْ  
أَحْيَاهَا فَكَانَ مَحْيَا النَّاسِ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولُنَا  
بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ كَثُرُوا مِنْهُمْ بِعَدَدِ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمْ يَسْأَلُوا  
لَنَا جَزَاءً وَالَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ

بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو  
قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی تھی۔ مگر ان کا  
مال یہ ہے کہ ہمارے رسول پہ در پہ ان کے پاس کئی کئی ہدایات لے کر آئے پھر ہم ان میں  
بکثرت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

جو لوگ اشد اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تنگ و دو کرتے

طرس ہے کہ روح جو بائبل پائی جاتی ہے وہ فرماں خداوندی کے ان حقیقی الفاظ سے خالی ہے۔ البتہ تمہاری یہ ذکر ہے  
کہ جس زمانے میں بنی اسرائیل کے تمام اعلیٰ طبقات کرتے تھے اس وقت یہ قاعدہ مقرر تھا کہ جب کسی قتل کے مقدمہ میں  
کوئی گواہ پیش ہو تا تو اس کی شہادت لینے سے پہلے قاضی اس کو اس نازک معاملہ میں شہادت کی ذمہ داری یاد دلاتے تھے  
ایک منظر قریب کرنا تھا اور بنی اسرائیل کی باتوں کے یہ بھی کہتا تھا کہ جو شخص ایک انسان کی جان ہلاک کرتا ہے وہ ایسی باتوں  
کا مستحق ہے کہ گویا اس نے دنیا بھر کے انسانوں کو قتل کیا ہے۔

۵۴۷ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں فرع انسانی کی زندگی کا ہر منظر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے  
انسان کی جان کا احترام موجود اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقا و تحفظ میں مددگار بننے کا ہر جہد رکھتا ہو۔ جو شخص  
واقع کسی کی جان قتل ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل جہاں انسانیت کے  
احترام سے بھر پور ہے اور وہی فرع کے جذبہ سے خالی ہے، النفاذ پر ہی انسانیت کا دشمن ہے کیونکہ اس کے اندر وہ صفت  
پائی جاتی ہے جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو وہی فرع کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے برعکس جو شخص انسان کی  
زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ حقیقت انسانیت کا حامی ہے کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر  
انسانیت کے بقا کا انحصار ہے۔

فَسَادًا أَنْ يَقْتُلُوا أَوْ يَصْلُبُوا أَوْ تُنْقَطَعُ أَيْدِيهِمْ وَأَجْزُلُهُمْ  
مَنْ خَلَا فِي أَوْ يَنْفُوا مِنْ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ  
فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۵۵  
الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ

پھرتے ہیں کہ فساد پر پا کریشن ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا ٹٹلی پر چٹائے جائیں، یا ان  
ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں۔ یہ نقت  
ورسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے۔  
مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔۔۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ

۵۵۵ زمین سے مراد یہاں وہ ملک یا وہ علاقہ ہے جس میں اس نظام قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت  
نے لے رکھی ہو۔ اور خدا و رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو سلام کی حکومت نے ملک  
میں قائم کر رکھا ہو۔ اضر قائلے کی مرضی یہ ہے اور اسی کے لیے اس نے اپنا رسول بھیجا تھا کہ زمین میں ایک ایسا صالح نظام قائم  
ہو جو انسان اور جان اور درخت اور ہر اس چیز کو جو زمین پر ہے اس سمجھ جائے جس کے تحت انسانیت اپنی فطرت کے کمال تک  
گہنچ سکے جس کے تحت زمین کے وسائل اس طرح استعمال کیے جائیں کہ وہ انسان کی ترقی میں مددگار ہوں نہ کہ اس کی تباہی  
برپا دیں۔ ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خواب کہنے کی سعی کرنا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے چلنے  
پر قتل و غارت اور بے رحمی و ذلت کی حد تک ہو یا بڑے چھانے پر اس صالح نظام کو اٹھنے اور اس کی جگہ کوئی خاص نظام قائم  
کر دینے کے لیے یہ وہاں ظالم اور اس کے رسول کے خلاف جنگ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تفرقات مذہبی ہرگز نہیں  
کوہ ہندوستان کی برطانوی حکومت کا تختہ اٹھنے کی کوشش کرے بادشاہ کے خلاف لڑائی (waging war against  
the king) کا لہر قرار دیا گیا، چاہے اس کی کال دعائی ملک کے کسی دودھا گزشتے میں ایک محولی پہاڑی  
کے خلاف ہی کی ہو اور بادشاہ اس کی دست دس سے کٹا ہی دودھ۔

۵۵۶ مختلف سرزمینیں پہلے اجماع بیان کر دی گئی ہیں تاکہ قاضی الامام وقت اپنے امتداد سے ہر مہم کو جس  
مہم کی ذمیت کے مطابق سزا دے۔ پہل تصور یہ ظاہر کرنا ہے کہ کسی شخص کا اسلامی حکومت کے اندر ہوتے ہوئے اسلامی نظام  
کو اٹھنے کی کوشش کرنا بدترین جرم ہے اور اسے ان آسانی سزاؤں میں سے کوئی سزا دی جا سکتی ہے۔

اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا  
اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ ۝

اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے

اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی جناب میں باریابی کا ذریعہ  
تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرو، شاید کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے۔

۵۵۵ ہجری مکہ میں فساد سے باز آئے ہیں اور صالح نظام کو دہم پرہم کرنے پائے کی کوشش چھوڑ چکے ہیں  
اور ان کا بدکار طرز عمل ثابت کر دیا، کہ وہ میں پسندیدہ طبع قانون اور نیک چلن انسان بن چکے ہیں، اساس کے بدلنے کے  
سبب برائم کا پتہ چلے قانون متون میں سے کوئی سزاؤں کو ردی جائے گی جہاں بیان ہوئی ہیں۔ ابستہ دہم کے حقوق پر اگر  
کوئی دست درازی انہوں نے کی تھی تو اس کی ذمہ داری ان پر سے ساقط ہو گئی۔ مثلاً اگر کسی انسان کو انہوں نے قتل کیا تھا یا  
کسی کو مال لیا تھا یا کوئی اور جرم انسانی جان بحال کے خلاف کیا تھا تو اس جرم کے بارے میں فوری مقدمہ ان پر قائم  
کیا جائے گا، لیکن نہایت اوجھڑی اور غلط و سرل کے خلاف جاریہ کوئی مقدمہ نہ چلایا جائے گا۔

۵۵۶ ہجری میں اس شدید کے غلبہ اور جوں و جو جس سے قہر کا تقرب حاصل کر کے اور اس کی رضا کو پہنچ سکے۔  
۵۵۹ ہجری میں زندہ جاوید کا استعمال فرمایا گیا ہے جس کا منہم صحت جدوجہد سے پوری طرح واضح نہیں ہوتا  
تھا، یہاں کا مقصد قیاسی تھا اور اس کا صحیح منہم یہ ہے کہ جو قریب اللہ کی راہ میں جہاد میں ہیں، جو تم کو خدا کی مرضی کے مطابق  
چلنے سے مدد کی اور اس کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہیں، جو تم کو پوری طرح خدا کا بندہ بن کر نہیں رہتے دین اور دین  
دینا یا کسی چیز کا بندہ بننے پر مجبور کرتی ہیں، ان کے خلاف اپنی تمام ممکن طاقتوں سے کشش اور جدوجہد کرو۔ اسی جہد  
پر تمہاری خارج دکانی اور غلا سے قہر کا تقرب کا انحصار ہے۔

اس طرح یہ آیت بندہ میں کوہر مخالف جو کبھی انسانی روئے کی ہدایت کرتی ہے۔ ایک طرف ایسے میں اور اس کا  
شیطان شکر ہے۔ دوسری طرف آدمی کا اپنا نفس اور اس کی کمرکش خواہشات ہیں۔ تیسری طرف غلا سے پہلے پہلے  
انسان میں جو کچھ آدنی ہر قسم کے معاشرتی، تمدنی اور مادی تعلقات میں زندہ جاوید ہے، جو حق طرف وہ غلط ہے،  
تمدنی اور سیاسی نظام میں جو غلا سے قہر قائم ہوئے ہیں اور ہندگی حق کے بجائے ہندگی باطل پر انسان کو مجبور کرتے  
ہیں۔ ان کے حریفہ مختلف ہیں، کسب کی ایک ہی کوشش ہے کہ آدمی۔ خدا کے بجائے اپنا طبع بنائیں۔ بحکومت، کسب  
آدمی کی ترقی کا اور تقرب خداوندی کے مقام تک اس کے عروج کا انحصار، بالکل اس پر ہے کہ وہ اس خدا کا طبع اور اخلاق  
کو کھلیں نہ کہ غلا سے اس کا بندہ بن جائے۔ لہذا اپنے قصور تک اس کا پہنچنا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ وہ ان تمام

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَن لَّهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوهُ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٣٠ يُرِيدُونَ أَن يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ٣١ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا

خوب جان لو کہ جن لوگوں نے کفر کا روئے اختیار کیا ہے، اگر ان کے قبضہ میں ماری زمین کی دودھ جواور تہی ہی اور اس کے ساتھ، اور وہ چاہیں کہ اسے خدیہ میں نہ کر دو قیامت کے عذاب سے بچ جائیں، تب بھی وہ ان سے قبول نہ کی جائے گی اور انہیں دردناک سزا مل کر رہے گی۔ وہ چاہیں گے کہ دوزخ کی آگ سے نکل بھاگیں مگر نہ نکل سکیں گے اور انہیں قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

درپور خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دئیے ان کی کمائی کا بدلہ ہے

مافق و مزاحم قوتوں کے خلاف ایک دقت جنگ آؤ، اب ہر دقت ہر حال میں امن کے نشکشی کتار ہے اور ان معاشی مسائل کو پامال کرنا ہر خدا کی ماہ میں بڑھتا چلا جائے۔

۱۷۔ دونوں بات نہیں بلکہ ایک بات تھی۔ اور امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ چل چوری پر یہ حد واجبہ لانا جائیگا۔  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ لا قطع علی خانیجہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ سر کا اطلاق خیانت و جرم  
پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اس فعل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے مال کو اس کی حفاظت سے نکال کر اپنے قبضہ میں کرے۔

[illegible]

لَكَ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يُرِيكَ حَكِيمٌ ۝ فَسَنُتَابُ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِمْ إِنْ اللَّهُ غَفُورٌ

اور اشدکی طرف سے جبر تا کہ سزا اشد کی حد سے زیادہ ہو جائے اور وہ قانون دینا ہے پھر وہ ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو اشد کی تعزیرات پھر اس پر پائل ہو جائے گی، اشد بہت حد تک راز کر کے نکالا

۱۲۰۰ء کے برسرِ وقت۔

[illegible]

۵۶۱ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا اذیت دلاتا ہوتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اذیت کتنے کے بعد جو شخص توبہ کرے اور اپنے نفس کو چوری سے پاک کر کے اذیت کا مایع بندہ بن جائے وہ اللہ کے غضب سے بچ جائے گا۔ اور اذیت اس کے واس سے اس مایع کو دھوئے گا لیکن اگر کسی شخص نے اذیت کھانے کے بعد بھی اپنے آپ کو بدترستی سے پاک نہ کیا اور وہی گندے جذبات اپنے اندر پھنسا لیے جس کی بنا پر اس نے چوری کی اور اس کا اذیت کانا گیا، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اذیت تو اس کے بدن سے جلا ہو گیا مگر چوری اس کے فطر میں بستر موجود رہی اس وجہ سے وہ خدا کے غضب کا ہی طرح مستحق رہا جس طرح اذیت کھنے سے پہلے قاتل ہی بے قرآن عید چور کہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ اللہ سے معافی مانگے اور اپنے نفس کی اصلاح کرے کیونکہ اذیت کانا تو انتقام قتل کے لیے ہے۔ اس مسئلے سے نفس پاک نہیں ہو سکتا۔

تَعْلِمُ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَعْلَمُ  
مَنْ يَّشَاءُ وَيُغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ  
يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يَسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ

اور رحم فرمانے والا ہے۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک ہے؟  
جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے، وہ ہر چیز کا اختیار رکھتا ہے۔

اے پیغمبر! تمہارے لیے باعثِ ہرج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی تیز گامی دکھا رہے ہیں۔

نفس کی پاکیزگی صرف توہ اور جماع الی اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث میں مذکور ہے کہ ایک چمکا  
ہاتھ جب آپ کے مکہ کے مطاہن کا نام چکا تو آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے فرمایا قل استغفر اللہ واثوب  
الیہ۔ مکہ میں خدا سے معافی چاہتا ہوں اور اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اس نے آپ کی تعین کے مطاہن پر انفاذ کے پھر اپنے  
اس کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہم ثب علیہ۔ خدا یا اسے معاف فرما دے۔

۵۶۲ یعنی جن کی ذہنی اور سرگرمیاں ساری کی ساری اس کو شش میں صرف ہو رہی ہیں کہ جاہلیت کی جو  
حالت پہلے سے چلی آ رہی ہے وہی برقرار رہے اور اسلام کی یہ اصلاحی رحمت اس کو بازو کو دوت کرنے میں کامیاب نہ ہونے  
پائے۔ یہ لوگ تمام فطرتی بندشوں سے آزاد ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر قسم کے رکیک سے رکیک چالیں چل رہے  
تھے۔ جان و بھروسہ حق پر غل رہے تھے۔ نہایت بے باکی و جسارت کے ساتھ جھوٹ، فریب، دغا و دھوکہ کے ہتھیاروں سے اس  
پاک انسان کے کام کو شکست دینے کی کوشش کر رہے تھے جو کمال بے مروتی کے ساتھ مسافرِ غیر خدای کی بنا  
پر عام انسانوں کی اور خود ان کی فلاح و بہبود کے لیے شب و روز محنت کر رہا تھا۔ ان کی ان حرکات کو دیکھ کر نبی صلی  
اللہ علیہ وسلم کا دل گڑبڑا تھا اور یہ گڑبڑا ہوا بالکل فطری امر تھا جب کسی پاکیزہ انسان کو پست اخلاق لوگوں سے ساتھ  
پیش آتا ہے اور وہ بعض اپنی جہالت اور خود مروتی و تنگ نظری کی بنا پر اس کی غیر خواہ نہ سماجی کام کو روکنے کے لیے  
گھٹیا درجہ کی چال بازیوں سے کام لیتے ہیں تو فطرۃً اس کا دل دکھتا ہی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشا یہ  
نہیں ہے کہ ان حرکات پر جو فطری رنج آپ کو ہوتا ہے وہ نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ منشا دراصل یہ ہے کہ اس سے آپ  
دل شکستہ نہ ہوں، ہمت نہ یاریں، صبر کے ساتھ زندگانِ خدا کی اصلاح کے لیے کام کیے چلے جائیں۔ وہ بے لوگ  
تو جس قسم کے ذلیل و خوار انہوں نے اپنے اندر پردہ پوش کیے ہیں ان کی بنا پر یہ روشیں ان سے عین متوقع ہے کوئی  
چیز ان کی اس روش میں خلاف توقع نہیں ہے۔

مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ  
وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ سَمْعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ  
لَمْ يَأْتُواكَ يُحَذِّقُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ  
أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا وَمَنِ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ

خواہ وہ اُن میں سے ہوں جو مومنہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے مگر دل اُن کے ایمان نہیں  
لائے۔ یا اُن میں سے ہوں جو یہودی بن گئے ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ جھوٹ کے لیے  
کان لگاتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کی خاطر جو تمہارے پاس کبھی نہیں آئے، بن گئے پتے  
پھرتے ہیں، کتاب اللہ کے الفاظ کو ان کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اہل معنی سے پھرتے  
ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو زانو نہیں توڑنا زجے اللہ ہی نے فتنہ میں

۶۱۳ اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک کہ یہ لوگ چونکہ خواہشات کے بند بن گئے ہیں اس لیے چٹائی سے  
نہیں کوئی دھجی نہیں ہے۔ جھوٹ ہی انہیں پسند آتا ہے اور اسی کو یہ جی لگا کر سنتے ہیں کیونکہ ان کے نفس کی پائپ لٹی  
جھتی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نئی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مجلسوں میں یہ جھوٹ کی عرض سے اگر شیعے ہیں تاکہ  
بیان جو کچھ دیکھیں اور جو باتیں سنیں ان کا نئے منہ پٹا کر یا ان کے ساتھ اپنی طرف سے نفا باؤں کی آئینہ کشی کے ساتھ  
اصول افوں کو بدنام کرنے کے لیے لوگوں میں پھیلائیں۔

۶۱۴ اس کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ جاسوس بن کر آتے ہیں اور نئی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مجلسوں  
میں جھپٹ گشت پھرتے ہیں کہ کوئی وار کلمات کان میں پڑے تو اسے آپ کے دشمنوں تک پہنچائیں۔ دوسرے یہ  
کہ جو ملے الاموات مانگنے اور انتظار پر دانا بن کر آنے کے لیے مراد فراہم کرتے پھرتے ہیں تاکہ اُن لوگوں میں بدگمانیاں  
اور ظالمیاں پھیلائیں جن کو نئی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے براہ راست تعلقات پیدا کرنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔

۶۱۵ یعنی قرآن کے احکام ان کی خواہشات کے مطابق نہیں ہیں۔ ان کے اندر جان بوجھ کر رد و بدل کرتے  
ہیں اور الفاظ کے معنی بدل کر منہ مانگے حکام ان سے نکالتے ہیں۔

۶۱۶ میں جاہل عوام سے کہتے ہیں کہ جو حکم ہم تمہارے ہیں مگر جو صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی حکم نہیں بتائیں تو  
اُسے قبول کرنا بدعت ہو کر رہتا۔

فَشَنَنْتُهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَعَنَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ  
فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثُونَ  
لِلْحَقِّ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ

ڈالنے کا ارادہ کر لیا جو اس کو اللہ کی گرفت سے بچانے کے لیے تم کچھ نہیں کر سکتے، یہ وہ  
لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا، ان کے لیے دنیا میں اور آخرت  
میں سخت سزا۔

یہ جھوٹ سننے والے اور حرام کے مال کھانے والے ہیں، لہذا اگر یہ تمہارے پاس اپنے مقدمات  
لے کر آئیں تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہو ان کا فیصلہ کر دو ورنہ انکار کر دو۔

۶۷ اللہ کی طرف سے کسی کے غم میں ڈالے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے ائمہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کے  
بڑے میلانات پر درپیش پاتے دیکھتا ہے اس کے سامنے بڑے بڑے ایسے مواقع آتا ہے جن میں اس کی سنت آزمائی جاتی  
ہے۔ اگر وہ شخص ایسی برائی کی طرف ہماری طرح نہیں جھکا ہے تو ان آزمائشوں سے سنبھل جاتا ہے اور اس کے اندر بھی کامنڈا  
کرنے کے لیے نیکی کی جو قوتیں موجود ہوتی ہیں وہ ابھرتی ہیں لیکن اگر وہ برائی کی طرف ہماری طرح جھک چکا ہوتا ہے۔ اور  
اس کی نیکی اس کی ہڈی سے اندھیری اندھ شکست کھا چکی ہوتی ہے تو ہر ایسی آزمائش کے موقع پر وہ اور زیادہ ہڈی کے پھندے  
میں پھنسا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا وہ ہفتہ ہے جس سے کسی بگڑتے ہوئے انسان کو بچا لینا اس کے کسی غیر خواہ کے  
بہرہ میں نہیں ہوتا۔ اہل اس فتنہ میں صرف انفرادی نہیں ڈالے جاتے بلکہ قومیں بھی ڈالی جاتی ہیں۔

۶۸ اس لیے کہ انہوں نے خود پاک ہونا نہ چاہا۔ جو خود پاکیزگی کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کے لیے کوشش  
کرتا ہے پاکیزگی سے محروم نہ کرنا اللہ کا دستور نہیں ہے۔ اللہ پاک کو نکاحی کو نہیں چاہتا جو خود پاک ہونا نہیں چاہتا۔

۶۹ یہاں خاص طور پر ان کے عقیدوں اور عقائد میں ان کی طرف اشارہ ہے جو جمہوری شادیوں کے لیے اور جمہوری  
دعاؤں میں ان کو ان لوگوں کے حق میں ماضیات کے خلاف بیٹھے کیا کرتے تھے جن سے انہیں دشمنیت پہنچ جاتی تھی یا  
جن کے ساتھ ان کے کما حقہ مفاد و وابستہ ہوتے تھے۔



وَلَنْ نُّعْرَضَ عَنْهُمْ فَلَئِنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَلَنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۳۷﴾ وَكَيْفَ يُحْكِمُوكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾

اٹھارہ کروڑ تو یہ تھا اور کچھ بجا نہیں سکتے، اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور یہ تمہیں کیسے حکم بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس قرآنہ موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے ٹوٹے ہوئے ہیں؟ اہل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

نیکہ یہودی اس وقت تک اسلامی حکومت کی بنیاد نہ دے سکا تھا کہ اس نے جیسے جیسے اسلامی حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات معاملات پر مبنی تھے۔ ان معاملات کی مدد سے یہودیوں کو اپنے آمدنی معاملات میں آزادی حاصل تھی اور ان کے مقدمات کے فیصلے بھی کے قوانین کے مطابق ان کے اپنے ہی کرتے تھے۔ یہی سلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یا آپ کے مقرر کردہ کامیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کے لیے وہ افراد نے قانون مجبور نہ تھے۔ لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے ان کا فیصلہ کرانے کے لیے یہی سلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یا اس کا پیروں آجاتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں ان کے لیے کوئی دوسرا حکم ہو اور اس طرح وہ اپنے مذہبی قانون کی پیروی سے بچ جائیں۔

یہاں خاص طور پر جن مقدموں کی طرف اشارہ ہے وہ یہ تھا کہ خیبر کے معزز یہودی غلامانندوں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔ قرآنہ کی رو سے ان کی سزا رجم تھی یعنی یہ کہ دونوں کو سنگسار کیا جائے۔ (استنباب ۲۲-۲۳)۔ آیت ۲۴-۲۵ لیکن یہودی اس سزا کو نافذ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس مقدمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بیچ دیا جائے۔ اگر وہ مع کے سزا کوئی اور حکم دیں تو قبول کر لیا جائے اور رجم کا حکم دیں تو نہ قبول کر لیا جائے۔ چنانچہ مقدمہ سچے سچے سامنے لایا گیا۔ آپ نے رجم کا حکم دیا۔ انھوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا۔ اس پر آپ نے پوچھا تمہارے مذہب میں اس کی کیا سزا ہے، انھوں نے کہا کوڑے مارنا اور خونہ کا لاکر کے گدھے پر سوار کرنا۔ آپ نے ان کے طلبہ کو قسم سے کہ ان سے پوچھا کیا قرآنہ میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کی یہی سزا ہے، انہوں نے پھر یہی چھوڑنا جواب دیا لیکن ان میں سے ایک شخص ابن مویہ جو خود یہودیوں کے بیان کے مطابق اپنے وقت میں

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا  
النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبِّينَ  
وَالْأَحْبَارَ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ

ہم نے تورۃ نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، جسے نبی، جو تسلیم تھے، اُسی کے مطابق  
ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اور اسی طرح ربانی اور انجیل بھی اُسی  
پر فیصلہ کا مدار رکھتے تھے، کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس

تورۃ کا سب سے بڑا عالم تھا، مامور رہا۔ اپنے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تجھے اس خدا کی قسم سے کہہ رہا ہوں جس نے  
تم لوگوں کو زمین سے بنایا اور پر قسین شریعت ظالمی کیا، واقعی تورۃ میں زنا کی ہی سزا لکھی ہے اس نے جو ہم دیا کہ  
"اگر آپ مجھے ایسی بیماری قسم نہ دیتے تو میں نہ جاتا۔" واقعہ یہ ہے کہ زنا کی سزا تو رحم ہی ہے مگر ہمارے ہاں جب زنا کی کثرت  
ہوئی تو ہمارے حکام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جسے لوگ نہا کرتے تو انہیں چھوڑ دیا جاتا اور پھر نئے لوگوں سے یہی حرکت  
سوزد ہوتی تو انہیں جکڑ دیا جاتا۔ پھر جب اس سے عوام میں نا ارضی پیدا ہونے لگی تو ہم نے تورۃ کے قانون کو بدل کر قیام دے  
بنایا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگانے ہائیں اور انہیں کوڑہ کا کر کے گدھے پر بٹھے کوڑہ مارا گیا جائے۔ اس کے بعد یہودیوں  
کے لیے کچھ کرنے کی گنجائش نہ رہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زانی اور زانیہ کو سنگسار کر دیا گیا۔

۱۔ اس آیت میں اشارہ تاملے فرمان لوگوں کی بددیانتی کو مائل ہے عقاب کر دیں۔ یہ مذہبی لوگ جنہوں نے  
تمام عرب پر اپنی ونداری ادا اپنے ملک کتاب کا سکھ مارا تھا، ان کی حالت یہ تھی کہ جس کتاب کو خود کتاب خدا مانتے تھے وہ  
جس پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے اس کے حکم کو چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا مقدمہ لائے تھے جن کے پیروں پر کھج  
ہو کہ شدت نکار تھا، اس سے وہ مائل فاش ہو گیا کہ یہ کسی چیز پر بھی صداقت کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے، دراصل ان کا  
جہان اپنے نفس اور اس کی خواہشات ہے، جسے کتاب خدا مانتے ہیں اس سے صرف اس لیے کوڑہ مروٹے ہیں کہ اس کا  
حکمان کے نفس کو ناگوار ہے اور جسے مصلحت جھوٹا مدعی نبوت کہتے ہیں اس کے پاس صرف اس پر ہر جانتے ہیں کہ  
قلیدہاں سے کوئی ایسا فیصلہ مائل ہو جائے جو ان کے منشا کے مطابق ہو۔

۲۔ یہاں غناس حقیقت پر بھی متبرک کر دیا گیا کہ انبیاء کے بت مسلم تھے، مصلحت اس کے پیروی مسلم  
سے ہمت کر اور فرہندی ہی جتنا ہو کہ صرف یہودی بن کر نہ گئے تھے۔

شَهِدَآءٌ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَخُشَوُا اللَّهَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَتِي ثَمَنًا  
 قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۴۶﴾  
 وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ  
 الْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأَذْنَ بِالْأَذْنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ  
 قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا  
 أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۷﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى  
 ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ

گواہ تھے پس (اے گروہ یہود!) تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو ذرا سے  
 معاوضے لے کر جینا چھوڑ دو جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں ہی کافر ہیں۔  
 توراۃ میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ  
 ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کے لیے  
 برابر کا بدلہ۔ پھر جو قصاص کا صدقہ کرے تو وہ اس کے لیے کفارہ بنتے۔ اور جو لوگ اللہ کے  
 نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا۔ توراۃ میں سے جو کچھ اس کے  
 سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں

۴۷ مقابل کے لیے ملاحظہ ہو توراۃ کی کتاب خروج باب ۲۱ - آیت ۲۳-۲۵۔

۴۸ یعنی جو شخص مدد کی نیت سے قصاص مانگ کرے اس کے حق میں یہ نیکی، اس کے بت سے گہروں کا  
 کنارہ پر جانے کی، اسی حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یا رشا ہے کہ من جرح فی جسدا لا جراحۃ فتصدق بها  
 کفر عند ذنوبہ بمثل ما تصدق بہ۔ یعنی جس کے جسم میں کوئی زخم لگایا اور اس نے معاف کر دیا تو جس

هُدًى وَ نُورٌ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَ هُدًى وَ  
 مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْأَيْمَنِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَ مَن لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اس کی تصدیق کرنے والی  
 تھی اور خدا ترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔ ہمارا حکم تھا کہ اہل ایمان اس قانون  
 کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے  
 مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

ادھر کہ یہ ساری جہاں اسی کے تقدیر اس کے گناہات کر دیے جائیں گے۔

اس میں صیح عیسا سلام کوئی یا نہ ہو گئے کہ نہیں آئے تھے بلکہ وہی ایک دین ہوتا تھا پچھلے انبیاء کا دین تھا عیسا  
 دین بھی تھا اور اسی کی طرف وہ دعوت دیتے تھے۔ قرآن کی اہل تعلیمات میں سے جو کچھ ان کے نماز میں محفوظ تھا اس کو صیح  
 خود بھی جانتے تھے اور انجیل بھی اس کی تصدیق کرتی تھی (ماظر جو متی باب ۵-آیت ۱۷-۱۸)۔ قرآن اس حقیقت کا گواہ  
 اعادہ کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے انبیاء دنیا کے کسی گوشے میں آئے ہیں ان میں سے کوئی بھی پچھلے انبیاء کی تردید کے لیے  
 اعلان کے کام کو شاکر اپنا مذہب چلانے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ ہر نئی اپنے پیشرو انبیاء کی تصدیق کرتا تھا اور اسی کام کو  
 فروغ دینے کے لیے آتا تھا جسے ان لوگوں نے ایک پاک حدیث کی حیثیت سے چھوڑا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کوئی کتاب  
 اپنی ہی پہلی کتابوں کی تردید کے لیے کسی چیز میں بھی جگہ اس کی ہر کتاب پچھلے آتی ہوئی کتابوں کی تردید اور معقوت تھی۔

اس میں اس قدر اشارہ تھا کہ ان لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں ان میں حکم  
 ثابت کیے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں، تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے  
 کہ جو انسان خدا کے حکم اور اس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ  
 کرتا ہے، وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اول اس کا یہ فیصلہ حکم خداوندی کے حکم کا اہم سنی ہے اور یہ کفر  
 ہے۔ ثانیاً اس کا یہ فیصلہ عدل و انصاف کے خلاف ہے، کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہو سکتا تھا وہ  
 خدا نے دے دیا تھا، اس لیے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔ تیسرے یہ کہ یہ نہ ہونے کے برابر  
 جب اس نے اپنے ملک کے قانون سے نفرت ہو کر اپنا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی و اطاعت  
 کے ماننے سے سبک دھرم نکالا اور ہیضہ ہے۔ یہ کفر اور ظلم اور فسق اپنی لامیت کے اعتبار سے الٰہی احکام اور حکم خدا



تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً  
وَمِنْهَا جَاوِزًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ

تمہارے پاس آیا ہے اس سے مومنہ موزکران کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ تمہنے  
تمہیں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔ اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو  
ایک امت بھی بنا سکتا تھا لیکن اس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے  
ذریعہ سے ذریعہ انسانی کو خدا کی گنا۔ فرق اگرچہ قہمات کا ہے ہر ایک ہی مقصد کے لیے مختلف مطالبوں کے خلاف  
مختلف طریقوں سے اختیار کی گئیں۔ پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالفت نہیں خود  
ہیں، تردید کرنے والی نہیں تصدیق کرنے والی ہیں۔ بلکہ اصل حقیقت اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک  
آل کتاب کے مختلف ایڈیشن ہیں۔

۷۹۔ اہل میں لفظ ”مُتَّبِعِينَ“ استعمال ہوا ہے۔ عربی میں ہیمن یعیمن ہیمنہ کے معنی محافظت نگہانی  
شہادت امانت اتنا یاد و رحایت کے ہیں۔ ہیمن الرجل الشئ، یعنی آدمی نے فلاں چیز کی حفاظت نگہانی کی۔  
ہیمن الطائر صلی فراخ، یعنی پرندے نے اپنے چوڑے کراپنے پرہوں میں لے کر محفوظ کر دیا۔ حضرت عمر نے ایک  
مرتد لوگوں سے کہا اے داح فہیمنوا، یعنی میں داکتا ہوں تم تائید میں آئیں کہو۔ اسی سے لفظ ہیمنان ہے جسے  
اُردو میں جیانی کہتے ہیں، یعنی وہ شخص جس میں اتنی اپنا مال رکھ کر محفوظ کرتا ہے۔ پس قرآن کو ”الکتاب“ پر ہیمن کہنے کا  
مطلب یہ ہے کہ اس نے ان تمام برق تعلیمات کو جو پچھلی کتب سانی میں دی گئی تھیں، اپنے اندر لے کر محفوظ کر دیا ہے۔  
وہ ان پر نگہبان ہے اس معنی میں کہ اب ان کی تعلیمات برحق کا کوئی حصر مانع نہ ہونے پائے گا۔ وہ ان کا مزید ہے اس معنی  
میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کا کلام جس حد تک موجود ہے قرآن ساس کی تصدیق موعی ہے۔ وہ ان پر گراہ ہے اس معنی  
میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کے کلام اور لوگوں کے کلام کی جو آمیزش ہو گئی ہے قرآن کی شہادت ساس کو پھر چھاننا  
جاسکتا ہے، جو کچھ ان میں قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام۔

۸۰۔ ایک مسئلہ مقررہ ہے جس سے مقصود ایک سوال کی توضیح کرنا ہے جو ارادہ کے سلسلہ تفریق کو سننے پر  
مطالب کے ذہن میں آجس پیدا کر سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب تمام انبیاء اور تمام کتابیں کا دین ایک ہے اور سب  
ایک دوسرے کی تصدیق قناید کرتے ہوئے آئے ہیں تو شریعت کی تفصیلات میں ان کے درمیان فرق کیوں ہے؟ کیا  
ہمت ہے کہ عبادت کی صورت میں عام اور محال کی تہودیں اور قوانین قدس و معاشرت کے فروغ میں مختلف انبیاء اور  
کتب سانی کی شریعتوں کے درمیان تنوع و امتیاز پایا جاسکتا ہے؟

فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا  
فَإِن تَنَادَوْا بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۖ وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ

اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ لہذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی  
کوشش کرو۔ آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتائے گا  
جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ پس اے محمد! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق  
۱۱۔ یہ مذکورہ بالا سوال کا پورا جواب ہے۔ اس جواب کی تفصیل یہ ہے:

(۱) محض اختلاف شرائع کو اس بات کی دلیل قرار دینا غلط ہے کہ یہ شریعتیں مختلف مانگنے سے اخذ اور مختلف شرائع  
سے ماہونی ہیں۔ دراصل وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے مختلف آدمیوں کے لئے مختلف نواز اور مختلف حالات میں مختلف  
۱۰۔ اہل مقرر فرمائے

(۲) بلاشبہ یہ ممکن تھا کہ شرعی سے عام انسانوں کے لیے ایک مناسبت مقرر کر کے سب کو ایک امت بنا دیا جاتا۔  
لیکن وہ فرق جو اللہ تعالیٰ نے مختلف ایسا کی شریعتوں کے درمیان رکھا اس کے اندر دوسری امت کی مصلحتوں کے ساتھ  
ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے لوگوں کی آزمائش کرنا چاہتا تھا۔ جو لوگ اہل دین اور اس کی دوز اور  
حققت کو سمجھتے ہیں اور دین میں ان شرائع کی حقیقی حیثیت کو سمجھتے ہیں اور کسی تعصب میں مبتلا نہیں ہیں وہ حق کو جس صورت  
میں بھی دے آئے گا پہچان میں گے اور قبول کر لیں گے۔ ان کو اللہ کے پیچھے ہونے والی احکام کی جگہ کے احکام تسلیم کرنے میں  
کوئی تامل نہ ہو گا۔ بھلائیوں اس کے جو لوگ مذہب دین سے بچا نہ ہیں اور ضوابط اور ان کی تفصیلات ہی کو اس دین سمجھ بیٹھے ہیں اور  
انہوں نے خدا کی طرف سے آئی ہوئی چیزوں پر خود اپنے مانتے پڑھا کر ان پر جو وہ تعصب اختیار کر لیا ہے وہ ہر قسم  
ایت کو رو کرتے چلے جائیں گے جو بعد میں خدا کی طرف سے آئے۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کو تیز کرنے کے لیے یہ آزمائش  
ضروری تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے شرائع میں اختلاف رکھا۔

(۳) تمام شرائع سے اہل مقصد نیکیوں اور بھلائیوں کو پاتا ہے اور وہ اسی طرح عامل ہو سکتی ہیں کہ جس وقت جو حکم  
وہاں اس کی پیروی کی جائے۔ فلذا جو لوگ اہل مقصد پر نگاہ رکھتے ہیں ان کے لیے شرائع کے اختلافات اور مانع کے  
نزدق پر جھگڑا کرنے کے بجائے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ مقصد کی طرف اس راہ سے تیز قدمی قدمی جس کو اللہ تعالیٰ کی منظور  
اصل ہو۔

(۴) یہ اختلافات انسانوں نے اپنے لیے جو تعصب، ہمت دھری اور ذہن کی بوجھ سے خود پیدا کر لیے ہیں ان کا اثر  
بے حد جلس مناظروں پر ہو سکتا ہے نہ میدان جنگ میں، آخری مصلحت اللہ تعالیٰ نے خود کرے گا جو کہ حقیقت ہے تعصب کی ہونگی

بِمَا أُنْزِلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ  
عَنْ بَعْضِ مَا أُنْزِلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا  
يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنْ كَثِيرًا  
مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿۳۱﴾ أَنْ حُكِمَ لِبَاحِلِيَّةٍ يَبْعُونَ  
وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۳۲﴾

ع

ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔ (اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اور لوگوں پر شکست ہو جائے گا کہ جن جھگڑوں میں وہ محرمی کھار کر دیا سے آئے ہیں ان کی ترمیمی حق کا جو کتنا قصور مال کے ماننے کی حد۔

۳۲۔ یہاں سے پھر وہی سلسلہ تکرار چل پڑتا ہے جو اوپر سے چلا آ رہا تھا۔

۳۳۔ جاہلیت کا ضد اسلام کے تقابلی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کہ نہ کہ اس کی طوٹ خدانے رہنمائی کی ہے جو تمام خائفان کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے نفرت ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا وہی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض ذہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بن پراناز نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرز عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اسے ہر حال جاہلیت ہی کا طریقہ عمل کہلاتا ہے۔ گاہ دوں اور دینورینیوں میں جیکم پڑ جایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہذا خدا کے دیے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظام زندگی اس جزوی علم کے ساتھ عقون وادام اور قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے بنایا گئے ہیں وہ بھی اسی طرح



وقف لازم  
عبرانی  
عبرانی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ  
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ  
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي  
قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ  
تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۖ فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ

اے ایمان لانے والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں  
ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی  
پھر ان ہی میں ہے، یقیناً اللہ قالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔

تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی میں دوڑ دھوپ  
کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں "ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہم کسی مصیبت کے چکر میں پھنس  
جائیں، مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشنے کا یا اپنی طرف سے کوئی اور بات  
"ہدایت کی تقریریں ہیں، آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تقریر میں آتے تھے۔

۵۷؎ اُس وقت تک عرب میں کفر اور اسلام کی کشمکش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ اسلام اپنے پیروں کی سرزنش  
کے بہت سے ایک طاقتور حکام کی مقابل کی طاقتیں بھی زبردست تھیں، اسلام کی فتح کا جیسا امکان تھا وہ عیسائی کفر کی  
فتح کا بھی تھا، اس لیے مسلمانوں میں جو لوگ منافق تھے وہ اسلامی جماعت میں رہتے ہوئے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ بھی  
رہنا پسند کرتے تھے تاکہ کشمکش اگر اسلام کی شکست پر ختم ہو تو ان کے لیے کوئی نہ کوئی جائے پناہ محفوظ رہے۔ علاوہ  
اس میں اس وقت عرب میں عیسائیوں اور یہودیوں کی سماجی قوت سے زیادہ تھی۔ ساہوکارانہ بیسزمنی کے ساتھ میں تھا جو کچھ  
بہتر میں سرپرستار و ادب غفلت کے تقاضے میں تھے۔ ان کی سرور خودی کا حال ہر طرف پسند ہوا تھا۔ لہذا سماجی مہذب کی  
بنیاد پر بھی یہ منافق لوگ ان کے ساتھ اپنے سابق تعلقات برقرار رکھنے کے خواہش مند تھے۔ ان کا گمان تھا کہ اگر اسلام کا کفر  
کی کس کشمکش میں بہتر نہ ہو تو کم از کم ان سب قوموں سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے ہیں کہ ساتھ اسلام اس وقت بہتر  
یہ کار ہے تو فیصلہ سیاسی اور سماجی دونوں حیثیتوں سے ہمارے لیے خطرناک ہو گا۔

عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنْفُسِهِمْ مُدْمِنِينَ ﴿٥٨﴾  
 وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَهْمُوا بِاللهِ جَهْدَ  
 آيَاتِهِمْ إِنَّهُمْ لَسَعَمَ حَوَّلَتْ أَعْمَالَهُمْ فَاصْبِرُوا خَيْرَ بَيْنِ  
 يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ يُزْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِمْ فَسَوْفَ  
 يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
 أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ

ظاہر کرتے گا تو یہ لوگ اپنے اس نفاق پر جسے یہ دلوں میں پھیلے ہوئے ہیں نادیم ہوں گے  
 اور اس وقت اہل ایمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں  
 کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ — ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور  
 آخر کار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہتے۔

اے ایمان لانے والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے یوں سے ہجرت کرے (تو پھر جانے)  
 اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کرے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا  
 جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور

۵۵۵ یعنی بعد از رخ سے کم تر وہ کی کئی ایسی چیز جس سے سزاؤں کے تین ہونے کی احکام کا تعلق  
 فیصلہ اسلام ہی کے تقدس پر گا۔

۵۵۶ یعنی یہ کہ انہوں نے اسلام کی دعوت میں کیا، غازی پڑھیں، دوزخ کے، ذرۃ دی جہنم شوک  
 ہوتے، قرآن میں اسلام کی افادت کی، یہ سب کہ اس بنا پر مقرر ہو گیا کہ اس کے دلوں میں اسلام کے لیے غرض نہ تھا اور  
 کثرت صرف ایک خدا کے ہو کر رہ گئے تھے بلکہ اپنی دنیا کی خاطر انہوں نے اپنے آپ کو خدا اور اس کے ماضیوں کے صحابہ  
 اور اعداؤں کا ہاتھ رکھا تھا۔

لَا يَخَافُونَ كُومَةَ لَدَيْهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ  
 تَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۶﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
 وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ  
 الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۵۷﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
 وَالَّذِينَ اٰمَنُوا فَاِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿۵۸﴾

ع ۱۲

کسی طاقت کرنے والے کی طاقت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے  
 عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسول اللہ و اہل ایمان ہیں، نماز قائم کرتے  
 ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان  
 کو اپنا رفیق بنالے اُسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے یا

۵۵۔ مومنوں پر نرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ایمان کے مقابلے میں اپنی طاقت کسی استعمال نہ کرے۔  
 اُس کی وفات، اس کی بیماری، اس کی قابلیت، اس کا سرخ و اثر، اس کا مال، اس کا جانی زور، کوئی چیز بھی مسلمانوں کو ہٹانے  
 اور نقصان پہنچانے کے لیے نہ ہو۔ مسلمان اپنے درمیان اس کو ہمیشہ ایک نرم و خورم دل، ہمدرد اور ملیم انسان ہی چاہتا  
 ہے۔ مگر اپنی طاقت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن دوسرے اپنے ایمان کی پہنکی، دینداری کے غلوں، اصول کی مضبوطی  
 پرست کی طاقت اور ایمانی فرست کی وجہ سے مخالفین اسلام کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کے مانند ہو کر کسی طرح اپنے مقام سے  
 ہٹا یا نہ جاسکے۔ وہ اسے کبھی مومن کی ناک و نرم چارہ نہ پائیں۔ انہیں جب بھی اس سے سابقہ پیش آئے اس پر یہ ثابت  
 ہو جائے کہ یہ اللہ کا بندہ مر سکتا ہے مگر کسی قیمت پر یک نہیں سکتا اور کسی دباؤ سے دب نہیں سکتا۔

۵۶۔ یعنی اللہ کے دین کی پیروی کرنے میں، اُس کے احکام پر عمل درآمد کرنے میں، اور اس دین کی مدد سے جو کچھ  
 حق ہے اُسے حق ہو کر کچھ باطل ہے اُسے باطل سمجھیں، انہیں کوئی باک نہ ہوگا کسی کی مخالفت، کسی کی حق شناسی کسی کے اعتراض  
 اور کسی کی پستیوں اور آوازوں کی وجہ سے نہ کرے گا۔ اگر رائے عام اسلام کی مخالفت ہو اور اسلام کے طریقے پر چلنے کے  
 معنی اپنے آپ کو دنیا بھری کوتاہی لینے کے معنی ہیں تب بھی وہ اسی راہ پر چلیں گے جسے وہ دل سے حق جانتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا  
وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءُ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ  
اتَّخِذُوا هَٰهُنَا وَلَٰعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝  
قُلْ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمَّا يَٰ اللَّهُ  
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ۝  
قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةٍ عِنْدَ اللَّهِ

لے ایمان لانے والو! تمہارے پیش رو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنایا ہے، انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ! تم سے دُور اگر تم مومن ہو جب تم نماز کے لیے منادی کرتے ہو تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور اس سے کھیلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔ ان سے کہو، اے اہل کتاب! تم جس بات پر ہم مجھ سے بدوہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم اللہ پر اور دین کی اس تعلیم پر ایمان لے آئے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور ہم سے پہلے بھی نازل ہوئی تھی، اور تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں، پھر کہو کیا میں ان لوگوں کی نشان دہی کروں جن کا انجام خدا کے ہاں فاسقوں کے انجام سے بھی بدتر ہے؟

۴۸۹ یعنی اذان کی آواز سن کر اس کی نقیصہ اُتارتے ہیں، مسخر کے لیے اس کے الفاظ بولتے اور سچ کہتے ہیں اور اس پر آواز دے کتے ہیں۔

۴۹۰ یعنی ان کی یہ حرکتیں محض بے عقلی کا نتیجہ ہیں۔ اگر وہ جہالت اور نادانی میں مبتلا نہ ہوتے تو مسلمانوں سے انہیں اختلاف رکھنے کے اور جہالتی خفیت حرکات ان سے سرزد نہ ہوتیں۔ آخر کوں عقلی آدمی یہ پسند کر سکتا ہے کہ جب کوئی گروہ خدا کی عبادت کے لیے منادی کرے تو اس کا مذاق اُٹایا جائے۔

مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَادَةَ  
وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ  
عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ  
دَخَلُوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا  
يَكْتُمُونَ ۝ وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ  
وَآكُلِيهِمُ الشَّعْتِ لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ  
وَالْأَحْبَابُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ

وہ جن پر خدا نے لعنت کی جن پر اس کا غضب ٹوٹا جن میں سے ہند اور سور بنائے گئے جنہوں نے  
طاغوت کی بندگی کی۔ اُن کا درجہ اور بھی زیادہ بُرا ہے اور وہ سوارِ سبیل سے بہت زیادہ بھگتے ہوئے ہیں  
جب یہ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، حالانکہ کفریے ہوئے  
آئے تھے اور کفر ہی لیے ہوئے واپس گئے اور اشد خوب ہانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں  
چھپاتے ہوئے ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم و زیادتی کے  
کاموں میں دوڑ دوڑھوپ کرتے پھرتے ہیں اور حرام کے مال کھاتے ہیں۔ بہت بُری حرکات  
ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ کیوں ان کے علماء اور مشائخ انہیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام

۹۱۔ یعنی اشارہ ہے خود یہ دلوں کی طرف، جن کی اپنی تائید یہ کہہ رہی ہے کہ بارگاہِ خدا کے غضبِ عداوت  
کی لعنت میں مبتلا ہوئے، بہت کا قانونِ قہر نے پران کی قوم کے بہت سے لوگوں کی عمدتیں سب جو ہیں، حتیٰ کہ وہ تنزل کی  
اس انتہا کو پہنچے کہ طاغوت کی بندگی تک انہیں نصیب ہوئی ہیں۔ کئے کا مطلب ہے کہ اگر خود تمہاری بے جانی اور مجرمانہ  
بے باکی کی کوئی حد بھی ہے کہ خود حق و جودِ خدا تعالیٰ انھیں تنزل میں مبتلا ہوا اور کوئی دوسرا گروہ غلامِ بایں ان کو کچھ  
دینداری کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کے نیچے ہاتھ دھو کر پڑھاتے ہو۔

أَكْمَلَهُمُ الشُّعْتَ لِبَشَرٍ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ  
الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُوبَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلِعُنُوا بِمَا قَالُوا  
بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا  
مِّنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَ

کھانے سے نہیں روکتے، یقیناً بہت ہی بُرا کارنامہ زندگی ہے جو وہ تیار کر رہے ہیں۔  
یہودی کہتے ہیں اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ہاتھ دے گئے ان کے ہاتھ،  
اور سنت پڑی ان پر اس کی بدولت جو یہ کرتے ہیں۔ اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں،  
جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو کلام تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ ان میں سے  
اکثر لوگوں کی سرکشی و باطل پرستی میں اُسے امانت کا موجب بن گیا ہے، اور (اس کی پاداش میں)

۹۲؎ عربی حاور سے کے مطابق کسی کے ہاتھ بندھے ہوئے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بغل ہے، عطا اور  
بخشش سے اس کا اتنا کلام ہے۔ پس یہودیوں کے قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقعی اللہ کے ہاتھ بندھے  
ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ بغل ہے، چونکہ صدیوں سے یہودی قوم ذلت و کبت کی حالت میں بتلاشی اور اس کی گستا  
خانی میں ایک افتادہ پارٹین کر رہی تھی جس کے پیر و پادشاهوں نے کافر کی ہمارا نہیں نظر آتا تھا اس لیے ہمارے  
قوی مصائب پر ماتم کرتے تھے اس قوم کے امانت لگے یہودی قہر لگا کرتے تھے کہ مافاذا اللہ تو بڑا بڑا ہے اس کے  
اُخوانے کا موٹہ بند ہے، ہمیں دینے کے لیے اب اس کے پاس آفات اور مصائب کے سوا اور کچھ نہیں رہا، بات کہ یہودیوں  
کیک ہی حدود نہیں، دوسری قوموں کے جہہ کا بھی یہی حال ہے کہ جب ان پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو وہ ان کی طرف رجوع  
کرنے کے بجائے وہ مل جل کر اس قسم کی گستاخانہ باتیں کیا کرتے ہیں۔

۹۳؎ عربی بغل میں یہ خود بتلا ہیں۔ دنیا میں اپنے جملہ اہل ایمانی تنگنالی کے لیے غریب اہل ایمان کے ہیں۔

۹۴؎ عربی میں اس قسم کی گستاخانہ باتیں جو قومیں کرتی ہیں کہ خدا ان پر مہربان ہو جائے اور ان کی باتیں  
کھنڈے گئے تو یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ بلکہ ان باتوں کا اٹنا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کی نظیر حیات سے اشد زیادہ محروم اور اس کی

الْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ كُلَّمَا  
 أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۖ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ  
 فَسَادًا ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ  
 آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ  
 النَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْبَةَ وَالْإِحْسَانَ لَمَا  
 أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمُ مِنَ رَبِّهِمْ لَآكِلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے۔ جب کبھی یہ  
 جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین میں فساد پھیلانے کی سعی کر رہے  
 ہیں مگر اللہ فساد پر پاک کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

اگر اس سرکشی کے بجائے یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور خدا ترسی کی روش اختیار  
 کرتے تو ہم ان کی برائیاں ان سے دور کرتے اور ان کو نعمت بھری جنتوں میں پہنچاتے۔ کاش  
 انہوں نے توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے  
 ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے

رحمت سے اور زیادہ دور ہوتے جلتے ہیں۔

۹۵ یعنی بجائے اس کے کہ اس کام کو سن کر وہ کوئی مفید سبق لیتے، اپنی غلطیوں اور غلط کاریوں پر توبہ نہ کر  
 ن کی تلافی نہ کرتے اور اس پر گری ہوئی حالت کے سبب معلوم کر کے اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے، ان پاس کا انشا اللہ  
 ہر ماہ ہے کہ خدا میں آگواںوں نے حق و صداقت کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ غیر مصلوح کے جوئے ہوئے بن کر اس کے  
 خود اصرار سے آنا تو درکنار ان کی اپنی کوشش یہ ہے کہ جو آواز اس میں کو پا دو لاری ہے اسے وہاں نہ لکھ کر کوئی دھڑل  
 بھی اسے نہ سنتے ہوئے۔

أَرْجِلَهُمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا  
يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ  
وَلَنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَةَ اللَّهِ يُعَذِّبُكَ مِنَ النَّاسِ  
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ كُتِبَ عَلَيْكُمْ  
بِحُتَّى تَقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ

ابن۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ راست زد بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت سخت بد عمل ہے۔  
اسے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔  
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔  
یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔  
صاف کہہ دو کہ "اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اہل پریشانی پر واجب تک کہ توراۃ اور انجیل  
اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔"

۹۶ بابیل کی کتاب اجمار (باب ۱۶۶) اور ہستندار (باب ۱۶۸) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک تقریر نقل  
کی گئی ہے جس میں انہوں نے بنی اسرائیل کو ذی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اگر تم احکام الہی کی شیک شک پیڑی کر گئے  
تو کس طرح اللہ کی رحمت اور برکتوں سے غارتہ جاؤ گے، اور اگر کتاب شکوہی پشت مثال کرنا فراموش کر گئے تو کس  
طرح بائیں اور بائیں اور ہر طرف سے تم پر جرم کریں گی۔ حضرت موسیٰ کی وہ تقریر قرآن کے اس فقرہ فقرے کی  
بہترین تفسیر ہے۔

۹۷ توراۃ اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کرنا اور انہیں اپنا دستور زندگی بنانا  
ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی طرح ذہن نشین کرینی چاہیے کہ بائبل کے مجرورہ کتب مقدسہ میں ایک قسم کی عبارات تو وہ ہیں  
جو یہودی اللہ عیسائی مصنفین نے بلبر غود رکھی ہیں۔ اور دوسری قسم کی عبارات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مژدات و یا صحبت  
موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کے اقوال ہونے کی حیثیت سے منقول ہیں اور جن میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ نے  
ایسا فرمایا یا ظاہر ہی نے ایسا کہہ ان میں سے پہلی قسم کی عبارات کو الگ کر کے اگر کوئی شخص صرف دوسری قسم کی عبارات کا



وَلَيُزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا  
وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا  
الَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالْأَنْصَارُ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَعَمِلُوا صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٩﴾

مترجم ہے کہ یہ فرمان جو تم پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار کو اور زیادہ  
بڑھا دے گا۔ مگر انکار کرنے والوں کے حال پر کچھ افسوس نہ کرو۔ (یقین چاہو کہ یہاں اہل کفر کی  
بھی نہیں ہے) مسلمان ہوں یا یہودی، صابی ہوں یا عیسائی، جو بھی اللہ اور روزِ آخر پر  
ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا بے شک اس کے لیے نہ کسی خوف کا مقام ہے  
نہ رنج کا۔

تجسُّدِ عقیدہ یعنی یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ اگرچہ سترہویں اور اسیں  
شارحوں کی مدعا غلطی سے اور معنی بگڑا رہا تو اہل کی غلطی سے یہ دوسری قسم کی جہالت بھی پوری طرح غلط نہیں رہی  
ہے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان میں جیسے ہی غلطی تو جہالت کی وجہ سے  
ہے جس کی طرف قرآن کا رہا ہے، وہی عقائد پیش کیے گئے ہیں جو قرآن پیش کرتا ہے اور اسی طریق زندگی کی طرف رہنمائی  
کی گئی ہے جس کی ہدایت قرآن دیتا ہے۔ جس حقیقت سے کہ اگرچہ وہی عیسائی تاسی تعلیم پر قائم رہتے ہیں ان کے اہل میں  
ظاہر ہے کہ ان کی طرف سے منقول ہے تو یقیناً ہی اصل اللہ علیہ السلام کی حقیقت کے وقت وہ ایک حق پرست اور راست مذکر  
ہوئے جاتے ہیں اور ان میں قرآن کے اندر وہی روشنی نظر آتی جو پچھلے کتابوں میں پائی جاتی تھی۔ اس صورت میں ان کے لیے بھی  
اسی شہرہ و رسم کی پیروی اختیار کرنے میں تبدیلی مذہب کا سہ سے کوئی سال پہلے ہی مذہب کا یہ وہاں سے اس کے  
تسلیم میں جس پہلو سے پہلے سے پہلے آ رہے تھے آپ کے نبیوں کا گم ہونے لگے تھے۔  
۱۹۱۹ء میں یہ بات سن کر شہرہ و رسم سے خود کرنے اور حقیقت کو سمجھنے کے بجائے وہ غریبوں کو زیادہ بڑا  
تعلیق شروع کر دیں گے۔

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا  
 قُلُوبًا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَبُوا  
 وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ۝ وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةً فَعَمَّوْا  
 صَمُومًا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمَّوْا وَصَمُّوا كَثِيرًا مِنْهُمْ  
 وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ  
 اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ بَنِي إِسْرَءِيلَ  
 اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ  
 عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝

ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد کیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے مگر جب کسی  
 ان کے پاس کوئی رسول ان کی خواہشات نفس کے خلاف کچھ لے کر آیا تو کسی کو انہوں نے جھٹلایا  
 اور کسی کو قتل کر دیا اور اپنے نزدیک یہ سمجھے کہ کوئی فتنہ رونمانہ ہوگا اس لیے اندھے اور بہرے  
 بن گئے پھر اللہ نے انہیں معاف کیا تو ان میں سے اکثر رنگ اور زیادہ اندھے اور بہرے  
 بنتے چلے گئے۔ انسان کی یہ سب حرکات دیکھتا رہا ہے۔

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے  
 کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ کی ہدایت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی جس نے  
 اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں پایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور  
 ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

نقد لاف

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ فَلَنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لِيَمْسَنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابُ الْإِيمَةِ ۖ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَاكُلِينَ الطَّعَامَ ۖ أَنْظِرْ كَيْفَ نَبِّئُكَ لَمْ الْأَيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝

یقیناً گفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ مگر یہ لوگ اپنی ماں باؤں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس جس نے گفر کیا ہے اس کو وہ ناک سزا دی جائے گی۔ پھر کیا یہ اللہ سے توبہ نہ کریں گے اور اس سے معافی نہ مانگیں گے، اللہ بہت درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

صبح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول تھا، اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے، اس کی ماں ایک راستباز عورت تھی مادر وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے حقیقت کی نشانیاں واضح کرتے ہیں پھر دیکھو یہ کہ حراؤٹے پھرے جاتے ہیں۔

۱۔ ان چند نظروں پر مبنیائوں کے عقیدہ اور سبب صبح کی ایسی صاف تردید کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ مفاتیح ملکی نہیں ہے۔ صبح کے باب سے ماگ کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ کئی حقیقت وہ کیا تھا تو ان علامات سے بالکل غیر مشابہ طور پر معلوم کر سکتا ہے کہ وہ محض ایک انسان تھا۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک صورت کے پیٹ سے پیدا ہوتا جس کا شجر و نہر تک موجود ہے۔ جو انسانی جسم دکھاتا تھا، جو ان تمام حدود سے محدود اور ان تمام مفاتح سے مشتمل تھا جو انسان کے لیے ضروری ہیں، جو سمجھتا تھا، کھاتا تھا، گرمی اور سردی محسوس کرتا تھا، حتیٰ کہ جسے شیطان کے گفر سے

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا  
 نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ قُلْ يَا هَلْ الْكِتَابَ لَا تَغْلُوا  
 فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ  
 قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

۱۱۳

ان سے کہو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُس کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے نقصان کا انتہا رکھتا ہے نہ نفع کا؟ حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جانتے والا تو اللہ ہی ہے۔ کہو، اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سوا سبیل سے بھٹک گئے۔

ہمارے دین میں بھی ڈال دیں، اس کے متعلق کن محفل انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ خود خدا ہے یا خدا کی میں خدا کا شریک و شریک ہے۔ لیکن یہ انسانی ذہن کی حیات پذیری کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ عیسائی خود اپنی مذہبی کتابوں میں مسیح کی زندگی کو ہر ایک انسانی زندگی جانتے ہیں اور ہر مسیحی اسے خدا ہی سے تصف قرار دینے پر اصرار رکھتے چلے جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس تاریخی مسیح کے قائل ہی نہیں ہیں جو عالم واقعہ میں ظاہر ہوا تھا بلکہ انہوں نے خود اپنے وہم و گمان سے ایک خیالی مسیح تصنیف کر کے اُسے خدا بنا لیا ہے۔

۱۱۴ اللہ اللہ ہے اُن گمراہ قوموں کی طرف جن سے عیسائیوں نے غلط عقیدے اور باطل طریقے اندیکے۔ خصوصاً فلاسفہ یونان کی طرف جن کے تخیلات سے متاثر ہو کر عیسائی اس مراءہ تقیم سے بھٹ گئے جس کی طرف ابتداء ان کی رہنمائی کی گئی تھی مسیح کے ابتدائی پیرو جو عقائد رکھتے تھے وہ بڑی حد تک اُس حقیقت کے مطابق تھے جس کا شاہد انہوں نے خود کیا تھا اور جس کی تقیم ان کے ہادی درہنہ نے ان کو دی تھی۔ مگر بعد کے عیسائیوں نے ایک طرف مسیح کی عقیدت اور تقیم میں غلو کر کے، اور دوسری طرف ہمہ گیر قوتوں کے اعلیٰ مدار فاسوں سے متاثر ہو کر اپنے عقائد کی باطنائیز تعلیفانہ تعبیر میں شروع کر دیں اور ایک باطل ہی بنا مذہب تیار کر لیا جس کو مسیح کی اصل تعلیمات سے دور کا واسطہ بھی نہ رہا۔ اس باب میں خود ایک مسیحی عالم دینیات (ریورینڈ چارلس اینڈرسن اسکاٹ) کا بیان قابل ملاحظہ ہے۔ اسی کیلپیڈیا برٹانیکا کے جو دوسرے ایڈیشن میں مسیح (Jesus Christ) کے عنوان پر اس نے جو طویل مضمون لکھا ہے اس میں وہ لکھتا ہے:

”پہلی تین بائبلوں (مسیح، مرقس، لوقا) میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ ان بائبلوں کے مصنفے والے یسوع کا انسان کے سوا کچھ اور سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہوں میں وہ ایک انسان تھا، ایسا انسان جو خاص طور پر خدا کی روح سے فیضِ باریک تھا اور خدا کے ساتھ ایک ایسا غیر متعلقہ خلق رکھتا تھا جس کی وجہ سے اگر اس کو خدا کا بیٹا کہا جائے تو حق بجانب ہے۔ خود مسیحی اس کا ذکر چھٹی کے بیچ کی حیثیت سے کرتا ہے اور ایک جگہ بیان کرتا ہے کہ پطرس نے اس کو ”مسیح“ تسلیم کرنے کے بعد ایک ایک طرف لے جا کر اسے موت کی دہشت (مسیح ۱۱۹، ۱۲۲) دکھائی کہ وہ دیکھتے ہیں کہ قادرِ علیہ کی ہر یسوع کے دو شاگرد لکھاؤں کی طرف جاتے ہوئے اس کا ذکر اس حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ خدا اور خدا کے امت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والی تھی (لوقا ۱۲، ۱۹)۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ اگرچہ مرقس کی تصنیف سے پہلے یسعیوں میں یسوع کے لیے لفظ ”خداوند“ (Lord) استعمال عام طور پر ملتا تھا، لیکن نہ مرقس کی بائبل میں یسوع کو کہیں اس لفظ سے یاد کیا گیا ہے اور نہ مسیحی کی بائبل میں۔ بخلاف اس کے دونوں کتابوں میں یہ لفظ اللہ کے لیے بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ یسوع کے ابتداء کا ذکر تینوں بائبلیں ہر سے زور کے ساتھ کرتی ہیں جیسا کہ اس واقعہ کے شایانِ شان ہے، مگر مرقس کی ”خدیجہ“ (ماتی ۱۰، ۴۰) اور آخری ترجیح کے موقع پر چند ماہانہ ڈاکوسٹنٹس نے کہا کہ ان کتابوں میں کہیں اس واقعہ کو وہ معنی نہیں پہناتے تھے جس پر بعد میں پہنائے گئے۔ جیسا کہ اس بات کی طرف کہیں اشارہ تک نہیں کیا گیا ہے کہ یسوع کی موت کا انسان کے گناہ اور اس کے کفارہ سے کوئی تعلق تھا۔“

آگے پہل کر وہ پھر لکھتا ہے:

”یہ بات کہ یسوع خود اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتا تھا ان بائبل کی متعدد جگہوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ حقیقہً کہ ”جیسے آج اور کل اور ہر صول اپنی راہ پر چلا کر وہ یہ کہہ کر ممکن نہیں کہ یسوع یروشلیم سے باہر نکلتا تھا (لوقا ۱۳، ۳۴)۔ وہ اکثر بتاؤ کہ ”اپنا آدم“ کے نام سے کہتا ہے۔ ..... یسوع کہیں اپنے آپ کو ”ابنِ آدم“ نہیں کہتا۔ اس کے دوسرے حصے میں جب اس کے متعلق یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو غالباً ان کا مطلب یہی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ اس کو خدا کا مسیح سمجھتے ہیں۔ اجتماع اپنے آپ کو مطلقاً بیٹے کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے ..... مزید برآں وہ خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو بیان کرنے کے لیے بھی ”باپ“ کا لفظ ہی اطلاقِ شان میں استعمال کرتا ہے۔ ..... اس تعلق کے بارے میں ہم اپنے آپ کو منفرد نہیں سمجھتے، بلکہ بتائی زندگی میں دوسرے انسانوں کو بھی خدا کے ساتھ اس خاص شکلِ خلق میں اپنا ساتھی سمجھتا تھا۔ البتہ اللہ کے تجربے اور انسانی جانشین کے تجربے میں فرق تھا۔ یہ جگہ پر مزید کر دیا کہ اس معاملہ میں وہ ایک ہے۔“

پھر ہی مصنف لکھتا ہے:

میں نہایت گنت کے موقع پر پلوس کے یہ اتفاق کہ ایک انسان جو خدا کی طرف سے تھا یہی وہ  
 کوئی حیثیت میں نہیں کہ جس میں اس کے معصوم اس کو جانتے ہو جیسے تھے۔ ..... انجیلوں سے  
 ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یہی معصوم ہیں سے جو ان کی ہر ایک فطری طور پر جہانی و ذہنی نشوونما کے مواقع سے  
 گزرنا اس کو جو کہ یہاں گئی تھی وہ ٹھکانا اور جتنا تھا، وہ حیرت میں مبتلا ہو سکتا تھا اور دنیا یافتہ احوال  
 کا علاج تھا اس نے دیکھا تھا یا اور اس نے اس نے موت ہی نہیں کر سب سے بغیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا  
 بلکہ صرف اس سے انکار کیا ہے۔ ..... وہ حقیقت اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اگر دعویٰ کیا جائے  
 تو اسے اس پر ضرور کے باطل خلاف ہو گا جو میں انجیلوں سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ اس حوالے کے ساتھ  
 آزمائش کے واقعہ کو ان گنت فطری اور کھڑکی کے مقام پر جو درمات گزریں جن سے کسی کو بھی مطابقت  
 نہیں دی جا سکتی۔ تاہم یہ کہ ان واقعات کو بالکل غیر حقیقی قرار نہ دیا جائے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ  
 جب تک کہ اس کے حالات سے گزرا تو وہ انسانی علم کی عام محدودیت پہنچتا ہے جسے تھا اور اس  
 محدودیت میں ہرگز کوئی استثنا، تھا تو وہ موت ہی حد تک جس حد تک بغیر از بصیرت اور خدا کے بغیر ہی شود  
 کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ پھر سچ کو قائل ہونے کے لئے ان گنت آزمائشوں میں خود بھی کم ہے کہیں اس بات کا اشارہ  
 تک نہیں دیا کہ وہ خدا سے یہ نیاز ہو کر خود خدا کا کام کرتا تھا۔ اس کے برعکس وہ بار بار دعا مانگنے کی  
 بات سے اور اس قسم کے اتفاق سے کہ یہ چیز دعا کے ہر کسی کو ذریعہ سے نہیں مل سکتی اس بات کا ماننا  
 ضرور کرتا ہے کہ اس کی ذات بالکل خدا پر منحصر ہے۔ فی الواقع یہ بات ان انجیلوں کے آثار پر ہی حیثیت سے  
 معتبر ہونے کی ایک اہم شہادت ہے کہ اگر وہ ان کی تعلیمات و ترتیب اس انداز سے چلے گئے نہ ہوتی تھی بلکہ  
 یہی کہ اس نے سچ کو دیکھا تھا شروع کر دیا تھا، پھر بھی ان دستاویزوں میں ایک طرف سے اس کی تعلیمات  
 ان کے ہونے کی شہادت مفوض ہے اور دوسری طرف ان کے اندر کوئی شہادت اس امر کی موجود نہیں ہے  
 کہ سچ اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔

اس کے بعد یہ مصنف پھر کہتا ہے:

”وہ سینٹ پال تھا جس نے اعلان کیا کہ واقعہ سرخ کے وقت اسی قبل رخ کے ذریعہ سے سچ  
 پر اسے امتیازات کے ساتھ اس میں اللہ کے حق پر ہلا کر تیرا ناز کیا گیا۔ ..... یہ وہ اللہ کا اللہ نہیں ہو  
 پر مبنی، انیت کی طرف ایک اشارہ اپنے اندر رکھتا ہے جسے پال نے دوسری جگہ صریح کو خدا کا پہلا بیٹا  
 کہہ کر صاف کر دیا ہے۔ اس امر کا فیصلہ ہم نہیں کیا جا سکتا کہ آیا وہ ابتدائی عیسائیوں کا گروہ تھا یا  
 پال جس نے مسیح کے لیے خداوند کا خطاب اہل مذہبی معنی میں استعمال کیا۔ شاید یہی فیصلہ قدم اندر  
 گروہ کی کارہیکہ پر مشتبہ ہو پال تھا جس نے اس خطاب کو پورے معنی میں استعمال شروع کیا، پھر  
 اپنے ہر ما کو اس طرح انجیل میں لکھا کہ ”خداوند یہ مسیح“ کی طرف بت سے وہ تعلیمات اور مصطلحات

الفاظ منتقل کر دیے جو قدیم کتب مقدسہ میں خداوند فرمودہ (اشارہ طے) کے لیے مخصوص تھے اس کے ساتھ ہی اس نے مسیح کو خدا کی دانش اور خدا کی حکمت کے مساوی قرار دیا اور اسے مطلق معنی میں خدا کا بیٹا قرار دیا۔ تاہم متعدد حیثیات اور پہلوؤں سے مسیح کو خدا کے برابر کر دینے کے باوجود پال اس کو قطعی طور پر اللہ کہنے سے باز رہا۔

اس کی ایک پیدائش یا برائیا کا ایک دوسرے معنوں میں مسیحیت (Christianity) میں ریزنڈ جاری و بایں نام کی سی کلیسا کے بنیادی عقیدے پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے:

”عقیدہ تخلیق کا فکری سا پھر رانی ہے اور یہودی تعلیمات اس میں ڈھالی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ عقیدہ ایسے ایک قسم کے لکھ کر ہے۔ مذہبی خیالات بائبل کے اردو محلے ہوتے ایک ایسی ہی لکھی کے سرور ہیں۔ باپ، بیٹا اور روح القدس کی اصطلاح میں یہودی ذرائع کی ہم پہچانی ہوئی ہیں۔ آخری اصطلاح اگرچہ خود یسوع نے شاذ و نادر ہی کسی استمال کی تھی اور پال نے بھی جواس کی استعمال کیا اس کا معنی ہم بائبل کے ذرائع تھا تاہم یہودی لکھ کر میں یہ لفظ شخصیت اختیار کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پس اس عقیدہ کا سادہ یہودی ہے (اگرچہ اس مرکب میں شامل ہونے سے پہلے وہ بھی یونانی اثرات سے متلو بہرچکا تھا) اور مسند فاعل یونانی۔ اصل سوال جس پر یہ عقیدہ بنا، وہ نہ کوئی اخلاقی سوال تھا نہ مذہبی، بلکہ وہ سراسر ایک فلسفیانہ سوال تھا، یعنی یہ کہ ان تینوں (باپ، بیٹے اور روح) کے درمیان حق کی حقیقت کیا ہے؟ کلیسا نے اس کا جواب دیا وہ اس عقیدے میں صاف ہے جو نیقیائی کونسل میں مقرر کیا گیا تھا، اور اسے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام خصوصیات میں بائبل یونانی فکر کا نمونہ ہے۔“

یہی مسند میں ان ایک لکھ پیدائش یا برائیا کے ایک دوسرے معنوں میں تاریخ کلیسا (Church History) کے عبارت بھی قابل ملاحظہ ہے:

”تیسری صدی عیسوی کے خاتمہ سے پہلے مسیح کو عام طور پر کلام کا جسدی تصور قرار دیا گیا تھا تاہم بکثرت عیسائی ایسے تھے جو مسیح کی الہیت کے قائل نہ تھے۔ چوتھی صدی میں اس مسئلہ پر بحث، پیش چمڑی ہوئی تھی جن سے کلیسا کی بنیادیں مل گئی تھیں۔ آٹھواں صدی میں نیقیائی کونسل نے الہیت مسیح کو باضابطہ سرکاری طور پر اسل سبب عقیدہ قرار دیا اور مخصوص الفاظ میں اسے مرتب کر دیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی کچھ مدت تک جھگڑا چل رہا لیکن آخری حق نیقیائی کے فیصلے کی ہوئی جسے مشرق اور مغرب میں اس حیثیت سے تسلیم کر لیا کہ مسیح عقیدہ عیسائیوں کا ایمان ہی پر ہونا چاہیے۔ بیٹے کی الہیت کے ساتھ روح کی الہیت بھی تسلیم کی گئی اور اسے اصطلاح کے کل اور رائج اوقات میں باپ اور بیٹے کے ساتھ جگہ دی گئی۔ اس طرح نیقیائی مسیح کا تصور قائم کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقیدہ تثلیث اہل

## لَعَنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے

سیکھ مذہب کا ایک جوڑا ننگ توڑ پایا۔

پہلے اس حصے پر کہ عیسیٰ کی ارمیت مسیح کی حالت میں قائم ہوئی تھی ایک دوسرا مسئلہ پیدا ہوتا جس پر جو حقیقی عہدی میں اہل اس کے بعد بھی دو قرن تک بحث و مناظرہ کا مسئلہ جاری رہا مسئلہ یہ تھا کہ مسیح کی شخصیت میں الہیت اور انسانیت کے درمیان کیا تعلق ہے؟ مسئلہ میں کاسیڈن کی کونسل نے اس کا یہ تعین کیا کہ مسیح کی ذات میں دو مکمل طبیعتیں مجتمع ہیں، ایک انسانی طبیعت، دوسری الہی طبیعت، اور دو ذلّ متحدہ جہانے کے بعد بھی اپنی الگانہ خصوصیات جو کسی تیز تبدیل کے برقرار رکھے رہتے ہیں۔ تیسری کونسل میں جو مشہور مقام قطع فیہ مستند ہوئی، اس پر اتنا اضافہ اور کیا گیا کہ یہ دو ذلّ طبیعتیں اپنی الگ الگ شے ہیں، یعنی مسیح ایک وقت دو مختلف مشیتوں کا حامل ہے۔ .... اسی دوران میں مغربی کلیسا نے گناہ اور فضل کے مسئلہ پر بھی خاص توجہ کی اور یہ سوال مذکور زیر بحث رہا کہ نجات کے معاملہ میں خدا کا کام کیا ہے اور بندے کا کام کیا؟ آخر کار یہ دو مسائل الہی کی دوسری کونسل میں .... یہ نظریہ اختیار کیا گیا کہ پہلا آدم کی دہر سے ہر انسان اس حالت میں مبتلا ہے کہ وہ نجات کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھا سکتا جب تک وہ اس فضل خداوندی سے جو اصل بار میں عطا کیا جاتا ہے، نئی زندگی نہ حاصل کر لے۔ اور یہ نئی زندگی شروع کرنے کے بعد بھی اسے حالت خیر میں استمرار نصیب نہیں ہو سکتا جب تک وہ فضل خداوندی راہاً اس کا مددگار نہ رہے۔ اور فضل خداوندی کی یہ دائمی اعانت اسے صرف کہ متحرک کلیسا ہی کے توسط سے حاصل رہ سکتی ہے۔

مسیحی علماء کے ان بیانات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ابتداءً جس چیز نے مسیحیوں کو گمراہ کیا وہ حقیقت اور حجت کا غلط تھا۔ اسی غلطی کی بنا پر مسیح علیہ السلام کے لیے خداوند اور ابن البشر کے الفاظ کا استعمال کیے گئے۔ خدا کی صفات ان کی طرف منسوب کی گئیں، اور خدا کا خلیفہ بیٹا کیا گیا، حالانکہ حضرت مسیح کی تعلیمات میں ان باتوں کے لیے تھا کہ ان کی گنجائش موجود نہ تھی۔ پھر جب فلسفہ کی ہر مہمیں کوئی توہماتے اس کے کہ یہ لوگ اس ابتداءً کی گمراہی کو سمجھ کر اس سے بچنے کی سعی کرتے، انہوں نے اپنے گمراہ شدہ پیشروؤں کی غلطیوں کو نہانے کے لیے ان کی توصیہات شروع کر دیں اور مسیح کی اصل تعلیمات کی طرف توجہ دے کر ان کے غیر معنی مطلق اور فلسفہ کی مدد سے عقیدہ پر عقیدہ ایجاد کرتے چلے گئے۔ یہی وہ ضلالت ہے جس پر قرآن نے ان بیانات میں مسیحیوں کو تنبیہ فرمایا ہے۔



عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۳۱﴾  
لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرِ فَعْلُوهُ إِلَّا يَفْعَلُونَ ﴿۳۲﴾  
تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ  
لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خِلْدُونَ ﴿۳۳﴾  
وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا لَهُمْ أَوْلِيَاءَ

لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے، انہوں نے ایک دوسرے کو کڑے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، برا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔ آج تم ان میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو (اہل ایمان کے مقابلہ میں) کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں۔ یقیناً بہت برا انجام ہے جس کی تیاری ان کے نفسوں نے اُن کے لیے کی ہے، اللہ اُن پر غضبناک ہو گیا ہے اور وہ دائمی عذاب میں مُستلماً ہونے والے ہیں۔ اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ اور غیر اللہ اُس چیز کے ماننے والے ہوتے جو پیغمبر پر نازل ہوئی تھی تو کبھی (اہل ایمان کے مقابلہ میں) کافروں کو اپنا رفیق نہ بناتے

۳۱۔ ہر قوم کا مجازہ تلامذہ خداوند سے شروع ہوتا ہے۔ اگر قوم کا اجتماعی ضمیر زندہ ہوتا ہے تو اسے مامون پڑے ہوئے افراد کو ہانے رکھتی ہے اور قوم بحیثیت جمعی گمراہ نہیں پاتی۔ لیکن اگر قوم ان افراد کے عامل میں نہال شروع کر دیتی ہے اور غلط کارگوں کو حمايت کرنے کے بہانے انہیں برائیوں میں غلامی کے لیے اتار چھوڑتی ہے تو پھر رفتہ رفتہ وہی غلطی جو پہلے چند افراد تک محدود تھی، پوری قوم میں پھیل کر رہتی ہے۔ یہی چیز جو آج کو ہمیں ہر مل کے کھانسی موجب ہوئی۔

حضرت دائود حضرت عیسیٰ کی زبان سے جو سنت بنی اسرائیل پر لکھی اس کے لیے لا طبع بہ زلزلہ ۱۰۵۰ھ

مئی ۱۳۳۰ھ

۳۲۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور نبی اور کتاب کے ماننے والے ہوتے ہیں انہیں غرضِ شرک کے مقابلہ میں لوگوں کے رعات و ریان جمدی ہوتی ہے جو مذہب میں خواہ ان سے اختلاف ہی رکھتے ہیں، مگر ہر حال انہی کی طرح خدا

وَلَكِنْ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۱﴾ لِّتَجِدَ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً  
لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلِتَجِدَ أَقْرَبَهُمْ  
مُودَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَٰلِكَ  
يَا أَيُّهَا مَنَّهُمْ قَبِيلِينَ وَرَهْبَانًا وَآنَهْمُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۲﴾  
وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ  
تَفِضُّ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا  
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا

مگر ان میں سے تو بیشتر لوگ خدا کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔

تم اہل ایمان کی عبادت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور شرکین کو پاؤ گے، اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔ جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ یہ دردگار! ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں کھولے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ آخر کیوں نہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے اسے کہیں نہ

مسئلہ وحی و رسالت کو لیتے ہیں۔ لیکن یہ یہودی عیب قسم کے ہیں کہ کتاب میں کہ تو حید اور شرک کی جنگ میں کلمہ کلا کر گئے  
۱۔ کما تاتہ وکما یجی، اقرارِ نبوت اور اقرارِ نبوت کی روٹی میں ملائے ان کی صدد دیاں ملکہ نبوت کے ساتھ ہیں ہاؤ  
پھر بھی وہ بلا کسی شرم و حیا کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا اور پیغمبروں اور کتابوں کے سامنے جاسے۔

مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿۸۶﴾  
 فَاتَّابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا وَجَنَّبَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْحَسَنِينَ ﴿۸۷﴾ وَالَّذِينَ  
 كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۸۸﴾  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرَّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَ

مان میں جبکہ ہم اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں میں شامل کرے؛  
 ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ نے ان کو ایسی جنتیں عطا کیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور  
 وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزاء ہے نیک رو یہ اختیار کرنے والوں کے لیے۔ رہے وہ لوگ  
 جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا اور انہیں جھٹلایا، تو وہ جہنم کے مستحق ہیں؛  
 اے ایمان لانے والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کرنا اور

۱۴۰۰ھ اس آیت میں دو باتیں وضاحت ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ خود حلال و حرام کے متنازعین جاؤ۔ حلال وہی ہے جو اللہ نے  
 حلال کیا اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا۔ اپنے اختیار سے کسی حلال کو حرام کر دے تو تا ذہن الہی کے بجائے قانون نفس کے  
 پیرو قرار پاؤ گے۔ دوسری بات یہ کہ عیسائی راہبروں، ہندو جوگیوں، بودھ مذہب کے بکاشوں اور مشرقی متعصبین کی طرح یہ آیت  
 اور قطع لذات کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ مذہبی ذہنیت کے نیک مزاج لوگوں میں ہمیشہ سے یہ میلان پایا جاتا رہا ہے کہ نفس و  
 جسم کے حقوق ادا کرنے کو وہ روحانی ترقی میں مانجھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا، اپنے نفس کو  
 دنیوی لذتوں سے محروم کرنا اور دنیا کے سامان زینت سے صفت قبول کرنا بھائے خود ایک نیکی ہے اور اللہ کا تقرب اس کے بغیر حاصل  
 نہیں ہو سکتا۔ عیسائی کرام میں بھی بعض لوگ ایسے تھے جن کے اندر یہ ذہنیت پائی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو صلوم بڑا کہ بعض صحابیوں نے خود کیا ہے کہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھیں گے۔ راتوں کو بستر پر نہ سڑیں گے بلکہ جاگ جاگ کر عبادت  
 کرتے رہیں گے۔ گوشت اور پکوانی استعمال نہ کریں گے، عورتوں سے واسطہ نہ رکھیں گے۔ اس پر آپ نے ایک خطبہ دیا اور اس میں  
 فرمایا کہ مجھے ایسی باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ تمہارے نفس کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پو پیو۔ راتوں کو قیام  
 بھی کرو اور سو سو۔ مجھے رکھو میں سونا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں۔ روزے رکھنا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھنا۔ گوشت

لَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۵﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ  
 اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾  
 لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْسَارِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ

حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ جو کچھ حلال و طیب رزق  
 اللہ نے تم کو دیا ہے اسے کھاؤ پیو اور اس خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔  
 تم لوگ جو حمل قسمیں کھاتے ہو ان پر اللہ گرفت نہیں کرتا، مگر جو قسمیں تم جان و جگر کھاتے

ہیں کیا تم ان اور اگلی جی پس جو میرے طریقے کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ پھر فرمایا: یہ دو گن کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے  
 عہدوں کو اور اچھے کھانے کو اور خوشبو اور نیکو دنیا کی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ میں نے تو قسمیں یہ تقسیم نہیں دی ہے  
 کہ تو راہب اور پارسی بن جاؤ۔ میرے دین میں مذہبوں اور گشت سے اعتنا ہے اور مذکورہ شریعت و عزت نشینی ہے۔ مذہب  
 نفس کے لیے میرے ہاں دوزخ ہے۔ دنیایت کے سارے فائدے یہاں جہاد سے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کی بندگی کو وہ اس کے  
 ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے اور عہد کرو، نذرنا تم کو راہ و زکوٰۃ و داد و مضان کے روزے رکھو۔ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے  
 وہ اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی اور جب انہوں نے خدا اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی یہ  
 انہی کے بقایا ہیں جو تم کو سرسوں اور فاختا ہوں میں نظر آتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں بعض روایات سے بیان تک معلوم ہوتا ہے  
 کہ ایک صحابی کے شفق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ وہ ایک بہت سے اپنی بیوی کے پاس نہیں گئے ہیں اور شب روز  
 عبادت میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نے ہلا کر ان کو حکم دیا کہ ابھی اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں  
 آپ نے فرمایا روزہ تو روزہ اور جاؤ۔ حضرت عمر کے زمانہ میں ایک فاقون نے شکایت پیش کی کہ میرے شوہر دن بھر روزہ  
 رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں اور مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حضرت عمر نے مشورہ بھی بزرگ اکابر سے خود  
 الاذنی کران کے مقدمہ کی سماعت کے لیے مقرر کیا۔ اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ اس فاقون کے شوہر کو تین اذنان کے بدلے  
 اختیار ہے کہ تین چاہیں عبادت کریں مگر چوتھی رات لازماً ان کی بیوی کا حق ہے۔

۵۱۰ "حد سے تجاوز نہ کرنا" ویسا معلوم کا حال ہے۔ حلال کو حرام کرنا اور خدا کی طہرائی ہوتی پاک چیزوں سے  
 اس طرح پرہیز کرنا کہ گویا وہ ناپاک ہیں۔ یہ بھانے خود ایک زیادتی ہے۔ پھر پاک چیزوں کے استعمال میں اسراف اور  
 افراط بھی زیادتی ہے۔ پھر حلال کی سرحد سے باہر قدم نکال کر حرام کے حدود میں داخل ہونا بھی زیادتی ہے۔ اللہ کو یہ  
 چیزیں باتیں ناپسند ہیں۔

بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ  
مِّنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ كَمَا وَكُوتُمْ أَن تَخْرِضُوا  
مَرْقَبَةً فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ  
كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ  
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۹﴾

ہو ان پر وہ ضرورت سے مواخذہ کرے گا۔ (ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے کہ دس سیکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو، اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا کر توڑ دو۔ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لیے واضح کرتا ہے شاید کہ تم شکر ادا کرو۔

۱۵۶۔ ہر کسب و کار میں لوگوں نے طلال چیزوں کو اپنے اور حرام کرینے کی قسم کھا رکھی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسی مسئلہ میں قسم کا حکم بھی بیان فرمادیا کہ اگر کسی شخص کی زبان سے بلا ارادہ قسم کا الفاظ نکل گیا ہے تو اس کی پابندی کرنے کی دیکھنا ضرورت نہیں، کیونکہ ایسی قسم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اور اگر جان بوجھ کر کسی نے قسم کھائی ہے تو وہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کرے، کیونکہ جس نے کسی مصیبت کی قسم کھائی ہو اسے اپنی قسم پر قائم نہ رہنا چاہیے (ماخذ ہوسرہ بقولہ ما شیء ۲۴۳ و ۲۴۴)۔ نیز کفارہ کی تشریح کے لیے ماخذ ہوسرہ فہرہ ما شیء ۲۴۵۔

۱۵۷۔ قسم کی حفاظت کے کئی مفہوم ہیں: ایک یہ کہ قسم کو صحیح صورت میں استعمال کیا جائے فضول باتوں اور مصیبت کے کلاموں میں استعمال نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جب کسی بات پر آدمی قسم کھائے تو اسے یاد رکھے، ایمان ہو کہ اپنی خلقت کی وجہ سے وہ اسے بھول جائے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے۔ تیسرے یہ کہ جب کسی صحیح معاملہ میں بلا ارادہ قسم کھائی جائے تو اسے یاد کیا جائے اور اس کی خلاف ورزی نہ کرے بلکہ اس کو کفارہ ادا کیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ  
رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ①

اے ایمان لانے والو! یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پاشے، یہ سب  
گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔

۱۰۸ آستانوں اور پاشوں کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ مائدہ، مائتہ و ۵۳، اسی سلسلہ میں مجھے کی  
تشریح بھی ملاحظہ فرمادیں۔ اگرچہ پانے (ازلام) اپنی ذیعت کے اعتبار سے خمر (جوشے) ہی کی ایک قسم ہیں،  
لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ عربی زبان میں ازلام نال گیری اور قمر اندازی کی اس صورت کو کہتے ہیں جو شرکاء قائد  
اور وحیات سے آلودہ ہو۔ اور خمر کا اطلاق ان کمبلوں اور کاموں پر ہوتا ہے جن میں اتفاق امور کو کما کی اور قسمت آزمائی اور تقسیم  
اموال و اشیاء کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

۱۰۹ اس آیت میں چار چیزیں قطعی حرام کی گئی ہیں۔ ایک شراب۔ دوسرے قمار بازی تیسرے وہ مقامات  
جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا خدا کے برہا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر دینا یا جمانے کے لیے مخصوص کیے  
گئے ہوں۔ چوتھے پاشے۔ مگر خدا کے فیض و چیروں کی طرف سے تشریع پہلے کی جا چکی ہے۔ شراب کے متعلق احکام کی تفصیل  
حسب ذیل ہے:

شراب کی حرمت کے سلسلہ میں اس سے پہلے دو حکم چکے تھے۔ جو سورہ بقرہ ۲۱۷ اور سورہ نسا، اور کما میں  
مقرر کیے ہیں۔ اب اس آخری حکم کے آنے سے پہلے ہی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں لوگوں کو تنبیہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کو  
شراب سخت ناپسند ہے۔ بید نہیں کی اس کی قطعی حرمت کا حکم آجائے، لہذا جن جن لوگوں کے پاس شراب موجود ہو وہ  
فروخت کر دیں۔ اس کے کچھ مدت بعد یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے اعلان کیا کہ اب جن کے پاس شراب ہے وہ نہ اسے  
پنی کہتے ہیں نہ بیچ سکتے ہیں، بلکہ وہ اسے خارج کر دیں، چنانچہ اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب ہادی گئی۔ بعض لوگوں نے  
پوچھا ہم یہودیوں کو تنفیہ کیوں نہ دے دیں، آپ نے فرمایا جس نے یہ چیز حرام کی ہے اس نے اسے تنفیہ دینے سے بھی منع  
کر دیا ہے۔ بعض لوگوں نے پوچھا ہم شراب کو کمر کے میں کیوں نہ تبدیل کر دیں؟ آپ نے اس سے بھی منع فرمایا اور حکم دیا  
کہ نہیں اسے ہادی دیکھا جائے یا امرار دیا فت کیا کر دیا، کے طور پر استعمال کی زلفا زت ہے، فرمایا: نہیں،  
وہ ہادی نہیں ہے، بلکہ عیاری ہے، ایک دم صاحبہ عرض کیا یا رسول اللہ ہم ایک ایسے طاقے کے رہنے والے ہیں جو  
نہایت مرموہے اور ہمیں غصہ بھی ہوتا کئی پڑتی ہے ہم لوگ شراب کا تھان لہر سوری کا مقابلہ کرتے ہیں، آپ نے  
پوچھا جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے، انہوں نے عرض کیا ہاں فرمایا تو اس سے پرہیز کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ

ہمارے علاقے کے لوگ کہیں نہیں گئے۔ فرمایا: اگر وہ نہیں تو ان سے جنگ کرو۔

ایں امر کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: عن الله الخمر وشاربها ومساقيها ودايمها ومُبْتَاعها وماعصرها ومعتصرها وحامليها والمحمولة اليه۔ اللہ تعالیٰ نے نعت فرمائی ہے شراب پر داس کے پینے والے پر اور پائے والے پر اور خریدنے والے پر اور کشید کرنے والے پر اور کشید کرنے والے پر اور دھوکہ کرنے والے پر اور اس شخص پر جس کے بے دھوکہ کرنے والی مانی گئی ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستور خانہ پر کھانا کھانے سے منع فرمایا جس پر شراب پی جا رہی ہو۔ ابتداءً آپ نے ٹن ترخوں تک کے استعمال کو منع فرمادیا تھا جس میں شراب بنائی اوپلی جاتی تھی۔ بعد میں جب شراب کی حومت کا حکم دہری طرح نافذ ہو گیا تب آپ نے ترخوں پر سے قیاد شادی۔

خمر کا لفظ عرب میں انگوری شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا، اور عازمان گیسوں، بوجائش، کچھو، اور شند کی شرابوں کے لیے بھی یہ لفظ دیتے تھے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے ہاں مکہ کو تمام ان چیزوں پر مام قرار دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں، چنانچہ حدیث میں حضور کے یہ واضح ارشادات ہمیں ملتے ہیں کہ کل منسکی خمر و کل مسکوخ حرام۔ "ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ کل شراب اسکو خمر حرام۔" ہر وہ شراب جو نشہ پیدا کرے حرام۔" وانا احن کل منسکی۔ اور میں ہر نشہ آور چیز سے متکراتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھوکے خطبہ میں شراب کی یہ تعریف بیان کی تھی کہ الخمر ما خمر العقل۔ "خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک دے۔"

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصل بھی بیان فرمایا کہ ما اسکر کثیرہ فقیلہ حرامہ جس چیز کی کثیر مقدار  
نفس پیدا کرے اس کی تعویذی مقدار بھی حرام ہے۔ اور ما اسکر الفاق منہ فمل انکف منہ حرامہ جس چیز کا  
ایک دو اقاربہ نفس پیدا کرتا ہو اس کا ایک چلہ پنا بھی حرام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والے کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔ جو شخص اس جرم میں گرفتار ہو کر آتا تھا اسے سب سے پہلے، بلکہ پہلی برائی چاروں کے سونے اور کھجور کے سٹے مارے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ۴۰ ضربیں آپ کے زمانے میں اس جرم پر لگائی گئی ہیں۔ حضرت ابو بکر کے زمانے میں ۴۰ کڑے لگے جاتے تھے۔ حضرت عمر کے زمانے میں بھی ابتداءً ۴۰ کڑے دیے گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اس جرم سے باز نہیں آتے تو انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے ۸۰ کڑے سزا مقرر کی۔ اسی سزا کو امام مالک، امام ابو حنیفہ، اور ایک روایت کے موجب امام شافعی، شراب کی حد قرار دیتے ہیں۔ مگر امام احمد ابن حنبل، اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام شافعی ۴۰ گھنٹوں کے قائل ہیں اور حضرت علی نے بھی اسی کو سزا قرار دیا ہے۔

شریعت کہدو سے یہ بات حکومت اسلامی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کے اس حکم کی بندہ رقت نافذ کرے۔ حضرت عمرؓ کے فرمان میں بھی شیعت کے ایک شخص کو دیشدائی کی دواں میں بنا پر ملاوا گئی کہ وہ خیرہ اور شراب پیتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک بڑا کاکل حضرت عمرؓ کے حکم سے اس تصویر پر ملا ڈالیا کہ وہاں خیرہ طریقہ سے شراب

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ  
 فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ  
 أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلِحُدُودِهَا  
 فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝  
 لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا  
 طَعَمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا  
 آمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَاحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْحَسَنِينَ ۝  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَبْلُوَكُمُ اللَّهُ يَشَاءَ مِنَ الصَّيْدِ

شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور کھانے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض پھیلے  
 اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز ہو گے؟ اللہ اور  
 اس کے رسول کی بات مانو اور باز آ جاؤ، لیکن اگر تم نے حکمِ حدود کی توہان کو کہہ جائے رسول پر  
 جس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔

جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی  
 گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم  
 رہیں اور اچھے کام کریں، پھر جس جس چیز سے منع کیا جائے اس سے رکیں اور جو فرمانِ الہی ہوئے انہیں  
 پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔ اللہ نیک کردار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔  
 اسے ایمان لانے والے اللہ تمہیں اس نیکار کے ذریعہ سے سخت آزمائش میں ڈالے گا



تَنَالَهُ آيِدِيكُمْ وَرِمَاكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَخَافُ بِالْغَيْبِ  
فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَ مِنْكُمْ مَتَعَمَّدًا فَجْزَاءُ  
مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النِّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَذَا بِأَنَّ  
بَلَغَ الْكَعْبَةَ أَوْ كِفَارَةً طَعَامَ مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا  
لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهُ عَفَا اللَّهُ عَنْمَا سَلَفٌ وَمَنْ عَدَا

جو بالکل تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہو گا یہ دیکھنے کے لیے کہ تم میں سے کون اس سے غائب  
ڈرتا ہے پھر جس نے اس تنبیہ کے بعد اشد کی مقرر کی ہوئی حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک  
سزا ہے۔ لے لو کہ جو ایمان لائے ہو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ  
ایسا کرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسی کے ہم پلہ ایک جانور اسے موشیوں میں سے نذر دینا ہو گا  
جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے گا، یا نہیں تو اس گناہ کے  
کفارہ میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو گا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے، تاکہ وہ اپنے  
کیے کا مزہ چکے۔ پہلے جو کچھ ہر چکا اسے اللہ نے معاف کر دیا لیکن اب اگر کسی نے اس حرکت کا اعادہ کیا

اللہ تعالیٰ ہادی بخود کسی عباد کی حد پر حد سے دوری آتیں حالت احرام میں نہ ہیں۔  
نیز اگر تم کی خاطر شکار کیا گیا ہو تب بھی اس کا حکمنا غرم کے لیے جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے اپنے لیے شکار کیا ہو  
پھر وہ اس میں سے غرم کو بھی کچھ دیکھ دیکھ کر اس کے کھانے میں کچھ منافع نہیں۔ اس حکم عام سے موزی جانور مستثنیٰ ہے۔  
مانہا، بچہ، ہانڈا، اور ایسے دوسرے جانور جو انسان کو نقصان پہنچانے والے ہیں، حالت احرام میں شکار کئے جاسکتے ہیں۔  
اللہ ان امور کا فیصلہ بھی دو عادل آدمی ہی کریں گے کہ کس جانور کے ساتھ ہر گاہی کئے سیکیزوں کو کھانا کھانا  
یا کتنے روزے رکھے۔

فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِحْلَلْ لَكُمْ صَيْدَ  
الْبَحْرِ وَطَعَامَهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَاسَةِ ۝ وَحَرَّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدَ الْبَرِّ  
مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي الَِيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ جَعَلَ اللَّهُ  
الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ  
ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ

تو اس سے اللہ بدلہ لے گا، اللہ سب پر غالب ہے اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔  
تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا، جہاں تم ٹھہرو وہاں بھی اُسے  
کھا سکتے ہو اور قافلے کے لیے زاور راہ بھی بنا سکتے ہو۔ البتہ خشکی کا شکار جب تک تم احرام کی  
حالت میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے، پس جو اس خدا کی نافرمانی سے جس کی پیشی میں تم سب کو  
گھیر کر حاضر کیا جائے گا۔

اللہ نے مکانِ محترم، کعبہ کو لوگوں کے لیے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا  
اور راہِ حرام اور قربانی کے ہانوروں اور قلا دوں کو بھی (اس کام میں معاون بنا دیا) تاکہ  
تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کے سب حالات سے باخبر ہے

۱۱۲ھ ہجری کے سفر میں بسا اوقات ناورداء ختم ہو جاتا ہے اور خدا کی فرمائی کے لیے ہجر اس کے کہ آبی  
ہانوروں کا شکار کیا جائے تاکہ کوئی تدبیر نہ کرے جس سے اس لیے ہجری شکار حلال کر دیا گیا۔

۱۱۳ھ عرب میں کہہ کی حیثیت سے ایک مقدس وادعت گاہ ہی کی نہ تھی بلکہ پوری عربیت اور اپنے مقدس کی وجہ  
دہی ہرے ملک کی معاشی و تمدنی زندگی کا سامان بناتا تھا۔ حج اور عمرے کے لیے سارا ملک اُس کی طرف کھینچا کرتا تھا اور  
اس اجتماع کی بدولت اختلاف کے اسے جوئے عربوں میں وحدت کا ایک رشتہ پیدا ہوتا، مختلف ملاقاں اور قبیلوں کے لوگ  
باہم تمدنی روابط قائم کرتے، شاعری کے مقابلوں سے اس کی زبان اصلاح کرتی نصیب ہوتی اور تجارتی لین دین سے سراسر  
ملک کی معاشی مزوریات ہدی ہوتیں۔ حوام میٹروں کی بدولت عربوں کو سال کا ایک لاکھ ایک تہائی دانہ اس کا نصیب ہوتا تھا جس

وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۖ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ  
 الْعِقَابِ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا  
 الْبَلَاغُ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝ قُلْ لَا  
 يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا

اور اُسے ہر چیز کا علم ہے۔ خبردار ہو جاؤ! اللہ سزا دینے میں بھی سخت ہے اور اس کے ساتھ  
 بہت درگزر اور رحم بھی کرنے والا ہے۔ رسول پر تو صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔  
 آگے تمہارے کھلے اور چھپے سب حالات کا جاننے والا اللہ ہے۔ اسے پتہ ہے ان سے کد و کد پاک  
 اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو پس اے لوگو

میں زمانہ ایسا تھا جس میں کچھ نئے نئے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بہت آتے جاتے تھے۔ قرہانی کے بازوؤں  
 اور قوادوں کی موجودگی سے بھی اس نقل و حرکت میں بڑی مدد ملتی تھی کیونکہ نذر کی علامت کے طور پر جن بازوؤں کی گردن میں  
 پٹے پڑے ہوتے انہیں دیکھ کر عربوں کی گردنیں احترام سے جھک جاتیں اور کسی غافل قبیلے کو ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہ ہوتی۔  
 ۱۱۴ھ میں اگر تم اس انتظام پر غور کرو تو تمہیں خود اپنے ملک کی تمدنی و معاشی زندگی ہی میں اس امر کی ایک تین شواہد  
 مل جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مصالح اور ان کی ضروریات کا کیسا مکمل اور گہرا علم رکھتا ہے اور اپنے ایک ایک حکم کے  
 ذریعے سے انسانی زندگی کے کتنے کتنے شعبوں کو فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ پلاسنی کے سینکڑوں برس جو عمر عربی کے عہد سے پہلے  
 گزھے ہیں، ان میں تم لوگ خود اپنے مفاد سے نادان تھے اور اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تھے، مگر اللہ تمہاری ضرورتوں  
 کو جانتا تھا اور اس نے صرف ایک کبک کی مرکزیت قائم کر کے تمہارے لیے وہ انتظام کر دیا تھا جس کی بدولت تمہاری قومی  
 زندگی برقرار رہ سکی۔ دوسری بے شمار باتوں کو چھوڑ کر اگر صرف اسی ایک بات پر دھیان کرو تو تمہیں یقین حاصل ہو جائے  
 کہ اللہ نے جو احکام تمہیں دیے ہیں ان کی پابندی میں تمہاری اپنی بھلائی ہے اور ان میں تمہارے لیے وہ وہ مصلحتیں پوشیدہ  
 ہیں جن کو تم خود سمجھ سکتے ہو اور نہ اپنی تدبیروں سے پورا کر سکتے ہو۔

۱۱۵ھ یہ آیت قدر و قیمت کا ایک دوسرا ہی میاں پیش کرتی ہے جو اس میں انسان کے میاں سے باطل فطرت  
 ہے۔ ظاہر میں ظہری سورہ پر مقابلہ پانچ دوپے کے لانا زیادہ قیمتی ہیں کیونکہ وہ میں اور یہ پانچ لیکن یہ آیت کتنی قیمتی ہے  
 کہ اللہ نے اگر خدا کی نافرمانی کے حاصل کیے تھے ہوں تو وہ ناپاک ہیں، اور پانچ دوپے اگر خدا کی فرماں برداری کرتے ہیں

۳۴

اللَّهُ يُلَوِّی الْأَلْبَابَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿۱۱﴾ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَن أَشْيَاءَ إِن تُبَدَّلَ لَكُمْ تَسْأَلُهُمْ وَإِن تَسْأَلُوا عَنْهَا حِینَ يُنَزَّلَ الْقُرْآنُ تُبَدَّلَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۲﴾

جو عقل رکھتے ہو! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو، امید ہے کہ تمہیں ظالم نصیب ہوگی۔  
اے ایمان لانے والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار  
ہوں، لیکن اگر تم انہیں ایسے وقت پوچھو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر کھول دی  
جائیں گی۔ اب تک جو کچھ تم نے کیا اے اللہ نے معاف کر دیا، وہ درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔

کھائے گئے ہوں تو وہ پاک ہیں اور ناپاک خواہ مقدار میں کتنا ہی زیادہ ہو، بہر حال وہ پاک کے برابر کسی طرح نہیں ہو سکتا، غلات  
کے ایک ڈبیر سے عطر کا ایک قطرہ زیادہ قدر رکھتا ہے اور پشیا ب کی ایک بہرہ ناند کے مقابلہ میں پاک پانی کا ایک پتر  
زیادہ مہر فی ہے۔ لہذا ایک سچے دانش مندان کو لازماً مطالعہ ہی پر تخاصص کرنی چاہیے خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی حقیر و  
فہل جو اہر حرام کی طرف کسی حال میں بھی نہ بڑھنا چاہیے خواہ وہ بظاہر کتنا ہی کثیر و شاندار ہو۔

۱۱۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض لوگ عجیب عجیب قسم کے فضولی سوالات کیا کرتے تھے جن کی ذہن کے کسی  
صاحب میں ضرورت ہوتی تھی اور نہ دنیا ہی کے کسی صاحب میں۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ پر ایک صاحب بھرے عجیب آپ سے پوچھ بیٹھے  
کہ میرا اہلی باپ کون ہے؟ اسی طرح بعض لوگ احکام شرع میں غیر ضروری پوچھ گچھ کیا کرتے تھے، اور خواہ مخواہ پوچھ کر ایسی  
چیزوں کا تعین کرنا چاہتے تھے جنہیں شاعر نے مصلحتاً غیر متین رکھا ہے۔ مثلاً قرآن میں بخلاف حکم دیا گیا تھا کہ تم پر فرض کیا گیا  
ہے۔ ایک صاحب نے مکہ سے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کیا ہر سال فرض کیا گیا ہے؟ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔  
افسوس نے پھر پوچھا۔ آپ پھر خاموش ہو گئے۔ تیسری مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، اگر میری زبان سے  
بان نکل جائے تو حج ہر سال فرض قرار پا جائے پھر تم ہی لوگ اس کی پیروی نہ کر سکو گے اور نافرمانی کرنے لگو گے! ایسے ہی  
وہی ہر غیر ضروری سوالات سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی لوگوں کو کثرت سوال سے اور خواہ مخواہ بر بات کی کھوج لگانے سے منع فرماتے رہتے  
تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "ان اعظم المسلمین فی المسلمین جو ما من سائل عن شئ لم یحرم على الناس  
و خود من اجل مسائلہ"۔ مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال بھیجا جو لوگوں  
پر حرام نہ تھی مگر وہی حدیث میں اس کے سوالیہ بھیڑنے کی مروت و غیر ضروری ٹھیکر لگتی۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكَ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿١٧﴾ مَا جَعَلَ  
اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَا كِنٍّ

تم سے پہلے ایک گروہ نے اسی قسم کے سوالات کیے تھے پھر وہ لوگ انہی باتوں کی وجہ سے  
کفر میں مبتلا ہو گئے۔

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔ مگر

ان الله قرض فرائض فلا تصنعوها وادعوا حرمات فلا تنتهكوها وادعوا نواصيئكم فلا تفسدوها  
وكنتم من اشياء من غير نسيان فلا تبغضوا حنثها: اللہ نے کچھ فرائض تم پر مائد کیے ہیں، انہیں ضائع  
نہ کرو۔ کچھ حرموں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پہنکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کے متعلق  
فائضی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اسے بھول لائق ہوئی ہو، لہذا ان کی کھوج نہ لگاتو۔ ان وہ لوگوں میں ایک اہم حقیقت  
پر متنبہ کیا گیا ہے جن امور کو شارع نے مجملہ بیان کیا ہے اعلان کی تفصیل نہیں بتائی یا جو احکام بڑیلہ اجمال دیے ہیں اور  
مشکوٰۃ تعداد یا دھرمے قیامات کا ذکر نہیں کیا ہے، ان میں اجمال اور مدغم تفصیل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شارع سے بھول ہو گئی  
تفصیلات بتائی جا چکی تھیں مگر نہ بتائیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور  
احکام میں مددگار کے لیے حد مست رکھنا چاہتا ہے۔ اس پر شخص خواہ مخواہ سوال پر سوال کر تفصیلات اور قیامات اور قیامات  
بذعانے کی کوشش کرتا ہے، اور اگر شارع کے کلام سے یہ چیزیں کسی طرح نہیں نکلتیں تو قیاس سے، استنباط سے کسی  
ذکی طرح اہل کونفل، مطلق کو قید غیر معین کو معین بنا کر ہی چھوڑتا ہے، وہ وہ حقیقت مسلمانوں کو بڑے خطرے میں ڈالتا ہے  
اس لیے کہ ابتداً طبیعی امور میں جتنی تفصیلات زیادہ ہوں گی ایمان لانے والے کے لیے اتنے ہی زیادہ ایمان کے مواقع  
ہوئیں گے، اور احکام میں جتنی قید زیادہ ہوں گی پیروی کرنے والے کے لیے قیوت و مدد کی حکم کے امکانات بھی اتنے  
زیادہ ہوں گے۔

اللہ مبنی پہلے انھوں نے خود ہی حقائق اور احکام میں ڈھونڈ لیا ان میں اس کا ایک ایک پیر کے متعلق سوال کر کے  
تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لیے تیار کر لیا۔ پھر خود ہی اس پر بالبحرہ کراختی لگ کر ہر اصل تا فریق میں مبتلا  
ہو گئے۔ اس گمراہی سے مراد یہودی ہیں جن کے نقش قدم پر چلتے ہیں، قرآن اور حدیثی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے  
وجود و مسلمانوں نے کوئی گمراہی نہیں رکھی ہے۔

اللہ جس طرح ہمارے ملک میں لگائے، بل اور ہمارے خدا کے نام پر یا کسی جنت یا قیامت یا ہمارے نام پر  
چھوڑ دیا ہے جس پر اور ان سے کوئی خدمت لیتا یا انہیں دفع کرنا یا کسی طور پر ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَثَرُهُمْ  
لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُم تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَى  
الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ  
كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۰۴﴾

یہ کافرانہ پر جھوٹی ٹہمت لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں (کہ ایسے دہمیاں کر  
مان رہے ہیں)۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس قازن کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے  
اللہ اور پیغمبر کی طرف تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر  
ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کیے چلے جائیں گے خواہ وہ کچھ  
جانتے ہوں اور صحیح راستہ کی انہیں خبر ہی نہ ہو ؟

اسی طرح زمانہ سہولیت میں الہی عرب بھی مختلف طریقوں سے جانوروں کو کھنکھانے کے چھوٹا کرتے تھے اور ان طریقوں سے  
چمڑے جوئے جانوروں کے الگ الگ نام رکھتے تھے۔

تجیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پانچ دھبے بچے جن کی ہوا اندر غریب ہواں کے ہاں نہ پہنچتا ہو۔ اس کا کان بڑکے  
اُسے آواز چھوڑ دیا جاتا تھا۔ چمڑے کوئی اس پر سوار ہوتا، نہ اس کا دودھ پیا جاتا، نہ اسے ذبح کیا جاتا، نہ اس کا آدن آتا ہو  
جاتا۔ اُسے حق تھا کہ جس کیت اور جس پر لگا رہا ہے جوئے اور جس گھاٹ سے چاہے پانی پیے۔  
ساکبہ اس اونٹ یا اونٹنی کو کہتے تھے جسے کسی منت کے پورا ہونے یا کسی عیاری سے شفا پانے یا کسی عسر  
سے نجات دہانے پر بطور شکرانہ کے چن کر دیا گیا ہو۔ نیز جس اونٹنی نے دس مرتبہ بچے دیے ہوں اور ہر بار وہ بھی بچے ہوئے ہوں  
آنا چھوڑ دیا جاتا تھا۔

وصیلہ۔ اگر کبھی کاپلا بچہ نہ رہتا تو وہ خداؤں کے نام پر ذبح کر دیا جاتا اور گردہ پہلی بار وہ بیتی قرصے اپنے  
مکھ دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر زور اور ایک ساتھ پیدا ہوتے تو نہ ذبح کرنے کے بجائے دوسری خداؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا  
تھا اور اس کا نام وصیلہ تھا۔

حام۔ اگر کسی اونٹ کا پوتا ساری دیے کے تالیاں ہو جاتا تو اس بڑے ٹوٹ کو آنا چھوڑ دیا جاتا تھا نیز اگر کسی  
اونٹ کے غلظہ سے دس بچے پیدا ہو جاتے تھے اسے بھی آنا دیا جاتا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ  
إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ  
تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ  
الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَ مِنْ  
غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ

اے ایمان لانے والو! اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہِ راست پر ہو، اللہ کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

اے ایمان لانے والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لیے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو صاحبِ عدل آدمی گواہ بن جائیں، یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آ جائے تو غیر مسلموں ہی میں سے

۹ یعنی جو اپنے اس کے کو آدمی ہر وقت یہ دیکھتا رہے کہ فلاں کیا کر رہا ہے اور فلاں کے عقیدے میں کیا خرابی ہے اور فلاں کے اعمال میں کیا بُرائی ہے، اسے دیکھنا چاہیے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے۔ اے نکراٹے خیالات کی، اپنے اخلاق اور اعمال کی برائی چاہیے کہ وہ کیسے خراب نہ ہوں۔ اگر آدمی خود اللہ کی اطاعت کر رہا ہے، خدا اور بندوں کے جو حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں انہیں ادا کر رہا ہے، اور راست روی و راست ہانسی کے تقاضات پورے کر رہا ہے، وہ میں لازماً امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی شامل ہے، تو یقیناً کسی شخص کی گمراہی دیکھ کر وہی اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہو سکتی۔

اس آیت کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ ہر آدمی میں اپنی نجات کی فکر کرے، دوسروں کی اصلاح کی فکر کرے، پھر ہر گز مددِ حق اس غلط فہمی کی تردید کرتے ہوئے اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں: ”لوگو! ہم اس آیت کو چستے ہو اور اس کی غلط تاویل کرتے ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب لوگوں کا حال یہ ہو جائے کہ وہ بُرائی کو دیکھیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں، ظالم کو ظلم کرتے ہوئے پائیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اللہ اپنے غلاب میں سب کو لوٹ لے۔ خدا کی قسم تم کو لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو، ورنہ اللہ تم پر

الْمَوْتِ تَحْسِبُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمِينَ بِاللَّهِ إِنْ  
 اَرْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةً  
 اَللّٰهِ اِنَّا اِذَا لَمِنَ الْاَثَمَيْنِ ﴿۱۳﴾ فَاِنْ عُدِرَ عَلٰى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا  
 اِثْمًا فَاٰخَرَيْنِ يَقُوْمُنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ  
 الْاَوَّلَيْنِ فَيُقْسِمُنَ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا  
 وَمَا عَتَدَيْنَا لَكُنَا اِذَا لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰی

دو گواہ لے لیے جاتیں۔ پھر اگر کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو مسجد میں (روک  
 لیا جائے اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم کسی ذاتی فائدے کے عوض شہادت بیچنے والے  
 نہیں ہیں، اور خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ہم اس کی رعایت کرنے والے نہیں ہاؤ  
 نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں، اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گاروں میں شمار ہوں گے۔  
 لیکن اگر پتہ چل جائے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کیا ہے تو پھر ان کی جگہ دو اور شخص  
 ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں جن کا حق پچھلے دو گواہوں نے مارنا چاہا تھا، اور وہ خدا کی قسم کھا کر  
 کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے اپنی گواہی میں کوئی زیادتی نہیں  
 کی ہے، اگر ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے۔ اس طریقہ سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے  
 ایسے لوگوں کو مسلماً کہے گا جو ہمیں سچے ہمارے ہوں گے اور وہ تم کو سخت تکلیفیں پہنچائیں گے، پھر تمہارے نیک لوگ خدا سے  
 دعائیں مانگیں گے مگر وہ تمہیں نہ دیں گی۔)

۱۳۰ یعنی دیندار و راست باز اور قابل اعتماد۔

۱۳۱ اس سے مسلم ہوا کہ مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلم کو شاہد بنانا صرف اس حالت میں درست ہے جبکہ کوئی  
 مسلمان گواہ بننے کے لیے میراث نہ لے۔



اَنْ يَّاتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَا اَوْ يَخْفُوْا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانُ  
 بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاَتَقُوا اللّٰهَ وَاَسْمِعُوْا اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
 الْفٰسِقِيْنَ ۝ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ  
 قَالُوْا لَا اَعْلَمُ لَنَكْلِمَنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ  
 لِيَّعِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ  
 اَتٰتُكَ بِرُوْحِي الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّ

ج ۱  
 ص ۱۰۰

ج ۱  
 ص ۱۰۰

کہ لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت دیں گے، یا کم از کم اس بات ہی کا خوف کریں گے کہ ان کی  
 قسموں کے بعد دوسری قسموں سے کہیں ان کی تردید نہ ہو جائے۔ اللہ سے ڈرو اور سنو، اللہ  
 ناظر مافیٰ کسے کرنے والوں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔

جس روز اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا، تو وہ عرض کریں گے  
 کہ ہمیں کچھ علم نہیں، آپ ہی تمام پرشیدہ حقیقتوں کو جانتے ہیں۔ پھر تصور کرو اس موقع کا جب اللہ فرمایا  
 کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میری اس نعمت کو جو میں نے تجھے اور تیری ماں کو عطا کی تھی، میں نے  
 روض پاک سے تیری مدد کی، تو گمراہے میں بھی لوگوں سے بات کرتا تھا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی،

۱۲۲۱ء مراد صحیح قیامت کا دن۔

۱۲۲۲ء یعنی اسلام کی طرف جو دعوت تم نے دنیا کو دی تھی اس کا کیا جواب دینا ہے تمہیں دیا۔

۱۲۲۳ء یعنی ہم تو صرف اُس محدود ظاہری جواب کو مانتے ہیں جو ہمیں پہنچانے کی مراد میں تھا محسوس تھا۔ باقی ہمارے  
 پر کہ فی الحقیقت ہماری دعوت کا وہ عمل کن کن حصہ تھا، اس کا صحیح علم آپ کے سامنے ہے کہ انہیں ہر ممکن۔

۱۲۲۴ء ابتدائی سال تمام رسولوں سے کیفیت معلوم ہو گا، پھر ایک ایک رسول سے الگ الگ شہادت ہو جائے گی

جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بتدریج اودھا ہوا ہے اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو سوال کیا جائے گا

إِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ، وَإِذْ  
 تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ  
 طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ  
 تُخْرِجُ الْمَوْتَى بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ  
 جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ لَنْ هَذَا إِلَّا  
 سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْخَوَارِجِ أَنْ امْضُوا بَنِي وَ  
 يَسُوءُنِي ۝ قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ إِذْ قَالَ

میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی، تو میرے حکم سے مٹی کا پتلا پرندہ  
 کی شکل کا بنانا اور اس میں پھونکتا تھا اور وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، تو اور زوائد سے  
 اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا، تو مَرَدوں کو میرے حکم سے نکالتا تھا، پھر جب تو  
 بنی اسرائیل کے پاس صریح نشانیاں لے کر پہنچا اور جو لوگ ان میں سے منکر حق تھے انہوں نے  
 کہا کہ یہ نشانیاں جادوگری کے سوا اور کچھ نہیں ہیں تو میں نے ہی تجھے اُن سے بچایا، اور جب  
 میں نے حواریوں کو اشدھ کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تب انہوں نے کہا کہ ہم  
 ایمان لائے اور گواہ ہو کہ ہم مسلم ہیں۔ (حواریوں کے سلسلے میں) یہ واقعہ بھی یاد رہے کہ جب  
 یہاں بطریقاً نقل کیا جا رہا ہے۔

۱۲۶۔ یہ مہلت موت سے نکل کر زندگی کی حالت میں آتا تھا۔

۱۲۷۔ یہی حواریوں کا ترجمہ ایمان لانا بھی ہمارے فطری اور ذہنی کا ترجمہ تھا، درجہ میں کو اتنی حالت بھی نہ تھا کہ

اس جملہ نے دلائل آدائی میں ایک ہی تصدیق کرنے والا اپنے ہی ہوتے پر پیدا کر لیا۔ ضمایاں یہ بھی بتا دیا کہ حواریوں کا  
 اہل دین اسلام تھا نہ کہ یہاں سے۔

لَكَوَارِثُونَ يٰعِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا  
مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ ۚ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۶﴾  
قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّآكُلَ مِنْهَا وَتَطْمِئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ  
صَدَقْتَنَا وَتَكُوْنُ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ عِيسٰى  
اِبْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ  
لَنَا عِيْدًا اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَآيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَبِيْرٌ

حارثوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے کمانے کا ایک ٹکڑا نازل کرے گا تو عیسیٰ نے کہا اللہ سے خود اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا ہم بس یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھانا کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے کہا ہے وہ سچ ہے اور ہم اس پر گواہ ہوں۔ اس پر عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی تھی! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر جو ہمارے لیے اور ہمارے انگوٹھوں کے لیے نشی کا موقع قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو ہم کو رزق دے اور تو بہترین

۱۰۶ جو کہ حارثوں کا ذکر کیا تھا اس پر سلسلہ کام کو توڑ کر جو سترہ کے طور پر میں حارثوں کی کہ سن ہو ایک اور مادہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جس سے یہ بات صحت ظاہر ہوئی ہے کہ کبھی صحابہ کرام نے شاکر و دل سے قصیم پائی تھی وہ سچ کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کے بندہ سمجھتے تھے خدا کے وہ دھم دھم کرنے والے اپنے رشد کے خدا کے رسول خدا یا فرزند خدا ہونے کا ستونہ تھا نیز یہ کہ سچ نے خود بھی اپنے آپ کو ان کے سامنے ایک بندہ ہے اختیار کیا حیثیت سے پیش کیا تھا۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جو جھگڑا قیامت کے بعد ہونے والا ہے اس کے انداز میں جو سترہ کا کون سا موقع ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جو سترہ اس جھگڑے سے متعلق نہیں ہے جو قیامت کے بعد ہوگی بلکہ اس کی اس پہلی حالت سے متعلق



أَقُولُ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّكَ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝  
مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَكِبُوا  
وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مِمَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ  
أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہو تو آپ کو ضرور علم ہوتا، آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے۔ آپ تو ساری پرشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں۔ میں نے ان سے اُس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ میں اُسی وقت تک ان کا نگراں تھا جب تک کہ میں ان کے دریاں تھا۔ جب آپ نے مجھے واپس بلایا تو آپ ان پر نگراں تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگراں ہیں۔ اب اگر

مریم کے لیے غم نہ ہو، صاحبِ مسئلہ! یہ بھی کہ اگر مریم پرستی کا جو مرض باب تک لکھا کے باہر چل رہا تھا تو اس کے بعد لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہنچنے کا حق کو ذلیل تو ان کے مذہب کے پختہ پہنچنے حضرت مریم علیہا السلام کی دوسری بی بیوں کو آپ بیٹا احمد و حسن و حسین کے ساتھ ہیچ ہو گئے۔ ان کے مجھے بڑے لکھا اذہن کے لئے تھے۔ ان کے لئے کے عبادت کے جملہ مومن ادا کچھ تھے۔ انہی سے دعا میں مانگی جاتی تھیں، دوسری فریادوں کا باعث وہاں تک کہ لکھ کر ان کی پشت پر تھیں۔ اور ایک ہی ہند کے لیے سب کے لئے یہاں تھا کہ ان کی حق تو یہ تھا کہ اور خدا کی عبادت میں صرف تم سے ملو۔ یہ غیر متعین ہے ایک قانون کی تعمید میں حضرت مریم کو اپنی سلطنت کا حامی و ناصر قرار دیتا ہے۔ اس کا مشہور حل تیسویں بیان جنگ میں حضرت مریم سے ہدایت درہنائی طلب کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمعصر تھے، ان کے اپنے جیسے ہر اور خدا کی تصویر بنا کر رکھی تھی اور اسے تین تھا کہ اس تصویر کی برکت سے یہ جھنڈا سرنگوں نہ ہو گا۔ اگرچہ وہ ان کی مدد میں جو تحریک اصلاح کے اثر سے پرورش پڑی تھیں نے مریم پرستی کے خلاف شدت سے آواز اٹھائی ایک قوم کو کثیر تک لکھا آج تک اس مسلک پر قائم ہے۔

نَعْبُدُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ  
 الْحَكِيمُ ۝ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ  
 لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا  
 رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝  
 وَلِلَّهِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

آپ انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ غالب اور دانا  
 ہیں۔ تب اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دیتی ہے، ان کو کچلے  
 ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی  
 ہوا اور وہ اللہ سے بھی بڑی کامیابی ہے۔

زمین اور آسمانوں اور تمام موجودات کی پادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر  
 پر قدرت رکھتا ہے۔



تفسير القرآن

الأنعام (٦)



# الانعام

**نام** | اس سورہ کے مکہ ۱۰۰ عام میں بعض انعام (روحانیوں) کی حومت اور بعض کی رحلت کے تعلق میں ہو چکے تو بہت کی تردید کی گئی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام انعام رکھا گیا ہے۔

**فائدہ نزول** | ابن عباس کی روایت ہے کہ یہ پوری سورہ مکہ میں ایک وقت نازل ہوئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بچا زاد بہن اسماء بنت ابیہ کہتی تھیں کہ تب یہ سورہ علی الصلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہو رہی تھی اس وقت آپ اور ثویب سرور تھے جس میں اس کی تکمیل پورے پورے تھی اور پھر مکہ کے ماسے اونٹنی کا یہ مال خریدا تھا کہ معلوم ہوتا تھا اس کی ہڈیاں اب ٹوٹ جائیں گی۔ روایات میں اس کی بھی تصریح ہے کہ جس رات یہ نازل ہوئی اسی رات کو آپ نے اسے خلیفہ بنالیا۔

اس کے متعلق پڑھ کر کہنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ کی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی ہوگی حضرت اسماء بنت ابیہ کی روایت بھی اسی کی تصدیق کرتی ہے۔ کیونکہ موصوفہ انصار میں سے تھیں اور ہجرت کے بعد ایمان لائیں۔ اگر قبول اسلام سے پہلے صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہ حاضر ہوئی ہوں گی تو یقیناً یہ ماضی آپ کی کئی زندگی کے آخری سال ہی میں ہوئی ہوگی۔ اس سے پہلے اہل شریکے ماضی آپ کے تعلقات اتنے بڑھے ہی نہ تھے کہ ان سے کسی وقت کا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ممکن ہوتا۔

**شان نزول** | زمانہ نزول میں یہ جہان کے جہم ہائے تاریکی میں غمزدگی کے تھے قریش کی مزاحمت اور تم گری و جنگاری ہوتا کہ پہنچ چکی تھی۔ اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ان کے ظلم و ستم سے عاجز ہو کر ملک چھوڑ چکی تھی اور مسلمانوں میں غم و غم کی تباہی مچ چکی تھی۔ یہی وہ دور تھا کہ یہ سورہ نازل ہوئی تھی۔ اس سے ہر دنیوی مسلمان سے غم و غم ہوا کہ آپ شدید مزاحمتوں کے مقابلہ میں تبلیغ رسالت کا فرض انجام دے رہے تھے۔ آپ کی تبلیغ کے اثر سے کہیں گھر گھر و فراع کے قبائل میں بھی صلح افراد پہنچ رہے تھے۔ اسلام قبول کرتے پہلے تھے لیکن قوم حبشیت مجموعی رد و انکار پر مبنی ہوئی تھی۔ جہاں کوئی شخص اسلام کی طوطی بولی نہ سنانا ہی ظاہر کرتا تھا اسے غصہ و حسرت جہاں ذیت اور معاشی و معاشرتی متعلقہ کا ہدف تھی۔ نہایت قہر میں تھیں کہ ایک حمل میں صرف ایک بچہ ہی شام و شرب کی طرف سے نروا رہی تھی جہاں سے اس کا رخ نہ کر کے باہر نکال دیا گیا۔ اگر کسی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ چہریت کرچکے تھے اور جہاں کسی مذہبی مزاحمت کے بغیر اسلام پھیلنا شروع ہو گیا تھا مگر اس حیرتی ابتدا میں سبق کے جو امکانات پوشیدہ تھے انہیں کوئی ظاہر نہیں سمجھ سکتا تھا۔ دیکھ سکتی تھی۔ بظاہر

کیونکہ خاندان کو جو کہ نظر آتا تھا وہ بس یہ تھا کہ اسلام ایک کسب و کار ہے جس کی پشت پر کوئی دینی طاقت نہیں، جس کا داعی اپنے خاندان کی ضیافت کی صورت کے ساتھ کوئی زور نہیں رکھتا، اور جسے قبول کرنے والے چند شخصی بہرہ پس اور منتشر افراد اپنی قوم کے حقیقہ و مسلک کے خوف بھکاو اس طرح سوامشی سے بھل بیٹھے تھے۔  
 اسی جیسے پتے اپنے وقت سے جو مرکز زمین پر چل جاتیں۔

**مباحثہ** | ان حالات میں یہ خطبہ ارشاد ہوا ہے اور اس کے مطابق کلمات کہے گئے ہیں جنہیں حتمات پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

- (۱) شرک کا ابطال اور عقیدہ توحید کی طرف دعوت۔  
(۲) عقیدہ آخرت کی تبلیغ اور اس غلط خیال کی تردید کہ زندگی جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔  
(۳) جاہلیت کے اُن ترہجات کی تردید جو میں لوگ مبتلا تھے۔  
(۴) اُن بڑے بڑے اصولی اختلاف کی تیسری جن پر اسلام سوسائٹی کی تعمیر چاہتا تھا۔  
(۵) نئی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے خلاف دروں کے اعتراضات کا جواب۔  
(۶) طویل بدو جملہ کے باوجود دعوت کے نتیجہ فیروزہ ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کے لئے اضطراب اور دل شکنی کی جو کیفیت پیدا ہو رہی تھی اس پر تسلی۔  
(۷) منکرین اہد و نواہین کو ان کی غفلت و سرشاری اور نادانستہ فحاشی پر نصیحت۔ تبخیر و تہلیل۔  
لیکن خطبہ کا انداز یہ نہیں ہے کہ ایک ایک عنوان پر الگ الگ کی گفتگو کی گئی ہو بلکہ خطبہ ایک صریح کی صریح معانی کے ساتھ چلنا ہے اور اس کے دوران میں یہ عزائم و غفلت طرح سے ہمارے سامنے ہوتے ہیں بعد ہر ایک نئے انداز سے اس پر گفتگو کی جاتی ہے۔

جہاں تک مدنی سرزدوں کا تعلق ہے، ان میں سے قریب قریب ہر ایک کا نوازہ زولِ سلطنت پر ہوا۔ قاضی کا  
کاوش سے تینوں کی دعا مل سکتی ہے۔ بلکہ ان کی ذکر کثرت آئینوں کی انفرادی شانِ نظامِ حکومت و ریاست میں دل ہوتی ہے۔  
لیکن ان کی سرزدوں کے متعلق بلا کسی نامی مفسل ذرائعِ معلومات پر روشنی نہیں ہے۔ بہت کم محدثین یا آئینہ نگاروں نے  
جن کے نوازہ زولِ سلطنت پر متعلقہ نندوں کے بارے میں کوئی صحیح و مستند روایت ملتی ہو۔ کیونکہ ان کی معلوماتی صلاحیت محدود رہی  
تقصیص کے ساتھ قریب نہیں ہوئی ہے۔ یہی کہ مدنی سرزدوں کا تعلق ہے۔ اس وجہ سے ان کی سرزدوں کے حاملہ عہدہ داروں کو  
تایملی سرزادوں کے سہلے خواہ ترانہ اندرونی شادانوں پر اعتماد کا ناپاڑا ہے۔ وہ ضعفِ سرزدوں کے موضوع پر مہضوق  
اور اناکار زبان میں، اندر اپنے نفسِ شغری کی طرف ان کے جلی باغی، اشکات میں پانی جاتی ہیں۔ لہذا ہر ایک کو اس نیت

کی شادوں سے دھلے کر ایک ایک سورہ اور ایک ایک سورت کے متعلق یہ نہیں پتہ چلا جاسکتا کہ یہ نازل تاریخ کو  
بافلہ میں ہی نازل ہوئی ہے۔ زیادہ صحت کے ساتھ یہ کہہ لیا جاسکتا ہے کہ وہ صرف یہ ہے کہ ایک سورت  
ہم کی سورتوں کی اندرونی شادوں کو اور دوسری طرف ہی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تاریخ کے لئے سامنے  
رکھیں اور پھر دونوں کا مقابل کر کے جوئے یہ رائے قائم کر لیں کہ کون سی سورہ کس دور سے تعلق رکھتی ہے۔

اس طریقہ تحقیق کو ذہن میں رکھ کر جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی زندگی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو وہ دعوت  
اسلامی کے نقطہ نظر سے ہم کو چار بڑے بڑے نمایاں ادوار پر منقسم نظر آتی ہے:

پہلا دور: آغازِ نبوت سے ہے کہ اعلانِ نبوت تک، تقریباً ۳ سال جس میں دعوتِ خفیہ طریقہ سے  
خاص غافل آدمیوں کو دی جا رہی تھی بعد عام اہل مکہ کو اس کا علم نہ تھا۔

دوسرا دور: اعلانِ نبوت سے لے کر قلم و تم اور فتد (Persecution) کے آغاز تک، تقریباً  
۳ سال جس میں پہلے مخالفت شروع ہوئی، پھر اس لئے مزاحمت کی شکل اختیار کی، پھر تشکیک، استہزاء، الزامات،  
سب و شتم، جھوٹے پروپیگنڈا اور افتاد جھوٹے ہندی تک زہر پہنچی، اللہ کا قرآن مسلمانوں پر زیادتیوں شروع ہو گئی  
جو نسبتاً دیا وہ غریب، کمزور اور بے یار و مددگار تھے۔

تیسرا دور: آغازِ فتد (سب و تم) سے لے کر اہل طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات (سنہ نہویں) تک  
تقریباً پانچ چھ سال۔ اس میں مخالفت استہانی شدت اختیار کرتی چلی گئی، بہت سے مسلمان کفار کے ظلم و ستم  
سے تنگ آکر حبش کی طرف ہجرت کر گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان اور باقی ماندہ مسلمانوں کا ماحولی  
معاشرتی متعلقہ کیا گیا اور آپ اپنے حامیوں اور ساتھیوں پر سخت تشبہ اہل طالب میں محدود کر رہے گئے۔

چوتھا دور: سنہ نہویں سے لے کر سنہ نہویں تک تقریباً ۳ سال۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے  
ساتھیوں کے لئے انتہائی سختی و مصیبت کا زمانہ تھا۔ مکہ میں آپ کے بے زندگی و بھر کردی گئی تھی، مخالفت کے ذریعہ  
بھی پناہ نہ ملی، حج کے موقع پر آپ کے ایک ایک قیدی سے آپ اپیل کرتے رہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کرے اور  
آپ کا ساتھ دے کہ ہر طرف سے کراہی و عداوت رہی رہا۔ اور ادھر اہل مکہ ہمارے دشمنوں سے کہتے رہے کہ آپ کو قتل  
کر دیں یا زندہ کر دیں یا اپنی جہتی سے نکال دیں۔ آخر کار آخر کے فضل سے اللہ کے دل اسلام کے لیے کھل گئے اور  
ان کی دعوت پر آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

ان میں سے ہر دور میں قرآن مجید کی ہر سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ اپنے مضامین و احکامات و بیان میں ہر دور سے  
مسلمانوں کے مختلف ہیں۔ ان میں اکثریت مقامات پر ایسے اشارات بھی پائے جاتے ہیں جن سے ہمیں منظرِ ماضی  
اور ماضیات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔ ہر دور کی خصوصیات کا اثر اس دور کے نازل شدہ کلام میں بہت بڑی حد تک پایا  
نظر آتا ہے۔ انہی مقامات پر احکام کے ہم آئندہ ہر کی صورت کے دیا چاہیں یہ بتائیں گے کہ وہ کس دور میں نازل ہوئی ہے۔

آيَاتُهَا ۱۶۵ سُورَةُ الْاِنْعَامِ مَكِّيَّةٌ دُرُوءُهَا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ  
وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِیْ  
خَلَقَكُمْ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَہٗ

تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔  
پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے دعوت حق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر  
ٹھہرا رہے ہیں۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک  
مدت مقرر کر دی، اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ تھیں۔

۱۔ یاد رہے کہ مخاطب وہ مشرکین عرب ہیں جو اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے، وہی  
دن و رات اور رات لاتا ہے اور اسی نے آفتاب و اجتاب کو جوڑ دیا ہے۔ ان میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ یہ کام اللہ یا جبریل  
یا عیسیٰ یا کسی اور دیوی یا دیوتا کے ہیں۔ اس لیے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ نادان! جب تم خود مانتے ہو کہ  
نہیں آسمان کا خالق اور گردشیں دینار کا فاعل اللہ ہے تو یہ دوسرے کون جانتے ہیں کہ ان کے سامنے سہمے کرتے ہو  
مذہب اور نیازیں پڑھاتے ہو، دعائیں مانگتے ہو اور اپنی ماجتیں پیش کرتے ہو۔ (لاحظہ ہو سورہ قاترہ ماشہ ۷۔ سورہ قاترہ  
ماشہ ۷۷)

روشنی کے مقابل میں تاریکیوں کو عبسہ مع یراں کیا گیا، کیونکہ تاریکی نام ہے عدم (نور کا عدم) لہذا کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہی۔  
اس لیے لڑنا سے ہمتا کر لیاں بت ہیں۔

۲۔ انسانی جسم کے تمام اجزاء زمین سے حاصل ہوتے ہیں کوئی ایک ذرہ بھی مٹی میں غیر از مٹی نہیں ہے۔  
اس لیے فرمایا کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

۳۔ یعنی قیامت کی گھڑی جب کہ تمام ملے چلے انسان اور فرشتہ کچے ہائیں گے اور حساب دینے کے لیے  
اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے۔

ثُمَّ أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ ﴿۱﴾ وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ  
يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَنَجْوَاكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ﴿۲﴾ وَمَا تَأْتِيهِمْ  
مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۳﴾  
فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمُ الْبُؤْسُ  
مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۴﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ  
مِنْ قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ  
عَلَيْهِمْ قَدْرًا رَّازًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ

محکم لوگ ہو کر شک میں پڑے ہوئے ہو۔ وہی ایک خدا آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی  
تمہارے کلمے اور چپے سب حال جانتا ہے اور جو برائی یا بھلائی تم کہتے ہو اس سے خوب  
واقف ہے۔

لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کے رب کی نشانوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں جو ان کے  
ماننے آتی ہو اور انہوں نے اس سے کوئی نہ موڑ لیا ہو۔ چنانچہ اب جو حق ان کے پاس آیا تو اسے  
بھی انہوں نے جھٹلادیا۔ اچھا جس چیز کا وہ اب تک مذاق اڑاتے رہے ہیں عنقریب اس کے  
متعلق کچھ خبریں سنیں پچھیں گی۔ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں کام  
ہلا کر چکے ہیں جن کا اپنے اپنے زمانہ میں دور دورہ رہا ہے؟ ان کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار  
بخشا تھا جو تمہیں نہیں بخشتا ہے، ان پر ہم نے آسمان سے خوب بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں بہا دیں؟

۱۔ اشارہ ہے ہجرت مدینہ کا یا ہجرت کی طرف ہجرت کے بعد اسلام کہے ہوئے مال ہونے والی تھیں جس  
وقت یہ اشارہ فرمایا گیا تھا اس وقت زمانہ یہ گزرا کہ کچھ لوگوں کی قوم کی خبریں سنیں پچھنے والی ہیں اور یہ مسلمانوں ہی کے

فَاَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝  
 وَكُنْزَلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِیْ قُرْطٰبٍ فَلَمَّسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ  
 الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَقَالُوا لَوْ كَا  
 اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ۝ وَكُنْزَلْنَا مَلَكًا لِّقَضٰی الْاَمْرِ ثُمَّ لَا  
 یُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ

مگر جب انہوں نے کفر ان نعمت کیا تو آخر کار ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں  
 تباہ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے دور کی قوموں کو اٹھایا۔

اسے پیغمبر اگر ہم تمہارے اوپر کوئی کاغذیں لکھی، لکھائی کتاب بھی اتار دیتے اور لوگ اسے  
 اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی جنہوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح  
 جادو ہے۔ کہتے ہیں اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اگر کہیں ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا  
 تو اب تک کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، پھر انہیں کوئی قلمت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم فرشتے کو اتارتے  
 تب بھی اسے انسانی شکل ہی میں اتارتے اور اس طرح انہیں اسی مشہر میں مبتلا کرتے جس میں

ذہن میں اس کا کوئی تصور تھا۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی آئندہ کے امکانات سے بے خبر تھے۔

۷۷ یعنی جب یہ شخص خدا کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ اتار رہا ہے عبادتوں سے  
 کہتا کہ یہ خدا کا پیغمبر ہے اس کی بات مافوقہ نہیں مراد ہی جانے گی۔ جاہلی معترضین کو اس بات پر تعجب تھا کہ خالق ارض و سما  
 کسی کو پیغمبر مقرر کرے اور پھر اس طرح اسے بے بارود و گار چتر کھانے اور گایاں سننے کے لیے مجبور کرے۔ اتنے بڑے بادشاہ کا  
 صغیر اگر کسی بڑے شایان کے ساتھ نہ آیا تھا تو کم از کم ایک فرشتہ تو اس کی مدد میں رہنا چاہیے تھا تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے،  
 اس کا رعب بٹھاتا، اس کی ماحریت کا یقین دلانا اور فرق الظہری طریقے سے اس کے کلمہ انجام دیتا۔

۷۸ اسے اس کے اعتراض کا پہلا جواب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے اور اپنے فرائض کی اصلاح کرنے کے لیے  
 جو قلمت نہیں لی ہوئی ہے یہ اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت پر وہ غیب میں پوشیدہ ہے۔ عورت جہاں تک کلمہ پہنچا  
 ہوا ہے حقیقت کا کوئی مرتبہ باقی نہ رہے گا۔ اس کے بعد صرف حجاب ہی رہنا باقی رہ جائے گا۔ اس لیے کہ وہ بالکل زندگی

ج

مَا يَلْسُونَ ۝ وَلَقَدْ اسْتَفْزَىٰ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ  
 بِالَّذِينَ سَخَّرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَفْزِمُونَ ۝ قُلْ  
 سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ  
 الْمُكْذِبِينَ ۝ قُلْ لِّسَنَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ

اب یہ مبتلا ہیں۔

اے محمد! تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے، مگر ان مذاق اڑانے والوں پر آخر کار وہی حقیقت مسلط ہو کر رہی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، ان سے کہو، ذرا زمین میں مل پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

ان سے پوچھو، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ کہو سب کچھ اللہ ہی کا ہے،

تمہارے لیے ایک امتحان کا زمانہ ہے، اور امتحان اس امر کا ہے کہ تم حقیقت کو دیکھے بغیر عقل و فکر کے بیچ استعمال سے اس کا ادراک کر سکتے ہو یا نہیں، اور ادراک کرنے کے بعد اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو تسلیم کر کے جس کو حقیقت کے مطابق نہ دیکھتے ہو یا نہیں۔ اس امتحان کے لیے جیب کاغذ بہت ضروری لازم ہے، اور تمہاری وجودی زندگی، جو دراصل حلت امتحان ہے، اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک جیب، جیب ہے۔ جہاں جیب شہادت میں تبدیل ہوا ہے، حلت لازماً ختم ہو جائے گی اور امتحان کے بجائے تجرہ امتحان نکلے گا وقت آپہنچے گا۔ لہذا تمہارے مطالبہ کے جواب میں یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارے سامنے فرشتے کو اس کی اہل صورت میں نمایاں کر دیا جائے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ابھی تمہارے امتحان کی مدت ختم نہیں کرنا چاہتا۔ روح پرورد بقرہ ما شبہہ ۲۳۵۔

۳۷۔ یہ ان کے احقر حضرات کا دوسرا جواب ہے فرشتے کے آنے کی پہلی صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وہ وگوں کے سامنے پہنی اصل فیسی صورت میں ظاہر ہوتا۔ لیکن اگر پتہ چلا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ اب دوسری صورت یہ باقی رہ گئی کہ وہ انسانی صورت میں آئے۔ اس کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ انسانی صورت میں آئے تو اس کے امور میں اللہ ہر نے بھی مل کر رہی اشتہاد پیش آئے گا جو عملی طور پر اللہ علیہ السلام کے مقررہ امور میں اللہ ہر نے میں پیش ہوا ہے۔

۳۸۔ یہی گزری ہوئی قوموں کے ہمہ تدبیر اور ان کے تاریخی اساتذہ شہادت ہیں جسے کہ مذاق و حقیقت سے موخر ہونے والا ہمارے ہی ہمارا کرنے کی بدولت کس طرح یہ قومیں ہر تنہا تک انجام سے دوچار ہو رہی ہیں۔

كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ لِيَجْمَعَ بَيْنَكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ  
لَا رَيْبَ فِيهِ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾  
وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الْبَيْتِ وَلِلنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٨﴾  
قُلْ أَغْنِيَ اللَّهُ عَنِ النَّاسِ قُلُوبَهُمْ وَلَا يَطْعَمُ قُلُوبَهُمْ قُلْ إِنِّي أَمَرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ

اس نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اسی لیے وہ نافرمانیوں اور سرکشوں پر ہمتیں  
جلدی سے نہیں پڑھتا، قیامت کے روز وہ تم سب کو ضرور جمع کرے گا، یہ بالکل ایک غیر مشتبہ  
حقیقت ہے، مگر جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود تباہی کے خطرے میں مبتلا کر لیا ہے وہ اسے  
نہیں مانتے۔

رات کے اندھیرے اور دن کے اُجالے میں جو کچھ ٹھہرا ہوا ہے، سب اللہ کا ہے اور وہ  
سب کچھ سننا اور جانتا ہے۔ کوہ اللہ کو چھوڑ کر کیا میں کسی اور کو اپنا سرپرست بنا لوں؟ اُس خدا کو چھوڑ کر  
جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور جو روزی دیتا ہے روزی لیتا نہیں لےتا؟ کوہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے  
کہ سب پہلے میں اُس کے آگے تسلیم خم کروں (اور تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شرک کرتا ہے تو کرے)

۱۷۔ ایک لطیف انداز بیان ہے۔ پہلے حکم تھا کہ ان سے رہجو، زمین و آسمان کی موجودات کس کی ہیں، مہائل نے  
سنا لیا اور جواب کے انتظار میں ٹھہر گیا۔ مخاطب اگرچہ خود کا لی ہیں کہ سب کچھ اللہ کا ہے، لیکن زندہ وہ خط جواب دینے کی  
جرات رکھتے ہیں، اور نہ صریح جواب دینا چاہتے ہیں کیونکہ اگر صریح جواب دیتے ہیں تو نہیں خوف ہے کہ مخالفت اس سے ان کے  
شرک کا دھندلے کے خلاف استدلال کے لئے۔ اس سے وہ کچھ جواب نہیں دیتے تب تک کہتا ہے کہ تم خود ہی کو کہ سب کچھ اللہ کا ہے۔  
۱۸۔ خلاصہ میں ایک لطیف تقریر ہے۔ بشر کوئی اللہ کے سوا جس میں کوئی خدا بنا رہا ہے وہ شیطان ہندوں کو  
مذوق دینے کے لئے انسان سے رزق پانے کے محتاج ہیں۔ کوئی فرعون خدائی کے شائبہ نہیں جاسکتا جب تک اس کے  
ہندے اسے شکر ادا نہ دے رہے ہوں۔ کسی صاحب قبر کی تائید محمودیت قائم نہیں ہو سکتی جب تک اس کے پرستار اس کا



وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ مَنْ يُصِرْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ۝ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝ قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلْ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ

تو بہر حال مشرکوں میں شامل نہ ہو کہو، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے (خوفناک) دن مجھے سزا بھگتنی پڑے گی۔ اُس دن جو سزا سے بچ گیا اس پر اللہ نے بڑا ہی رحم کیا اور یہی نمایاں کامیابی ہے۔ اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے، اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔

ان سے پوچھو، کس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے؟ — کہو، میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے، اللہ یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے شائع و مقبول و قیوم نہ کریں، کسی دین کا مدعا خداوندی ج نہیں سکتا جب تک کہ اس کے پیروں میں کسی کا جسر نہ ہو کسی عالمی شان مند دین نہ دیکھیں اداس کہ کثرین حکام ان کے سامان سے آراء نہ کریں۔ سارے مٹانے والے خدا ہی سے خود اپنے بندوں کے قیام ہیں۔ صرف ایک خداوند عالم ہی حقیقی خدا ہے جس کی خدائی آپ اپنے دل و قلوب میں قائم ہے اور جو کسی کی مدد کا قیام نہیں بلکہ سب ہی کے قیام ہیں۔

اللہ یہی بات گواہ ہے کہ میں اس کی طرف سے امدادوں و مددوں کو کچھ کہتا ہوں، اسی کے حکم سے کہتا ہوں۔

۱۱ وَمَنْ بَلَغَ اَيْتَكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهَةٌ اُخْرٰى  
 قُلْ لَا اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنِّىْ بَرِىٌّ مِّمَّا  
 تُشْرِكُوْنَ ۝۱۲ الَّذِيْنَ اتَيْنَهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ  
 اَبْنَاءَهُمُ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳  
 مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِآيٰتِهٖۤ اِنَّهٗ

وہی ہے  
 اللہ تعالیٰ

سب کو متنبہ کر دوں۔ کیا واقعی تم لوگ یہ شہادت دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے خدا  
 بھی ہیں؟ کہو، میں تو اس کی شہادت ہرگز نہیں دے سکتا۔ کہو، خدا تو وہی ایک ہے اور میں اس شرک سے  
 قطعی بیزار ہوں جس میں تم بتلا ہو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو اس طرح  
 غیر متنبہ طور پر چاہتے ہیں جیسے ان کو اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔  
 مگر جنہوں نے اپنے آپ کو خود خدا سے میں ڈال دیا ہے وہ اسے نہیں مانتے اور اس شخص سے  
 بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے، یا اللہ کی نشانیں کو جھٹلائے، یقیناً

۱۳ کسی چیز کی شہادت دینے کے لیے معنی قیاس یا گمان کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے علم یا خبر ضروری ہے  
 جس کی بنا پر آدمی یقین کے ساتھ کہہ سکے کہ ایسا ہے پس سوال کا مطلب یہ ہے کہ کیا واقعی تمیں یہ علم ہے کہ اس جہان میں تو  
 ہر وہی خدا کے سوا اور بھی کوئی کارفرما کیم ذی اختیار ہے جو ہر جگہ درجستج کا مستحق ہو؟

۱۴ یعنی اگر تم علم کے بغیر معنی جھوٹی شہادت دیتا چاہتے ہو تو وہی تو ایسی شہادت نہیں دے سکتا۔

۱۵ یعنی کتب آسمانی کا علم رکھنے والے اس حقیقت کو غیر متنبہ طور پر پہچانتے ہیں کہ خدا ایک ہی ہے اور خدا ہی میں  
 کسی کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ جس طرح کسی کا بچہ بہت سے بچوں میں جا جا کھڑا ہوتا ہے، الگ پہچان سے گا کہ اس کا بچہ کون سا ہے  
 اسی طرح جو شخص کتاب الہی کا علم رکھتا ہو وہ الوہیت کے مستحق لوگوں کے لیے شمار مختلف عقیدوں اور نظریوں کے درمیان  
 بلا کسی شک و اشتباہ کے یہ پہچان دیتا ہے کہ ان میں سے امر حق کون سا ہے۔

۱۶ یعنی یہ دعویٰ کرے کہ خدا کے ساتھ دوسری بہت سی ہستیاں بھی خدائی میں شریک ہیں، خدائی صفات مختلف  
 ہیں، خداوندانہ اختیارات رکھتی ہیں، اور اس کی مستحق ہیں کہ انسان ان کے کئے کی عبادت کا وہی اختیار کرے۔ نیز یہ بھی اشارہ ہے

لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ  
لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آيِنَ شِرْكَائِكُمْ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲۲﴾  
ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا  
مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾ أَنْظِرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ  
مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا

ایسے ظالم کسی فلاح نہیں پاسکتے۔

جس روز ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے اور مشرکوں سے پوچھیں گے کہ اب وہ تمہارے نہیں  
ہوے شریک کہاں ہیں جن کو تم اپنا خدا سمجھتے تھے تو وہ اس کے سوا کوئی فتنہ نہ اٹھا سکیں گے کہ  
(یہ جھوٹا بیان دیں کہ) اسے ہمارے آقا تیری قسم ہم ہرگز مشرک نہ تھے۔ دیکھا اُس وقت یہ  
کس طرح اپنے اوپر آپ جھوٹ گھڑیں گے، اور وہ ان کے سائے بناوٹی معبود گم ہوجائیں گے۔  
ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر تمہاری بات سننے میں مگر حال یہ ہے کہ ہم نے

ہے کہ کوئی یہ کہے کہ خدائے تعالیٰ انہیں بتیوں کی پناہ مقرب خاص قرار دیا ہے اور کسی نے یہ حکم دیا ہے، یا تم از کم یہ کہ وہ اس  
پہنچا ہے کہ ان کی طرف تعالیٰ مخالفت و حرب کی جائیں اور ان سے وہ معاملہ کیا جائے جو بندے کو اپنے خدا کے ساتھ  
کرنا چاہیے۔

۱۶ اندر کی نشانیں سے مراد وہ نشانیں ہیں جو ان کے اپنے نفس اور مادی کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور  
بھی جو بیہوشوں کی صورت اور ان کے کارناموں میں ظاہر ہوئیں، اور وہ بھی جو کتب آسمانی میں پیش کی گئیں یہ ساری نشانیاں  
ایک ہی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں یعنی یہ کہ موجودات عالم میں خدا صرف ایک ہے باقی سب بندے ہیں۔ اب  
جو شخص ان تمام نشانوں کے مقابلہ میں کسی حقیقی شہادت کے بغیر کسی علم کسی مشاہدے اور کسی تجربے کے بغیر جو تو قیاس و گمان  
یا تقلید یا آئی کی بنا پر دوسروں کو الہیت کی صفات سے محض اور خداوندی حقوق کا مستحق ٹھہراتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے  
بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ حقیقت و صداقت پر ظلم کر رہا ہے، اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے اور کائنات کی ہر اُس چیز پر ظلم کر رہا  
ہے جس کے ساتھ وہ اس غلط فہمی کی بنا پر کوئی متاثر کرتا ہے۔

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةٌ أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَلَوْ أَنَّ  
يَتَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُبَايِعُونَكَ  
يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٠﴾

اُن کے دلوں پر پڑے ڈال رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس کو کچھ نہیں سمجھتے اور ان کے کانوں میں گرائی ہے کہ سب کچھ سننے پر بھی کچھ نہیں سمجھتے۔ وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں، اس پر ایمان لا کر نہ دیں گے۔ حد یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آ کر تم سے جھگڑتے ہیں تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار کا فیصلہ کر لیا ہے وہ (ساری باتیں سننے کے بعد) یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک داستانِ پارینہ کے ہوا کچھ نہیں۔

۵۰۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ قاذونِ ظلمت کے تحت جو کچھ دنیا میں واقع ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب ہوتا ہے، کیونکہ وہ اصل اس قاذون کا بنانے والا اور ہی ہے اور جو نتائج اس قاذون کے تحت رونما ہوتے ہیں وہ سب حقیقت میں اللہ کے اذن و تدبیر کے تحت ہی رونما ہوا کرتے ہیں۔ ہٹ دھرم منکوبینِ حق کا سب کچھ سننے پر بھی کچھ نہ سنا اور داعیِ حق کی کسی بات کا ان کے دل میں نہ اُترنا ان کی ہٹ دھرمی اور تعصب اور جوہر کا فطری نتیجہ ہے۔ قاذونِ ظلمت یہی ہے کہ جو شخص خدا پر اُتر آتا ہے اللہ ہے قسمی کے ساتھ صداقت پسند انسان کا سا رویہ اختیار کرنے پر تیار نہیں ہوتا اس کے دل کے دواغ سے ہر اس صداقت کے لیے ہند بھڑکتے ہیں جو اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ اس بات کو جب ہم بیان کریں گے تو وہل کہیں گے کہ فلاں شخص کے دل کے دواغ سے بندیں۔ اسی بات کو جب اللہ بیان فرمائے گا تو وہ فرمائے گا کہ اس کے دل کے دواغ سے ہم نے ہند کر دیے ہیں۔ کیونکہ ہم صرف واقعہ بیان کرتے ہیں اور اللہ حقیقتِ واقعہ کا اعلان فرماتا ہے۔

۵۱۔ تاوان لوگوں کا فرمایا قاعدہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص بائیں حق کی طرف دعوت دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تم نے نئی بات کیا کہی یہ تو سب وہی پرانی باتیں ہیں جو ہم پیسے سے سنتے چلے آ رہے ہیں۔ گویا ان احمقوں کا نظریہ یہ ہے کہ کسی بات کے حق ہونے کے لیے حق کا کیا ہونا بھی ضروری ہے لہذا جو بات بھائی ہے وہ حق نہیں ہے۔ حالانکہ حق ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہے گا۔ خدا کے دیے ہوئے علم کی بنا پر جو لوگ انسانوں کی رہنمائی کے لیے آئے ہیں وہ سب قدیم ترین زمانہ سے ایک ہی امرِ حق کو پیش کرتے آئے ہیں لہذا آئندہ بھی جو اس بیچ علم سے فائدہ اٹھا کر پیش کریں گے وہ وہی پرانی بات کو دہرائیں گے۔ البتہ نئی بات صرف وہی لوگ نکال سکتے ہیں جو خدا کی روشنی سے محروم ہو کر الٹی دھڑی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے اور اپنے ذہن کی آنکھ سے کچھ نظروں کو کرنا نہیں حق کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ بلاشبہ ایسے نادان ہوں گے جن کے کہ وہ بات کہیں جو ان سے پہلے بھی دنیا میں کسی نے نہ کہی ہو۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْتَوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا  
 أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۷﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَى النَّارِ  
 فَقَالُوا لَيَلَيْتَنَا زُرُّهُ لَا تُكَلِّبُ بَابَيتَ رَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾  
 بَلْ بَدَأَ الْهَمَّ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلِ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا  
 نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۳۹﴾ وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا  
 وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۴۰﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ

وہ اس امر حق کو قبول کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں۔ (وہ بچتے  
 ہیں کہ اس حرکت سے وہ تمہارا کچھ بچا لے رہے ہیں) حالانکہ دراصل وہ خود اپنی ہی تباہی کا سامان کر رہے ہیں  
 مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ کاش تم اس وقت کی حالت دیکھ سکتے جب وہ دوزخ کے کنارے  
 کھڑے کیے جائیں گے۔ اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش کوئی صورت ایسی ہو کہ ہم دنیا میں پھر واپس بھیجے  
 جائیں اور اپنے رب کی نشانیں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہوں۔ درحقیقت یہ بات  
 وہ محض اس وجہ سے کہیں گے کہ جس حقیقت پر انہوں نے پردہ ڈال رکھا تھا وہ اس وقت بے نقاب  
 ہو کر ان کے سامنے آچکی تھی، ورنہ اگر انہیں سابق زندگی کی طرف واپس بھیجا جائے تو پھر وہی سب کچھ  
 کریں جس سے انہیں منع کیا گیا ہے، وہ تو یہی جھوٹے (اس لیے اپنی اس خواہش کے اظہار میں بھی جھوٹ  
 ہی سے کام لیں گے)۔ آج یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہم مرنے کے  
 بعد مگر دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔ کاش نہ مقرر تم دیکھ سکو جب اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔

۱۔ ایمان کا قول درحقیقت محض دھوکے کی طرح بیٹھے اور کسی حقیقی تبدیلی لانے کا بیج نہ اٹھا بلکہ محض شہو  
 حق کا تجویر کا جس کے بعد ظاہر ہے کہ کوئی کثے سے لگا کر فریبی ٹھکانے کی جرات نہیں کر سکتا۔

قَالَ الْيَسَّ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا لَيْسَ شَيْءٌ عَلَيْنَا فَنُفِطِنَاهُمَا ۖ وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْثَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ إِلَّا سَاءَ مَا يَزِدُّونَ ۝ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لُحُوبٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

اس وقت ان کا رب ان سے پوچھے گا کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟ یہ کہیں گے ہاں اے ہمارے رب! یہ حقیقت ہی ہے۔ وہ فرمائے گا: اچھا! تو اب اپنے انکارِ حقیقت کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو! نقصان میں پڑ گئے دو لوگ جنہوں نے انہ سے اپنی ملاقات کی اطلاع کو جھوٹ قرار دیا جب ہمارا تک وہ گمراہی آجائے گی تو یہی لوگ کہیں گے افسوس! ہم سے اس معاملہ میں کسی تعصیب ہوئی۔ ان کا حال یہ ہو گا کہ اپنی پیشوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لائے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو! کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور ایک تماشہ ہے، حقیقت میں سخت ہی کا مقام ملے گا۔ اس کا مطلب نہیں کہ دنیا کی زندگی میں کوئی سجدگی نہیں ہے اللہ سے من کھیل اور تماشے کے طور پر نہائی گئی ہے۔ وہ اصل اس کا مطلب ہے کہ آخرت کی حقیقی اللہ پائیدار زندگی کے مقابلہ میں یہ زندگی بے جیسے کوئی شخص کچھ

دیر کھیل اور تفریح میں دل بٹوائے اور پھر اصل سجدہ کا رد ہمارا کی طرف واپس ہو جائے۔ نیز اسے کھیل اور تماشے سے تشبیہ اس لیے بھی دی گئی ہے کہ یہاں حقیقت کے فنی ہونے کی وجہ سے بے بصیرت اور ظاہر پرست انسانوں کے لیے غلط فہمیوں کا شکار ہونے کے بہت سے سبب موجود ہیں اور ان غلط فہمیوں میں ہمیں کرکٹ حقیقت نفس ہماری کے خلاف ایسے ایسے سبب طرز عمل اختیار کرتے ہیں جن کی بدولت ان کی زندگی بھی ایک کھیل اور تماشہ بن کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً جو شخص یہاں بادشاہ ہو کر بیٹھا ہے اس کی حیثیت حقیقت میں تھیںس کے کس معنوی بادشاہ سے مختلف نہیں ہوتی جو تاج پہن کر طوطا اور ہڈیاں ہاتھ میں لے کر حکم چلاتا ہے۔ گویا کہ وہ واقعی بادشاہ ہے۔ حالانکہ حقیقی بادشاہی کی اس کو ہر ایک نہیں کی ہوتی۔ لیکن اگر اس کے ایک شہر سے پردہ معزل رہ جاتا ہے، تو کیا کہنا ہے اس کے کل ملک کا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ ایسے ہی تماشے اس دنیا میں ہر طرف نظر آ رہے ہیں۔ کہیں کسی دلی راہب کی کے حوالے سے حاجت سنا لیں اور کسی دلی راہب کے حوالے سے حاجت سنا لیں

خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳﴾ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزَنُكَ  
الَّذِي يَقُولُونَ فَلَا يَكْفُرُونَ بِالَّذِينَ ظَلَمُوا بِآيَاتِ اللَّهِ  
يُخَادُّونَ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ

ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں، پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لو گے؟  
اے محمد! ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان سے تمہیں رنج و غصہ ہے، لیکن لوگ  
تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ تم سے پہلے بھی بہت سے  
رسول جھٹلائے جا چکے ہیں، مگر اس تکذیب پر اور ان اذیتوں پر جو انہیں پہنچائی گئیں، انہوں نے

کی طاقت کا نام دینا تک موجود نہیں۔ کہیں کوئی حبيب دانی کے کلمات کا منظر و مکر رہا ہے، حالانکہ جب کے علم کا وہاں  
شاہد تک نہیں۔ کہیں کوئی لوگوں کا مذاق بنا ہوا ہے، حالانکہ بچاؤ خود اپنے رزق کے لیے کسی اور کا متاع ہے۔ کہیں کوئی  
مہینے آپ کو عزت اور ذلت دینے والا، نفع اور نقصان پہنچانے والا کچھ مینا ہے اور یوں اپنی کبریائی کے ٹکٹے ہار رہا ہے  
گو کہ وہی گرد و پیش کی ساری مخلوق کا خدا ہے۔ حالانکہ ہندگی کی ذلت کا داغ اس کی پیشانی پر لگا ہوا ہے اور قسمت کا ایک  
فراں جھٹلائے کبریائی کے مقام سے گرا کر انہی لوگوں کے قدموں میں ہمال کو لٹکتا ہے جن پر وہ کل تک خدائی گرد ہوا تھا جب  
کھیل جو دنیا کی چند روزہ زندگی میں کیلے جا رہے ہیں، موت کی ساعت آگے ہی ٹھیک ختم ہو جائیں گے اور اس سرحد سے  
پار ہوئے ہی انسان اس عالم میں پہنچ جائے گا جہاں سب کچھ عین مطابق حقیقت ہوگا اور جہاں دینی زندگی کی ساری غلطیوں  
کے چھلکے اُتار کر ہر انسان کو دکھایا جائے گا کہ وہ مصلحت کا کتنا جوہر اپنے ساتھ لایا ہے جو میزان حق میں کسی وزن اور کسی  
قد و قیمت کا حامل ہو سکتا ہو۔

۱۳۱۰ واقعہ یہ ہے کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی آیات منافی شرعہ نہ دیکھیں، آپ کی قوم کے سب لوگ  
آپ کو زمین اور مافوق سمجھتے تھے اور آپ کی راہنمائی پر کمال اعتماد رکھتے تھے۔ انہوں نے آپ کو جھٹلایا اس وقت جب کہ  
آپ نے اللہ کی طرف سے پیغام پہنچانا شروع کیا۔ اور اس دوسرے دور میں بھی ان کے اندر کوئی شخص ایسا نہ تھا جو شخصی  
حیثیت سے آپ کو جھڑپا قرار دینے کی جرأت کر سکتا ہو۔ آپ کے کسی صلت سے سخت مخالفت نہ کی کسی آپ پر یہ الزام  
نہیں لگایا کہ آپ دنیا کے کسی معاد میں کبھی جھوٹ لانے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انہوں نے فتنی آپ کی تکذیب کی وہ منہ نبی  
ہونے کی حیثیت سے کی آپ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل تھا اور حضرت علی کی مصیبت ہے کہ ایک مرتبہ اس نے خود نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا انا لا نکذب بک و لیکن نکذب ما جئت بہ۔ ہم آپ کو تو جھوٹا نہیں کہتے، مگر جو

مَا كُنْ بَوَّاءً وَادَّحٰحٰی اَتَهُمۡ نَصْرُنَاۤ اَلَا مُبَدَّلُ لِكَلِمَتِ اللّٰهِ  
وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبَاِ الرُّسُلِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَاِنْ كَانَ كِبَرَ عَلٰیكَ  
لِعَرَاضِهِمْ فَاِنْ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلٰمًا  
فِی السَّمَآءِ فَتَاتِبِهِمْ بِآیٰتِہٖ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمۡ عَلٰی الْهٰدٰی

ممبر کیا، یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اللہ کی باتوں کو بدلتے کی طاقت کسی میں نہیں ہے،  
اور پچھلے رسولوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس کی خبریں ہمیں پہنچ ہی چکی ہیں۔ تاہم اگر ان لوگوں کی بے وفائی  
تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ نکھودو یا آسمان میں سیر ملگاد  
اور ان کے پاس کوئی نشانہ لانے کی کوشش کرو۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا،  
کچھ آپ پیش کر رہے ہیں اسے عجوبہ قرار دیتے ہیں، جنگ جہاد کے عروج پر انھیں بن خرقہ نے تعمیر میں ہر جہل سے پرہیز کیا  
میرے اصرار کے سوا کوئی دوسرا مرد نہیں ہے، کچھ بتاؤ کہ محمد کو تم کچھ بتاتے ہو یا جھوٹا، اس نے جواب دیا: خدا کی قسم تم ایک  
سچا آدمی ہے، ہر کچھ کچھ جھوٹ نہیں دلا، اگرچہ لاوارادہ عقائد اور حماقت اور بہت سب کچھ غلطی غلطی ہی کے حصہ میں آجائے  
بتاؤ باقی سارے قریش کے پاس کیا رہ گیا؟ یہی بتا دیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دے رہا ہے کہ کذاب رسول تمہاری نہیں  
بلکہ ہماری کی جارہی ہے اور جب ہم قتل و ہرجا کی کوشش سے بدداشت کیے جا رہے ہیں اور ذلیل و ذلیل دیکھ جاتے ہیں  
تم کہیں مضطرب ہوتے ہو۔

۳۷ یعنی اللہ نے حق اور باطل کی کشمکش کے لیے جو قانون بنادیا ہے اسے تبدیل کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔  
حق ہر قسم کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ ایک طریق دست تک آنا انہوں کی جھڑپی میں پائے جائیں۔ اپنے ممبر، اپنی اولاد یا کسی کا  
اپنے ایثار اور اپنی فداکاری کا، اپنے ایمان کی بھٹی اور اپنے عمل کی اشک کا امتحان دیں، مصائب اور مشکلات کے قدر سے  
گور کر اپنے اندر وہ صفات پرورش کریں جو صرف اسی دُشوار گزار گھاٹی میں پرورش پا سکتی ہیں۔ ہمدردانہ خالص اعلیٰ منزل  
و میریت ماحول کے ہتھیاروں سے جاہلیت پر فتح حاصل کر کے دکھائیں۔ اس طرح جب وہ اپنا وسیع ہر نامتات کر دیں گے  
جب اللہ کی نصرت شیک اپنہ وقت پہان کی دستگیری کے لیے پہنچے گی، وقت سے پہلے وہ کسی کے ہاتھ نہیں لے سکیں۔  
۳۸ یعنی مصلیٰ اللہ علیہ وسلم جب دیکھتے تھے کہ اس قوم کو سمجھانے بھڑاتے تھے گزرتی ہیں اور کسی طرح نہ سمجھتی  
نہیں تھی تو یہاں اوقات آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش کوئی ثانی خدا کی طرف سے ایسی ظاہر ہو جس سے



## فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْخٰیِلٰیۙ ۙ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الذِّیْنَ یَسْمَعُوْنَ ۙ

لہذا نادان مت بنو۔ و محبت حق پر بیک دہی لوگ کہتے ہیں جو سُنے والے ہیں

ان لوگوں کا کفر تو نے اللہ پر ہی صداقت تسلیم کر لیں۔ آپ کی اسی خواہش کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جہری سے کام نہ لیں نہ جنگ اور جس ترتیب و تدبیر سے ہم اس کام کو چلا رہے ہیں اسی پر صبر کے ساتھ چلے ہاؤ۔ مجھوں سے کام لینا ہوتا تو کیا ہم خود سے نکلتے تھے، اگر ہم جلتے ہی کہ جس حکمرانی و ظلالی انقلاب اور جس دنیائے مائیک کی تعمیر کے کام پر تم اور کے لئے ہوا سے کیا بیانی کی منزل تک پہنچانے کا صحیح راستہ نہیں ہے۔ تاہم لوگوں کے موجودہ جبر و ادا ان کے انکار کی سختی پر تم سے صبر نہیں ہوتا اور تمہیں گمان ہے کہ اس جبر کو توڑنے کے لیے کسی عرصہ نشانی کا مشاہدہ کرنا ہی ضروری ہے تو خود زندگی و اور تھا نا کچھ بس پتا ہو تو زمین میں گمشدہ کیا آسمان پر چڑھ کر کوئی ایسا مجروحہ نہ لے کر کشن کر دے تم سمجھو کہ یہ بے یقینی کو یقین میں تبدیل کر دینے کے لیے کافی ہو گا۔ اگر ہم سے عید نہ رکھو کہ ہم تمہاری خواہش پوری کریں گے کہ جو کچھ ہماری تعلیم میں اس تدبیر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

۲۲۔ یعنی اگر صرف یہ بات مطلوب ہوئی کہ تمام انسان کسی نہ کسی طرز پر است مدہی جائیں تو یہ بھیجئے اللہ کیسے جانوں کرنے اور مومنوں سے کفار کے مقابل میں جدو جہد کرنے اور محبت حق کو تدبیر کی تحریک کی منزلوں سے گزرنے کی حاجت بھی کیا تھی۔ یہ کام قرآن شہ کے ایک ہی تخلیقی اشارہ سے اہتمام پاسکتا تھا، لیکن انہ اس کام کو اس طریقہ پر کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا مثلاً قرآن ہے کہ حق کو کامل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ پھر ان میں سے جو لوگ فکر و صبح سے کام لے کر حق کو پہچان میں وہ اپنے آقا و ائمہ اختیار سے اس پامیان لائیں۔ انہی بیرون کو اس کے مددگار بنیں مسائل کو باطل پرستوں کے مقابل میں اپنا حلقہ ترقی ثابت کریں۔ انسان کے تجھ و میں سے صالح ظاہر کر اپنے طاقتور ائمہ و اہل اپنے بزرگ نصیب لیں۔ اپنے ہر مراموں زندگی اور اپنی پاکیزہ میرت کی کائنات سے اپنی طرف کیجئے چلے جائیں۔ اور باطل کے خلاف ہم جدو جہد کے فطری ارتداد کی راہ سے اقامت و حق کی منزل تک پہنچیں۔ انہ اس کام میں ان کی پہنکی کہے گا اور میں مرطلہ پر بھی مدد انہ سے جائے گا وہ اپنے آپ کو سختی متائیں گے وہ مدد بھی انہیں دیتا چھائے گا۔ لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ اس فطری راستے کو چھوڑ کر انہ تعالیٰ عنہ اپنی قدرت قادرہ کے زور سے انہ کو مادہ و کثرت کر لوگوں میں ٹکڑے صالح پیدا کرے اور ائمہ ان کا سکونت و دائرہ کر کے دنیائے عالم تعمیر کر دے، تو ایسا ہرگز نہ ہو گا کیونکہ یہ انہ کی اس حکمت کے خلاف ہے جس کے تحت اس نے انسان کو دنیا میں ایک ذمہ دار مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا ہے۔ اسے تعریف کے اعلیٰ انات دیئے ہیں، اعلیٰ محبت و عصیان کی آزادی بخشی ہے، اسماں کی ملت و ملک کی ہے، انداس کی سعی کے مطابق جو انداز سامنے کے لیے فضلہ کا ایک حجت مقرر کر دیا ہے۔

وَيُنَزِّلُ فِيهِ الْمَلَائِكَةُ سُبْحًا وَمَطَرًا

وَالْمَوْتِ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٦٠﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ يُجْنِحُهُ إِلَّا أَمَمٌ مِثْلُكُمْ مَا فَزَّنَّا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٦٢﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمُّوهُمْ فِي الظُّلُمَاتِ مَنْ يَشَاءُ اللَّهُ

سہے مُردتے، تو انہیں تو اللہ بس قبروں ہی سے اٹھائے گا اور پھر وہ (اس کی عدالت میں پیش ہونے کے لیے) واپس لئے جائیں گے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُٹھی کہہ، اللہ نشانی اتارنے کی ہر وہی قدرت رکھتا ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ نادانی میں جھگڑتے۔ زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو، یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں، ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سیٹھے جاتے ہیں۔ مگر جو لوگ ہماری نشانیں کو جھٹلاتے ہیں وہ ہرے اور گونگے ہیں، تار کیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے

۶۰ سننے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے غیر زندہ ہیں، جنہوں نے اپنی عقل و فکر کو سفل نہیں کر لیا ہے۔ اور جنہوں نے اپنے دل کے دروازوں پر قصبہ اور محروم کے قفل نہیں چڑھا دیے ہیں۔ ان کے قابضیں مردہ وہ لوگ ہیں جو کہہ کرے بغیر بنے اندھوں کی طرح چلے جا رہے ہیں، اسی کی طرح ہٹ کر کوئی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں خواہ وہ صورتِ علی کی کیوں نہ ہو۔

۶۱ اللہ نشانی سے مراد محسوس ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہرگز نہ دیکھنے والے کو

## يُضِلُّهُ وَمَنْ يَشَاءُ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۸﴾

بھٹکا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے رستے پر لگا دیتا ہے۔ ان سے کہو،

یہ نہیں ہے کہ ہم اس کو دکھانے سے عاجز ہیں بلکہ اس کی وجہ کھلا ہے جسے یہ لوگ محض اپنی نادانی سے نہیں سمجھتے۔  
 علم طلب یہ ہے کہ اگر تمہیں محض تشاؤ بیانی کا شوق نہیں ہے بلکہ فی الواقع یہ معلوم کرنے کے لیے اپنی اپنی دیکھیں  
 چاہتے ہو کہ یہ کونسی چیز کی طرف بلا رہا ہے وہاں حق ہے یا نہیں، تو انہیں کھول کر دیکھو، تمہارے گرد و پیش ہر طرف  
 نشانیاں ہی نشانیاں پھیل رہی ہیں۔ زمین کے جانوروں اور درختوں پر بندوں کی کسی ایک فوج کو اس کی زندگی پر غور کرو۔  
 کس طرح اس کی ساخت خشک خشک اس کے مناسب عامل بنائی گئی ہے۔ کس طرح اس کی جبلت جس اس کی فطری ضرورتوں  
 کے میں مطابق تو اس کو دیت گئی ہیں کس طرح اس کی لذت و سالی کا انتظام ہو رہا ہے۔ کس طرح اس کی ایک قدر ضرورت ہے جس  
 حد سے وہ ذائقے پر مشتمل ہے نہ بچھے ہٹ سکتی ہے کس طرح اس سے ایک ایک جانور اور ایک ایک پھول سے چھوٹے  
 کیڑے کی اسی مقام پر پہنچ رہا ہے، غیر گہری، گہرائی، حفاظت اور رہنمائی کی جارہی ہے۔ کس طرح اس سے ایک خود بخود حکیم کے مطابق  
 کام لیا جا رہا ہے۔ کس طرح اسے ایک مخالف کا پابند بنا کر رکھا گیا ہے اور کس طرح اس کی پیدائش، تناسل اور موت کا سلسلہ پوری  
 آقاوندگی کے ساتھ چل رہا ہے۔ اگر خدا کی بے شمار نشانیوں میں سے صرف اسی ایک نشانی پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ خدا  
 کی توحید اور اس کی صفات کا جو تصور یہ چھوڑتا ہے اسے سانسے پیش کر رہا ہے اور اس تصور کے مطابق دنیا کی زندگی بسر کرنے کے لیے  
 جس دنیا کی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہے وہ دین حق ہے۔ لیکن تم لوگ خود اپنی آنکھیں کھول کر دیکھتے ہو کہ کسی بھانسنے والے کی  
 بات سننے پر۔ حالت کی تباہیوں میں پڑے ہوئے برادر چاہتے ہو کہ کجائیت حدت کے کرشمے دکھا کر تمہارا دل بھلا یا جائے۔  
 اے خدا کا بھلائیہ ہے کہ ایک جماعت پسند انسان کو آیاتِ انبی کے مطابق ان کی توفیق نہ بخشی جائے اور ایک صاحب  
 غیر حقیقت پسند طالب علم کو آیاتِ انبی کا شاہدہ کرے یہی حقیقتِ حسی کے نشانات اس کی آنکھ سے اور جمل رہیں اور فلاں فیول  
 میں بوجھانے والی چیزیں اسے حق سے دور اور دور تر کھینچتی چلی جائیں۔ بخلاف اس کے اللہ کی ہدایت یہ ہے کہ ایک طالب حق  
 کو علم کے ذرائع سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشی جائے اور اللہ کی آیات میں اسے حقیقت تک پہنچنے کے نشانات ملنے چلے  
 جائیں۔ ان تینوں کیفیتوں کی بکثرت ثابتیں آئے دن ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ بکثرت انسان ایسے ہیں جن کے سامنے  
 آفاق اور انصر میں اللہ کی بے شمار نشانیاں پھیل رہی ہیں مگر وہ جانوروں کی طرح انہیں دیکھتے ہیں اور کوئی سبق حاصل نہیں کرتے  
 اور بہت سے انسان ہیں جو حیوانات (Zoology)، نباتات (Botany)، حیاتیات (Biology)،  
 ارضیات (Geology)، فلکیات (Astronomy)، معنویات (Physiology)، علم التشریح  
 Anatomy اور انسانی کی دوسری شاخوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تاویخ، آثار قدیمہ اور علوم اجتماعی (Social  
 Sciences) کی تحقیق کرتے ہیں اور ایسی ہی نشانیاں ان کے مشاہدے میں آتی ہیں جو طلبہ کو ایمان سے لہرے کر دیں۔

أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ  
 اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٥٢﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ  
 فَيُكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿٥٣﴾

ذرا غور کر کے بتاؤ، اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی بڑی مصیبت آجاتی ہے یا آخری گھڑی آجینتی  
 ہے تو کیا اس وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو، بلکہ اگر تم کہتے ہو۔ اس وقت تم اللہ ہی کو  
 پکارتے ہو، پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم پر سے مٹال دیتا ہے۔ ایسے موقعوں پر تم اپنے  
 شیرائے ہوئے شرکوں کو منہول جاتے ہوئے

عکس کر دو، ملاحظہ کیا آقا زہی تفسیر کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کے پیش نظر دنیا اور اس کے فوائد و منافع کے ساتھ نہیں ہوتا اس لیے  
 اس شاہد کے دوران میں ان کو صداقت تک پہنچانے والی کوئی نشانی نہیں ملتی، بلکہ جو نشانی بھی سامنے آتی ہے وہ انہیں اپنی  
 دہریت، الحاد، باوجود برہمنی اور غیرت ہی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ ان کے مقابل میں ایسے لوگ بھی ناپید نہیں ہیں جو ان کے  
 گمراہی کو اس کا رگڑا، عالم کو دیکھتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ:

ہر گز دوستان ہمز در نظر ہر مشیار

ہر دہتے دفترست معرفت کردہ

﴿۵۲﴾ کہ سترت آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم ایک نشانی کا مطالعہ کرتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم اسے گرد و پیش میں صرف  
 نشانیاں ہی نشانیاں مسمیٰ کرتے ہو۔ اس سلسلہ میں پہلے مثال کے طور پر حیوانات کی زندگی کے شاہد کی طرف توجہ دلائی گئی۔  
 اس کے بعد ایک دوسری نشانی کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے جو خود منکوی حق کے اپنے نفس میں موجود ہے جب انسان  
 پر کوئی بڑی آفت آجاتی ہے یا موت اپنی بریائے صحت کے ساتھ سامنے آگھڑی ہوتی ہے، اس وقت ایک خدا کے ناصر  
 کے سوا کوئی دوسری پناہ گاہ اسے نظر نہیں آتی۔ بڑے بڑے مشرک ایسے موقع پر اپنے معبودوں کو منہول کر خدائے واحد کو پکارتے  
 گئے ہیں۔ کئی سے کئی دہرے تک خدا کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔ اسی نشانی کو کیاں حق نمائی کے لیے پیش  
 کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ اس بات پر دلیل کو خدا پر حق اور توحید کی شہادت ہر انسان کے نفس میں موجود ہے جس پر خلقت  
 جمات کے خواہ کتنے ہی پر دے مٹال دیے گئے ہوں، مگر پھر بھی کسی نہ کسی وہ بھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ابوجہل کے بیٹے بلکہ  
 کو اسی نشانی کے شاہد سے ایمان کی توفیق نصیب ہوئی جب کہ مسند نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر فتح ہوئی تو مکرم  
 جہ کی طرف ہمارے اہل ایک کشتی پر بارہر کر پیش کی راہ فی۔ راستہ میں سخت طوفان آیا اللہ کئی خطر میں پڑ گئی۔ اول اول تو

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاتَّخَذْتَهُمُ بِالْبَأْسَاءِ  
 الضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿٣٧﴾ فَلَوْلَا إِذَا جَاءَهُمْ بِآسُنَا  
 نَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٨﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ  
 أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ  
 بَغْتَةً فَاذَاهُمْ مُبْلِسُونَ ﴿٣٩﴾ فَتَقَطَّعَ دَايِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ

تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے لیکن ان قوموں کو نصیب ہوا الالم ہی  
 مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں۔ پس جب ہماری طرف سے ان پر  
 سختی آئی تو کہیں نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی، گمان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور شیطان  
 نے ان کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کو رہے ہو خوب کر رہے ہو پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو سنا  
 انہیں کی گئی تھی، بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے  
 یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں  
 پکڑ لیا اسباب حال یہ تھا کہ وہ ہر چیز سے یارو تھے۔ اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جنہوں نے

دلوں اور دماغوں کو بھرا رکھا تھا۔ اگرچہ کھانا کی لذت پر بھی ہمارے اقوال کو نہیں ہو گیا کباب کھتی دھب ہانے کی قرب  
 کئے گئے کہ وہ نقد اٹھ کر سڑکوں پر بھاگنے لگتے ہیں۔ وہی چاہے تو ہم فتح دے سکتے ہیں۔ اس وقت حکمران کی آنکھیں کھلیں  
 انسان کے دل نے آزادی کی فکر کیا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں دیکھ سکتا جو جی تو وہ بات ہے جو اللہ کا وہ نیک  
 بندہ میں جس سے ہم کے سامنے ہے اللہ ہم کو خواہ مخواہ اس سے روکے ہیں۔ یہ حکمران کی زندگی میں فیصلہ کن لمحہ تھا انہوں نے  
 اسی وقت خط سے خبر لیا کہ اگر ہم اس مصلحت سے غافل نہ رہیں تو یہ عاصی اور مصلحت خیز کے پاس ہاؤں گا انسان کے ساتھ ہیں یا نہ ہیں  
 جانچ انہوں نے اپنے اس حکم کو دیکھا اور میری آنکھ صرف سلطان ہونے بلکہ اپنی جیہ جیہ اسلام کے لیے جہاد کرتے گزاری۔

ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۵۴﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن أَخَذَ اللَّهُ  
 سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَمَعَهُمْ عَلَى قُلُوبِكُمْ مِّنْ إِلَهِ غَيْرِ اللَّهِ يَأْتِيَكُمْ  
 بِهِ أَنْظَرَ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْذِقُونَ ﴿۵۵﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ  
 إِن آتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ  
 الظَّالِمُونَ ﴿۵۶﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ  
 فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۵۷﴾  
 وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۵۸﴾

ظلم کیا تھا اور تعریف ہے اللہ رب العالمین کے لیے کہ اس نے ان کی جڑ کاٹ دی۔

اے محمد! ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ تمہاری بینائی اور سماعت  
 تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر ٹھکر کر دے تو اللہ کے ہوا اور کروا خدا ہے جو یہ قوتیں  
 تمہیں واپس دلا سکتا ہو؛ دیکھو کس طرح ہم بار بار اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کرتے  
 ہیں اور پھر یہ کس طرح ان سے نظر چڑھاتے ہیں۔ کہو، کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ کی طرف سے  
 اچانک یا عارضی تم پر عذاب آجائے تو کیا ظالم لوگوں کے بسوا کوئی اور ہلاک ہوگا؟ ہم جو رسول  
 بھیجتے ہیں اسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ وہ نیک کروار لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والے اور بدکرداروں  
 کے لیے ڈرانے والے ہوں۔ پھر لوگ ان کی بات مان لیں اور اپنے طریقہ عمل کی اصلاح کر لیں  
 ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں وہ اپنی نافرمانی  
 کی پاداش میں سزا بھگت کر دیں گے۔

سب سے پہلے ان لوگوں پر ہم کرنے سے روک دینے والے کی قوتیں سب کھینچ لیتے ہیں۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ  
وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنَّمَا أَنبِئُكُمْ بِالْمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ قُلْ  
هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ

۵۴۲

اے محمد! ان سے کہو، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ میں  
غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا  
ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ پھر ان سے پوچھو کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر  
ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟

۳۱۔ تاجان لوگوں کے ذہن میں ہمیشہ سے یہ اعتقاد تصور رہا ہے کہ ہر شخص خدا رسیدہ ہوا سے انسانیت سے  
اوارہ ہونا چاہیے، اس سے محاب و غرائب صادر ہونے چاہئیں، وہ ایک اشارہ کرے اور پہاڑ سونے کا بن جائے، وہ  
مکرم دے اللہ زمین سے خزانے اُٹھائے لگیں، اس پر لوگوں کے اگلے پچھلے صواب حالات روشن ہوں، وہ بتا دے کہ گرم شدہ چیز  
کماں رکھی ہے، مریض بچ جائے گا یا مر جائے گا، مالک کے پیش میں رہے یا مادہ۔ پھر اس کو انسانی کرداروں اور اخلاق و ریل  
سے بھی بالاتر ہونا چاہیے۔ بجلادہ بھی کوئی خدا رسیدہ ہوا جسے جہوک اور پیاس لگے، جس کو نیند نہ آئے، جو بھری بچے رکھتا ہو،  
جہا پہنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے خیر و خیر و خیر کرنا پھرے، جسے کبھی قرض لینے کی ضرورت پیش آئے اللہ کی مدد و  
تک دینی میں مبتلا ہو کر پیشان حال رہے۔ اسی قسم کے تصورات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین کی ذہنیت پر سنبل  
تھے۔ وہ جب آپ سے پیغمبری کا دعویٰ سنتے تھے تو آپ کی صداقت جاننے کے لیے آپ سے غیب کی خبریں پوچھتے  
تھے، خوارقِ عادت کا مطالعہ کرتے تھے، اور آپ کو باطن عام انسانوں میں سے ایک انسان دیکھ کر احترام کرتے تھے کہ  
اچھا پیغمبر ہے جو کما کما پتا ہے، جو بچے رکھتا ہے اور ہانداروں میں چلا پھرتا ہے۔ انہی باتوں کا جواب اس آیت میں  
دیا گیا ہے۔

۳۲۔ مطلب یہ ہے کہ میں جن حقیقتوں کو تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں ان کا کوئی ثبوت شاہدہ کیا ہے، وہ بلا  
دست میرے تجربہ میں آئی ہیں، مجھے وحی کے ذریعے ان کا ٹھیک ٹھیک علم دیا گیا ہے، ان کے بارے میں میری شہادت  
ہمکنوں کی شہادت ہے، مگر ان کے قیام حقیقتوں کی طرف سے اندھے جو، تم ان کے بارے میں جو خیالات رکھتے ہو وہ بالکل  
مکمل پرستی ہیں، بعض مدعی عقیدہ پر اللہ میرے خدا تھے، دریاں مینا اور تابناک اسفار سے کہو، اسی اعتبار سے مجھے تم پر فزیت  
مائل ہے، انہاں اعتبار سے کہ میرے پاس خدائی کے خزانے ہیں یا میں عالم غیب ہوں یا انسانی کو دلوں سے بہرہ ہوں۔

وَأَنْذِرْهُ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُخْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ  
 مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ وَلَا تَطْرُدِ  
 الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ  
 مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ

اور اے محمد! تم اس در علم وحی کے ذریعہ سے اُن لوگوں کو نصیحت کرو جو اس بات کا خواہ  
 رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اُس کے سوا وہاں کوئی  
 (ایسا ذی اقتدار نہ ہوگا جو ان کا حامی و مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے، شاید کہ اس نصیحت سے  
 متنبہ ہو کر وہ خدا ترسی کی روش اختیار کر لیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے  
 ہیں اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں انہیں اپنے سے دُور نہ چھینکوں، ان کے  
 حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں ہے اور تمہارے حساب میں سے کسی چیز کا بار اُن پر نہیں۔

۳۱؎ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں ایسے مدموش ہیں کہ انہیں نہ موت کی فکر ہے نہ یہ خیال ہے کہ کبھی  
 ہمیں اپنے خدا کو بھی روخ دکھانا ہے ان پر تو یہ نصیحت ہو کہ اگر نہ ہوئی۔ اور اسی طرح ان لوگوں پر بھی اس کا کھٹا نہ ہوگا جو اس  
 ہے بنیاد و سرور پر ہی رہے ہیں کہ دنیا میں ہم جو چاہیں کر گزریں، آخرت میں ہمارا ہال تک بیکار ہوگا کیونکہ ہم فلاں کے حامی  
 گرفتہ ہیں، یا فلاں ہماری سفارش کرنے لگا، یا فلاں ہم سے بے کفارہ بن چکا ہے۔ لہذا ایسے لوگوں کو صبر و کرم اپنانے سن  
 ان لوگوں کی طرف دیکھو خدا کے سامنے حاضر کیا بھی غلامیہ رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ جھوٹے جہود و مسوہ بچھتے ہوئے  
 بھی نہ ہوں۔ اس نصیحت کا اثر صرف ایسے ہی لوگوں پر ہو سکتا ہے جو دنیا کی دولت جوئے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

۳۲؎ قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور کھاتے پیتے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بخیر اور اعتراضات کے  
 بلا اعتراض یہ بھی تھا کہ آپ کے گرد پیش ہماری قوم کے ظالم، ممالی اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ غلام دیا کرتے  
 تھے کہ اس شخص کو راقی بھی کیسے کیسے عزت و لوگ شے ہیں، بلال، عمار، منیب اور خطاب۔ جس ہی لوگ اللہ کو بارے دیکھنا  
 یہ شے جن کو برگزیدہ کیا جا سکتا تھا، پھر وہ ان ایمان والوں کی خدمت حالی کفایت اڑانے پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ  
 انہیں سے جس جس سے کبھی پہلے کوئی افلاکی مکروری ظاہر ہوئی تھی اس پر بھی حوت گیریاں کرتے تھے انہوں نے تھے کہ فلاں



قَطُرُ دَهْمٍ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ۝ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اس پر بھی اگر تم انہیں دور بھیجیں گے تو ظالموں میں شمار ہوتے۔ دراصل ہم نے اس طرح ان لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ انہیں دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر ہمارے درمیان اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے؟۔ ہاں! کیا خدا اپنے فکر گزار بندوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتا ہے؟ جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو تم پر سلامتی ہے۔ تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی بُرائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو وہ اُسے معاف کر دیتا ہے اور نئی بے کام لیتا ہے۔ جو کل تک یہ تھا اور فلاں جس لیے کیا تھا آج وہ بھی اس ”بزرگوار“ میں شامل ہے۔ (یہی باتوں کا جواب یہاں دیا جاتا ہے۔)

۵۴۵ یعنی ہر شخص اپنے حبیب عربی کا ذمہ دار ہے۔ ہر مسلمان ہر نئے دلوں میں سے کسی شخص کی حبیب دہی کے لیے تم کھڑے نہ ہو گے۔ ہر قوم کی حبیب ہی کے لیے ان میں سے کوئی کھڑا ہو گا۔ تمہارے حصے کی کوئی نیکی یہ تم سے چھین نہیں سکتے۔ اور اپنے حصے کی بدی تم پر داخل نہیں سکتے۔ پھر حبیب یہ حصہ غالب حقین کو تمہارے پاس آتے ہیں تو آخر تم کیوں انہیں اپنے سے دور بھیجیں گے۔

۵۴۶ یعنی غریبوں اور غلّوں اور ایسے لوگوں کو جو مومنائی میں ادنیٰ حیثیت رکھتے ہیں، سب سے پہلے ایمان کی توفیق دے کر ہم نے دولت اور عزت کا گھنڈہ رکھنے والے لوگوں کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔

۵۴۷ جو لوگ ایمان دت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے ان میں بہت لوگ ایسے بھی تھے جن سے زیادہ

۶

وَكُنْ لَكَ نَفْصٌ لِّلْأَيِّتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمُحْذَرِينَ ﴿٦﴾  
 قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلْ  
 لَا آتِيَهُمْ أَهْوَاءُكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿٧﴾  
 قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ مَا عِنْدِي مَا  
 تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ يَقْضُ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ

اور اس طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی راہ باطل نمایاں ہو جائے یا  
 اسے محمد! ان سے کہو کہ تم لوگ اللہ کے سوا جن دوسروں کو پکارتے ہو ان کی بندگی  
 کرنے سے مجھے منع کیا گیا ہے۔ کہو، میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، اگر میں نے  
 ایسا کیا تو گمراہ ہو گیا، راہ راست پانے والوں میں سے نہ رہا۔ کہو، میں اپنے رب کی طرف سے  
 ایک دلیل روشن پر قائم ہوں اور تم نے اسے جھٹلادیا ہے، اب میرے اختیار میں وہ چیز ہے نہیں  
 جس کے لیے تم جلدی چھا رہے ہو، فیصلہ کا سارا اختیار اللہ کو ہے، وہی امر حق بیان کرتا ہے وہی بہترین

حاکمیت میں بڑے بڑے من ہو چکے تھے۔ اب اسلام قبول کرنے کے بعد اگرچہ ان کی زندگیوں باطل بدل گئی تھیں، لیکن حاکمین  
 اسلام ان کو سابق زندگی کے مجرموں اور افعال کے ثمن دیتے تھے۔ اس پر فرمایا ہمارا ہے کہ اہل ایمان کو تسلی دو۔ انہیں بتاؤ کہ ہر  
 شخص توبہ کر کے اپنی اصلاح کریت ہے اس کے پچھلے قصور و گنہگاروں کو گناہوں کا طریقہ اللہ کے پاس نہیں ہے۔

۳۸۔ اس طرح ان کا اشارہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حق ہے وہی حق ہے کہ اللہ کی اس حکمت سے شروع ہوا تھا  
 یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی نئی چیز نہیں سنی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ وہی صاف اور سچے دلوں اور نشانوں کے بعد  
 بھی جو لوگ اپنے گنہگار پر ملامت کیے پچھے جائیں ان کا جرم ہونا باطلی غیر مستندہ طور پر ثابت ہوا جاتا ہے اور یہ حقیقت باطل  
 آئینہ کی طرح نمایاں ہوتی جاتی ہے کہ وہ باطل ہے لوگ خلافت ہند کی بنا پر یہ راہ چل رہے ہیں انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے  
 وفاق واضح نہیں ہیں یا یہ کہ کچھ دلائل ان کی اس گمراہی کے حق میں بھی موجود ہیں۔

۳۹۔ اشارہ ہے عذاب الہی کی طرف۔ جن انہیں کہتے تھے کہ اگر تم خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہو اور ہم تم کو حکم  
 تم کو مجبور رہے ہیں تو ہمیں نہیں خدا کا عذاب ہم پر ٹوٹ پڑتا، تمہارے امور میں اللہ ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ کی طرف سے

الْفُضِّلَيْنِ ۝ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِي مَا تُسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ  
 الْاَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَعِنْدَهُ مَفَاتِيْ  
 الْغَيْْبِ لَا يَعْلَمُ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبُرُوْجِ وَالنَّجْمُ سَاطِعٌ مِنْ  
 ذُرِّيَّتِهِ لَا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِى ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَ  
 لَا يَابِسٌ اِلَّا فِى كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِى يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ  
 وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِىْهِ لِقَظًا اَجَلٌ مُّسَمًّى  
 ثُمَّ اِلَيْهِ مُّرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

ع ۳۳

فیصلہ کرنے والا ہے۔ کو، اگر کہیں وہ چیز میرے اختیار میں ہوتی جس کی تم جلدی چاہ رہے ہو تو میرے  
 اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ مگر اتنا زیادہ بہتر جانتا ہے کہ ظالموں کے ساتھ کیا  
 معاملہ کیا جانا چاہیے۔ اُنسی کے پاس غیب کی کُنیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔  
 سحر و بریں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا  
 اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو خشک تر سب کچھ  
 ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ وہی ہے جو رات کو تمہاری رومیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے  
 ہو اسے جانتا ہے۔ پھر دوسرے روز وہ تمہیں اسی کاروبار کے عالم میں اپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقرر  
 مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو یا

تکذیب یا قرین کت اور دھورنا زمین و صفتی اور وہ اُس میں سما جاتا یا بکلی مگر قی اور وہ جسم ہو جاتا۔ یہ کیا ہے کہ خدا کا  
 فرستادہ اولاس پر ایمان لانے والے تر معیتوں پر محبتیں اور ذقنوں پر ذقنیں سر رہے ہیں اور ان کو گایاں دیئے اور پھر انہوں  
 والے زمین کیے جاتے ہیں ۱

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفِرُّونَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسْبَانِ ﴿٦٧﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لَّيْنٌ أُنَجِّنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿٦٩﴾

اپنے بندوں پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کر کے بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس کے پیچھے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں اور اپنا فرض انجام دینے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر سب اپنے حقیقی آقا کی طرف واپس لائے جاتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ، فیصلہ کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔

اے محمد! ان سے پوچھو، صحر اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچا رہے گا؟ کون ہے جس سے تم (معیبت کے وقت) گڑگڑاؤ گڑگڑا کر اور پچپکے پچپکے دُعا میں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچایا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے؟ — کہو، اللہ تمہیں اُس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دو عمروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

۶۷ یعنی ایسے فرشتے جو تمہاری یا ایک ایک جنبش اور ایک ایک بات پر نگاہ رکھتے ہیں اور تمہاری ہر حرکت کا ریکارڈ

محفوظ رکھتے رہتے ہیں۔

۶۸ یعنی یہ حقیقت کہ تمہارا اللہ ہی قادر مطلق ہے اور وہی تمام امتیازات کا مالک اور ہماری بھلائی اور برائی کا منتظر ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمہاری قسمتوں کی بانگ ڈھر ہے، اس کی شادی شام سے اپنے نفس میں موجود ہے۔ جب کوئی سنت

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ قَوْلِكُمْ أَوْ  
مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ  
بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ۖ وَكَذَّبَ  
بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۚ لِّكُلِّ نَبِيٍّ

کہو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے، یا تمہارے قدموں کے نیچے سے پر پا کر دے۔ یا تمہیں گردہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوا دے۔ دیکھو، ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں شاید کہ یہ حقیقت کو سمجھ لیں۔ تمہاری قوم اس کا انکار کر رہی ہے، حالانکہ وہ حقیقت ہے۔ ان سے کہہ دو کہ میں تم پر حوالہ دار نہیں بنایا گیا ہوں، ہر خبر کے

وقت تمہارے اور اسباب کے سرشتے ڈنٹے نظر آتے ہیں تو اس وقت تم بے اختیار اُسی کی طرف رجوع کرتے ہو۔ لیکن کس کمال ملامت کے ہوتے ہوئے بھی تم نے خدائی میں جادہیل و جت اور جاثوت دوسروں کو اس کا شریک بنا رکھا ہے۔ چنانچہ اس کے رزق پر اور ان داتا بناتے ہو دوسروں کو۔ بد پاتے ہو اس کے فضل و کرم سے اور عامی و نامرغیر ہوتے دوسروں کو۔ غلام ہو اس کے اور بندگی بھالتے ہو دوسروں کی شکل کشائی کرتا ہے وہ، بڑے وقت پر گڑ گاتے ہو اس کے سامنے اللہ جب وہ وقت گزر جاتا ہے تو تمہارے شکل کشا بن جاتے ہیں دوسرے اور نذریں اور نیازیں پڑھنے لگتی ہیں دوسروں کے نام کی۔

۴۷۷ جبر وک عذاب الہی کر اپنے سے دور یا عرف دشمنی میں جرات بر جرات دکھا دیتے، انہیں تنہہ کیا جا رہا کہ اٹھ کے عذاب کرتے کچھ دیر نہیں گنتی۔ جہاں ایک طوفان تھیں، جہاں ایک ہوا دھوکا دے۔ زلزلے کا ایک جھکا تمہاری پتلیاں کو جو یہ خاک کر دینے کے لیے کافی ہے۔ قبیلوں اور قوموں اور ملکوں کی مودوں کے میگزین میں ایک چنگاری دہ تباہی پیدا کرتی ہے کہ سالہا سال تک غور زری دہانسی سے نہات نہ لے ہیں اگر عذاب نہیں آ رہا ہے تو یہ تمہارے لیے غفلت و مدہوشی کی بڑیک ذہن جانے کے معنی ہو کر صبح و غلا کا امتیاز کیے بغیر آدمیوں کی طرح زندگی کے واسطے پر چلتے رہو۔ قیمت سمجھو کہ اللہ تمہیں ملت دے رہا ہے اور وہ تمہیں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے جس سے تم کو پہچان کر جمع و استغفار کر لو۔

۴۷۸ یعنی میرا یہ کام نہیں ہے کہ تمہیں تمہیں دیکھ رہے ہو وہ ذہنی تھیں دکھاؤں اور جو کچھ تم نہیں سمجھ رہے ہو

مُسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۹۰﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ  
فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَ  
إِنَّمَا يُنِيسُكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ  
الظَّالِمِينَ ﴿۹۱﴾ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ  
وَلَكِنْ ذِكْرَى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۹۲﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا

ظہور میں آنے کا ایک وقت مقرر ہے۔ عنقریب تم کو خود انجام معلوم ہو جائے گا۔

اور اے محمد! جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے  
بہت جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان  
تمہیں بھلاوے میں ڈال دیتے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو جائے اس کے بعد پھر ایسے  
ظالم لوگوں کے پاس نہ ملیں۔ اُن کے حساب میں سے کسی چیز کی ذمہ داری پر میرے کاروگوں پر نہیں ہے البتہ  
نصیحت کرنا اُن کا فرض ہے شاید کہ وہ غلط روی سے بچ جائیں۔ چھوڑو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل

وہ بزدل و تباہی بھری قوموں۔ اور میرا کام بھی نہیں ہے کہ اگر تم نہ دیکھو اور نہ سمجھو تو تم پر مذاب نازل کر دوں۔ یہ کام صرف  
حق اور اہل کو میر کے تبار سے سامنے پیش کر دینا ہے۔ اب اگر تم نہیں سمجھتے تو جس قسم کا انجام سے تمہیں ڈرانا ہوں وہ  
اپنے وقت پر خود قلم لے سامنے آجائے گا۔

۹۰ یعنی اگر کسی وقت ہماری ہدایت تمہیں یاد نہ رہے اور تم بھولے سے ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھ رہ جاؤ۔  
۹۱ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی نافرمانی سے خود کو کلام کرتے ہیں ان پر نافرمانوں کے کسی عمل کی ذمہ داری  
نہیں ہے۔ دہر دہر کیوں خواہ خدا اس بات کو اپنے اوپر فرض کر لیں کہ ان نافرمانوں سے بحث و مناظرہ کر کے منور انہیں قائل  
کر کے ہی چھوڑ دیں گے۔ امدان کے ہر فرد عمل و التزام کا جواب منور ہی دیں گے۔ اور اگر وہ جانتے ہوں تو کسی نہ کسی طرح منور کر دیں  
دیں گے۔ ان کا فرض میں اتنا ہے کہ انہیں گمراہی میں بھٹکنے دیکھ رہے ہوں انہیں نصیحت کریں اور حق بات ان کے سامنے  
پیش کر دیں۔ پھر اگر وہ مانیں اور بھگولے اور بحث و جدل باز ہوں ہزار آئیں تو ذی حق کا یہ کام نہیں ہے کہ ان کے ساتھ جتنی  
گفتگوں اور نفس و اچاناق اور اپنی توفیق منافع کرتے پھر یہ منکافات پسند لوگوں کے ہمارے ہیں اپنے وقت اور اپنی توفیق

وَلَهُمْ أَزْوَاجٌ ثَمَرُهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكَّرْنَاهُ أَنْ يُبْسَلَ نَفْسًا  
 بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ  
 تَعْدِلْ كُلُّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا أُولَئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا  
 لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٥٠﴾  
 قُلْ أَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَى  
 أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهَ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ  
 فِي الْأَرْضِ حَيْرَانٌ لَكَ الْأَصْحَابُ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى انْتَظِرْنَا

اور تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ ہاں مگر یہ قرآن  
 سنا کر نصیحت اور تنبیہ کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے کپے کرٹوٹوں کے دھال میں گرفتار نہ ہو جائے  
 اور گرفتار بھی اس حال میں کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی مددگار اور کوئی سفارشچی اس کیلئے  
 نہ ہو اور اگر وہ ہر ممکن چیز فدیہ میں دے کر ٹھوٹنا چاہے تو وہ بھی اس سے قبول نہ کی جائے، کیونکہ ایسے  
 فرعون تو خود اپنی کمائی کے تیج میں پکڑے جائیں گے، ان کو تو اپنے انکار حق کے معاوضہ میں کھوتا ہوا  
 پانی پینے کو اور دردناک عذاب ٹھٹھکتے کر لے گا۔

اے محمد! ان سے پوچھو کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں نہ  
 نقصان، اور جبکہ اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا اب ہم اُسے پاؤں پھر جائیں، کیا ہم اپنا  
 حال اُس شخص کسا کر لیں جسے شیطانوں نے مہرا میں بٹکا دیا ہو اور وہ حیران دسر گردان پھر رہا  
 ہو اور اس حالے کہ اس کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ ادھر آئے سیدھی راہ موجود ہے؟

گوشت روغن کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تقنین پر عزت کرتا ہے جو خود طالب حق ہوں۔





كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ  
عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۵۷﴾ وَإِذْ قَالَ  
إِبْرَاهِيمُ لَبِئْسَ مَا كَفَّيْهِ أَتُتَّخَذُ أُصْنَامًا مِمَّا ارْتَدَّتْ إِلَيْهِ ۚ إِنِّي أَتُكِّدُ

حشر ہو جائے اسی دن وہ ہو جائے گا۔ اس کا ارشاد میں حق ہے۔ اور جس روز صور پھونکا جائیگا  
اس روز پادشاہی اسی کی ہوگی، وہ غیب اور شہادت بہر چیز کا عالم ہے اور دانا اور باخبر ہے۔  
ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جبکہ اُس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا "کیا تو تم کو خدا بنانا ہے؟ میں تو تجھے

کا حکم اگر بنا رہا ہوں تو غریبی تاہم تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ، فی حقیقت نہ ان کا حکم چلتا ہے نہ ہل سکتا ہے۔ کیونکہ کائنات کی  
کسی چیز پر بھی ان کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس پر اپنا حکم چلائیں۔

۵۷۔ سورہ میں کئی کئی جگہ کیفیت کیا ہوئی، اس کی تفصیل ہماری کتب سے باہر ہے۔ قرآن سے جو کچھ میں معلوم ہو رہا ہے  
وہ صرف اتنا ہے کہ قیامت کے روز اللہ کے حکم سے ایک مرتبہ صور پھونکا جائیگا اور سب ہلک ہو جائیں گے۔ پھر نہ معلوم  
کتنی مدت بعد جسے اللہ ہی جانتا ہے، دوسرا صور پھونکا جائے گا اور تمام آدمیوں کا خون کا خون از سر نو زندہ ہو کر اپنے آپ کو میلان حشر  
میں پائیں گے۔ پچھلے سورہ میں ان نظام کائنات اللہ پر ہم ہوا۔ اور دوسرے سورہ میں ایک دوسرا نظام نئی صورت اللہ نے قائم  
کے ساتھ قائم ہو جائے گا۔

۵۸۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آج پادشاہی اس کی نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس روز جب پروردگار اٹھائے جائے گا اللہ  
حقیقت باطل مانتے آجہائے کی تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سب جو با اختیار نظر آتے تھے یا کئے جاتے تھے، باطل ہے اختیار ہم اللہ  
پادشاہی کے سامنے اختیارات اسی ایک خدا کے لیے ہیں جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔

۵۹۔ جب = وہ سب کچھ جو مخلوقات سے پرستیدہ ہے۔

فہادت = وہ سب کچھ جو مخلوقات کے لیے ظاہر معلوم ہے۔

۶۰۔ یہاں حضرت ابراہیم کے واقعہ کا ذکر اس امر کی تائید اور شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ کی بخشی  
ہوئی ہدایت سے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے شرک کا انکار کیا ہے وہ سب صوری خداؤں سے جو فخر  
کو صرف ایک مالک کائنات کے آگے ہر اطاعت خم کر دیا ہے اسی طرح کل ہی کچھ ابراہیم علیہ السلام بھی کر چکے ہیں۔ اور جب طرح  
آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں سے ان کی ہائی قوم مجتہد رہی ہے اسی طرح کل حضرت ابراہیم علیہ السلام  
سے بھی ان کی قوم ہی مجتہد کر چکی ہے۔ اہل کل جو وہاب حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو دیا تھا آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل کل کے

وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿۴۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ

اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔ ابراہیم کو ہم اسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ چنانچہ جب اے

پیر وں کی طرف سے ان کی قوم کو بھی وہی جواب ہے۔ محو صلی اللہ علیہ وسلم اس راستہ پر ہیں جو فرح اور ابراہیم اور نسل ابراہیم کے تمام انبیاء کا راستہ رہا ہے۔ اب جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کر رہے ہیں انہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ وہ انبیاء کے طریقہ سے ہٹ کر ضلالت کی راہ پر جا رہے ہیں۔

یہاں یہ بات اہم سمجھنی چاہیے کہ عرب کے لوگ بالعموم حضرت ابراہیمؑ کو اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے تھے۔ خصوصاً قریش کے تو فخر و ناز کی ساری بنیاد ہی یہ تھی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد و نسل کے تھے۔ کبر و غرور خدا کے قیام میں۔ اس لیے ان کے سامنے حضرت ابراہیم کے عقیدہ و حید کا اور شرک کے ان کے انکار اور شرک قوم سے ان کی نفرت کا ذکر کرنے کے معنی یہ تھے کہ قریش کی ساری فخر و ناز اور کفار عرب کا اپنے مشرک و دین پر سالار اطمینان ان سے چھین لیا جائے اور ان پر ثابت کر دیا جائے کہ ان مسلمان اس مقام پر ہیں جس پر حضرت ابراہیمؑ تھے اور قریشی حیثیت وہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ سے اڑنے والی جہاں کی قوم کی تھی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شیخ محمد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدوں اور عقائد پر اسباب پر غور و فکر کے سامنے حضرت شیخ کی اہل تعلیمات اور ان کی زندگی کے واقعات پیش کر کے یہ ثابت کر دے کہ ہمیں ہر رنگ کے تم نام لیا ہو مگر تمام ان طریقہ ان کے بالکل خلاف ہے اور تم نے کبھی انہی گمراہ لوگوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے جن کے خلاف تمہارے مقتدا تمام عمر جاد کرتے رہے۔

۴۴۔ یعنی جس طرح تمام لوگوں کے سامنے آسمان کا نظام نمایاں ہیں اور اللہ کی نشانیاں تمہیں دکھاتی جا رہی ہیں اسی طرح ابراہیمؑ کے سامنے بھی وہی آثار تھے اور ہی نشانیاں تھیں۔ مگر تم لوگ احمقہ دیکھنے پر بھی اللہ جوں کی طرح کچھ نہیں دیکھتے اور ابراہیمؑ نے انہیں انہیں نکلیں کھول کر دیکھا۔ یہی صریح اور چاند و ستارے و مٹاؤں سے ملنے والے دلائل و دعوے تھے جس اور وہ ان کو جیسا کہ انہی طرح ہوتے وقت پاتے ہیں وہیابی غروب ہوتے وقت چھوڑ جاتے ہیں۔ انہی کو انہیں انہی انسان نے بھی دیکھا تھا اور انہی نشانیاں سے وہ حقیقت تک پہنچ گیا۔

۴۵۔ اس مقام کا ذکر قرآن کے ان دوسرے مقامات کو جہاں حضرت ابراہیمؑ پر ان کی قوم کی نذر کا ذکر کیا ہے۔ ابھی طرح کہنے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی قوم کے مذہبی و تمدنی حالات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ یہاں ان کی حیثیات کے سلسلے میں صرف وہ شہر دیانت ہو گیا ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ وہاں ابراہیمؑ ہی اس

فلاتے کے لوگوں کی جو حالت تھی اس پر بھی بہت کچھ روشنی پڑی ہے سر لیدنارڈ وولی (Sir Leonard Woolley) نے اپنی کتاب (Abraham, London, 1925) میں اس تحقیقات کے جو نتائج شائع کئے ہیں ان کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ سنہ قبل مسیح کے مگ جنگ نمازیں، جسے اب عام طور پر یقین حضرت ابراہیم کے طور کاٹھ قسیم کرتے ہیں، شہر اُور کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی اور یہ یونیس کو پانچ لاکھ ہو۔ بنامنتی و تہذیبی مرکز تھا۔ ایک ستر پامیرھننگریٹس سے وہاں مال کا تھا اور دوسری طرف اناطولیہ تک اس کے تجارتی تعلقات تھے۔ جس کی بات کا یہ مدد مقام تھا اس کے مدد و موجودہ حکومت عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھے۔ ملک کی آبادی بڑھتی تھی۔ صنعت و تجارت پیشہ تھی۔ اس مہدی جو تحریکات آئناہ قدیم کے کھنڈوں میں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطہ نظر خاص مادہ پرستانہ تھا۔ دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا ان کا سب سے بڑا مقصد حیات تھا۔ سود خوری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ سخت کا دہاری قسم کے لوگ تھے۔ ہر ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور آپس میں بہت مقدار میں ہاریاں ہوتی تھیں۔ اپنے خداؤں سے ان کی دعائیں زیادہ تر دعائی عرضیاتی ہونے لگیں اور بار کی ترقی سے متعلق بڑا کئی تھیں۔ آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی:

(۱) عیلولو۔ یہ اونچے طبقے کے لوگ تھے جن میں پجاری، حکومت کے عہدہ دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔

(۲) شکیلو۔ یہ تجاراہل مست اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔

(۳) آدودو۔ یعنی غلام۔

ان میں سے پہلے طبقہ یعنی عیلولو کو خاص امتیازات حاصل تھے۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے۔ اور ان کی جہلی و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھی۔

یہ شہرادیہ معاشرہ تھا جس میں حضرت ابراہیم نے سکھیں کھوئیں۔ ان کا ادا ان کے خاندان کا جو حال ہمیں معلوم ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیلولو کے ایک فرد تھے اور ان کا باپ ریاست کا سب سے بڑا عہدہ دار تھا۔ وہ کچھ سودہ فروش، عارضیہ بنے۔

اُور کے کثرت میں تقریباً ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جو رب بلند، عادی، یارکس، اکہ، بھاجاتا تھا اور اس کا احترام دوسرے خداؤں سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُور کا رب، الجہ، تار، زچاند و تار تھا اور اسی مناسبت سے اُور کے لوگوں نے اس شہر کا نام "قرینہ" بھی رکھا ہے۔ دوسرا اُور شہر تھا جو جہدیس، اُور کے بھائے مرکز سلطنت ہوا۔ اس کا رب، الجہ، شاش (سودہ فروش، تاجر، تھدا) بن بڑے خداؤں کے تحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسانی تاروں اور نیادوں میں سے اور کم تر زمین سے منتخب کیے گئے تھے اور لوگ اپنی مختلف فردی ضروریات ان سے متعلق سمجھتے تھے۔ ان آسانی اور زمین دیو تاروں میں دیوین کی شہسیرتوں کی کل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادت انہی کے گمے بجالانے جاتے تھے۔

”نار کاؤٹ“ اریس سبک اور پٹی پہاڑی پاپک عالی شان عمارت میں نصب تھا اسی کے قریب ”نار کی بھڑی“  
 ”زن گل“ کا مسجد قندلہ کے جہد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی۔ اس کی خوب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پوجان  
 ہاگراس کی دین بنی تھی۔ مسجد میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقت نہیں اور ان کی حیثیت دیوداسیوں  
 (Religious Prostitutes) کی سی تھی۔ نہ نخت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو ”خدا“ کے نام پر اپنی  
 بھارت کرمان کر دے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو ”مادہ خدا“ میں کسی اجنبی کے حاملہ کرنا عورت کے لیے ذریعہ نجات سمجھا  
 کیا جاتا تھا۔ اب یہ بیان کنا کچھ مفردی نہیں کہ اس مذہبی تہجہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر یہادی حضرات  
 یہی کرتے تھے۔

نار میں دیو کی نہ تھا بلکہ کاسکے بڑا دیو سبک بڑا دیو سبک بڑا کارخانہ دار اور ملک کی سیاسی زندگی  
 کاسکے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ و ملامت اور زمینیں اس کے مندر کے لیے وقف تھیں۔ اس باغدار کی ہند کی کے  
 ۱۱۵۰ گھنٹہ گھنٹہ ہزار سب ہر قسم کے نئے، دودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لاکر مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنہیں  
 وصول کرنے کے لیے مندر میں ایک بہت بڑا اشاعت موجود تھا۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔ تہاڑی  
 کاروبار بھی بہت بڑے پیمانے پر مندر کی طرف سے ہوتا تھا۔ یہ سب کام دیوتا کی نیاہت میں پوجا ہی انجام دیتے تھے۔  
 پھر ملک کی سب بڑی حالت مندر ہی میں تھی۔ پوجا ہی اس کے بیج اور ان کے فیصلے ”خدا“ کے فیصلے سمجھے جاتے  
 تھے۔ طرودشاہی خاندان کی مائیت بھی خدایہی سے اخذ تھی۔ اصل بادشاہ تھا خدا اور خدایہی فرما دے ماسک اس کی طرف  
 حکومت کرتا تھا اس تعلق سے بادشاہ خود بھی مہروروں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداؤں کے انداز کی پرستش کی جاتی تھی۔  
 اور کاشی خاندان پر حضرت ابراہیم کے زمانہ میں ملکر تھا، اس کے باقی اولی کا نام اور کڑو تھا جس نے ۲۳۰ برس  
 قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی۔ اس کے بعد مملکت مشرق میں سوسہ سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلے  
 ہوئے تھے۔ اسی سے اس خاندان کو ”کڑو“ کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرود ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد  
 اس خاندان اور اس قوم پر پھیل گیا۔ پٹیلو میروں نے اور کوتاہ کیا اور کڑو کو تار کے ٹٹ  
 سمیت پکڑے گئے۔ پھر دسویں ایک میلانی حکومت قائم ہوئی جس کے ماتحت کڑو علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا۔ آخر کار ایک  
 عربی قبیلہ خاندان کے ماتحت آئی۔ کڑو پکڑا اور اس اور آدووں اس کے زیرِ حکم ہو گئے۔ ان تہابیوں نے تار کے ساتھ  
 اور کے لوگوں کا عقیدہ متزلزل کر دیا کیونکہ وہ ان کی مخالفت نہ کر سکا۔

چین کے ساتھ نہیں کما جاسکتا کہ بعد کے ادوار میں حضرت ابراہیم کی تعلیم کا اثر اس ملک کے لوگوں نے کہاں تک  
 قبول کیا۔ لیکن سلاطین قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ حمورابی و بابل کے انٹرافیل نے جو قوانین مرتب کیے وہ شہادت دیتے  
 ہیں کہ بابل میں بادشاہ سلطان کی تدوین میں شکرۃ نبوت سے حال کی چرئی روشنی کسی متناگ مفرد کار فرما تھی۔ ان قوانین کا  
 مفصل کتبہ تھ۔ بعد مسیح میں ایک فرانسیسی پیش کش آٹا و قدیر کہ اس کا انگریزی ترجمہ (C H W. John)  
 نے سلاطین بعد مسیح میں (The Oldest Code of Law) کے نام سے شائع کیا۔ اس معاملہ کو ذرا

عَلَيْهِ الْيَلَّ رَاكُوبًا ۚ قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ لَا حِجْبُ  
 الْأَفْلِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا ۖ قَالَ هَذَا رَبِّي ۚ فَلَمَّا أَفَلَ  
 قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿٦١﴾  
 فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِعَةً ۖ قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ هَذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ  
 قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٦٢﴾ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ

اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تار دیکھا۔ کیا یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ ڈوب گیا تو بلا ڈوب جا  
 والوں کا توہم گردیدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند جھلکا نظر آیا تو کیا یہ ہے میرا رب۔ مگر جب وہ بھی  
 ڈوب گیا تو کیا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو  
 روشن دیکھا تو کیا یہ ہے میرا رب، یہ سب بڑا ہے۔ مگر جب بھی ڈوبا تو ابراہیم بکا رہا تھا "اے برا دران قوم!  
 میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو ایک سوجھ بوجھ کر اپنا رخ

جست سے معمول اور مذہب کو سوی شریعت سے ثابت رکھتے ہیں۔

یہ اب تک کی تاریحقیقات کے نتائج اگر صحیح ہیں تو ان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی قوم  
 میں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور عبادت پرستانہ عبادات کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ حقیقت اس قوم کی ہر معاشرتی، تمدنی، سیاسی  
 اور سائنسی زندگی کا نظام اسی عقیدے پر مبنی تھا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت ابراہیم توحید کی دعوت لے کر آئے تھے  
 اس کا اثر صرف بتوں کی پرستش ہی پر نہ تھا بلکہ شاہی خاندان کی عبودیت اور مائیکتہ اور جاہلوں اور اہل فتنوں کی معاشرتی  
 معاشی اور سیاسی حیثیت اور دوسرے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آتی جاتی تھی۔ ان کی دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہ  
 تھے کہ بچے سے لے کر ساری سوسائٹی کی عمارت اور ڈھیر ڈالی جائے اور اسے از سر نو توحید الہی کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ اسی  
 لیے ابراہیم علیہ السلام کی زندگی بھر جوتے ہی عوام اور خواص، بدھ جاری اور فرد سب ایک وقت اس کو دہانے کے لیے  
 کھڑے ہو گئے۔

۵۳ جہاں حضرت ابراہیم کے اس ابتلائی فکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے  
 پہلے ان کے لیے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الفہم اور سلیم النظر انسان جس نے سرسبز شرک

کے ماحول میں انہیں کھوئی تھیں، ادھر جیسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہو سکتی تھی، کس طرح انکار کائنات کا مٹا ہوا کہ کے اور ان پر خود فکر اور ان سے صحیح استدلال کے کے اہرق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور قوم ابراہیم کے جو حالات، بیان کیے گئے ہیں ان پر ایک نظر فرمائے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب جوش نبی بنا لیا تھا تو ان کے گرد و پیش ہر طرح چاند سورج اور تاروں کی خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر حضرت ابراہیم کی جستجوئے حقیقت کا آغاز اسی سوال سے ہونا چاہیے تھا کہ کیا فی الواقع ان میں سے کوئی رب ہو سکتا ہے؟ اسی مرکزی سوال پر انہوں نے غور و فکر کیا اور انہوں نے اپنی قوم کے سارے خداؤں کو ایک اٹل تالان کے تحت غلاموں کی طرح گردش کرتے دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ جن جن کے رب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان میں سے کسی کے اندر بھی ربوبیت کا شائبہ تک نہیں ہے، رب صرف وہی ایک ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور ہنگامہ برپا کیا ہے۔

اس قصہ کے الفاظ سے عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ایک تبہہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ جراثیم دہوا ہے کہ جب رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تار دیکھا، اور جب وہ ڈوب گیا تو یہ کہا، پھر چاند دیکھا اور جب وہ ڈوب گیا تو یہ کہا، پھر سورج دیکھا اور جب وہ بھی ڈوب گیا تو یہ کہا، اس پر ایک عام ناظر کے ذہن میں فوراً یہ سوال نکلتا ہے کہ کیا یہ ہیں سے آنکھ کھولتے ہی ہوا زمانہ حضرت ابراہیم پر رات طاری نہ ہوئی رہی تھی اور کیا وہ ہر روز چاند تاروں اور سورج کو طلوع و غروب ہوتے نہ دیکھتے تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ خود فکر تو انہوں نے بن رشد کو پہنچنے کے بعد ہی کیا ہو گا۔ پھر یہ قصہ اس طرح کہیں بیان کیا گیا ہے کہ جب رات ہوئی تو یہ دیکھا اور دن نکلا تو یہ دیکھا، مگر یا اس خاص واقعہ سے پہلے انہیں یہ چیزیں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، حالانکہ ایسا ہونا ضروری مستبعد ہے۔ یہ شہر جس لوگوں کے لیے اس قدر ناقابل عمل بن گیا کہ اسے دفع کرنے کی کوئی صورت انہیں اس کے سامنے نظر نہ آئی کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش اور پرورش کے متعلق ایک غیر معمولی قصہ تصنیف کریں۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش اور پرورش ایک نارس ہوئی تھی، جہاں بن رشد کو پہنچنے تک وہ چاند تاروں اور سورج کے مٹا ہونے سے غلام رکھے گئے تھے۔ حالانکہ بات بالکل صاف ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے اس نوعیت کی کسی داستان کی ضرورت نہیں ہے۔ نبیوں کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے باغ میں ایک سیب کو درخت سے گرتے دیکھا اور اس سے اس کا ذہن اپنا تک اس سوال کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اشیاء آخر زمین پر ہی کیوں گرا کرتی ہیں، یہاں تک کہ خود گرتے کرتے وہ قانون جذب کشش کے استنباط تک پہنچ گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس واقعہ سے پہلے نبیوں نے کسی کوئی چیز زمین پر گرتے نہیں دیکھی تھی؟ ظاہر ہے کہ ضرور دیکھی ہوگی، بار بار دیکھی ہوگی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسی خاص تائید کو سبب گمنے کے مٹا ہونے سے نبیوں کے ذہن میں وہ حرکت پیدا ہوئی جو اس سے پہلے روزمرہ کے ایسے سادہ روزانہ شواہدات سے نہ ہوتی تھی؟ اس کا جواب اگر کچھ ہو سکتا ہے تو یہی کہ خود فکر کرنے والا ذہن ہمیشہ ایک طرح کے شواہدات سے ایک ہی طرح متاثر نہیں ہوا کرتا، بار بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو ہمیشہ یکساں دیکھتا رہتا ہے، اسی لیے اس کے ذہن میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی، مگر ایک وقت ایسی چیز کو دیکھ کر یا ایک ذہن میں ایک کھٹک پیدا ہو جاتی ہے جس سے فکر کی قوتیں ایک خاص سمتوں کی طرف کام کرنے لگی ہیں۔ یا پہلے سے کسی سوال کی تحقیق میں ذہن لگنا ہوتا ہے اور ایک روز مزہ ہی کے شواہدات میں سے کسی ایک چیز پر نظر پڑتے ہی اسی کا سراغ مل جاتا ہے جس سے

لِّلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝  
وَحَاجَّةٖ قَوْمُهٗ قَالَ اَتَحٰجُّوْنِيْ فِى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ  
وَلَا اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبِّىْ شَيْئًا وَسِعَ  
رَبِّىْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۷۰ وَكَيْفَ

اُس ہستی کی طرف کہ یا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی تو اس نے قوم سے کہا کیا تم لوگ اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے راہِ راست دکھا دی ہے۔ اور میں تمہارے پھیرائے ہوئے شرکیں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر پھیل چھایا ہوا ہے، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ اور آخر میں تمہارے

معدیٰ، جنہیں سمجھی جلی ماتی ہیں۔ ایسا ہی معاملہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ تائیں روزِ قیامتیں اور کڑھاتی قیامتیں اور چاند اور تارے سب ہی آنکھوں کے سامنے ڈوبتے اور بھرتے رستے تھے۔ لیکن وہ ایک خاص دن قاضی ایک تارے کے خلاف سے نہان کے ذہن کو اُس راہِ ہدایت پر لایا جس سے بالآخر وہ فریادِ لا کی مگر یہ حقیقت تک پہنچ کر رہے۔ لیکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا دین پہلے سے اس سوال پر غور کر رہا ہو کہ جن خداوندِ مادی قوم کا نظام زندگی چل رہا ہے ان میں کس منکِ حدت ہے، اور ہر ایک تار یا ایک سامنے اگر کشور و کار کے لیے پیدا ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تارے کے شاہد سے ہی سے ذہنی حرکت کی ابتدا ہوئی ہو۔

اس سلسلہ میں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے تارے کو دیکھ کر کہا کہ میرا رب ہے اور جب تارے اور سورج کو دیکھ کر انہیں اپنا رب کہا، تو کیا وہ اس وقت عارضی طور پر ہی کسی مشرک میں مبتلا نہ ہو گئے تھے، بلکہ وہ اب یہ ہے کہ ایک طالبِ حق ہی جس کی راہ میں سفر کرتے ہوئے پہنچ کی جن منزلوں پر غور و فکر کے لیے پھیرتا ہے، اہلِ اقتدار اُنہی منزلوں کا نہیں ہوتا بلکہ اہلِ اقتدار اس سمت کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدمی کر رہا ہے اور اسی آخری مقام کا ہوتا ہے حاد پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے۔ پہنچ کی منزل میں ہر جیسے حق کے لیے ناگواریوں۔ ان پر پھر نا جملہ طلبِ حشر ہوتا ہے نہ کہ بصیرت فیصلہ۔ مثلاً پھر اُس سوالیہ دستاویزی ہو کہ کیا ہے نہ کوئی۔ طالبِ حشر ان میں سے کسی منزل پر نہ کہ کہتا ہے کہ ایسا ہے تو اصل یہ اس کی آغوشِ دانے نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا ہے؟ اور تحقیق سے اس کا جواب نہیں

أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ  
 مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ  
 بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا  
 إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۸۲﴾

تفہیم  
 ۹  
 ع  
 ۱۵

ٹھیرائے ہوئے شرکیوں سے کیسے ڈروں جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لیے اس نے تم پر کوئی سزا نازل نہیں کی ہے، ہم دونوں فرقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی و اطمینان کا مستحق ہے، بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو حقیقت میں تو امن انہی کے لیے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔ ع

۵۴۷ یاد آگئے وہ جانتا ہے۔ اس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ انہوں نے وہاں جہاں وہ ٹھہرنا چاہا وہ عارضی طور پر کفر یا شرک میں مبتلا رہا۔

۵۴۸ اصل میں اللہ تعالیٰ کا یہ سوال تھا کہ جس کا معنی مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص جو غفلت اور بھلا سے بے پروا ہو وہ جو تک کو اس چیز کو یاد کر لے جو اسے وہ غافل تھا۔ اسی لیے ہم نے اَلَّذِينَ كَفَرُوا کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ حضرت ابراہیم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، تم سارا اہل حقیقی رب اس سے بے خبر نہیں ہے، اس کا علم ساری چیزوں پر وسیع ہے، پھر کیا اس حقیقت سے واقف ہو کہ بھی تمہیں جو شے نہ آئے گا؟

۵۴۹ یہ پوری تقریر اس بات پر شاہد ہے کہ وہ قوم اللہ فاطر السموات والارض کی ہستی کی منکر نہ تھی بلکہ وہ اہل نبی و رحم اللہ کے ساتھ دوسروں کو خدا کی صفات اور خداوندانہ حقوق میں شریک قرار دیتا تھا۔ اہل و حضرت ابراہیم خود ہی فرماتے ہیں کہ تم اللہ کے ساتھ دوسری چیزوں کو شریک کہتے ہو۔ دوسرے جس طرح آپ ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ کا ذکر فرماتے ہیں، یہ انداز بیان صرف انہی لوگوں کے مقابل میں اختیار کیا جاسکتا ہے جو اللہ کے حضور وجود سے منکر نہ ہوں۔ لہذا ان مسخرین کی دانستہ دست نہیں ہے جنہوں نے اس مقام پر حضرت ابراہیم کے مسئلہ میں دوسرے مقامات پر قرآن کے یہ دعوت کی تفسیر اس مفروضہ پر کی ہے کہ وہ ابراہیم اللہ کی منکر یا اس سے ناواقف تھی اور صرف اپنے معبودوں کی کو خدا کی کابائے مالک سمجھتی تھی۔



وَبَلَدًا مَّجْنُونًا اتَيْنَاهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهِ تَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مِّنْ  
 نَّسَابِہِمْ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۶﴾ وَهَبْنَا لَكَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ  
 كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ  
 وَسُلَيْمٰنَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُونَ وَكَذٰلِكَ  
 نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ

یہ بھی ہماری وہ جنت جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی۔ ہم جسے چاہتے ہیں  
 بلند مرتبے عطا کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تمہارا رب نہایت دانا اور علیم ہے۔

پھر ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو راہ راست دکھائی۔  
 (وہی راہ راست جو اس سے پہلے نوح کو دکھائی تھی۔ اور اسی کی نسل سے ہم نے داؤد،  
 سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت بخشی)۔ اس طرح ہم نیکو کاروں کو ان کی  
 نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔ (اسی کی اولاد سے) زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور ایسا کی (راہ یاب کیا)۔

آپ ہی آیت میں جو فقرہ ہے کہ جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، اس میں لفظ ظلم سے بعض  
 صحابہ کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ شاید اس سے مراد مصیبت ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تصریح فرمادی کہ دراصل  
 یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ لہذا اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اللہ کو انیس اور اپنے اس ماننے کو کسی شریک نہ عقیدہ  
 دہن سے آلودہ نہ کریں اس صورت انہی کے لیے ہے اور وہی راہ راست ہمیں۔

اس موقع پر یہ جان لینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ یہ واقعہ جو حضرت ابراہیم کی حکیم الشان پیغمبرانہ زندگی کا منظر پیش  
 ہے، بائبل میں کوئی جگہ نہیں پایا جاتا ہے۔ البتہ تلمود میں اس کا ذکر موجود ہے۔ لیکن اس میں دو باتیں قرآن سے مختلف  
 ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حضرت ابراہیم کی جستجوئے حقیقت کو شروع سے شروع کے تلمود تک اور پھر خدا تک نہ جاتی ہے۔  
 دوسرے اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب شروع کو خدا سمجھا تو ساتھ ہی اس کی پرستش بھی کر ڈالی اور اسی  
 طرح چاند کو بھی انہوں نے خدا سمجھا کہہ کر اس کی پرستش کی۔

كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝۷۱ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ وَهُنَالِكَ  
 وَكَوْنًا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝۷۲ وَمِن آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ  
 لِمُخْلَوَّيِهِمْ وَاجْتَنَبْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۷۳  
 ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ  
 أَشْرَكُوا لَحِطَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۷۴ أُولَئِكَ الَّذِينَ  
 آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ

ہر ایک ان میں سے صالح تھا۔ اسی کے خاندان سے اسماعیل، ایشق، اور یوسف اور نوکو کو راستہ  
 دکھایا۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا والوں پر فضیلت عطا کی۔ نیز ان کے آباء و اجداد  
 اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے جنہوں کو ہم نے نواز، انہیں اپنی خدمت  
 کے لیے چن لیا اور ہم سے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے  
 ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے  
 شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور  
 نبوت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو (پر وائیں) ہم نے

۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ جس میں شرک میں تم لوگ مبتلا ہو گئیں وہ بھی اسی میں مبتلا ہونے والے تھے۔ قویہ مرتبہ ہرگز نہا سکتے تھے۔

مکن تھا کہ کوئی شخص کامیاب نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص کے تابع کی حیثیت سے دنیا میں شرت پاتا۔ یا رہتی ہی کمال پیدا کر کے  
 کاروں کا سامان پیدا کر دیتا یا کسی خدمت سے دنیا کے بدکاروں میں نامور بن دیتا۔ لیکن یہ تمام ہدایت اور اہم امتحان  
 ہونے کا شرف اور دنیا بھر کے لیے غیر مصلح کا سرچشمہ ہونے کا مقام کوئی بھی نہ پاسکتا اگر شرک سے جب اور مصلح  
 خلافت کی راہ نشانات ہم نہ جانتا۔

۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ یہاں انبیاء علیہم السلام کو جن عیسوی مصلح کے ہانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک کتاب میں اس کا ہدایت نامہ۔

وَمَنْ لَّمْ يَجِدْهَا قَوْلًا لِّئَلَّا تُؤْخَذَ بِهَا بِكَفَرٍ مِنْكُمْ ۖ وَلِكُلِّ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ  
فِيهِمْ هُدًى مِّنْهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِن هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّ  
لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ  
مِّن شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى

بج

کچھ اور لوگوں کو یہ نعمت سونپ دی ہے جو اس سے منکر نہیں ہیں۔ اے محمد! وہی لوگ اللہ کی  
طرف سے ہدایت یافتہ تھے، انہی کے راستہ پر تم چلو، اور کہہ دو کہ میں (اس تبلیغ و ہدایت کے) کام  
پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے۔

ان لوگوں نے اللہ کا بہت غلط اندازہ لگا یا جب کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں  
کیا ہے۔ ان سے پوچھو، پھر وہ کتاب جسے موسیٰ لایا تھا، جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور

دوسرے حکم یعنی اس ہدایت پر، صریح ہم اور اس کے اصولوں کے معاملات زندگی پر رہنمائی کرنے کی مہجت اور رسالت  
میں فیصلہ کن رائے قائم کرنے کی غلاداد قابلیت۔ تیسرے نبوت ایسی یہ منصب کہ وہ اس ہدایت نامہ کے معانی میں اللہ کی  
دعائی کوں۔

۵۸۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کافر و شرک لوگ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں تو کہیں، اہم  
اہل ایمان کا ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا ہے جو اس نعمت کی قدر کرنے والا ہے۔

۵۹۔ پچھلے سلسلہ بیان اور بعد کی برائی تقریب سے صاف تر شرح ہوتا ہے کہ یہ قول یہودیوں کا تھا جو کہ نبی صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم کا دعویٰ یہ تھا کہ میں نبی ہوں اور محمد پر کتاب نازل ہوئی ہے، اس لیے حدیثی طور پر کفار قریش اور دوسرے مشرکین عرب  
اس دعویٰ کی تحقیق کے لیے جو دھنساوئی کی حرکت رچا کر کرتے تھے اور ان سے پوچھتے تھے کہ تم بھی اہل کتاب ہو، پیغمبروں کے  
ساتھ ہر بتاؤ کیا واقعی اس شخص پر اللہ کا حکم نازل ہوا ہے؟ پھر جو کچھ جواب وہ دیتے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سرگرم مخالفین  
جو کہ بیان کر کے لوگوں کو بگڑاتے کرتے پھرتے تھے۔ اسی لیے یہاں یہودیوں کے اس قول کو جسے مخالفین اسلام نے ہمت  
نہا تھا، خالص نقل کر کے اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

تنبہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک یہودی جو خود قرآن کریم کی طرف سے نازل شدہ کتاب کا ہے، کیسے کہہ سکتا ہے کہ  
خدا نے کسی شرک پر کفار میں کیونکر شہرہ صبح نہیں ہے، اس لیے کہ خدا درحقیقت دعویٰ کی بنا پر رسالت آدمی کسی دوسرے

لِلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَأَ طَيْسَ بُنْدُوْنَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيْرًا  
عَلَيْكُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ  
خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۱۰ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبْرَكًا مُّصَدِّقًا  
الَّذِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اَٰمَ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا

برایت تھی، جسے تم پارہ پارہ کر کے رکھتے ہو، کچھ دکھاتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو، اور جس کے ذریعہ سے تم کو وہ علم دیا گیا جو نہ تمہیں حاصل تھا اور نہ تمہارے باپ دادا کو، آخراں کا نازل کرنے والا کوئن تھا۔ — بس اتنا کہ دو کہ اللہ، پھر انہیں اپنی دلیل بازیوں سے کھینے کے لیے چھوڑ دو۔ (اسی کتاب کی طرح یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ بڑی خیر و برکت والی ہے۔ اس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی تھی۔ اور اس لیے نازل کی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم سبیتوں کے اس مرکز یعنی مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو متنبہ کرو۔

کہاں باتوں کو دہرنے کے لیے ایسی باتیں دی گئی کہ جتنا ہے اس سے عوام کی اپنی سہل ملاحظہ پر بھی زبردستی مانتی ہے۔ یہ لوگ مصلحت اور مصلحت کی نیت کر دے کہ ہر مسئلے سے خود اپنی مصلحت کے جوش میں اس قدر غصہ ہو جاتے تھے کہ حضور کی رسالت کی تردید کرتے کرتے خود رسالت ہی کی تردید کر گزرتے تھے۔

اور یہ جو فرمایا کہ لوگوں نے اللہ کا بہت غلط اندازہ لگایا جب یہ کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی حکمت اور اس کی قدرت کا اندازہ کر کے میں غلطی کی ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا نے کسی بشر پر علم حق اور ہدایت نامہ زندگی نازل نہیں کیا ہے وہ یا تو بشر پر غرور و جبر کو مانگ کر بھٹتا ہے اور یہ خدا کی قدرت کا غلط اندازہ ہے، یا پھر وہ یہ بھٹتا ہے کہ خدا نے انسان کو ذات کے اعتبار اور تصرف کے اختیارات تو دے دیے مگر اس کی بھیج دہنائی کا کوئی انتظام نہ کیا بلکہ اسے دنیا میں بھٹا دیا اور کام کرنے کے لیے بے ہوش چھوڑ دیا۔ اور یہ خدا کی حکمت کا غلط اندازہ ہے۔

یہ جواب جو نیکو بیرونیوں کو دیا جا رہا ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام پر قرآن کے نزول کو ذیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ نہ وہ خود اس کے قائل تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا تسلیم کرنا کہ حضرت موسیٰ پر قرآن نازل ہوئی تھی ان کے اس قول کی آپ سے آپ تردید کرتا ہے کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ نیز اس سے کہ ان کو کہ اتنی بات تو ثابت مہماتی ہے

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ  
يُمَاسِّطُونَ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ  
أُدْعِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُدْعَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلَ مِثْلَ مَا  
أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَ

جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر ٹھونہا نہتانا گھڑے۔ یا کہے کہ مجھ پر دعویٰ آئی ہے در اس حالے کہ اس پر کوئی دعویٰ نازل نہ کی گئی ہو یا جو اللہ کی نازل کردہ چیز کے مقابلہ میں کہے کہ میں بھی ایسی چیز نازل کر کے دکھا دوں گا؟ کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکو جب کہ وہ سکرات موت میں ڈبکیاں کھا رہے ہوتے ہیں اور کہ جن پر خدا کا کلام نازل ہو سکتا ہے اور ہر جگہ ہے۔

۱  
اللہ پہلے دلیل اس بات کے ثبوت میں تھی کہ جن پر خدا کا کلام نازل ہو سکتا ہے اور علم ہوا بھی ہے۔ اب یہ دوسری دلیل اس بات کے ثبوت میں ہے کہ یہ کلام جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے، یہ خدا ہی کا کلام ہے۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے چار باتیں شہادت کے طور پر پیش کی گئی ہیں:

۱  
۱۔ کتب کا کتاب رُئی غیر درکت والی ہے، یعنی اس میں انسان کی فاح و سیر و کے لیے بہترین اصول پیش کیے گئے ہیں۔ خدا صمدی علیہ السلام ہے، ہمارے لوگوں کی توجہ ہے، انصاف و فاضل کی تحقیق ہے، پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی ہدایت ہے اور پیروہ جہالت، خود غرضی، تنگ نظری، ظلم، فحش اور دوسری گنہگاروں سے جن کا ایجاد تم لوگوں نے کتب مقدسہ کے مجموعہ میں بھر رکھا ہے، بالکل پاک ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس سے پہلے خدا کی طرف سے جو ہدایت تائے کئے تھے یہ کتاب ان سے الگ ہٹ کر کوئی شخص ہدایت پیش نہیں کرتی بلکہ اسی چیز کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو ان میں پیش کی گئی تھی۔

۳۔ تیسرے یہ کہ یہ کتاب اسی مقصد کے لیے نازل ہوئی ہے جو ہر زمانہ میں اللہ کی طرف سے کتابوں کے نزول کا مقصد رہا ہے، یعنی مختلف درجے کے لوگوں کو جو کچھ ان کا سامنے ہونی چاہیے ان کے اہتمام سے ہر مادہ کرنا۔

۴۔ چوتھے یہ کہ اس کتاب کی دعوت نے انسانوں کے گروہوں سے ان لوگوں کو نہیں بے شمار جو دنیا پرست اور غرض پرست تھے

الْمَلٰٓئِكَةُ بِاَسْطُوٰٓئِهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ الْيَوْمَ يَخْرُجُوْنَ  
عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ  
عَنِ اٰيٰتِهِ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَ اٰرَادٰى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ  
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وِرَآءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ  
شُفْعَاءَ كُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكَآءُ لَقَدْ  
نَقَطْعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّ  
اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

فرشتے ہاتھ بڑھا کر سب سے ہوتے ہیں کہ لاؤ، نکال دینی جان۔ آج تمہیں ان باتوں کی پاداش  
میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اندر پر تمت رکھ کر ناسحق بجا کرتے تھے اور اُس کی آیات کے  
مقابلہ میں سرکشی روکھاتے تھے۔ (اور اللہ فرمائے گا) اباب تم ویسے ہی جن تمہا ہمارے سامنے حاضر  
ہو گئے میا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا، جو کچھ ہم نے تمہیں دینا میں دیا تھا وہ سب تم  
بچے چھوڑ آئے ہو، اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے  
متعلق تم جھگڑتے تھے کہ تمہارے کام نہانے میں ان کا بھی کچھ حصہ ہے، تمہارے آپس کے سب رابطے  
ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے۔

وانے اور گھسی کو بچاؤنے والا اللہ ہے۔ وہی زندہ کر مرده سے نکالتا ہے اور وہی مرده کو

زندے میں بلکہ ایسے رگوں کو اپنے کو دیکھ کر کہ جن کو ظہر حیات دنیا کی تنگ سرحدوں سے اٹھک جاتی ہے، اور جس کا  
سے قاتل ہو کر مرنا انتہا میں کی زندگی میں وہ ظہر ہے جس کی سب سے زیادہ نمایاں علامت یہ ہے کہ وہ انسان کے دھریاں اپنی  
ظاہر ہی کے اعتبار سے متاویز ہیں، کیا یہ صوریات اور تنازع کسی ایسی کتاب کے ہو سکتے ہیں جسے کسی جوئے انسان نے کوہ  
ہو جاتی تعینیت کو خدا کی طرف منسوب کر دینے کی انتہائی مجرمانہ جسارت تک کر گزرے؟

الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ ﴿۵۵﴾ فَأَلْقِ الْأَصْبَاحَ  
وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَلِكُمْ  
تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ  
لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَةَ لِقَوْمٍ  
يَعْلَمُونَ ﴿۵۷﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ  
فَمُسْتَقَرًّا وَمُسْتَوْدَعًا قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَةَ لِقَوْمٍ يُفْقَهُونَ ﴿۵۸﴾

زندہ سے فاسق کرتا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے، پھر تم کدھر تک چلے جا رہے ہو، ہر وہ شب کو پاک کر کے دی صبح نکالتا ہے۔ اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے۔ اسی نے ہانڈا اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اسی ہمہ دست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھیکرائے ہوئے اندازے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صمرا اور سمندر کی تار کیوں میں اتار دیا۔ اور وہی ہے جس نے ایک تنفس سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سوئے جانے کی جگہ۔ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

۶۲ یعنی زمین کی تلوں میں بیج کو پھاڑ کر اس سے درخت کی کوئل نکالنے والا۔

۶۳ زندہ کو مردہ سے نکالنے کا مطلب ہے جان مازہ سے زندہ مخلوقات کی پیدا کرنا ہے، اور مردہ کو زندہ سے

فاسق کرنے کا مطلب جاندار اجسام میں سے ہے جان مازہ کو فاسق کرنا۔

۶۴ یعنی اس حقیقت کی نشانیاں کہ مخلوق ایک ہے، کوئی دوسرا خدا کی صفات نہ رکھتا ہے، نہ خدا کی

اختیارات میں حصہ دار ہے، اور نہ خدا کی حقوق میں کسی حق کا سہتی ہے۔ لیکن انہیں اور ملائکہ سے حقیقت ایک

پہنچنا چاہوں گے جس کی بات جس اس دولت سے بہرہ و معرفت وہی رنگ ہو سکتے ہیں جو ملی طوطی پر آواز کا ناست کا

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ  
فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن  
طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ  
مُسْتَمِيمًا وَغَيْرِ مِثْلَ ذَلِكَ أَنْظَرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ  
فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٦﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجَنَّةَ

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی، پھر  
اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے دانے نکالے  
اور گھور کے شگوفوں سے پھلوں کے پتے کے پتے پیدا کیے جو دو چھ کے واسے بھکے پڑتے ہیں  
اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں  
اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں گل آنے  
اور پھران کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو ان چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن  
دلوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ اس پر بھی لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا  
شاہد کہتے ہیں۔

۵۷ یعنی نسل انسانی کی ابتدا ایک شخص سے کی۔

۵۷ یعنی نسل انسانی کی تخلیق اور اس کے اندر مرد و زن کی تفریق اور تعامل کے ذریعہ سے اس کی افزائش اور  
علم و ادب میں انسانی پر کاغذ قلم پڑ جانے کے بعد سے زمین میں اس کے سر پہ جانے تک اس کی زندگی کے مختلف اطوار  
اور نظر ثانی جانے کے اس میں بے شمار کئی کئی مثالیں آدمی کے سامنے آئیں گی جن سے وہ اس حقیقت کو پہچان سکتا ہے جو  
ہر بیان ہوتی ہے مگر ان مشاہدے سے یہ معرفت حاصل کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جو سمجھ و سمجھ سے کام لیں۔ جہان زندگی کی طرح  
زندگی بسر کرنے والے جو صورتیں خواہشات سے ادا نہیں ہوا کرتی کہ تدبیروں ہی سے عرض رکھتے ہیں ان کا خیال بدلنا  
کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے۔

۵۸ یعنی پہلے وہ لوگوں سے یہ ٹھہرایا کہ کائنات کے حکم میں انسان کی قسمت کے بنانے والے خدا کے لئے جس



وَخَلَقْنَاهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى  
 عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۰﴾ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ  
 وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ  
 عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ  
 فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۱۲﴾ لَا تَدْرِيكَ الْبَصَارُ  
 وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۳﴾ قَدْ جَاءَكُمْ  
 بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَ

حالانکہ وہ ان کا خالق ہے، اور بے ہمانے بوجہ اس کے بے بنیے اور بیٹیاں تصنیف کر دیتے،  
 حالانکہ وہ پاک اور بالاتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں یا وہ تو آسمانوں اور زمین کا مخلوق  
 ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اس کی شریک زندگی ہی نہیں ہے۔ اس نے  
 ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، کوئی خدا اس کے سوا  
 نہیں ہے، ہر چیز کا خالق، لہذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا کیفی ہے۔ بچاؤ اس کو نہیں  
 پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔

دیکھو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آگئی ہیں، اب  
 جو بیٹائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا، میں

اللہ کے ساتھ دوسری پوشیدہ بیٹیاں بھی شریک ہیں، کوئی بارش کا روتا ہے تو کوئی نہ بیدگی کا، کوئی درخت کی داری ہے  
 تو کوئی بیابان کی، اور جو فائدہ سے الزامات، اس قسم کے سو تفاسات دہا کی تمام مشرک قوموں میں اسرار اور شیطانی طور  
 دکشوں اور دیتوں اور دلوں کے مشق پائے جاتے دہے ہیں۔

۱۸ جملہ عرب فرشتوں کو ملکی نہیں کہتے تھے۔ اسی طرح دنیا کی دوسری مشرک قوموں نے بھی خدا سے

مَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۖ وَكَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا اِذْ هُنَا  
وَلَنْبَيِّنَا لِلْقَوْمِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ اِتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ

تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوتا۔

اس طرح ہم اپنی آیات کو بار بار مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ کہیں تم کسی سے پڑھ آئے ہو، اور جو لوگ علم رکھتے ہیں ان پر ہم حقیقت کو روشن کر دیں۔ اسے محمد! اُس وحی کی پیروی کیے جاؤ جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے

مسئلہ نہ چھایا ہے اور پھر دہائیوں اور دہائیوں کی ایک پوری نسل اپنے دہم سے پیدا کر دی ہے۔

۶۹ یہ فقرہ اگرچہ اشاری کا کلام ہے مگر وحی کی طرف سے ادا ہو رہا ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح غالباً بار بار دہاتے ہیں کہ کبھی نبی سے خطاب ہوتا ہے، کبھی اہل ایمان سے، کبھی اہل کتاب سے، کبھی کفار و مشرکین سے، کبھی قریش کے لوگوں سے، کبھی اہل یوحنا سے اور کبھی مامانوں سے، حالانکہ اہل غرض پوری نوع انسانی کی ہدایت ہے اسی طرح معظم بھی بار بار دہاتے ہیں کہ کہیں حکم خدا فرماتا ہے، کہیں وحی لائے والا فرشتہ، کہیں فرشتوں کا گروہ، کہیں نبی اور کہیں اہل ایمان، حالانکہ ان سب صورتوں میں کلام وحی ایک خدا کا کلام ہوتا ہے۔

سین تم پر پاسبان نہیں ہوتا، یعنی میرا کام بس اتنا ہی ہے کہ اس وحی کو تمہارے سامنے پیش کر دوں، اس کے بعد تم کہیں کھول کر دیکھنا یا نہ دیکھنا تمہارا اپنا کام ہے۔ میرے سپرد یہ خدمت نہیں کی گئی ہے کہ جنہوں نے خدا تمہیں ہدایت کی ہے ان کی آنکھیں نہ دھکی کھولیں اور جو کچھ وہ نہیں دیکھتے وہ انہیں دکھا کر بھی بھرتوں۔

۷۰ یہ وحی بات ہے جو مردہ فقرہ رکھ کر اس میں فرمائی گئی ہے کہ محمد! درگزی و خیرہ چیزوں کی تبلیغ نہ کر حق کے طالب قرآن صداقت کو کہتے ہیں جو ان تخیلوں کے برابر میں بیان ہوئی ہے مگر جن پہاڑ کا نصب مسئلہ ہے وہ فقرے کہتے ہیں کہ بعد اذکر کے کام میں ان خیرہ چیزوں کے ذکر کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ اُسی ضمن میں ان کے ایک دوسرے پر ایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہنے کا وہ مایہ ہے کہ یہ کام لوگوں کے لیے آزمائش بن گیا ہے جس سے کھولے اور کھرے انسان میں ہر پہلو ہیں۔ ایک طرح کے انسان وہ ہیں جو اس کام کو سن کر یا پڑھ کر اس کے متعدد وہ مایہ فرماتے ہیں اور حکمت و نصیحت کی باتیں اس میں فرمائی گئی ہیں ان سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، مختلف اس کے ایک دوسری طرح کے انسانوں کا حال یہ ہے کہ اسے سننے اور پڑھنے کے بعد ان کو ذہن مغر کا کام کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اس نثر میں لگ جاتا ہے کہ اگر کوئی ایسی انسان یہ مضامین لکھا گیا ہے، اور جو کہ مخالفانہ نصب پہلے سے ان کے دل پہ قبضہ کیے ہوئے ہوتا ہے اس لیے ایک خدا کی طرف سے نازل شدہ ہونے کے اعلان کو چھوڑ کر باقی تمام ممکن تصور صورتیں وہ اپنے ذہن سے توجہ کرتے ہیں

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا  
 أَشْرَكُوا وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ  
 بِوَكِيلٍ ﴿٥٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
 فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ

کیونکہ اُس ایک رب کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ اور ان شرکین کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر اللہ کی  
 مشیت ہوتی تو وہ خود ایسا باندہ و بست کر سکتا تھا کہ یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر  
 پاسان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو۔ اور (اے ایمان لانے والو!) یہ لوگ اللہ کے  
 سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گایاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہات کی  
 بنا پر اللہ کو گایاں دینے لگیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو خوشنما  
 و دانیں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے اس کلمے کا فاضل تحقیق کر لی ہے۔

اللہ مطلب یہ ہے کہ تمہیں داعی الہدٰی بنایا گیا ہے، کہ تو ال نہیں بنایا گیا۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے  
 سامنے اس روشنی کو پیش کر دو اور افکار حق کا حق ادا کرنے میں اپنی مدد تک کوئی کسر نہ رکھو۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول  
 نہیں کرتا تو ذکر سے تم کو کام پر آمادہ کیا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی جو اور نہ تمہاری ذمہ داری و جواب دہی  
 میں بات شامل ہے کہ تمہارے عقیدہ نبوت میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہ جائے۔ لہذا اس نگرش خواہ مخواہ اپنے ذہن کو  
 پریشان نہ کر دو کہ اندھوں کو کس طرح جانا بنایا جائے اور جو تکبیس کھول کر نہیں دیکھنا چاہتے انہیں کیسے دکھایا جائے۔ اگر  
 فی الواقع حکمت الہی کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہنے دیا جائے تو اللہ کو یہ کام تم سے لینے کی کیا  
 ضرورت تھی، کیا اس کا ایک ہی نگرانی شمارہ تمام انسانوں کو حق پرست دینا سکتا تھا، مگر وہاں تو متعدد دوسرے سے یہ بڑی  
 نہیں مقصود تھی کہ انسان کے لیے حق اور باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور ہر حق کی روشنی اس کے سامنے  
 پیش کر کے اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ خود فیروز میں سے کس کو انتخاب کرتا ہے پس تمہارے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے  
 کہ جو روشنی تمہیں دکھائی گئی ہے اس کے چمکے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے رہو۔  
 جو لوگ حق و دعوت کو قبول کریں انہیں سینے سے لگاؤ اور ان کا ساتھ نہ چھوڑو خواہ وہ دنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں۔ اور  
 جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑو جس انتہام حد تک صرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر معذرت اس کی طرف جانے

عَمَّا لَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ نَرِّجُمُ ثُمَّ فَيَنْبِتُ لَهُمْ بِسَاكَاوًا يَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾  
 وَأَقِمُّوا لِلَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِكُمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لِّيُؤْمِنُوا  
 بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ  
 لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَنَقَلَبُ أَمْدًا تَهُمُّ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ

بنا دیا ہے، پھر انہیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر آنا ہے، اُس وقت وہ انہیں بتائے گا کہ  
 کیا کہتے رہے ہیں۔

یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ہم سے ملے تو ہم اس پر ایمان  
 لے آئیں گے۔ اے محمد! ان سے کہو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔ اور تمہیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں  
 انہی جائیں تو یہ ایمان لانے والے نہیں، ہم اسی طرح ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ  
 کے یہ نہیں سمجھو دو۔

﴿٦٨﴾ یہ نصیحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں کی گئی ہے کہ اپنی تبلیغ کے جو جس میں وہ بھی اتنے بے قابو نہ ہو جائیں  
 کہ منظر سے اور بحث و تکرار سے معاملہ چڑھتے چڑھتے غیر مسلموں کے عقائد پر سخت حملے کرنے اور ان کے پیروؤں اور پیروں  
 کو گالیاں دینے تک ذرا پہنچ جائے، کیونکہ یہ چیز ان کو حق سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور وچھینک دے گی۔

﴿٦٩﴾ یہاں پھر اُس حقیقت کو ملحوظ رکھنا چاہیے جس کی طرف اس سے پہلے بھی ہم اپنے حواشی میں اشارہ کر چکے ہیں  
 کہ جو امر و قوانینِ فطرت کے تحت رونما ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنا فعل قرار دیتا ہے کہ نہ کہ وہی ان قوانین کا مقرر کرنے  
 والا ہے اور جو کچھ ان قوانین کے تحت رونما ہوتا ہے وہ اسی کے امر سے رونما ہوتا ہے۔ جس بات کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے  
 ہم نے ایسا کیا ہے، اسی کو ہم انسان بیان کریں تو اس طرح کہیں گے کہ نظروں پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

﴿٧٠﴾ تعالیٰ سے مراد کوئی ایسا صریح محسوس محسوس ہے جسے دیکھ کر ہی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلاحت اور آپ کے ماحول  
 میں اللہ ہونے کو مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔

﴿٧١﴾ یہی نشانیں کے پیش کرنے اور بتانے کی حدت مجھے مائل نہیں ہے، ان کا انکار تو اللہ کو ہے، چاہے  
 دکھائے اور نہ چاہے نہ دکھائے۔

﴿٧٢﴾ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے جو بے تاب ہو کر تن کرتے تھے اور کبھی کبھی زبان سے بھی اس خواہش کا اظہار

يَوْمُنَا بَآءٌ أُولَٰئِكَ مَرَّةٌ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٠﴾  
 وَلَوْ أَنَّا نَزَّلْنَاهُ إِلَيْهِمُ الْمَلِئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَ  
 حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ  
 اللَّهُ وَلَٰكِنَّا أَكْثَرُهُمْ بِجَهْلُونِ ﴿١١﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ  
 عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ہم انہیں ان کی سرکشی ہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑے  
 دیتے ہیں۔ اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کرتے اور مرنے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں  
 کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ الایہ کہ مثبتیت  
 الہی ہی ہو کہ وہ ایمان لائیں، مگر اکثر لوگ نادانی کی باتیں کرتے ہیں۔ اور ہم نے قرسی طبع ہمیشہ  
 شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے پر خوش نیند

کر دیتے تھے کہ کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو جائے جس سے ان کے گمراہی مافی راہ دست پر آجائیں۔ ان کی اسی تنہا اور غمازش کے  
 جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ آخر تمہیں کس طرح بھمایا جائے گا ان لوگوں کا ایمان لانا کسی نشانی کے طور پر بر وقت نہیں ہے۔

۱۰ یعنی ان کے ہندو ہی ذہنیت کا مہ کیے جا رہی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے پہل مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ  
 وسلم کی دعوت سن کر اسے ماننے سے انکار دیا تھا۔ ان کے نقطہ نظر میں ابھی تک کوئی تغیر واقع نہیں ہوا ہے۔ وہی عقل  
 کا پیر اور نظر کا بیٹا ہیں جو انہیں اس وقت معجے سمجھنے اور معجے دیکھنے سے روک رہا تھا۔ آج بھی ان پر اسی طرح مسلط ہے۔

۱۱ یعنی یہ لوگ اپنے اختیار اور انتخاب سے قوت کو باطل کے مقابلہ میں ترجیح دے کر قبول کرنے والے نہیں تھے  
 ایمان کے حق پرست بننے کی صورت ایک ہی صورت باقی ہے اور وہ یہ کہ ٹیبل عقلمن و کونین سے جس طرح تمام بے اختیار  
 مخلوقات کو حق پرست پیدا کیا گیا ہے اسی طرح انہیں بھی بے اختیار کہہ کے جتنی مہر پر انہیں حق پرست مانا جاتا ہے۔ مگر یہ اس  
 حکمت کے خلاف ہے جس کے تحت اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ لہذا تمنا یہ توحق کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست  
 اپنی کوئی مداخلت سے ان کو مرنے نہ دے گا۔

زُخْرُفَ الْقَوْلِ غَرُورًا وَاَوْشَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ  
وَمَا يَفْقَرُونَ ﴿۱۳﴾ وَلِتَصْغَرِ إِلَيْهِ أَفْدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

ہاتیں دھوکے اور فریب کے طور پر اتار کرتے رہے ہیں۔ اگر تمہارے رب کی مشیت یہ ہوتی کہ وہ ایسا نہ کریں تو وہ کبھی نہ کرتے۔ پس تم انہیں ان کے مال پر چھوڑ دو کہ اپنی افترا پر دازیاں کسے رہیں۔ (یہ سب کچھ ہم انہیں اسی لیے کرنے دے رہے ہیں کہ جو لوگ آخرت پر ایمان

۱۳۔ میں آج اگر شیاطین میں داخل ہوں تو تمہارے مقابل میں بڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو تمہارے ہی ساتھ پیش آ رہی ہو۔ ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی پیغمبر دنیا گراہ راست دکھانے کے لیے اٹھا تو قلم شیطان قوتیں اس کے من کو تار کام کرنے کے لیے کمر بستہ ہو گئیں۔ خوش آئند باتوں سے مراد وہ تمام باتیں اور تدبیروں اور شکوک و شبہات و اعتراضات ہیں جن سے یہ لوگ عوام عامی حق اور اس کی دعوت کے خلاف بھڑکانے اور دکھانے کا کام لیتے ہیں۔ پھر ان سب باتوں کو ہمیشہ مجموعی دھوکے اور فریب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ حق سے ڈرنے کے لیے جو بہتیار بھی غافلین حق استعمال کرتے ہیں وہ نہ صرف دوسروں کے بلکہ خود ان کے لیے بھی حقیقت کے اعتبار سے محض ایک دھوکا ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر وہ ان کو نہایت مفید اور کامیاب ہتھیار نظر آتے ہیں۔

۱۴۔ یہاں ہماری سابق تقریحات کے علاوہ یہ حقیقت بھی اچھی طرح ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ قرآن کی دوسری اشد قاتلی کی مشیت اور اس کی صفات بہت بظاہر ہے جس کو غفلت انداز کرنے سے باہر ہم شدید غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں۔ کسی چیز کا اللہ کی مشیت اور اس کے اذن کے تحت ہونا جتنا لازمی طور پر یہی نہیں رکھتا کہ اس امر سے واقعی بھی ہے، اور اسے پسند بھی کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی واقعہ کبھی صدق میں نہیں آتا جب تک اللہ اس کے صدور کا اذن نہ دے اور اپنی عظیم الشان حکیم میں اس کے صدور کی گمانش دھماکے اور صواب کو اس حد تک مساعد نہ کرنے کہ وہ واقعہ مادی ہو سکے۔ کسی چور کی چوری کسی تاقی کا قتل، کسی ظالم و فاسد کا ظلم و فساد اور کسی کافر و مشرک کا کفر و مشرک اللہ کی مشیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اسی طرح کسی مومن اور کسی متقی انسان کا ایمان و تقویٰ بھی مشیت الہی کے بغیر محال ہے۔ دوزخ قسم کے واقعات یکساں طور پر مشیت کے تحت ہونا ہوتے ہیں۔ گنہگار قسم کے واقعات سے اللہ راضی نہیں ہے اور اس کے برعکس دوسری قسم کے واقعات کو اس کی رضا اور اس کی پسندیدگی و محبوبیت کی سند حاصل ہے۔ اگرچہ آخر کار کسی غیر عظیم ہی کے لیے فرمانروائے کائنات کی مشیت کام کر رہی ہے، لیکن اس غیر عظیم کے علم و حکمت و قدرت و خیر و شر اور صلاح و فساد کی مختلف قوتوں کے ایک دوسرے کے مقابل میں نبوذا آنا ہونے ہی سے صاف ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی بزرگ مصلحتوں کی بناء

بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ﴿۱۳﴾  
 أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكْمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ

نہیں رکھتے اُن کے دل اس (خوشنما دھوکے) کی طرف مائل ہوں اور وہ اس سے راضی ہو جائیں  
 اور اُن بُرائیوں کا انکساب کریں جن کا انکساب وہ کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جب حال یہ ہے تو کیا  
 میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف

وہ طاعت اور معصیت، اہل ایمیت اور کفر و عیث، موسوئیت اور فرعونیت، آدمیت اور شیطنیت، دونوں کو اپنا اپنا کام کرنے کا  
 موقع دیتا ہے۔ اس نے اپنی ذی اختیار مخلوق (یعنی اور انسان) کو غیر اور شرعی سے کسی ایک کے انتخاب کر لینے کی آزادی عطا  
 کر دی ہے۔ جو چاہے اس کا رُخ عالم میں اپنے لیے غیر کا کام پسند کرے اور جو چاہے شر کا کام۔ دونوں قسم کے کارکنوں کو  
 جس حد تک خدائی مصلحتیں اہمالت دیتی ہیں، اسباب کی تائید نصیب ہوتی ہے لیکن اللہ کی رضا اور اس کی پسندیدگی صرف غیر  
 ہی کے لیے کام کرنے والوں کو حاصل ہے اور اللہ کو محبوب ہی بات ہے کہ اس کے بند اپنے آزادی انتخاب سے فائدہ اٹھا کر  
 غیر کو اختیار کریں نہ کہ شر کو۔

اس کے ساتھ یہ بات اہم بھی چاہیے کہ یہ جو اللہ تعالیٰ دشمنان حق کی مخالفت کا دروایوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی  
 مشیت کا بار بار حال دیتا ہے اس سے منظور و دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذریعے سے اہل ایمان کو یہ سمجھانا تھا  
 کہ تمہارے کام کی نوعیت فرشتوں کے کام کی سی نہیں ہے جو کسی مداخلت کے بغیر احکام الہی کی تعمیل کر لیتے ہیں۔ بلکہ تمہارا  
 اہل کام شریروں اور باغیوں کے مقابلہ میں اللہ کے پسند کردہ طریقہ کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔ اللہ اپنی  
 مشیت کے تحت اُن لوگوں کو بھی کام کرنے کا موقع دے رہا ہے جنہوں نے اپنی سعی و جد کے لیے خود اللہ سے بے نیاز  
 کے راستے کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح وہ تم کو بھی، جنہوں نے طاعت و بندگی کے راستے کو اختیار کیا ہے، کام کرنے کا پورا  
 موقع دیتا ہے۔ اگرچہ اس کی رضا اور ہدایت و رہنمائی اور تائید و نصرت تمہارے ہی ساتھ ہے کیونکہ تم اُس پہلو میں کام کر  
 رہے ہو جسے وہ پسند کرتا ہے، لیکن تمہیں یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی فوق الفطری مداخلت سے اُن لوگوں کو ایمان  
 لانے پر مجبور کرنے کا جو ایمان نہیں لانا چاہتے، یا اُن شیطانیں جن و انس کو زبردستی مسائے راستے سے ہٹانے کا ہنسنے  
 پسند دل و دماغ کو اور دست و پا کی قوتوں کو اور اپنے وسائل و ذرائع کو حق کی راہ روکنے کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ  
 کر لیا ہے۔ نہیں، اگر تم نے واقعی حق اور صداقت کے لیے کام کرنے کا حزم کیا ہے تو تمہیں باطل پرستوں کے  
 مقابلہ میں سخت کشمکش اور جدوجہد کر کے اپنی حق پرستی کا ثبوت دینا ہو گا۔ ورنہ مجرموں کے ذور سے باطل کو شام اور حق کو  
 غالب کرنا ہوتا تو تمہاری ضرورت ہی کیا تھی، اللہ خود ایسا استقامت رکھتا کہ دنیا میں کوئی شیطان نہ ہوتا اور کسی شرک و

مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ مِّنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ﴿١٠٣﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا لَا مُبْدِلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٠٤﴾ وَإِنْ تُطْعَمُوا كَثْرًا مِّنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١٠٥﴾

کتاب نازل کر دی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب ہی کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے لہذا تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔ تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، کوئی اس کو فراموش نہ کرے والا نہیں ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اور اے محمد! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے میں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس پر ایمان کرتے ہیں۔

کفر کے نمبر کا امکان نہ ہوتا۔

۸۱۔ اس فقرہ میں حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خطاب مسلمانوں سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنی کتاب میں صاف صاف یہ تمام حقیقتیں بیان کر دی ہیں اور یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ فرقہ فطری مافطرت کے بغیر حق پرستوں کو فطری طریقوں ہی سے غلبہ حق کی جلد جہد کرنی ہوگی۔ تو کیا اب میں اللہ کے سوا کوئی اور ایسا صاحب ترلاش کروں جو اللہ کے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرے اور ایسا کوئی صحیحہ بھیجے جس سے یہ لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں؟

۸۲۔ یعنی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو واقعات کی ترجمانی میں آج گھڑی گئی جو۔ تمام وہ لوگ جو کتب آسمانی کا علم رکھتے ہیں اور جنہیں انبیاء علیہم السلام کے سن سے واقفیت حاصل ہے، اس بات کی شہادت دیں گے کہ یہ کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے غلط ایک ایراق ہے اور وہ اذلی وابدی حقیقت ہے جس میں کبھی فرقہ نہیں آیا ہے۔

۸۳۔ میں پیش روگ جو دنیا میں بستے میں علم کے بجائے قیاس و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کے عقائد خیالات، فلسفے، اصول و فرائض اور عقائد مل سکتے ہیں قیاس و گمان پر مبنی ہیں۔ حکایت اس کے اللہ کا راستہ یعنی دنیا میں



إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ  
بِالْمُتَدِينِ ﴿١١٥﴾ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ  
مُؤْمِنِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَ  
قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَحَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرُّرْتُمْ إِلَيْهِ

درحقیقت تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور کون سیدھی  
راہ پر ہے۔

پھر اگر تم لوگ اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اُس کا گوشت  
کھاؤ۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، حالانکہ جن چیزوں کا استعمال حلال  
اضطرار کے سوا دوسری تمام حالتوں میں اللہ نے حرام کر دیا ہے اُن کی تفصیل وہ تمہیں بتا چکا ہے۔

زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ جو اللہ کی رضا کے مطابق ہے، انا صرف وہی ایک ہے جس کا علم اللہ نے خود دیا ہے نہ کہ وہ جس کو  
لوگوں نے بطور غلطی قیاسات سے تجویز کر لیا ہے۔ لہذا کسی طالب حق کو یہ نہ کہینا چاہیے کہ دنیا کے بیشتر انسان کس راستہ  
پر جا رہے ہیں بلکہ اسے پوری بات قدمی کے ساتھ اس راہ پر چلنا چاہیے جو اللہ نے بتائی ہے جہاں اس راستہ پر چلنے کے لیے  
وہ دنیا میں کیلایا نہ جائے۔

۱۱۵۔ من اہل ان غلط طریقوں کے جو اکثر اہل زمین نے بطور غلط قیاس و گمان سے تجویز کر لیے اور جنہیں مذہبی حدود  
و قیود کی حیثیت حاصل ہو گئی، ایک وہ پابندیاں بھی ہیں جو کھانے پینے کی چیزوں میں مختلف قوموں کے درمیان پائی جاتی  
ہیں۔ یعنی چیزوں کو لوگوں نے آپ ہی آپ ہی حلال قرار دے لیا ہے حالانکہ اللہ کی تعویذ وہ حرام ہیں۔ اور بعض چیزوں کو  
انہوں نے خود حرام ٹھہرایا ہے حالانکہ اللہ نے انہیں حلال کیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ سبک زیادہ جاہلانہ بات جس پر پہلے  
بھی بعض گروہ مصرعے، آج بھی دنیا کے بعض گروہ مصرعیں، وہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر جو جانور ذبح کیا جائے وہ تو ان کے  
 نزدیک ناہار ہے اور اللہ کے نام کے بغیر جسے ذبح کیا جائے وہ بالکل جائز ہے۔ اسی کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ یہاں  
مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ پر ایمان لائے ہو تو اس کے احکام کو مانتے ہو تو ان تمام وہام اور تعصبات کو  
چھوڑ دو جو کفار و مشرکین میں پائے جاتے ہیں، اُن سب پابندیوں کو توڑ دو جو خدا کی ہدایت سے بے جا ہو کر لوگوں نے خود



أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَخْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ ثَوْرًا ثَمْنِيًّا بِهِ  
فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا  
كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۷﴾ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا

کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ ملے کرتا ہے اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح اُن سے نہ نکلتا ہو؟ کافروں کے لیے تو اسی طرح ان کے اعمال خوشنما بنا دیے گئے ہیں، اور اسی طرح ہم نے

انہوں کے عقوبت کیسے مٹا دی کی پابندی کنٹرل کر کے ہے۔ جو حد یہ ہے کہ زندگی سراسر آخر کی اطاعت میں بسر ہو۔ آخر کے ساتھ اگر دوسروں کو اعتقاداً مستقل بالذات طمع مان لیا جائے تو یہ اعتقاد ہی شرک ہے، اور اگر اعتقاد ایسے لوگوں کی اطاعت کی جانتے ہوئے جنت کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر خود امر و نہی کے غنائم میں گئے ہوں تو یہ عملی شرک ہے۔

۳۷ بیان موت سے مردوجہات ہے شعوری کی حالت ہے۔ اور زندگی سے مرد و مہم و ادراک اور حقیقت پر مبنی کی حالت، جس شخص کو صحیح اور عقلی تیز نہیں ہو جسے معلوم نہیں کہ راہ درست کیا ہے وہ حیدریات کے نقطہ نظر سے چاہے ذی حیثیت ہو اگر حقیقت کے اعتبار سے اس کو انسانیت کی زندگی میر نہیں ہے۔ وہ زندہ حیوان تو خود ہے مگر زندہ انسان نہیں۔ زندہ انسان درحقیقت صرف وہ شخص ہے جسے حق اور باطل، نیکی اور بدی، راستی اور نالاستی کا شعور ہے۔

۳۸ یعنی تم کس طرح یہ توقع کر سکتے ہو کہ بس انسان کو انسانیت کا شعور صیب ہو چکا ہے اور جو علم کی روشنی میں بڑے دستانوں کے درمیان حق کی سیدھی راہ کو صاف دیکھ رہا ہے وہ اُن بے شعور لوگوں کی طرح دنیا پس زندگی بسر کرے گا جو نادانی و جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

۳۹ یعنی جن لوگوں کے سامنے روشنی پیش کی جائے اور وہ اس کو قبول کرنے سے انکار کریں جن میں راہ درست کی طرف دعوت دی جائے اور وہ اپنے تئیں اسے راستہ ہی پر چلتے رہنے کو ترجیح دیں اُن کے لیے اللہ کا نازن ہی ہے کہ کبیر نہیں تاریکی کی ہی ابھی معلوم ہونے لگتی ہے۔ وہ اندھوں کی طرح ٹوٹل ٹوٹل کر چلتا اور ٹھوکریں کھا کھا کر گرتا ہی پسند کرتے ہیں۔ ان کو جھانپاں ہی مانع اندر کا نئے ہی پہلوں نظر آتے ہیں۔ انہیں ہر بدکاری میں مزا آتا ہے، ہر حماقت کو وہ حقین سمجھتے ہیں اور ہر نادانگیر جھوٹ کے جھوٹ سے بڑھ کر دوسرے فساد انگیز تجربے کے لیے وہ اس امید پر تیار رہ جاتے ہیں کہ پہلے اتفاق سے دیکھتے ہیں کہ محمد پر ہاتھ پڑ گیا تھا تو اب کے صبر و خفاں ہاتھ آجائے گا۔

فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرُ مِثْلِهَا لِيُنْذِرَ قَوْمًا يُمْسِكُونَ  
 إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا كُنْ  
 تُؤْمِنُ حَتَّى نُؤْتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ  
 يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ  
 وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَسْكَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَمَنْ يُرِيدِ اللَّهُ أَنْ يُهْلِكَ  
 يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ  
 ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ

تَقْضِيهِ  
 وَفَضْلِهِ

ہر ہستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو لگا دیا ہے کہ وہاں اپنے کرو فریب کا حال پھیلائیں، وہ اپنے فریب کے حال میں آپ پھنستے ہیں، مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

جب ان کے سامنے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم نہ نائیں گے جب تک کہ وہ چیز خود ہم کو نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔ اشد زیادہ ہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔ قریب ہے وہ وقت جب یہ مجرم اپنی مکاریوں کی پاداش میں اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔

پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشے گا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور دیر بھینپتا ہے کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی) اسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی رُودِ ہوسان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ اس طرح اللہ (حق سے فرار اور نفرت کی) ہانپا

عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۵﴾ وَهَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ  
 قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذْكُرُونَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ  
 عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ  
 جَمِيعًا يَنْعَشِرُ الْجِنُّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ  
 آوِلِيُّوهُمْ مِنَ الْإِنْسِ زَيْنًا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا  
 لَاجِلَنَا الَّذِي أَجَلْتُمْ لَنَا قَالُوا نَارُكُمْ خُلِدَتْ فِيهِمْ أَلَا

لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے، مالا نکر یہ راستہ تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے اور اس کے  
 نشانات اُن لوگوں کے لیے واضح کر دیے گئے ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اُن کے لیے اُن کے  
 رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہ ان کا سر پرست ہے اُس مجمع طرز عمل کی وجہ سے جو انہوں نے  
 اختیار کیا۔

جس روز انسان سب لوگوں کو گھیر کر جمع کرے گا، اس روز وہ جنوں سے خطاب کر کے  
 فرمائے گا کہ "اے گروہ جن! تم نے قنوع انسانی پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ انسانوں میں سے جو اُن کے  
 رفیق تھے وہ عرض کریں گے پروردگار! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو خوب استعمال  
 کیا ہے اور اب ہم اُس وقت پر آپہنچے ہیں جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر دیا تھا۔" اللہ فرمائے گا  
 "اچھا اب آگ تمہارا ٹھکانا ہے اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔" اُس نے یہیں گئے صرف نبی

کی وقت ایمان نہ لیتے تھے اب کفر شتر خود ہمارے پاس آئے اور براہ دست ہم سے کہ یہ اللہ کا پیغام ہے۔

۹۲۔ سیز مکمل دینے سے مراد اسلام کی صداقت پر ہی طرح مطلق کر دینا اور شکوک و شبہات اور تذبذب تردد

کو دور کر دینا ہے۔

۹۳۔ صحتی کا گھر یعنی جنت، جہاں انسان ہر وقت سے محظوظ اور خوش حالی سے امان ہوگا۔

مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَيْكَ حَكِيمٌ عَلَيْكُمْ ۖ وَكَذَلِكَ نُورِي  
بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۳۸﴾ لِيُعْشَرَ الْبُحْنَ  
الْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رَسُولٌ مِنْكُمْ يَقْصُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَ  
يُنْذِرُوكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا اشْهَدْنَا عَلَى أَنْفُسِنَا  
وَعَنْتَهُمُ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ

جنیس اللہ بھانا چاہے گا، بے شک تمہارا رب وانا اور علیم ہے۔ دیکھو اس طرح ہم (آخرت میں) ظالموں کو ایک دوسرے کا سامنی بنائیں گے اس کمائی کی وجہ سے جو وہ (دنیا میں) ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کرتے تھے۔ اس موقع پر اللہ ان سے یہ بھی پوچھے گا کہ "اے گروہ جن وانس! کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے "ہاں! ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں۔ آج دنیا کی زندگی نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے، مگر اس وقت وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ

۱۳۷ یہاں جنوں سے مراد شیاطین ہیں۔

۱۳۸ یعنی ہم میں سے ہر ایک دوسرے سے تاہم وہ تمہارا کسب کرتے ہیں، ہر ایک دوسرے کو حرب میں مبتلا

کر کے اپنی خواہشات پوری کرتا رہا ہے۔

۱۳۹ یعنی اگر اللہ کو اختیار ہے کہ جسے چاہے مردود ہے جسے چاہے صاف کرنے کے لیے مزا اور صاف کر دے

معتول مرد و عاقلین کی بنا پر نہیں ہوگی بلکہ علم اور حکمت پر مبنی ہوگی۔ خدا صاف اسی مجرم کو کہے گا جس کے شوق و ہوا ہے کہ وہ خود اپنے جرم کا ذمہ دار نہیں ہے اللہ جس کے شوق میں کی حکمت یہ فیصلہ کرے گی کہ اسے مزا دی جانی چاہیے۔

۱۴۰ یعنی جس طرح وہ دنیا میں گناہ سینے اندر بنائیں گے ان کا حساب کرنے میں ایک دوسرے کے شریک تھے

اسی طرح آخرت کی مزا پانے میں بھی وہ ایک دوسرے کے شریک محال ہیں گے۔

۱۴۱ یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ کی طرف سے رسول پر رسول آتے اور ہمیں حقیقت سے خبردار کرتے ہیں

مگر یہ ہمارا پورا تصور تھا کہ ہم نے ان کی بات نہ مانی۔

كَانُوا كَافِرِينَ ﴿١٣٠﴾ ذَلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ  
وَأَهْلَهَا عُفْلُونَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ  
بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِنَّ نِشَآءَ

کافر تھے۔ (یہ شہادت اُن سے اس لیے لی جائے گی کہ یہ ثابت ہو جائے کہ تمہارا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ تباہ کرنے والا نہ تھا جبکہ ان کے ہاشندے حقیقت سے ناواقف ہوئے۔

ہر شخص کا درجہ اُس کے عمل کے لحاظ سے ہے اور تمہارا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ تمہارا رب بے نیاز ہے اور مربانی اس کا شیعہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو ۹۹ یعنی بے جبر اور ناوقت نہ تھے بلکہ کافر تھے۔ وہ خود تقسیم کریں گے کہ حق ہم تک پہنچا تھا کہ ہم نے خود اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

۱۳۰ یعنی اللہ اپنے بندوں کو یہ موقع نہیں دیتا چاہتا کہ وہ اس کے مقابلے میں یہ احتجاج کر سکیں کہ آپ نے ہمیں حقیقت سے آگاہ کیا نہیں اور نہ ہم کو صحیح راستہ بتانے کا کوئی انتظام فرمایا مگر جب ناواقفیت کی بنا پر ہم غلط راہ پر چلے گئے تو آپ ہمیں پکڑتے ہیں۔ اسی جگہ کو قطع کر دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیر بھیجے اور ان میں نازل کیس تاکہ جن دلوں کو صاف صاف خبردار کر دیا جائے۔ اب اگر لوگ غلط راستوں پر چلتے ہیں اور اللہ ان کو سزا دیتا ہے تو اس کا الزام خدا پر ہے نہ کہ اللہ پر۔

۱۳۱ تمہارا رب بے نیاز ہے۔ یہی اس کی کوئی غرض تم سے انگی ہوئی نہیں ہے اس کا کوئی مفاد تم سے وجہ نہ ہے کہ تمہاری نافرمانی سے اس کا کچھ بگڑتا ہو یا تمہاری فرماں برداری سے اس کو کوئی فائدہ پہنچ جاتا ہو۔ تم سب مل کر سخت نافرمان بن جاؤ تو اس کی بادشاہی میں ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتے اور سب مل کر اس کے صلح فرماؤ اور عداوت گراؤ بن جاؤ تو اس کے ملک میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ وہ نہ تمہاری سلامتیوں کا محتاج ہے اور نہ تمہاری نذر و نیاز کا۔ اپنے بچاؤ کے لیے تم پر نازل ہوا ہے نیز اس کے کہ ان کے بدلے میں اپنے لیے تم سے کچھ چاہے۔

”مربانی اس کا شیعہ ہے۔“ یہاں موقع و محل کے لحاظ سے اس فقرے کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا رب تم کو راہ راست پر چلنے کی جو حقیقت نفس الامری کے خلاف طریقہ عمل اختیار کرنے سے جو منع کرتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تمہاری راست روی سے اس کا کوئی فائدہ اور غلط روی سے اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ راست روی میں تمہارا اپنا فائدہ اور غلط روی میں تمہارا اپنا نقصان ہے۔ لہذا یہ مراسر اس کی مربانی ہے کہ وہ تمہیں

يَذْهَبُ عَنْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ  
مَنْ دُرِّيَّةٍ قَوْمٍ آخَرِينَ ۚ إِنَّ مَا تَعْدُونَ لَأَيْدٍ وَمَا أَنْتُمْ  
بِمُعْزِزِينَ ۚ قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَايِلٌ فَسَوْفَ  
تَعْلَمُونَ ۚ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ

تم لوگوں کو لے جائے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے جس طرح اس نے تمہیں کچھ لوگوں  
کی نسل سے اُٹھایا ہے۔ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے اور تم خدا کو  
عاجز کر دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اے محمد! کہہ دو کہ لوگو! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور میں بھی  
اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام کد کس کے حق میں بہتر ہوتا ہے  
ہر حال یہ حقیقت ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

میں صحیح طور پر عمل کی تعلیم دیتا ہے جس سے تم بلند مدارج تک ترقی کرنے کے قابل بن سکتے ہو اور اس غلط طرز عمل سے روکتا  
ہے جس کی بدولت تم بہت مہربان کی طرف تزلزل کرتے ہو۔ دوسرے یہ کہ تم اسبابِ مصلحت نہیں ہے، تم کو مزاد دینے میں سے  
کوئی مصلحت نہیں رہا ہے، وہ تمہیں کچھ نہ دے گا نہ کچھ نہیں ہے کہ ذرا تم سے تصورِ سرور ہو اور وہ تمہاری خبر سے ڈالے۔ حقیقت  
وہ اپنی تمام مخلوقات پر نہایت مہربان ہے، غایتِ حد کے رحم و کرم کے ساتھ غلطی کر رہا ہے، اور یہی اس کا سارا مصلحتوں کے  
ساتھ بھی ہے۔ اسی لیے وہ تمہارے تصور پر تصور صاف کرتا چلا جاتا ہے۔ تم نافرمانیاں کرتے ہو، ان کہتے ہو، جرائم کا ارتکاب کرتے  
ہو، اس کے ذوق سے بے نیاز ہو کر اس کے احکام سے موافق ہو جاتے ہو، مگر وہ علم اور مصلحت سے کام لے رہا ہے اور جس سچے شخص کو  
سمجھنے اور اپنی اصلاح کر لینے کے لیے مصلحت پر مصلحت دے جاتا ہے۔ وہ اگر وہ صحت گیر ہوتا تو اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ  
تمہیں دینا سے دھت کر دیتا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اُٹھا کر اُٹھاتا، یا سارے انسانوں کو غم کے کوئی اور مصلحت  
پیدا کر دیتا۔

۱۲۰ یعنی قیامت جس کے بعد تمام اچھے و بھلے انسان اور سرورِ زندہ کیے جائیں گے اور اپنے رب کے سامنے آئیں  
نیچے کے لیے پیش ہوں گے۔

۱۲۱ یعنی اگر میرے بھانے سے تم نہیں سمجھتے اور اپنی غلط روی سے باز نہیں آتے تو جس راہ پر تم چل رہے ہو  
چلنا اور میرے بھانے اپنی راہ چلنے کے لیے چھوڑ دو، انجام کا جو کچھ ہو گا وہ تمہارے سامنے بھی آ جائے گا اور میرے سامنے بھی۔



وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَعْمَامِ أَنْصِبًا فَقَالُوا  
لِهَذَا إِلَهِ يُدْعِيهِمْ وَإِنَّ لَشَرًّا لَّيْنَا فَمَا كَانَ لِشَرِّكَائِهِمْ فَلَا

ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور بوٹیوں میں سے  
ایک حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے بزرگم خود، اور یہ ہمارے ٹھیرائے ہوئے  
شریکوں کے لیے۔ پھر جو حصہ ان کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو

۱۳۷ اور یہ سلسلہ تقریباً سات ہزار سال کا اگر وہ ایک نصبت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں صاف اپنی مہارت  
پر اصرار ہی کیے جاتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ چھا، تم اپنے طریقہ پر مل کر رہو اور میں اپنے طریقہ پر مل کر دوں گا، قیامت ایک دن  
ضرور آتی ہے، اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس روش کا کیا انجام ہوتا ہے، ہر حال یہ خوب سمجھ لو کہ وہاں ظالموں کو  
غیب نہ ہو گی، اس کے بعد اب اس مہارت کی کچھ تشریح کی جاتی ہے جس پر وہ لوگ اصرار کر رہے تھے اور جو چھوڑنے پر کسی طرح  
آمادہ نہ ہوتے تھے، انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تمہارا وہ قلم کیا ہے جس پر قائم رہتے ہوئے تم کسی طرح کی تہذیبیں کر سکتے۔

۱۳۸ اس بات کے وہ خود قائل تھے کہ زمین اللہ کی ہے اور کھیتیں وہی لگا گا ہے۔ نیز ان جانوروں کا فائدہ بھی  
اللہ ہی ہے جن سے وہ اپنی زندگی میں خدمت لیتے ہیں۔ لیکن ان کا تصور یہ تھا کہ ان پر اللہ کا فیض ان دلوں اور دلوں کا فائدہ ہے  
فرشتوں اور جنات، اور انسانی ستاروں اور بزرگانِ مملکت کی اور ان کے فیض و برکت سے ہے جو ان پر نازل کر دیتے ہیں، لیکن  
وہ اپنے کھیتوں کی پیداوار اور اپنے جانوروں میں سے وہ حصے نکالتے تھے۔ ایک حصہ اللہ کے نام کا، اس ٹکڑے میں کہ اس نے  
یہ کھیت اور یہ جانور نہیں بخشے۔ اور دوسرا حصہ اپنے قبیلہ یا خاندان کے سرپرست سمجھ کر ان کی نذر و نیاز کا ٹکڑا ان کی سرانجام  
ان کے شاہل مال رہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے پہلے ان کے اسی علم پر گرفت فرما رہا ہے کہ یہ سب روشیں ہمارے پیدا کیے ہوئے  
اور ہمارے عطا کردہ ہیں، ان میں یہ دوسروں کی نذر و نیاز کیسی؟ یہ ایک حوالی نہیں دیا گیا ہے کہ تم اپنے عمن کے احسان کو جو  
اس نے سرسرا کر خود اپنے فضل و کرم سے تم پر کیا ہے، دوسروں کی مداخلت انسان کے قوس کا تجو قرار دیتے ہو اور شریک کے استحقاق  
میں انہیں اس کے ساتھ شریک کرتے ہو۔ پھر اشارۃً دوسری گرفت اس بات پر بھی فرمائی ہے کہ یہ اللہ کا حصہ جو انہوں نے  
مقرر کیا ہے یہ بھی بزرگ خود کر دیا ہے، اپنے شارعِ خود بن بیٹھے ہیں، آپ ہی جو حصہ چاہتے ہیں اللہ کے لیے مقرر کر دیتے ہیں اور جو  
چاہتے ہیں دوسروں کے لیے دے کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اپنی بخشش کا اصل ملکہ خدا پر خود اللہ ہے اور یہ بات ہی کی شریعت کے  
مطابق ہے جو نبی چاہیے کہ اس بخشش میں سے کتنا حصہ اس کے فکر کے لیے عطا دے اللہ ذاتی ہی کر کن کن خدا ہیں پس حقیت  
اس خود ذات پر طریقہ سے جو حصہ لوگ اپنے ذمہ حاصل ہیں خدا کے لیے نکالتے ہیں اور قرض و مالکین و غیرہ پر خیرات کرتے ہیں وہ  
بھی کوئی نیک نہیں ہے۔ خدا کے ہاں اس کے مقبول ہونے کی بھی وجہ نہیں۔ ۶

فَصَلِّ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَقُولَ يَصِلُ إِلَيَّ فَمَنْ كَانَتْ لَهُ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۳۱﴾ وَكَذَلِكَ زَيْنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

نہیں پہنچتا مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکیوں کو پہنچاتا ہے۔ کیسے بُرے فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ!

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شرکیوں نے اپنی اولاد کے قتل کو

سننا یہ طبع فطر ہے ان کی اس حرکت پر کہ وہ خدا کے نام سے جو حصہ نکالتے تھے اس میں بھی طرح طرح کی چال بازیوں کر کے کمی کرتے رہتے تھے اور ہر صورت سے اپنے خود ساختہ شرکیوں کا حصہ بچانے کی کوشش کرتے تھے جب ظاہر ہوتا تھا کہ جو حصہ نہیں پہنچتا شرکیوں سے ہے وہ خدا سے نہیں ہے۔ مثلاً جو تھے پاس و مینو خد کے نام پر نکالتے تھے ان میں سے اگر کچھ گر جاتا تو وہ شرکیوں کے حصہ میں شامل کر دیا جاتا تھا، اور اگر شرکیوں کے حصہ میں سے گرتا یا خدا کے حصے میں مل جاتا تو اُنہی کے حصہ میں دیا جاتا۔ اسی طرح شرکیوں کی نذر کے لیے مخصوص کیا جاتا تھا اگر اس میں سے پانی اس حصہ کی طرف بچھوٹتا جاتا تو خدا کی نذر کے لیے مقرر ہوتا تھا تو اس کی ساری پیداوار شرکیوں کے حصہ میں داخل کر دی جاتی تھی لیکن اگر اس کے برعکس صورت پیش آتی تو خدا کے حصہ میں کوئی اضافہ نہ کیا جاتا، اگر کسی خشک مالی کی دھیرے دھیرے نذر کاغذ کا غلط استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی تو خدا کا حصہ کمی پڑتا تھا مگر شرکیوں کے حصہ کو اضافہ ہوتا تھا جس سے خدا کے حصہ میں کمی جاتی نہ ہو جائے۔ اگر کسی دھیرے شرکیوں کے حصہ میں کچھ کمی آ جاتی تو وہ نذر کے حصہ سے دھیرے دھیرے کمی جاتی تھی لیکن خدا کے حصہ میں کمی جاتی تو شرکیوں کے حصہ میں سے ایک حصہ بھی اس میں نہ ڈالا جاتا۔ اس طرح عمل پر کوئی تکرار نہیں کرتا تو جواب میں طرح طرح کی دلی فریب تو جیسے کی جاتی تھیں۔ مثلاً کہتے تھے کہ خدا تو غنی ہے، اس کے حصہ میں سے کچھ کم بھی ہو جائے تو اسے کچھ نقصان پہنچا سکتی ہے۔ رہے یہ شرک، تو یہ بندے ہیں، خدا کی طرح غنی نہیں ہیں، اس لیے دُعا کی جیٹی پر ہیں ان کے پاس کوئی بچہ جاتی ہے۔

ان تو ہمت کی اہل بڑا کیا تھی، اس کو سمجھنے کے لیے یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ جملائے عرب اپنے مال میں سے جو حصہ خدا کے لیے نکالتے تھے وہ چھوٹے، سبکیں، اسافروں اور تھوڑے دھیرے کی دھیرے میں صرف کیا جاتا تھا اور جو حصہ شرکیوں کی نذر ہونا ان کے لیے نکالتے تھے وہ یا تو بڑا دست ندی ہتھوں کے پیر میں جاتا تھا یا آستانوں پر چڑھنے کی صورت میں چڑھ کر کیا جاتا اور اس طرح بالواسطہ چاروں اہل بیتوں کو مسکینہ کیا جاتا تھا۔ اسی پیمانہ خود غریب مذہبی پیشروں نے صدیوں کی مسلسل تلقین سے ان چالوں کے دلی میں یہ بات بھائی تھی کہ خدا کے حصہ میں کمی ہو جائے تو کچھ نقصان نہیں مگر خدا کے چاروں کے حصہ میں کمی نہ ہونی چاہیے بلکہ حتی الامکان کچھ بیشی ہی ہوتی رہے تو بہتر ہے۔

## قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاءُ وَهُمْ لَيُرَدُّوهُمْ وَلَيَكْلَسُوْا عَلَيْهِمْ وَنِيْلَهُمْ

خوشنما بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کر دین اور ان پر ان کے دین کو مستبہ بنا دیت۔

محلہ یہاں "شریکوں" کا لفظ ایک دوسرے معنی میں استعمال چلا ہے جو اس کے معنی سے مختلف ہے۔ اہم کی آیت میں جنہیں "شریک" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تھا وہ ان کے وہ مجدد تھے جن کی برکت یا سفارش یا توسل کو یہ لوگ نعمت کے حصول میں مدد مانگتے تھے اور شریک نمک استحقاق میں نہیں خدا کے ساتھ حصہ دار بناتے تھے۔ بخلاف اس کے اس آیت میں "شریک" سے مراد وہ انسان اور شیطان ہیں جنہوں نے قتل اولاد کو ان لوگوں کی نگاہ میں ایک جائز اور پسندیدہ فعل بنا دیا تھا۔ انہیں شریک کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے نقطہ نظر سے جس طرح پستل کا سقن تنہا اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح بندوں کے لیے قانون بنانے اور جان و مال کا ہانڈی میں مقرر کرنے کا حق دار بھی صرف اللہ ہے۔ لہذا جس طرح کسی دوسرے کے آگے پستل کے افعال میں سے کوئی فعل کرنا اسے خدا کا شریک بنانے کا ہم معنی ہے اسی طرح کسی کے فوراً ساتھ قانون کو بہت کچھ پوچھنے کی یا بندی کرنا اور اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کو عاجب الاطاعت ماننا بھی اسے خلاف میں اللہ کا شریک قرار دینے کا ہم معنی ہے۔ یہ دونوں افعال ہر حال شرک ہیں، خواہ ان کا مرکب ان بیٹیوں کو زبان سے اللہ اور رب کے یا نہ کے ہونے آگے وہ غدو یا زہن پیش کرتا ہے یا جن کے مقرر کیے ہوئے قانون کو وہ عاجب الاطاعت مانتا ہے۔

قبل اولاد کی تین صورتیں اہل عرب میں رائج تھیں اللہ قرآن میں تینوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

(۱) لڑکیوں کا قتل اس خیال سے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے یا باقی لڑکیوں میں وہ دشمن کے ہاتھ نہ پڑیں یا کسی دیگر

سبب سے وہ ان کے لیے سبب مارتے ہیں۔

(۲) بچوں کا قتل اس خیال سے کہ ان کی پرورش کا بار نہ اٹھایا جائے گا اور ذرا بچہ صاقل کی کمی کے سبب سے

وہ ناقابل پرورش ہو جائیں گے۔

(۳) بچوں کو اپنے مجددوں کی خوشنودی کے لیے بھیٹ چڑھانا۔

۱۰۸ یہ ہلاکت کا لفظ ضایت معنی خیر ہے۔ اس سے مراد اخلاقی ہلاکت بھی ہے کہ بھڑان رنگ دلی اور

مشادات کی اس حد کو پہنچ جانے کی اپنی اولاد کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کے اس میں جو ہر انسانیت تو دل نہ رہے چھٹ

نیک باقی نہیں رہتا۔ اور واقعی دینی ہلاکت بھی کہ تین اولاد کا لازمی نتیجہ نسلوں کا گھٹنا اور آبادی کا کم ہونا ہے جس سے

نوع انسانی کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور وہ قوم ہی تباہی کے گڑھے میں گرتی ہے جو اپنے حامیوں اور اپنے تمدن کے

کارکنوں اور اپنی میراث کے وارثوں کو پیدا نہیں ہونے دیتی یا پیدا ہوتے ہی خود اپنے ہاتھوں انہیں غم کو ڈالتی ہے۔

اور اس سے مراد اتنا ہی ہلاکت بھی ہے کہ جو شخص معصوم بچوں پر یہ ظلم کرتا ہے اور جو اپنی انسانیت کو بیکہ اپنی حیوانی فطرت

مک کو اپنی اپنی جہری سے ذبح کرتا ہے، اور جو نوع انسانی کے ساتھ اور خود اپنی قوم کے ساتھ بد دشمنی کرتا ہے وہ اپنے

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوا  
هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْتُ حِجْرَهُ لَا يَطْعَمُ إِلَّا مَنْ نَشَاءُ  
بِزَعِيمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ  
اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءٌ عَلَيْهِمْ سَجَازِمٌ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۹﴾

اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے، لہذا انہیں چھوڑ دو کہ اپنی افتراء پر دازیوں میں لگے رہیں۔  
کہتے ہیں یہ جانور اور یہ کھیت محفوظ ہیں، انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھانا  
چاہیں، حالانکہ یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے۔ پھر کچھ جانور ہیں جن پر ساری اور بار بار داری  
حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے، اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر  
افتراء کیا ہے، عنقریب اللہ انہیں ان افتراء پر دازیوں کا بدلہ دے گا۔

آپ کو خدا کے شدید عذاب کا سبق بنانا ہے۔

۱۳۸۔ زیادہ جاہلیت کے عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا پیروں کہتے اور کہتے تھے اور اس بنا پر  
ان کا خیال یہ تھا کہ جس مذہب کا وہ ابتداء کر رہے ہیں وہ خدا کا پسندیدہ مذہب ہی ہے لیکن جو دین ان لوگوں نے حضرت ابراہیم  
و اسماعیل سے سیکھا تھا اس کے اندر ہر مذہب کی صدیوں میں مذہبی پیشوا، قبائل کے سردار، خاندانوں کے بڑے بڑے اور مختلف  
لوگ طرح طرح کے خاندانہ اعمال اور رسوم کا اضافہ کرتے چلے گئے جنہیں آنے والی نسلوں نے اصل مذہب کا جو بھلا  
حقیقت مندی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ چونکہ روایات میں یا تاریخ میں یا کسی کتاب میں ایسا کوئی دیکھنا محفوظ تھا جس  
معلوم ہوتا کہ اصل مذہب کیا تھا اور بعد میں کیا چیزیں کسی زمانہ میں کسی طرح اضافہ کیں، اس وجہ سے اہل عرب کے لیے  
ان کو بڑا دین مشتبہ ہو کر رہ گیا تھا۔ مذہبی چیز کے متعلق یقین کے ساتھ یہی کہہ سکتے تھے کہ یہ اس میں دین کا جزو ہے جو خدا کی  
طرف سے آیا تھا اور نہ ہی جانتے تھے کہ یہ بدعات اور غلط رسوم ہیں جو بعد میں لوگوں نے بڑھا دیں۔ اسی صوبہ حال کی  
ترجما فی اس فقرے میں کی گئی ہے۔

۱۳۹۔ یعنی اگر اللہ چاہتا کہ وہ ایسا نہ کریں تو وہ بھی نہ کر سکتے تھے، لیکن چونکہ اللہ کی مشیت یہی تھی کہ جو شخص جس راہ  
جانا چاہتا ہے اسے جانے کا سوج دیا جائے اسی لیے یہ سب کچھ ہوا پس اگر یہ لوگ تمہارے بھاننے سے نہیں مانتے اور ان  
افتراء پر دازیوں ہی پر انہیں امر ہے تو جو کچھ یہ کرنا چاہتے ہیں کہہ دو ان کے پیچھے پڑنے کی کج مصلحت نہیں۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لَمَّا نَحْنُ  
عَلَىٰ أَرْوَاجِنَا ۚ وَلَنْ يَحْكُمَ مِثْلَهُ فهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ يَستَجِيبُونَ لَهُمْ  
وَصَفَّاهُمْ إِنَّهُم كَحَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ  
سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا

اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یہ ہماری مردوں کے لیے مخصوص ہے اور ہمارے  
مردوں پر حرام، لیکن اگر وہ مردہ ہو تو دونوں اس کے کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں جو  
انہوں نے گھڑ لی ہیں ان کا بدلہ اللہ انہیں دے کرے گا۔ یقیناً وہ حکیم ہا و سب باتوں کی لیے خبر ہے۔  
یقیناً خالصے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو بہات و نادانی کی بنا پر قتل کیا  
اور اللہ کے دیے ہوئے رزق کو اللہ پر افترا پر داری کر کے حرام ٹھہرایا۔ یقیناً وہ ہٹکے گئے

اللہ جل جلالہ کا تادمہ تاکہ بعض جانوروں کے شوق یا بعض کمیٹیوں کی پیداوار کے شوق و شوق منان پیتے تھے  
کہ یہ فلاں آیت نے یا فلاں حضرت کی نیاز کے لیے مخصوص ہیں۔ اس نیاز کو ہر ایک دکھا سکتا تھا، لہذا اس کے لیے ان کے  
ان ایک مفصل مضابطہ تاج کی رو سے مختلف نیازوں کو مختلف قسم کے مخصوص لوگ ہی کھا سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ  
ان کے اس فعل کو نہ صرف مشرک و افعال میں شمار کرتا ہے بلکہ اس پہلو پر بھی تنبیہ فرماتا ہے کہ یہ ضابطہ ان کا خود ساختہ  
ہے۔ یعنی جس خدا کے رزق میں سے وہ یہ منشی مانتے اور نیازیں کہتے ہیں اس نے ان منشیوں اور نیازوں کا حکم دیا  
اور ان کے کھانے کے شوق پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ یہ کہہ کر ان کو سوا حقیندوں نے اپنے افتراء سے خود ہی تصنیف  
کیا ہے۔

۱۳۷ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کے ان بعض مخصوص منشیوں اور منشیوں کے جانور ایسے ہوتے تھے  
جن پر خدا کا نام یا مانڈ بھجا جاتا تھا۔ ان پر ہر ایک کو کھانا ممنوع تھا، کیونکہ کج کے لیے ایک الہم ایک کھانا تھا  
تھا۔ اسی طرح ان کو دودھ دے دینے وقت یا ان پر سوار ہونے کی حالت میں یا ان کو ذبح کرتے ہوئے، یا ان کو کھانے کے  
وقت استہام کیا جاتا تھا کہ خدا کا نام نہ پڑے۔

۱۳۸ یوں نہ کہ خدا کے مقرر کیے ہوئے نہیں ہیں، مگر وہ ان کی پابندی ہی سمجھتے ہوئے کر رہے ہیں کہ

۱۱۶

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ  
وَّغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالْفُحْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ  
وَالزَّيْتَانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ طُكُّوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا

اور ہرگز وہ راہِ راست پانے والوں میں سے نہ تھے۔

وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تاشکستان اور غلستان پیدا کیے،  
کھیتیاں، اگانیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں، زیتون اور انار کے درخت  
پیدا کیے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ کھاؤ ان کی پیداوار جب کہ

انہیں خدا نے مقرر کیا ہے، اور ایسا بگھنے کے لیے ان کے پاس خدا کے کسی حکم کی سند نہیں ہے مگر صرف یہ سنسہ کہ یہ ہوا  
سے نہ بنی ہوتا چلا آیا ہے۔

۱۱۷ ابی حرب کے ہاں نذروں اور نذرین کے جانوروں کے شوق جو خود ساختہ شریعت بنی ہوئی تھی اس کی انکی  
و قریہ بھی تھی کہ ان جانوروں کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہو اس کا گوشت صرف مرد کھا سکتے ہیں، عورتوں کے لیے ان کا کھانا  
جانور نہیں، لیکن اگر وہ بچہ مردہ ہو یا مردہ جانور اس کا گوشت کھانے میں مرد و عورت سب شریک ہو سکتے ہیں۔

۱۱۸ یعنی اگرچہ وہ لوگ جنہوں نے یہ رسم و رواج گھڑے تھے تمہارے باپ دلا تھے، تمہارے مذہبی بزرگ تھے،  
تمہارے پیشوا اور سردار تھے، لیکن حقیقت بہر حال حقیقت ہے، ان کے ایجاد کیے ہوئے غلط طریقے صرف اس لیے صحیح اور  
مقدس نہیں ہو سکتے کہ وہ تمہارے اساتذہ اور بزرگ تھے جن ظالموں نے قبلہ دار جیسے وحشیانہ فعل کو رسم بنایا اور ہر گز  
خدا کے دیے ہوئے لائق کو خواہ مخواہ خدا کے بندوں پر حرام کیا ہو، جنہوں نے دین میں اپنی طرف سے نئی نئی باتیں شامل  
کی کہ خدا کی طرف منسوب کی ہوں، وہ آخر فلاح یا برباد است لڑکیے ہو سکتے ہیں۔ چاہے وہ تمہارے اساتذہ اور بزرگ  
ہی کیوں نہ ہوں، ہر حال تمہیں وہ گمراہ اور اپنی اس گمراہی کا برا انجام بھی دیکھ کر رہی گے۔

۱۱۹ اہل میں جینٹ، مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے مراد  
وہ طرح کے باغ ہیں، ایک وہ جن کی پللیں ٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں، دوسرے وہ جن کے درخت خود اپنے تنوں پر کھڑے  
رہتے ہیں۔ ہماری زبان میں باغ کا لفظ صرف دوسری قسم کے باغوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے ہم نے جینٹ  
غیر مَعْرُوشَاتٍ کا ترجمہ باغ کیا ہے اور جینٹ مَعْرُوشَاتٍ کے لیے تاشکستان یعنی انگریزی باغ کا لفظ اختیار  
کیا ہے۔

اَلْمُرْفِئِينَ ﴿۳۳﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا كَلَّا اِنَّمَا  
 سَزَقْنٰكُمْ اِلٰهَ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ  
 مُّبِيْنٌ ﴿۳۴﴾ فَمَنْ يَمُنْ بِاَنْوَاعٍ مِنَ الضَّارِّ اِثْنَيْنِ وَمِنْ الْمَعْنِ  
 اِثْنَيْنِ قُلْ اَلَّذِكْرَيْنِ حَرَمٌ اَمَّا الْاَنْثَيْنِ اَمَّا شَمَلْتُ عَلَيْهِ

یہ بھلیں، اور اللہ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو، اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو  
 پسند نہیں کرتا پھر وہی ہے جس نے موشیوں میں سے بے جا نور بھی پیدا کیے جن سے سواری بابر سواری کا  
 کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو کھانے اور بچانے کے کام آتے ہیں۔ کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے  
 تمہیں بخشی ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ آٹھ زواہد ہیں، دو بھیڑی کی قسم سے  
 اور دو بکری کی قسم سے، اے محمد! ان سے پوچھو کہ اللہ نے ان کے زحرام کیے ہیں یا مادہ، یا وہ بچے جو بھیڑیوں

۱۱۱۱۱۱۱۱ میں نظر فرماں استعمال ہوتا ہے۔ جائزوں کو فرض کیا تو اس رعایت سے ہے کہ وہ چھوٹے حد کی ہیں  
 اور زمین سے لگے جوئے پھٹتے ہیں۔ یا اس رعایت سے کہ وہ ذبح کے لیے زمین پر لٹائے جاتے ہیں، یا اس رعایت سے کہ  
 ان کی کھانوں اور ان کے ہاؤں سے فرش بنائے جاتے ہیں۔

۱۱۱۱۱۱۱۱ مسئلہ کلام پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ تین باتیں زمین نشین کرانا چاہتا ہے۔  
 ایک یہ کہ باغ اور حکمت اور یہ جائز جو تم کو مائل ہیں، یہ سب اللہ کے عطیے ہوئے ہیں، کسی دوسرے کا اس بخشش میں  
 کوئی حصہ نہیں ہے، اس لیے بخشش کے شکر یہ میں بھی کسی کا کوئی حصہ نہیں جو ممکن۔ دوسرے یہ کہ جب یہ چیزیں اللہ کی  
 بخشش ہیں تو ان کے استعمال میں اللہ ہی کے قانون کی پیروی ہونی چاہیے، کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ ان کے استعمال  
 پر اپنی طرف سے حدود مقرر کر دے۔ اللہ کے سوا کسی اللہ کی مقرر کردہ رسموں کی پابندی کرنا اور اللہ کے برا کسی اللہ کے آگے  
 شکر و نعمت کی نذر پیش کرنا ہی حد سے گزرتا ہے اور یہی شیطان کی پیروی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ سب چیزیں اللہ نے انسان کے  
 کھانے پینے اور استعمال کرنے ہی کے لیے پیدا کی ہیں، اس لیے پیدا نہیں کیں کہ انہیں غلام غلام حرام کر لیا جائے۔ لہذا ہر  
 اور قیاسات کی بنا پر جو پابندیاں لوگوں نے خدا کے مذق اور اس کی بخشش ہوئی چیزوں کے استعمال پر عائد کر لی ہیں وہ سب

اَرْحَامُ الْاَنْثٰیْنَ یَنْتَوٰی بِعِلْمِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۱۳۷  
 مِنَ الْاَوَّلِ اِثْنِیْنِ وَمِنْ الْبَقَرٰثِیْنِ ۚ قُلْ اِنَّ الذِّكْرَیْنَ  
 حَرَّمَ اَمْرَ الْاَنْثٰیْنَ اَمَّا اَشْتَمَلْتُ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاَنْثٰیْنَ  
 اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصَّیْتُكُمْ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ  
 افْتَرٰی عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا لِّیُخْلِلَ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ  
 لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۳۸ قُلْ لَا اِجْدٰی فِی مَا اَوْحٰی اِلَیَّ

۱۳۷

اور بکریوں کے پیٹ میں ہوں، ٹھیک ٹھیک علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ اور اسی طرح  
 دواؤں کی قسم سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے۔ پوچھو وہ ان کے زائد نے حرام کیے ہیں یا مادہ،  
 یا وہ بچے جو اوشنی اور گائے کے پیٹ میں ہوں، کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے ان کے  
 حرام ہونے کا حکم نہیں دیا تھا، پھر اس شخص سے بھد کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کی طرف منسوب  
 کہے جنہوئی بات کہے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کی غلط رہنمائی کرے۔ یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہِ راست  
 نہیں دکھاتا۔

اے محمد! ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو

منشأ الہی کے خلاف ہیں۔

۱۳۷ یعنی گمانِ دوم یا آسانیِ تعلیمات، پیش کردہ حکم پیش کردہ اگر وہ تم سے پاس ہو۔

۱۳۸ یہ سوال اس تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ ان پر خود اپنا ان توہمات کا  
 غیر معتدلیت مانع ہو جائے۔ یہ بات کہ ایک ہی جانور کا لحمی ہوا مادہ حرام، یا مادہ لحمی ہوا اور نہ حرام، یا جانور خود لحمی  
 ہو مگر اس کا جو لحمی ہو مگر نہ ایسی نامستقل بات ہے کہ مثل مسلمہ سے لے کر ان سے انکار کرتی ہے اور کوئی ذی عقل انسان یہ  
 تصور نہیں کر سکتا کہ خدا نے ایسی مخلوقات کا حکم دیا ہو گا۔ پھر جس طریقہ سے قرآن نے اہل عرب کو ان کے ان توہمات کی



مَحْرَمًا عَلَى طَائِعِهِمْ طَعْمَةً إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِثْلَهُ أَوْ دَمًا  
مَسْفُوحًا أَوْ نَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أَيْهَلًا يُغَيِّرُ اللَّهُ  
بِهِ فَمِنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

کسی کھانے والے پر حرام ہوا لالہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سُرکا گوشت ہو کہ وہ  
ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت  
میں روکونی چیز ان میں سے کھالے، بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے  
کہ وہ مد ضرورت سے تجاوز کرے، تو یقیناً تمہارا رب درگزر سے کام لینے والا اور رحم فرم کرنے والا ہے۔

غیر مقبولیت بھانے کی کوشش کی ہے سینہا سی طریقہ پر دنیا کی امن دوسری قوموں کو بھی ان کے توہمات کی نفرت پرستہ  
کیا جاسکتا ہے جن کے اندر کھانے پینے کی چیزوں میں حرمت و حلال کی غیر متقبل بنائیاں اور جہت جہات کی تہہ بانی جاتی  
ہیں۔

۱۳۱۰ یسعون سورۃ بقرہ رکوع ۲۱ اور سورۃ مائدہ رکوع ۱۱ میں لکھا ہے اور آگے سورۃ نمل رکوع ۱۵ میں

آئے وہ ہے۔

سورۃ بقرہ کی آیت اولیٰ اس آیت میں بظاہر اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہاں صحن خون کھا گیا ہے اور یہاں خون  
ماتہ مسخوسہ کی قید لگائی گئی ہے، یعنی ایسا خون جو کسی جانور کو ذبح کر کے کھا گیا ہو مگر وہاں یہ اختلاف نہیں  
بلکہ اس حکم کی تشریح ہے۔ اسی طرح سورۃ مائدہ کی آیت میں ان چار چیزوں کے علاوہ چند اور چیزوں کی حرمت کا بھی ذکر کیا  
یعنی وہ چار چیزیں گوشت کر یا چوٹ کھا کر یا جلدی سے گر کر یا لکڑی کھا کر مر جائے کسی اور بندے نے پھاڑا ہو۔ لیکن فی الحقیقت  
یہ بھی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک تشریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو جانور اس طرح ہلاک ہوئے ہوں وہ بھی مردار کی طرح  
میں آتے ہیں۔

فقہائے اسلام میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حیوانی غذاؤں میں سے یہی چار چیزیں حرام ہیں اور ان کے  
سوا ہر چیز کا کھانا حرام ہے۔ یہی مسلک حضرت محمد راشد ابن عباس اور حضرت عائشہ کا تھا۔ لیکن متعدد ماہرین سے معلوم ہوتا ہے  
کہ یہی اہل اشد علیہ وسلم نے صحن چیزوں کے کھانے سے یا تو منع فرمایا ہے یا ان پر کراہت کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً ہاتھ لگا کر  
چکھلے والے دھندے اور بھجوں والے پندے۔ اس وجہ سے اکثر فقہاء تحریم کو ان چار چیزوں تک محدود نہیں بلکہ ہر مردار  
چیزوں تک ماسے وسیع قرار دیتے ہیں۔ لہذا اس کے بعد ہر مختلف چیزوں کی حرمت و حرمت میں تمنا کے درمیان اختلاف ہوتا

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ  
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ  
مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَدِّقُونَ ﴿۱۶۷﴾

اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ان پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے، اور گائے اور بکری کی چربی بھی بجز اس کے جو ان کی پیٹھ یا ان کی آنتوں سے لگی ہوئی ہو یا ہڈی سے لگی رہ جائے۔ یہ ہم نے ان کی سرکشی کی سزا انہیں دینی تھی اور یہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔

مثلاً انتہہ گدھے کو امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی حرام قرار دیتے ہیں۔ لیکن بعض دوسرے فقہائے کرام کہتے ہیں کہ وہ حرام نہیں ہے بلکہ کسی دھبے جی علیٰ اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اس کی ممانعت فرمادی تھی۔ ورنہ جانوروں اور شکاری پرندوں اور مردار و خورجیات کو حنفیہ مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔ مگر امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک شکاری پرندے حلال ہیں۔ لیٹ گئے نزدیک پتی حلال ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صرف وہ دھبے حرام ہیں جو انسان پر حملہ کرتے ہیں جیسے شیر، بھیر، بچھا، وغیرہ۔ مگر بڑے نزدیک کئی اور خورد و خوراک حلال ہیں۔ اسی طرح حنفیہ تمام مشرکات الاغنیٰ کو حرام قرار دیتے ہیں، مگر انسانی پھل، امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک سانپ حلال ہے۔

ان تمام مختلف اقوال اور ان کے دلائل پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ دراصل شریعت الہی یا قطعی حرمات اُن چار ہی چیزوں کی ہے جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ ان کے سوا دوسری حیوانی غذاؤں میں مختلف درجوں کی کراہت ہے۔ جن چیزوں کی کراہت جمیع روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ حرمات کے درجہ سے قریب تر ہیں اور جن چیزوں میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے ان کی کراہت مشکوک ہے۔ وہی قطعی کراہت جس کی بنا پر بعض اشخاص بعض چیزوں کو کھانا پسند نہیں کرتے، یا طبقاتی کراہت جس کی بنا پر افسانوں کے بعض جلتے بعض چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں، یا قومی کراہت جس کی بنا پر بعض قومیں بعض چیزوں سے نفرت کرتی ہیں، تو شریعت الہی کسی کو مجبور نہیں کرتی کہ وہ کھانا یا برتن چیز کو ضرور دیکھ جائے جو حرام نہیں کی گئی ہے۔ اور اسی طرح شریعت کسی کو یہ حق بھی نہیں دیتی کہ وہ اپنی کراہت کو قانون قرار دے اور ان لوگوں پر ازام مائدہ کرے جو ایسی غذا نہیں استعمال کرتے جن میں نہیں وہ ناپسند کرتا ہے۔

۱۶۷۔ یہ مضمون قرآن مجید میں تین مقامات پر بیان ہوا ہے۔ سورہ آل عمران میں فرمایا: کھانے کی یہ مادی چیزیں دو شریعت محمدی میں حلال ہیں، پس اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں، البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں جنہیں توراۃ کے نازل کیے جانے سے پہلے اسرائیل نے خود اپنے اور پر حرام کر لیا تھا۔ ان سے کہو کہ لاؤ توراۃ اور چنی کی کداس کی کوئی عبادت گاہ

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبِّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ  
عَنِ الْقَوْمِ الْجَبْرِِيِّينَ ۖ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ

اب اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو ان سے کہہ دو کہ تمہارے رب کا دامن رحمت وسیع ہے اور جو تم کو  
اس کے عذاب کو پھیر نہیں جاسکتا۔

یہ مشرک لوگ (تمہاری ان باتوں کے جواب میں) ضرور کہیں گے کہ "اگر اللہ چاہتا

ہے (اپنے اسرار میں) کچھ ہزار کروڑ (۱۰) پھر سورہ نسا میں فرمایا کہ نبی اسرائیل کے جرائم کی بنا پر ہم نے بت سی وہ پاک  
چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں۔ (دکھنا ۲۷)۔ اور یہاں ارشاد ہوا ہے کہ ان کی کثرت میں کی پاداش میں  
ہم نے ان پر تمام ناخوشیوں کے باوجود حرام کیے اور کسی اور گناہ کی چوٹی میں ان کے لیے عوام غیروادی۔ ان تینوں باتوں کو  
مکمل سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت ہماری اور یہودی فرقہ کے درمیان حیوانی اختلاف کی علت و حوسنت کے مسائل میں جو فرق پایا جاتا  
ہے وہ درجہ دہائی ہے:

ایک یہ کہ نزولِ قرآن سے صدیوں پہلے حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام نے صحن چیزوں کا استعمال چھوڑ دیا تھا  
انھوں نے بعد ان کی اولاد میں ان چیزوں کی تاہک بھی مسمیٰ کو یہودی فقہاء نے ان کو باقاعدہ حرام سمجھ لیا اور ان کی حرمت قرآن  
میں لکھی۔ ان اشیا میں اونٹ اور گوسفند اور سانپ شامل ہیں۔ آج بائبل میں قرآن کے جواز پر ہم کہتے ہیں ان میں اتنا نہیں  
چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے (اجزاء ۱: ۲-۶۔ استنار ۱۳: ۷)۔ لیکن قرآن مجید میں یہودیوں کو جو چیزیں دیا گیا تھا کہ وہ قرآن  
دکھانے پر چیزیں کھاں حرام تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میں ان احکام کا اضافہ اس کے بعد کیا گیا ہے۔ لیکن اگر اس وقت  
قرآن میں یہ احکام موجود ہوتے تو نبی اسرائیل قرآن کو پیش کر دیتے۔

دوسرا فرق اس وجہ پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت سے جب یہودیوں نے بغاوت کی اور آپ اپنے  
شارع میں نیچے تو انہوں نے بہت سی پاک چیزوں کو اپنی مؤلفائیوں سے حرام کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر انہیں  
اس ملامت میں مبتلا کر دیے۔ ان اشیا میں ایک تو ناخوشیوں کے باوجود شامل ہیں یعنی شتر مرغ، قاقاد، ہلد، حیرہ۔ دوسرے  
گائے اور کسی کی چوٹی۔ بائبل میں ان دونوں قسم کی وحوش کو احکام قرآن میں داخل کر دیا گیا ہے۔ (اجزاء ۱: ۱۶-۱۸۔  
استنار ۱۳: ۱۵-۱۶۔ اجزاء ۳: ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸)۔ لیکن سورہ نسا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں تو وہ ہیں حرام و حلال  
بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حرام ہوئی ہیں اور تلمیح کی شہادت دیتی ہے کہ موجودہ یہودی شریعت کی تدوین دسویں  
صدی عیسوی کے آخر میں نئی یہود کے ہاتھوں مکمل ہوئی ہے۔

دباہ سوال کہ چہر ان چیزوں کے متعلق یہاں اور سورہ نسا میں اللہ تعالیٰ نے حکوتاً ہم نے حرام کیا ہوا تھیں

مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَزَمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ  
عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا لَئِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَلَئِنْ أَنْتُمْ إِلَّا  
تَخْرُصُونَ ﴿۳۸﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهْدَاكُمْ

تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسی ہی باتیں بنا  
بنائیں ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا تھا یہاں تک کہ آخر کار ہمارے عذاب کا مزا  
انہوں نے چکھ لیا۔ ان سے کہو کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو،  
تم تو بعض گمان پر چل رہے ہو اور نرمی قیاس آرائیاں کرتے ہو۔ پھر کہو تمہاری اس حجت کے  
مقابلہ میں حقیقت اس حجت تو اللہ کے پاس ہے، بے شک اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت

استمال کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدائی قریم کی صورت بھی ایک صورت نہیں ہے کہ وہ کسی پیغمبر اور کتاب کے ذریعے  
کسی چیز کو حرام کہے بلکہ اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے باطن بندوں پر بتاؤنی شاعروں اور مجلی قافلوں سازوں کے  
مسئلہ کر دے اور وہ ان پر غیبات کو حرام کر دیں پہلے قسم کی قریم خدا کی طرف سے رحمت کے طور پر ہوتی ہے اور یہ دوسری  
قسم کی قریم اس کی پشیمان اور مرنے کی مشیت سے بھاگتی ہے۔

۳۳۳: یعنی اگر تم اب بھی اپنی نافرمانی کی روکش سے باز آ جاؤ اور بندگی کے مسیح روہ کی طرف پلٹ آؤ تو اپنے  
نہب کے دامن رحمت کو اپنے لیے کٹاؤ۔ ہاؤ گے لیکن اگر اپنی اسی مجرمانہ دہائیخانہ روش پڑاؤں رہو گے تو خوب جان لو  
کہ اس کے غضب سے بھی بچ کر کوئی بچانے والا نہیں ہے۔

۳۳۴: یعنی وہ اپنے جرم اور اپنی غلطی کے لیے وہی پرانا عذر پیش کریں گے جو ہمیشہ سے ہم پر غلط کار  
لوگ پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے حق میں اللہ کی مشیت یہی ہے کہ ہم شرک کریں اور جن چیزوں کو ہم نے  
حرام ٹھہرا رکھا ہے انہیں حرام ٹھہرائیں۔ اور ان گھلانہ چاہتا کہ ہم ایسا کریں تو نیک کر ممکن تھا کہ یہ افعال ہم سے صادر ہوتے۔  
پس چونکہ ہم اللہ کی مشیت کے مطابق یہ سب کچھ کر رہے ہیں اس لیے درست کر رہے ہیں اس کا الزام اگر ہے تو ہم پر نہیں  
اللہ پر ہے۔ اور کچھ ہم کر رہے ہیں ایسا ہی کہنے پر مجبور ہیں کہ اس کے سوا کچھ اور کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے۔

اجْمَعِينَ ۝ قُلْ هَلْ مَشْهُدَآءُكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ  
لِلّٰهِ حَرَمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدُوْا مَعَهُمْ وَلَا

دے دیتا۔

ان سے کہو کہ لاؤ اپنے وہ گواہ جو اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ ہی نے ان چیزوں کو  
حرام کیا ہے۔ پھر اگر وہ شہادت دے دیں تو تم ان کے ساتھ شہادت نہ دینا اور یہ گواہوں کو

۱۲۵۔ یہ ان کے مذکورہ مکمل جواب ہے۔ اس جواب کو سمجھنے کے لیے اس کا تجزیہ کر کے دیکھنا چاہیے:

پہلی بات یہ فرمائی کہ اپنی غلام کاری و گمراہی کے لیے مشیت الہی کی مسندت کے طور پر پیش کرنا اور اسے باطل ثابت کر  
میں رہائی کی قبول کرنے سے انکار کرنا جو میں کا قدیم شیروہ رہا ہے اور اس کا اہتمام یہ بڑا ہے کہ آؤ کار وہ تہاہ ہونے اور حق کے  
ظلمات چلنے کو بڑا نتیجہ انہوں نے دیکھ لیا۔

پھر فرمایا کہ یہ مذکورہ تم پیش کر رہے ہو یہ دراصل علم حقیقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض گمان اور تخیل ہے۔ تم نے محض  
مشیت کا مفہوم کیا ہے سن لیا اور اس پر قیاسات کی ایک عبارت کھڑی کر لی۔ تم نے یہ بھی نہیں کیا کہ انسان کے حق میں  
فی الواقع اللہ کی مشیت کیا ہے تم مشیت کے معنی یہ سمجھ رہے ہو کہ جو خدا کی مشیت الہی کے تحت چل رہی کہ رہا ہے تو وہ جرم نہیں  
کیونکہ اس نے فیض خدا کی مشیت کے تحت کیا ہے۔ حالانکہ دراصل انسان کے حق میں خدا کی مشیت یہ ہے کہ وہ شکر اور کرم و  
اور صفات، طاعت اور معصیت میں ہے جو راہ بھی اپنے لیے منتخب کئے گا، خدا ہی راہ اس کے لیے مکمل دے گا، اور  
خدا یا جمیع جو کام بھی انسان کرنا چاہے گا، خدا اپنی مالکیت و مسرتوں کا لحاظ کرتے ہوئے جس حد تک مناسب سمجھے گا اسے اس  
کام کا اذن اور اس کی توفیق بخشنے دے گا۔ لہذا اگر تم نے اور تمہارے باپ دادا نے مشیت الہی کے تحت شرک اور غیر حق بات  
کی توفیق پائی تو اس کے لیے معنی ہرگز نہیں ہیں کہ تم لوگ اپنے اعمال کے ذمہ دار اور جواب دہ نہیں ہو۔ اپنے خدا انتخاب راہ  
اور اپنے خدا اور اسے اور اس کے دوسرے اور تم خود ہی جو۔

آخر میں ایک ہی فقرے کے اندر کائنات کی بات بھی فرمادی کہ قُلُوْا الْحَقُّۃُ اَبَیْۤاۤئُکُمْۚ فَذَرُوْهُمۡ وَاَنْۢیَاۤءُکُمْۚ  
اجْمَعُوْۤعِیۡنَ۔ یعنی تم اپنی مسندت میں جو حجت پیش کرتے ہو کہ ”اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے“ اس سے پوری بات ادا  
نہیں ہوتی۔ پوری بات کہنا چاہتے ہو تو میں کہو کہ ”اگر اللہ چاہتا تو ہم سب کو ہدایت دے دیتا“ بالفاظ دیگر تم خود اپنے  
انتخاب سے راہ درست اختیار کرنے پر تیار نہیں ہو بلکہ یہ چاہتے ہو کہ خدا نے جس طرح فرشتوں کو پیدا کیا وہی راستہ دینا ہے  
اس طرح تمہیں بھی بنا دے۔ تو یہ ننگ اگر اللہ کی مشیت انسان کے حق میں یہ ہوتی تو وہ ضرور دایا کر سکتا تھا لیکن یہ اس کی  
حیثیت نہیں ہے، لہذا جس گمراہی کی تم نے اپنے لیے خود پسند کیا ہے اللہ بھی تمہیں ایسی ہی پڑا رہنے دے گا۔

تَشِيعَ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ  
بِالْآخِرَةِ وَهُمْ يَرْتَابُونَ ۝ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ  
مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے اور جو آخرت کے منکر ہیں اور  
دوسروں کو اپنے رب کا ہمسرہ مانتے ہیں ۵

۱۱) یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو  
۱۲) میں نے ان سے کوہ کو آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں

۱۲۶) یعنی اگر وہ شہادت کی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ شہادت اسی بات کی دینی ہے جس کا آدمی  
کو علم ہو، تو وہ کبھی یہ شہادت دینے کی جرأت نہ کریں گے کہ کھانے پینے پر یہ قیود جو ان کے ہاں رسم کے طور پر رائج ہیں، اور  
یہ پابندیاں کہ فلاں چیز کو فلاں نہ کھائے اور فلاں چیز کو فلاں نہ لگے یہ سب خدا کی مقرر کردہ ہیں۔ لیکن اگر یہ لوگ شہاد  
کی ذمہ داری کو محسوس کیے بغیر اتنی دھڑائی پڑاؤ آئیں کہ خدا کا نام لے کر جھوٹی شہادت دینے میں بھی تامل نہ کرس تو ان کے اس  
جھوٹ میں تم ان کے سامنے نہ بڑھو۔ کیونکہ ان سے یہ شہادت اس لیے طلب نہیں کی جا رہی ہے کہ اگر یہ شہادت جیسے دیں تو تم  
ان کی بات مان لو گے، بلکہ اس کی طرف غور صرف یہ ہے کہ ان میں سے جی لوگوں کے اندر کچھ بھی راست باقی ہو جو وہ اپنے  
جب کہا جائے گا کہ کیا واقعی تم سچائی کے ساتھ اس بات کی شہادت دت سکتے ہو کہ یہ خدا کا نام لے کر مقرر کیے ہوئے  
ہیں تو وہ اپنی دوسروں کی حیثیت پر غور کریں گے اور جب ان کے من جانب اللہ جہنے کا کوئی ثبوت نہ پائیں گے تو ان پر غور  
دوسروں کی پابندی سے باز آجائیں گے۔

۱۲۷) میں تمہارے رب کی عائد کی ہوئی پابندیاں وہ نہیں ہیں جن میں تم مگر تہہ بہہ، بلکہ اہل پابندیاں یہ ہیں جو اللہ  
انسانی زندگی کو منہبط کرنے کے لیے عائد کی ہیں اور جو ہمیشہ سے شرائط النہی کی اہل اصولی وہی ہیں۔ اذقابل کے لیے ماحو  
جو بائبل کی کتاب خروج ۲۰ باب ۲۰)

۱۲۸) یعنی نہ خدا کی ذات میں کسی کو اس کا شریک ٹھیلو، نہ اس کی صفات میں، نہ اس کے افعال میں اور نہ  
اس کے حقوق میں۔

ذات میں شریک یہ ہے کہ جو ہر الوہیت میں کسی کو حصہ دار قرار دیا جائے مثلاً نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث، مشرکین قرآن  
کا فرض شریک کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا، اور دوسرے مشرکین کا اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کو ادا کرنے والی خاتماؤں کو جنہیں اللہ

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ إِنَّمَا يُكَلِّفُ خُسْرًا  
نَفْسُكُمْ وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنٌ

(۲) اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

(۳) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، تم تمہیں بھی سنت دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔

(۴) اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔

کے افراد قرار دینا۔ یہ سب شرک فی الغات ہیں۔

صفات میں شرک یہ ہے کہ خدائی صفات جیسی کہ وہ خدا کے لیے ہیں، ویسا ہی ان کو یا ان میں سے کسی صفت کسی دوسرے کے لیے قرار دینا۔ مثلاً کسی کے متعلق یہ سمجھنا کہ اس پر عیب کی ماری جیسا کہ روشنی ہیں، یا وہ سب کچھ سنا اور دیکھتا ہے، یا وہ تمام ناقص اور تمام کمزوریوں سے منزہ اور باطل ہے مطلب ہے۔

افعیات میں شرک یہ ہے کہ خدا ہونے کی حیثیت سے جو افعیات صرف اللہ کے لیے خاص ہیں ان کو یا ان میں سے کسی کو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے تسلیم کیا جائے۔ مثلاً فوق الغری طریقے سے نفع و ضرر پہنچانا، حاجت روائی و دستگیری کرنا، محافظت و نگہبانی کرنا، دعائیں سننا اور قسموں کو پکارتا اور بگاڑنا۔ یہ حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرنا اور انسانی زندگی کے لیے تازن و شروع تجویز کرنا۔ یہ سب خداوندی کے خصوصیات ہیں جن میں سے کسی کو غیر اللہ کے لیے تسلیم کرنا شرک ہے۔

حقوق میں شرک یہ ہے کہ خدا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر خدا کے جو مخصوص حقوق ہیں وہ یا ان میں سے کوئی حق خدا کے سوا کسی اور کے لیے مانا جائے۔ مثلاً رکوع و سجود، دست بستہ قیام، سلامی وقتانہ ہوس، شکر نعمت یا استغاثہ تیری کے لیے نذر و نیاز اور قربانی، تقاضے حاجات اور رفع مشکلات کے لیے نشت، مصائب و مشکلات میں مدد کے لیے پکارا جانا، ہڈیسی ہی پرستش و تعظیم و تجید کی دوسری تمام صورتیں اللہ کے مخصوص حقوق میں سے ہیں۔ اسی طرح ایسا محبوب ہونا کہ اس کی محبت پر دوسری سب محبتیں قربان کی جائیں، اور ایسا مستحق تقویٰ و شفیع ہونا کہ عیب و شائدت میں اس کی ناراضگی اور اس کے حکم کی خلاف ورزی سے ڈرا جائے، یہ بھی صرف اللہ کا حق ہے۔ اللہ یہ بھی اللہ ہی کا حق ہے کہ اس کی خیر مشرودا حاجت کی جائے اور اس کی حاجت کا صحیح و غلط کا معیار مانا جائے، اور کسی ایسی حاجت کا ملقا اپنی گردن میں نہ ڈالا جائے جو اس کی حاجت سے آئندہ ایک مستقل حاجت ہو اور جس کے حکم کے لیے اللہ کے حکم کی سندنہ جو۔ ان حقوق میں سے جو حق بھی دوسرے کو دیا جائے گا وہ اللہ کا شرک ٹھہرے گا خواہ اس کو خدائی ناموں سے کوئی نام دیا جائے یا نہ دیا جائے۔

۱۲۹ نیک سلوک میں ادب، تعظیم، اطاعت، رضا جوئی، خدمت، سب داخل ہیں۔ والدین کے اس حق کو قرآن

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ  
وَصَبَّحْتُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ  
الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ

(۵) اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔

یہ باتیں ہیں جن کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم سمجھو جو مجھ سے کام لو۔

(۶) اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ

اپنے سن و رشد کو پہنچ جائے،

ہیں ہر جگہ توحید کے حکم کے بعد بیان فرمایا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے بعد بندوں کے حقوق میں سب سے مقدم حق انسان پاس کے والدین کا ہے۔

۱۳۱ اصل میں لفظ فصاحت استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق ان تمام افعال پر ہوتا ہے جن کی بُرائی یا اکل و دفع ہے۔ قرآن میں قرآن و اصل قوم واد، برائی، مجبوری، سمیت، اور باپ کی منکر سے بکلیج کرنے کو فعل افعال میں شمار کیا گیا ہے۔

حدیث میں جو چری اور شراب نوشی اور بیگ انگنے کو منکر و اجتناب فرما دیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے تمام شرعاً مکمل افعال بھی قواضی میں داخل ہیں اور ارشاد ہوا ہے کہ اس قسم کے افعال نہ ملانے کیے جائیں نہ چھپ کر۔

۱۳۲ یعنی انسانی جان، جو فی اصل خدا کی طرف سے حرام ٹھہرائی گئی ہے، ہلاک نہ کی جائے مگر حق کے ساتھ اب وہاں یہ سوال کہ حق کے ساتھ، کایا مفہوم ہے، اس کی تین صورتیں قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور دو صورتیں اس پر زائد ہیں۔  
۱) اصل طریقہ حکم لے بیان فرمائی ہیں۔ قرآن کی بیان کردہ صورتیں یہ ہیں:

(۱) انسان کسی دوسرے انسان کے قتلِ عمد کا مجرم ہو اور اس پر قصاص کا حق قائم ہو گیا ہو،

(۲) دین حق کے قیام کی خاطر اس نے مزاحم ہو اور اس سے جنگ کیے بغیر چارہ نہ دیا ہو،

(۳) دارالاسلام کے مدد میں یا مافیہ بین یا اسلامی نظام حکومت کو کٹھنے کی سی کرے،

باقی دو صورتیں جو حدیث میں اور اشار ہوئی ہیں، یہ ہیں:

(۴) شادی شدہ ہونے کے باوجود نکاح کرے

(۵) ازدواج خود بخود قیام نہ رکھ کر نکاح کرے۔

ان تمام صورتوں کے سوا کسی صورت میں انسان کا قتل انسان کے لیے مباح نہیں ہے، خواہ وہ مومن ہو یا کافر ہو۔



وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا تَكْلِفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا  
وَأَذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا وَكُنْوا تُقَرَّبُونَ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا

(۷) اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو، ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں  
جتنا اس کے امکان میں ہے،

(۸) اور جب بات کرو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ داری کا کیوں نہ ہو،

(۹) اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

مام کار۔

۱۳۲ھ میں اہل طرہ جو زیادہ سے زیادہ ہے غرضی، ایک غرضی اور قسیم کی غیر غرضی پرستی جو اور جس پر خدا اور حق کی  
کی طرف سے بھی تم اعتراض کے مستحق نہ ہو۔

۱۳۳ھ یہ اگرچہ شریعت الہی کا ایک مستقل اصول ہے لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص اپنی تک  
ناپ تول اور مین دین کے معاملات میں راستی و انصاف ہے کام لینے کی کوشش کرے وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا  
بھول چوک یا نادانستہ کی وجہی ہو جائے یا اس سے باز پرس نہ ہوگی۔

۱۳۴ھ اللہ کے عہد سے مراد وہ عہد بھی ہے جو انسان اپنے خدا سے کرے اور وہ بھی جو خدا کا نام لے کر نہیں لے  
کرے اور وہ بھی جو انسان اور انسان کے درمیان کسی وقت آپ سے آپ بندہ جانتا ہے جس وقت یک شخص  
خدا کی زمین میں ایک انسانی سرکاری کے اندر پیدا ہوتا ہے۔

پہلے دونوں جہد شعوری و اخلاقی ہیں اور یہ تیسرا عہد ایک نظری عہد (Natural Contract) ہے جس پر  
باندھنے میں اگرچہ انسان کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے، لیکن واجب الانصرام ہونے میں یہ پہلے دونوں عہدوں سے  
کسی طرح کم نہیں ہے۔ کسی شخص کا خدا کے بستے ہونے وجود سے اس کی عقلی، جوامعی و نفسانی قوتوں سے اس کے لیے  
ہونے جوامعی آلات سے اس کی پیدائی ہوئی زمین اور رزق اور ذرائع سے قائمہ اٹھانا، اور ان مواقع زندگی سے متبع ہونا  
جو قوانین قدرت کی بدولت فراہم ہوتے ہیں، خود بخود فطرۃ خدا کے کچھ حقوق اس پر عائد کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح آدمی کا ایک  
ماں کے پیٹ میں لہس کے خون سے پرورش پانا، ایک ماں کی محنتوں سے بے ہونے گھر میں پیدا ہونا، اور ایک اجتماعی زندگی  
کے بے شمار مختلف اموروں سے مختلف صورتوں میں متبع ہونا، مطلقاً قدر مراتب اس کے ذمہ بہت سے افراد اور اجتماعی لوازم  
کے حقوق بھی عائد کر دیتا ہے۔ انسان کا خدا سے اور انسان کا سرسایتی سے یہ عہد کسی کا خدا پر نہیں لگایا مگر اس کے مدد لگے  
وہ لگے بہت ہے۔ انسان نے اسے شعور و ادراک کے ساتھ نہیں باندھا مگر اس کا پراد و عوامی عہد کا رین بہت ہے۔ اسی

ذٰلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ تَذَكُّرًا ۖ وَآنَ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ تَذَكُّرًا ۖ

ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔

(۱۰) نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں راگندہ کر دیں گے۔ یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم گمراہی سے بچو۔

عبد کی طرف سے اللہ کے لئے جو کچھ کرنا چاہیے کہ باقی وہ ہیں جو اللہ کے ہمد کو اس کی استغاری کے بعد آتے ہیں۔ اللہ کے لئے جو کچھ کرنا چاہیے کہ باقی وہ ہیں جو اللہ کے ہمد کو اس کی استغاری کے بعد آتے ہیں۔ اللہ کے لئے جو کچھ کرنا چاہیے کہ باقی وہ ہیں جو اللہ کے ہمد کو اس کی استغاری کے بعد آتے ہیں۔

۱۱۳۵ اللہ جس ظری حمد کا ذکر بچا ہے، یہ اس حمد کا لازمی اقتضا ہے کہ انسان اپنے لب کے ہاتھ سے لاسے پئے، کیونکہ اس کے امر کی پیروی سے کوئی عورت اور مرد صری و خود مختاری و بندگی خیر کی جانب قدم بڑھاتا۔ انسان کی طرف سے اس حمد کی تین صفات لازمی ہیں جس کے بعد ہر قدم اس کی وفات کو بھی مل جاتی ہیں۔ ملاؤ ہمیں اس نہایت نازک نہایت فصیح اور نہایت سیدہ حمد کی ذمہ داریوں سے انسان ہرگز عہدہ بردار نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ خدا کی رہنمائی کو قبول کرے اس کے ہاتھ سے لاسے راستہ زندگی بسر کرے۔ اس کو قبول نہ کرنے کے بعد بدست نقصان ہیں۔ ایک یہ کہ ہر دوسرے راستہ کی پیروی نہ انسان کو اس عہدہ سے ہٹا دیتی ہے جو خدا کے قرب اور اس کی رضا کی پہنچنے کی ایک ہی راہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس راستے سے ہٹنے ہی بے شمار بگ و ڈنڈیاں سامنے آ جاتی ہیں جن میں بے شک کہ ہر ذریعہ انسانی یا گندہ ہو جاتی ہے اور اس پر اللہ کی کھانا پختی اس کے ہر ذریعہ اور قرار کا خواب بھی پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی دونوں نقصانات کو اس فقرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ”دوسرے راستے“ اور ”بے شک“ کہ وہ تمہیں اس کے راستہ سے ہٹا کر راگندہ کر دیں گے۔ ملاؤ اللہ کے لئے جو کچھ کرنا چاہیے کہ باقی وہ ہیں جو اللہ کے ہمد کو اس کی استغاری کے بعد آتے ہیں۔

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی جو بھلائی کی روش اختیار کرنے والے انسان پر نعمت کی تکمیل اور ہم ضروری چیز کی تفصیل اور ہر اس ہدایت و رحمت تھی اور اس لیے بنی اسرائیل کو دی گئی تھی کہ شاید لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں اور اسی طرح یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے ایک برکت والی کتاب۔ پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو بعد نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں کو دی گئی تھی اور ہم کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کیا پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اور اب تم یہ ہانا بھی نہیں کر سکتے کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی گئی ہو تو ہم

۱۳۶ رب کی وحیات پر ایمان لانے سے ملو اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جوابدہ بنو اور ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنا ہے۔ یہاں اس لفظ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ غرض بنی اسرائیل ہی اس کتاب کی کیا نہ تعلیمات سے ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ عام لوگ اس اعلیٰ درجہ کے نظام زندگی کا مطالعہ کر کے لڑکیوں کا لڑکائیوں میں اس نعمت ہدایت اور اس رحمت کے اثرات دیکھ کر یہ محسوس کر لیں کہ اللہ عز و جل کی خبر ذمہ دارانہ زندگی کے مقابل میں وہ زندگی بے فائدہ ہے بہتر ہے کہ اقرارِ آفت کی بنیاد پر ذمہ دارانہ طریقہ سے بسر کی جاتی ہے، اللہ اس طرح بے شاہد و ملاحظہ نہیں اللہ اسے ایمان کی طرف بھیج دے۔

۱۳۷ میں یہ درنہاں کو

لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ  
فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ اِنْتَضِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿٣٨﴾

ان سے زیادہ راست رو ثابت ہوتے تھے اسے پاس تھا اسے رب کی طرف سے ایک قیل و دل روشن اور ہدایت اور رحمت آگئی ہے، اب اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلانے اور ان سے موٹھ موڑتے۔ جو لوگ ہماری آیات سے موٹھ موڑتے ہیں انہیں اس روگردانی کی پاداش میں ہم بدترین سزا دے کر دیں گے۔ کیا اب لوگ اس کے منتظر ہیں کہ ان کے سامنے فرشتے آکر رہے ہوں یا تمہارا رب خود آجائے یا تمہارے رب کی بعض صریح نشانیاں نمودار ہو جائیں؟ جس روز تمہارے رب کی بعض مخصوص نشانیاں نمودار ہو جائیں گی پھر کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی ہو۔ اے محمدؐ! ان سے کہہ دو کہ اچھا، تم انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

۳۸۔ اللہ کی آیات سے مراد اس کے وہ ارشادات بھی ہیں جو قرآن کی صحت میں لوگوں کے سامنے پیش کیے جا رہے تھے، اور وہ نشانیاں بھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ پر ایمان لانے والوں کی پاکیزہ زندگی میں نمایاں نظر آ رہی تھیں، اور وہ آثار و کائنات بھی جنہیں قرآن اپنی رحمت کی تائید میں شہادت کے طور پر پیش کر رہا تھا۔

۳۹۔ یعنی آثار و قیامت، یا عذاب، یا کوئی اور ایسی نشانی جو حقیقت کی باطل پردہ کشائی کر دینے والی ہو اور جس کے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا أَنتَ مِنْهُمْ خَصِيْفٌ  
شَيْءٌ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ رِيتَهُمْ بِمِثْلِهِ لِيُقْضَىٰ لَهُمْ  
مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا  
کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، وہی ان کو تہائے گاہ کہ انہوں نے کیا کچھ  
کیا ہے۔ جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے دس گنا اجر ہے، اور جو بدی لے کر آئے گا  
ظاہر ہو جائے کہ بدوستان و دانش کا کوئی سوال باقی نہ رہے۔

۱۴۱۱ھ میں ایسی فتنوں کو دیکھ لینے کے بعد اگر کوئی کافر اپنے کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئے تو اس کا کیا  
ہونا ہے مگر کوئی ناظرانِ مومن اپنی ناظرانی کی روش پر جو رکاوٹ کیش بن جائے تو اس کی کاٹت ہو جائے یعنی  
اس لیے کہ ایمان اور طاعت کی تدویر کسی وقت تک ہے جب تک حقیقت پر دے میں ہے، مصلحت کی دسی و دازِ نعر  
آ رہی ہے، اور دنیا اپنی ساری متاعِ فرد کے ساتھ یہ دھوکا دینے کے لیے موجود ہے کہ کیسا خدا اور کسان کی اخوت پس  
کھاؤ پیو دینے کرو۔

۱۴۱۲ھ خطابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور آپ کے واسطے سے دین حق کے تمام پیر و اس کے مخاطب  
ہیں۔ ارشاد کا دعایہ ہے کہ اہل دین ہمیشہ سے یہی رہا ہے اور اب بھی یہی ہے کہ ایک خدا کا لا اور رب مانا جائے، اللہ  
کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اللہ کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھنے ہوئے  
آہوت پر ایمان لایا جائے، اور آقا و صلح، اصول و کلیات کے مطابق زندگی بسر کی جائے جن کی تعلیم اللہ نے اپنے رسولوں  
اور کتابوں کے ذریعہ سے دی ہے۔ یہی دین تمام انسانوں کو نازل فرمایا گیا تھا۔ بعد میں جتنے مختلف مذاہب  
ہوئے وہ سب اس طرح بنے کہ مختلف مذاہب کے لوگوں نے اپنے ذہن کی غلط فہمی سے یا غلط تہمت نفس کے فتنے  
یا حقیقت کے غر سے اس دین کو بدلا اور اس میں حق باقی ملائیں۔ اس کے عقائد میں اپنے اوہام و خیالات اور فسطوح  
کی دہشت اور تہذیب و تحریم کی۔ اس کے احکام میں بدعات کے اضافے کیے۔ خود ساختہ قوانین بنائے۔ جزئیات میں  
روشیا ریا کیں۔ طوطی و اختلافات میں مبالغہ کیا۔ اہم کو غیر اہم کہا، اہم بنایا۔ اس کے فائدے والے بنیادوں کے  
ظہور و زوال کو دیکھ کر کسی کی عقل و مخالفت کا نشانہ بنایا۔ اس طرح ہر شمارِ مذہب فرقت  
ہوئے چلے گئے اور مذہب و فرقت کی پیدائش نے انسانی کو تمام گرد و جوں میں قسیم کر دی تھی۔ اب جو شخص بھی اصل

فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٧﴾ قُلْ إِنِّي هَدِيْتُ رَبِّيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٨﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿٢٠﴾ قُلْ أَغْنِيَ اللَّهُ عَنِّي رِزْقًا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا

اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے تصور کیا ہے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا  
اے محمد! کو میرے رب کے بایقین مجھے یہ حال ارستہ دکھا دیا ہے، بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی  
فیض نہیں، ابراہیم کا طریقہ جسے کسی پر کو اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا، کو، میری  
ننان میرے تمام مراسم عبودیت، میرا مینا اور میرا امرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی  
شریک نہیں۔ اسی کا مجھے مکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سزا طاعت بھگانے والائیں ہوں، کو، کیا میں اللہ  
کے میرا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے، شخص جو کہہ کر کہتا ہے اس کا ذمہ اور وہ خود ہے

دین حق کا پیر وہ جس کے لیے نگر ہے کہ ان ساری گروہ بندیوں سے ملک بھر جائے سلطان کے پناہ سے بھاگے۔  
۱۳۲۱ ابراہیم کا طریقہ، یہ اس راستے کی نشان دہی کے لیے مزید ایک تشریح ہے۔ اگرچہ اس کو کوئی کا طریقہ یعنی  
کا طریقہ بھی کہا جا سکتا تھا، مگر حضرت موسیٰ کی طرف دینا ہے جو دیت کو اور حضرت یسعی کی طرف سمیت کو مٹا کر رکھا ہے،  
اس لیے ابراہیم کا طریقہ، حضرت ابراہیم کو یہودی اور عیسائی دونوں گروہ برحق تسلیم کرتے ہیں، اور دونوں یہ بھی جانتے  
ہیں کہ وہ یہودیت اور عیسائیت کی بدائش سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔ نیز مشرکین عرب بھی ان کو راستہ نہ ملتے تھے  
اور اپنی جماعت کے باوجود کم از کم اتنی بات انہیں بھی تسلیم تھی کہ کہہ کی بنا رکھنے والا پاکیزہ انسان خالص خدا پرست  
تھا نہ کہ بت پرست۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ  
فَإِنِّي بِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۳۷﴾ وَهُوَ الَّذِي  
جَعَلَكُمْ خُلَافَ الْأُمَمِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ  
دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ  
وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۸﴾

﴿۳۷﴾

کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے،  
اُس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر مکمل دے گا۔ وہی جس نے تم کو زمین کا خلیفہ  
بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیے، تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس  
میں تمہاری آزمائش کرتے۔ بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور بہت درگزر  
کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔ ۷

﴿۳۷﴾ اس میں یہ الفاظ مُتَّخِذٌ مِّمَّا كَانَتْ لَكُمْ دِينًا مِّنْ قَبْلِ هَذَا تَحْتَفِظُونَ کے ساتھ ہیں  
وچشم کی دوسری تمام صورتوں پر بھی ہوتا ہے۔

﴿۳۸﴾ یعنی کائنات کی ساری چیزوں کا رب قرا خدا ہے، میرا رب کوئی اور کیسے ہو سکتا ہے، کس طرح یہ بات  
معتقل ہو سکتی ہے کہ ساری کائنات قرا خدا کی اطاعت کے نظام پر چل رہی ہو اور کائنات کا ایک جوہر ہونے کی حیثیت  
سے میرا پانا وجود بھی اسی نظام پر فعال ہو، اگر میں اپنی شعری و افتیاری زندگی کے لیے کوئی اور سبب تلاش کروں، کیا پوری  
کائنات کے خلاف میں ایک ایک دوسرے شے پر چل پڑوں؟

﴿۳۹﴾ یعنی ہر شخص خود اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، ایک کے عمل کی ذمہ داری دوسرے پر نہیں ہے۔

﴿۴۰﴾ اس فقرہ میں تین حقیقی بیان کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ تمام انسان زمین میں خدا کے خلیفہ ہیں، اس معنی میں کہ خدا نے اپنی مملکت میں سے بہت سی چیزیں  
ان کی امانت میں دی ہیں اور ان پر تصرف کے اختیارات بخشے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان خلیفوں میں عورت کا فرق بھی خدا ہی نے رکھا ہے، کسی کی امانت کا دائرہ وسیع ہے اور کسی کا

محدود کسی کو زیادہ چیزوں پر تعریف کے اختیارات دیے ہیں اور کسی کو کم چیزوں پر کسی کو زیادہ قوت کارکردگی دی ہے اور کسی کو کم اور بعض انسان بھی بعض انسانوں کی امانت میں ہیں۔

تیسرے یہ کہ یہ سب کچھ دو اہل امتحان کا سامان ہے، پوری زندگی ایک امتحان گاہ ہے اور جس کو جو کچھ بھی خدا نے دیا ہے اسی میں اسی کا امتحان ہے کہ اس نے کس طرح خدا کی امانت میں تعریف کیا، کہاں تک امانت کی ذمہ داری کو سمجھا اور اس کا حق ادا کیا، اور کس حد تک اپنی قابلیت یا ناقابلیت کا ثبوت دیا۔ اسی امتحان کے نتیجہ پر زندگی کے دوسرے مرحلے میں خدا کے درجے کا تعین مقرر ہے۔







# فہرست موضوعات

## الف

ابراہیم علیہ السلام

آپ کا مالک و رحمت کی ذمہ داری۔ ۱۰۸

آپ کی نسل کی دو پڑی شاخیں۔ ۱۰۸

آپ کا اصل کام۔ ۱۰۹

امامت کا منصب۔ ۱۰۹

خدا کی آواز میں آپ کا پورا اترنا۔ ۱۱۰

اپنی نسل سے ایک مسلم قوم و مہاجرین کے ہندو  
ایک رسول اقدس و ہلنکی دعا۔ ۱۱۱

آپ کا رحمت حق کی خدمت کے پیر چڑھانا۔ ۱۱۳

نبی مسلم کی طرف سے ایمان کی طرف  
اختیار کرنے کا اعلان۔ ۱۱۳

آپ شریک نہ تھے۔ ۱۱۳-۲۷۴-۴۰۵

یہودیت و نصاریت آپ کے ہند کی  
پیداوار ہیں۔ ۱۱۵-۲۷۴

آپ سے فرد کا بار بار ۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹

جہاں بدعات کے معنی میں آپ کی دعوت۔ ۲۰۱

آپ سے نہایت کافر کن لوگوں کو بچا ہے۔ ۲۷۳

آپ کے طریقے کی پیروی کا حکم۔ ۲۷۴-۲۷۵

آپ کی تعداد کو ملک عظیم بخشے کا مفہوم۔ ۳۶۱

تقریر شریک کے خلاف آپ کی کشمکش۔ ۵۶۵-۵۶۶

آپ کا خطاب اپنے آپ سے۔ ۵۶۳

آپ کی قوم کے مذہبی و تمدنی حالات ۵۵۳ تا ۵۵۴

آپ کا زمانہ انیسے صبح استقامت۔ ۵۵۳-۵۵۶

آپ پر قریش کا بھانپنا و ناز۔ ۵۵۳

آپ کے عہد کا ناز۔ ۵۵۳

۴۷۱ حقیقت کے لیے آپ کا ایمانی شکر۔ ۵۵۶ تا ۵۵۸

آپ کا شریک سے ظاہر ہوئی۔ ۵۵۶

آپ کی رحمت و رحمت کی زندگی کی حق۔ ۵۵۶

قوم کی طرف سے آپ کی رحمت اور آپ کا نجات۔ ۵۵۸

قوم کے ساتھ آپ کا استدلال۔ ۵۵۹

قوم ابراہیم خدا کے وجود کی سکر حق۔ ۵۵۹

آپ کے بچے خدا کی طرف سے صالح و نیکو کی نعمت۔ ۵۶۰

آپ کی رحمت کے بارے میں اہل عرب کے  
علا حرمات۔ ۵۸۷

آپ کے طریقے کی تعریف۔ ۶۰۵

ابلیس

آپ کے من کا اشارہ۔ ۶۴۰

آپ کی رحمت کے معنی۔ ۶۵

اس کی حقیقت۔ ۶۵

ابھر

کون سے کام اہم کے مستحق ہیں۔ ۱۰۳-۶۱۰

کون قسم کے لوگ اس کے مستحق ہیں۔ ۲۰۳-۶۱۵

۲۵۹-۲۰۲-۳۰۳-۲۹۹-۳۱۲-۳۲۴

۵۰۵۔	۳۵۰۔
احرام شکار اللہ میں ہے ۳۳۹	کسی کا جو ضائع نہ جائے گا۔ ۳۰۹-۲۱۶-۳۰۲
حالت احرام میں شکار کرنے کا کفارہ ۵۰۳	اللہ کی راہ میں اپنی طرف سے بڑھا کر دیتا ہے ۳۵۳-۳۲۰
<b>احسان</b>	اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کے لئے اجر عظیم ۳۶۲
اطاعت کا سب سے اونچا مقام ۱۵۳	اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کا اجر ۳۸۶
احسان کا رویہ ۵۰۳	خدا اپنے اور واجب قرار دیتا ہے {
اس کی دنیوی جزا ۵۶۰	انبیاء و انبیاء کی تفریق کے ایمان لانے والے
<b>احکام القرآن</b>	کے لئے اجر عظیم
۱۳۳-۱۳۲-۱۳۱-۱۳۰-۱۲۹-۱۲۸-۱۲۷-۱۲۶-۱۲۵-۱۲۴-۱۲۳-۱۲۲-۱۲۱-۱۲۰-۱۱۹-۱۱۸-۱۱۷-۱۱۶-۱۱۵-۱۱۴-۱۱۳-۱۱۲-۱۱۱-۱۱۰-۱۰۹-۱۰۸-۱۰۷-۱۰۶-۱۰۵-۱۰۴-۱۰۳-۱۰۲-۱۰۱-۱۰۰-۹۹-۹۸-۹۷-۹۶-۹۵-۹۴-۹۳-۹۲-۹۱-۹۰-۸۹-۸۸-۸۷-۸۶-۸۵-۸۴-۸۳-۸۲-۸۱-۸۰-۷۹-۷۸-۷۷-۷۶-۷۵-۷۴-۷۳-۷۲-۷۱-۷۰-۶۹-۶۸-۶۷-۶۶-۶۵-۶۴-۶۳-۶۲-۶۱-۶۰-۵۹-۵۸-۵۷-۵۶-۵۵-۵۴-۵۳-۵۲-۵۱-۵۰-۴۹-۴۸-۴۷-۴۶-۴۵-۴۴-۴۳-۴۲-۴۱-۴۰-۳۹-۳۸-۳۷-۳۶-۳۵-۳۴-۳۳-۳۲-۳۱-۳۰-۲۹-۲۸-۲۷-۲۶-۲۵-۲۴-۲۳-۲۲-۲۱-۲۰-۱۹-۱۸-۱۷-۱۶-۱۵-۱۴-۱۳-۱۲-۱۱-۱۰-۹-۸-۷-۶-۵-۴-۳-۲-۱-۰	احد (غزوہ)
	سورہ آل عمران سے اس کا تعلق ۲۲۸
	محرک اسلامی کی تاریخ میں غزوہ احد ۲۲۹-۲۳۰
	کا مقام
	معرکہ احد کی تفصیلات ۲۸۳-۲۸۵
	اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور اس پر نرس ۲۸۷
	دنیا طلبی کا لایا ہوا وبال ۲۹۳
	مسلمانوں کو رنج پر رنج دینے سے {
	مقصود ان کو سبق دینا تھا۔ ۲۹۵
	عین حالت جنگ میں مسلمانوں پر غزوہ کی کاغذیہ ۲۹۶
	نبی کے بارے میں سوئے ظن کا نتیجہ ۲۹۹
	شکست کے ذریعہ اشعار مسلمانوں کی فکری الجھن ۳۰۰
	احمد کی مصیبت کی ذمہ داری ۳۰۱
	جنگ احد کے بعد پیغمبر اکرم کے سوال کا پیرا چوتھا ۳۱۶
	احمد کی ہزیمت کا رد عمل دشمنوں میں ۳۱۶-۳۱۷
	احمد کی ہزیمت کا رد عمل مسلمانوں میں ۳۱۷-۳۱۸
	<b>احرام</b>
	اس کی تشریح ۳۳۷
	حالت احرام کی پابندیاں ۱۵۵-۳۳۷-۵۰۳

ربا کارانہ اعمال کا دہاں بے برگ و باز ثابت ہونا	۲۰۶
دنوی سزا آخری سزا سے نہیں بچاتی	۲۱۴-۲۱۵
خود آفر و اجواب دہی کی ذمہ داری	۲۲۳-۲۶۵
مکاناتِ عمل قابلِ انتقال چیز نہیں	۲۲۴
حرفِ بات و سنیل کے مقابلہ میں انجامِ آخرت	۲۳۸
کے کا پورا پھیل پانے کا دن	۲۴۴
مجرمین کی بعد از وقت پیشانی	۲۴۵
آخرت میں تمام اخلاقات کا آخری فیصلہ	۲۵۹
۶۰۶-۲۶۸	
دہاں کن لوگوں کے لئے محدود ہے	۲۶۹-۲۷۰
حالتِ کفر میں مرنے والوں کو عذاب	۲۷۲ {
سے کوئی چیز بچا سکے گی	
دہاں کچھ لوگ سرخرو ہونگے اور کچھ کا گناہ لگا	۲۷۸
کفر مزید آخرت کے لئے تباہ کن ہے	۲۸۲
جو ثوابِ آخرت کے ارادہ سے کام لے	۲۹۲ {
وہی ثوابِ آخرت پائے گا	
خائن اپنی خیانت سمیت حاضر ہونگے	۲۹۹
اقوال و اعمال کا ریکارڈ رکھا جا رہا ہے	۳۰۶-۳۰۷
۵۴۷	
اصل کامیابی کی منزل	۳۰۸
اس کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کی حقیقت	۳۰۸
۳۰۳-۵۳۳	
آخرت کے دلائل	۳۱۱
اس دن اچھے لوگوں کے اعمال ضائع نہ جائیں گے	۳۱۳
آخرت کے محاسب میں افرادِ انسانی	۳۱۳ {
کے درمیان مساوات	
قوموں پر ان کے انبیاء سے شہادت طلبی	۳۵۳-۵۱۲

۳۳۲-۳۳۶-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰  
۳۴۱-۳۴۲-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷  
۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲  
۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷  
۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲  
۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷  
۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲  
۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷  
۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲  
۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷  
۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲  
۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷  
۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲  
۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷  
۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲  
۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷  
۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲  
۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷  
۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲  
۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷  
۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲  
۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷  
۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲  
۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷  
۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲  
۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷  
۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲  
۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷  
۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲  
۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷  
۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲  
۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷  
۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲  
۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷  
۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲  
۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷  
۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲  
۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷  
۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲  
۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷  
۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲  
۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷  
۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲  
۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷  
۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲  
۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷  
۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲  
۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷  
۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲  
۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷  
۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲  
۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷  
۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲  
۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷  
۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲  
۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷  
۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲  
۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷  
۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲  
۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷  
۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲  
۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷  
۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲  
۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷  
۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲  
۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷  
۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲  
۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷  
۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲  
۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷  
۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲  
۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷  
۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲  
۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷  
۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲  
۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷  
۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲  
۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷  
۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲  
۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷  
۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲  
۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷  
۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲  
۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷  
۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲  
۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷  
۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲  
۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷  
۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲  
۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷  
۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲  
۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷  
۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲  
۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷  
۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲  
۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷  
۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲  
۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷  
۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲  
۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷  
۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲  
۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷  
۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲  
۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷  
۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲  
۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷  
۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲  
۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷  
۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲  
۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷  
۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲  
۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷  
۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲  
۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷  
۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲  
۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷  
۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲  
۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷  
۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲  
۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷  
۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲  
۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷  
۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲  
۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷  
۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲  
۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷  
۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲  
۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷  
۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲  
۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷  
۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲  
۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷  
۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲  
۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷  
۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲  
۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷  
۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲  
۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷  
۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲  
۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷  
۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲  
۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷  
۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲  
۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷  
۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲  
۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷  
۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲  
۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷  
۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲  
۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷  
۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲  
۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷  
۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲  
۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷  
۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲  
۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷  
۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲  
۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷  
۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲  
۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷  
۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲  
۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷  
۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲  
۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷  
۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲  
۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷  
۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲  
۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷  
۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲  
۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷  
۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲  
۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷  
۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲  
۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷  
۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲  
۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷  
۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲  
۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷  
۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲  
۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷  
۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲  
۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷  
۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲  
۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷  
۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲  
۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷  
۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲  
۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷  
۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲  
۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷  
۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲  
۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷  
۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲  
۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷  
۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲  
۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷  
۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲  
۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷  
۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲  
۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷  
۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲  
۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷  
۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲  
۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷  
۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲  
۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷  
۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲  
۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷  
۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲  
۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷  
۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲  
۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷  
۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲  
۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷  
۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲  
۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷  
۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲  
۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷  
۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲  
۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷  
۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲  
۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷  
۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲  
۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷  
۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲  
۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷  
۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲  
۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷  
۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲  
۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷  
۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲  
۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷  
۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲  
۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷  
۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲  
۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷  
۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲  
۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷  
۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲  
۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷  
۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲  
۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷  
۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲  
۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷  
۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲  
۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷  
۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲  
۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷  
۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲  
۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷  
۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲  
۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷  
۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲  
۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷  
۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱۰-۱۶۱۱-۱۶۱۲  
۱۶۱۳-۱۶۱۴-۱۶۱۵-۱۶۱۶-۱۶۱۷  
۱۶۱۸-۱۶۱۹-۱۶۲۰-۱۶۲۱-۱۶۲۲  
۱۶۲۳-۱۶۲۴-۱۶۲۵-۱۶۲۶-۱۶۲۷  
۱۶۲۸-۱۶۲۹-۱۶۳۰-۱۶۳۱-۱۶۳۲  
۱۶۳۳-۱۶۳۴-۱۶۳۵-۱۶۳۶-۱۶۳۷  
۱۶۳۸-۱۶۳۹-۱۶۴۰-۱۶۴۱-۱۶۴۲  
۱۶۴۳-۱۶۴۴-۱۶۴۵-۱۶۴۶-۱۶۴۷  
۱۶۴۸-۱۶۴۹-۱۶۵۰-۱۶۵۱-۱۶۵۲  
۱۶۵۳-۱۶۵۴-۱۶۵۵-۱۶۵۶-۱۶۵۷  
۱۶۵۸-۱۶۵۹-۱۶۶۰-۱۶۶۱-۱۶۶۲  
۱۶۶۳-۱۶۶۴-۱۶۶۵-۱۶۶۶-۱۶۶۷  
۱۶۶۸-۱۶۶۹-۱۶۷۰-۱۶۷۱-۱۶۷۲  
۱۶۷۳-۱۶۷۴-۱۶۷۵-۱۶۷۶-۱۶۷۷  
۱۶۷۸-۱۶۷۹-۱۶۸۰-۱۶۸۱-۱۶۸۲  
۱۶۸۳-۱۶۸۴-۱۶۸۵-۱۶۸۶-۱۶۸۷  
۱۶۸۸-۱۶۸۹-۱۶۹۰-۱۶۹۱-۱۶۹۲  
۱۶۹۳-۱۶۹۴-۱۶۹۵-۱۶۹۶-۱۶۹۷  
۱۶۹۸-۱۶۹۹-۱۷۰۰-۱۷۰۱-۱۷۰۲  
۱۷۰۳-۱۷۰۴-۱۷۰۵-۱۷۰۶-۱۷۰۷  
۱۷۰۸-۱۷۰۹-۱۷۱۰-۱۷۱۱-۱۷۱۲  
۱۷۱۳-۱۷۱۴-۱۷۱۵-۱۷۱۶-۱۷۱۷  
۱۷۱۸-۱۷۱۹-۱۷۲۰-۱۷۲۱-۱۷۲۲  
۱۷۲۳-۱۷۲۴-۱۷۲۵-۱۷۲۶-۱۷۲۷  
۱۷۲۸-۱۷۲۹-۱۷۳۰-۱۷۳۱-۱۷۳۲  
۱۷۳۳-۱۷۳۴-۱۷۳۵-۱۷۳۶-۱۷۳۷  
۱۷۳۸-۱۷۳۹-۱۷۴۰-۱۷۴۱-۱۷۴۲  
۱۷۴۳-۱۷۴۴-۱۷۴۵-۱۷۴۶-۱۷۴۷  
۱۷۴۸-۱۷۴۹-۱۷۵۰-۱۷۵۱-۱۷۵۲  
۱۷۵۳-۱۷۵۴-۱۷۵۵-۱۷۵۶-۱۷۵۷  
۱۷۵۸-۱۷۵۹-۱۷۶۰-۱۷۶۱-۱۷۶۲  
۱۷۶۳-۱۷۶۴-۱۷۶۵-۱۷۶۶-۱۷۶۷  
۱۷۶۸-۱۷۶۹-۱۷۷۰-۱۷۷۱-۱۷۷۲  
۱۷۷۳-۱۷۷۴-۱۷۷۵-۱۷۷۶-۱۷۷۷  
۱۷۷۸-۱۷۷۹-۱۷۸۰-۱۷۸۱-۱۷۸۲  
۱۷۸۳-۱۷۸۴-۱۷۸۵-۱۷۸۶-۱۷۸۷  
۱۷۸۸-۱۷۸۹-۱۷۹۰-۱۷۹۱-۱۷۹۲  
۱۷۹۳-۱۷۹۴-۱۷۹۵-۱۷۹۶-۱۷۹۷  
۱۷۹۸-۱۷۹۹-۱۸۰۰-۱۸۰۱-۱۸۰۲  
۱۸۰۳-۱۸۰۴-۱۸۰۵-۱۸۰۶-۱۸۰۷  
۱۸۰۸-۱۸۰۹-۱۸۱۰-۱۸۱۱-۱۸۱۲  
۱۸۱۳-۱۸۱۴-۱۸۱۵-۱۸۱۶-۱۸۱۷  
۱۸۱۸-۱۸۱۹-۱۸۲۰-۱۸۲۱-۱۸۲۲  
۱۸۲۳-۱۸۲۴-۱۸۲۵-۱۸۲۶-۱۸۲۷

- بھروسہ کی نفی - ۵۴۳
- وہاں کوئی ایسا ذی اختیار نہ ہوگا جو کسی کی - ۵۴۳ {
- حمایت و نصرت اور سفارش کر سکے
- وہاں کسی کی جواب دہی کی ذمہ داری - ۵۴۳ {
- دوسرے پر نہیں ہوگی
- وہاں ظالموں کا حساب قیوم سے نہ لیا جائے گا - ۵۴۴
- آخرت کو ماننے والوں کا قلمی رتبہ - ۵۶۳
- ظالموں کی حالت سکراتِ موت کے عالم میں - ۵۶۳
- وہاں متوح سفارشیں نہ کھوجانا - ۵۶۵
- وہاں وحشی و ابلوں کا ٹوٹ جانا - ۵۶۵
- حق تھا خدا کے حضور پیشی - ۵۶۵
- اس کو نہ ماننے والوں کا خود فریبیوں میں گنہگار - ۵۶۴
- آخرت میں مشایط میں جن سے خطاب - ۵۸۰
- وہاں مجرمین کا اپنے اوپر خود گواہ ہونا - ۵۸۱
- وہاں قدر کی بات اللہ کا ربانی کہنے - ۵۸۲ {
- اتمامِ حجت کیا جائے گا
- اللہ نیک کا اجر دس گنا اور بدی کا بدلہ - ۶۰۴ {
- برابر برابر دے گا
- وہاں کسی پر ظلم نہ ہوگا - ۶۰۵
- اخلاق - دیکھو "اخلاقی تعلیمات"
- اخلاقی تعلیمات - ۱۰۲ - ۱۰۳
- وہ اخلاقی برائیاں جنہیں قرآن شانِ پاہلے ہے - ۶۰
- ۹۰ - ۶۶
- والدین سے حسن سلوک - ۹۰ - ۱۶۳ - ۲۵۱ - ۵۹۸
- بیٹائی سے حسن سلوک - ۹۰ - ۱۶۴ - ۱۶۵
- ۱۶۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۵۱ - ۴۰۱ - ۵۹۹
- نکاحِ اخلاق میں توبہ کی اہمیت - ۶۸
- وہاں کوئی بات بھی نہ رہ جائے گی - ۲۵۳
- آخرت کے لیے دینی عبادت کی قربانی - ۲۷۲
- روس کے قتلِ عمد کی افروزی سزا ہی جہنم ہے - ۲۸۲
- وہاں کر خود ہرنے کا باد کام نہ دے گا - ۲۸۷
- وہاں کا انجام کسی کی خوش خیالیوں پر تو نہیں - ۲۹۹
- وہاں اعمال اپنا نیک نیک پل دیں گے - ۳۰۰
- وہاں کیسے لوگ دیوایہ ہیں گے - ۳۲۷
- دنیا کی گزراہی کے واضح ہونے کا دن - ۳۵۵ - ۵۱۰
- ۵۱۶ - ۵۷۱
- وہاں نالین کا کوئی دگر نہ ہوگا - ۳۸۹
- خدا کی پیشی میں لوگوں کو گھیر کر - ۵۰۵ - ۵۳۰ {
- ماضی کیا جائے گا
- سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے - ۵۱۰ - ۶۰۶
- حضرت یحییٰ سے آخرت میں شہادتِ طیبی - ۵۱۲
- حضرت یحییٰ پر صرحِ ارکب کا صفائی کا بیان - ۵۱۵
- ۵۱۶ - ۵۱۷
- آخرت میں اپنی اہمیت کے لیے - ۵۱۷ {
- حضرت یحییٰ کی عاجز از شفاعت
- وہاں صرف بچوں کے یہاں کی چھائی ناسخ ہوگی - ۵۱۷
- مشرک سے یہ سوال کہ اب تمہارے - ۵۲۰ {
- وہ خود ساختہ شریک کہاں ہیں ؟
- دوزخ کے کتے پہنچ کر ہرن کی یہ تباہی کا شہ - ۵۲۲ {
- دنیا میں جا کر کٹائی کرنے کا ایک موقع ہے
- وہاں حقیقت پر ہی طریعے نقاب ہوگی - ۵۳۲
- اس کے بارے میں دنیا پرستوں کی سخت - ۵۳۳
- اصل جانے تو فریبی ہے - ۵۳۳
- آخرت کے بارے میں دنیا پرستوں کے جھوٹے

- ۲۰۲ - ۲۱۸ ضرورت -
- ۲۰۳ - اتفاق کے ساتھ احسان و دھرنے کی ممانعت -
- ۲۰۴ - ریاضے بچنے اور غلوں پر کاربند ہونے کی نصیحت -
- ۲۰۵ - ۳۵۲
- ۲۲۲ - امانت داری کی تفصیل -
- ۲۲۲ - دل کا گناہ آورد ہونا -
- ۲۲۲ - شہادت کو چھپانے کی ممانعت -
- ۲۲۳ - ۲۲۵ - اخلاق میں اپنی اپنی کمائی کا اصول -
- ۲۲۶ - کدیمی مسلمانوں کی اخلاقی درودمانی -
- ۲۲۶ - تربیت کے خطوط -
- ۲۳۸ - ۲۴۵ - اجتماعی قوت میں اخلاق کی اہمیت -
- ۲۳۸ - ۲۴۲ - زہوی مفاد سے بھاگ کر لو بھار کرنے کی نصیحت -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - مخالفین کو سماعت کرنے ان کی حرکات سے چشم پوشی کرنے اور احسان کرنے کا -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - اخلاق اللہ کو پسند ہے -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - تنگ نظر لوگ خدا کو پسند نہیں ہیں -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - صداقت سے اخلاق کی آزرگیاں دور ہوتی ہیں -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - اہل حاجت کی آگے بڑھ کر مدد کرنے کی اہمیت -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - مدد مالی میں باوقار رہنا -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - اہل حق کو ان کے حق سے ہٹنے سے روکنا -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - دو حکم کے انسانی کرداروں کا تقابلی -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - محسن دین میں فیاضانہ طرز عمل کی نصیحت -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - مقررہ حق کے ساتھ نرمی کی تلقین -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - کھچے پڑھے آدمی کی ذمہ داریاں -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - گمبھی دینے سے انکار نہ کیا جائے -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - شہادت کے متبر بھرنے کے لیے -
- ۲۴۵ - ۳۵۵ - اخلاقی سیرت کا لحاظ -
- ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۴۸ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴ - ۱۶۵ - ۱۶۶ - ۱۶۷ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰ - ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ - ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ - ۱۰۰۵ - ۱۰۰۶ - ۱۰۰۷ - ۱۰۰۸ - ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ - ۱۰۱۷ - ۱۰۱۸ - ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ - ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ - ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰ - ۱۰۳۱ - ۱۰۳۲ - ۱۰۳۳ - ۱۰۳۴ - ۱۰۳۵ - ۱۰۳۶ - ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ - ۱۰۳۹ - ۱۰۴۰ - ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳ - ۱۰۴۴ - ۱۰۴۵ - ۱۰۴۶ - ۱۰۴۷ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۵۰ - ۱۰۵۱ - ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ - ۱۰۵۴ - ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶ - ۱۰۵۷ - ۱۰۵۸ - ۱۰۵۹ - ۱۰۶۰ - ۱۰۶۱ - ۱۰۶۲ - ۱۰۶۳ - ۱۰۶۴ - ۱۰۶۵ - ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ - ۱۰۶۹ - ۱۰۷۰ - ۱۰۷۱ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۳ - ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ - ۱۰۷۶ - ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۰ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ - ۱۰۸۵ - ۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ - ۱۰۸۸ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۰ - ۱۰۹۱ - ۱۰۹۲ - ۱۰۹۳ - ۱۰۹۴ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۶ - ۱۰۹۷ - ۱۰۹۸ - ۱۰۹۹ - ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ - ۱۱۰۲ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ - ۱۲۹۳ - ۱۲۹۴ - ۱۲۹۵ - ۱۲۹۶ - ۱۲۹۷ - ۱۲۹۸ - ۱۲۹۹ - ۱۳۰۰ - ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳ - ۱۳۰۴ - ۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ - ۱۳۰۷ - ۱۳۰۸ - ۱۳۰۹ - ۱۳۱۰ - ۱۳۱۱ - ۱۳۱۲ - ۱۳۱۳ - ۱۳۱۴ - ۱۳۱۵ - ۱۳۱۶ - ۱۳۱۷ - ۱۳۱۸ - ۱۳۱۹ - ۱۳۲۰ - ۱۳۲۱ - ۱۳۲۲ - ۱۳۲۳ - ۱۳۲۴ - ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ - ۱۳۲۷ - ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ - ۱۳۳۰ - ۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ - ۱۳۳۳ - ۱۳۳۴ - ۱۳۳۵ - ۱۳۳۶ - ۱۳۳۷ - ۱۳۳۸ - ۱۳۳۹ - ۱۳۴۰ - ۱۳۴۱ - ۱۳۴۲ - ۱۳۴۳ - ۱۳۴۴ - ۱۳۴۵ - ۱۳۴۶ - ۱۳۴۷ - ۱۳۴۸ - ۱۳۴۹ - ۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ - ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳ - ۱۳۵۴ - ۱۳۵۵ - ۱۳۵۶ - ۱۳۵۷ - ۱۳۵۸ - ۱۳۵۹ - ۱۳۶۰ - ۱۳۶۱ - ۱۳۶۲ - ۱۳۶۳ - ۱۳۶۴ - ۱۳۶۵ - ۱۳۶۶ - ۱۳۶۷ - ۱۳۶۸ - ۱۳۶۹ - ۱۳۷۰ - ۱۳۷۱ - ۱۳۷۲ - ۱۳۷۳ - ۱۳۷۴ - ۱۳۷۵ - ۱۳۷۶ - ۱۳۷۷ - ۱۳۷۸ - ۱۳۷۹ - ۱۳۸۰ - ۱۳۸۱ - ۱۳۸۲ - ۱۳۸۳ - ۱۳۸۴ - ۱۳۸۵ - ۱۳۸۶ - ۱۳۸۷ - ۱۳۸۸ - ۱۳۸۹ - ۱۳۹۰ - ۱۳۹۱ - ۱۳۹۲ - ۱۳۹۳ - ۱۳۹۴ - ۱۳۹۵ - ۱۳۹۶ - ۱۳۹۷ - ۱۳۹۸ - ۱۳۹۹ - ۱۴۰۰ - ۱۴۰۱ - ۱۴۰۲ - ۱۴۰۳ - ۱۴۰۴ - ۱۴۰۵ - ۱۴۰۶ - ۱۴۰۷ - ۱۴۰۸ - ۱۴۰۹ - ۱۴۱۰ - ۱۴۱۱ - ۱۴۱۲ - ۱۴۱۳ - ۱۴۱۴ - ۱۴۱۵ - ۱۴۱۶ - ۱۴۱۷ - ۱۴۱۸ - ۱۴۱۹ - ۱۴۲۰ - ۱۴۲۱ - ۱۴۲۲ - ۱۴۲۳ - ۱۴۲۴ - ۱۴۲۵ - ۱۴۲۶ - ۱۴۲۷ - ۱۴۲۸ - ۱۴۲۹ - ۱۴۳۰ - ۱۴۳۱ - ۱۴۳۲ - ۱۴۳۳ - ۱۴۳۴ - ۱۴۳۵ - ۱۴۳۶ - ۱۴۳۷ - ۱۴۳۸ - ۱۴۳۹ - ۱۴۴۰ - ۱۴۴۱ - ۱۴۴۲ - ۱۴۴۳ - ۱۴۴۴ - ۱۴۴۵ - ۱۴۴۶ - ۱۴۴۷ - ۱۴۴۸ - ۱۴۴

۳۲۸-۳۲۷ { اللہ نے جو فضل کسی کو (اُمد و اہمو)  
اس کی تمنا نہ کرو

۳۵۰ { اطاعت شعاریوں پر خواہ مخواہ  
دست درازی نہ کی جائے

۳۵۰ { باجم اصلاح پسندی کی تلقین  
والدین، اقربا، عیالی، مساکین  
اور مہسایہ سے حسن سلوک

۳۵۲ { غرور اللہ کو پسند نہیں  
کنوس اور کجوسی کا مبلغ اللہ کو پسند نہیں

۳۵۲ { عدل و امانت کی تاکید

۳۵۰ { مسلمانوں کو ہمیشہ بھلائی کی سفارش کرنی چاہئے  
یا بھی تجتہ و سلام کرنے کی تاکید

۳۹۳ { انصاف میں نصب کا دخل نہ ہونا چاہئے  
تا پسندیدہ باتوں کے لئے

۳۹۶-۳۹۵ { خفیہ شوروں کی ممانعت  
اپنے گناہ و دوسروں پر تھوپنے کا اخلاقی اثر

۳۹۶ { بخوبی صرف نیک مقاصد کے لئے جائز ہے  
تنگ دلی سے پرہیز کی تلقین

۴۰۲ { اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ  
گواہی دینے کی تلقین

۴۰۵-۴۰۹ { انصاف کے علمبردار بنو  
بدگوئی کی ممانعت

۴۱۳ { بُرائی کے جوہر میں بھلائی کرنے  
یا کم از کم درگزر کرنے کی تلقین

۴۱۳ { راستی پر قائم رہنے والے بنو  
حد و حد اللہ سے تجاوز نہ کرو

۴۱۹ { اللہ کو بھروسہ رکھو

غیر دل کو ذوق اور راز دار بنانے کی ممانعت ۴۱۱-۴۱۰  
سو خوری اور انفاق سے دو الگ الگ

۴۱۱ { قسم کی سیرتیں مٹی ہیں  
غلطی کے بعد فوراً تادم ہونے اور اصلاح کرنے کی  
روش ۲۸۹-۳۶۸-۳۹۵

۴۸۹ { عزم و ہمت ایمان کے لازمی اوصاف ہیں  
اخلاقیات اسلامی کا فیصلہ کن سوال ۲۹۲  
باطل کے مقابلہ میں ثابت قدمی کی تلقین ۲۹۳

۳۱۳-۳۹۳ { حرص اور لالچہ کے اخلاقی مقاصد پر تبصرہ ۲۹۴  
اصد کی جنگ میں شکست اخلاقی  
مکر دیوں کا نتیجہ بھی

۲۹۶ { حق کے لئے جان قربانی کا جذبہ ۲۹۸-۳۱۳  
بنی پرستوں غظن کی ممانعت ۲۹۹  
خیانت کا اثر دی انجام ۲۹۹

۳۰۰ { اللہ کی رضا چاہنے والے اور اللہ کے غضب  
میں گھر جانے والے کیساں نہیں ہو سکتے  
خوشحال آدمی کی کجوسی مکروہ ہے ۳۰۶-۳۵۲

۳۵۲ { اشتغال انگیزی کے جواب میں صبر و صفا ترسی  
پر قائم رہنا جو صلہ نیکوگوں کا کام ہے ۳۰۹

۳۱۹ { یتیموں کے اسوا میں امانت داری کی تاکید  
تقسیم وراثت کے وقت وسعت  
قلب کا مظاہرہ ۳۲۳-۳۲۵

۳۲۹ { وصیت میں حق تلفی کی ممانعت  
زوحین کو بخل طریق سے زندگی  
بسر کرنے کی تاکید ۳۳۴-۳۳۵

۳۳۵ { اپنے آپ کو قتل نہ کرو تین مہوم ۳۳۵

## ازداد

- دنیا و آخرت میں تمام اعمال کو بر باد کرنے والا گناہ ۱۶۶
- یہود کا ایمان لانے کے بعد کفر کرنا اور اس کا دہاں ۲۷۱
- فحش ایمان پاکیزہ کفران کرنے کا انجام ۲۷۸
- کفر و ایمان کو کھیل بنالینا ۳۰۷
- ازدواجی زندگی**
- انسانی تمدن میں ازدواجی زندگی کی اہمیت ۹۹
- ازدواجی تعلق کی نوعیت ۱۳۵ - ۱۶۹
- ازدواجی زندگی کے آداب ۱۶۹ - ۱۷۰
- مہر کے معاملہ میں زوجین کو فیاضانہ بننا کی تلقین ۱۸۱
- بیویوں کو نان نفقہ کے لئے وصیت کرنے کا حکم ۱۸۳
- تعدد ازدواج کی صورت میں {
- بیویوں کے درمیان عدل کا حکم ۳۲۰ - ۳۰۲
- تعدد ازدواج پر قیود ۳۲۲
- بیوی کا مہر عاف کرنا ۳۲۲
- ازدواجی تعلق کو میرے بھانا ۳۳۳
- مہر میں حق باری کے لئے خورتوں کو تنگ نہ کیا جائے ۳۳۳
- طلاق بالکل آخری چارہ کار ہے ۳۳۳
- اسلامی معاشرت میں مرد کی قوامیت ۳۳۹
- عورت کا نشو و نما ۳۳۹
- بہترین بیوی کی صفات ۳۳۹
- شوہر کی اطاعت کی حد ۳۳۹
- مرد پر عورت کے نفقہ کی ذمہ داری ۳۳۹
- زوجین کے اصلاح تعلقات کے لئے {
- شافعی کا طریقہ ۳۵۰
- نشو و نما کی صورت میں عورت کی سرزنش کی آخری حد ۲۵۰
- زوجین کے لئے بھائی سے مصالحت بہتر ہے ۳۰۲

- مقدمات میں انصاف کی تلقین ۳۷۲
- بھلائیوں میں مسابقت کرو ۳۷۸
- اسراف سے بچنے کا اشارہ ۳۹۹
- شراب کی حرمت ۵۰۱
- جوئے کی حرمت ۵۰۱
- فضول سوالات کی ممانعت ۵۰۴ - ۵۰۸
- دوسروں کے معبودوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت ۵۱۰
- کھانگن ہوں سے بھی بچو اور پیچھے گناہوں سے بھی ۵۱۷
- فوٹاش کے قریب نہ پیچھو ۵۹۹
- انسانی جان کا احترام کیا جائے ۵۹۹
- ناپ تول پورا رکھنے کی تاکید ۶۰۰
- بات انصاف کے ساتھ کہو ۶۰۰
- ”عبداللہ“ کو پورا کرو
- آدم** ۱۷ - ۶۳ - ۶۴
- جنت میں ان کا امتحان اور اس کا مقصد ۶۶
- جنت سے اخراج ۶۷
- ان کی توبہ ۶۷
- توبہ قبول ہونے کے باوجود جنت کیوں کماے گئے ۶۸
- جنت سے رخصت کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ۶۸
- آپ سے حضرت عیسیٰ کی درخشیم ۲۵۹
- آپ کے دو بیٹوں کا بیعت ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳
- ار**
- حضرت ابراہیمؑ کا وطن ۵۵۳
- اس کی آبادی کی طبقاتی تقسیم ۵۵۳
- اس کا شہر کاہن {
- نظام فکر ۵۵۳ - ۵۵۵
- زور ابراہیمی کا شاہی خاندان ۵۵۵



- پیروں کے درمیان بدل کے برتاؤ کی حد ۴۰۲  
— زمین باہم تنگ دلی سے ہٹاؤ نہ کریں ۴۰۲  
— پیروں کو سبق نہ گھنٹی کی صافست ۴۰۲  
(نیز دیکھو: اہل، علی، رفاقت، طلاق،  
ہفت، فقر، نکاح)  
آزلام۔ (دیکھو: "جہاد")  
آزمائش  
— قرآن ہدیہ آزمائش ۱۷۰  
— سلام حق میں آزمائش مانگیں ۱۳۶-۱۳۷-۲۰۸  
۵۵۳  
— انسان کی ذہنی زندگی سرسبز آزمائش ہے ۱۶۰-۱۶۱  
۶۰۵  
— آزمائش کے لیے ہر فرد جب کے قائم رہنے کی اہمیت  
۱۶۰-۱۶۱-۵۲۵-۵۲۶  
— مریض اب دیکھا کہ آزمائش برتا ۲۳۸  
— غصہ دایمان حق کھینچنے کا ذریعہ ۲۹۰  
— دلوں کے کھوٹ بھانسنے کے لیے ضروری ہے ۲۹۵  
— اُحد کی ہزیمت عربین و منافقین کی ۲۰۱  
چھٹائی کا ذریعہ بنی  
— آزمائش کے معاملہ میں مہر و نفی کی حرمت ۲۰۹  
— اخلاص شریعت میں آدمی کا امتحان ۴۷۸  
— حق و باطل کی کشمکش میں آزمائش ۵۲۹  
— غلبہ نہ کرنے کے لیے تہذیبی تدابیر ۵۳۰  
— غریبوں کی آزمائش کی آفت ۵۳۰  
— غریبوں کی ایمان پر بہت بڑے لوگوں ۵۳۲  
— کسے آزمائش بنا دی گئی  
— قرآن اپنے غافلین کے لیے آزمائش بن گیا ہے ۵۶۹
- انسان کی آزمائش کا دار و مدار ۵۵۰  
اس کی آزمائش و اختیار پر ہے  
— حالت آزمائش کے خاتمے پر ایمان نہ لایا ہے ۶۰۴  
اسلام  
— اس کی تشریح ۱۵-۱۱۲-۲۶۰-۳۶۴-۴۰۰-۵۵۱  
— اصل دین اسلام تھا اللہ سے ہے ۱۵-۱۹  
— قادیان کے سرخ ہونے سے ہے  
— اسلامی تہذیب کے اصول ۴۲  
— قبول اسلام کی ابتدائی قاری علامات ۱۳۴  
— اس کی علامات کے نظام افہام کی سادگی ۱۳۵  
— جنت میں اس کے تحت آجائے کا مطالبہ ۱۵۹-۱۶۰  
— اس کا سادہ شوق ۲۰۲-۲۰۳  
— اسلامی عقائد اور اسلامی طرز عمل کا خلاصہ ۲۲۴  
— اس کے برحق ہونے کے دلائل ۲۲۴-۲۲۵-۲۶۰  
— اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے ۲۳۹-۲۴۲  
— تمام انبیاء کا دین اسلام تھا ۲۴۰  
— اس کے تین بنیادی نکات ۲۵۳  
— وہی ایک دین حق ہے ۲۶۰  
— اسلام کے سماجی اور دینی حقائق اور روش خداوندی قبول نہ ہوگی ۲۶۰  
— مخالفین کے اعتراضات احادیث کے جوابات ۲۶۲-۲۶۳  
— اسلامی شریعت انسان کی بھلائی کے لیے ہے ۳۴۶  
— حقیقت و سبب سے آگے بڑھ کر اس کا ریاست بنانا ۳۵۵  
— اسلام کو قبول کرنے کا مطلب ۴۴۴  
— شریعت اسلام کے احکام تنگی ۴۴۸  
— پیدا کرنے والے نہیں ہیں  
— اس کے مقابل میں جاہلیت کی اصطلاح ۴۵۹

## اشہر مضمون

— اُن کی حقیقت ۱۵۲

— یہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے تقریباً ۱۵۲

— واقعہ نظر ۱۶۳ - ۱۶۵

— اشہر حرم میں جنگ ۱۶۳ - ۱۶۵

— اشہر حرم کا احترام کیا جائے ۳۳۸

## اصحابِ الشہادت

— اُن کے زندہ بنائے جانے کا واقعہ ۸۴

— اُن کے زندہ بنائے جانے کا مطلب ۸۴

## اصحابِ حق - ۷۱۰

## اصطلاح - ۱۱۶

## اضطرار

— اس حالت میں اہل حرام کی اجازت اور اس کی شرطیں -

— ۱۳۵ - ۳۴۳ - ۵۶۶ - ۵۹۲

## اعتراف

— بیرونی سے شبِ باطنی کی ممانعت ۱۳۶ - ۱۳۷

## اقامتِ دین

— اللہ کی مدد کرنے کا مفہوم ۲۵۶

— امر بالمعروف اور نہی عن المنکر موجبِ قہر ہے ۲۶۸

— سلا لہذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

— کی ذمہ داری بہ حیثیتِ غیر امت ۲۶۹

— ایمان کا تقاضا ۲۸۱

— اہل کتاب پر اقامتِ قرآنہ و انجیل کی ذمہ داری ۳۸۶

— حکایتِ کثرۃ اُفک کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

— ۵۱ - { نہی عن المنکر کی ذمہ داری کی نفی نہیں کرتا

— اقامتِ دین کے لیے ملامت ناگزیر ہے ۵۶۳

— اقامتِ مصلوۃ - (دیکھو ترازو)

— اسلام کی مستقبل کی گامیابوں { ۵۲۳

— کے بارے میں پیشگی اشارہ

— اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا { ۵۶۹

— سینہ اسلام کے لیے کھل دیتا ہے

— جملہ شرعی امور میں کیا اصولی پابندیاں ماننے کی گئی ہیں؟

— ۵۹۶ - ۵۹۸ - ۵۹۹

— دین میں نیزہ سے پاکسو ۶۰۵

— ایمان و ایمانیت کا طریقہ ہے ۶۰۵

## اسلامی ریاست

— اس کے دستور کی قوانین دفعہ { ۳۶۳ - ۳۶۴

— اور اس کی تفصیلات

— دہلی الام ۳۶۳ - ۳۶۵ - ۳۶۶

— اسلامی ریاست اور اوقاتِ مصلوۃ ۳۶۵ - ۳۶۶

— اس کے لیے آخری سند ۳۶۵

— حکومت اور حرام کی نزاع کا حل ۳۶۵

— امیر ہی کو امامِ مصلوۃ بھی چونا چاہیے ۳۶۱

— مدینہ کی اسلامی ریاست کی دست { ۳۳۵

— مشہور اور مشہور میں

— نظامِ اسلامی سے مہادت کی سزا ۳۶۵

— شریعت کی بندشِ اسلامی حکومت کے فرائض میں ہے ۵۰۲

## اسلامی نظامِ جماعت

— امارت کے اوصاف ۲۶۸

— شوریٰ کی اجتناب ۲۶۸

— نظامِ مسجودات ۳۶۳ - ۳۶۴

— افواجیں پہیلے کا مفہوم ۳۶۶

## آسمان

— سات آسمانوں کا مطلب ۶۱ -

— اسلام تمام انبیاء کا دین تھا ۱۱۳-۱۱۲-۲۲۸-۲۲۹

۲۶۰-۲۶۳

— سب انبیاء پر ایمان ۵ تا ضروری ہے ۱۱۵-۱۱۶-۲۲۳

+ ۲۶۰

— ان کے درمیان تفریق ذکر کرنے کا مطلب ۱۱۶

— ابراہیمؑ، اسمعیلؑ، اسحقؑ، یعقوبؑ اور  
ادولہ و یوسفؑ اور ان کے بھائی ۱۱۶

— ان کی بیعت کی غرض ۱۰۶-۳۲۵

— دعوت حق کے لیے ان کی جدوجہد ۱۶۳

— ان کے مراتب ۱۹۲

— ان کو ایمان بالشانہ سے سرفراز کیا جاتا ہے ۲۰۲

— ان کا کام اہل ان کی حیثیت ۲۰۹

— ان کی ہدایت پر ان کا ایمان ۱۲۳

— ان کی ذمہ داری ۲۴۱

— ان کی اطاعت کے ساتھ ان کی اطاعت کا مطالبہ ۲۳۵

— آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کا احاطہ  
کے لیے منتخب کیا جاتا اور ان کا ساری دنیا پر  
ترجیح پانا

— یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے ۲۴۶

— ان سب کی دعوت کے تین نکات ۲۵۳

— وہ خدا کی بندگی کے بجائے اپنی بندگی  
کی دعوت نہیں دے سکتے ۲۶۶

— ان سے شرک کی تعلیم منسوب نہیں کی جا سکتی ۲۶۸

— وہ محمدؐ پر ایمان لائے ۲۶۸-۲۶۹

— کوئی نئی خان نہیں ہو سکتا ۲۶۹

— بکثرت انبیاء کو جنسا جاتا رہا ۳۰۸-۵۲۴

— ان نے ایک ہی قوانین پیش کیے ۲۴۳

الیاس علیہ السلام

— ان کی منقولہ جملہ روایں ۸۱

امامت

— یہ ابراہیمؑ کے فلسفے کی میراث نہیں بلکہ  
پہلی اطاعت و فرمانبرداری کا پھل ہے ۱۰۹

— امامت کے منصب پر بنی اسرائیل کی سرورلی ۱۰۹

— تہذیبی امامت اور قریش قبلہ ۱۰۹

— امامت کا طریقہ کرشمہ کی سکتی ۱۱۰

— امامت ماحولہ ہدایت دین کے استحقاق پر فرق ۱۱۱

— مشرکین قریش پر بنی اسرائیل کی طوع  
حق امامت سے مستثنیٰ کر دیے گئے ۱۱۱

— امت محمدیہ کی امامت کا اعلان ۱۱۹-۲۶۹

— اس کے لیے لفظ "نعت" کا استعمال ۱۲۵

— مسلمانوں کو منصب دیتے ہوئے اولین ہدایات جو

دی گئیں ۱۲۶-۱۲۷

— اس کے لیے ملک عظیم کے لفظ کا استعمال ۳۶۱

امتحان (دیکھو: آزمائش)

اُتمت و سَط

— اقوام عالم کی صدارت کا منصب ۱۱۹

— اُتمت و سَط کے اوصاف ۱۱۹

— اس منصب کی پاسداری کرنے کی اہمیت ۱۶۶

امر بالمعروف ونہی عن المنکر (دیکھو: اقامت دین)

انبیاء

— ان کی باتوں کا پچاؤ ۲۸۵-۲۸۶

— ان کی مخالفت کفر ہے ۹۶

— محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ دہی ہے جو سابق انبیاء کا

تھا ۱۰۹-۲۲۸

انجیل	۵۱۲-۲۵۲
— خدا کی طرف سے ہدایت دینے والی کتاب ۲۳۱	— ان کی تافرائی کا اخروی انجام ۲۵۲-۵۲۶
— رہنمائی اور روشنی کا سرچشمہ تھی ۲۷۵	— اطاعت رسول کی دستوری و شرعی اہمیت ۳۶۳
— توراۃ کے باقی کی مصدق ۲۷۵	— یہ سب انہوں نے "سطلع" میں کر گئے ہیں ۳۶۸
— قرآن کس انجیل کی تصدیق کرتا ہے ۲۳۲	— انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین { ۲۷۰
انسان ۶۲-۶۹	کی باہمی رفاقت
— کائنات میں اُس کی حیثیت ۱۶-۶۲-۱۹۳-۱۹۳	— ان میں تفریق کفر ہے ۳۱۳
— اللہ سے اس کے تعلق کی نوعیت ۱۷	— قرآن میں سادہ انبیاء کا تذکرہ نہیں ۳۷۵
— اس کی دنیوی زندگی کی حقیقت ۱۶-۱۹۰-۲۰۸-	— ان کی بعثت بندوں پر تمام امت ہے ۲۲۶-۵۸۲
۲۹۲-۳۰۹-۵۳۲	— سارا انجیل کو واضح کرنے آئے ۳۵۳
— دنیا میں اُس کے لیے معجہ روئے کیا ہے ۱۷	— یہ سب باہم تردید کرتے والے نہیں ۳۷۵
— اُس کے معجہ روئے کا انجام ۱۷	— بلکہ تصدیق کرنے والے تھے { ۳۷۵
— اُس کے غلط رویہ کا انجام ۱۷	— بکثرت انبیاء کا مذاق اڑایا گیا ہے ۵۲۶
— زمین پر اس کی زندگی کا آغاز جہالت کی تاریکی میں نہیں	— ان کا ذہن پر مہر کرتا ۵۳۳
بلکہ علم کی روشنی میں ہوتا ۱۷-۶۸-۱۶۲	— ان کی آمد پر نزول مصائب کی حکمت ۵۳۰
— اس کا اہل مذہب اسلام تھا ۱۷	— ان کا نیک کردار ان کے لیے شیر { ۵۳۱
— اس کے اسلام سے ہٹ کر دوسرے	اور بدکرداروں کے لیے ذریعہ ہوتا
مذہب میں ہٹ کر جانے کے وجوہ { ۱۷	— ان کے طریقے سے ہٹ کر چلنا خلاف ہے ۵۵۳
— اُس کا آغاز کس طرح شروع ہوا ۱۸	— سب کے سب صالح تھے ۵۶۱
— اُس کی اصل ۶۲-۳۱۹	— اللہ نے ان کو دنیا پر فضیلت دی ۵۶۱
— اس کی خلافت پر فرشتوں کے { ۶۲-۶۲	— اُن کا شرک سے پاک ہونا ۵۶۱
اعتراف کی حقیقت	— اُن کے لیے کتاب، حکم اور نبوت کے سرگزشت عملیات ۵۶۱
— اس کو کس نوعیت کا علم دیا گیا ہے ۶۳	— اُن پر وہی آنے کے لیے چار دلیلیں ۵۶۳
— انسانی خلافت کی حقیقت ۶۳	— اُن کی دعوت سے شیاطین { ۵۶۳-۵۶۳
— اُس کے اولیٰ گنہگار ہونے کا غلط تصور ۶۸	جن دافس کی دشمنی
— اُس کی نجات اور پاک کا ملائکس چیز ہے ۶۸-۱۹۰	— اسی قوم سے اٹھائے جاتے ہیں { ۵۸۱
— اُس کی نجات کا ملائکس چیز ہے ۸۲-۱۱۸	جس میں کہہ دعوت دیتے ہیں {

۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷

- ۵۸۰- اس کا شیا طین کے ہاتھوں میں کھینکا
- ۵۸۱- خدا کی اطاعت میں اس کا اپنا فائدہ چھوڑ
- ۵۸۲- اس کی نافرمانی میں اس کا اپنا نقصان ہے
- ۵۸۳- اس کے لیے سامان ہدایت فراہم کرنا
- ۵۸۴- اللہ کی ہر بات ہے
- ۵۸۵- اللہ کے ہاں انسان کے مختلف درجات لحاظ مل
- ۵۸۶- خدا نے فرشتوں کی طرح انسان کو
- ۵۹۰- پیدا کرنا مست رو نہیں بنایا ہے
- ۶۰۰- اس کا اپنے خدا سے نظری ہمد
- ۶۰۱- اس پر فطرانہ خدا کے حقوق ماند جوتے ہیں
- ۶۰۲- اس کے لیے خدا کی ہدایت کی اہمیت
- ۶۰۳- نوح انسان کا متقام مگر ہوں میں تقسیم ہونا
- ۶۰۴- اس کی دنیوی زندگی کے تعلق میں اہم حقیقتیں

### الانعام الثانی

- ۶۰۵- حقیقی اور ظاہری انعامات کا فرق
- ۶۰۶- اللہ کی نعمت کو شقاوت سے بدلنے کی سزا
- ۶۰۷- انبیاء متدقیقین شہداء اور صالحین کا انعام یافتہ ہونا
- ۶۰۸- وہ اطاعت خدا اور رسول سے شروط ہے
- ۶۰۹- نعمت تمام کرنے کا خدوم
- ۶۱۰- بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات

### اتفاق فی سبیل اللہ

- ۶۱۱- نظام دین میں اتفاق کی اہمیت
- ۶۱۲- اتفاق فی سبیل اللہ کے راستے
- ۶۱۳- اس سے باز رہنا اجتماعی ہلاکت کا موجب ہے
- ۶۱۴- کیا خرچ کیا جائے اور کن معاصرت میں کیا جائے
- ۶۱۵- بہتوں کے خرچ کرنے کا مکمل

- ۶۱۶- باد اوقات انسان کا مکمل دوسرے نتائج کو عادی
- ۶۱۷- نہ ہونے کی وجہ سے حکام کے مسلک کو نہیں بھرتا
- ۶۱۸- خدا کے سامنے اس کی ذمہ داری
- ۶۱۹- حسب استطاعت ہے
- ۶۲۰- انسانی مساوات کا اسلامی تصور
- ۶۲۱- شریعت میں انسانی کمزوریوں کا لحاظ
- ۶۲۲- اس کی اجتماعی زندگی میں نظری نامساوات
- ۶۲۳- اس کے مسائل کی پیچیدگیاں
- ۶۲۴- اس کی کمزوریاں
- ۶۲۵- انسانی تاریخ کا عدم توازن
- ۶۲۶- اس کی فطرت اور راست کی طالب ہے
- ۶۲۷- اس کی تباہی کے تعلق میں اس کا غلط نظریہ
- ۶۲۸- تاریخ انسانی میں پسند و اقدار قتل
- ۶۲۹- اس کے بقا و اس کے لیے احترام جان کی اہمیت
- ۶۳۰- اس کی زندگی میں حق و باطل کی کشمکش
- ۶۳۱- انسانی قوموں اور معاشرہ کے بگاڑ کا طریقہ
- ۶۳۲- اس کے لیے صحیح معیار قدرت و قیمت
- ۶۳۳- اس کا جسم ارضی اجرام پر مشتمل ہے
- ۶۳۴- حق کو رد کر کے انسان اپنی ہی تباہی کا سامان کرتا ہے
- ۶۳۵- اس کا اصل ٹھکانا عالم آخرت میں ہے
- ۶۳۶- اس کے لیے شہادت کا نظام ہدایت و ضلالت
- ۶۳۷- اس کی دو جہتی قسمیں
- ۶۳۸- اس کے نفس میں توحید کی شہادت
- ۶۳۹- ہر ذیل انسانی ایک ہی متنفس سے پیدا ہوتی ہے
- ۶۴۰- اس کی تخلیق اور افزائش نسل میں سماجی حقیقت
- ۶۴۱- آزادی و اختیار میں اس کی آزمائش ہے
- ۶۴۲- اس کا مکمل سے ہٹ کر قیاس آرائی میں مبتلا ہونا

- ان کے بارے میں حدیث نبوی کی تصریحات ۳۶۲-۳۶۵
- طہار و مشائخ کی ذمہ داریاں ۳۸۴
- اولام جاہلیت**
- چاند کی حرکات سے شگون لینا ۱۳۸
- حج سے لڑتے ہوئے گھروں میں داخل ہونے کا غیر منقول طریقہ ۱۳۸-۱۳۹
- ایک سفر میں حج دعوہ کرنے کو نہ سمجھا جاتا تھا ۱۵۵
- سفر حج میں کسب معاش کو منوع { ۱۵۶ }  
اور دنیا دارانہ فعل سمجھنا
- حج کے خاتمے پر شرکین کا بھرے محلوں میں اپنے باپ دادا کے کارنامے بیان کرنا { ۱۵۷ }  
حالت جیغ کے متعلق غلط تصورات ۳۳۵
- منہ پر لے رشتوں کے لیے میراث میں حصہ ۳۳۸
- ڈونڈوں و ٹکھوں وغالی گیریں اور { ۳۳۲-۳۵۹ }  
شگونیوں کا رواج
- مشرکانہ عقائد کے تحت جانوروں کے کان چیر کر ان کو دو تاروں کے نام پر پھینکنا { ۳۹۸ }  
— بھیرہ، سائبہ، وحیدہ اور عام ۵۰۹
- فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا ۵۶۸
- مشرکانہ عقائد اور غیر اللہ کے بچے نذر دینا کی رسوم ۵۸۳
- ۵۸۹-۵۸۵
- قتل اولاد ۵۸۵-۵۸۶-۵۸۸
- اولام جاہلیت کی اصل جڑ ۵۸۵
- عقلت و عمرت کے مشرکانہ دینی تصورات ۵۸۸
- عربوں کے مشرکانہ توہمات کا تجزیہ کرنے کے لیے قرآن کا ایک اہم سوال

- اللہ کو قرض حسن دینے کا مفہوم ۱۸۵-۳۵۱
- اللہ کی لادہیں غرق کیے ہوئے مال کا پھلنا پھولنا ۲۰۲-۲۰۵
- یہ آخرت میں زندہ نہات ہوگا ۱۹۳
- اس کے لیے حسین یدران ۲۰۲
- اتفاق من وادنی سے پاک ہونا چاہیے ۲۰۳
- یہ اکابرانہ اتفاق کا اتمام ۲۰۴-۲۰۶-۳۵۲
- اچھے مال کا مطالبہ ۲۰۶
- ملائکہ بھی کیا جائے اور اشخاص کے ساتھ بھی ۲۰۸-۲۱۰
- برائیوں کو دور کرنے کا دویہ ۲۰۸
- اس میں انسان کا اپنا بھلا ہے ۲۰۹
- غیر مسلموں کی اطاعت ۲۰۹
- مالی اطاعت کے سب سے زیادہ سختی کن لوگ ہیں ۲۱۰
- اس کے اخلاقی، روحانی، معاشی اور تمدنی فوائد { ۲۱۳-۲۱۶ }
- شہر کے اخلاقی، روحانی، معاشی اور تمدنی نتائج سے اس کا موازنہ { ۲۱۳-۲۱۶ }
- غنی کے حدود و سبب کی کئی ۲۷۲
- عزیز ترین اموال خرچ کرنے کا مطالبہ ۲۷۲
- بخشش کا اخروی انجام ۳۰۶
- مخالفین کی زیادتیوں پر مشتمل ہو کر { ۳۳۰ }  
تادوا زیادتیاں نہ کرو
- حد درجہ بظہر کفارہ ۳۷۴-۵۰۰

## اولی الامر

- ان کی طاعت کا درجہ ۳۶۴
- اس اصطلاح کا صحیح مفہوم ۳۶۴
- ان کی طاعت شرط ہے ۳۶۴

## اہل کتاب

- ان کا زہم باطل کہ نہایت انہی کا بھروسہ ہے۔ ۱۰۳  
 — ان کی غلط فہمیاں ۱۰۳  
 — ان کے مفید کردہ کاروبار ۱۰۶  
 — ان کے صالحین کا رویہ ۱۰۷ - ۲۸۰ - ۳۱۳  
 — ان کے علماء کی حق پرستی ۱۱۸ - ۱۲۳  
 — ان کے علماء کی فرقہ بندی ۱۱۸  
 — جانتے پر جتنے حق کی مخالفت ۱۲۲  
 — ان کے کارنامے ۲۴۱  
 — ان کے علماء کی حالت ۲۴۲ - ۳۵۶ - ۳۸۳  
 — ان کے مذہبی و اخلاقی جرائم ۲۴۲  
 — ان کو دعوت کس چیز کی دی جاتی تھی ۲۴۲ - ۳۵۸  
 — آخرت کے مقلین ان کے عقیدے کی خرابی ۲۴۲  
 — ان کی کج بھینوں پر گرفت ۲۴۲  
 — ان کا آیات انہی سے انکار ۲۶۳  
 — دعوت اسلامی کے خلاف ان کی چال بازی ۲۶۳  
 — مسلمانوں کو ان سے تکلیف دہ باتیں سننی چاہی گی ۳۰۹  
 — ان کا اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈالنا ۳۰۹ - ۳۱۰  
 — اور اسے جینا ۳۱۰  
 — ان کی منقبت پسندیاں ۳۱۰  
 — ان میں سے قرآن پر بہانہ لانے والوں ۳۱۳  
 — کے لیے دو برابر اجر ۳۱۳  
 — ان کا زہم پاکیزگی و تقویٰ ۳۵۹  
 — ان کا نال گیریوں اور ڈونے ڈنگوں سے چسپی لینا ۳۵۹  
 — نبی صلعم سے ان کا متفقہ انجیز مطالبہ ۳۱۵  
 — ان کا کھلی نشانیاں دیکھنے کے بعد شرک کرنا ۳۱۵  
 — ان کا دین میں غلو ۳۲۷ - ۳۹۱

- مسلمانوں کے لیے اہل کتاب کے ذبیحے کی حالت ۳۴۶  
 — مسلمانوں کے لیے اہل کتاب کی حدود ۳۴۶ {  
 سے نکاح کی اجازت  
 — ان پر بیعت محمدی کے ذریعے اتمام حجت ۳۵۸  
 — ان کا اذان کا مذاق اڑانا ۳۸۳  
 — ان پر اقامت قراۃ و انجیل کی ذمہ داری ۳۸۶  
 — ان کی اکثریت کا بدلہ مل جوتا ۳۸۷  
 — اقامت قراۃ و انجیل کے بغیر اللہ کے نزدیک ۳۸۷ {  
 ان کی دینداری کا دعویٰ بے معنی ہے  
 — قرآن کا دعویٰ کہ اہل کتاب کتاب توحید ۵۲۹ {  
 کی صداقت کو خوب پہچانتے ہیں  
 — مذہبی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ۵۲۹ {  
 اہل عرب کا ان کی طرف رجوع  
 — قرآن کا دعویٰ کہ اہل کتاب قرآن کا ۵۷۵ {  
 اللہ کی طرف سے ہونا خوب جانتے ہیں  
 آیات تمسق (دیکھو: ج)  
 آیت - آیات  
 — حفظ آیت کے معنی ۶۹  
 — آیات کتاب کی دو قسمیں ۲۳۳ - ۲۳۵  
 — آیات انہی کا لفظ کن کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۶۹ - ۵۳۰ - ۶۰۳  
 — عقل سے کام لینے والوں کے لیے ہر طرف آیات ہی ۶۰۳  
 — آیات موجود ہیں ۱۳۰ - ۳۱۱ - ۵۲۷ - ۵۳۸  
 — آیات انہی سے انکار کا انجام مذاب ہے ۲۳۳  
 ۲۳۹ - ۳۹۱ - ۴۹۸ - ۵۴۱ - ۵۶۵  
 — آیات انہی فلاح تک پہنچانے والے ۶۷۷ {  
 میدان سے راستے کو واضح کرتی ہیں

۴۶۰ - ۴۵۰ - ۴۴۹ - ۴۳۸ - ۴۲۴  
 ۴۸۳ - ۴۸۲ - ۴۸۱ - ۴۸۰ - ۴۶۶  
 ۵۰۱ - ۵۰۳ - ۵۰۶ - ۵۰۷  
 - اہل ایمان کی صفات و علامات ۱۳۷ - ۲۳۸ -  
 ۳۹۷ - ۴۴۷ +  
 - "ایمان باندہ" کے لیے مقرر بالاعانہ کی اہمیت ۱۹۶  
 - ایمان کے جو تہہ جو تہہ نے اہل ایمان کی طلب ۲۰۱  
 - ریا ایمان باندہ اور ایمان بالآخرہ کی ضد ہے ۲۰۴  
 - ایمانیات کی تفصیل ۲۲۳ - ۲۶۰ - ۴۰۶  
 - اس کا لازمی معنی و طاعت ہے ۲۲۳ - ۳۶۶  
 - ایمان لانے والوں کا طرز فکر ۲۳۵  
 - اہل ایمان کا فرد کو ہر دم و ہر اہواز ۲۴۳ - ۳۸۰  
 نہ بنائیں  
 - اُس کے نتائج ۲۸۹ - ۳۰۲  
 - رومن کا ایمان مخالفوں کے مقابلے ۳۰۳  
 میں اور بڑھتا ہے  
 - اللہ کے سوا کسی اور سے نہ ڈرنا ۳۰۴  
 شرط ایمان ہے  
 - ایمان کی آزمائش ضروری ہے ۳۰۵  
 - امورِ غیب کی حد تک خدا اور رسول پر ۳۰۶  
 ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں  
 - مسلمانوں کے خارج کے لیے ۳۲۱  
 حقیقی و جہانمیان ایمان ہے  
 - رسول کو جملہ معاملات میں حکم ماننا شرط ایمان ہے ۳۶۸  
 - اہل ایمان صرف اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں ۳۷۳  
 - طاقت کی راہ میں لڑنا منافی ایمان ہے ۳۷۳  
 - کرمی کے ضد پانچ ایمان کے تقاضوں سے نفرت

- اس سے کیسے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ۳۱۱  
 - آیاتِ الہی کی مجموعی شہادت کیا ہے ۳۱۱  
 - آیاتِ الہی کے خلاف جہاں کفر کا جارحانہ دواں  
 ایک مسلمان کا رویہ کیا ہو ۳۰۸ - ۳۰۹  
 - جو لوگ آیاتِ الہی سے اعراض کرتے ہیں ۵۲۳  
 وہی حق کو جھٹلاتے ہیں  
 - حضرت ابراہیم کا آیاتِ الہی سے استفادہ ۵۵۳  
 - آیاتِ الہی سے صحیح استفادہ صرف ۵۶۶  
 سمجھ و جہد رکھنے والے ہی کر سکتے ہیں  
 - آیاتِ الہی سے صحیح استفادہ اہل ایمان ہی ۵۶۷  
 کر سکتے ہیں  
 - آیاتِ قرآنی میں صرف کلام کا مطلب ۵۶۹  
 - ان کو جھٹلانے والوں کے پیچھے چلنے کی ممانعت ۵۹۷

## ایضاح:

- اس کا مفہوم حیثیت شرعی اصطلاح ۱۷۱

- اس کے احکام ۱۷۱ تا ۱۷۳

## ایمان

- اس کے ساتھ عمل صالح کا تعلق ۵۸ - ۹۰

- کتاب اللہ کو بالکلہ ماننا ۹۱

- وہ کام جو اہل ایمان کو نہ کرنے چاہئیں ۱۰۰ - ۱۰۲

- تمام انبیاء کی تعلیم پر ایمان لانے کا مطالبہ ۱۱۵ - ۲۷۰

- ۴۱۴

- اس کے تقاضے ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۶۶ - ۱۶۹

- ۱۷۳ - ۱۷۸ - ۱۹۳ - ۲۰۲ - ۲۲۵ - ۲۴۴

- ۲۶۱ - ۲۷۸ - ۲۸۷ - ۲۹۰ - ۲۹۷ - ۲۹۹

- ۳۴۵ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۶۳ - ۳۶۶

- ۳۷۳ - ۳۸۲ - ۳۸۴ - ۴۰۵ - ۴۱۱



- افتیاری ایمان مطلوب ہے ۵۳۶-۵۳۷  
— دنیا و آخرت میں یہ خوف اور ڈر { ۵۴۱  
سے پکانے کا وسیلہ ہے  
— اہل ایمان کے ساتھ نبی مسلم کو کس { ۵۴۲  
طرز عمل کی ہدایت کی گئی  
— اہل ایمان کے لیے ہی دنیا اور { ۵۵۹  
آخرت میں حقیقی امن ہے  
— ایمان کو ظلم سے آلودہ کرنے کا مطلب ۵۵۹  
— ایمان معرفت حقیقت کی کچی ہے ۵۶۷  
— منکرین کو سمجھوں سے ایمان حاصل نہیں ہوتا ۵۷۱  
— کیسے لوگ ایمان سے محروم رہتے ہیں ۵۷۲  
— ایمان نہ ہونے والوں پر ان کی ناپاکی کا سلسلہ ہونا ۵۸۰

## ب

## باطل

- کائنات باطل کے فروغ کے لیے نہیں بنائی گئی ۵۵۱

## بائبل

- حضرت یقرب کی وصیت کا اس میں کوئی ذکر نہیں ۱۱۳  
— سمجھیں نبی اور طاوت کی ہادشاہت کے بارے میں  
اس کا بیان ۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷  
— تاوت مکینہ کے بارے میں اس کا بیان ۱۸۹  
— ہیریم سے فرود کے بلاش کے تعلق { ۱۹۸  
بائبل غارش ہے  
— بائبل کی حقیقت ۲۳۷  
— "پماڑی کا وعظ" ۲۵۳  
— اس میں دعوت عیسوی کے آثار ۲۵۵  
— اس میں مسیحی قربانی کا ذکر ۳۰۷-۳۰۸  
— کلام حق میں انسانی آئینہ ۳۲۳

## کرنے والوں کا انجام

- اہل ایمان سے مطالبات ۳۰۵  
— اہل ایمان کو انصاف کا طبر راہ پر چاہیے ۳۰۶  
— ایمان لانے کے دو منہوم ۳۰۷  
— مومنوں میں شامل دوسرے ہر اپنے { ۳۱۲  
دیں کو اللہ کے لیے فانی کرے  
— فکر اور ایمان کا تعلق ۳۱۲  
— عیسیٰ کے ساتھ ضروری بندشوں کی { ۳۳۷  
پابندی ضروری ہے  
— انہی پر محدود حال و عوام کی پابندی کا انحصار ۳۴۲  
— عیسیٰ کی بدش پر چلنے سے بھلا کرنے کا کام { ۳۴۷  
اعلوی انجام  
— اہل ایمان کو کن فاعلموں سے ہر گز زام نہ پڑے گا ۳۶۶  
— ایمان محض زمانی دوسرے کا نام نہیں ۳۷۰  
— کافروں انہی سے دو گردانی نافی ایمان ہے ۳۷۲  
— اللہ کر کے اہل ایمان مطلوب ہیں ۳۸۱  
— اہل ایمان کا مقصد رفاقت ۳۸۲  
— دین کا مذاق اڑانے والوں سے دوستی نافی ایمان ہے ۳۸۳  
— کلمہ سے اہل ایمان کے نہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں ۳۸۴  
— کسی کا بارہ نہیں ۳۸۸  
— اس کی ایک کٹی پہچان ۳۹۶  
— قبول ایمان کے لیے مسیح مذہب کی تصویر ۳۹۷  
— حلال و حرام کی تیز پس کا لازمہ ہے ۳۹۸  
— اہل ایمان کا اصل ذمہ داری پہنچانے کی ہے ۵۱۰  
— ایمان نہ ہونے کی علت اسی وقت تک ہے { ۵۲۵-۵۲۶  
جب تک حقیقت ہمد غیب میں ہے  
— دعوت حق پر کیسے لوگ بیک کھتے ہیں ۵۳۶

- پاپ کے نذر کا استعمال بطور ستارہ ۳۲۹  
 — بنی اسرائیل کے بارہ نقیبوں کا تذکرہ بائبل میں ۳۵۱  
 — اس کا حضرت ابراہیم کے بہت ملائی ۵۶۰  
 — فکر پر کوئی روشنی نہ ڈالنا  
 — ہزار خودہ  
 — ۱۵۲ قیدیوں کا عفرام سے استنثار  
 — تحریک اسلامی کی تاریخ میں جنگ بدر کا مقام ۲۲۹  
 — واقعہ بدر میں دعوت کا سبق ۲۳۶-۲۳۷  
 — واقعہ بدر ثانیہ ۳۰۳  
 — بنی اسرائیل  
 — اُن کی دہر تسمیہ ۱۰۸-۷۰  
 — اُن پر قرآن مجید کی تنقید ۷۰  
 — اُن کو قرآن کی دعوت ۷۰  
 — دنیا کی قوموں پر اُن کی فضیلت کے معنی ۱۰۸-۷۴  
 — ان کے بچاؤ کے اسباب ۱۸۷-۶۳  
 — فرعون کے مظالم ۷۵  
 — سمندر بھاڑ کر ان کے لیے راستہ بنایا جاتا ہے ۷۵  
 — پھر شے کو صبر دیتے ہیں ۷۵  
 — مصر سے نکل کر جریرہ فرانسے سینا میں جلتے ہیں ۷۵  
 — ان میں گاؤں پرستی کہاں سے آئی ۷۶  
 — گاؤں پرستی کی سزا جو بنی اسرائیل کے  
 — مشرکین کو دی گئی ۷۶  
 — اُن کے مذہبی داخلاتی جرائم ۷۷-۹۲-۳۰۸  
 — ۳۱۵-۳۵۲  
 — اُن پر بارگاہِ سایہ کیا جاتا ہے ۷۷  
 — اُن پر من و سلوی کا نزول ۷۷  
 — وہ جی جہاں ہیں کہ سجدہ ریز ہوتے ہوئے داخل ہوتے
- کا حکم دیا گیا تھا ۷۸  
 — ہنگاموں کی سزا پاتے ہیں ۷۹  
 — اُن کے لیے چٹان سے چٹنے نکالے جاتے ہیں ۷۹  
 — بے صبر ہو کر شرعی غذا میں مانگتے ہیں ۷۹  
 — اُن کا کفر اور پیغمبروں کو قتل کرنا اور زنا فرمائیاں کرنا ۸۰  
 — ۳۰۸-۳۸۹  
 — اپنے انبیاء کے ساتھ ان کے  
 — جہانِ طر عمل کی تاریخی شہادتیں ۸۱  
 — ان کی عدد گیناں ۸۳-۹۰-۹۵-۳۰۹  
 — ۳۱۶-۳۵۳-۳۸۹  
 — بہت کے قانون کی خلاف ورزی ۸۳  
 — ان کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا ہے ۸۳  
 — اُن کو گائے ذبح کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ۸۵  
 — اُن کی سنگ دلی و قسوت ۸۶  
 — وہ عہدِ جرآن سے لیے گئے ۹۰-۹۵-۳۰۹  
 — ۳۱۰-۳۵۱  
 — ان کا نسلی تقصیب ۹۷  
 — بابل کی امیری کے زمانہ میں اُن کی حالت ۹۸  
 — ان کو آخرت کے نعمتِ حاسبہ کی یاد دلائی ۱۰۸  
 — ان کے نعمت سے فائدہ نہ جاننے کا مطلب ۱۰۹  
 — دنیا کی قوموں کے لیے ۱۹۱-۱۸۷  
 — ان کا فائدہ بہت ہوتا  
 — واقعہ خرمج ۱۸۲  
 — ان کی طرف سے سونیل غی کے  
 — سامنے بادشاہ کے تقرر کا مطالبہ ۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷  
 — ثلاثتِ میکہ کی واپسی کی بشارت ۱۸۸-۱۸۹  
 — واقعہ نمر میں ان کی بے صبری کی مثال ۱۹۰

۴۹۱ { سان کے طرز عمل سے ان کے عہد و مہم میں  
ہونے کی شہادت

— ان کی اکثریت کا بگاڑ ۴۹۷

بیت اللہ

— اس کو پاک رکھنے کا اہل مہم ۱۱۱

بیت المقدس

— دعوت الی اللہ کا مرکز ۱۰۹

— دعوت کے لحاظ سے اس کی مرکزیت کا خاتمہ ۱۱۰

— کعبہ ۱۳ برس بعد تعمیر کیا گیا ۱۲۴

پ

پہرہیز گار (دیکھو: متقی)

ت

تابوتِ سکینہ

— بنی اسرائیل کو اس کی واپسی کی بشارت ۱۸۸

— اس کی حقیقت ۱۸۹

تذکرہ، اس کا مہم ۵۵۹

ترکیبہ، اس کا وسیع مہم ۱۱۲

— اختلاصے بنی کرنے کے اثرات نفس انسانی پر ۲۰۹

— شہادت کو چھپانے سے دل گناہ آلود ہوتا ہے ۲۲۲

تسبیح، اس کے معنی ۶۳

تفرقہ و اختلاف

— کس قسم کا تفرقہ قرآن میں منع ہے؟ ۳۷۰

— اجتہادی اختلافات اس کی تعریف میں نہیں آتے ۳۷۰

— اُس کی اصل وجہ ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۲۳۹

— اُس کی ممانعت ۲۷۱

— اُس سے بچنے کا واحد ذریعہ ۲۷۶

— اس سے بچنے کے لیے اہل العرفہ اللہ کی اہمیت ۳۷۰

— قدرت کی تاریخ ۲۳۱ - ۲۳۲

— حضرت یسعی کا ان کے لیے رسول مقرر ہونا ۲۵۲

— یسعی علیہ السلام کی دعوت ۲۵۳

— دعوتِ میری کے خلاف کفر کی روش ۲۵۶

— حضرت یسعی کے خلاف ان کی خفیہ چالیں ۲۵۷

— اُن کے لیے بعض ماکولات کی خاص حرمت ۲۷۳

— اُن کے مغضوب ہونے کا فیصلہ ۲۸۰

— اُن کے ممالکین کا ردیہ ۲۸۰ - ۲۸۱

— مسلمانوں کو ان کی برائیوں سے بچنے کی تاکید ۳۶۲

— بنی اسرائیل کی طرف سے قتلِ انبیاء کا اقرار ۳۱۸

— بارہ نقیبوں کا تقرر ۴۵۱

— ان سے اقامتِ صلوة، ایتائے زکوٰۃ،

ایمان بالاسل، اقامتِ دین میں نصرت اور ۴۵۱

اتفاق فی سبیل اللہ کا مطالبہ

— ان پر اللہ کے انعامات ۴۵۸

— ان کو ارضِ مقدس میں داخلہ کا حکم ۴۵۸

— ان کے نام ارضِ مقدس کا مکہ دیا جانا ۴۵۹

— ان کا فوراً عروج کوئی سے قبل ۴۵۹

— دعوتِ جماد پر ان کی بزدلی ۴۵۹

— ان کی بزدلی کی سزا ۴۶۰

— چالیس برس تک صحراوردی ۴۶۰ - ۴۶۱

— یروشلمین فلن کے حدیں بنی اسرائیل کا ۴۶۱

— فلسطین کو فتح کرنا

— قتل کی حرمت کا فرمان ۴۶۴

— ان پر اللہ اور نبی کی زبان سے کیوں نکت کی گئی ۴۹۱

— اہل ایمان کے مقابلے میں کفار سے ۴۹۱

— اُن کا حلق و نفاق

## تفہیم القرآن

— نزوح انسانی کا تمام گروہوں میں تقسیم ہونا ۶۰۴

— اس کی خصوصیات ۵-۱۱

— ترجمے کے بجائے ترجمانی کا طریقہ اختیار کرنے کے وجہ ۱۰

— ترجمانی کے طریقے کی تشریح ۱۰

— اس سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ ۱۱

— اس کی تاریخ ۱۲

— مقدر کا مقصد ۱۳

## تقدیر

— اللہ کس قسم کے لوگوں کو ہدایت سے محروم کرتا ہے ۵۲

۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹

— اللہ کے گمراہی میں اضافہ کرنے کا مطلب ۵۳

— اللہ کے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کا مطلب ۵۹-۵۳۸

— اذن الہی کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا ۹۹

— ہدایت کا سر مشتمل اللہ کے ہاتھ میں ہونے کا مطلب ۱۲۸

— زمین کو فساد سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تدبیر ۱۹۱

— انسان کو اختلاف کی آزادی اللہ نے دی ہے ۱۹۲

— اللہ تمام کائنات کو سمجھائے ہوئے ہے ۱۹۳

— ہیئت اگر کسی میں نظام تقدیر کے

۱۹۵ { حسن نمایاں اشاروں کی ہیئت

— فحش و لکھت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ۲۳۶-۲۸۱

۳۹۲

— تمام تغیرات کے پیچھے خدا کا دست قدرت ۲۴۲

— اللہ کا نظام رزق ربانی ۲۴۸

— گردش احوال کے اندر مشیت الہی کی مصلحتیں ۲۹۰-۲۹۱

— غیبت موت کا ازالہ ۲۹۱-۲۹۴

— موت کی عمری آٹھ ہے ۲۹۶

— خدا کی نافرمانی کر کے اس کی تقدیر سے

۲۹۷ { نہیں بچا جاسکتا

— اللہ جس کی مدد پر ہوا اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا ۲۹۸

— اہل کفر کو ذلیل دینے کی غایت ۳۰۵

— بھلائی اور مصیبت سب کچھ مشیت الہی

۳۰۵ { کے تحت ہے

— اللہ چاہے تو زمین سے ایک کرپٹا کر

۳۰۴ { دھڑے کو لے آئے

— نبی مسلم اور مسلمانوں کو یہود کی

۳۰۵ { مائز ش سے خدا کا بچا دیتا

— اللہ نے نصاریٰ کے اندر مزا کے طور پر

۳۰۵ { جن جن وعداوت ڈال دی ہے

— بنی اسرائیل کے نام ارض مقدس کا رکھ دیا جانا ۳۰۹

— اللہ کے تقصیر میں ڈالنے کا مطلب ۳۰۱

— یہودیوں کے جراثیم کی وجہ سے ان کو

۳۰۹ { مبتلائے مصیبت کرنے کا فیصلہ

— یہود کے یقینان و کفر کے وبال کے طور پر

۳۸۱ { اللہ کا ان میں جن جن وعداوت ڈالنا

— حضرت عیسیٰ کو خائفین سے بچانے والا اللہ خود تھا ۱۱۳

— اگر اللہ نقصان پہنچانا چاہے تو اس سے

۵۲۸ { کوئی بچا نہیں سکتا

— اگر اللہ بھلائی دینا چاہے تو کوئی مانع نہیں ہو سکتا ۵۲۸

— دلوں پر اللہ کی طرف سے پردے ڈالنے کا منہم ۵۲۹

— کائنات قدرت کے تحت ہونے والے تمام

۵۳۱ { حوادث کی نسبت اللہ کی طرف جوتی ہے

— اللہ کے قانون کی غلطی کی حالت کسی میں نہیں ۵۳۵

— کٹھن شری و باطل کا اہل قانون ۵۳۵

جائزوں اور پندوں کے لیے تقدیر کے نوشتے ۵۳۷	مومن کا اپنے جرائم کے لیے
ہدایت و خطوات اللہ کے اختیار میں ہے ۵۳۸-۵۴۱	خدا کی مشیت کی اذیت ۵۴۵ {
انبیاء کی آمد پر نزول مصائب اور اس کی مکت ۵۴۰	تقدیر (مشیت) کی اثر بخیرے مائل کر ۵۴۶ {
فیصلے کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے ۵۴۵	خدا تعالیٰ کا جواب
خفاک و ترسب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے ۵۴۶	تقدیس اس کے معنی ۴۳
ہر آدمی پر نگرانی کرنے والے فرشتے مقرر ہیں ۵۴۷	تقویٰ
ہر بات کے لیے ایک وقت مقرر ہے ۵۴۶	اس کا مفہوم ۵۷
کائنات کا نظام اللہ کے فیضان سے ۵۴۶ {	اس کے پیدا کرنے کا طریقہ ۱۳۷
ہوئے اندازوں پر چل رہا ہے ۵۴۶ {	سفر جبر کے لیے بہترین زاد راہ ۱۵۵
ہر فرد انسانی کے لیے ستر اور ستون مقرر ہے ۵۴۶	آخرت کی پہلانی کا مدار اس پر ہے ۱۶۲ {
اللہ کی مشیت یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو ۵۴۰ {	دگر فرمائی رزق پر
ہدایت پر سپرد کیا جاتا ۵۴۰ {	تقویٰ کے اخروی نتائج ۲۳۸-۳۱۳
آدمی کے لیے اس کا عمل خوشنما بن جاتا ہے ۵۴۱	اہل تقویٰ کی خاص صفت صبر ہے ۲۳۸
۵۴۸-۵۸۶	اللہ کا محبوب بننے کے لیے تقویٰ کی اہمیت ۲۶۶
اللہ کی طرف انسانی اعمال کی نسبت کی وجہ ۵۴۱	نہج کے لیے تقویٰ لازم ہے ۲۸۸
اللہ کا دلوں اور نگاہوں کو بھیرنا ۵۴۱	چرخیں کھار بھی خدا و رسول کی پکار پر ایک کنا ۳۰۳
شیاطین جن و انس کو انبیاء کا دشمن بنایا گیا ہے ۵۴۲	قانون اسلام کی کامیابی کے لیے تقویٰ کی اہمیت ۳۱۹
اللہ کی مشیت اور رضائیں فرق ۵۴۳-۵۴۴	آزاد دینی زندگی میں تقویٰ کی اہمیت ۳۰۳-۳۰۴
اللہ کی تقدیر یہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو با بھر ۵۸۷ {	اہل کتاب کو بھی اسی طرح تقویٰ کی ۳۰۴ {
کسی گمراہی سے بچے اور کوئی چیز منزلتے ۵۸۷ {	ہدایت کی گمنی تھی
بہنوں اور انسانوں کو خیر و شر میں انتخاب کی آزادی ۵۸۴	اللہ کے قوانین کو توڑنے سے بچنا ۳۴۶
”اکابر مومن“ کا اپنی کماریوں ۵۴۹ {	اللہ متقیوں کی جمادات قبول کرتا ہے ۳۶۱
کے جال میں خود ہی پھنس جاتا ۵۴۹ {	تفہیم
اللہ کی طرف سے قبول حق کے لیے ۵۴۹ {	کس حالت میں اور کس حد تک کیا جاسکتا ہے ۳۴۴
”حق صمد“ اور ”شرع صمد“ کی کیفیت ۵۴۹ {	تکمود
جان دلائے مائل پران کی ناپاکی کا سلسلہ ہو جاتا ۵۸۰	اس میں حضرت یعقوب کی وصیت کا ۱۱۳ {
اللہ پانچا کرنے والے ظالم ہدایت سے بے نصیب ہوتے ہیں ۵۹۱	مضمون قرآن سے بہت شاہد ہے ۱۱۳ {

- پوری کائنات کو نبھانے اور اس کا —  
 انتظام کرنے والا تھا اللہ تعالیٰ ہے { ۱۹۳-۲۳۱ }  
 — آیت انکری کا معرفت الہی کی کلید ہونا ۱۹۵  
 — فرد کے سامنے حضرت ابراہیم کے واکل توحید ۱۹۹-۱۹۸  
 — تنہا ایک ہی عبود (۲۳۱-۵۶۸-۵۶۹)  
 — ہادی دہی ہو سکتا ہے جو خالق ہے ۲۳۲  
 — اپنی توحید پر اللہ خود شہادت دیتا ہے ۲۳۹  
 — توحید پر فرشتوں اور اہل علم کی شہادت ۲۳۹  
 — پورے کونین امتیازات کا لاشی کے ہاتھ میں ہونا ۲۴۲  
 — حضرت عیسیٰ کی دعوت توحید ۲۵۴-۲۸۹-۵۱۶  
 — نظریہ توحید پر وہ پھر ان کو دعوت بہا ۲۶۱  
 — اہل کتاب کو دعوت توحید ۲۶۲  
 — انبیاء کی زندگی کے بہانے اپنی یا فرشتوں کا —  
 پیغمبروں کی زندگی کی دعوت نہیں دیتے۔ وہ { ۲۶۸ }  
 رہائی بخنے کی دعوت دیتے ہیں۔  
 — توحید کا اٹھارہ اجمال پر مشتمل ہوتا ہے ۲۸۲  
 — پوری سیاسی حاکمیت اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے ۲۹۶  
 — اللہ پاک اور ناپاک کو بھانپ دیتا ہے ۳۰۵  
 — اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرنا ۴۱۲  
 — لَا تَقُولُوا فُلَانٌ كُفْرًا ۴۲۸  
 — اللہ ایک ہی خدا ہے ۴۲۹-۴۹۰  
 — اللہ حکم دینے میں حاکم مطلق ہے ۴۳۸  
 — ملت و ملت کے جملہ امتیازات { ۴۳۸-۴۹۸ }  
 اللہ کے ہاتھ میں ہیں  
 — پوری مملکت زمین و آسمان کا مالک { ۴۶۹-۵۲۹ }  
 تنہا اللہ ہے  
 — مملکت کا اللہ کے کارن کے { ۴۶۴-۴۶۵ }  
 حق چکانا اس کا تقاضا ہے

- حضرت ابراہیم سے فرد کے باہر { ۱۹۸-۲۰۰ }  
 کے بارے میں اس کا بیان  
 — حضرت ابراہیم کی جبر سے حقیقت { ۵۶۰ }  
 کے بارے میں اس کا بیان  
 توحید  
 — لفظ توبہ کے معنی ۶۷-۲۳۳  
 — توبہ کی حقیقت ۶۷-۲۳۳  
 — کس قسم کے گناہ معاف کیے جاتے ہیں ۶۸-۵۴۴  
 — نظام اخلاق میں توبہ کی اہمیت ۶۸  
 — توبہ کے ساتھ اصلاح کی اہمیت ۱۳۸-۲۶۱-۳۳۱  
 ۴۱۱-۴۶۸-۵۴۴ }  
 — مومن کی توبہ مقبول نہیں ۲۶۱-۲۳۳  
 — مہجی توبہ کے آداب ۲۸۹-۵۴۴  
 — جس کی قابل قبول صورت ۳۳۲-۳۹۵-۵۴۴  
 — توبہ کے لیے گناہ کی اہمیت ۳۸۳  
 — بہادرت کے مجرمین کے لیے توبہ کی گنجائش ۴۶۵-۴۶۶  
 — طوائف مزار کے باوجود اخروی سزا سے { ۴۶۸ }  
 بچنے کے لیے توبہ کی اہمیت  
 — اسلام لانے سے قبل کے گناہوں کی معافی ۵۴۴

## توحید

- ۶۱-۹۰  
 — صرف اللہ کے لیے حمد ۴۴  
 — صرف اللہ ہی کی عبادت ۴۴  
 — صرف اللہ ہی سے استمداد ۴۴  
 — توحید کے واکل ۵۷-۹۰-۱۳۰-۵۳۹  
 ۵۴۶-۵۴۷-۵۶۶  
 — اللہ سے بلا و دست درآوردن کا کرنا ۱۳۲

— توحید مانع نہیں توحید کی تعلیم دی گئی تھی ۴۸۸

— شرکین عرب بھی دعوت خالق کے قائل تھے ۵۳۳

— ایک ہی خدا آسمانوں کا خدا بھی ہے اور زمین کا بھی ۵۳۳

— محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان توحید ۵۲۷-۵۰۵

— قرآن کا یہ دعویٰ کہ اہل کتاب توحید کی

معاذت خوب جانتے ہیں ۵۲۹

— توحید کا لازمی تقاضا شرک سے بیزاری ہے ۵۲۹

— فیصلے کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے ۵۴۵-۵۴۷

— سارا نظام کائنات توحید کی اساس پر قائم ہے ۵۵۱

— دعوت الہامی اور اس کی زد ۵۵۶

— ہر طرف سے مزبور کر خدا کی طرف کیسے بوجھا ۵۵۸

— ساری زبان کا ارشاد کے ہاتھ میں ہے ۵۶۵

— اللہ ہی بہترین مکلف ہے ۵۷۵

— اس کے فرائض کو بدلنے والا کوئی نہیں ۵۷۵

— اللہ کی اطاعت میں پوری زندگی کو

دے دینا تقاضائے توحید ہے ۵۷۸

— حضرت ابراہیم کا مسلک توحید تھا ۶۰۵

### تورات

— اس میں کس کس طرح کی تحریفات ہوئی ۴۷۱-۲۳۱

۲۳۲

— قرآن کس قرآنہ کی تصدیق کرتا ہے ۲۳۲

— اس میں یہودی علماء کے تصرقات ۲۷۳

— اُس کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ ۳۱۰-۵۶۳

— اُس میں زمانہ مزارعہ تھی ۴۷۲

— یہ ہدایت کا سرچشمہ تھی ۴۷۳-۶۰۲

— اس کی حفاظت کی ذمہ داری ۴۷۳

— انبیاء اس کے قانون سے فیصلہ دیتے تھے ۴۷۳

— تازیانہ تصامی ۴۷۳

تیمم:

— اُس کا مکمل کیا ۳۱۶

— اُس کا طریقہ ۳۵۵-۳۵۶-۳۵۸

— اس کی مکت ۳۵۶

### ث

### ثواب:

— کن سے کام لے کر ان کے مستحق ہیں ۱۰۰

— ثواب دینا اور ثواب اخوت ۲۹۲-۲۹۳-۴۰۵

### ج

— جاؤ، اُس کی حقیقت ۹۷-۹۹

— جاہلیت، اس کا اصطلاحی مفہوم ۴۷۹

— جنت، اُس کے معنی ۳۵۹

### جبریل

— اُن سے یہودیوں کی معاذت ۹۶

— قرآن لانے والے ۹۶

### حج

— اُن کو بھی اللہ کا شریک ٹھہرایا گیا ۵۶۷

— انسانوں کی طرح جنوں کے لیے بھی

غیر شرعی انتخاب کی آزادی ۵۷۳

— آخرت میں شیائیں حق سے خطاب ۵۸۰

### جنت

— اس کی نعمتوں کی تفصیلات ۵۸

— کس قسم کے لوگ جنت میں جائیں گے ۵۸۹-۶۶۰

۹۰-۱۶۳-۲۳۸-۲۸۸-۲۸۹-۳۱۳

۳۶۲-۳۹۹-۴۰۰-۴۵۲-۴۹۸

— جنت میں رشتہ ازدواج ۵۹

- مامی قربانی سے پہلے بال ذر ثرائے ۱۵۳  
 — حج کو جاتے ہوئے گھر جانے ۱۵۴  
 — اس نصیب ہو جانے کا مضموم ۱۵۴  
 — قربانی میسر نہ ہونے کی صورت میں حاجی روزے رکھے ۱۵۴  
 — حالت احرام کی پابندیاں ۱۵۵ - ۳۳۷  
 — حج میں اسلامی اخلاقیات کی عملی تربیت ۱۵۵  
 — سفر حج میں کسب معاش کی اجازت ۱۵۶  
 — تقویٰ کو زاد راہ بنانے کی تاکید ۱۵۵  
 — شعیر حرام (مُزَلِّف) کے آداب ۱۵۶  
 — نامک حج میں قریش کی ترمیمات ۱۵۷  
 — مکہ سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ آنا ۱۵۷  
 — ذکر الہی کا حکم ۱۵۷  
 — ایام تشریق میں نئی سے کئے کی طوت ۱۵۸  
 — وہابی میں تقدیم و تاخیر کی رخصت ۱۵۸  
 — حج لوگوں پر اخذ کا حق ہے ۲۷۵  
 — فرضیت حج کے لیے شرط استطاعت ۲۷۵  
 — زائرین حج کو کعبہ سے زدہ کیا جائے ۲۷۶

## حدود و اللہ

- اُن کے بارے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ۱۳۷  
 — اُن کی پابندی دی کر سکتے ہیں جو ان کو  
 — قزوئے کے انجام ہد کا شعور رکھتے ہوں ۱۷۶  
 — حد سے تجاوز نہ کرنے کا مضموم ۳۹۹

## حدیث طیبہ

- وہ حالات جن میں سورۃ المائدہ کا نزول ہوا ۳۳۳  
 — مسلمانوں کے لیے صلح حدیبیہ کے دوسرے مفید اثرات ۳۳۶

## حروف مقطعات

۳۹—

- آدم انسان کی برتری کو جنت میں رکھا جاتا ہے ۶۵  
 — جنت کی طرف ہیبت کرو ۲۸۸  
 — اس کی راہ کوئی آزمائشوں سے بھر کر گزرتی ہے ۲۹۰  
 — اس کا حصول اطاعت خدا اور رسول پر منحصر ہے ۳۲۰  
 — مشرکین کے لیے وہ حرام ہے ۳۸۹  
 — سلامتی کا گھر ۵۸۰  
 — جنگ (دیکھو: قتال فی سبیل اللہ)  
 — جہاد (دیکھو: قتال فی سبیل اللہ)  
 — جہنم (دیکھو: دوزخ)  
 — جزا (قمار)

- اُس کے متعلق قرآن کا پہلا حکم ۱۶۷  
 — اُس کے ذریعے سے تقسیم اندفال گیری کی ممانعت ۴۴۲  
 — قدامت گیر کھیلوں اور مسابقات کی حرمت ۴۴۲  
 — اُس کی تلقین حرمت ۵۰۱  
 — اس کے حرام ہونے کی وجہ ۵۰۳

## ح

## حجۃ اعمال

- ارتداد کا لازمی نتیجہ ۱۶۶  
 — دریا کا رازہ اتفاق کا نتیجہ ۲۰۶  
 — انبیاء و مصلیوں کے قتل کا نتیجہ ۲۴۱  
 — کفر کا لازمی نتیجہ ۲۸۱  
 — اس کا سبب کیا ہے ۲۸۲  
 — ایمان کی روش پر چلنے سے بھگاڑ کا نتیجہ ۳۴۷  
 — بفاق کا نتیجہ ۳۸۱  
 — شرک کا نتیجہ ۵۶۱  
 — جل اللہ اس کا مضموم ۲۷۶  
 — حج اور عمرے کی نیت کو پروا کیا جائے ۱۵۳



حزب اللہ

— دیکھو لوگوں پر مشتمل ہے ۳۸۲

— انوکھائی غالب پر لکھا گیا ہے ۳۸۲

حق

— انسانی زندگی میں حق و باطل کی کشمکش ۳۶۶

— حق کو روکنے کے لئے انسان کو اپنی ہی تباہی کا سامان کرنا ہے ۵۳۲

— دعوت حق پر کیے لوگ ایک کتے ہیں ۵۳۶

— زمین کا سامان کو حق کے ساتھ پیکار کرنے کا مطلب ۵۵۱

حقوق العباد

— والدین ۹۰ - ۱۶۳ - ۳۵۱ - ۵۹۸

— ذوی القربی ۹۰ - ۱۳۶ - ۱۶۳ - ۳۵۱

— یتامی ۹۰ - ۱۳۶ - ۱۶۳ - ۱۶۸ - ۳۱۹

— ۲۲۰ - ۳۵۱ - ۵۰۱ - ۵۹۹ - ۹۰۰

— مساکین ۹۰ - ۱۳۶ - ۱۶۳ - ۳۵۱

— مسافر ۱۳۶ - ۱۶۳ - ۳۵۱

— اہل حاجت ۱۳۶

— ہمسایہ ۳۵۱

— احترام گیت ۱۳۸

— مالی مدد حاصل کرنے کا حق ۱۶۳

— حقوق العباد کا احترام دینی لوگ کر سکتے ہیں ۱۸۳

— جو صاحب تقویٰ ہیں

— لڑائی نظام ۳۵۱

حقوق اللہ

— حقوق اللہ میں مخالفت کرنے کے معنی ۱۳۱

— حق حقوق اللہ میں سے ہے ۲۶۵

— حقوق اللہ ان پر نظر ۹۰

— عالم پرستے ہیں

حکمت

— شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنے کا ذریعہ ۲۰۶

— اللہ کی ایک نعمت ۱۶۶ - ۲۰۶ - ۳۶۱

— تمام انبیاء کو دی جاتی ہے ۳۶۸

— داؤد علیہ السلام کو عطا کی جاتی ہے ۱۹۱

— عیسیٰ علیہ السلام کو عطا کی جاتی ہے ۲۵۲ - ۵۱۳

— نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی جاتی ہے ۳۶۶

— نبی مسلم اس کی تعلیم دینے کے لیے بھیجے گئے تھے

۱۱۷ - ۱۶۵ - ۳۰۰

حکمت تبلیغ

— اللہ کی فرمائش پر ہادی کے سوال پر حضرت جبرائیل علیہ السلام ۱۱۶

— اہل کتاب کو قرآن کی دعوت اسلام ۲۴۰

— تبلیغ میں بدلے کا مقام ۲۶۱

— حیدرہ توحید پر جانے کا طریقہ ۲۶۱

— اہل کتاب کو دعوت توحید ۲۶۲

— تبلیغ میں تقویٰ تبلیغ کی اہمیت ۳۶۸

— رسول اللہ کا بادشاہوں کو بذریعہ ۳۶۶

— غلو و دعوت اسلام دینا ۳۶۶

— اشارے سے ملنے کی ۵۴۶

— مناظروں سے اجتناب ۵۴۶

— طالبین حق پر توجہ ۵۴۶

— تبلیغ کوئی پیشہ نہ نہ کام نہیں ۵۶۲

— مبلغ کی دنیوی مفاد سے بے نیازی ۵۶۲

— حاجی و مبلغ کا منصب اور اس کی ۵۶۰

— ذمہ داریوں کی حد

— بحث و مناظرہ میں جو شیلے ہیں ۵۶۱

— بچنے کی ہدایت

## حلال و حرام

— مال و طبیب چیزیں کھانے کا مکمل ۱۳۲

— پاک چیزیں بے تکلف کھاؤ ۱۳۳

— حرام مالوں کے بارے میں { ۲۵  
خصت کی تین شرائط

— دھاندلی سے حاصل کیے ہوئے مال کی حرمت ۱۳۷

— بنی امرئیل کے لیے بعض مالوں کی خاص حرمت ۲۷۲

— یہود کے لیے بعض طبقات کی حرمت بطور سزا ۲۷۲

— چرند و چاروں کی ہفت ۲۷۷

— ہفت و حرمت کے درجے اختیارات { ۲۳۸-۲۹۸  
اللہ کے ہاتھ میں ہیں

— سردار، غن، سور کے گوشت کی حرمت ۲۴۰

— حادثے سے مرجانے والے جانور { ۲۳۰  
مردار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔

— ذبح کی اہمیت ۲۴۰-۲۴۱

— ذکا کا اصطلاحی مفہوم ۲۴۰-۲۴۱

— قحاک کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح ہونے والے جانور  
کی حرمت ۲۴۰-۵۷۱-۵۷۷— کھانے پینے کی چیزوں میں دھوا حرمت { ۲۴۱-۲۴۲  
طبیعی بلکہ اخلاقی و عقائدی ہیں

— قرآن کا نظریہ حلت و حرمت ۲۴۲

— شکار کے قاعدے ۲۴۵

— "مال" کے ساتھ "پاک" کی قید کا مقصد ۲۴۵

— اہل کتاب کے ذبیحے کی ہفت ۲۴۶

— مال چیزوں کو حرام کرنے کی ضمانت ۲۴۸

— خراب کی تلفی حرمت کا مکمل ۵۰۱-۵۰۲

— سمندری شکار کی ہفت ۵۰۵

— پاک اور ناپاک یکساں نہیں ہیں ۵۰۶

— ذبح کے لیے اللہ کا نام لینے کی اہمیت ۵۷۱

— لوگوں کی خود ساختہ حلت و حرمت بیچ ہے ۵۷۱

— لوگوں کی خود ساختہ مذہبی پابندیاں { ۵۸۷  
افتراء علی اللہ کی تعزیت میں داخل ہیں— اہل عرب کے اہل حلت و حرمت کے { ۵۸۸  
شرکاء و قوم پرستانہ تعصبات— خراج انہی میں بنیادی حرمت مردان  
خون، سور کے گوشت اور غیر اللہ کے { ۵۹۲-۵۹۳  
نام کے ذبیحوں کی ہے— ہفت و حرمت کے بارے میں { ۵۹۲-۵۹۳  
قہائے اسلام کے اختلافات— شریعت محمدی اور یہودی سر میں { ۵۹۳  
احکام، ہفت و حرمت کا فرق کیوں ہے

— شکار کے طور پر غنائی تحریم کی ایک خاص صورت ۵۹۵

— اس کے معنی ۲۴۲

— اللہ ہی اس کا کیمون مستحق ہے ۲۴۲

## حق

— آپ کی پیدائش کے متعلق بائبل کا بیان ۲۴۹

## حواری

— اس لفظ کے صحیح معنی ۲۵۶

— حواریوں کا دین اسلام ہی تھا ۲۵۶

— عیسائی حواریوں کا ایمان ۵۱۳

— حواریان عیسائی کا اسمانی ایمان کی خواہش کرنا ۵۱۳

## حیات بعد الموت

— اللہ کی طرف سے ہجرہ کے طور پر اس کا مظاہرہ ۲۰۰



— منافق اور کافر میں جمع کیے جائیں گے ۴۰۹

— منافقین اس کے سب سے پہلے جہنم میں ہوں گے ۴۱۱

— کفر و ظلم کرنے والوں کو تعلق طہر ہے { ۴۲۶

— اس سے پہلے مالا مرت اشدری ہے ۵۸۱

وہیت (دیکھو: تافون اسامیٰ)

دین

— فرج انسانی کا اصل دین ایک ہی تھا ۱۶۲

— پلہا دین اللہ کے لیے ہر ۱۵۱

— دین کے معاملے میں ذہنی نہ ہونے کا مطلب ۱۹۵

— اس کی اساس کن باتوں پر ہے ۲۲۲

— اس کی اولین بنیاد اللہ کے مالک { ۲۲۲

— دین و ایمان ہونے کا شعور ہے { ۲۲۲

— دین حق ہمیشہ ایک ہی تھا ۲۲۸-۶۰۴

— اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے ۲۳۹

— یہ اللہ کی اطاعت کے سبک کا نام ہے ۲۶۹

— دین فقیہی حیثیت کا نام نہیں، بلکہ اللہ کی { ۲۴۳

— ہر دین کے اصول کا نام ہے

— اللہ کے لیے دین کرنا اس کرنے کا مفہوم ۴۱۲

— دین میں لڑکھنڈ کی ممانعت ۲۲۷

— اس سے کفار کی باری کا مطلب ۴۲۲

— محلیل دین کا اعلان ۲۲۳

— ایک ہی دین کے تحت شریعتوں کا جوئی اشکات ۴۲۷

— دین میں ترشگاہوں کا نتیجہ کفر ہوتا ہے ۵۰۸

— دین پر مخالفین کی طوت سے "اساطیر الدین" { ۵۲۱

— حق ہر زمانے میں ایک ہی تھا ۵۳۱

— دین کو کھیلنا تاشا ہلانے والے ۵۵۰

— دین میں اللہ کی مسند کی اہمیت ۵۵۹

— ایک دین سے کئی مذہب کیسے بنے { ۶۰۴

ذکر

— حج کے ساتھ ذکر الہی کی اہمیت ۱۵۷

— اللہ کا ذکر کرنے والوں کے دو گروہ:

۱۔ محض دنیا طلب { ۱۵۷

ب۔ دنیا اور آخرت دونوں کو چاہنے والے { ۱۵۷

— اللہ کا ذکر اس طریقے سے کرو { ۱۸۳

— جو اللہ نے سکھایا ہے { ۱۸۳

رہنما (دیکھو: مسود)

رزق

— رزق دنیا میں دیا جاتا ہے ۱۱۲

— رزق دنیا کی فراوانی حق امامت کی بنیاد نہیں ۱۱۳

— دنیا کا رزق تقویٰ کے لاکھ سے نہیں دیا جاتا ۱۶۲

— دنیا کے رزق کی کثرت و قلت پر سخت { ۱۶۲

— کی کامیابی دنیا کی کامیابی کا مار نہیں { ۱۶۲

— رزق دہائی اللہ کے اختیار میں ہے ۲۳۳-۲۳۸

— صرف ملال و غیب رزق استعمال کرنے کا حکم ۴۶۹

— زرعی اور حیوانی رزق (۱) { ۵۹۰

— کے مشق میں اہم ہدایات { ۵۹۰

— رزق دہائی اللہ کے ذمے ہے ۵۹۸

— رسول - رسول (دیکھو: انبیاء)

رشوت

— اس کی ممانعت ۱۳۸

رضاعت

— طلاق یا طلاق کی صورت میں بچوں کی رضاعت کا معاملہ ۱۵۹

— خیمہ بچے کی رضاعت کی ذمہ داری اس کے ولیا پر ہے ۱۶۹

— ثبوت برائے رضاعت ۲۲۷-۲۲۸

رضعان

— اس میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی ۱۴۲

— اس میں سے کچھ روزے رکھے کا حکم ۱۴۲-۱۴۳

روح القدس

— اس سے مسیح علیہ السلام کی مدد کی گئی ۱۱۷

— "مرد و خرقہ" کا مطلب ۴۲۸

— اس کے بارے میں مسلمانوں کا غلط تصور ۴۲۸

روزہ

— اس کا اہل تصد ۱۴۱

— اس کے احکام میں تدریج ۱۴۱

— حالت سفر کے لیے روزے کے احکام ۱۴۲

— نزول قرآن کی نعمت پر اعتبار رکھ کر کا ذکر ۱۴۲

— سات کے وقت بیویوں کے ساتھ شب باشی کی اجازت ۱۴۳

— صغریٰ و انظار کے اوقات کی حد بندی ۱۴۵

— منطقہ شمالی و جنوبی میں اس کا نظام اوقات ۱۴۶

— حالت احکامات میں بیویوں سے ۱۴۶-۱۴۷

— شب باشی کی ممانعت ۱۴۶-۱۴۷

— صغریٰ و انظار میں بے جا شدت اختیار ۱۴۸

— سب سے پہلے روزہ (سلسلہ) ۱۵۴

— روزہ بطور گناہ ۲۸۲-۵۰۰-۵۰۴

— وجہ ناپسندیدگی روزوں کا ایک غلطو فہمی ۴۹۸

زکریا

— زکریا کا معاملہ ۲۲۱

— زکریا کے روزے سے الٹی ناکہ دینا شروع ہے ۲۲۷

— زکریا - خدا آخرت پر ایمان نہ کرنے کی عاقبت ۲۵۲-۲۵۳

زنا

— زنا پر اس میں تحریم ۴۲۲

— زکوٰۃ ۶۳-۹۰-۱۰۳

— زکریا علیہ السلام - اس کا منظر از قلم ۸۱

زنا

— اس کی ابتدائی سزا ۲۲۱-۲۲۲

— زنا کے لیے چار گواہوں کی شہادت ۲۳۱

— منکر و روزی کے لیے زنا کی سزا ۴۲۲

— زنا کے مختلف مدارج و معیت ۴۲۷

سنت

— سنت - بنی اسرائیل کے لیے اس کے احکام ۸۲

— سمحہ (دیکھو: "جادو")

— سمحہ (دیکھو: "تاریخ اسلام")

سکرات موت

— قتل کی حالت سکرات موت کے عالم میں ۵۶۴

— سلوی (دیکھو: "من و سلوی")

سلیمان علیہ السلام

— اس کے بعد امت اسرائیل کا انتشار ۸۱

— اس پر جادوگری کا جھوٹا الزام ۶۷

سنت

— نظام دین میں اس کی اہمیت ۵۰۳-۵۰۴

— سنت نبوی قیامت تک کے لیے ۴۹۹

— سند ہے

## سوارائیل

اس اصطلاح کی مکمل توضیح ۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴

یہود کا سوارائیل سے بھگنا ۲۸۴

اہل کتاب کا سوارائیل سے بھگنا ۲۹۱

## سود

نقد و ربا کی تحقیق ۲۱۰

اس کی حرمت ۲۱۱-۲۱۶

اس کا خلاف قتل ہونا ۲۱۱

اس کا خلاف انصاف ہونا ۲۱۱-۲۱۲

تہمت اور سود کا فرق ۲۱۲-۲۱۳

سود خوار کا حشر ۲۱۱

اس کے روحانی، معاشی اور اخلاقی نقصانات ۲۱۳

۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۸۸

اس کا شرعی حکم ۲۱۳

صدقہ و سود کا تقابل ۲۱۴

چھپکے سودی معاملات کی تنبیہ ۲۱۶

سود و جہاد کی جرم قرار دیا جاتا ہے ۲۱۸

ربہ میں سود کی صورت ۲۲۲

اس کے دور رس مفاد ۲۸۷

تورات میں اس کی ممانعت ۲۲۲

## ش

## شراب

اس کے بارے میں پہلو حکم ۱۶۷

اس کے فوائد سے اس کے نقصات زیادہ ہیں ۱۶۷

تدبیرچی، استراح کے تحت دوسرا حکم ۲۵۳

اس کی حرمت کا قطعی حکم ۵۰۱

شراب نوشی شیطانی کام ہے ۵۰۱-۵۰۲

## شرک

اس کے تعلق میں مسلم کے تفصیلی احکام ۵۰۱-۵۰۲

اس کا آغاز تک اور کیسے ہوا ۱۸

صفات انہی اور حقوق انہیں دوسروں کو مثال کرنا ۱۳۱

ذبح پر فرشتہ کا نام لینا ۱۳۵-۱۳۶

نظریہ شرک ایک جھوٹ اور حقیقت کے خلاف اصطلاح

جنگ ہے ۱۹۳-۱۹۴-۲۵۸

شرک سوامیٹیوں کا نظام بکر ۱۹۸-۱۹۹

شرک کا عہد ۲۵۵

تاقابل صافی جرم ۲۵۸-۲۹۷

شرک کا عقائد کے تحت ہزاروں کے کان ۲۹۸

چیر کران کر دیوتاؤں کے نام پر پڑن کرنا ۲۹۸

شرک کا نالی گیری ۴۲۲-۵۰۱

آستازوں کے چہرہ صاف ۴۲۱-۵۰۱

شرکین کے لیے جنت حرام ۴۸۹

اللہ نے کوئی تجویز، اساتیر، وسیلہ اور مقام ۵۰۸

مقرر نہیں کیے

شرک کس معنی میں قلم ہے ۵۳۰-۵۵۹-۵۸۴

معبیت کے وقت شرکین کا شرک کو ۵۳۹-۵۴۷

پھونک کر خدا کے سامنے کرنا ۵۳۹-۵۴۷

اہل شرک کے لیے صحرا میں بھگنے کی مثال ۵۵۰

نظریہ شرک کے خلاف حضرت ۵۵۲-۵۵۳

ابراہیم کی جدوجہد ۵۵۲-۵۵۳

جو شرک کرے اس کا کیا کرنا سب نارت ہو جائے گا ۵۰۱

دوسروں کو اللہ کا تو مقابلہ نہیں کرنا ۵۰۷

شرکین کا انجام ۵۸

شرک اجتماعی قوت کو کر دیتا ہے ۲۹۴

مغارشہ کو کے ۱۹۳	— آنوت میں شرکین سے باز پرس ۵۲۰
— قیامت کے روز مجرموں کی طرف سے	— چوں کہ کسی خدا کا شرک شیعہ یا گیا ۵۶۷
کوئی دکان نہ کر کے ۳۹۵	— اشرک کے لیے عبادہ تجویز کرنے کا شرک ۵۶۸
— آنوت میں خدا کی بندگی سے گریز کرنے	— شرک کی بنیاد و اہم پر ہے ۵۶۸
والد کا کوئی مای و دود گوار نہ ہوگا ۳۹۸	— شیطان کی مصلحت بھی شرک ہے ۵۷۷
— یعنی امت کے لیے حضرت عیسیٰ کی	— حسد ہی شرک و عمل شرک ۵۷۸
ماہرہ لیلیٰ شہادت ۵۱۷	— اشرک کی عقوبت میں شرک کا حد لگانا ۵۸۵-۵۸۶
— آنوت میں کوئی ایسا ذی اقتدار نہ ہوگا	— اشرک کے حقوق میں شرک ۵۸۴
گرمی کی حمایت و نصرت اور مغارشہ کر کے ۵۴۳	— شرک کا نہ خواص کی بنا پر قتل و قتل ۵۸۵
— آنوت میں حمایت و نصرت اور مغارشہ کر کے ۵۵۰	— غیر اہل قازن کو تسلیم کرنا بھی شرک ہے ۵۸۶
— آنوت میں حقوق مغارشہوں کا کھانا ۵۶۵	— شرکین کے لیے شرک کا احوال کا خوشنما بنانا ۵۸۶
— سب کے لیے ہولک کی ماضی اتن تنہا ہوگی ۵۶۵	— شرک کی ہمار مصلحتیں : فائدہ میں شرک
شکار	— مقامات میں شرک، اقتیادات میں شرک ۵۸۷-۵۸۸
— مالہ اہرام میں شکار کی حمت ۵۰۵-۵۰۴-۵۰۳	— حقوق میں شرک
— شکار کے قاعدے ۴۴۵-۴۴۶	— کائنات کے نظام میں شرک کی کوئی جگہ نہیں ۶۰۶
— شکاری جائزہ دل سے ۴۴۵	— شریعت
— مالہ اہرام میں شکار کرنے کا کفارہ ۵۰۳	— شرک و غیرہ میں مالہ کی گئی ہیں ۵۹۷-۵۹۸
— عسری شکار کی ملت ۵۰۵	— غار اشد
شکر	— خدا کی تشریح ۴۳۸
— کھان کی ضد ۱۲۹	— معاد فرد شکار اشد میں سے ہیں ۴۳۷
— شکر کے دو تہ کی تشریح ۴۱۲	— شکار اشد کی قرین کا مطلب ۴۳۸
— اشرک کے شکر ہونے کا منہم ۴۱۲	— ان کے احترام کی وجہ ۴۳۹
— شکر و ایمان کا تعلق ۴۱۲	— اہرام بھی شکار اشد میں سے ہے ۴۳۹
— شہادت (یعنی جانی قربانی)	— (نیز دیکھتے ہیں)
— رلو و ایمان جان دینے کے معنی ۱۲۹	— شفاعت
— اس کا گناہ ہمارہ ۲۹۸	— مجرموں کے لیے اس کا فیصلہ ہونا ۱۰۸
— شہدائے لیے آخری انعامات و مدارج ۳۰۲	— اشرک کے گناہ کے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ کسی کے ہاتھ سے

- شیطان سے کیا ملا ہے ؟ ۶۵  
— شیطان کی حقیقت ۶۵  
— شیطانیں جن کو نبی ہیں ۶۶  
— شیطان آدم کو جنت سے نکلوانے کا کام ہے ۶۶-۶۷  
— انسان کا ازلی دشمن ہے ۹۷-۱۳۳-۱۴۰-۱۵۹  
— برائی اور بے حیائی کا حامی ۱۳۳  
— شیطانیں بھی جادو کے سحر میں ہیں ۹۷  
— شیطان کی پیروی ذکر و ۱۴۰  
— وہ اتفاق فی سبیل اللہ سے روکنے کے لیے ہے ۶۰-۶۱  
— انکس کا خوف رکھنا ہے  
— شیطان کا چمکنا بازو کر دینا ۲۱۱  
— وہ بڑی اور گھبراہٹ پیدا کرتا ہے ۲۹۷  
— وہ باطل سے خوف رکھتا ہے ۲۰۲  
— اس کی رفاقت بہت بُری رفاقت ہے ۲۵۲  
— اس کی چالیں مکرور ہوتی ہیں ۲۷۲  
— اس کو مسجد بنانے کا منہم ۲۹۷  
— انسان کے بارے میں اس کا پیغام ۲۹۸  
— اس کا سبز باغ دکھانا ۲۹۹  
— شراب، عجمانستان اور پانی ۵۰۱-۵۰۲  
— محمد سے شیطان کا کام ہے  
— وہ مسلمانوں میں بغض و عداوت ڈالتا ہے ۵۰۲  
— شیطان کا گری کو غرض بنانا ۵۰۳  
— وہ بدعت میں ڈالتا ہے ۵۰۴  
— شیطانیں جتنی دامن کی وجہ سے غیبت و دشمنی ۵۰۷  
— شیطان کا خوش آمد تاجیں لٹکانا ۵۰۷  
— شیطانوں کی باتوں کے خوش آمد جرنے کا منہم ۵۰۷  
— شیطان کا اپنے خدا تعالیٰ کے حکم سے حکمت لانا ۵۰۷

- اس کی غیر معمولی قدرت ۲۰۲  
— شہادت (یعنی شہادت حق)  
— شہادت علی اناس کے کام میں ہے  
— اہل بیت کا ہاشمیہ رسول ہونا ۱۱۹  
— شہادت علی اناس کے وسیع تقاضے ۱۱۹-۱۲۰  
— اس کام کے لیے شہادت خانی مخلصین کی آواز  
— چاہتا ہے ۲۹۰  
— شہادت (یعنی شہادت حق)  
— شہادت کی ذمہ داری ۱۱۷  
— شہادت کا قانون ۲۲۰-۵۱۱  
— قانون شہادت میں عورت کی گواہی ۲۲۰  
— قانون شہادت میں غیر مسلم کی گواہی ۲۲۰  
— شہادت کے متروک ہونے کے لیے مصلحت و  
— حیرت کا کام ۲۲۰-۲۲۱  
— شہادت سے انکار منہم ہے ۲۲۰  
— کاتب اور گواہ کو مستی یا ذہان سے ۲۲۱  
— شہادت کو چھپانا گناہ ہے ۲۲۲  
— معاہدہ میں شہادت کی اہمیت ۲۲۳  
— زنانے لیے چار گواہوں کی شہادت ۲۲۱  
— اللہ فی اللہ انصاف کے ساتھ  
— گواہی دینے کا مطالبہ ۲۲۱-۲۲۲  
— اختلاف فرشتوں کی گواہی قرآن کے متعلق ۲۲۶  
— وصیت کے لیے صاحب شہادت ۵۱۰  
— شہداء ان کی تربیت ۲۷۰  
— شیطان (شیطانیں)  
— فتنہ شیطان کے سن ۵۲  
— سرگزشت ان کے لیے فتنہ شیطان کا استعمال ۵۲



۲۴۸-۲۴۹-۲۶۵-۴۸۵-۵۱۵-۵۲۸

۹۰۵-۵۵۱

حیات ۱۹۳-۲۴۱

رحمت ۴۳-۶۶-۷۶-۱۱۲-۱۴۰-۱۵۰

۱۵۷-۱۶۲-۲۴۵-۲۴۶-۲۶۱-۲۸۷

۲۹۸-۳۲۱-۳۲۹-۳۴۳-۳۴۶-۳۶۸

۳۸۷-۳۹۴-۴۰۴-۴۰۵-۴۹۴-۴۹۶

۴۹۹-۴۹۰-۴۰۶-۵۰۶-۵۲۷-۵۲۸

حسابینا، جزا و سزا دینا اور انتقام لینا ۴۲-۱۳۲

۱۵۵-۱۶۱-۲۲۳-۲۳۳-۲۳۴-۲۴۰

۴۴۰-۴۴۶-۴۵۵-۴۵۷-۴۶۹-۵۰۵

۵۰۶-۵۲۷-۵۸۲-۹۰۶

خلق، ایجاد، صورت گیری ۱۰۵-۲۳۳-۲۵۲

۳۱۹-۴۵۷-۵۲۳-۵۲۷-۵۵۱-۵۵۸

۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۸۹

علم و خبر ۶۱-۶۳-۸۸-۱۱۶-۱۱۸-۱۲۲

۱۲۴-۱۲۸-۱۴۰-۱۴۴-۱۶۸-۱۷۲

۱۷۸-۱۸۰-۱۸۵-۱۸۸-۱۹۴-۲۰۷

۲۰۸-۲۲۱-۲۲۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۶

۲۶۳-۲۶۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۸۵-۲۹۵

۲۹۷-۳۰۶-۳۲۸-۳۲۹-۳۴۲-۳۴۱

۳۴۳-۳۴۷-۳۵۰-۳۵۳-۳۶۸-۳۷۰

۳۸۳-۳۸۵-۳۹۳-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۶

۴۱۲-۴۱۳-۴۲۷-۴۳۲-۴۴۹-۴۸۲

۴۹۱-۵۰۵-۵۰۶-۵۱۶-۵۲۳-۵۲۷

۵۲۸-۵۴۴-۵۴۶-۵۵۲-۵۵۸-۵۶۰

۵۶۶-۵۶۸-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۸۱

شاپین کی اطاعت شرک ہے ۵۷۷

شاپین جن سے آخرت میں حساب نہیں  
۵۸۱ { اہل ان کے لیے عذاب کی طاعتی سزا

ص

صالحین، ان کی تعریف ۳۷۰

صبر

صفا مبر کے معنی ۷۳-۱۳۷-۲۴۸-۲۹۳

اہل مبر کے لیے اللہ کی نعمت ۱۱۶-۱۹۰-۳۸۶

باطل کا مقابلہ کرنے میں صبر کی اہمیت ۲۹۳

آفات کے مائل کے لیے اس کی ضرورت ۳۰۹

اہل حق کے لیے مبر شرط کا یہاں ہے ۷۳-۱۳۶

۱۹۰-۲۸۳-۲۹۰-۵۳۵

”صاحبِ بردا“ کے دو معنی ۳۱۳

صبر اللہ، اللہ کا رنگ اللہ کی بندگی کرنے سے

۱۱۶

پڑھنا ہے

صدقہ (دیکھو: اتفاق فی سبیل اللہ)

صدقہ یقین، ان کی تعریف ۳۷۰

عمرات مستقیم

اس کا مفہوم ۴۵-۴۵۲ تا ۴۵۴

وہ آیات الہی کے ذریعے واضح ہوتی ہے ۲۷۷

کسی کو عمرات مستقیم پر لے آنا اللہ کے امتیاز میں ہے ۵۳۸

اس کے نشانات خوب واضح کر دیے گئے ہیں ۵۸۰

اللہ کا مطالبہ کہ انسان اس کے بتائے ہوئے

۶۰۱ {

میدے لائحہ پر چلے

صفا، اللہ کی نشانی ہے ۱۲۷

صفات الہی

بریت و رزاقی ۴۳-۱۶۳-۲۴۳-۲۴۶

۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰

۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲

— بنگال، بھیر ۱۰۲ - ۱۶۹ - ۱۸۷ - ۲۰۵ - ۲۳۸ —

۲۴۱ - ۲۹۸ - ۳۰۰ - ۳۱۹ - ۳۲۸ - ۳۴۷

۳۶۸ - ۴۰۵ - ۴۸۹ - ۵۱۹

— راج ۱۰۵ - ۱۸۸ - ۲۰۳ - ۲۰۶ - ۲۴۵ - ۴۴۲

۴۸۲

— سیچ ۶۱۹ - ۱۳۰ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۸۵ - ۲۲۹ —

۲۳۸ - ۲۸۵ - ۳۷۲ - ۴۰۵ - ۴۱۳ - ۴۹۱

۵۲۶ - ۵۶۵

— ایک ۱۱۸ - ۱۹۴ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۶۹ - ۲۸۶ —

۳۰۶ - ۳۱۰ - ۴۰۴ - ۴۷۶ - ۴۲۹ - ۴۵۶

۴۵۸ - ۴۶۹ - ۵۳۹

— شاکر و قدردان ۱۳۸ - ۴۱۲

— ادبی و عقل ۱۹۳ - ۲۰۵ - ۲۰۹ - ۳۸۰ —

— فریادیں ۱۳۳

— فیصلہ کن و حساب بخیر ۱۵۸ - ۲۶۸ - ۴۰۹ —

— تہذیب، قدیم، مستحکم، ضائع ۱۹۳ - ۲۳۱ - ۲۳۳ - ۲۵۶ —

۲۶۹ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷

— حیرت، قصص، اندکزدیوں کے پاک ۱۹۴ - ۲۲۹ —

۵۶۸

— پیناز ۲۰۴ - ۲۰۶ - ۲۶۵ - ۴۰۴ —

— ہندو، برہمن، و ہندو، گہرائی ۱۹۵ - ۳۵۰ - ۵۶۸ —

— تمام غریبوں کا جامع، آئین ستائش ۴۴ - ۲۰۶ —

۴۰۴ - ۵۶۳ - ۵۶۶

— اس کے بعدوں کا نشان پرانا ۲۳۱ - ۴۹۹ —

— ارنے اور پلنے والا ۲۹۶ - ۵۲۳ - ۵۴۶ - ۵۶۵ —

۵۸۸

— قرآن مجید کی ۶۶ - ۶۹ - ۱۱۲

— نئی کتاب اور احکامات کی ۱۳۰ - ۱۵۰ - ۱۵۶ - ۱۶۱

۱۶۲ - ۱۸۱ - ۲۰۴ - ۲۲۳ - ۲۶۱ - ۲۸۶

۲۸۹ - ۲۹۶ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۹

۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۵۵ - ۳۵۸ - ۳۶۸

۳۸۶ - ۳۹۲ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۴۰۴ - ۴۱۳

۴۴۴ - ۴۵۶ - ۴۶۶ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۹۰

۵۰۴ - ۵۰۶ - ۵۴۴ - ۵۹۲ - ۶۰۶

— قوت، قدرت، اختیار، اعانت، غلبہ ۵۶ - ۶۸ —

۹۹ - ۱۰۱ - ۱۰۳ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۶۸ - ۱۹۰

۱۶۳ - ۱۸۳ - ۱۸۵ - ۱۸۸ - ۱۹۲ - ۲۰۱

۲۰۲ - ۲۲۳ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۹ - ۲۴۹

۲۴۱ - ۲۴۵ - ۲۸۳ - ۲۸۹ - ۲۸۶ - ۳۰۱

۳۱۰ - ۳۲۹ - ۳۶۱ - ۳۹۵ - ۴۰۴ - ۴۱۳

۴۲ - ۴۲۶ - ۴۵۶ - ۴۵۸ - ۴۶۸

۴۶۹ - ۵۱۶ - ۵۲۸ - ۵۳۶ - ۵۴۵ - ۵۴۶

۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۸ - ۵۵۲ - ۵۶۸ - ۵۶۹

۵۸۳

— مائیت، اقتدار، پادشاہی ۱۰۲ - ۱۰۵ - ۱۱۲

۱۹۳ - ۱۹۵ - ۲۱۰ - ۲۵۸ - ۳۳۸ - ۴۶۹

۵۱۶ - ۵۵۲

— کارساز، دل، دنگار، دیکھ ۱۰۲ - ۳۵۶ - ۳۶۶

۴۰۴ - ۴۲۹ - ۵۶۸

— مکت ۹۳ - ۱۱۲ - ۱۶۰ - ۱۶۸ - ۱۶۴ - ۱۸۳

۲۰۲ - ۲۳۳ - ۲۳۹ - ۲۶۱ - ۲۸۶ - ۳۲۸

۳۳۲ - ۳۴۱ - ۳۴۳ - ۳۶۱ - ۳۸۳ - ۳۹۴

۵۸۱-۵۸۲

— انصاف کرنے والا، ظلم سے پاک ۵۷۳-۳۰۷

— لامکانیت، سمیت ۳۹۵

ط

## طاغوت

— نفاذ طاغوت کے معنی ۳۶۷

— بندگی کے معنی سے طاغوت کا تیسرا مرتبہ ۱۹۶

— اللہ پر ایمان لانے کے لیے طاغوت سے الگ رہنا ضروری ہے { ۱۹۷-۳۶۷

— اس کی مختلف اقسام ۱۹۷

— اس سے معاملات میں رجوع کرنا ناجائز ایمان سے ۳۶۶

— اس کی علامتیں لانا کفر ہے ۳۷۳

## طہارت

— بادشاہت کے لیے تہذیب ۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹

— طہارت کا حکم کے نکلنا ۱۸۹

## طلاق

— طلاق مردوں کے لیے حد کا حکم ۱۷۳-۱۷۴

— رجعت ۱۷۳-۱۷۴

— طلاق کا صحیح طریقہ ۱۷۴

— طلاق سرگاندہ قطعی، انقلاط ۱۷۶

— سازشی حکم کے کی حیثیت ۱۷۶

— طلاق کی ضرورت میں شریعتی اور روایتی تفسیق ۱۷۳

— طلاق کو ضرر رسائی کا ذریعہ نہ بنایا جائے ۱۷۶

— طلاق کی ضرورت میں بچوں کی حفاظت کا سائل ۱۷۸

— طلاق عورت جب حد تک گناہ کرتی ہے تو

— مرضی سے نکاح کرنے میں اس کے لیے گناہ ۱۷۷  
ذمہ داری ہے

— باقاعدگی سے قبل طلاق دینے کی صورت ۱۸۱

— یہ اصل آخری چارہ کار ہے ۳۳۳

طہور

— بنی اسرائیل پاس کا اٹھایا جاتا ۸۳

— بنی اسرائیل کو فرمان دینے کا واقعہ ۳۶۶

## طہارت و پاکیزگی

— حیض کی ممانعت ۱۹۹

— حالت حیض میں مقاببت کی ممانعت ۱۹۹

— حالت حیض کے متعلق مشرکین اور یہود کا طریقہ ۳۶۵

— غسل جنابت ۳۵۳-۳۵۴

— تیمم ۳۱۶-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۸

— وضو ۳۲۸

## ظ

ظالم - ظالمین (دیکھو: ظلم)

ظلم

— قرآنی اصطلاح میں ظلم سے کیا مراد ہے ۳۶۶

— مساجد اور میں عبادت سے روکنا اور { ۱۰۳  
ان کو ایمان کرنا ظلم ہے

— خدا کے دیے ہوئے ظلم کو چھوڑ کر { ۱۲۲

— دوسروں کی بیرونی کرنا ظلم ہے { ۱۲۲

— اللہ ظالموں کو ناپسند کرتا ہے ۲۵۹

— اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ۳۸۰-۳۸۱-۵۹۱

— مظلوم کے لیے بدکاری کی رخصت ۳۱۳

— جو اللہ کے قائلوں کے مطابق فیصلہ { ۳۷۳

— نہ کریں وہ ظالم ہیں

— اللہ پر ایمان لانے اور آیات اچھی کر { ۵۲۹

— جھٹلانے والے سے بچ کر ظالم ہیں

## عذاب الہی

— کس قسم کے لوگوں کے لیے ہے؟ ۹۱-۹۴-۱۰۱-  
۱۰۵-۱۳۰-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۹-۱۵۵-۱۶۱  
۲۲۳-۲۳۶-۲۴۱-۲۵۹-۲۶۶-۲۶۸  
۳۰۷-۳۲۳-۳۵۷-۳۶۳-۳۹۰-  
۵۵۰-۵۷۰

— کسی فرد سے نہیں مل سکتا ۲۷۲-۵۵۰-  
— اگر لوگ ایمان اور شکر کی روش پر چلیں تو  
۴۱۲ { انشاء اللہ عذاب دینے والا نہیں ہے  
— دوسری سزا آخرت کی سزا سے نہیں پہنچ سکتی ۴۶۵

— قائم رہنے والا عذاب ۴۹۷  
— یہ ایسی چیز ہے جس سے ڈرا جائے ۵۲۸  
— دنیا میں عذاب دینے سے قبل مجرمین پر خوشامی کا وعدہ ۵۴۰  
— عذاب ظالموں پر ہی آتا ہے ۵۴۱

— آیات الہی سے انکار کرنے والے ۵۴۱ {  
عذاب بھگت کر رہیں گے  
— عذاب لانا کسی نبی کے لیے نہیں ہوتا ۵۴۵  
— عذاب دنیا کی خلعت مہر میں ۵۴۸

— عذاب آخرت کی تفصیل ۵۵۰  
— عذاب دنیا بھر مار دینے کے بعد نازل کیا جاتا ہے ۵۸۲  
— مجرموں سے عذاب الہی کو بیزاری نہیں جاسکتا ۵۹۳  
— جس نے بھی حق کو جھٹلایا اس نے  
۵۹۵ { خدا کے عذاب کا مزہ چکھا

## عرفات (دیکھو: ج ۳)

— عکرمہ (یعنی اہل جہنم) قبول اسلام کا واقعہ ۵۲۹  
— عمران - امانۃ عثمان کے دو مفہوم ۲۷۷  
— عکرمہ (دیکھو: ج ۳)

— ظالموں کے لیے یہ عذاب نہیں ہے ۵۳۰

— آیات الہی پر شک و شبہ کرنے والے ظالم ہیں ۵۴۹

— ظالم کا اطلاق شرک پر ۵۵۹

— اللہ پرستان ہاندہ کو نبوت کا دعویٰ کرنا ۵۶۳

— ظالموں کی حالت سکرات موت کے عالم میں ۵۶۴

— انفرادی اللہ انتہائی ظلم ہے ۵۹۱

## ع

## عبادت

— اس کا رُکھ مفہوم ۴۴  
— صرف اللہ ہی کی عبادت ۴۴-۵۷-۱۱۷-۲۶۲-  
۲۵۱-۲۶۱-۲۶۸

— عبادت کی عبادت موجب نعت ہے ۴۸۴  
— غیر اللہ کی عبادت ممانع ہے ۹۰-۴۵۵  
— حضرت یعقوب اپنی اولاد سے مہدیٰ لیتے ہیں ۱۱۴  
— کہہ صرف اللہ کی عبادت کو ہی  
— عبادت یعنی اطاعت قازن ۱۲۳  
— صحیح طریقہ اسلام کی دعوت اللہ ہی کی بندگی کی طرف تھی

۲۵۴-۲۸۹-۵۱۶

— عبادت کا مستحق صرف وہ ہے جو  
۴۹۱ { نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہو  
— اہل کتاب کو قرآن کی دعوت کہ صرف  
۴۶۲ { اللہ کی بندگی کو  
— اللہ کی عبادت سے مزہ روزانہ موجب عذاب ہے ۴۲۰

— کسی کے لیے چون دو اطاعت اس کی عبادت ہے ۴۹۸

## عتق

— بصورت رقعات ۱۷۹-۱۸۰  
— بصورت طلاق (دیکھو طلاق)

## مکملات

- آپ کی آمد کے لیے کعبہ مقدسہ ۴۲  
 — آپ کو اشرافِ کافران کیوں کہا گیا ۲۴۹  
 — ہجرتِ پیدائش کی وجہ سے آپ { ۲۵۰-۲۵۷  
 دُعا میں قرار پائے  
 — آپ کی ہجرتِ پیدائش ۲۵۱-۲۵۷  
 — آپ کے خاص ہجرات ۲۵۲  
 — آپ آراء وائیل کی تعلیم دینے آئے تھے ۲۵۲  
 — آپ آراء کے معتقد تھے ۲۵۳-۲۶۴  
 — نبی دین لے آئے تھے جو مکی اللہ ۲۵۳  
 دوسرے انبیاء کا دین تھا  
 — آپ کی اہل دعوت ۲۵۳-۲۸۹-۵۱۶  
 — بائبل میں آپ کی دعوت کے آثار ۲۵۵  
 — بنی اسرائیل کے کفر پر آپ کا حق اٹھانے کا  
 دلیل { ۲۵۶  
 — حق کا مفہوم ۲۵۷-۲۶۱  
 — آپ کا اٹھایا جاتا ۲۵۸  
 — اللہ کی طرف سے آپ کو نکلنے پر { ۲۵۸  
 وقت دینے کا وعدہ  
 — آدم سے آپ کی وجہ تشبیہ ۲۵۹  
 — آپ کی دعوت وہی تھی جو محمد مسلم نے دی ۲۶۰  
 — آپ کے قتل جو نہ لادلیل دیے جانے کی تردید ۴۱۸  
 — واقعہ میلہ کے پہلے آپ کا اٹھایا جاتا ۴۱۹  
 — واقعہ ریش کی غیر معمولی وقت ۴۲۰  
 — آپ کی موت کے قبل تمام اہل کتب { ۴۲۱  
 کے آپ پر ایمان لانے کا مفہوم  
 — آپ کے بارے میں اہل کتب کا فرقہ ۴۲۷  
 — آپ کے لکھنے والے جو نہ لادلیل دیے جانے کا مفہوم ۴۲۷

- معاشرت میں اس کی حیثیت اور مرتبہ ۱۷۰-۱۷۲  
 ۱۷۷-۱۸۰-۱۸۲-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸  
 ۳۴۹  
 — اس کے معنوی فرائض ۱۷۳  
 — معاشرت میں اس کے حقوق ۱۸۰  
 — قانون شہادت میں اس کی گواہی ۲۲۰  
 — اس کے معاشی حقوق ۳۲۳  
 — بہترین بری کی صفات ۳۴۹  
 — اس سے شوہر کی اطاعت کا مطالبہ کہاں تک ہے ۳۴۹

## حمد

- اللہ کے حمد کو پڑھنے کی سزا ۲۵۳-۲۶۲  
 — حمد پڑھنا سے کیا گیا ۲۶۸  
 — حمد جو بنی اسرائیل سے لیے گئے ۹۰-۹۵  
 ۳۰۹-۳۱۰-۳۵۱  
 — "میشاق طرہ" جو بنی اسرائیل سے لیا گیا ۴۱۶  
 — مسلمانوں کو اللہ کے حمد پر کار بند ہونے کی تاکید ۴۲۹  
 — "مصحفنا طاعتاً" کا حمد ۴۲۹  
 — مسائیر سے جو حمد لیا گیا اللہ { ۴۵۵  
 انھوں نے بھی حمد لکھی کی  
 — اللہ کے حمد کے تین مخوم ۶۰۰  
 — فطری حمد کی توضیح ۶۰۰  
 — فطری حمد کا مفاد ہے کہ انسان اللہ کے { ۶۰۰  
 بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چلے  
 عیسیٰ علیہ السلام  
 — آپ کے خلاف بنی اسرائیل کی زیادتیاں ۸۱-۱۷۷  
 — آپ کے فضائل ۹۲

— حضرت عیسیٰ نے ان کو توحید کی دعوت دی تھی، اور تثنیث کی ۵۱۶ {

## عیسائیت

— حضرت مسیح کے بعد پیدا ہوئی ۱۱۵

— اس کے باطل ہونے پر قرآن کا ایک لطیف استدلال ۱۱۵-۱۱۶ {

— اس کی بنیادی گمراہی ۲۳۶

— عیسیٰ کی ہجرت پر بلاشبہ کی دہم سے ۲۵۰ {

— حضرت عیسیٰ کے خلق حقیقہ الہییت پیدا ہونے کے اسباب ۲۵۴ {

— حضرت برہم کے بت بعد پیدا ہوئی ۲۶۲

— واقعہ میلہ کے خلق عیسائوں کے اختلافات ۴۱۹

— حقیقہ تثنیث ۴۲۸-۴۹۰

— کفار کے کا حقیقہ اور اس کی تردید ۴۶۹

— عیسیٰ عسقرہ دیورینڈ چارلس ایڈمز اسکاٹ کا تبصرہ۔

۴۹۱ تا ۴۹۴

— عیسیٰ کیسا کے حقیقہ پر دیورینڈ ۴۹۴ {

— الہییت مسیح کے حقیقہ کا اثرو ارتقا ۴۹۳-۴۹۵

— الہییت مہم کا حقیقہ، حضرت مریم کو عیسائوں کا اہم اثر قرار دینا ۵۱۵ {

## غ

## غلامی

— رنڈروں سے حق کی اجازت ۳۲۱-۳۲۲-۳۲۹

۳۳۰

— منکر رنڈی کے لیے ڈنکی سزا ۳۳۲

— مشورہ و تہذیب کا مطلب ۴۲۸

— انجیل میں آپ کے اقوال توحید پر مشتمل ہیں ۴۲۸

— آپ کا مقام جدید ہے ۴۳۰

— عیسائوں کا آپ کو خدا قرار دینا ۴۵۶

— آپ اور آپ کی والدہ اللہ تعالیٰ کی بے اختیار رحمت ہیں ۴۵۴ {

— آپ کی حیثیت خدا کا اصولی ہونے سے ناگزیر تھی ۴۹۰

— آپ اور آپ کی والدہ ماجدہ کی بشریت ۴۹۰

— شیطان کے ذریعہ آپ کی آزمائش ۴۹۱

— عیسائیوں کے ایک خیالی عیسیٰ (مسیح) تصنیف کرنے کی داستان ۴۹۱ تا ۴۹۵ {

— آپ کے سارے عجوات اللہ کے لفظ سے ظاہر تھے ۵۳۳

— آپ پر حواریوں کا ایمان ۵۱۳

— آسمانی خان کے لیے آپ کی دعا ۵۱۳

— آپ پر اخوت میں اللہ تعالیٰ کی جرح ۵۱۵

— اخوت میں آپ کا مقامی کا بیان ۵۱۶

— اپنی اہمیت کے لیے آپ کی ماجراجو لطیف شفاعت ۵۱۶

## عیسائی

— مسیح کے اجتہادی پیر و عیسائی نہیں بلکہ مسلم تھے ۲۵۱

— عیسائیوں کے سامنے قرآن کی تین تعریحات ۲۶۰

— ان سے محد لایا گیا اور انہوں نے محد لکھنے کی ۴۵۵

— غلطہ نصاریٰ کی تشریح ۴۵۵

— ان کا یہ دھم کہ ہم اللہ کے بیٹے اور جیسے ہیں ۴۵۵

— ان کو قانون الہی کے مطابق نیلہ کرنے کا حکم دیا گیا ۴۵۵

— ان کا حقیقہ تثنیث کفر ہے ۴۹۰

— ان کا ایک خیالی مسیح تصنیف کرنا ۴۹۱ تا ۴۹۵

— اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے سلیم انصاف و غیر کلامیہ ۴۹۰

## غیب

اس کے سنی ۵۰

ایمان بالغیب کا مطلب ۵۰

۳۰۶ { اللہ حق غیب میں سے جتنا کچھ چاہتا ہے اپنے رسول کو بتاتا ہے }

۳۰۶ { اللہ کے لیے بارے میں اللہ اور رسول پر اعتماد کرو }

۵۲۵ { پروردگار نے اپنے پر مطلب اصلاح کا کافر }

۵۳۲ { آخرت میں حقیقت بالکل بے نقاب ہوگی }

۵۴۲ { نبی مسلم کے عالم الغیب ہونے کی مزید تردید }

۵۴۶ { غیب کی کنیاں موت اللہ کے پاس ہیں }

## ف

## فاسق - فاسقین

فسق کے سنی ۶۰

فاسقین کی صفات ۶۰

۹۶ { اللہ کی آیات سے فاسق ہی انکار کرتے ہیں }

۱۹۶ { فسق بندگی کے مدتی سے انحراف کا پیمانہ ہے }

۲۶۹ { فاسق سے اللہ کے لیے کفر کا پیمانہ ہے }

۴۴۳ { فسق کی چند صورتیں }

۴۵۵ { جو اللہ کے تائید کے مطابق فیصلہ }

۴۵۵ { مذکورہ فاسق ہیں }

۵۱۲ { اللہ فاسقین کو ہدایت نہیں دیتا }

۵۴۴ { جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو }

۵۴۴ { اس کا کائنات ہے }

## فہم

۱۵۰ { فہم فہم کے سنی }

۱۵۰ { فہم فہم کے زیادہ سنگین }

۱۵۱ { فہم فہم کا استعمال غلبہ باطل کے سنی میں }

۱۶۵ { فہم فہم کے سنی }

۲۳۵ { فہم فہم کے سنی }

۴۴۱ { فہم فہم کے سنی }

۴۴۹ { فہم فہم کے سنی }

## فرشتے

۶۲ { فرشتے کے سنی }

۶۵-۶۴-۶۲ { کائنات کے نظام میں فرشتوں کی حیثیت }

۹۸

۳ { انسان کی خلافت پر فرشتوں کا اعتراض کی حقیقت }

۶۳ { فرشتوں کے علم کی حقیقت }

۶۳ { آدم کے آٹھ ان کو سجدہ کرنے کا حکم اور اس کا مطلب }

۹۶ { ان کی مخالفت کفر ہے }

۲۳۹ { توحید پر فرشتوں کی شہادت کی اہمیت }

۲۴۹ { فرشتوں کا حضرت زکریا کو نماز میں خوشخبری سنانا }

۲۵۱-۲۵۰ { فرشتوں کا حضرت مریم کو بشارت دینا }

۲۸۱ { ان کا پارٹ مسکرت حق و باطل میں }

۳۸۶-۵۴۶ { ان کا دور قبض کرنے کے لیے آنا }

۵۲۶ { فرشتوں کے علی الاعلان آنے کی دو صورتیں }

۵۴۶ { ہر آدمی پر لگائی گئی والے فرشتے مقرر ہیں }

۵۴۶ { فرشتے فرائض کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے }

۵۶۵ { فرشتے عالموں کی جان کیسے لیتے ہیں }

۵۹۶ { یہ پیدائشی راستہ نہیں }

## فرعون

۷۵ { بنی اسرائیل پر اس کے نظام }

۷۵ { لشکر فرعون کی عزت جانی }

## فرقان

۷۶ { حضرت موسیٰ کو علیکایا جاتا ہے }

۴۷۱۔  
اسلامی قانون کے تناظر سے قبل کے معاملات کا حکم ۳۳۵  
قانونی و اخلاقی حیثیات کا فرق ۲۱۳  
ازدواجی معاملات

نکاح ۶۸-۱۸۰-۲۷۰-۳۲۵ تا ۳۲۹-۳۳۱  
۴۴۶  
ایثار ۱۶۱-۱۶۲  
طلاق ۱۶۲ تا ۱۶۵  
حرم ۱۸۱-۴۲۲-۳۳۲-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷  
نکاح ۱۶۲-۱۶۹-۱۶۹  
رجعت ۱۶۴-۱۶۵  
طلاق ۱۶۵-۱۶۹  
حرم کا نفع ۳۳۹  
(مزید دیکھو: "ازدواجی زندگی")

### بنات

نظام اسلامی سے بنات کی سزا ۳۶۵  
خدا و رسول کے خلاف جنگ کرنے کا منہم ۳۶۵  
بائیسوں کے لیے قرآن کی گنجائش ۳۶۵-۳۶۶

### بین الاقوامی قانون

بین الاقوامی معاہدات کا ضابطہ ۳۸۱

### قانون جنگ

جنگ کا حکم ۱۴۹-۳۸۶  
جنگ کا مقصد ۱۵۰-۴۹۰-۴۹۲  
جنگ کے حدود ۱۵۱-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۵

### چوری

چور کی سزا ۴۶۷  
چور کے سزا کے بارے میں نبی مسلم کی تصریحات ۴۶۸

قرآن کی صفت ۱۳۲

بہن کوئی ۲۳۳

فرقہ بندی (دیکھو: "تفرقہ و اختلاف")  
فساد

قرآن کے نزدیک زمین میں فساد  
۶۰ {  
ہیلا کرنے سے کیا مراد ہے ۹

ایک فساد پھیلانے والا انسانی کردار ۱۵۹  
زمین کو فساد سے بچانے کے لیے اللہ کی تدبیر ۱۹۱  
ہندگی کے رویہ میں فساد کے تین مراتب ۱۹۶  
فساد اسلامی حکومت کا تختہ اٹھانے کے سنی میں ۴۶۵  
اللہ کو مدبرین ناپسند ہیں ۴۸۶

فسق (دیکھو: "فاسق")

### فلاح

کس قسم کے لوگ فلاح پانے والے ہیں ۵۱۹-۳۱۳  
اس کے لیے ہر بالغ مرد اور عورت کو لازم ہے ۲۷۸  
اس کے لیے تقریبی لازم ہے ۲۸۸  
فلاح پانے کے لیے ایمان کے ساتھ ۴۶۶ {  
تقریبی اور ہمدانی اہمیت  
فلاح پانے کے لیے گندے شیطانی ۵۰۱ {  
کاروں سے بچنا ضروری ہے  
قائلوں کے لیے غرض نہیں ہے ۵۲۰-۵۸۳

فواحش اس کے سنی کی تشریح ۵۹۹

### ق

قاریات مسلمان عورتوں کی تربیت ۳۳۹

قانون اسلامی:

### اصول قانون

حکومت میں قرآن ہی قانونی مرجع ہے ۴۷۹-۴۷۸



دستوری مسائل

— اسلامی حکومت کی دستوری بنیادیں ۲۶۲-۲۶۳

زنا

— زنا کی ابتدائی سزا ۳۲۱

— زنا کے لیے نصاب شہادت ۳۲۱

— عورات سے زنا کا ارتکاب دھاری جرم ۳۲۶

— مکروہ و فحش کے لیے زنا کی سزا ۳۲۲-۳۲۳

— زہم کی طرف ایک طبیعت اٹھانہ ۳۲۲

(مزید دیکھو: "زنا")

سود

— سود دھاری جرم ۲۱۸

(مزید دیکھو: "سود")

شراب

— شراب نوشی کی سزا ۵۰۲

(مزید دیکھو: "شراب")

شہادت

— شہادت کا قانون ۲۷۰-۲۷۱

— زنا کے لیے نصاب شہادت ۳۲۱

— حیثیت کے لیے نصاب شہادت ۵۱۰

— گواہوں کا صاحب مدلی ہونا ۵۱۰

— شہادت کا ضابطہ ۵۱۱

وراثت و تقاضا

— وراثتی فیصلے کا دار و مدار ظاہری شہادتوں پر ہو گا ۱۳۸

— وراثت کی طرف سے بچوں کے حقوق کا قانون ۳۵۱

— قضا کا اسلامی طریقہ ۳۸۳

— اسلامی وراثت کی حدود و نیز کے مفادات ۴۷۱

سننے دینے کا اختیار دیا گیا

قتل بالسان

— قتل کے لیے قصاص کا قانون ۱۳۸-۱۳۹

— قتل کا سزا کا پلہ دماغی نامہ ہے ۱۳۸

— دیت (خون بہا) کا قاعدہ ۱۳۸

— عرصہ کی جان کی حرمت ۳۸۲

— عرصہ کو سزا قتل کرنے کا قانون ۳۸۲-۳۸۳

— خون بہا اور اس کی مقدار ۳۸۲

— ایک حادثہ قتل پوری انسانیت کو

خطرے میں ڈالتا ہے ۴۶۳

— اسلام میں قتل کے لیے ہانچ و جھوماز ۵۹۹

— قراۃ کا قانون قصاص ۴۷۴

(مزید دیکھو: "قتصاص")

قرض و رهن

— اس کے احکام ۲۱۹ تا ۲۲۲

— تقسیم وراثت سے قبل اس کے قرض کا حکم ۳۲۷ -

۳۲۸-۳۲۹

— دیوالیہ کا قانون ۲۱۸

وراثت

— قانون وراثت کی دینی اہمیت ۳۲۰

— وراثت کے حصوں میں وصیت کے

قدرے کی پیشین گوئی کی جا سکتی ۱۳۰

— حق وراثت بددینانے قرابت ۳۲۲

— وراثت پر سے جو کہیں ہمارے ہوگی ۳۲۳

— وراثت میں مرد کے ساتھ عورت بھی حصہ دار ہے ۳۲۳

— وراثت کے حصص ۳۲۵

— والدین کے حصص ۳۲۶

— تقسیم میراث اور وصیت و قرض ۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹

— اس کے حدود ۱۵۱-۱۵۲-۳۸۰-۳۸۲-۳۸۵

— یہ لازم ایمان ہے ۳۶۳

— بڑی بڑی باتیں ہانے والے کے ثبوت جوتے ہیں ۳۶۳

— حکم جاد پر متفقین کا ذہنی رد عمل ۳۶۳

— حکم قتال میں غیر ملکی ۱۴۳

— قتال کے مقابلے میں ہمارا کام میں مہم ۱۹۶-۲۹۶

— بنی اسرائیل کا اس سے جی چرانا اور اس کے نتائج ۱۸۴-۲۵۹

— اللہ کی راہ میں اللہ نے اور کفر کے لیے لڑنے میں فرق ۲۳۶

— اللہ کی راہ میں لڑنے کا اجر ۳۶۶-۳۸۵

— قتال فی سبیل اللہ میں مہمراستہ کی اہمیت ۲۹۳

— مقابلہ کے لیے تیار رہنے کا حکم ۲۶۱

— یہ ان لوگوں کا کام ہے جو آخرت کے بدلے { ۲۶۲

— دنیوی زندگی کو فروخت کر دیں

— نصیر نام اور فرض گناہ کا فرق ۳۸۷

— قصر فی الصلوٰۃ کی اہمات ۳۸۸ تا ۳۹۰

— صلوٰۃ غرت ۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲

قتل (دیکھو قانون اسلامی)

قتل اولاد (دیکھو "ادایم جاہلیت")

قراآن

— اس کے فنی ترجمہ کے عناصر ۷

— اس کا اسلوب بیان ۸-۲۰-۱۱۳-۲۳۳

۲۸۲-۳۳۲

— اس میں ہنگامہ پہلی مرتبہ کرنے کے جوہر ۹-۱۳-۱۵

— اس کو سمجھنے کے لیے تاریخی پس منظر کو

نگاہ میں رکھنے کی اہمیت

— محدود حق کا تعلق کن حالات میں ہوتا تھا ۹-۲۰

— اس کی مخصوص اصطلاحی زبان ۱۰

— بری کے ترکے میں شہر کا حصہ ۳۲۸

— شہر کے ترکے میں بری کا حصہ ۳۲۸

— زوجہ وراثت میں قانون اسلامی کی روشنی میں ۳۳۱

— مذہبے دشمنوں کا قانون وراثت تسلیم نہیں کرتا ۳۳۸

— لالہ کی تعریف ۳۳۱

— لالہ کا حصہ میراث مختلف صورتوں میں ۳۲۹-۳۳۱

۳۳۲

— حضرت عمر کا لالہ کے بارے میں تردد ۳۳۱

وہمیت

— قانون وراثت سے قبل وہمیت کا حکم دیا گیا تھا ۱۳۹

— قانون وراثت کے نزول کے { ۱۴۰-۳۴۶

— بعد وہمیت کے حدود

— تقسیم میراث اور وہمیت ۳۴۶-۳۴۸-۳۴۹

— فرد رساں وہمیتوں کی اصلاح ۳۴۸-۳۴۹

— وہمیت کے لیے نصاب شہادت ۵۱۰

قبلہ

— کسی سمت کو قبلہ بنانے کے معنی یہ ہیں { ۱۱۹

— کہ اللہ اسی طرف ہے

— تحویل قبلہ اور انقلاب اہمیت ۱۱۹

— تحویل قبلہ میں آرائش ۱۲۰

— تحویل قبلہ کا اصل حکم ۱۲۱

— نئی معلوم کا تحویل قبلہ کے لیے آئندہ نہ ہونا ۱۲۱

— تحویل قبلہ کی قبیل مدائن نمازیں کیے کی گئی ۱۲۱

— قبلہ بننے کے لیے کبھی اہمیت ۲۵۴

قتال فی سبیل اللہ

— اس کا اولین حکم ۱۳۹

— اس کے مقاصد ۱۵۰-۱۵۱-۲۹۰-۳۶۲

- ۱۰۔ اُس کے نقلی ترجمے کے ذرائع اور تفصیلات
- ۱۱۔ اُس کا عام کتابوں سے فرق و امتیاز ۱۲۔ ۲۰۔ ۲۵
- ۱۲۔ اُس کو سمجھنے میں عام لوگوں کو کس قسم کی مشکلات پیش آتی ہیں امدان کے جہہ ۱۳۔ ۱۵۔ ۱۶
- ۱۳۔ اُس کی آیات میں سرسری ربط بنانے کی غلطی ۱۴
- ۱۴۔ اُس کی آیات کو سیاق و سباق سے الگ کر کے دیکھنے کا نقصان ۱۵
- ۱۵۔ اُس کو سمجھنے کے لیے کن چیزوں کا جان لینا ضروری ہے ۱۶۔ ۲۰
- ۱۶۔ اُس کی اصل حقیقت ۱۷۔ ۱۹
- ۱۷۔ اُس کا مابعد الطبیعی پس منظر ۱۸
- ۱۸۔ اُس کا موضوع ۱۹
- ۱۹۔ اُس کا مرکزی مضمون ۲۰
- ۲۰۔ اُس کا مقام ۲۱
- ۲۱۔ اُس کے ربط کلام کی تشریح ۲۲
- ۲۲۔ اُس کی کیفیت نزول ۲۳۔ ۲۵
- ۲۳۔ دعوتِ اسلامی کے مختلف مراحل میں نازل شدہ سورتوں کی اہم خصوصیات ۲۴
- ۲۴۔ اُس کے اسلوب بیان کی خصوصیات ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷
- ۲۵۔ اُس کے مضامین میں وقتی اور دائمی رنگ اس قدر نمایاں کیوں ہے؛ اور یہ کہ یہ چیز اس کے دائمی اور ۲۶۔ ۲۷
- ۲۶۔ عالمگیر ہدایت برہنہ میں تادم نہیں ہے
- ۲۷۔ نئی صورتوں کا پس منظر امدان کی خصوصیات ۲۸۔ ۲۹
- ۲۸۔ دائمی صورتوں کا پس منظر امدان کی خصوصیات ۲۹۔ ۳۰
- ۲۹۔ اُس میں مضامین کی تکرار کیوں ہے؟ ۳۰
- ۳۰۔ اُس کی موجودہ ترتیب نقدی ترتیب سے مختلف کیوں ہے؟ ۳۱
- ۳۱۔ موجودہ ترتیب کی علتیں ۳۲
- ۳۲۔ اُس کی موجودہ ترتیب کس کی دی ہوئی ہے اور کب دی گئی؟ ۳۳
- ۳۳۔ اُس کے محفوظ ہونے کے دلائل ۳۴۔ ۳۵
- ۳۴۔ نئی مسلم کے زمانے میں اس کی کتابت ۳۵
- ۳۵۔ اُس کو حفظ کرنے کا طریقہ ابتدا سے رائج ہو گیا تھا ۳۶
- ۳۶۔ اُس میں تحریرین کیوں ناممکن ہے؟ ۳۷
- ۳۷۔ پہلا مستند نسخہ کس طرح تیار کیا گیا؟ ۳۸
- ۳۸۔ اُس کے سات حدود پر نازل ہونے کا مطلب ۳۹
- ۳۹۔ نئی مسلم کے زمانے میں کن کن لوگوں کے پاس قرآن کے اجراء و سورت تحریر ہو جوتے؟ ۴۰
- ۴۰۔ اُس کے مطالعہ کا صحیح طریقہ ۴۱۔ ۴۲
- ۴۱۔ اُس کے تحقیقی مطالعہ کا طریقہ ۴۲
- ۴۲۔ اُس کی مدح کو بایں اس کے منشاء کے مطابق کام کیے بغیر ممکن نہیں ہے ۴۳
- ۴۳۔ "سلوک قرآنی" ۴۴
- ۴۴۔ اُس کے عالمگیر اور اہدی ہدایت ہونے کے دلائل ۴۵
- ۴۵۔ اُس کے مفصل ہدایت نامہ ہونے کا مطلب ۴۶
- ۴۶۔ سنت کے ساتھ اس کا تعلق ۴۷
- ۴۷۔ وہ کس قسم کے تفرق و اختلاف سے منہ کرتا ہے؟ ۴۸
- ۴۸۔ اُس کی رو سے جائز اور ناجائز اختلافات کے حدود ۴۹
- ۴۹۔ سب سے پہلی مکمل سورت ۵۰
- ۵۰۔ نزولی وحی کی ابتدا کن آیات سے ہوئی؟ ۵۱
- ۵۱۔ سورتوں کے نام ۵۲
- ۵۲۔ اُس کی خصوصیات ۵۳۔ ۵۴
- ۵۳۔ کس قسم کے لوگ اس سے ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶
- ۵۴۔ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں؟ ۵۵
- ۵۵۔ فرع انسانی کو اس کی دعوت کیا ہے؟ ۵۶۔ ۵۷

- ۲۹۳-۲۹۴-۲۹۶ اس کے کلام الہی ہونے کا ثبوت ۵۸-۵۹-۲۳۵
- اسے کلام الہی نہ ماننے کے مفردی نتائج ۵۸
- اسے کلام الہی مان لینے کے مفردی نتائج ۵۸
- اس پر مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ۵۹
- ۱۰۰-۱۰۵-۵۹۹
- کس قسم کے لوگ قرآن سے گمراہی افہم کرتے ہیں؟ ۵۹
- ۲۳۴-۲۳۵
- اس کی دعوت دہی ہے جو پچھلی تمام آسمانی کتابوں کی تھی
- ۶۰-۲۳۲-۲۸۸
- پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے ۶۲-۹۳-۹۴
- ۹۶-۲۳۱-۳۵۸-۲۶۹-۵۹۳
- پچھلی کتابوں کی تصدیق وہ کن معنوں میں کرتا ہے ۲۳۲
- نبی معلّم کے پاس جبریلؑ کے ذریعے آیا ہے ۹۶
- اس کی صفات ۹۶-۹۷-۱۴۲
- اس میں نسخ ہونے کا مطلب ۱۰۱
- اس کی اصولی تعلیمات ۱۱۴
- کافران بیان کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اخلاقی احساسات کو بھی ابھارتا ہے ۱۳۸-۲۰۵
- اس کے نزول کی ابتدا ۱۴۲
- تاریخ انسانی کے متعلق اس کا نظریہ ۱۴۲
- وہ حق نے کرا یا ہے ۲۳۱-۲۹۳-۲۶۱-۵۷۵
- قرآن لائق دہاقل کی کسوٹی ہوتا ۲۳۴
- قرآن کے فرائض سے انکار کا نتیجہ ۲۳۲
- اس کی آیات کی دو بڑی قسمیں: { ۲۳۳
- حکامات اور مشابہات
- اس سے ہدایت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے ۲۳۵
- وہ دلیل ایمان کے لیے میرا فیصلہ اور حجت ہے ۲۳۶
- ۲۹۳-۲۹۴-۲۹۶
- وہ بعض کتاب آئین نہیں، بلکہ کتاب ہدایت ہے ۲۹۶
- اس کا تضاد سے پاک ہونا ۲۹۶
- اس کا کتاب میں ہونا ۲۲۰
- اس کے منزل میں اللہ ہونے پر اللہ اور فرشتوں کی گواہی ۳۳۱
- وہ اللہ کی طرف سے روشن دلیل ہے ۳۳۱-۶۳
- اس کا نظریہ علت و حرمت ۳۴۴
- اللہ حیر سے نکال کر کھلے میں لانے والی کتاب ۳۵۹
- وہ سوائی کے طریقے بتاتا ہے ۳۵۶
- انبیاء کے بارے میں اس کی ایک اہم تصریح ۳۷۵
- آسمانی کتب پر اس کے "معیین" ہونے کا مطلب ۳۷۷
- اس کا نزول بیرو کے طغیان و کفر میں { ۳۸۵
- افساد کا سبب بن گیا
- مجرمین کی روش کو نمایاں کرتا ہے ۵۳۵
- وہ نصیحت اور تنبیہ کا ذریعہ ہے ۵۵۰
- غیر و برکت والی کتاب ۵۶۳-۶۰۲
- اس کے اولین مخاطبین ۵۶۳
- اس کو ماننے کے لیے ایمان بالآخرہ مفردی ہے ۵۶۴
- اس میں تصریح کلام کا اسلوب ۵۶۹
- وہ اپنے مخاطبین کے لیے آزمائش بن گیا ہے ۵۶۹
- اس کے بیان میں تفصیل کا ہونا ۵۷۵
- اس کے ذریعے لوگوں پر تمام حجت ۶۰۲
- قرآنی تمثیلات**
- منافقین کے دو گروہوں کی تشیل ۵۵
- ہدایت سے بے نیاز لوگوں کے لیے ۱۳۳
- جازروں اور جبرداروں کی مثال
- اتفاق کے لیے بیخبر لوگوں اور لوگوں کی مثال ۲۰۳

### قرعہ اندازی

— مقرر کا نہ مال گیری ۴۴۲

— قرعہ اندازی کی جائز صورت ۴۴۲

### قریش

— ان کے مذہبی و اخلاقی جرائم ۱۰۴-۱۱۱-۱۵۵-۱۶۵

— مسلمانوں پر ان کی زیادتیوں ۱۰۴

— نبی مسلم پر ان کا اعتراض کرادنی لوگ { ۵۴۳  
آپ کی دعوت پر مبعوث ہوئے ہیں

— حضرت ابراہیم پر ان کا بے جا لعنہ دنا ۵۵۳

### قسم

— نیکی اور تقویٰ سے باز رکھنے والی قسموں { ۱۵۱  
کی ضمانت اور ان کو توڑ دینے کا حکم

— بے سنی قسموں پر گرفت نہیں ۱۵۱

— قسم توڑنے کا کفارہ ۱۵۱-۵۰۰

— قسموں کو بچنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۲۶۶

— جعلی قسموں کا حکم ۴۹۹

— اس کی حفاظت کرنے کی تاکید ۴۹۹

— شہادت کے لیے قسم ۵۱۱

### قصاص

— اس کے معنی ۱۳۷

— اس کا جاہلی تصور ۱۳۸

— قصاص میں سوسائٹی کی زندگی ہے ۱۳۹

(مزید دیکھو: "قتل و اسلامی")

— قصہ - (دیکھو: "نماز")

### قیامت

— مخلوقات کے فیصلے کا دن ۱۰۴

— ہر شخص کے لیے اجر پانے کا دن ۳۰۸

— کیا کلامہ اتفاق کی مثال ۲۰۴

— مخلصانہ اتفاق کی مثال ۲۰۵

— جہاد اعمال کی تشبیہ ۲۰۶-۲۸۱

— اہل شرک کے لیے مہربانی پیش کرنے کی مثال ۵۵۰

— چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالوں پر { ۵۶۹-۵۹۹  
غنائیں کا اعتراض اور اس کا جواب

— "موت سے مراد جہات و جہشوری کی زندگی ۵۷۸

— زندگی سے مراد نیکی و بدی کے شور کی حالت ۵۷۸

— "روشنی" اور "تاریکی" سے "علم" اور "جهات" کا مفہوم ۵۷۸

### قربانی

— اس کے اپنی جگہ پہنچنے کا مفہوم ۱۵۳

— حاجی قربانی سے پہلے ہال و ترشائے ۱۵۳

— قربانی میں سترہ ہونے کی صورتیں ہیں { ۱۵۴

— حاجی روزے رکھے

— وہ قربانی جسے آسانی آگ کہا جائے ۳۰۸-۳۰۷

— قربانی کے جانوروں پر دست دوازی نہ کی جائے ۴۳۸

— آدم کے دو بیٹوں کی قربانی کا واقعہ ۴۶۱

### قرض

— موقوفہ سے فیاضانہ سادہ کی تعلیم ۲۱۸

— دیوا یہ لاقانون ۲۱۹

— بین دون کے لیے دستاویزات کھسنے کی ہمت ۲۱۹

— مدت کی تعیین ۲۱۹

— دو دفعہ کے بین دون میں دستاویز کی ضرورت نہیں ۲۲۱

— دستاویز کے بجائے دین ۲۲۱

— رہن میں سود کی صورت ۲۲۲

— متوفی کے ترکہ میں سے اس کی ادائیگی ۲۲۶-۲۲۸

۳۲۹

## کسب

— سادے انسان کو جمع کیا جائے گا ۲۷۸-۵۲۷

— قرآن حال کو کسب کرتا ہے ۱۱۴

— ہر شخص اپنے کسب کردہ اعمال کا خود ذمہ دار ہے ۶۰۵

## کعبہ

— بیت المقدس سے پہلے کی مرکزی عبادت گاہ ۱۲۴

— اس کے قبل بنائے پر یہودیوں کا اعتراض ۲۷۴

— اس کی علامات قبولیت الہی ۲۵۵

— عربوں میں اس کا احترام ۲۷۶

— اس کے اثرات عربوں کی اجتماعی زندگی پر ۵۰۵

## کفار

— قسم توڑنے کا کفارہ ۱۷۱-۵۰۰

— عرصہ کو سزا قتل کرنے کا کفارہ ۲۸۷-۳۸۳

— کفار سے عداوت کرنے میں فرق ۲۸۳

— مدد بطور کفارہ ۴۷۴

— حالت احرام میں شکار کرنے کا کفارہ ۵۰۴

کفارہ منکر (دیکھو: قریش)

## کفر

— کفر کیوں خلاف عقل و فطرت ہے ۶۱

— آیات الہی سے کفر کرنے کا مطلب ۸۰

— کتاب الہی سے ایک حصے کو انکار ۹۱

— اور دوسرے حصے کو چھوڑ دینا

— کافرانہ عقائد و اعمال کی تفصیل ۹۷

— کفر کے دینی کی مختلف صورتیں ۱۲۹-۴۰۷-۴۱۳

۴۱۴

— کفر کے فتنہ کا استعمال بتاوا: شکر ۵۲۹

— اہل کفر کے لیے دنیوی زندگی

— بڑی دلچسپ بنا دی جاتی ہے

— قیامت کے روز جہنم کی طرف سے  
کئی مکانات ذکر کیے گا ۳۹۵

— مسلمانوں اور منافقین کے درمیان  
قیامت ہی کو فیصلہ ہوگا ۳۰۹

— قیامت کے روز حضرت عیسیٰ کا اہل کتاب پر لڑائی دینا ۴۴۱

— اہل کفر کی قیامت کے دن کوئی تادیب سزا سے بچانے کے گا ۴۶۷

— وہ ایک غیر مثبت حقیقت ہے ۵۲۷

— بڑا خوفناک دن ۵۲۸

— جس طعن اللہ کے گھر کو شہر ہو جائے  
اسی دن وہ ہو جائے گا ۵۵۲

— صوبہ قیامت چھوٹنے کا مفہوم ۵۵۲

— نظام کائنات کا درجہ برہم جو کراڑ سر زخام ہونا ۵۵۲

— اس کا ناقص ہے ۵۸۳

## ک

## کبار

— ان کی تین صورتیں: قلم، فن و صنعت، تجار ۳۴۶-۳۴۷

— کبار سے بچنے والوں کی چھوٹی چھوٹی

— غلیبیاں اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا ۳۴۶

## کتاب آسمانی

— سب کتابوں پر ایمان لانا فرضی ہے ۵۱-۱۱۵

— ان کے نازل کرنے کی غرض ۱۶۲-۲۳۱

— قرابت و تعلق کی تاریخ ۲۳۱-۲۳۲

— حضرت عیسیٰ قرابت کی اقامت کے لیے آئے تھے ۲۵۲

— جو کتاب آسمانی کے لیے فتنہ الکتب کا استعمال ۴۷۹

— قرآن جو کتاب آسمانی کا صدق اور عین ہے ۲۳۳-۴۷۶

- اہل کفر کی ہمت دہری ۵۲۵  
— اہل کفر کے لیے مگر ای کا خوشنماں جانا ۵۷۸  
**کفرانِ نعمت**  
— ”کفر“ بمقابلہ ”شکر“ ۱۲۹  
— کجی کفرانِ نعمت ہے ۳۵۲  
— کفرانِ نعمت اور اس کی پاداش ۵۲۵  
— کفرانِ نعمت کا تیسرا سبب نعمت ہوتا ہے ۵۶۲

## ل

## لعنت

- کس قسم کے لوگ اس کے مستحق ہیں ۱۲۸-۱۲۹-۱۲۹  
۲۵۸-۳۵۸-۳۹۰-۳۸۴-۳۹۸-۳۸۴  
— اہل پرستی کی وجہ سے یہ در لعنت ۳۵۸  
— جس پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر اس کو لعنت سے ۳۹۰  
— بچانے والا کوئی مددگار نہیں مل سکتا  
— بنی اسرائیل کے کفر پر داؤد و عیسیٰ کی لعنت ۴۹۶  
— لونڈی۔ (دیکھو: ”غلامی“)

## م

- ماہِ حرام (دیکھو: ”اشہر حرم“)  
— مہاجر۔ وفدِ حجاز کو دعوتِ مہاجرہ کا اس سے گزیر  
۲۹۰-۲۹۱-

## مشابہات

- آیاتِ مشابہات کی تشریح ۲۲۴  
— مشابہات سے اہل فتنہ کی غیر معمولی دلچسپی ۲۳۵

## مثنیٰ

- متعین کی صفات ۲۸۸-۲۸۹-۵۰  
— دوسروں کو نصیحت کرنا ان کا فرض ہے مگر ۵۴۹  
— دوسروں کے حساب کی ذمہ داری ان پر نہیں

- کفر و ایمان میں سمجھوتہ نہیں ہو سکتا ۱۶۶  
— کفر بندگی سے آخر تک کا دوسرا مرتبہ ہے ۱۹۶  
— دیا گاری پر کفر کا اطلاق ۲۰۵  
— کفر کے فردی انجام سے اہل دارالادنیس بچا سکتے ۲۳۹  
۲۸۱ )  
— رسول کی اطاعت سے انکار کفر ہے ۲۴۵  
— اس روش کا انجام ۲۵۹  
— کوئی نئی کفر کا حکم نہیں دے سکتا ۲۶۸  
— کفر و کفر کا ردیہ ۲۷۱  
— حاجت کفر میں جان دینے والوں کا انجام ۲۷۲-۳۳۳  
— حقوقِ اللہ کی ادائیگی سے گریز کفر ہے ۲۷۵  
— اہل کفر کی ہمت ہجرت دین حق ۳۰۴-۳۱۳  
— کے مقابلے میں کچھ نہیں  
— اہل کفر کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۳۰۵  
— اہل کفر کو وہیل دینے کی غایت ۳۰۵  
— کافر و مسلم کا امری فرق ۳۹۵  
— حفاظت کی راہ میں لڑنا کفار کا کام ہے ۳۷۳  
— نظامِ کفر کے تحت اہل ایمان کے ۳۸۷  
— زندگی بسر کرنے کی دو صورتیں  
— اسلام کے لیے بے جہتی واجب کفر ہے ۳۰۸  
— نصاریٰ کا کفر ۴۵۶-۴۸۹  
— اہل کفر کو آخرت کے مذاہب کے ۴۶۷  
— کوئی مذہب چاہیں سکتا  
— ”یَسْأَلُونَكَ فِي الْكَفْرِ“ کا مطلب ۴۶۹  
— برائے کفر کے قانون کے مطابق ۴۷۴  
— فیصلہ کریں کہ کافر ہیں  
— دین میں مرنے والوں کا نتیجہ کفر ہوتا ہے ۵۰۸

## محکمات

— آیات محکمات کی تشریح ۲۳۴

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

— آپ کس کام کے لیے تشریف لائے تھے ۱۰۶-۲۶-۱۹

— آپ کی دعوت کا آغاز کس طرح ہوا اور  
کن مرحلوں سے گزر کر تکمیل کو پہنچا ۲۱— آپ کی مخالفت کس کس طرح کی گئی  
اور کن وجہ سے کی گئی ۲۷— کس قسم کے لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کی  
اور ان کی زندگی پر کیا اخراجات پڑے ۲۲

— آپ کی کامیابی کے وجوہ ۲۲

— آپ کی دعوت وہی ہے جو پہلے انبیاء کی تھی ۶۰-۲۲۸

۵۵۳

— مخالفین کے آپ پر اعتراضات اور ان کے جوابات

۱۰۶-۱۹۵-۵۲۵-۵۳۱-۵۲۶-۵۶۲

— دلائل نبوت ۱۰۶-۲۶۳

— آپ کا طہر و حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا جواب ہے ۱۱۲

— آپ پر تلاوت آیات، تذکیر اور تعظیم  
کتاب و حکمت کی ذمہ داریاں ۱۲۵

— آپ پر ایمان لانے والوں کے اوصاف ۲۲۳

— آپ کی ذمہ داری رسالت ۲۴۱-۳۶۵-۳۷۷

۵۰۳-۵۰۶

— آپ کی پیروی اللہ کی محبت کا مین تقاضا ہے ۲۳۵

— آپ کی دعوت وہی ہے جو عیسیٰ کی تھی ۲۹۰

— آپ پر نبوت ختم ہونے کے متعلق منفی اشارہ ۲۹۹

— غزوہ اُحد کے موقع پر دعا کرنے پر تنبیہ ۲۸۷

— سابق رسولوں کی طرح محض ایک رسول ہیں ۲۹۱

— جنگ اُحد کے موقع پر آپ کی موت کی خبر کا اثر ۲۹۱

— شجاعت و استقامت کا بے مثال مظاہرہ ۲۹۵

— قیادت کے بہترین اوصاف کی جامع سستی ۲۹۸

— آپ سونی مدی اعتماد کے سستی ہیں ۲۹۹

— آپ کی جنت مومنین کے لیے اللہ کا بڑا احسان ہے ۳۰۰

— آپ کے کار و رسالت کے بنیادی شعبے ۳۰۰

— آپ سے آپ کی اُمت پر آخرت میں شہادت طلبی ۳۵۳

— آپ کی سنت قیامت تک کے لیے سند ہے ۳۶۹

— آپ پر ایمان لانے کا تقاضا ۳۶۹

— خدائی اطاعت آپ کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں ۳۷۵

— آپ کا منصب قضا ۳۹۴

— آپ کی مخالفت کا نتیجہ عذاب جہنم ہے ۳۹۶-۳۹۷

— آپ پر وحی آنا کوئی انوکھا واقعہ نہیں ۴۲۴

— آپ اپنے رب کی طرف سے حق لے کر آئے ۴۲۷

— قریش کا آپ کو زیارت کبہ سے روکنے کا واقعہ ۴۳۴

— آپ ان باتوں کو کھونٹے والے ہیں  
جن پر اہل کتاب نے پردہ ڈال رکھا تھا ۴۵۵— آپ کی بعثت اہل کتاب کے لیے  
قریب از تمام محبت ہے ۴۵۸— آپ کو تمام معاملات میں کتاب اللہ  
کے تحت فیصلہ کرنے کا مکمل ۴۷۶

— آپ کے لیے اللہ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ ۴۸۷

— سورہ الانعام کے نزول کے وقت آپ کی کیفیت ۵۰۰

— مکہ میں آپ کی دعوت کے چار بڑے دور ۵۷۱-۵۷۲

— آپ کا اٹھارہ تہجد ۵۲۷-۵۲۹

— لوگوں کے جھٹلنے پر آپ کا رنج ۵۳۴

— آپ کو جھٹلانے والے آپ کی ذات کو نہیں جکھڑا دیا



— میریزیں اسلام کے قلبہ کا نذر ۴۳۵	آیات الفی کو جملاتے تھے ۵۳۴
مذہب	— آپ کو ذاتی حیثیت سے مخالفین ۵۳۵
— فطرت مذہب کی اصل کے متعلق ۱۳۳-۲۳۹	عادل مانتے تھے
— قرآنی نقطہ نظر	— قرآن آپ کے لیے فوق الانسانی ۵۳۶
— فطرت مذہب اسلام میں رد و بدل ۲۴۰	اختلافات ہونے کی تردید کرتا ہے
— کہہ کے بنائے گئے ہیں	— قرآن آپ کے عالم انبیاء ہونے کی تردید کرتا ہے ۵۳۷
— ایک دین سے کئی مذہب کیسے بنے ۶۰۴	— آپ وہی انبی کی پیروی کرنے والے تھے ۵۳۷
مروہ - اللہ کی نشانی ہے ۱۷۷	— ایمان نہ ہونے والوں کے واسطے میں آپ کو خاص ہدایت ۵۳۸
مریم	— مذہب لانا آپ کے اختیاریں نہ تھا ۵۳۹
— آپ کی پیدائش ۲۴۷	— آپ کو لوگوں پر حاد وادنیوں بنایا گیا ۵۴۸-۵۴۹
— ایمل کے واقعے کے بعد کے حالات ۲۴۸	—
— دنیا کی عمر قریب میں متاخر ۲۵۰	— آپ کا کام وہی تھا جو حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا ۵۵۲
— فرشتوں کا حضرت یسعیؑ کی پیدائش کی شہادت آپ کو دینا ۲۵۱	— آپ کو سابق انبیاء کے طریقہ پر چلنے کی ہدایت ۵۶۲
— آپ پر نبی اسرائیل کی بتان طرازی ۴۱۸	— آپ کی غیبت کو رد کرنے میں یسوع کا اندھا بوش ۵۶۳
— آپ پر کلمہ "بیجیے کا مطلب ۴۲۷	— آپ کو بلور خود معجزات دکھانے کا اختیار نہ تھا ۵۷۱
— زندہ و حیات کا مطلب ۴۲۸	— آپ کا ابراہیمؑ کے طریقے پر ہونا ۶۰۵
— ایک راست باز خاتون تھیں ۴۹۰	—
— یسائیوں میں روایت مریم کا حقیقہ ۵۱۵-۵۱۶	—
مزولفہ (دیکھو: "ع")	— مدنی دودھ کی سورتوں کی خصوصیات ۴۷
مساجد اشہد - کن روگ ان کی تربیت کے مستحق ہیں ۱۰۴	— مدنی دودھ کے آقا میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت ۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱

منح

— اصحابِ نبوت ۷۲۸

— یسوع کا بنیاد اور سرور بنایا جانا ۲۸۴

مسلم

— مسلم کرن ہوتا ہے ۱۱۳ - ۲۶۲

— مسلم ہونے کے تقاضے ۲۵۶

— سرتے دم تک مسلم رہنے کا مطالبہ ۲۵۶

— اس کا رویہ خدا کے سامنے ۴۳۸

— ہجرتِ انبیا کی معانی محو ہو جانا ۱۰۵

مسیح (دیکھو: "عیسیٰ")

مسیحی (دیکھو: "عیسائی")

مسیحیت (دیکھو: "عیسائیت")

مشرکینِ عرب

ان کے جہلانہ خیالات ۱۳۳

ان کی جہلانہ زمینیں ۱۳۳

ان کی جہلانہ جمعیتیں ۱۳۳

اسلام سے پہلے ان کی حالت ۲۴۴

یہ وحدتِ خالق کے قائل تھے ۵۲۳

ان کے لیے ان کے دین کا مشتبہ ہو جانا ۵۸۷

— ان کے ملت و حرمت کے مشترک تصورات ۵۸۸

(نیز دیکھو: "اہلِ اہلبیت")

مشیتِ الہی (دیکھو: "تقدیر")

معاشی قانون

— احوال کو نامزد لوگوں کے تعہد ۳۲۲

— میں دینا اور جوہِ فساد ہے

— کمائی کے باطل طریقے اور دین کے جائز طریقے ۳۲۵

— خدا کے عیادت میں فطری نامساوات اور اس کی

پاسداری ۳۳۸ - ۳۴۴

معجزات

— حیات بعد الموت کا معجزہ ہے کے { ۲۰۰

طور پر عملی مظاہرہ

— چار پرندوں کو زندہ کرنے کا واقعہ ۲۰۱

— حضرت زکریا کی باجمہ بیوی کے ہاں { ۲۳۹

اولاد کی پیدائش

— حضرت عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش ۲۵۱

— حضرت عیسیٰ کے خاص معجزات ۲۵۲

— قبول ہونے والی قربانی کو آسمانی آگ کا کھا جانا ۳۰۷

— اہل کتاب کو سومتی قربانی کا معجزہ { ۳۰۹

طلب کرنے پر جواب

— رنجِ عیسیٰ کی غیر معمولی وضیت ۴۲۰

— معجزاتِ عیسیٰ کی تفصیل ۵۱۳

— معجزاتِ انبیا کے اذن سے ہوتے ہیں ۵۱۳

— بطور خود معجزات دکھانے پر { ۵۲۵

نبیِ مسلم قادر نہیں تھے

— حدیثِ صالحہ کی تعمیر معجزات کے { ۵۳۶

بل پر نہیں برکتی

— معجزات دکھانا تمام قرآن کے انتیادی ہے ۵۷۱

معروف

— اس کا شرعی و قانونی مضمون ۱۳۹

— ہر بالمعروف کا فریضہ ۲۴۷

مکتہ

— مکتی دُعا کی نازل شدہ مسودوں کی خصوصیات ۴۶ - ۴۷

— مکتی دُعا میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت ۴۷ - ۴۸

— مکتی میں مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی { ۲۲۶

تربیت کے خطوط

- ان کی انتشار انگیز حرکات ۳۷۶
- ان کے بارے میں مسلمانوں سے ۳۷۶ {
- دو رائیں رکھنے پر گرفت ۳۷۶ {
- یہ مسلمانوں کو اپنے کفر کی چھوٹ لگانا چاہتے ہیں ۳۸۰
- ان سے دوستی کی ممانعت ۳۸۰
- ان سے دوران جنگ میں معاملہ ۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲
- نبی کے حالات فیصلہ سے اخراجات نفاق ہے ۳۹۷
- ان کا اہل ایمان کے بہانے کافروں کو فریضہ بنانا ۴۰۸
- ان کو جو نہیں کافروں کے ساتھ جمع کیا جائے گا ۴۰۹
- ان کی وجہ پالیسی ۴۰۹
- ان کی خدا سے فریب کاری ۴۰۹
- ان کی حالت تذبذب ۴۱۰
- یہ دوزخ کے سب سے بڑے پلٹے میں ہوں گے ۴۱۱
- یہی حق کی مخالفت کرنے والے ہیں ۴۱۱ {
- اور یہ ایمانوں سے ان کی دلچسپیاں ۴۱۱ {
- ان کے لیے جہاں جہاں فیصلہ ۴۸۱
- نفاق آخر کار کھل کے دکھائے گا ۴۸۱
- مسند**
- نوحی عن النکر کا فریضہ ۴۷۷
- نوحی عن النکر میں کتابی کرنے کا نتیجہ ۴۹۶
- من و سلویٰ ۷۷-۷۸
- موسیٰ خیر السلام
- آپ کا نانہ ۴۶۱
- چالیس شہاد روز کے لیے ۴۶۱ {
- طود پر جانے جاتے ہیں ۴۶۱ {
- کتاب اللہ فرقان سے نوازے جاتے ہیں ۷۶
- چٹان سے چٹنے والے کا سبب ۷۶

- سب سے پہلی مرکزی جماعت گاہ مکہ میں بنی ۲۷۴
- کو زندگی میں دعوت نبوی کے ۵۲۱-۵۲۲ {
- چار ہفتے دور ۵۲۱-۵۲۲ {
- دعوت اسلامی کے لیے اس کی مرکزیت ۵۶۳
- مناسک - مسلمانوں کی کسی زاد و شو کی ایجاد نہیں ۱۲۷
- منافقین - ۵۲-۵۱
- ان کے کسی قسم کے مذاق پائے جاتے تھے ۴۸
- دین میں منافقین کی مختلف اقسام ۴۸
- واقعہ نظر پر منافقین دین کی فتنہ انگیزوں ۱۶۵
- جنگ اُحد میں منافقین کی کم ۲۳-۲۹۱-۲۹۲ {
- ختمہ انداز یار ۲۳-۲۹۱-۲۹۲ {
- خود اُحد کے موقع پر عداوتیں لگتی ۲۸۵-۲۸۶ {
- کی فتنہ انگیزی ۲۸۵-۲۸۶ {
- مسلمانوں کے ایمان میں ختمہ اندازیاں ۲۹۳
- مرکز اُحد کے بعد اُحد کے متعلق ان کے ہاں زندگیوں ۲۹۶
- ان کا فتنائی طرز ۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴
- اُحد آرائشوں کے ذریعہ اہل ایمان سے ۳۰۵ {
- منافقین کو الگ کر دیتا ہے ۳۰۵ {
- اُحد کے واقعہ کے بعد دین میں ان کی سرگرمیاں ۳۱۷
- ان سے کیا نتائج نکلائے گئے ۳۱۸
- اسلام کی اصلاحات سے ان کی پختہ ۳۲۲
- اصلاحات کے نقطے کے لیے ان کا ۳۲۶-۳۲۷ {
- قرآن کو چھڑ کر طاقت کی طرف ۳۲۶-۳۲۷ {
- رجوع کرنا ۳۲۶-۳۲۷ {
- ان کا بعد سے ہی جہاننا ۳۷۲-۳۷۱
- ان کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ نبی رسول ۳۷۳
- ان کے خیر مشورے ۳۷۶

— آپ سے اشدّ قحالی کا بلا و دست کام کرتا ۴۲۵	— دواں کی میسانی کی سمجھ ریت کا انتظام ۲۴۶
— دشت نادان میں آپ کا خطاب نبی اسرائیل سے ۴۵۹	— وفدِ نجران کی ہش دہری ۴۶۰
— بچہ داغہ لگانے طلاق کی صورت میں ۱۸۱	— وفدِ نجران کا دعوتِ برابر سے گریز ۲۶۱
— نصف مرد دنیا چاہیے	— بذر۔ اس کی حقیقت ۴۰۸
— بیری کا مرصعات کرنا ۳۲۲	— نرسی۔ عرب میں نرسی کا قاعدہ اور اس میں بے جا تصرفات ۱۵۲
— بیری کو تنگ کر کے مر میں ۳۳۳-۳۳۴	— نصاریٰ (دیکھو: "میسائی")
— حق باری کرنے کی ممانعت ۳۳۳-۳۳۴	— نصرتِ الہی
— مرد واپس نہ لیا جائے ۲۳۵	— کب آتی ہے؟ ۱۶۳-۱۵۳
— یہ نکاح کے ارکان میں سے ہے ۳۳۱-۳۳۲	— اہل مہر کے لیے ہے ۱۵۰-۲۸۶
— میثاق (دیکھو: "معد")	— اس کے بنی پر تین گروہ کثیر گروہ پر ۱۹۰-۲۳۵
ن	— غالب آجاتا ہے
نبوت	— اشدّ اہل ایمان کا حامی و مددگار ہے ۱۹۲-۲۸۶
— اس کی تشریح ۱۸	۲۹۳
— اس کی ضرورت کس لیے پیش آئی؟ ۱۸	— نبی مسلم اور آپ کے ماسخیں سے اس کا دلدہ ۲۹۴
— تمام انبیاء کا دین ایک تھا ۱۸	— یہ جسے حاصل ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا ۲۹۹
— انسان کی دعوت ایک تھی ۱۸	— جو اس سے محروم ہو وہ کہیں سے مدد نہیں پاسکتا ۲۹۹
— انبیاء کس کام کے لیے آتے تھے ۱۸	— تفاف (دیکھو: "مناقیب")
— آوازِ نبوت ۱۶۲	— نقلِ عبادات۔ ان کو خفا سے انتہام دینا افضل ہے ۶۰۸
— انبیاء کی ہشت کی غرض ۱۶۲	نکاح
— اشدّ پر ہتان باندھ کر دوائے ۵۶۳	— مشرکین سے نکاح کی ممانعت اور اس کی مصلحت ۱۶۸
— نبوت کرنے والے	— محبت کی مدت گزرنے سے پہلے ۱۸۰
— اشدّ خود ستر جاتا ہے کہ رسالت ۵۵۹	— خدِّ علاج باندھنے کا فیصلہ نہ کیا جائے ۱۸۰
— کے لیے کس کو منتخب کرے	— تقدّر و ازدواج کی اجازت ۳۲۰
— (دیکھو: "انبیاء")	— تقدّر و ازدواج پر قیود ۳۲۰-۳۲۱
نجران	— قربات ۳۲۵ تا ۳۲۹
— وفدِ نجران کی آمد پر نازل ہونے والی آیات ۲۳۵	— لون و دشو کا تعلق موت نکاح کی صورت میں ہوتا ہے ۳۳۱
	— نکاح کے لیے مہر کی ضرورت ۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳

— اہل کتاب کی حمد و ثناء سے علاج کی اجازت ۴۴۶

نماز ۶۳-۹۰-۱۰۳

— نظامِ نماز میں اس کی اہمیت ۵۰

— اس کے قائم کرنے کا مطلب ۵۱

— کن لوگوں کے لیے دُشوار اور ۴۴

— کن لوگوں کے لیے آسان ہے

— نماز میں مسجدِ حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم ۱۳۱-۱۳۴

— ریل یا کشتی میں مستقبلِ قبلہ ۱۳۲

— صلوٰۃ و سُنَّۃ کی حقیقت ۱۸۲

— اسلامی نظامِ زندگی میں نماز کا مقام ۱۸۲

— ہر قسم کے حالات میں ادا کی جائے ۱۸۲

— صلوٰۃ خوف کا حکم کیا ہے ۳۱۶

— تیمم ۲۶۶-۲۵۵-۲۵۶

— قہر ۳۸۸-۳۸۹

— صلوٰۃ خوف ۳۱۸-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲

— حالتِ نشہ میں نماز کی ممانعت ۳۵۴

— حالتِ جنابت میں نماز کی ممانعت ۳۵۴

— اقامتِ صلوٰۃ اسلامی حکومت

کی نمایاں علامت ہے ۳۶۴-۳۶۵

— جنگی حالات میں نمازیں

تسخیر کرنے کی رخصت ۳۸۸

— اس کے لیے پابندیِ اوقات کی اہمیت ۲۹۲

— مناقبین کی نماز کا نقشہ ۴۰۹

— دُکھا سے کی نماز جو داسے پاندے پر بھی جائے ۴۰۹

— دورِ رسالت میں ایسے آدمین میاں کو فرمایاں جتنا ۴۱۰

— دُشمن کی فریخت اور اس کا طریقہ ۴۲۸

— شرابِ اورد جوئے میں نماز سے خلعت پیدا کرنے کی

غایت ۵۰۳

نہرو

— اس کا حضرت ابراہیم سے براہِ شہ ۱۹۶-۱۹۸-۱۹۹

— اس کے دھوکے غلطی کی حقیقت ۱۹۹

نیکی

— رسمی مظاہرات کا نام نیکی نہیں ہے ۱۳۶-۱۳۸

— اس کی حقیقت ۱۳۶-۱۳۷-۱۳۹

— ظاہر و باطن کا نام نیکی نہیں ۲۶۲

— اتفاق فی سبیلِ اللہ نیکی کے دروازے کی کُنجی ہے ۲۶۲

— نیکی کی طرف بلائے گئے لیے

ایک نیک جہات کی مزدورت ۲۶۶

— ایمان کے ساتھ جو نیکی کی جائے

دو ضائع نہیں جاسکتی ۲۸۱

— نیکی کے اجر کا اللہ دُعا کر دیتا ہے ۳۵۲

— ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت جو قوم

آدمی نیکی کرنے میں پیا نہیں کرتا ۳۵۲

— نیکی میں ہر ایک سے تعاون کرنا چاہیے ۴۴۰

— عمل کی حفاظت نہ کرنا نیکی نہیں ہے ۴۶۲

— نیکی کا اجر اللہ کے اُن دس گنا ہے ۶۰۴

و

وراثت (دیکھو: متافونِ اسلامی)

وسیلہ - اس کا مفہوم ۴۶۶

وجہ

— اس کے معنی ۲۷۴

— جو مسلم پر دُشمنی آنا کرنی اور کھانا دھن نہیں ۴۴۳

— جو مسلم کے دُشمن پر پہلے بھی دُشمنی آتی رہی ہے

— قرآن کا لاشکی خُرخش جو مسلم پر ہندو دُشمن آتا ۵۲۸

— صرف اشد کی رہنمائی ہی ہدایت ہے ۱۰۵ - ۲۳۲ -

۵۵۱ - ۵۶۱

— ہدایت اپنی سے منہ موڑنے کا انجام ۱۰۵ -

— ہدایت یافتہ ہونے کا معیار سیدیت و  
میسائیت کی من گھڑت مذہبی خصوصیات  
نہیں ہیں ۱۱۵ {

— ہدایت کا دار مالک میرا مستقیم  
کے اختیار کرنے پر ہے ۱۱۵ {

— کرن دگ ہدایت یافتہ ہیں ۱۲۵ -

— یہ انبیاء پر ایمان لانے سے متعلق ہے ۱۲۲ -

— ہدایت اشد کی دین ہے ۲۶۳ - ۵۳۸ - ۵۵۶ -

— راہ راست پانے کی شرائط ۲۵۱ -

— گمراہ دگ دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں ۲۵۶ -

— ہدایت کے لیے نصیحت قبول کرنا  
اور کیسے چونا ضروری ہے ۳۶۹ {

— ہدایت سے محرومی بلائیوں کی وجہ سے جرتی ہے ۲۶۹ -

— جسے اشد ہدایت سے محروم کر دے  
اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا ۳۸۰ - ۴۱۰ -

— ہدایت و فضائل کی ترقی کا قانون ۳۱۱ - ۵۳۸ -

۵۷۸

— اشد نے بنی اسرائیل کے دلوں پان کی  
باطل پرستی کی وجہ سے شہید ٹھایا ۴۱۶ {

— کفر اور مدح سبیل اشد کا نتیجہ انتہائی گمراہی ۴۲۶ -

— کفر و ظلم کرنے والوں کو اشد جہنم کے واسطے  
کے مساوی کسی طرف رہنمائی نہیں کرتا ۴۲۶ {

— اشد راہ راست کی طرف کیسے  
دلوں کی رہنمائی کرتا ہے ۴۳۱ {

— ”بشر“ پر نازل دہی سے اشد کے مسیح ۵۶۳ -

— انبیاء پر اس کے نازل کے چار دلائل ۵۶۳ -

— شیاطین کا اپنے ساتھیوں پر دہی کرنا ۵۷۷ -

و حقیقت (دیکھو: ”قانون اسلامی“)  
و ضرو

— اس کے ارکان ۴۴۸ -

— نبی مسلم کی طرف سے دہی کی طئی تکمیل ۴۴۸ -

۷

۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - ۵۶ - ۵۷ - ۵۸ - ۵۹ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۲ - ۶۳ - ۶۴ - ۶۵ - ۶۶ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۷۴ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۵ - ۹۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰ - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۱۰۷ - ۱۰۸ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۱۳ - ۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۱۶ - ۱۱۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۴۸ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴ - ۱۶۵ - ۱۶۶ - ۱۶۷ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰ - ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ - ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ - ۱۰۰۵ - ۱۰۰۶ - ۱۰۰۷ - ۱۰۰۸ - ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ - ۱۰۱۷ - ۱۰۱۸ - ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ - ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ - ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰ - ۱۰۳۱ - ۱۰۳۲ - ۱۰۳۳ - ۱۰۳۴ - ۱۰۳۵ - ۱۰۳۶ - ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ - ۱۰۳۹ - ۱۰۴۰ - ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳ - ۱۰۴۴ - ۱۰۴۵ - ۱۰۴۶ - ۱۰۴۷ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۵۰ - ۱۰۵۱ - ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ - ۱۰۵۴ - ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶ - ۱۰۵۷ - ۱۰۵۸ - ۱۰۵۹ - ۱۰۶۰ - ۱۰۶۱ - ۱۰۶۲ - ۱۰۶۳ - ۱۰۶۴ - ۱۰۶۵ - ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ - ۱۰۶۹ - ۱۰۷۰ - ۱۰۷۱ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۳ - ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ - ۱۰۷۶ - ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۰ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ - ۱۰۸۵ - ۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ - ۱۰۸۸ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۰ - ۱۰۹۱ - ۱۰۹۲ - ۱۰۹۳ - ۱۰۹۴ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۶ - ۱۰۹۷ - ۱۰۹۸ - ۱۰۹۹ - ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ - ۱۱۰۲ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ -

— تیمیم پیموں اور بچوں کے پاؤں میں { ۴۰۱  
انصاف کی تعین

— یحییٰ علیہ السلام

— ان کا غلامانہ قتل ۸۱

— کربلا کے ساتھ پیدا کیے گئے ۲۴۹

— یعقوب — اپنی اولاد کو ان کی آخری تعین ۱۱۳

یہود

— نعل قرآن کے وقت ان کی { ۲۶۵-۲۶۶  
مذہبی و اخلاقی مانت

— ان کے مجاز پر قرآن کی تنقید کیا جتی ہے ۴۶۹

— قرآن میں ان پر کیوں تنقید کی گئی ہے ۸۶-۶۰

— ان کے اخلاقی و مذہبی جرائم ۶۲-۹۳-۹۵-۹۶

۹۶-۹۹-۱۰۰-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷

۳۶۰-۳۶۲-۴۶۱-۴۶۳-۴۸۴

— شریک عرب میں ان کا مذہبی و اخلاقی اثر ۷۲

— اسلام کے فطرت { ۲۳۰-۲۲۹-۸۸-۷۲  
ان کے جنگ بندی

— نماز اور زکوٰۃ سے ان کی مخالفت ۷۳

— ان کی بت پرستی ۸۱

— ان کا زعم باطل کہ نہات { ۹۵-۸۲  
صرف انہی کا اہار ہے

— کتاب النبی میں ان کی تقریبات ۸۶-۸۹

— اہل مدینہ پر ان کے اخلاقی و مذہبی اثرات ۸۶-۹۳

— ان کے غلام کی اخلاقی مانت ۸۶-۸۹-۲۶۷-۲۶۵

— خدا کے ساتھ ان کی بدگمانیاں ۸۸

— ان کے غلام کی جہات ۸۸

— ان کے مجاز کے اسباب ۸۹-۹۱-۱۰۲-۱۲۸

— اشد کی رضا کے غامض کے لیے { ۴۵۲  
قرآن مدنیہ ہدایت ہے

— دونوں پر اشد کی طرف سے { ۵۳۱-۵۳۱  
پردے ڈالے جانے کا منہم

— اشد جبر و ہدایت نہیں دیتا ۵۲۵

— دعوت حق پر کیسے لوگ ایک کتے ہیں ۵۳۶

— دعوت حق سے مرد منیر لوگوں کی ہے نصیبی ۵۲۷

— اسان کے قبول ہدایت میں { ۵۳۰  
یہود کی رختہ اندازیاں

— اس کے حصول کے لیے اپنی ہی { ۵۲۸  
بینائی کام دے سکتی ہے

— اس کے قبول یا رد کرنے میں { ۵۲۸  
کوئی کا اپنا ہی نقش نقصان ہے

— اشد کی مشیت یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو { ۵۲۰  
جبری ہدایت پر پسند کیا جاتا

— ہدایت کا انحصار مجبور پر نہیں ہے ۵۷۲

— اشد ٹکرتی مخالفت کر کے کسی کو عرصہ میں بناتا ۵۷۲

۵۷۲-۵۷۴-۵۷۶

— جسے اشد ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا { ۵۷۹  
نیت اسلام کے لیے کھول دیتا ہے

— ہلاکت — اس فلاکسٹنی خیر استعمال ۵۸۱

ی

تفہیم

— قیمر کے احوال میں امانت داری ۳۱۹-۳۲۳

۳۲۳-۳۲۵-۵۹۹-۶۰۰

— حرقہ تباہی اور تنقید آزاداج ۳۲۰

— طرح تک ان کے احوال کی مخالفت ۳۲۲

— نبی مسلم کے تکی کی رادش پر ان کو کلیف ثابت ۴۶۲

— نبی مسلم کے لیے یہ کہہ کے تفتت { ۴۶۱  
سننے دے سننے کا اختیار

— ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی اور آخرت میں بھی

— ان کا خدا کے قانون سے اجراض ۴۶۲

— ان کا حکم قریم کو چھپانا ۴۶۲

— ان کی مذہبی ہدایت کی پروردہ دہی ۴۶۳

— ان کو دعوت اصلاح ۴۶۳

— ان کے لیے سچ کی سزا ۴۸۳

— اللہ پر کلمی کی بستی کتے تھے ۴۸۵

— محمد قرآن ان کے لیے طیان و کفر { ۴۸۵  
میں اضافہ کا سبب بن گیا

— ان کے طیان و کفر کا وبال ۴۸۶

— ان کا شریکین سے جوڑ ۴۹۰

— ان کا رسول اللہ کے بشر ہونے پر { ۵۹۲  
احقر من اور اس کا جواب

— ان کا خود شامع بن جیشنا ۵۹۳

— ان کا شیت الہی کے متعلق غلط تصور ۵۹۶

### یہودیت

— حضرت ابراہیم کے بہت بدتمیزی جو حق { ۴۶۳  
مدعی قلبی مسیح میں پیدا ہوئی

— یہودیت کے مذہبی نظام میں { ۴۶۶  
نسلی تعصب کی ذوج

— آخرت کے متعلق ان کا غلط عقیدہ ۸۹-۲۶۶

— دینے کے یہودیوں کی اخلاقی حالت ۹۱-۹۳

— علمائے یہود پر حضرت عیسیٰ کی تنقید ۲۵۵

— یہود نے دعوت عیسوی کو رد کر دیا ۲۵۸

— اسرائیلی اور عیسائیوں کے لیے جلا جلا افلاقی نودیہ ۲۶۶

— ان کا افتراء علی اللہ ۲۶۶

— نیکی کے متعلق ان کا ظاہر پرستانہ تصور ۲۶۶

— ان کے علماء کی عقلی بحثہ آفرینیاں ۲۶۶

— ان کی فتنہ آفرینوں پر تنبیہ ۲۶۵

— دین کے مسلمانوں سے ان کے منافقہ تعلقات ۲۸۲

— اللہ کا مذاق اڑانے کی جسارت ۳۰۶

— بنی نضیر کی سازش کی کارروائیاں ۳۱۸

— اسلام کی اصلاحات سے ان کی پٹ ۳۲۳

— یہودی کی تحریریں کلمات کی تین صورتیں ۳۵۰

— جزئیات کی ناپ تول کے ساتھ { ۳۵۹  
ان کی شرک پسندی

— دین کے یہود کا رسول اللہ سے متعلقہ اگیز مطالبہ ۳۱۵

— ان کے لیے بعض طبیات کی { ۴۲۲-۵۹۲  
حرمیت بطور سزا

— ان کا اچھا عنصر ۴۲۳

— اس قوم کا تہذیب و جہت ہونا ۴۲۳

— نبی مسلم اور صحابہ کے خلاف ان کی قاتلانہ سازش ۴۲۳

— ان کا بد زعم کہ وہ اللہ کے بیٹے اور جیتے ہیں ۴۵۰





